الشرح الثمیری

علی المختصر للقدوری

٣٦٢ھ - ٤٢٨ھ

پہلی جلد

اس شرح میں ہر ہر مسئلے کے لئے تین تین حدیثیں ہیں

شارح

حضرت مولانا ثمیر الدین قاسمی صاحب دامت برکاتہم

از کتاب الطھارۃ تا کتاب الحج

ناشر

مکتبہ ثمیر، مانچیسٹر، انگلینڈ

mobile (0044) 7459131157

﴿فہرست مضامین الشرح الثمیری﴾

شارح کا پتہ

Maulana Samiruddin Qasmi
70 Stamford Street
Old Trafford - Manchester
England M16 9LL
E samiruddinqasmi@gmail.com

mobile (0044) 7459131157

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿ خصوصیات الشرح الثمیر ی ﴾

(۱) ہر مسئلہ کو الگ الگ لکھا گیا ہے اور اس پر نمبر ڈال دیا گیا ہے تا کہ مسئلہ سمجھنے اور نکالنے میں آسانی ہو۔

(۲) ہر مسئلہ کا با محاورہ ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔

(۳) ہر مسئلہ کی وجہ یعنی دلیل عقلی اور دلیل نقلی پیش کی گئی ہے۔

(۴) ہر مسئلہ کے تحت احادیث کا ذخیرہ پیش کیا گیا ہے تا کہ ہر ہر مسئلہ کو احادیث سے نکالنے میں آسانی ہو۔

(۵) کونسا مسئلہ کس اصول پر فٹ ہوتا ہے وہ اصول بیان کیا گیا ہے۔

(۶) لغت کے تحت مشکل الفاظ کی تحقیق پیش کی گئی ہے۔

(۷) فائدہ کے تحت ائمہ کرام کا اختلاف مختصر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

(۸) تشریح کے تحت پیچیدہ مسئلہ کو سہل انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

(۹) دلیل وغیرہ کو بہت طول نہیں دیا گیا ہے تا کہ طلباء تنگ نہ آجائیں۔

(۱۰) زبان سلیس اور آسان استعمال کی گئی ہے۔

(۱۱) دلیل اور اصول وغیرہ ہدایہ اور صحاح ستہ جیسی اہم کتابوں سے لئے گئے ہیں۔

(۱۲) وراثت کے مسئلے کو کلکیو لیٹر کی مدد سے نئے انداز میں سیٹ کیا ہے جس سے پورا مناسخہ دومنٹ میں حل ہوجاتا ہے۔

شارح : حضرت مولانا ثمیر الدین قاسمی صاحب دامت برکاتہم
(سابق استاد حدیث، جامعہ اسلامیہ، مانچسٹر)
چیرمین مون ریسرچ سینٹر، یوکے

(۱)

فخر سے احناف کا سر آج اونچا ہو گیا
ایک اہلِ علم کی روشن ضمیری دیکھئے
گر مسائل بالدلائل چاہتے ہو دیکھنا
تو ثمیر الدین کی شرحِ ثمیری دیکھئے

(۲)

اوراق ہیں سب جس سے قدوری کے منور
وہ ماہِ درخشاں ہے یہی شرحِ ثمیری
جو حسن میں انمول ہے بے مثل ہے نادرؔ
وہ لعلِ بدخشاں ہے یہی شرحِ ثمیری

تقریظ

دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیراحمد صاحب دامت برکاتہم کی رائے گرامی

باسمہ تعالی

میں نے عزیز شاگرد مولانا ثمیر الدین قاسمی کی ' الشرح الثمیری علی المختصر للقدوری ' کے مسودے کو جگہ جگہ سے دیکھا۔ انہوں نے ہر ہر مسئلے کو الگ الگ کیا اور اس کے ماتحت میں ہر مسئلے کے لئے باحوالہ آیت لانے کی کوشش کی، وہ نہ ملی تو صحاح ستہ سے پورے حوالے کے ساتھ حدیث لانے کی کوشش کی۔ اور وہ نہ ملی تو مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبد الرزاق سے قول صحابی یا قول تابعی لائے۔ اور اس بات کا التزام کیا کہ کوئی مسئلہ بغیر حدیث یا بغیر قول صحابی کے نہ رہ جائے۔ تاکہ ہر ہر مسئلہ مستند ہو جائے۔ کمال کی بات یہ ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کو بھی بیان فرمایا اور اس کے لئے بھی صحاح ستہ سے احادیث لانے کی سعی کی۔

اس قسم کا کام پہلے بہت کم ہوا ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ طلباء اور علماء کو اس سے بہت فائدہ ہوگا۔ اور لوگ اب مسئلے کو احادیث سے ثابت کیا کریں گے اور اس بات کو جانیں گے کہ کون سا مسئلہ آیت سے ثابت ہے، کون سا مسئلہ حدیث سے، اور کون سا مسئلہ قول صحابی سے، اور ان کا درجہ کیا ہے۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔

اللہ تعالی اس کتاب کو قبولیت سے نوازے۔ آمین

نصیر احمد عفا اللہ عنہ　(شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند)

صدر المدرسین دارالعلوم : ۱۰، مارچ ۲۰۰۳ء ، ۶ محرم ۱۴۲۴ھ

تقریظ
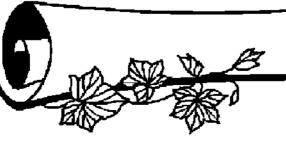
دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم (مرتب فتاوی دارالعلوم، دیوبند)

حضرت مولانا ظفیر الدین صاحب دامت برکاتہم کی رائے گرامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

امابعد! فقہ حنفی کتاب اللہ، احادیث نبویؐ اور اقوال صحابہؓ سے مستنبط ہے۔ کوئی بنیادی مسئلہ ایسا نہیں جس کا ثبوت کتاب وسنت اور اقوال صحابہ میں نہ ملتا ہو۔ لیکن وہ لوگ جو تقلید کے مخالف ہیں یا جن کا مطالعہ محدود ہے ان کو اعتراض ہے کہ فقہ حنفی کے پیچھے کتاب وسنت سے دلائل نہیں ہیں۔ حالانکہ بہت ساری کتابیں فقہ حنفی کی کتاب وسنت کے حوالوں سے چھپ کر شائع ہو چکی ہیں۔

پھر بھی ضرورت تھی کہ حنفی کی وہ کتابیں جو درسیات میں داخل ہیں اور دلائل سے خالی ہیں ان کی شرحیں اس طرح لکھی جائیں کہ ہر مسئلے کے ساتھ کتاب وسنت سے اس کے دلائل بھی نقل ہوں۔

یہ دیکھ کر دلی مسرت ہوئی کہ مولانا ثمیر الدین قاسمی قدوری کی ایسی شرح لکھ رہے ہیں جس میں انہوں نے ہر بنیادی مسئلے کو کتاب وسنت کے دلائل سے مزین کیا ہے۔ خواہ کتاب اللہ کی آیتوں کا حوالہ ہو یا حدیث نبوی کا یا اقوال صحابہ کا۔ مولانا موصوف زید مجدہ نے اس شرح کے لکھنے میں کافی محنت کی ہے اور مسائل کو کتاب وسنت کے حوالے درج کرنے کی سعی بلیغ کی ہے۔ مجھے امید ہے کہ مولانا کی یہ محنت اہل علم میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھی جائیگی۔ اور عوام وخواص اس شرح سے مستفید ہوں گے اور مولانا کو دعائیں دیں گے۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اس شرح کو ان کے لئے زاد آخرت بنائے اور علماء وطلبہ اس کو مطالعہ میں رکھیں۔

طالب دعا : محمد ظفیر الدین غفرلہ

مفتی دارالعلوم : ۱۰، مارچ ۲۰۰۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿ حالات شارح ﴾

حضرت مولانا ثمیر الدین قاسمی صاحب دامت برکاتہم

از : (حضرت مولانا) عبدالعزیز قاسمی (صاحب)

مہتمم جامعہ روضۃ العلوم، نیا نگر، ضلع گڈا، جھارکھنڈ، انڈیا

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم

سن پیدائش

حضرت مولانا ثمیر الدین صاحب ٦، نومبر ١٩٥٠ء، مطابق ٢٥ محرم ١٣٧٠ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ تاریخ تحقیقی نہیں ہے کیونکہ گھر میں تاریخ لکھنے کا رواج نہیں تھا۔ البتہ قریب قریب یہی تاریخ ہے۔ اس کو سارٹی فیکٹ اور پاسپورٹ پر درج کروایا ہے۔

مقام پیدائش

حضرت مقام گھٹّی، تھانہ مہگاواں، ضلع گڈّا، صوبہ جھارکھنڈ میں پیدا ہوئے۔ یہ صوبہ پہلے بہار کا حصہ تھا۔ اب الگ کر کے جھارکھنڈ کر دیا گیا ہے۔ یہ گاؤں شہر بھاگلپور اور شہر گڈا سے دور دیہات میں ہے۔ جہاں ابھی بھی بجلی، پانی اور سڑک کی سہولتیں نہیں ہیں۔

شجرۂ نسب

نام ثمیر الدین، والد کا نام جمال الدین، دادا کا نام محمد بخش عرف لدنی، پردادا کا نام چولہائی، قوم شیخ صدیقی، بہت بعد میں ان کا نسب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ اس لئے اس خاندان کو شیخ صدیقی کہتے ہیں۔ باضابطہ کوئی شجرہ نہیں ہے البتہ ان کے خاندان میں یہی مشہور ہے۔

تعلیم

ابتدائی تعلیم گھٹّی گاؤں کے مکتب میں مولوی عبد الرؤف عرف گونی، مقام مرغیا چک، ضلع بھاگلپور سے حاصل کی۔ اسی مکتب میں اردو، ہندی، حساب اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔

بارہ سال کی عمر میں ١٩٦٢ء میں مدرسہ امداد العلوم، اٹکی رانچی تعلیم حاصل کرنے گئے۔ ١٩٦٤ء میں مدرسہ اعزازیہ، پتھنہ بھاگلپور میں داخلہ لیا۔ ١٩٦٦ء میں دار العلوم چھاپی گجرات گئے۔ اور ١٩٦٨ء میں مرکز علم و عرفان دار العلوم دیوبند میں اعلیٰ تعلیم کے لئے داخلہ لیا۔ شعبان ١٣٩٠ھ مطابق اکتوبر ١٩٧٠ء میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔ حضرت نے بخاری شریف حضرت علامہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی، ترمذی شریف حضرت مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہیؒ، ابو داؤد شریف حضرت مولانا عبد الاحد صاحبؒ، مسلم شریف حضرت مولانا شریف صاحبؒ اور طحاوی شریف حضرت مولانا حسین احمد بہاری صاحبؒ کے پاس پڑھی۔ یہ حضرات اس زمانے کے جبال العلم تھے جس سے حضرت نے زانوئے تلمذ طے کیا۔

۱۹۷۱ء میں تکمیل ادب عربی میں داخلہ لیا اور عربی میں مہارت حاصل کی۔ ۱۹۷۲ء میں فنون میں داخلہ لیا اور فلکیات وغیرہ میں مہارت حاصل کی۔ دارالعلوم دیوبند کی پانچ سالہ زندگی حضرت مولانا کے لئے بہت اہم ہے۔اس دوران ہمیشہ تنہائی میں بیٹھ کر علم ومطالعہ میں مشغول رہے۔میں نے ایک مرتبہ استاذ دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی کے سامنے مولانا ثمیر الدین کا تذکرہ کیا تو وہ فرمانے لگے، وہی مولانا ثمیر الدین جو فارغ وقت میں قبرستان میں بیٹھ کر مطالعہ کیا کرتے تھے۔میں نے کہا ہاں! وہی، پھر مولانا عبدالخالق صاحب نے مولانا کی محنتوں کے کئی واقعات بیان کئے جس سے ناچیز کو اندازہ ہوا کہ مولانا نے ابتدا ہی سے کتب فہمی میں کتنی محنت کی ہے۔اسی کا ثمرہ ہے کہ'الشرح الثمیر ی' جیسی عظیم کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

تدریسی خدمات

جنوری ۱۹۷۳ء مطابق شوال ۱۳۹۳ھ سے حضرت نے تدریسی خدمات کا آغاز کیا۔اس دوران مدرسہ کنز مرغوب، پٹن، گجرات، مدرسہ تعلیم الاسلام، آنند، گجرات، جامعہ رحمانی خانقاہ، مونگیر، بہار میں دورۂ حدیث کی اہم کتاب ابوداؤد شریف اور ترمذی شریف پڑھاتے رہے۔اور تقریباً تیس سال تک درسی خدمات انجام دیتے رہے۔اور اس دوران تفسیر، حدیث، فقہ، منطق اور فلسفہ کی اہم کتابیں دس دس بارہ بارہ مرتبہ پڑھائی۔کتابوں کو اتنا پڑھایا کہ اکثر کتابوں کا خاکہ زبانی یاد ہو گیا۔

تدریسی انداز

حضرت مولانا کا انداز تدریس بالکل نرالا ہے۔ جتنا سبق پڑھانا ہو پہلے پورے کا خاکہ بیان کرتے ہیں۔طلباء کو کئی بار زبانی سمجھاتے ہیں۔جب پورا سبق طلباء کو یاد ہو جاتا ہے بلکہ ایک مرتبہ طلبہ سے کہلوا لیتے ہیں جب مولانا کو اطمینان ہو جاتا ہے کہ طلبہ کو پورا سبق یاد ہو گیا تب ترجمہ کرواتے ہیں۔اس طرز تدریس سے طلباء اتنا خوش ہوتے ہیں کہ ایک مرتبہ پڑھ لینے کے بعد کبھی نہیں بھولتے۔اور ہمیشہ اپنی کتاب حضرت ہی سے پڑھنا چاہتے ہیں۔

مجھے ہدیۃ النحو میں 'ما اضمر عامله علی شريطة التفسير' کا مطلب سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔کھانے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت سے اس کا مطلب پوچھ لیا۔حضرت نے وہیں برتنوں پر ہاتھ رکھا۔ایک تھالی کو عامل دوسری کو ضمیر اور تیسری کو چھپا ہوا مفعول قرار دیا اور پوری بحث زبانی سمجھا دی۔جس سے اندازہ ہوا کہ حضرت کو کتاب کتنی یاد ہے اور سمجھانے کا انداز کتنا سہل اور دلنشیں ہے۔

مارچ ۲۰۰۴ء میں حضرت کی معیت میں بہار کے مرکز علم 'امارت شرعیہ' پھلواری شریف، پٹنہ حاضر ہوئے۔وہاں کے منتہی طلبہ کو حضرت کے انداز تدریس سے استفادہ کرنے کا شوق ہوا۔وہ لوگ ہدایہ اخیرین لیکر آئے اور مشکل مقام سے عبارت پڑھی۔حضرت نے بغیر مطالعہ کے پورے سبق کو زبانی سمجھا دیا۔جب طلباء نے سمجھ لیا تب کتاب کھول کر ترجمہ کروایا۔طلبہ اس دلنشیں انداز کو دیکھ کر حیران ہو گئے۔میرا خیال ہے کہ بار بار خاکہ سمجھانے کی وجہ ہی سے اکثر کتابیں حضرت کے ذہن میں مستحضر ہو گئی ہیں۔

تصنیفی خدمات

حضرت مولانا ہندوستان، پاکستان اور برطانیہ کے کئی اہم پرچوں کے مضمون نگار ہیں۔جس میں اہم مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔آپ

'جامعہ اسلامیہ، مانچسٹر سے نکلنے والا جریدہ 'الجامعہ' کے ایڈیٹر رہے ہیں۔اس کے علاوہ اب تک تقریبا اٹھارہ کتابیں ان کے نوک قلم سے نکل چکی ہیں جن کی فہرست مندرجہ ذیل ہے۔

(۱) انوار فارسی
(۲) خلاصۃ التعلیل
(۳) صدائے دردمند
(۴) علاقہ میں کمیٹی کی ضرورت
(۵) تفریق وطلاق
(۶) طلاق مغلظہ آٹھویں مرحلے پر
(۷) عیسائیت کیا ہے؟
(۸) لائف آف عیسی علیہ السلام (انگریزی)
(۹) اصلاح معاشرہ
(۱۰) حاشیہ سفینۃ البلغاء (عربی)
(۱۱) تحفۃ الطلباء شرح سفینۃ البلغاء (اردو)
(۱۲) تاریخ علاقہ گڈّا و بھاگلپور
(۱۳) یادِ وطن
(۱۴) سائنس اور قرآن
(۱۵) فلکیات جدیدہ
(۱۶) اسلامی کیلنڈر
(۱۷) رویت ہلال علم فلکیات کی روشنی میں
(۱۸) الشرح الثمیری علی المختصر للقدوری

کارہائے نمایاں

حضرت نے فلکیات اور اسلامی کیلنڈر کے سلسلے میں نمایاں کام انجام دیا ہے۔عرب کے کئی ملک ڈیڑھ دن مقدم وقت پر کیلنڈر بنائے ہوئے تھے۔اور اس سے بھی پہلے اعلان کرتے تھے جس کی وجہ سے صحیح وقت سے ڈھائی دن مقدم ہوجاتا تھا اور یورپ میں بہت انتشار ہوتا تھا۔حضرت مولانا نے اس کے لئے فلکیات جدیدہ، رویت ہلال علم فلکیات کی روشنی میں، اور اسلامی کیلنڈر جیسی اہم کتابیں تصنیف کیں۔ عرب ملکوں کا بار بار سفر کیا اور وہاں کے اہل علم کو توجہ دلائی۔ان کو اپنی غلطی کا احساس کروایا جس کی وجہ سے انہوں نے اپنا کیلنڈر تبدیل کیا۔وہ کیلنڈر ابھی بھی رویت بصری سے ایک دن مقدم ہے۔پھر بھی یہ جدو جہد کم نہیں ہے کہ سر پر کفن باندھ کر وہاں گئے اور آٹھ سال تک خط و کتابت کے ذریعہ سمجھاتے رہے۔آج یورپ میں اکثر و بیشتر ایک رمضان اور ایک عید ہوجاتی ہے اس کار خیر میں حضرت کے جدو جہد کو کافی دخل ہے۔ورنہ تو پہلے تین تین دن تک عید ہوتی رہتی تھی۔

الشرح الثمیری ایک عظیم کارنامہ

حضرت کی یہ شرح بھی ایک نئے انداز کی ہے۔اب تک جتنی شرحیں ناچیز کی نظر سے گزری ہر ایک میں ترجمہ اور مختصر تشریح پر اکتفا کیا۔لیکن بالالتزام ہر مسئلے کو الگ کرنا، اس پر نمبر لگانا اور ہر ایک مسئلے کی ایسی تشریح کرنا جس سے غبی سے غبی طالب علم کو سمجھ میں آجائے کسی کتاب میں نہیں دیکھا۔پھر ہر مسئلے کے لئے بالالتزام پورے حوالے کے ساتھ حدیث لائے جس سے مسئلہ مدلل ہوجائے کسی شرح میں نہیں دیکھا۔ یہ اس شرح ہی کا کمال ہے کہ اصلی کتابوں سے تلاش کر کے حدیث لکھی گئی۔اور باب کے ساتھ حدیث کا صفحہ اور حدیث کا نمبر تک درج کیا۔اس شرح سے حدیث کا تلاش کرنا آسان ہوگیا۔اور ہر طالب علم کے سامنے برجستہ حدیث مستحضر ہوجائے گی۔مسئلے کے ساتھ حدیث پڑھنے سے

دل کوسکون ہوتا ہے۔اور یقین ہو جاتا ہے کہ یہ مسئلہ کس حدیث سے ثابت ہے اور کس درجہ کا مسئلہ ہے۔

حدیث کے استخراج کے لئے تقریبا ۳۰ کتابوں کو چھانا ہے۔اتنی محنت اور تتبع وتلاش کم شارح کرتے ہیں۔لیکن حضرت دن رات چار سال تک اس دھن میں لگے رہے اور گوہر نایاب امت کے سامنے پیش کرنے کے قابل ہوئے۔

جن مسئلوں کے تحت حدیث یا قول صحابی یا قول تابعی نہیں لکھا اس کا مطلب یہ ہے کہ ان تیس کتابوں میں بہت تلاش کیا لیکن حدیث یا قول صحابی یا قول تابعی نہیں ملا جس کی وجہ سے حضرت نے کوئی حوالہ نہیں دیا۔اگر ان کتابوں سے حوالہ ملتا تو حضرت ضرور نقل فرماتے۔البتہ کسی صاحب کو حوالہ ملے تو ضرور مطلع فرمائیں تا کہ مسئلہ تشنہ نہ رہ جائے۔

اس شرح میں یہ کمال بھی ہے کہ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ کا مسلک بھی بیان کیا اور صحاح ستہ سے ان کے بھی مضبوط دلائل مع حوالہ پیش کئے تا کہ کوئی صاحب بروقت ان کے دلائل سے واقفیت حاصل کرنا چاہے تو فورا کر لے۔یا حنفیہ اور شوافع کے دلائل میں موازنہ کرنا چاہے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔حضرت کی یہ دریا دلی بھی قابل داد ہے۔

برطانیہ جیسے یورپی ملک جہاں دینی ماحول بہت کم ہے اور پڑھنے لکھنے کی سہولت کم یاب ہے وہاں ایسی نایاب شرح لکھنا محنت و جفاکشی کا کام ہے۔جس کو حضرت نے پوری تندہی سے انجام دیا۔اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اس عظیم خدمت کو قبول فرمائے اور نجات کا ذریعہ بنائے۔آمین یا رب العالمین! ایں دعا از من از جملہ جہاں آمیں باد۔

ناچیز عبد العزیز غفرلہ

خادم جامعہ روضۃ العلوم، نیا نگر

ضلع گڈا، جھارکھنڈ ۲۱، اپریل ۲۰۰۴ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿نقل احادیث میں ترتیب کی رعایت﴾

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

قدوری پڑھانے کے زمانے میں ذہین طلباء کبھی کبھی اشکال کرتے کہ ہر مسئلے کے ثبوت کے لئے حدیث بیان کریں، صرف دلیل عقلی سے لوگ مطمئن نہیں ہوتے، وہ کہتے کہ ہماری مسجدوں میں شافعی، مالکی اور حنبلی لوگ ہوتے ہیں، ان کے سامنے مسئلہ بیان کرتا ہوں تو وہ نہیں مانتے۔ وہ کہتے ہیں کہ مسئلہ آیات قرآنی سے بنتا ہے یا حدیث سے۔ زیادہ سے زیادہ قول صحابہ اور اس سے بھی نیچے اتریں تو قول تابعی یا فتوی تابعی پیش کر سکتے ہیں۔ اس لئے ہر مسئلے کے لئے آیت قرآنی یا احادیث پیش کیا کریں!

طلباء کی پریشانی اپنی جگہ بجا تھی۔ واقعی شافعی، حنبلی اور مالکی حضرات مسئلے کے لئے احادیث ہی مانگتے ہیں۔ اور وہ بھی صحاح ستہ سے، وہ دلیل عقلی سے مطمئن نہیں ہوتے۔ اس لئے یہ ناچیز بھی پریشان تھا اور دل میں سوچتا رہتا کہ اگر موقع ہو تو قدوری کے ہر مسئلے کے ساتھ باب، صفحہ اور حدیث کے نمبرات کے ساتھ پوری حدیث نقل کر دی جائے تاکہ طلباء کو سہولت ہو جائے اور دوسرے مسلک والوں کو مطمئن کر سکے۔ کسی کو اصلی کتاب دیکھنا ہو تو وہاں سے رجوع کرے۔ حدیث، باب اور احادیث کے نمبرات لکھنے سے طلباء کو بھی پتہ چل جائے کہ یہ مسئلہ کس درجے کا ہے۔ اگر آیت سے ثابت ہے تو مضبوط ہے۔ صحاح ستہ کی احادیث سے ثابت ہے تو اس سے کم درجے کا ہے۔ اور دار قطنی اور سنن بیہقی میں وہ احادیث ہیں تو اس سے کم درجے کا مسئلہ ہے۔ اور مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبد الرزاق کے قول صحابی یا قول تابعی سے ثابت ہے تو وہ مسئلہ اس سے کم درجے کا ہے۔ اس لئے ایسے مسئلے میں دوسرے مسلک والوں سے زیادہ نہ الجھیں تاکہ اتحاد کی فضا قائم رہے۔ برطانیہ میں ایک پریشانی یہ ہے کہ ایک ہی مسجد میں شافعی، حنبلی، مالکی اور حنفی سبھی موجود ہوتے ہیں۔ اور ہر مسلک والے اپنے اپنے مسلک کے اعتبار سے نماز ادا کرتے ہیں اس لئے مسئلے کی حیثیت معلوم نہ ہو تو یہاں الجھاؤ زیادہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے ناچیز کے ذہن میں بار بار تقاضا آتا رہا۔ حسن اتفاق سے کچھ سالوں سے فرصت مل گئی جس کی وجہ سے اس تمنا کو پوری کرنے کا موقع ہاتھ آ گیا۔ چنانچہ طلباء کی خواہش کے مطابق ہر مسئلے کو نمبر ڈال کر علیحدہ کیا۔ اور پوری کوشش کی ہے کہ اس کے ثبوت کے لئے پہلے

نمبر شمار	ترتیب	کل آیت یا کل احادیث	سن ولادت مصنف	مقام ولادت مصنف	سن وفات مصنف	تفصیل
(۱)	آیت آجائے	۶۲۳۶	-	-	-	وہ نہ ملے تو پھر
(۲)	بخاری شریف کی حدیث	۷۵۶۳	۱۹۴ھ	بخارا	۲۵۶ھ	وہ نہ ملے تو پھر
(۳)	مسلم شریف کی حدیث	۳۰۳۳	۲۰۴ھ	نیشاپور	۲۶۱ھ	وہ نہ ملے تو پھر

حاشیہ : بخارا اور نیشاپور یہ دونوں مقامات اس وقت روس میں تاجکستان کے قریب ہیں۔

نمبرشمار	ترتیب	کل احادیث	سن ولادت مصنف	مقام ولادت مصنف	سن وفات مصنف	تفصیل
(۴)	ابوداؤدشریف کی حدیث	۵۲۷۴	۲۰۲ھ	سجستان	۲۷۵ھ	وہ نہ ملے تو پھر
(۵)	ترمذی شریف کی حدیث	۳۹۵۶	۲۲۰ھ	ترمذ	۲۷۹ھ	وہ نہ ملے تو پھر
(۶)	نسائی شریف کی حدیث	۵۷۶۱	۲۱۵ھ	نساء	۳۰۳ھ	وہ نہ ملے تو پھر
(۷)	ابن ماجہ شریف کی حدیث	۴۳۴۱	۲۰۹ھ	قزوین	۲۷۳ھ	وہ نہ ملے تو پھر

اوپر کی یہ چھ کتابیں صحاح ستہ ہیں۔ اگر ان کتابوں سے احادیث نہ ملے تو پھر

نمبرشمار	ترتیب	کل احادیث یا قول صحابی	سن ولادت مصنف	مقام ولادت مصنف	سن وفات مصنف	تفصیل
(۸)	دارقطنی کی حدیث	۴۷۹۰	۳۰۶ھ	بغداد	۳۸۵ھ	وہ نہ ملے تو پھر
(۹)	سنن بیہقی کی حدیث	۲۱۸۱۲	۳۸۴ھ	بیہق	۴۵۸ھ	وہ نہ ملے تو پھر
(۱۰)	مصنف عبدالرزاق	۲۱۰۳۳	۱۲۶ھ	صنعان	۲۱۱ھ	سے قول صحابی یا قول تابعی
(۱۱)	مصنف ابن ابی شیبۃ	۳۷۹۳۰	۱۵۹ھ	کوفہ	۲۳۵ھ	سے قول صحابی یا قول تابعی

آثار بھی نہیں ملے تو.....

(۱۲) پھر اصول پیش کیا ہوں۔ اور اصول کے لئے حدیث لایا ہوں اور اس پر مسئلے کو متفرع کیا ہوں۔

ایسا نہیں کیا کہ حدیث تلاش کئے بغیر قول صحابی لے آیا۔ چنانچہ اگر کسی مسئلے کے تحت صرف قول تابعی مذکور ہے اور حدیث کا حوالہ نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں نے حدیث تلاش کرنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن نہ ملنے پر قول تابعی ذکر کیا۔ یا کسی مسئلے کے ثبوت کے لئے قول تابعی بھی ذکر نہ کر سکا تو اس کا معنی یہ ہوا کہ بہت تلاش کے باوجود قول تابعی بھی نہ ملا جس سے مجبور ہو کر بیاض چھوڑ دیا۔ اور اہل علم سے درخواست کرتا ہوں کہ اگر ان کو حدیث یا قول صحابی یا قول تابعی مل جائے تو ضرور اس کی اطلاع دیں۔

کوشش کی ہے کہ حضرت امام شافعیؒ اور امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا مسلک بھی ذکر کر دیا جائے۔ اور ان کی دلیل بھی اسی ترتیب سے، پہلے آیت یا صحاح ستہ کی کتابوں سے حدیث لائی جائے اور وہاں نہ ملے تو قول صحابی یا قول تابعی ذکر کیا جائے۔ تاکہ طلباء ان کے مسلک اور ان کے مستدلات سے واقف ہو جائیں۔ وہ بھی ہمارے امام ہیں، بلکہ سر کے تاج ہیں۔ صاحب ہدایہ نے ہر جگہ ان حضرات کا نام بڑے احترام سے لیا ہے اور ان کے دلائل دریادلی سے پیش کئے ہیں۔ ناچیز نے بھی انہیں کی اتباع کی ہے۔ اور ہر جگہ ان کا مسلک اور ان کے دلائل شرح وبسط سے بیان کئے ہیں۔

حاشیہ : ترمذ، نساء اور بیہق یہ تینوں مقامات اس وقت روس میں ہے۔ سجستان اور قزوین ایران میں ہے، کوفہ اور بغداد عراق میں ہے۔

تحقیق کے دوران اس کا اندازہ ہوا کہ حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہؒ کا مسلک احتیاط پر ہے، اور ان کی پہلی نگاہ آیات قرآنی پر پڑتی ہے۔

﴿خصوصیات الشرح الثمیری﴾

(۱) طلباء کے ذہن کو سامنے رکھتے ہوئے ہر مسئلے کا محاوری اور آسان ترجمہ پیش کیا ہے۔

(۲) مسائل کی تشریح آسان اور سلیس اردو میں کی ہے۔

(۳) وجہ کے تحت ہر مسئلے کی دلیل نقلی قرآن اور احادیث سے مع حوالہ پیش کی گئی ہے۔

(۴) حسب موقع دلیل عقلی بھی ذکر کردی گئی ہے۔

(۵) فائدہ کے تحت دوسرے ائمہ کا مسلک اور ان کے متدلات بھی ذکر کئے گئے ہیں۔

(۶) کونسا مسئلہ کس اصول پر فٹ ہوتا ہے وہ اصول بھی بیان کیا گیا ہے۔

(۷) لغت کے تحت مشکل الفاظ کی تحقیق پیش کی گئی ہے۔

(۸) لفظی ابحاث اور اعتراض وجوابات سے دانستہ احتراز کیا گیا ہے تا کہ طلباء کے ذہن پریشان نہ ہوں۔

(۹) جو حدیث ہے اس کے لئے 'حدیث' اور جو قول صحابی یا قول تابعی ہے اس کے لئے 'اثر' کا لفظ لکھا ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ کون حدیث ہے اور کون قول صحابی یا قول تابعی ہے۔

(۱۰) حدیث کے حوالے کے لئے پورا باب لکھا۔ پھر پاکستانی کتب خانہ والی کتابوں کا صفحہ نمبر لکھا اور بیروتی یا سعودی کتابوں کا احادیث نمبر لکھ دیا گیا تا کہ حدیث نکالنے میں آسانی ہو۔

(۱۱) وراثت کے مسئلے کو کلکیو لیٹر کی مدد سے نئے انداز میں حساب کا طریقہ لکھا جس سے دو منٹ میں پورا مناسخہ حل ہو جاتا ہے۔

﴿گذارش﴾

تحقیق مسائل اور ان کے دلائل بحر بیکراں ہے اس کی تہ تک پہنچنا آسان کام نہیں ہے۔ اس لئے اہل علم کی خدمت میں مؤدبانہ اور عاجزانہ گذارش ہے کہ جن مسائل کے دلائل چھوٹ گئے ہیں اگر ان کو دلائل مل جائیں تو ضرور مطلع فرمائیں تا کہ اگلے ایڈیشن میں ان کا اضافہ کر دیا جائے۔ اسی طرح جہاں غلطی اور سہو نظر آئے اس کی نشاندہی کریں، اس کی بھی اصلاح کروں گا اور تہ دل سے شکر گذار ہوں گا۔

﴿شکریہ﴾

میں ان تمام محسنوں کا تہ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے ہر قسم کی سہولت پہنچا کر فراغت دی اور اشاعت کتاب کے لئے ہمہ وقت متمنی اور دعا گو ہیں۔ خداوند کریم ان کو دونوں جہانوں میں بہترین بدلہ عطا فرمائے اور جنت الفردوس سے نوازے۔ نیز اللہ تعالی میرے ساتھی اور دوست جناب نادر لاجپوری صاحب کو بھی جزائے خیر دے جنہوں نے کمپیوٹنگ کی اور کتاب کو قابل اشاعت بنایا۔ اور مولانا عبد العزیز صاحب، مہتمم جامعہ روضۃ العلوم، نیا نگر کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اشاعت کا بار اپنے جامعہ پر لیا۔ جس کی وجہ سے اشاعت میں ناچیز کو سہولت ہوگئی۔ نیز حضرت مولانا مسلم قاسمی صاحب سینپوری سلمہ نے کتاب کی چھپائی کے وقت نگرانی کی ہے میں ان کا بھی شکر گزار ہوں۔ خداوند قدوس ان

حضرات کو پورا پورا بدلہ عطا فرمائے اور جنت الفردوس سے نوازے۔

اس کتاب کی اشاعت میں باٹلی کے ایک سخی کی سخاوت شامل حال ہے۔جس کی وجہ سے کتاب کی اشاعت میں بڑی مدد ملی۔انہوں نے اپنے والد مرحوم کے ثواب کے لئے رقم دی ہے۔اللہ تعالی اس تعاون کا دونوں جہان میں بہترین بدلہ عطا فرمائے اور مرحوم کو اعلی علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین!

اللہ تعالی اس کتاب کو قبولیت سے نوازے اور ذریعۂ آخرت بنائے۔اس کے طفیل سے ناچیز کو جنت الفردوس عطا فرمائے اور کمی کوتاہی کو معاف فرمائے۔آمین یارب العالمین۔

احقر ثمیر الدین قاسمی
سابق ستاذ حدیث، جامعہ اسلامیہ مانچسٹر
وچیرمین مون ریسرچ سینٹر، یو کے
یکم مئی، ۲۰۰۴ء

شارح کا پتہ
Maulana Samiruddin Qasmi
70 Stamford Street
Old Trafford - Manchester
England M16 9LL
E samiruddinqasmi@gmail.com
mobile (0044) 7459131157

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حالات صاحب المختصر للقدوری

نام ونسب

نام احمد ہے، ابوالحسن کنیت ہے، قدوری، گاؤں کی طرف یا ان کے پیشے کی طرف نسبت ہے، والد کا نام محمد ہے۔ شجرۂ نسب یہ ہے... ابوالحسن احمد بن ابی بکر محمد بن احمد بن جعفر بن حمدان البغدادی القدوری۔

سن پیدائش اور جائے پیدائش

آپ ۳۶۲ میں پیدا ہوئے اور مقام پیدائش شہر بغداد ہے۔

کنیت کی تحقیق

المختصر للقدوری کے اکثر نسخوں میں آپ کی کنیت ابوالحسن لکھا ہوا ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ آپ کی کنیت ابوالحسین ہے۔ تاریخ ابن خلکان، مدینۃ العلوم اور انساب سمعانی میں یہی مذکور ہے۔

قدوری، نسبت کی تحقیق

مؤرخ ابن خلکان نے اپنی تاریخ وفیات الاعیان میں لکھا ہے کہ قدوری، ق اور د کے ضمے اور واو کے سکون کے ساتھ قِدر کی جمع ہے۔ جس کے معنی ہانڈی ہیں۔ لیکن قدوری کی طرف نسبت کا سبب معلوم نہیں۔

صاحب مدینۃ العلوم فرماتے ہیں کہ قدوری کا مطلب دیگ سازی ہے۔ اب صاحب قدوری کو اس طرف اس لئے منسوب کرتے ہیں کہ ان کے خاندان کے لوگ دیگ بناتے تھے یا اس کی خرید وفروخت کیا کرتے تھے۔ اس لئے ان کو قدر کی طرف منسوب کر کے قدوری کہنے لگے۔ یا پھر اس گاؤں کے باشندے تھے جس کا نام قدر تھا۔ اسی گاؤں کی طرف منسوب کر کے قدوری کہے جانے لگے۔

تحصیل علم

امام قدوری نے علم فقہ اور علم حدیث رکن الاسلام ابوعبداللہ محمد بن یحییٰ بن مہدی جرجانی متوفی ۳۹۸ھ سے حاصل کیا۔ جو امام ابوبکر احمد جصاص کے شاگرد ہیں۔ اور حضرت ابوبکر جصاص، ابوالحسن عبیداللہ کرخی کے تلمیذ رشید ہیں۔ اور امام کرخی، ابوسعید بردعی کے خوشہ چین ہیں۔ اور ابوسعید بردعی علامہ موسیٰ رازی کے فیض یافتہ ہیں۔ اور موسیٰ رازی امام محمد شیبانی حنفی کے مایۂ ناز فرزند اور علم پرورده ہیں۔ گویا کہ امام قدوری نے پانچ واسطوں سے حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے علم فقہ حاصل کیا۔

علم حدیث محمد بن علی بن سوید اور عبیداللہ بن محمد جوشنی سے روایت کرتے تھے۔ آپ کو ابوبکر احمد بن علی بن ثابت خطیب بغدادی صاحب تاریخ اور قاضی القضاۃ ابوعبداللہ محمد بن علی بن محمد دامغانی اور قاضی مفضل بن مسعود بن محمد بن یحییٰ بن ابی الفرج التنوخی متوفی ۴۴۲ھ سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ حضرت نے ان جبال علم سے علم حدیث حاصل فرمایا ہے۔

امام قدوری کی توثیق

خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ میں نے آپ سے حدیث لکھی ہے۔آپ صدوق تھے اور حدیث کی روایت کم کرتے تھے۔امام سمعانی ان کی شان میں یوں فرماتے ہیں ’ کان فقیھا صدوقا،انتھت الیہ ریاسة اصحاب ابی حنیفة بالعراق.وعز عندھم قدرہ وارتفع جاھه.وکان حسن العبارة فی النظر.مدیما لتلاوة القرآن‘

ترجمہ : -آپ فقیہ اور صدوق تھے۔آپ کی وجہ سے عراق میں مذہب حنفیہ کی ریاست کمال پر پہنچی۔اور آپ کی بڑی قدر و منزلت ہوئی۔آپ کی تقریر و تحریر میں بڑی دلکشی تھی۔آپ ہمیشہ تلاوت قرآن کرتے تھے۔

قاضی ابو محمد نے طبقات الفقہاء میں آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے پرزور الفاظ میں تعریف کی ہے۔

فقہی مقام

ابن کمال پاشا نے آپ کو اور صاحب ہدایہ کو طبقۂ خامسہ یعنی اصحاب ترجیح میں شمار کیا ہے۔لیکن اکثر علماء نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ حضرت امام قدوری حضرات قاضی خان وغیرہ سے بڑھے ہوئے ہیں۔اور بالفرض بڑھے ہوئے نہ بھی ہوں تو برابر کے ضرور ہیں۔اور ان کو فقہاء کے تیسرے طبقہ میں شمار کرتے ہیں۔اس لئے امام قدوری کو بھی تیسرے درجے میں شمار کرنا چاہئے۔اس لئے غالب یہ ہے کہ امام قدوری تیسرے درجے کے فقہاء میں سے ہیں۔

ناچیز نے قدوری کے ہر مسئلے کی تحقیق کی تو پتہ چلا ان کے اکثر مسئلے آیت،حدیث،قول صحابی یا فتوی تابعی سے مستنبط ہیں۔جس سے ان کی علمی بلندی اور تفقہ کا پتہ چلتا ہے۔

رحلت و وفات

امام قدوری نے ۵،رجب ۴۲۸ھ میں شہر بغداد میں ۶۶ سال کی عمر میں وفات پائی۔اور اسی روز بغداد کے مقام درب ابی خلف میں مدفون ہوئے۔اس کے بعد آپ کو شارع منصور کی طرف منتقل کر لیا گیا۔اس وقت آپ ابو بکر خوارزمی کے پہلو میں آرام فرما ہیں۔مادہ تاریخ وفات ’لامع النور‘ ہے رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ۔

تصانیف

آپ نے بہت سی کتابیں یادگار چھوڑی جن میں سے کچھ کتابیں یہ ہیں۔

(۱) تجرید... یہ سات جلدوں میں ہے۔اس میں اصحاب حنفیہ اور شافعیہ کے اختلافی مسائل پر محققانہ بحث کی ہے۔اس کا املاء آپ نے ۴۰۵ھ میں شروع کروایا۔

(۲) مسائل الخلاف...امام صاحب اور ان کے اصحاب کے درمیان جو فروعی اختلاف ہے اس کا ذکر ہے۔البتہ اس میں ان کے دلائل مذکور نہیں ہیں۔

(۳) تقریب...اس میں دلائل کے ساتھ مسائل کو ذکر کئے ہیں۔

(۴) شرح مختصر الکرخی

(۵) شرح ادب القاضی

(۶) المختصر للقدوری...صاحب قدوری کی یہ کتاب بہت مشہور ہوئی اور حنفیوں کے تقریبا تمام مدارس میں پڑھائی جاتی ہے۔اس کتاب کی اتنی اہمیت ہوئی کہ تقریبا تیس شرحیں اردو اور عربی میں لکھی گئیں۔خاص بات یہ ہے کہ صاحب ہدایہ نے شرح کے لئے اسی کتاب کے متن کو منتخب کیا۔اور اسی کو بنیاد بنا کر پوری کتاب کی عظیم الشان شرح کی جس کو پوری دنیا میں مقبولیت حاصل ہے۔یوں دیکھا جائے تو قدوری سے لیکر ہدایہ اخیرین تک طالب علم قدوری ہی کے متن کو دہراتا رہتا ہے۔یہ قدوری کی مقبولیت اور اس کا کمال ہے۔اتنی جامع اور اتنی سہل کتاب کم نظر آتی ہے۔

اس کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ اس کے اکثر مسئلے آیت، حدیث، قول صحابی یا فتوی تابعی سے مستنبط ہیں۔بہت کم مسئلے ہیں جو قیاس کر کے لکھے گئے ہیں۔اور وہ بھی اصول کے تحت متخرج ہیں۔

اللہ تعالی حضرت کی کتاب کو قبولیت عامہ عطا فرمائے اور امت کی جانب سے ان کو بھر پور جزائے خیر سے نوازے۔ آمین یارب العالمین!

العبد : ثمیر الدین قاسمی

یکم مئی ۲۰۰۴ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علم فقہ

فقہ کے لغوی معنی

فقہ کے لغوی معنی کسی چیز کو کھولنا اور واضح کرنا ،فقیہ اس عالم کو کہتے ہیں جو احکام شرعیہ کو واضح کرے اور ان کی حقائق کا سراغ لگائے اور مغلق اور پیچیدہ مسائل کو واضح کرے۔

اصطلاحی معنی

اہل شرع کی اصطلاح میں فقہ کی مشہور تعریف یہ ہے ' **هو العلم بالاحكام الشرعية الفرعية من ادلتها التفصيلية**'

ترجمہ :-فقہ احکام شرعیہ فرعیہ کے اس علم کو کہتے ہیں جو احکام کے ادلہ مفصلہ سے حاصل ہو۔

ہر ایک جزو کی تشریح

الاحکام الشرعیۃ الفرعیۃ : احکام دو قسم کے ہوتے ہیں۔ایک اصلی اور ایک فرعی۔

احکام اصلی : احکام اعتقادی کو اصلی احکام کہتے ہیں۔جیسے خداوند قدوس کی وحدانیت ،رسالت ،رسول کا آنا ،آخرت کا علم ،یہ سب احکام اعتقادیہ ہیں اور اصلی احکام کہلاتے ہیں۔علم فقہ اس سے تعارض نہیں کرتا کیونکہ وہ احکام فرعیہ بیان کرتا ہے۔

احکام فرعیہ : وہ احکام جن کا تعلق عمل سے ہوتا ہو ،جیسے نماز ،روزہ ،حج اور خرید و فروخت وغیرہ کے احکام۔علم فقہ میں یہی احکام بیان کئے جاتے ہیں۔

ادلتہا التفصیلیۃ : اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ احکام کے تفصیلی دلائل بھی معلوم ہوں۔مثلا کہیں کہ حج فرض ہے تو آیت بھی معلوم ہو کہ اس کی دلیل **واتموا الحج والعمرة لله** (آیت ۱۹۶،سورۃ البقرۃ ۲) موجود ہے۔یا مسئلہ بیان کریں کہ نماز اور زکوۃ فرض ہیں تو یہ دلیل بھی معلوم ہو کہ آیت **اقيموا الصلوة وآتوا الزكوة واركعوا مع الراكعين** (آیت ۴۳،سورۃ البقرۃ ۲) اس کی دلیل ہے۔حاصل یہ ہے کہ انسانوں کے اعمال کے ہر ہر جزئیہ پر حلت ،حرمت ،کراہت اور وجوب وغیرہ کا حکم لگانا اور ان میں سے ہر ایک کی دلیل بیان کرنا علم فقہ ہے۔

علم فقہ کا موضوع

مکلّف آدمی کا فعل اور عمل جس سے یہ بحث کی جائے کہ یہ فرض ہے (۲) یا واجب ہے (۳) یا سنت مؤکدہ ہے (۴) یا سنت غیر مؤکدہ ہے (۵) یا نفل ہے (۶) یا مستحب ہے (۷) یا حرام ہے (۸) یا مکروہ تحریمی ہے (۹) یا مکروہ تنزیہی ہے (۱۰) یا مباح ہے۔

مکلّف آدمی کے اعمال کے بارے میں اوپر کی بحثیں کرنا اور حکم لگانا علم فقہ کا موضوع ہے۔

مکلّف کی قید اس لئے لگائی کہ نابالغ بچہ اور مجنون کے اعمال پر شریعت نہ حکم لگاتی ہے اور نہ اس سے بحث کی جاتی ہے۔صرف مکلّف کے اعمال سے بحث کرتی ہے۔

غرض وغایت

سعادت دارین کی ظفریابی ہے کہ فقیہ دنیا میں مخلوق خدا کو فائدہ پہنچا کر مراتب عالیہ حاصل کرتا ہے اور آخرت میں جس کی چاہے گا شفاعت کرے گا اور اپنے پروردگار کے دیدار سے مشرف ہوگا۔

یا علم فقہ سیکھ کر احکام شرعیہ کے موافق عمل کرنے کی قوت اور ملکہ پیدا کرنا اس کی غرض ہے۔

علم فقہ کی عظمت

اس سے بڑھ کر کیا عظمت ہوگی کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت بلند الفاظ میں فقیہ کی تعریف کی ہے۔ ارشاد ہے 'عن ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ قال من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین' (ترمذی شریف، باب اذا اراد اللہ بعبد خیرا فقھہ فی الدین، ص ۶۰۱، نمبر ۲۶۴۵ / مسند احمد، مسند ابی ہریرۃ، ج ثانی، ص ۴۶۵، نمبر ۱۵۳ ۱۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خداوند قدوس جس بندے کے بارے میں خیر کا فیصلہ فرماتے ہیں اس کو فقہ فی الدین کا علم دے دیتے ہیں۔

دوسری حدیث میں ہے 'عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ فقیہ اشد علی الشیطان من الف عابد' (ترمذی شریف، باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ، ص ۶۰۸، نمبر ۲۶۸۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فقیہ ہزار عابد پر بھاری ہے۔

اس لئے فقہ سیکھنا اور اس پر عمل کرنا بہت بڑی فضیلت کی چیز ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حنفیت تینوں اماموں کے مجموعے کا نام ہے

میرے استاد محترم فرمایا کرتے تھے کہ حنفیت صرف حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کا نام نہیں ہے بلکہ امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالی کے مسلکوں کے مجموعے کا نام حنفیت ہے۔ اگر ان میں سے کسی ایک کے مسلک پر عمل کرے گا تو وہ حنفیہ کے مسلک پر عمل کرنا ہی سمجھا جائے گا۔ اور اگر امام محمدؒ یا امام ابو یوسفؒ کے مسلک پر فتوی دیا تو وہ حنفیت کے مسلک سے خارج نہیں شمار کیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ قدوری اور ہدایہ جیسی حنفیہ کی اہم کتابوں میں ان دونوں اماموں کے مسلک درج ہیں۔ اور وقت ضرورت ان کے مطابق فتوی بھی دیا جاتا ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مسلک احتیاط پر ہے

حضرت امام ابو حنیفہؒ بہت متقی اور پرہیزگار آدمی تھے۔ اس لئے انہوں نے ہمیشہ احتیاط پر فتوی دیا اور وہی مسلک اختیار کیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس وقت تک فقہ مدون نہیں ہوا تھا۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ پہلے امام ہیں جنہوں نے فقہ اور اصول فقہ مدون کیا۔ اس لئے اگر احتیاط کے علاوہ پہلو اختیار کرتے تو ہر آدمی کی انگلی اٹھتی۔ اس لئے حضرت نے احتیاطی مسلک اختیار کیا۔ چاہے اس کے لئے فتوی تابعی ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن انہیں کے شاگرد رشید امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے حدیث کی روشنی میں کہیں کہیں دوسرا مسلک اختیار کیا۔ اور کھلے دل کے ساتھ مسلک مع دلائل درج کیا۔ اب ناظرین کو اختیار ہے کہ امام اعظم کا مسلک اختیار کرے یا ان کے شاگرد رشید کا مسلک اختیار کرے۔ دونوں صورتوں میں فضیلت امام اعظم کو ہی جاتی ہے۔

آخری صدی میں مسلک امام اعظم کو اجاگر کرنے اور اس کی اشاعت کرنے کا سہرا دیوبندی مکتب فکر کے سر پر رہا۔ انہوں نے بھی احتیاطی پہلو اختیار کیا اور عموما امام اعظم کی طرح احتیاط پر ہی فتوی دیا۔ اس لئے بعض ناظرین کو اشکال پیدا ہوا اور کہنے لگے کہ حنفیوں کا مسلک احادیث سے مختلف ہے۔ لیکن شاید غور نہیں فرمایا کہ جن مسائل میں ان کو احادیث نہیں مل رہی ہیں وہیں حنفیوں کے دو اہم ستونوں کا مسلک امام اعظم سے مختلف ہے۔ اور ان کے اختیار کردہ مسلک کے لئے سو فیصد احادیث صحیحہ موجود ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ایسے موقع پر صاحبین کا مسلک حضرت امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے موافق ہو جاتا ہے۔

زیر نظر کتاب 'الشرح الثمیری' میں جا بجا دیکھیں گے کہ جہاں جہاں صاحبین نے امام اعظم سے اختلاف کیا ہے وہاں امام اعظم کے پاس قول صحابی یا فتوی تابعی ہے اور صاحبین کے پاس احادیث ہیں۔ لیکن امام اعظم کا مسلک احتیاط پر ہے۔

(۱) میرا ناقص خیال ہے کہ اشکال کرنے والوں نے صرف امام اعظم کے مسلک پر غور کیا اور بعض جگہ احادیث نہ پانے کی وجہ سے پورے حنفیت پر اشکال کو مضبوط کر لیا۔ انہوں نے ان کے شاگرد رشید امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے اختلاف کو اور ان کے مضبوط احادیث کی طرف توجہ نہیں دی۔ اور اس کا خیال نہیں کیا کہ وہ بھی تو حنفیت ہی کے دو اہم ستون ہیں۔ اور تمام مسائل کی اشاعت انہیں کے نوک قلم کی مرہون منت ہے۔

(۲) انہوں نے اس کا بھی خیال نہیں کیا کہ امام اعظم کا مسلک احتیاط پر مبنی ہے۔ اور یہ پہلے مدون فقہ ہیں جس کی وجہ سے ان کو احتیاطی پہلو

اختیار کرنا پڑا۔

(۳) یہ گمان صحیح نہیں ہے کہ حنفیوں کا مسلک دلیل عقلی پر ہے۔ یہ تو بعد کے علماء نے حکمت بیان کرنے کے لئے دلیل عقلی، پیش کی ہے۔ ورنہ پوری قدوری کو ناچیز نے چھانا ہر ہر مسئلہ یا آیت یا حدیث یا قول صحابی یا قول تابعی سے مستنبط ہے۔ یا ان چاروں میں سے کسی ایک سے اصول متعین کیا اور اصول سے مسئلے کا استخراج کیا ہے۔ صرف دلیل عقلی پر مسئلے کا مدار نہیں ہے۔ اور جہاں جہاں صرف دلیل عقلی بیان کی ہے وہاں ناچیز نے اصول لکھ دیا ہے۔ اور اصول احادیث سے مستنبط ہیں اس لئے گویا کہ وہ مسئلے بھی احادیث ہی سے مستنبط ہوئے۔

صرف کتاب الایمان اور کتاب القضاء میں کچھ مسئلوں کا مدار اس زمانے کے محاورات پر ہے۔ اس لئے وہاں محاورات کے تحت مسئلہ لکھ دیا گیا ہے۔ ان مسئلوں میں حدیث اور قرآن نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ ان مسئلوں کا مدار ہے ہی محاورات پر۔ اس لئے ان مسئلوں کے لئے احادیث یا آیات کہاں سے ملیں گے؟

حنفیوں بلکہ تمام ہی ائمۂ کرام کے مسالک (۱) قرآن (۲) حدیث (۳) قول صحابی (۴) فتوی تابعی (۵) اجماع (۶) اور قیاس سے مستنبط ہے۔ اس لئے ائمۂ کرام پر انگلی اٹھانا صحیح نہیں ہے۔

احقر العباد : ثمیر الدین قاسمی

ائمہ کرام ایک نظر میں

اسمائے گرامی	جائے ولادت	سن ولادت	جائے وفات	سن وفات	شیوخ	تلامذہ	تالیفات	خدمات
امام ابوحنیفہؒ نعمان بن ثابت	کوفہ	۸۰ھ	بغداد	۱۵۰ھ	ابراہیم نخعیؒ حماد بن سلیمان	امام ابویوسفؒ امام محمدؒ ابن مبارکؒ	-	تدوین فقہ تدوین اصول فقہ
امام مالکؒ مالک بن انس	حمیری مدینہ	۹۵ھ	مدینہ	۱۷۹ھ	نوسوزائد شیوخ تھے، نافع	ابن مبارکؒ قطانؒ	موطا امام مالکؒ	بانی مذہب امام مالک
امام شافعیؒ محمد بن ادریس شافعی	غزہ گاؤں عسقلان	۱۵۰ھ	مصر	۲۰۴ھ	امام مالکؒ امام محمدؒ سفیان بن عینیہؒ	احمد بن حنبلؒ علی بن مدینی اسحاق بن راہویہ	موسوعۃ امام شافعی کتاب الام	بانی مذہب شافعی
امام احمدؒ احمد بن محمد بن حنبل	مروزی بغداد	۱۶۴ھ	بغداد	۲۴۱ھ	امام ابویوسفؒ امام شافعیؒ یحیی بن قطان	بخاری، مسلم، ابوداؤد، عبداللہ بن احمد	مسند امام احمد ۱۰۰،۱۷ احادیث	ردخلق قرآن بانی مذہب حنبلی
امام ابویوسفؒ یعقوب بن ابراہیم	کوفہ	۱۱۳ھ	بغداد	۱۸۲ھ	امام ابوحنیفہؒ	احمد بن حنبلؒ امام محمدؒ یحیی بن معینؒ	کتاب الآثار کتاب الخراج	فقہ کی ترتیب دی
امام محمدؒ محمد بن حسن	الشیبان کوفہ	۱۳۲ھ	ری	۱۸۹ھ	امام ابوحنیفہؒ امام ابویوسفؒ سفیان ثاریؒ	امام شافعیؒ ابوحفصؒ یحیی بن معینؒ	موطا امام محمد، جامع صغیر، جامع کبیر	حنفی کی اکثر کتابیں انہوں نے لکھی

بسم الله الرحمن الرحیم

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بہت مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

بسم الله الرحمن الرحیم کو سب سے پہلے لکھنے کی وجہ یہ ہے (الف) حضور ﷺ کو سب سے پہلی وحی آئی تو اس میں اللہ کے نام سے پڑھنے کے لئے کہا گیا **اقرء باسم ربک الذی خلق** آیت نمبر ا سورۃ العلق ۹۶ (ب) حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو خط لکھا تو بسم اللہ سے شروع کیا۔ **انه من سليمان وانه بسم الله الرحمن الرحیم** آیت نمبر ۳۰ سورۃ النمل ۲۷ (ج) قرآن کریم بسم اللہ سے شروع ہے (د) حضور ﷺ کے تمام خطوط اور تمام خطبات بسم اللہ سے شروع ہیں۔ اس لئے مصنف نے کتاب کو بسم اللہ سے شروع فرمایا۔ (ہ) حدیث میں ہے **عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ كل كلام لا يبدأ فيه بحمد الله فهو اجذم** (ابوداؤد شریف، باب الهدی فی الکلام، ج ۲، ص ۳۱۷، نمبر ۴۸۴۰ / ابن ماجہ شریف، باب خطبۃ النکاح، ص ۲۷۲، نمبر ۱۸۹۴) ہر وہ کلام جو حمد کے ذریعہ شروع نہ کیا جائے وہ ناقص ہوتا ہے۔ اور بسم اللہ بھی حمد کا حصہ ہے اس لئے بسم اللہ سے شروع کرنے کا ثبوت ہوا۔

نوٹ کسی کام سے پہلے ذکر کرنا چاہئے لیکن ضروری نہیں ہے کہ بسم اللہ ہی کے ذریعہ ہو۔ تسبیح، تقدیس کے ذریعہ بھی ذکر ہوسکتا ہے۔ لیکن بہتر طریقہ یہ ہے کہ بسم اللہ کے ذریعہ ہو۔ کیونکہ قرآن کریم میں بسم اللہ کے ذریعہ قرآن کی ابتدا کی گئی ہے۔

بسم اللہ : میں ب حرف جار ہے جس کے بہت سے معانی ہیں۔ یہاں اس کے معانی الصاق کے لئے ہیں۔ یعنی کسی فعل کے ساتھ چپکانا۔ یا اس کا معنی استقامت کے لئے ہیں یعنی اللہ کے نام کی مدد سے شروع کرتا ہوں۔ ب حرف جر ہے اس لئے اس کے متعلق کے لئے کوئی فعل محذوف ماننا ہوگا۔ تاکہ حرف جر اس کا متعلق ہو جائے۔ بہتر ہے کہ **ابتدأ** محذوف مانیں تاکہ مطلب یہ ہو کہ میں اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں۔ ب متعلق کے لئے ہو گیا اور اسم تو اللہ کے تابع ہے تو گویا کہ لفظ اللہ ہی سب سے مقدم ہو گیا۔ جو اصل مقصود تھا۔

اللہ : اللہ کے ننانوے نام صفاتی ہیں۔ اور یہ نام ذاتی ہے۔ اللہ الالہ سے مشتق ہے۔ الہ کے معنی ہیں معبود اور الف لام لگا دینے سے ترجمہ ہو گیا خاص معبود یعنی اللہ۔ دوسرے معبود تو ہے ہی نہیں لیکن مشرک لوگوں نے اپنے اعتقاد میں بنا رکھا ہے اس سے جدا کر کے خاص معبود اللہ کا نام ہوا۔

الرحمٰن : فعلان کے وزن پر ہے۔ رحمت سے مشتق ہے۔ رحمت کے معنی ہیں رقت قلب۔ اللہ میں رقت قلب محال ہے کیوں کہ وہ ذات قلب اور دل سے پاک ہے۔ اس لئے اللہ کی طرف رحمت کی نسبت ہو تو اس کے معانی ہوتے ہیں فضل و کرم کرنا، احسان کرنا۔ رحمٰن مبالغہ کا صیغہ ہے۔ ترجمہ ہے وہ ذات جس کی رحمت ہر چیز کو گھیری ہوئی ہے۔ انتہائی مہربان۔

رحیم : فعیل کے وزن پر۔ یہ لفظ بھی رحمت سے مشتق ہے اور مبالغہ کا صیغہ ہے۔ البتہ اس میں رحمٰن کے مقابلہ میں کم مبالغہ ہے۔ کیوں کہ رحمٰن میں حرف زیادہ ہے۔ اس میں پانچ حروف ہیں اور رحیم میں چار حروف ہیں۔ اس لئے رحمٰن میں مبالغہ زیادہ ہوا۔ حضور اکرم ﷺ کی دعا میں آیا ہے یا رحمٰن الدنیا ورحیم الآخرۃ۔ جس سے محسوس ہوتا ہے کہ دنیا والوں پر اللہ کی مہربانی زیادہ ہے بنسبت آخرت والوں کے۔ کیوں کہ دنیا میں مؤمن اور کافر دونوں پر مہربانی ہو رہی ہے۔ اور آخرت میں صرف مؤمن پر مہربانی ہوگی۔

(۱)الحمد للہ رب العالمین(۲) والعاقبة للمتقین(۳) والصلوة والسلام علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین.

نکتہ شاید رحمٰن کومقدم کرنے کی حکمت یہ ہو کہ اس کا تعلق دنیا والوں کے ساتھ ہے اور دنیا مقدم ہے۔اس لئے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں رحمٰن کو مقدم کیا۔

(۱) تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔الحمدللہ کو مقدم کرنے کی وجہ : قرآن کریم میں الحمد بالکل شروع میں ہے۔حدیث میں ہے **عن ابی ھریرة قال قال رسول اللہ ﷺ کل امر ذی بال لا یبدأ فیه بالحمد اقطع**(ابن ماجہ شریف، باب خطبۃ النکاح،ص۲۷۲،نمبر۱۸۹۴) ترجمہ : جو اہم کام الحمد کے ذریعہ شروع نہ کیا جائے وہ ناقص ہے۔اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ الحمدللہ کے ذریعہ کتاب شروع کی جائے۔

الحمد : ممدوح کی اختیاری خوبیوں کو زبان سے بیان کرنا اس کو حمد کہتے ہیں۔چاہے نعمت کے مقابلے پر ہو یا نعمت کے مقابلے پر نہ ہو۔اللہ کی جانب سے ہر وقت نعمتوں کی بارش ہوتی رہتی ہے اس لئے ہم جو بھی حمد کریں گے وہ نعمت کے مقابلہ پر ہی ہوگی۔ال الحمد میں الف لام استغراق کے لئے ہیں۔استغراق کا مطلب ہے کہ تمام تعریفیں جو دنیا میں ہو سکتی ہیں وہ سب اللہ تعالی کے لئے ہیں۔جمہور کی رائے یہی ہے۔الف لام کبھی جنس کے لئے ہوتے ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ ماہیت اور حقیقت حمد اللہ کے ساتھ خاص ہے۔کبھی الف لام عہد اور متعین چیز کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔یعنی متعین تعریفیں جو قرآن وحدیث میں مذکور ہیں وہ اللہ کے لئے ہیں۔

رب العالمین : رب کے معنی ہیں آہستہ آہستہ کسی چیز کی پرورش کرنا۔اللہ پورے جہانوں کو بتدریج غذا مہیا کرتے ہیں اور اس کی پرورش کرتے ہیں اس لئے اس کو رب کہتے ہیں۔لفظ رب تنہا بولا جائے تو صرف اللہ کے لئے بولا جائے گا۔اور اضافت کے ساتھ استعمال ہو تو دوسرے کے لئے بھی رب بولا جائے گا۔جیسے قرآن کریم کی آیت میں ہے اذکرنی عند ربک فانساہ الشیطان ذکر ربہ۔آیت ۴۲،سورۂ یوسف ۱۲، یہاں رب کو اضافت کے ساتھ استعمال کیا اور مراد قیدیوں کے بادشاہ ہیں۔

العالمین : عالمین جمع کا صیغہ ہے،واحد ہے عالَم۔یہ علامت سے مشتق ہے۔چونکہ دنیا کی تمام چیزیں بنانے والے پر علامت ہیں اس لئے اس دنیا کو عالَم کہتے ہیں۔یہ اسم فاعل کے وزن پر اسم آلہ ہے۔جیسے خاتم اور طابع،مہر لگانے کا آلہ۔

(۲)**والعاقبة للمتقین** : ترجمہ تقوی اختیار کرنے والوں کے لئے اچھا انجام ہے۔التقوی : وقایۃ سے مشتق ہے،اپنے آپ کو بچانا۔گناہوں پر اصرار نہ کرے اور عبادات پر غرور نہ کرے اس کو تقوی کہتے ہیں۔بعض نے فرمایا کہ حضور ﷺ اور صحابہ کرام کی اتباع کامل کا نام تقوی ہے۔اسی تقوی کا اسم فاعل متقی ہے۔اور اسی کی جمع متقین ہے۔عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جو متقی لوگ ہیں آخر کار وہی لوگ دنیا اور آخرت میں کامیاب رہتے ہیں۔

(۳)**والصلوة والسلام الخ** درود اور سلام ہو اللہ کے رسول محمد ﷺ پر اور آپ کی آل اور آپ کے تمام اصحاب پر۔

تشریح الصلوة : صلوة کے معنی دعا،لیکن اگر اس کی نسبت اللہ کی طرف ہو تو اس کے معنی رحمت کرنا،اور فرشتے کی طرف ہو تو صلوة کے معنی

(۴)قال الشیخ الامام الاجل الزاھدابوالحسن احمد بن محمد بن جعفر البغدادی

استغفار کرنا۔اور انسان کی طرف ہو تو اس کے معنی دعا ہے۔سلام : ہر قسم کی سلامتی ،صلوۃ اور سلام کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ان اللہ و ملائکته یصلون علی النبی یایھا اللذین آمنوا صلوا علیه و سلموا تسلیما آیت ۵۶ سورۃ الاحزاب ۳۳۔ترجمہ: اللہ اور فرشتے حضور ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اس لئے ایمان والو تم بھی ان پر درود اور سلام بھیجو۔اس آیت میں صلوۃ وسلام دونوں پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔بلکہ فضیلت کی بات یہ ہے کہ خود اللہ تعالی اس کام کو کرتے ہیں۔پھر تو فضیلت کا کیا کہنا! علماء فرماتے ہیں کہ حضرت آدمؑ کو فرشتوں سے سجدہ کروایا اس سے زیادہ فضیلت درود وسلام میں ہے۔کیونکہ درود اور سلام خود اللہ تعالی فرماتے ہیں۔ ع بعد از خدا توئی بزرگ قصہ مختصر۔حدیث میں ہے۔اخبرنی ابو حمید الساعدی انھم قالوا یا رسول اللہ ! کیف نصلی علیک؟ قال قولوا اللھم صل علی محمد وعلی ازواجه و ذریته الخ (مسلم شریف، باب الصلوۃ علی النبیؐ ص ۱۷۵، نمبر ۴۰۷ / ابوداؤد شریف۔باب الصلوۃ علی النبیؐ ص ۱۴۷، نمبر ۹۷۹)

رسوله : جس نبی پر نئی شریعت آئی ہو، کتاب آئی ہو اس کو رسول کہتے ہیں۔اور نبی اس کو کہتے ہیں جس پر نئی شریعت نہ آئی ہو۔اس لئے رسول نبی سے افضل ہوتے ہیں۔اس لئے مصنفؒ علیہ الرحمۃ نے رسولہ کا جملہ استعمال کیا تا کہ ادب واحترام زیادہ ہو۔

محمد : حمد سے مشتق ہے،تعریف کیا ہوا۔یعنی جس میں فضائل محمودہ جمع ہوں۔ الذی جمعت فیه الخصال المحمودة آپ کے بہت سے نام صفاتی ہیں۔لیکن محمد اور احمد سب سے مشہور نام ہیں۔یہ نام آپ کے دادا نے رکھا تھا۔آپؐ میں تمام اچھی خصلتیں جمع ہیں اس لئے آپؐ اسم بامسمی بن گئے۔

اله : یہ اہل سے مشتق ہے۔اس کا مصداق کون کون ہیں اس میں اختلاف ہے۔ایک معنی ہے آپ کے اہل وعیال اور اولاد، دوسرے معنی ہیں آپ کے خاندان میں جن افراد پر صدقہ لینا حرام تھا وہ حضرات آپ کی آل میں داخل ہیں۔جیسے آل علیؓ، آل جعفرؓ وغیرہ۔

اصحابه : صاحب کی جمع ہیں۔آپکے ساتھی، جن حضرات نے ایمان کے ساتھ آپ کو دیکھا اور ایمان ہی پر ان کا خاتمہ ہوا وہ تمام آپ کے اصحاب ہیں۔ان تمام حضرات پر درود اور سلام ہو۔

(۴) شیخ وقت،قوم کے پیشوا،جلیل القدر نیک شعار ابوالحسن بن احمد بن محمد بن جعفر بغدادی جو قدوری سے مشہور ہیں وہ فرماتے ہیں۔

تشریح الشیخ : بوڑھا، قابل تعظیم آدمی، پچاس سال سے زیادہ عمر کے آدمی کو شیخ کہتے ہیں۔اور کبھی علم وفضل کے اعتبار سے قابل تعظیم آدمی کو بھی شیخ کہتے ہیں۔شیخین بولا جائے تو اہل سیرت کے یہاں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ مراد ہوتے ہیں۔محدثین کے یہاں امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ مراد ہوتے ہیں۔اور فقہائے احناف کے یہاں امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ مراد ہوتے ہیں۔

الامام : جس کی اقتدا کی جائے اس کو امام کہتے ہیں۔ اَمَّ یَؤُمُّ اِمَامَةً باب نصر سے، امام بننا۔لفظ ہجان کی طرح امام میں بھی مذکر اور مؤنث، مفرد اور جمع برابر ہیں۔

الاجل : جلیل القدر، بزرگ، الزاہد : نیک، پرہیزگار۔

المعروف بالقدوری رحمة الله علیه.

نوٹ قال الشیخ سے اخیر تک عبارت ان کے کسی شاگرد کی ہے۔ ورنہ تو مصنف تواضع کی وجہ سے صرف اپنا نام ہی لکھتے۔

القدوری : قدر کے معنی ہانڈی، صاحب قدوری یا ہانڈی کا کاروبار کرتے تھے یا اس کے گاؤں کا نام ہے جس کی طرف مصنف کو منسوب کیا گیا ہے۔

نوٹ تفصیل حالت مصنف میں ملاحظہ فرمائیں۔

﴿کتاب الطھارۃ﴾
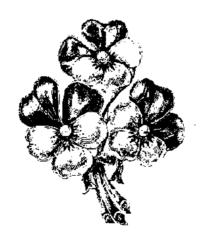
ضروری نوٹ : کتاب الطھارۃ مرکب اضافی ناقص ہے۔اس لئے اس سے پہلے مبتدا یا اس کے آخر میں خبر محذوف ماننی پڑے گی۔مثلا ھذا کتاب الطھارۃ، یا کتاب الطھارۃ ھذا، یا کتاب الطھارۃ کو اقرء کا مفعول مانیں اور یوں عبارت رکھیں اقرءُ کتابَ الطھارۃ۔

طہارۃ کا ثبوت : آیت میں طہارت کا ثبوت ہے۔**یا ایھا الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا برء وسکم وارجلکم الی الکعبین، وان کنتم جنبا فاطھروا** ۔آیت ۶،سورۃ المائدۃ ۵۔حدیث میں ہے **الطھور شطر الایمان** ،یہ بھی ہے **مفتاح الصلوۃ الطھور**۔(ترمذی، باب ماجاء مفتاح الصلوۃ الطھور ص ۶،نمبر ۳)

طہارۃ کو مقدم کرنے کی۔

وجہ (۱) عبادات میں سب سے زیادہ اہم نماز ہے۔ایمان کے بعد سب سے زیادہ اہمیت نماز کو دی گئی ہے۔ارشاد ربانی ہے **الذین یؤمنون بالغیب ویقیمون الصلوۃ** (آیت ۳،سورۃ البقرۃ ۲) حدیث میں ہے **الصلوۃ عماد الدین من اقامھا فقد اقام الدین.** اسی لئے تمام مصنفین نے ابواب نماز کو مقدم کیا ہے۔اور نماز کی شرط طہارت ہے،بغیر طہارت کے نماز ادا نہیں ہوگی اس لئے کتاب الطھارۃ کو مقدم کیا۔(۲) حج عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے۔زکوۃ سال میں ایک مرتبہ فرض ہے۔روزہ سال میں ایک ماہ فرض ہے۔لیکن نماز دن میں پانچ مرتبہ فرض ہے۔اس لئے اس کی ضرورت بار بار پڑتی ہے۔اور نماز کے لئے طہارت کی ضرورت پڑے گی تو طہارت کی ضرورت بھی دن میں پانچ بار پڑی۔اس لئے کثرت ضرورت کی بنا پر بھی طہارت کو پہلے ذکر کیا۔

لغوی تحقیق کتاب فِعال کے وزن پر مفعول کے معنی میں ہیں۔جیسے لباس ملبوس کے معنی میں ہوتا ہے۔اسی طرح کتاب بھی مکتوب کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔اس کے معنی ہیں جمع کیا ہوا۔کتب کے معنی ہیں جمع کرنا۔کتاب میں بہت سے مسائل جمع ہوتے ہیں اس لئے اس کو کتاب کہتے ہیں۔

نوٹ فقہ کی کتابوں میں تین الفاظ ذکر کرتے ہیں۔(۱) کتاب (۲) باب (۳) فصل۔کتاب میں مختلف انواع اور اقسام کے مسائل مذکور ہوتے ہیں اور اس میں بعض مرتبہ کئی ابواب بھی شامل ہوتے ہیں۔گویا کہ وہ عام لفظ ہے۔باب میں ایک قسم کے مسائل ذکر کرتے ہیں۔اور فصل میں ایک نوع کے مسائل ذکر کرتے ہیں۔

طھارۃ : طھر کا مصدر ہے اس کے معنی ہیں طھارۃ اور پاکیزگی،اس کا الٹا ہے دنس۔شریعت میں مخصوص اعضاء کے دھونے کو طہارت کہتے ہیں۔اس کا الٹا ہے حدث۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ رفع حدث یا ازالۂ نجس کا نام طہارت ہے۔

نوٹ پاک کرنے کو طَھارۃ بفتح ط،پاک کرنے کے بعد جو پانی باقی رہ جائے اس کو طُھارۃ ط کے ضمہ کے ساتھ۔اور پاک کرنے کا جو آلہ ہوتا ہے جیسے لوٹا اس کو طِھارۃ ط کے کسرہ کے ساتھ بولتے ہیں۔پاک پانی نہ ہو تو مٹی پاک کرنے لئے چند شرائط کے ساتھ پانی کا قائم مقام ہوتی ہے۔

نوٹ اقسام طہارت : (۱) اعتقادات کی طہارت جیسے اللہ یا رسول یا قیامت کے ساتھ وہ اعتقاد رکھنا جو حدیث اور قرآن کے مطابق

(۱)قال الله تعالى يا يهاالذين آمنوا اذا قمتم الى الصلوة فاغسلوا وجوهكم وايديَكم الى المرافق وامسحوا برء وسكم وارجلكم الى الكعبين .

ہو(۲)مال کی طہارۃ جیسے مال کی زکوۃ دینا(۳)بدن کی طہارۃ جیسے وضوکرنا،غسل کرنا۔کپڑے کی طھارۃ جیسے کپڑے کو پاک کرنا۔

(۱)اللہ تعالی کا ارشاد ہے۔اے ایمان والو جب تم نماز کے لئے کھڑے ہوتو اپنے منہ دھولو اور ہاتھ کو کہنیوں سمیت اور اپنے سر پر مسح کرلو۔اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھولو

وجہ آیت کو شروع میں لکھنے کی وجہ یہ ہیں (الف) برکت لئے ہے (۲) وضوء میں کتنے اعضاء دھوئے جائیں گے اس کا تذکرہ ہے۔تو گویا کہ آیت اعضاء وضوء دھونے کی دلیل ہوگئی۔آیت میں تین اعضاء دھونے اور ایک عضو کے مسح کرنے کا ذکر ہے(۱) چہرہ دھویا جائیگا (۲) دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھوئے جائیں گے (۳) پاؤں ٹخنوں سمیت دھوئے جائیں گے اور سر پر مسح کیا جائے گا۔ ہر ایک عضو کی مقدار اور ان کی دلیلیں آگے آئیں گی۔

لغت **اذا قمتم الى الصلوة** جب تم نماز کے لئے کھڑے ہوتو اعضاء دھوؤ۔نماز میں کھڑے ہونے کے وقت وضوء نہیں کرتے بلکہ اس سے کچھ دیر پہلے وضوء کرتے ہیں۔اس لئے آیت سے پہلے ایک قید بڑھانی ہوگی یعنی **اذا اردتم القيام الى الصلوة** ۔تم نماز میں کھڑے ہونے کا ارادہ کروتو وضوء کرلو۔دوسری بات یہ ہے کہ اگر نماز پڑھتے وقت پہلے سے وضوء موجود ہوتو وضوء کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔اس لئے ایک قید اور بھی بڑھانا ہوگی **اذا قمتم الى الصلوة وانتم محدثون** یعنی تم نماز کے لئے کھڑے ہو اس حال میں کہ تم محدث ہوتو وضوء کرلو اور محدث نہ ہوتو وضوء کرنے کی ضرورت نہیں۔البتہ طہارت کے باوجود وضوء کرنا مستحب ہے۔

فاغسلوا : غسل غ کے فتحہ کے ساتھ کسی چیز پر پانی بہا کر میل کچیل دور کرنا،کسی چیز کو دھونا اور غسل غ کے ضمہ کے ساتھ غسل کرنا،پورے بدن کو دھونا۔ **وجوه** : وجہ کی جمع ہے، چہرہ۔سر کے بال اگنے سے لیکر تھوڑی کے نیچے تک اور چوڑائی میں کان کے دونوں نرمے تک کو چہرہ کہتے ہیں۔وجہ : مواجہت سے مشتق ہے۔اور آدمی کسی کے سامنے آئے تو چہرے کا اتنا حصہ آنکھوں کے سامنے آتا ہے اس لئے اتنے حصے کو وجہ کہتے ہیں۔مرافق : مرفقۃ کی جمع ہے، کہنی۔امسحوا : مسح سے مشتق ہے پونچھنا۔بھیگے ہوئے ہاتھ کو کسی عضو پر پھیرنا۔وارجلکم : رجل سے مشتق ہے پاؤں۔ارجلکم پر فتحہ ہوگا اور عطف وجوھکم پر ہوگا۔اور مطلب یہ ہوگا کہ چہرے کو دھوؤ اور پاؤں کو بھی دھوؤ۔حضرت نافع،ابن عامر،کسائی،یعقوب اور امام حفص کی قرأت میں یہی ہے۔اور قرآن کریم کے عام نسخوں میں لام پر فتحہ والی قرأت ہے۔جمہور کا مسلک بھی یہی ہے کہ پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھونا ضروری ہے ورنہ وضوء نہیں ہوگا۔ان کے دلائل یہ ہیں (۱) قرآن نے **وارجلكم الى الكعبين** کہا ہے۔اگر مسح کرنا فرض ہوتا تو الی الکعبین کہنے کی ضرورت نہیں تھی کہ ٹخنوں تک کرو۔بلکہ رء وسکم کی طرح مطلق بیان کرتے۔کعبین کی قید لگانا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ٹخنوں تک دھونا فرض ہے (۲) حضرت ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ **انى سمعت رسول الله** ﷺ **انه يقول ويل للاعقاب من النار** (الف) (مسلم شریف، باب وجوب غسل الرجلین بکمالھا،ص۱۲۴ نمبر ۲۴۰ اور بخاری شریف، باب غسل

حاشیہ : (الف) آپ فرمایا کرتے تھے ایڑی کے لئے آگ سے ہلاکت ہے۔

(۲)ففرض الطهارة غسل الاعضاء الثلثةومسح الرأس(۳) والمرفقان والكعبان تدخلان

الاعقاب ص ۲۸ نمبر ۱۶۵) ایڑی پانی سے تر نہ ہو تو اس کو آگ چھوئے گی۔ تو اگر پاؤں پر مسح کریں تو ایڑی پر پانی نہیں آئے گا جس کی وجہ سے وہ جہنم کی آگ کے قابل ہوگی۔ اس لئے پاؤں پر مسح کرنا کافی نہیں ہوگا۔ (۳) خود حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے وضوء فرمایا اور پاؤں کو دھویا۔ قال اتانا علی وقد صلی ثم غسل رجله الیمنی ثلاثا و رجله الیسری ثلاثا (الف) (ابو داؤد، باب صفۃ وضوء النبی ص ۱۵ نمبر ۱۱۱/۱۱۴)

ارجلکم : کی دوسری قرأت لام کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ یہ قرأت عام مشہور نہیں ہے۔ اس صورت میں ارجلکم کا عطف برء وسکم پر ہوگا۔ اور مطلب یہ ہوگا کہ پاؤں پر بھی سر کی طرح مسح کرو۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ارجلکم کا عطف برء وسکم پر کر کے یہ مطلب لیا جائے کہ پاؤں پر بھی مسح کرو تو یہ اس وقت ہوگا جب کہ پاؤں میں موزہ ہو تو پاؤں پر مسح کرو۔ اور اس قرأت سے موزہ پر مسح کرنے کا ثبوت ہوگا یا صرف جوار اور قریب ہونے کی وجہ سے جر پڑھا جائے گا۔ حکم کے اعتبار سے دھونا ہی ہے۔

رافضیوں کا مذہب ہے کہ وہ پاؤں پر مسح کرنا کافی سمجھتے ہیں اور میں نے دیکھا کہ وہ اس پر شدت سے عمل کرتے ہیں کہ وضوء سے پہلے پاؤں دھوتے ہیں اور وضوء کرتے وقت صرف مسح کرتے ہیں۔ ان کا استدلال یہی ہے کہ ارجلکم جر کے ساتھ اس کا عطف رء وسکم پر ہے اور سر کے مسح کی طرح پاؤں پر مسح کرنا کافی ہے۔ لیکن ان کا جواب وہی ہے جو اوپر گزر چکا ہے۔ اور معلوم نہیں کہ حضرت علیؓ کی حدیث کو وہ کیوں نہیں مانتے ہیں۔

کعبین : کعب کا تثنیہ ہے۔ ابھری ہوئی ہڈی یعنی ٹخنہ۔ پاؤں میں دو جگہ ابھری ہوئی ہڈی ہے۔ ایک قدم کے اوپر ہے جو صرف ایک ہی ہے۔ اور دوسری جوڑ کے پاس ہے جو ہر پاؤں میں دو دو ہیں۔ یہاں یہی مراد ہے۔ کیوں کہ کعبین تثنیہ کا صیغہ استعمال کیا ہے جس کا مطلب ہے کہ ہر پاؤں میں دو دو ابھری ہوئی ہڈیاں ہوں۔

(۲) پس طہارت وضوء کے فرض تین اعضاء کو دھونا ہے اور سر کا مسح کرنا ہے۔

وجہ آیت میں گزر چکا ہے کہ تین اعضاء کو دھونا ہے اور سر پر مسح کرنا ہے۔ اور بہت سی احادیث سے بھی ثابت ہے کہ ان تین اعضاء کو دھونا ہے اور سر پر مسح کرنا فرض ہے۔

(۳) دونوں کہنیاں اور دونوں ٹخنے دھونا فرض میں شامل ہیں ہمارے تینوں علماء کے نزدیک برخلاف امام زفرؒ کے (ان کے نزدیک کہنیاں اور ٹخنے دھونے میں داخل نہیں ہے)

وجہ ائمہ ثلاثہ امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسف اور امام محمد کے دلائل یہ ہیں (۱) عن نعیم بن عبد اللہ المجمر قال رأیت ابا هريرة یتوضأ فغسل وجهه فأسبع الوضوء ثم غسل یده الیمنی حتی اشرع فی العضد ثم یده الیسری حتی اشرع فی العضد ثم مسح برأسه ثم غسل رجله الیمنی حتی اشرع فی الساق ثم غسل رجله الیسری حتی اشرع فی الساق ثم قال

حاشیہ : (الف) دائیں پاؤں کو تین مرتبہ دھویا اور بائیں پاؤں کو تین مرتبہ دھویا۔

فی فرض الغسل عند علمائنا الثلثة خلافا لزفر(۴) والمفروض فی مسح الرأس مقدار

هکذا رأیت رسول الله ﷺ یتوضأ وقال قال رسول الله ﷺ انتم الغر المحجلون یوم القیامة من اسباغ الوضوء ممن استطاع منکم فلیطل غرته وتحجیله(الف)(مسلم شریف، باب استحباب اطالة الغرة والتحجیل فی الوضوء،ص۱۲۶،نمبر۲۴۶) اس حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ نے بازو اور پنڈلی کو وضوء میں دھویا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آیت میں مرفق اور کعبین دھونے میں داخل ہیں۔یہ حدیث آیت کی تفسیر ہے(۲)عن جابر بن عبد الله قال کان رسول الله ﷺ اذا توضأ ادار الماء علی مرفقیه (دار قطنی، باب وضوء رسول اللہؐ، ج اول، ص۸۶،نمبر۲۶۸ رسنن للبیہقی، باب ادخال المرفقین فی الوضوء، ج اول، ص۹۳،نمبر۲۵۶)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کہنیاں دھونے میں داخل ہیں (۳) انگلی سے لیکر مونڈھے تک کو ہاتھ کہتے ہیں اس لئے اگر کہنیوں کی قید نہ لگاتے تو مونڈھے تک دھونا فرض ہوتا اس لئے کہنیوں تک دھونے کے لئے کہا تو کہنیوں سے آگے ساقط ہو گیا۔اور قاعدہ یہ ہے کہ جو عضو آگے کو ساقط کرنے کے لئے آئے وہ اس حکم میں داخل ہوتا ہے۔اس لئے کہنی دھونے کے حکم میں داخل رہے گی۔اس طرح رجل (پاؤں) ران تک کو کہتے ہیں۔ٹخنہ تک کی قید لگا کر ٹخنہ سے اوپر کو ساقط کیا۔لیکن خود ٹخنہ دھونے کے حکم میں داخل رہے گا۔

اصول جنس ایک ہو تو غایت مغیا میں داخل ہوتا ہے ۔

فائدہ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ کہنیاں اور ٹخنے دھونے میں داخل نہیں۔یعنی اگر کہنیوں اور ٹخنوں تک دھویا اور خود کہنیوں اور ٹخنوں کو نہیں دھویا تو وضوء ہو جائیگا۔ان کی دلیل یہ ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ اتموا الصیام الی اللیل یعنی روزے میں رات داخل نہیں ہے تو جس طرح الی کے مابعد رات ہے وہ روزے میں داخل نہیں ہے اسی طرح الی المرافق اور الی الکعبین میں۔الی کے مابعد مرافق اور کعبین دھونے میں داخل نہیں ہونگے۔ہمارا جواب یہ ہے کہ یہاں لیل دن کے جنس میں سے نہیں ہے۔دن الگ جنس ہے اور رات الگ جنس ہے۔اس لئے رات جو الی کے مابعد ہے وہ دن میں داخل نہیں ہوگی۔کیونکہ قاعدہ ہے کہ جنس ایک نہ ہو تو غایت مغیا میں داخل نہیں ہوتا ہے۔

(۴)اور فرض سر کے مسح میں پیشانی کی مقدار ہے اور وہ چوتھائی سر ہے۔کیونکہ مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ قوم کے کوڑے پر تشریف لائے اور پیشاب کیا اور وضوء فرمایا اور پیشانی پر مسح فرمایا اور دونوں موزوں پر مسح فرمایا۔

وجہ مغیرہ بن شعبہ کی یہ حدیث مسلم شریف میں باب المسح علی الخفین کے تحت ذکر کی گئی ہے(ص۱۳۴نمبر۲۷۴)اسی صفحہ پر دوسری حدیث ہے ان النبی ﷺ مسح علی الخفین ومقدم رأسه وعلی عمامته (مسلم شریف، باب المسح علی الناصیة والعمامة ص۱۳۴نمبر۲۷۴ر ابوداؤد شریف، باب المسح علی الخفین، ص۲۲،نمبر۱۵۰))جب سر کے صرف اگلے حصے پر مسح کیا تو پتہ یہ چلا کہ پورے سر کا مسح کرنا فرض نہیں ہے،

حاشیہ :(الف) میں نے حضرت ابو ہریرہ کو دیکھا کہ وہ وضو کر رہے تھے۔پس اپنے چہرے کو دھویا تو پورا وضوء کیا پھر دائیں ہاتھ کو دھویا یہاں تک کہ بازو کو دھونا شروع کر دیا۔پھر بائیں ہاتھ کو دھویا یہاں تک کہ بازو کو دھونا شروع کر دیا۔پھر سر پر مسح کیا۔پھر دائیں پاؤں کو دھویا یہاں تک کہ پنڈلی شروع کر دی پھر بائیں پاؤں کو دھویا یہاں پنڈلی کو دھونا شروع کر دیا۔پھر کہا میں نے اس طرح حضور ﷺ کو وضوء کرتے دیکھا۔آپ نے فرمایا تم لوگ قیامت کے روز چمکدار چہرے اور ہاتھ والے ہونگے وضوء مکمل کرنے کی وجہ سے۔پس تم میں سے جو چاہے وہ اپنے چہرے کی چمک اور پاؤں کی چمک کو زیادہ کرے۔

الناصية وهو ربع الرأس لما روى المغيرة بن شعبة ان النبى صلى الله عليه وسلم اتى سباطة قوم فبال وتوضأ ومسح على الناصية وخفيه (۵) وسنن الطهارة (٦)غسل اليدين

بلکہ مستحب ہے۔ کیونکہ پورے سر کا مسح فرض ہوتا تو صرف پیشانی کی مقدار یا اگلے حصے پر مسح کرنا کافی نہیں ہوتا۔اس لئے حنفیہ کے نزدیک چوتھائی سر یا پیشانی کی مقدار پر مسح کرنا فرض ہے۔اور پورے سر پر مسح کرنا سنت ہے۔(۲) آیت میں سر کا مسح کرنا فرض ہے لیکن کتنی مقدار فرض ہے آیت سے اس کا پتہ نہیں چلتا ہے۔آیت اس بارے میں مجمل ہے۔اب حدیث نے اس کی تفسیر کی ہے کہ کم سے کم مقدار پیشانی کے برابر ہے۔اس سے کم مقدار کا کسی حدیث سے پتا نہیں چلتا ہے۔اس لئے یہ کم سے کم مقدار فرض ہوگی (۳) ستر عورت چوتھائی کھل جائے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔حج کے موقع پر احرام کی حالت میں چوتھائی سر منڈوا دے تو دم لازم ہوتا ہے۔جس طرح پورے سر منڈوانے سے دم لازم ہوتا ہے۔تو ان مقامات پر چوتھائی کل کے قائم مقام ہے اس لئے سر کے مسح میں بھی چوتھائی پورے سر کے قائم مقام ہوگا (۴) قاعدہ یہ ہے کہ ب حرف جر آلہ پر داخل ہو تو اس کا بعض مراد ہوگا اور محل کا کل، اور محل پر داخل ہو تو محل کا بعض مراد ہوگا۔یہاں ب سر محل پر داخل ہے اس لئے سر کا بعض حصہ مراد ہوگا کہ بعض سر کا مسح کرنا کافی ہوگا۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک چند بال کو مسح کرنے سے فرض کی ادائیگی ہو جائے گی۔وہ فرماتے ہیں کہ مسح کرنا مطلق ہے اور مطلق میں دو چار بال مسح کرنا کافی ہو جاتا ہے۔امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ پورے سر کا مسح کرنا فرض ہے۔وہ ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں پورے سر پر مسح کرنا ثابت ہے۔یہ احادیث بخاری شریف باب مسح الرأس کلہ ص ۳۳ نمبر ۱۸۵ اور باب مسح الرأس مرۃ ص ۳۴ نمبر ۱۹۲ پر مذکور ہیں۔**عن عبد الله بن زیدؓ...ثم مسح رأسه بيديه فاقبل بهما و ادبر بدا بمقدم رأسه حتى ذهب بهما الى قفاه ثم ردهما الى المكان الذى بدا منه** ۔ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ وہ احادیث سنیت پر محمول ہیں۔اور ہم بھی ایک مرتبہ پورے سر پر مسح کرنا سنت قرار دیتے ہیں۔

لغت الناصیۃ : پیشانی یہاں پیشانی کی مقدار مراد ہے کیوں کہ صرف پیشانی پر مسح کرنے سے کسی کے یہاں مسح ادا نہیں ہوگا۔کیونکہ آیت میں سر پر مسح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔مغیرہ بن شعبہ مشہور صحابی ہیں غزوۂ خندق کے سال اسلام لائے ہیں اور ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں وفات پائی ہے۔ان سے ایک سو چھتیس حدیثیں مروی ہیں۔ سباطۃ : کوڑا، کچرا پھینکنے کی جگہ۔ بال : پیشاب کیا۔

﴿سنن وضوء کا بیان﴾

(۵) سنن الطھارۃ : طہارت کی سنتیں۔طریقہ یا راستہ کو سنت کہتے ہیں۔شریعت میں جس کام پر عبادت کے طور پر حضور ﷺ نے ہمیشگی کی ہو اور کبھی کبھی چھوڑا ہو اس کو سنت کہتے ہیں۔اگر عبادت کے طور پر نہیں بلکہ عادت کے طور پر کسی کام پر آپ نے ہمیشگی کی ہو تو وہ کام مستحب ہوگا۔جیسے دائیں جانب سے کسی اچھے کام کو شروع کرنا مستحب ہے۔

(٦) وضوء کی سنتیں: دونوں ہاتھوں کو تین مرتبہ دھونا ان دونوں کو برتن میں داخل کرنے سے پہلے جبکہ وضو کرنے والا نیند سے بیدار ہوا ہو

تشریح کوئی آدمی نیند سے بیدار ہوا ہو اور وضو یا غسل کرنا چاہتا ہو تو پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہاتھ کو تین مرتبہ دھو لینا چاہئے، یہ

ثلاثا قبل ادخالهما الاناءاذا استيقظ المتوضى من نومه(۷) وتسمية الله تعالى فى ابتداء الوضوء (۸) والسواک .

سنت ہے۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ نیند کی حالت میں اس کا ہاتھ نجاست کی جگہ پر گیا ہو اور ہاتھ پر ناپاکی موجود ہو اور وضو کرنے والے کو اسکا پتہ نہ ہو۔اب اس ہاتھ کو پانی میں ڈالے گا تو پانی ناپاک ہوجائے گا۔اس لئے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہاتھ کو تین مرتبہ دھولے۔اگر ہاتھ پر ناپاکی ہونے کا ظن غالب ہو تو دھونا ضروری ہے۔اور صرف شک ہو تو دھونا سنت ہے۔

وجہ اس کے سنت ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابی هريرة رضى الله عنه ان النبى ﷺ قال اذا استيقظ احدكم من نومه فلا تغمس يده فى الاناء حتى يغسلها ثلاثا فانه لايدرى اين باتت يده** (الف)(مسلم شریف، باب کراہیۃ غمس المتوضی و غیرہ یدہ المشکوک فی نجاستھا فی الاناء قبل غسلھا ثلاثا ص ۱۳۶ نمبر ۶۴۲/ ترمذی شریف، باب ماجاء اذا استیقظ احدکم من منامہ فلا یغمسن یدہ فی الاناء حتی یغسلھا ثلاثا ص ۱۳ نمبر ۲۴) مصنف نے نیند سے بیدار ہونے کے بعد ہاتھ دھونا سنت لکھا ہے۔علماء نے لکھا ہے کہ نیند سے بیدار نہ ہو تب بھی وضو کرنے والے کے لئے ہاتھ دھونا سنت ہے ۔

لغت الاناء : برتن، استیقظ : بیدار ہوا، نوم : نیند

(۷)[دوسری سنت]وضوء کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا۔

وجہ حدیث میں ہے کہ جس نے بسم اللہ نہیں پڑھی اس کا وضو ہی نہیں ہے۔ **ابى سفيان بن حويطب عن جدتة عن ابيها قال سمعت رسول الله ﷺ يقول لا وضوء لمن لم يذكر اسم الله عليه** (ب)(ترمذی شریف، باب فی التسمیۃ عند الوضوء ص ۱۳ نمبر ۲۵/ ابوداؤد شریف، باب فی التسمیۃ علی الوضوء، ص ۱۵، نمبر ۱۰۱) حدیث میں یہ ذکر ہے کہ بغیر بسم اللہ کے وضوء ہی نہیں ہوگا۔لیکن یہ نفی کمال پر محمول ہے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بغیر بسم اللہ کے وضوء کامل نہیں ہے۔صاحب ہدایہ فرماتے ہیں بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے

فائدہ اسحاق بن راھویہ فرماتے ہیں کہ جان کر بسم اللہ چھوڑ دے تو وضو لوٹائے گا اور بھول کر یا حدیث کی تاویل کرتے ہوئے بسم اللہ چھوڑ دے تو وضو ہو جائیگا ان کی دلیل اوپر والی حدیث ہے۔

(۸)[تیسری سنت]مسواک کرنا ہے۔

وجہ (۱)حدیث میں ہے **عن ابى هريرة رضى الله عنه عن النبى ﷺ قال لولا ان اشق على المؤمنين و فى حديث زهير على امتى لامرتهم بالسواک عند كل صلوة** (ج)(مسلم شریف، باب السواک ص ۱۲۸ نمبر ۲۵۲/ ترمذی شریف، باب ماجاء فی السواک ص ۱۲ نمبر ۲۲/ بخاری شریف، باب السواک ص ۳۸ نمبر ۲۴۴) اس حدیث سے اگرچہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ نماز کے وقت مسواک سنت ہے۔لیکن یہاں ایک عبارت محذوف ہوگی **عند وضوء كل صلوة** یعنی ہر نماز کے وضو کے وقت مسواک کرنا سنت ہے۔(۲)عن

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو تو اپنے ہاتھ کو برتن میں نہ ڈالے، یہاں تک کہ اس کو تین مرتبہ نہ دھولے۔ (ب) اس کا وضوء کامل نہیں جس نے بسم اللہ نہیں پڑھی۔(ج) آپؐ نے فرمایا میری امت پر مشقت کا خوف نہ ہوتا تو ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیتا۔

(۹) والمضمضة والاستبشاق

ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ لولا ان اشق علی امتی لامرتهم بالسواک مع کل وضوء (سنن للبیھقی ، باب الدلیل علی ان السواک سنۃ لیس بواجب ،جلد اول ص ۵۷ ،نمبر ۱۴۶)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسواک وضو کے وقت سنت ہے (۳) مسواک کا مقصد منہ کی گندگی صاف کرنا ہے اس لئے وہ وضو کے زیادہ مناسب ہے

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک مسواک سنت نماز ہے۔ان کی دلیل اوپر کی حدیث عند کل صلوۃ ہے (موسوعۃ امام شافعی باب السواک ص ۱۰۲ ج اول)

(۹) [چوتھی سنت] کلی کرنا [پانچویں سنت] ناک میں پانی ڈالنا۔

وجہ حدیث میں ہے رأیت عثمان بن عفان سئل عن الوضوء فدعا بماء فاتی بمیضأة فاصغاها علی یده الیمنی ثم ادخلها فی الماء فتمضمض ثلثا و استنثر ثلثا (ابوداؤد شریف ، باب صفۃ وضوء النبی ﷺ ص ۱۶ نمبر ۱۰۸ / ۱۱۲ /مسلم شریف باب آخر فی صفۃ الوضوء ص ۱۲۳ نمبر ۲۲۶)اس باب کی یہ تیسری حدیث ہے۔اس باب میں تین مرتبہ کلی الگ پانی سے کی ہے۔اور تین مرتبہ ناک میں پانی الگ پانی لیکر ڈالا ہے۔اس لئے حنفیہ کے نزدیک تین مرتبہ پانی لیکر کلی کرنا سنت ہے۔(۲) عن طلحة عن ابیه عن جده قال دخلت یعنی علی النبی ﷺ وهو یتوضأ والماء یسیل من وجهه ولحیته وعلی صدره فرأیته یفصل بین المضمضة والاستنشاق (الف)(ابوداؤد، باب فی الفرق بین المضمضۃ والاستنشاق ص ۲۰ نمبر ۱۳۹)ابوداؤدؒ نے باضابطہ باب باندھا ہے کہ کلی اور ناک میں پانی ڈالنا آپؐ نے الگ الگ فرمایا ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایک چلو پانی لے اور اس کے آدھے سے کلی کرے اور آدھے کو ناک میں ڈالے پھر دوسری مرتبہ چلو میں پانی لے اور آدھے سے کلی کرے اور آدھے کو ناک میں ڈالے ، پھر تیسری مرتبہ چلو میں پانی لے اور آدھے سے کلی کرے اور آدھے کو ناک میں ڈالے۔اس طرح تین ہی چلو سے دونوں کام کرے۔

وجہ ان کا استدلال ان احادیث سے ہے جس میں ہے۔فمضمض واستنشق من کف واحد ففعل ذلک ثلاثا (مسلم شریف ، باب آخر فی صفۃ الوضوء ص ۱۲۳ نمبر ۲۳۵ /ترمذی شریف ، باب المضمضۃ والاستنشاق من کف واحد، ص ۱۴ ،نمبر ۲۸)اس حدیث میں ایک ہی پانی سے کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کا ذکر ہے۔ہم کہتے ہیں کہ حدیث کی اوپر کی بھی ہے۔اور الگ الگ پانی ڈالنے میں زیادہ نظافت ہے۔

لغت المضمضۃ : مضمضہ کرنا ،کلی کرنا الاستنشاق : باب استفعال سے ناک میں پانی چڑھانا ، دوسرا لفظ آتا ہے استنثر : ناک سے پانی جھاڑنا

فائدہ امام مالکؒ کے نزدیک یہ دونوں وضو میں بھی فرض ہیں۔

حاشیہ : (الف) میں حضور ﷺ پر داخل ہوا، وہ وضو فرما رہے تھے اور پانی آپ کے چہرے اور ڈاڑھی پر اور سینہ مبارک پر بہہ رہا تھا۔اور میں نے دیکھا کہ مضمضہ اور استنشاق میں فصل کر رہے ہیں۔

(۱۰) ومسح الاذنین (۱۱) وتخلیل اللحیۃ (۱۲) والاصابع (۱۳) وتکرار الغسل الی

(۱۰) [چھٹی سنت] دونوں کانوں کا مسح کرنا ہے۔

وجہ حدیث میں ہے **ان النبی ﷺ مسح برأسہ واذنیہ ظاھرھما و باطنھما** (ترمذی شریف، باب مسح الاذنین ظاھرھما وباطنھما ص ۱۶ نمبر ۳۶ / ابوداؤد، باب صفۃ وضوء النبی ﷺ ص ۱۶ نمبر ۱۲۱) **انہ مسح براسہ وقال الاذنان من الرأس (الف)** (ترمذی، باب ماجاء ان الاذنین من الرأس نمبر ۳۷) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کان کے اوپر اور نیچے کا حصہ سر کے ساتھ مسح کرنا سنت ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کان کے لئے الگ پانی لینا مسنون ہے۔ اور شعبیؒ فرماتے ہیں کہ آگے کا حصہ چہرے کے ساتھ دھویا جائے اور کان کے پیچھے کا حصہ سر کے ساتھ دھویا جائے۔ امام شافعی کی دلیل یہ حدیث ہے **سمع عبد اللہ بن زید یذکر انہ رای رسول اللہ ﷺ یتوضأ فاخذ لاذنیہ ماء خلاف الماء الذی اخذ لرأسہ** (سنن للبیھقی، باب مسح الاذنین بماء جدید ج اول ص ۱۰۷، نمبر ۳۰۸) اس حدیث میں ہے کہ کان کے لئے الگ پانی لیا۔

(۱۱) [ساتویں سنت] ڈاڑھی کو خلال کرنا ہے۔

وجہ حدیث میں ہے **عن عثمان بن عفانؓ ان النبی ﷺ کان یخلل لحیتہ** (ترمذی شریف، باب تخلیل اللحیۃ ص ۱۴ نمبر ۳۱) **عن انس بن مالکؓ ان رسول اللہ ﷺ کان اذا توضأ اخذ کفا من ماء فادخلہ تحت حنکہ خلل بہ لحیتہ وقال ھکذا امرنی ربی (ب)** (ابوداؤد، باب تخلیل اللحیۃ ص ۲۱ نمبر ۱۴۵) نوٹ ہلکی ڈاڑھی ہو تو پانی خال تک پہنچانا ضروری ہے۔ اور گھنی ڈاڑھی ہو تو ڈاڑھی کے اوپر دھولے اور ڈاڑھی کے اندر خلال کرنا اس وقت سنت ہے۔

(۱۲) [آٹھویں سنت] انگلیوں کا خلال کرنا ہے۔

وجہ **عن ابن عباسؓ ان رسول اللہ ﷺ قال اذا توضأت فخلل اصابع یدیک و رجلیک (ج)** (ترمذی شریف، باب تخلیل الاصابع ص ۱۶ نمبر ۳۹ / نسائی شریف، باب الامر بتخلیل الاصابع، ص ۱۶ نمبر ۱۱۴) انگلی کے خلال کرنے میں حکمت یہ ہے کہ پانی ہر جگہ پہنچ جائے۔ کیونکہ اعضاء وضو میں ایک بال کے برابر خشک رہ جائے تو وضو نہیں ہوگا۔

(۱۳) [نویں سنت] تین مرتبہ دھونے کا تکرار کرنا ہے

وجہ (۱) ایک ایک مرتبہ اعضاء کو دھونا فرض ہے اور تین مرتبہ دھونا سنت ہے۔ تین مرتبہ دھونے سے یقین ہو جائے گا کہ کوئی جگہ بال برابر بھی خشک نہیں رہ گئی۔ (۲) حدیث میں ہے **رأی عثمان بن عفانؓ دعا باناء فافرغ علی کفیہ ثلث مرار فغسلھما ثم ادخل یمینہ فی الاناء فمضمض واستنثر ثم غسل وجھہ ثلاثا ویدیہ الی المرفقین ثلث مرار، ثم مسح برأسہ، ثم غسل رجلیہ ثلث مرار الی الکعبین ثم قال قال رسول اللہ ﷺ من توضأ نحو وضوئی ھذا ثم صلی رکعتین لا یحدّث فیھما**

حاشیہ : (الف) دونوں کان سر کا حصہ ہے۔ (ب) حضور ﷺ جب وضو فرماتے تو پانی کا چلو لیتے اور تھوڑی کے پاس ڈالتے اور اس سے ڈاڑھی کا خلال کرتے اور فرمایا کہ مجھے اسی طرح میرے رب نے حکم دیا ہے (ج) آپؐ نے فرمایا جب وضو کرو تو اپنے دونوں ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرلیا کرو۔

الثلث(۱۴) ويستحب للمتوضى ان ينوى الطهارة.

نفسه غفر له ما تقدم من ذنبه (الف) (بخاری شریف، باب الوضوء ثلاثا ثلاثا ص ۲۷ نمبر ۱۵۹/ابوداؤد شریف، باب الوضوء ثلاثا ثلاثا ص ۲۰ نمبر ۱۳۵) اس حدیث میں ہے کہ اعضاء تین تین مرتبہ دھویا، جس سے معلوم ہوا کہ تین تین مرتبہ دھونا سنت ہے۔

﴿ مستحبات وضو کا بیان ﴾

ضروری نوٹ : مستحب اس کو کہتے ہیں کہ کرنے پر ثواب دیا جائے اور نہ کرنے پر کوئی عتاب نہ ہو۔ مصنفؒ نے نیت کرنا، پورے سر کا مسح کرنا، ترتیب سے وضوء کرنا اور پے درپے وضو کرنا مستحب لکھا ہے۔ حالانکہ دوسری کتابوں میں ان کو سنت کہا ہے (کما فی الھدایہ) اور احادیث سے بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ چار باتیں سنت ہیں۔ متقدمین کے یہاں سنت کو بھی مستحب کہہ دیا کرتے تھے اس اعتبار سے مصنف نے ان چاروں کو مستحب کہا ہے۔ البتہ دائیں جانب سے شروع کرنا اور گردن کا مسح کرنا مستحب ہے۔

(۱۴) وضو کرنے والے کے لئے سنت ہے کہ پاکی کی نیت کرے۔

وجہ سنت ہونے کی وجہ یہ حدیث ہے۔ عمر بن خطاب رضی الله عنه علی المنبر يقول سمعت رسول الله ﷺ يقول انما الاعمال بالنيات و انما لكل امرء ما نوى (ب) (بخاری شریف، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ ص ۲ نمبر ۱) اعمال کے ثواب کا دارومدار یا اعمال کے صحیح ہونے کا دارومدار نیت پر ہے۔ بغیر نیت کے وضو کا ثواب نہیں ہوگا۔ اس لئے وضو میں وضو کی نیت کرنا سنت ہے۔ وضو میں نیت کرنا فرض اس لئے نہیں ہے کہ پانی کو خود بخود پاک کرنے والا قرار دیا ہے چاہے نیت کرے یا نہ کرے۔

دلیل (۱) آیت ہے انزلنا من السماء ماء طهورا (آیت ۴۸ سورۃ الفرقان ۲۵) (۲) حدیث میں ہے قال رسول الله ﷺ هو الطهور ماءه الحل ميتته (ج) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی ماء البحر انہ طہور ص ۲۱ نمبر ۶۹) جب پانی بغیر نیت کی قید کے خود بخود پاک کرنے والا ہے تو نیت کرنا ضروری نہیں رہا۔ البتہ حدیث بالا کی وجہ سے سنت رہے گا (۳) حضرت عمرؓ نے قرآن کریم چھونے کے لئے کفر کی حالت میں وضو کیا ہے۔ اور کفر کی حالت میں نیت کا اعتبار نہیں اس لئے ان کا وضو کرنا بغیر نیت کے درست رہا۔ معلوم ہوا کہ وضو کے لئے نیت کی شرط نہیں ہے۔

نوٹ نماز، روزہ، زکوۃ اور حج وغیرہ عبادت مقصودہ میں اصل مقصد ثواب ہے اس لئے بغیر نیت کے یہ عبادات ادا نہ ہوں گی۔ وہاں نیت کرنا فرض ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک حدیث انما الاعمال بالنیات کی وجہ سے وضو میں بھی نیت کرنا فرض ہے (موسوعۃ امام شافعیؒ ج اول، باب النیۃ فی الوضوء)

حاشیہ : (الف) عثمان بن عفان کو دیکھا کہ برتن منگوایا پھر تین مرتبہ اپنی ہتھیلیوں پر پانی ڈالا اور اس کو دھویا۔ پھر دائیں ہاتھ کو برتن میں داخل کیا اور مضمضہ کیا اور استنشاق کیا۔ پھر اپنے چہرے کو تین مرتبہ دھویا پھر سر پر مسح کیا پھر دونوں پاؤں کو تین مرتبہ ٹخنوں تک دھویا۔ پھر کہا کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو میرے اس وضو کی طرح وضو کرے پھر دو رکعت نماز پڑھے اور دل میں ادھر ادھر کا کوئی خیال نہ آئے تو اس کے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے (ب) آپؐ نے فرمایا اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ ہر آدمی کے لئے وہ ہے جو اس نے نیت کی (ج) آپؐ نے فرمایا سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ (مچھلی) حلال ہے۔

(١٥) ويستوعب رأسه بالمسح (١٦) ويرتب الوضوء فيبتدأ بما بدأ الله تعالى بذكره

لغت النیۃ : دل سے ارادہ کرنے کا نام نیت ہے اور زبان سے بول لے تو بہتر ہے۔

(۱۵) پورے سر کا مسح کرنا۔

وجہ (۱) حدیث میں ہے **عن عبد الله بن زيد عن وضوء النبی ﷺ ...ثم ادخل يده فی الاناء فمسح برأسه فاقبل بيده وادبر بها** (الف) (بخاری شریف، باب مسح الرأس مرۃ ص ۳۲ نمبر ۱۹۲) (۲) ابوداؤد، باب صفت وضوء النبی ﷺ ص ۱۶ نمبر ۱۱۲ فیہ تصریح **فمسح برأسه مرة واحدة**) حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ نے ایک مرتبہ سر پر مسح فرمایا (۳) اگر نئے نئے پانی سے تین مرتبہ مسح کریں تو وہ دھونا ہو جائے گا مسح باقی نہیں رہے گا۔ دھونے کے اعضاء میں تین مرتبہ دھوئیں تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ لیکن مسح تین مرتبہ نئے نئے پانی سے کریں تو موضوع ہی بدل جائے گا۔ اس لئے ایک ہی مرتبہ مسح کرنا سنت ہے۔

نوٹ جن احادیث میں تین مرتبہ دھونے کا تذکرہ ہے وہ ایک ہی پانی سے پورے سر کو گھیرنے کے لئے تین مرتبہ کیا گیا ہے۔ اور یہ تو ہم بھی کہتے ہیں کہ ایک پانی سے ہاتھ کو تین مرتبہ سر پر پھیرا جائے تا کہ اچھی طرح پورے سر پر مسح ہو جائے۔

فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ تین مرتبہ مسح کرے اور تینوں مرتبہ نیا پانی لینا سنت ہے۔ ان کا استدلال اس حدیث سے ہے **ومسح رأسه ثلاثا** (ابوداؤد، باب صفۃ وضوء النبی ﷺ ص ۱۶ نمبر ۱۰۷) **فمسح برأسه فاقبل بهما وادبر بدء بمقدم رأسه ثم ذهب بهما الى قفاة ثم ردهما حتى رجع الى المكان الذى بدء منه وغسل رجليه** (ب) (مسلم شریف، باب آخر فی صفۃ الوضوء ص ۱۲۳ نمبر ۲۳۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین مرتبہ مسح کرے۔ ہم جواب دیتے ہیں کہ یہ سب احادیث میں ایک ہی پانی سے استیعاب کے لئے کئی مرتبہ مسح کیا ہے جس کے قائل ہم بھی ہیں۔

لغت یستوعب : گھیرے، احاطہ کرے

نوٹ مسح کے لئے نیا پانی لینا سنت ہے۔

وجہ **ومسح برأسه بماء غير فضل يده** (مسلم شریف، باب آخر فی صفۃ الوضوء ص ۱۲۳ نمبر ۲۳۶)

(۱۶) ترتیب سے وضو کرے، پس وہاں سے شروع کرے جس کو اللہ نے پہلے ذکر کیا ہے۔

تشریح اللہ نے قرآن کریم میں پہلے چہرے کو پھر ہاتھ کو پھر سر پر مسح کرنا پھر پاؤں کو دھونا ذکر کیا ہے تو اسی ترتیب سے وضو کرنا سنت ہے۔ اس کے خلاف کریگا تو وضو ہو جائیگا لیکن سنت کی ادائیگی نہیں ہوگی۔

وجہ (۱) قرآن نے جس ترتیب سے اعضاء وضوء کو ذکر کیا ہے اس کی کوئی نہ کوئی حکمت ہوگی اس لئے اس ترتیب سے وضو کرنا سنت ہے (۲)

حاشیہ : (الف) آپ نے برتن میں ہاتھ ڈالا اور سر پر مسح کیا اس طرح کہ اپنے ہاتھ کو پیچھے سے آگے کیا پھر آگے سے پیچھے کیا (ب) آپ نے سر پر مسح فرمایا اور ہاتھ کو پیچھے سے آگے کی طرف لائے اور پیچھے کی طرف لے گئے۔ اور سر کے اگلے حصے سے شروع کیا۔ پھر دونوں ہاتھوں کو گدی تک لے گئے پھر ان کو واپس لوٹایا یہاں تک کہ اس مقام تک واپس لائے جہاں سے شروع کیا تھا اور پاؤں کو دھویا۔

(۱۷) والتوالى (۱۸) وبالميامن.

تقریبا تمام احادیث میں اسی ترتیب سے اعضاء دھونا مذکور ہے جس ترتیب سے قرآن میں ذکر ہے۔اس لئے حضور کی مواظبت کرنے سے ترتیب سنت ہے (۳) اذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوھکم الآیۃ میں فاغسلوا کی ف تعقیب کے لئے ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر نماز کے لئے کھڑے ہوتو پہلے چہرہ دھوؤ جب کھڑے ہونے اور چہرہ دھونے میں ترتیب ہوئی تو باقی اعضا میں بھی ترتیب ہونی چاہئے اس لئے وضو میں ترتیب سنت ہے۔لیکن یہ ترتیب واجب نہیں ہے جیسا کہ امام شافعیؒ نے فرمایا کیونکہ (۱) اوپر کے دلائل سنت پر دلالت کرتے ہیں وجوب پر نہیں (۲) حضرت علیؓ نے فرمایا تھا ما ابالی اذا اتممت وضوئی بای اعضائی بدأت (الف) (دار قطنی، باب ماروی فی جواز تقدیم غسل الید الیسری علی الیمنی ج اول ص ۹۲ حدیث نمبر ۲۸۹ رسنن للبیھقی، باب الرخصۃ فی البدائۃ بالیسار ج اول ص ۱۴۰، نمبر ۴۰۶)

فائدہ امام شافعیؒ پچھلے دلائل کی وجہ سے ترتیب واجب قرار دیتے ہیں۔جواب گزر گیا۔

(۱۷) پے در پے کرنا۔

تشریح یعنی ایک عضو کو دھونے کے بعد فورا دوسرا عضو دھوئے ایسا نہیں کہ دوسرا عضو دھونے میں بہت دیر کردے یہاں تک کہ پہلا عضو خشک ہو جائے۔

نوٹ التوالی کا جملہ بعض نسخوں میں نہیں ہے۔

وجہ (۱) تمام احادیث میں ذکر ہے کہ آپؐ نے پے در پے اعضاء دھوئے ہیں۔ایسا نہیں ہوا کہ ایک عضو دھو کر بہت دیر کے بعد دوسرا عضو دھویا اس لئے پے در پے دھونا بھی مستحب ہے۔البتہ عذر کی وجہ سے دیر ہو جائے تو سنت کی ادائیگی میں فرق نہیں آئے گا (۲) اثر میں ہے ان عبد اللہ بن عمر بال بالسوق ثم توضأ وغسل وجھہ ومسح برأسہ ثم دعی لجنازۃ لیصلی علیھا حین دخل المسجد فمسح علی خفیہ ثم صلی علیھا (مؤطا امام مالکؒ، باب ماجاء فی المسح علی الخفین ص ۲۴) اس اثر میں مسح علی الخفین بعد میں کیا جس سے معلوم ہوا کہ تمام اعضاء کا پیدر پے دھونا ضروری نہیں ہے۔

(۱۸) دھونے کو دائیں طرف سے شروع کرنا (مستحب ہے)

وجہ حدیث میں ہے عن عائشۃ رضی اللہ عنھا کان النبی ﷺ یعجبہ التیمن فی تنعلہ وترجلہ وطھورہ فی شانہ کلہ، وقال النبی ﷺ لام عطیۃ فی غسل ابنتہ ابدأن بمیامنھا ومواضع الوضوء منھا (ب) بخاری شریف، باب التیمن فی الوضوء والغسل ص ۲۹ نمبر ۱۶۷/۱۶۸) ان احادیث کی بنا پر دائیں جانب سے وضو کرنا مستحب ہے۔اور بعض حضرات نے اس کو سنت کہا ہے۔

لغت التیمن : دائیں جانب سے شروع کرنا۔

حاشیہ : (الف) مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ اگر میں اپنا وضو پورا کرلوں تو کس عضو سے وضو شروع کروں۔(ب) آپ کو دائیں جانب سے شروع کرنا اچھا لگتا تھا جوتا پہننے میں، کنگی کرنے میں اور وضو کرنے میں اور ہر چیز میں۔آپؐ نے ام عطیہ سے فرمایا اپنی بیٹی کے غسل کے سلسلہ میں کہ اس کی دائیں جانب سے غسل شروع کرنا اور اس کے وضو کے مقامات کو بھی دائیں جانب سے شروع کرنا

(۱۹) ومسح الرقبة(۲۰) والمعانی الناقضة للوضوء کل ما خرج من السبیلین.

(۱۹) گردن کا مسح کرنا (مستحب ہے)

وجہ (۱)عن ابن عمر رضی الله عنهما ان النبی ﷺ قال من توضأ ومسح بیدیه علی عنقه وقی الغل یوم القیامة (الف) (التلخیص الحبیر، باب سنن الوضوء ج اول ص ۳۴ / شرح احیاء العلوم للعلامۃ الزبیدی ج دوم ص ۳۶۵ / باب کیفیۃ الوضوء، اعلاء السنن ج اول ص ۱۲۰) (۲)عن لیث عن طلحة بن مصرف عن ابیه عن جده انه رأی رسول الله ﷺ یمسح راسه حتی بلغ القذال وما یلیه من مقدم العنق (مسند احمد، باب حدیث جد طلحۃ الایامی، ج رابع، ص ۵۳۱، نمبر ۱۵۵۴۱) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ گردن کا مسح کرنا مستحب ہے۔

خلاصہ مصنفؒ نے چودہ سنتیں بیان کی (۱) تین مرتبہ گٹوں تک ہاتھ دھونا (۲) وضو کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا (۳) مسواک کرنا (۴) کلی کرنا (۵) ناک میں پانی ڈالنا (۶) دونوں کانوں کا مسح کرنا (۷) ڈاڑھی کا خلال کرنا (۸) انگلیوں کا خلال کرنا (۹) تیں تین مرتبہ اعضاء کو دھونا (۱۰) پاکی کی نیت کرنا (۱۱) پورے سر کا مسح کرنا (۱۲) وضو کو ترتیب سے کرنا (۱۳) دائیں جانب سے شروع کرنا (۱۴) پے در پے کرنا۔
اور مستحب ہے گردن کا مسح کرنا

نوٹ سنن اور مستحبات اور بھی ہیں۔

﴿نواقض کا بیان﴾

ضروری نوٹ المعانی الناقضۃ : وضوتوڑنے والی چیزیں، جن نجاستوں کے نکلنے یا داخل ہونے سے وضوٹوٹ جاتا ہے اس کا بیان ہے۔

(۲۰) وضو کو توڑنے والی ہر وہ چیز ہے جو پیشاب یا پاخانہ کے رستے سے نکلے۔

وجہ (۱) آیت میں ہے او جاء احد منکم من الغائط او لمستم النساء فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا (ب) (آیت ۶ سورۃ المائدۃ ۵) پاخانہ کرنے کی وجہ سے پیشاب اور پاخانہ کے راستے سے پیشاب اور پاخانہ اور جو کچھ نکلے گا اس سے وضوٹوٹ جائے گا۔ آیت سے اس کا پتہ چلا (۲) حدیث میں ہے عن صفوان بن عسال قال رسول الله ﷺ یأمرنا اذا کنا سفرا ان لا ننزع خفافنا ثلاثة ایام ولیالیهن الا من جنابة ولکن من غائط و بول ونوم (ج) (ترمذی شریف، باب المسح علی الخفین للمسافر والمقیم ص ۲۷ نمبر ۹۶ / نسائی شریف، باب التوقیت فی المسح علی الخفین، ص ۱۷، نمبر ۱۲۷) پاخانہ، پیشاب اور جنابت پاخانہ اور پیشاب کے راستے سے نکلتے ہیں اس لئے جو چیزیں بھی ان دونوں راستوں سے نکلے وہ ناقض وضو ہیں (۳) یہ دونوں مقام مقام نجاست نہیں ہیں۔ نجاست کہیں اوپر سے کھسک کر آتی ہے۔ اور قاعدہ ہے کوئی ناپاکی اپنی جگہ سے کھسک کر جسم کے ظاہری حصے پر آجائے تو اس سے وضوٹوٹ جاتا ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جو وضو کرے اور دونوں ہاتھوں سے اپنی گردن پر مسح کرے تو قیامت کے روز طوق سے بچایا جائے گا (ب) تم سے کوئی پاخانہ کرنے کی جگہ سے آئے یا عورتوں سے جماع کرے اور پانی نہ پائے تو پاک مٹی سے تیمّم کرے (ج) آپؐ ہم کو حکم دیتے تھے کہ جب ہم سفر میں ہوں تو اپنے موزوں کو تین دن اور تین رات تک نہ کھولیں مگر جنابت کی وجہ سے کھولنا ہوگا۔ اور پاخانہ، پیشاب اور نیند سے موزہ نہیں کھولیں گے (البتہ وضوٹوٹ جائے گا۔

(۲۱) والدم والقیح والصدید

نوٹ یہ چیزیں پیشاب کے رستے سے نکلتی ہیں (۱) پیشاب (۲) مذی (۳) ودی (۴) منی (۵) حیض (۶) نفاس (۷) استحاضہ۔ اور یہ چیزیں پاخانہ کے راستے سے نکلتی ہیں (۱) پاخانہ (۲) ہوا (۳) پاخانہ کا کیڑا۔ ان کے نکلنے سے وضوٹوٹ جائے گا۔

(۲۱) خون، پیپ اور کچ لہو جب بدن سے نکلے اور ایسی جگہ تک پہنچ جائے جس کو پاکی کا حکم لاحق ہوتا ہے (تو وضوٹوٹ جائے گا)

تشریح موضع یلحقه حکم التطھیر : یہ فقہ کا ایک محاورہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خون، پیپ وغیرہ جب تک بدن کے اندر ہوں تو اس سے وضونہیں ٹوٹتا جب تک کہ بہہ کر بدن سے باہر نہ نکل جائے اور ایسی جگہ نہ آجائے جہاں آسانی سے ہاتھ سے دھویا جا سکے۔ مثلا کان کے اندر پیپ ہو تو وضونہیں ٹوٹیگا۔ لیکن اگر کان کے سوراخ میں باہر کی طرف پیپ بہہ کر آجائے جہاں انگلی سے آسانی سے پونچھا اور دھویا جا سکتا ہے تو اب وضوٹوٹ جائے گا۔ ناک، منہ، کان، پیشاب، شرمگاہ اور پاخانہ کے اندر ناپاکی ہو تو وضونہیں ٹوٹے گا لیکن باہر کی طرف آجائے جہاں آسانی کے ساتھ انگلی سے ناپاکی کو پونچھا اور دھویا جا سکتا ہے تو اب وضوٹوٹ جائیگا۔ کیونکہ ناپاکی ایسی جگہ نکل کر آگئی جہاں غسل میں یا وضو میں دھونا فرض ہوتا ہے۔ انہیں مقامات کو 'موضع یلحقه حکم التطھیر' کہتے ہیں۔

اصول چوٹ لگی اور خون صرف ظاہر ہوا اپنی جگہ سے بہا اور کھسکا نہیں تو وضونہیں ٹوٹے گا۔ اس لئے کہ صرف خون کا ظہور ہوا ہے۔ خون ابھی بہا نہیں ہے۔ بہتا ہوا خون ناپاک ہے اور وضوتوڑتا ہے۔ قرآن میں ہے ودما مسفوحا او لحم خنزیر فانه رجس (الف) (آیت ۱۴۵، سورۃ الانعام ۶) اس لئے اگر زخم پر خون ظاہر ہوا ہو لیکن اپنی جگہ سے کھسکا نہ ہو تو وضونہیں ٹوٹیگا۔ ہاں اگر خون اتنا بہہ رہا تھا کہ اپنی جگہ سے کھسک سکتا تھا لیکن بار بار پونچھ دیا گیا جس کی وجہ سے خون نہ بہہ سکا تو وضوٹوٹ جائے گا۔ کیونکہ بہنے اور کھسکنے کے قابل خون تھا

نوٹ اگر مسلسل خون بہہ رہا ہو کہ وضو کر کے نماز پڑھنے کا موقع نہ ملتا ہو اور اس حالت پر ایک دن اور ایک رات گزر گئے ہوں تو اب وہ معذور کے حکم میں ہے۔ اس لئے اب اس کا خون بہنے سے نماز کے وقت میں وضونہیں ٹوٹے گا۔ کیونکہ وہ معذور ہو گیا۔

خون سے وضوٹوٹنے کی وجہ (۱) حدیث میں ہے نکسیر پھوٹے تو وضو کرو اور نماز پر بنا کرو۔ عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ من اصابه قیء او رعاف او قلس او مذی فلینصرف فلیتوضأ ثم لیبین علی صلواته وھو فی ذالک لا یتکلم (ب) (ابن ماجہ شریف، باب ماجاء فی البناء علی الصلوۃ ص ۱۷۱، نمبر ۱۲۲۱ / دار قطنی، باب فی الوضوء من الخارج من البدن، ج، اول، ص ۱۶۰، نمبر ۵۵۵) رعاف یعنی نکسیر پھوٹنا اور خون کا نکلنا ہے۔ اس سے وضوٹوٹ جائے گا۔ اس لئے دوبارہ وضو کر کے اس پر نماز کی بنا کرے بشرطیکہ درمیان میں بات نہ کی ہو۔ (۲) حدیث ہے جاءت فاطمة ابنة ابی حبیش الی النبی ﷺ فقالت یا رسول الله ﷺ انی امرأة استحاض فلا اطھر أفادع الصلوۃ؟ فقال رسول الله ﷺ لا، انماذلک عرق ولیس بحیض فاذا اقبلت حیضتک فدعی الصلوۃ واذا ادبرت فاغسلی عنک الدم ثم صلی وقال ابی ثم توضأی لکل صلوۃ (ج) (بخاری

حاشیہ : (الف) بہتا ہوا خون اور سور کا گوشت تو یقیناً ناپاک ہے۔ (ب) آپؐ نے فرمایا جس کو قے ہوئی ہو یا نکسیر پھوٹی ہو یا قے ہوئی یا مذی نکلی ہو اس کو واپس جانا چاہئے اور وضو کرنا چاہئے پھر اپنی نماز پر بنا کرنا چاہئے۔ یہ اس وقت ہے کہ درمیان میں بات نہ کی ہو۔ (ج) فاطمہ بنت حبیش نے حضور ﷺ (باقی اگلے صفحہ پر) س

اذا خرج من البدن فتجاوز الی موضع یلحقه حکم الطهارة (۲۲) والقیء اذا کان ملأ الفم

شریف، باب غسل الدم ص ۳۶ نمبر ۲۲۸) نوٹ عرق سے مراد رگ سے نکلنے والے اور خون کی طرح اس کا حکم ہے۔ حیض کے خون کا حکم نہیں ہے (۳) قال رسول اللہ ﷺ الوضوء من کل دم سائل (الف) (دار قطنی، باب فی الوضوء من الخارج من البدن ص ۱۶۳ نمبر ۵۷۱)

نوٹ پیپ اور کچ لہو بھی خون کی قسمیں ہیں اور خون ہی سے بنتے ہیں۔ اس لئے ان کے نکلنے سے بھی وضو ٹوٹ جائیگا۔

فائدہ امام شافعی اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک خون، پیپ بدن سے نکلے تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔

دلائل (۱) غزوۂ ذات رقاع میں عبادہ بن بشر کو تیر مارا اور وہ نماز پڑھتے رہے اور خون بہتا رہا۔ جس سے معلوم ہوا کہ خون بہنے سے وضو نہیں ٹوٹے گا ورنہ وہ خون نکلتے ہی نماز توڑ دیتے۔ روایت میں ہے کہ حتی رماه بثلاثة اسهم ثم رکع وسجد (ابوداؤد شریف، باب الوضوء من الدم ص ۲۹ نمبر ۱۹۸) اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صحابی کا اپنا فعل ہے حضور کو وضو ٹوٹنے کی اطلاع نہیں تھی (۲) امام شافعیؒ کے یہاں خون بدن پر لگنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے تو جب بہا ہوگا تو خون بدن پر لگا ہی ہوگا جس سے ان کے یہاں بھی اس فعل سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ ان کا دوسرا استدلال یہ ہے کہ صحابہ کو جہاد میں زخم ہوتا تھا اور وہ نماز پڑھتے رہتے تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ خون ناقض نہیں ہے۔ پوری تفصیل بخاری باب من لم یر الوضاء الا من المخرجین من القبل والدبر ص ۲۹ نمبر ۱۷۶ تا ۱۸۰ میں دیکھیں۔ ہم جواب دیتے ہیں یا تو مسلسل خون بہنے سے وہ معذور کے حکم میں تھے یا خون صرف زخم پر ظاہر ہوتا تھا بہتا نہیں تھا اور خون ظاہر ہونے سے وضو ہمارے یہاں بھی نہیں ٹوٹتا جیسا کہ اوپر گزر گیا

لغت القیح : پیپ، الصدید : کچ لہو، ایسا پیپ جس میں خون کی آمیزش ہو، تجاوز : بہہ پڑے، کھسک جائے۔

(۲۲) اور قے جب کہ منہ بھر کے ہو (تو وضو ٹوٹ جائے گا)

وجہ (۱) جو قے منہ بھر کے ہو وہ پیٹ کے نچلے حصے سے آتی ہے جہاں غذا نجاست بن چکی ہوتی ہے۔ اور نجاست کا نکلنا ناقض وضو ہے اس لئے منہ بھر کے قے سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور جو قے منہ بھر کر نہ ہو وہ پیٹ کے اوپر کے حصے سے آتی ہے جہاں غذا ابھی نجاست نہیں بنی ہوتی ہے اس لئے وہ پاک ہے۔ اس لئے منہ بھر کر قے نہ ہو تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ (۲) بعض حدیث میں ہے کہ وضو ٹوٹے گا اور بعض حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو قے ہوئی اور آپؐ نے وضو نہیں فرمایا تو یہ احادیث اسی پر محمول کی جائیں گی کہ جس میں وضو کیا وہ منہ بھر کر قے تھی اور جس میں وضو نہیں کیا وہ منہ بھر کر نہیں تھی (۳) حدیث یہ ہے عن ابی درداء رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قاء فتوضأ فلقیت ثوبان فی مسجد دمشق فذکرت ذالک له فقال صدق انا صببت له وضوءه (ب) (ترمذی شریف، باب الوضوء من القیء والرعاف ص ۲۵ نمبر ۸۷) (۴) مسئلہ نمبر ۲۱ میں ابن ماجہ کی حدیث گزری جس میں تھا کہ قے سے وضو ٹوٹتا ہے۔ اس حدیث

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) ے کہا اے اللہ کے رسول میں ایسی عورت ہوں کہ مستحاضہ ہوتی ہوں اور پاک نہیں ہوتی ہوں۔ تو کیا نماز چھوڑ دوں؟ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ یہ صرف رگ کا خون ہے اور حیض نہیں ہے۔ پس تجھے حیض آئے تو نماز چھوڑ دے اور جب حیض ختم ہو جائے تو خون کو دھولے اور نماز پڑھ۔ میرے باپ نے کہا کہ ہر نماز کے لئے وضو کر (الف) وضو ہر بہنے والے خون سے ہے۔ (ب) آپؐ نے قے فرمائی پھر وضو کیا۔ پس میں نے ثوبان سے دمشق کی مسجد میں ملاقات کی اور وضو کا تذکرہ کیا تو انہوں نے فرمایا یہ سچ بات ہے۔ میں نے حضورؐ کے لئے وضو کا پانی بہایا تھا۔

(۲۳) والنوم مضطجعا او متکأ او مستندا الی شیء لو ازیل لسقط عنه والغلبة علی العقل

سے معلوم ہوا کہ قئ سے وضوٹوٹ جائے گا۔

فائدہ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ قے سے وضونہیں ٹوٹے گا۔کیونکہ آپؐ نے قے کی اور وضونہیں کیا۔ان کی دلیل یہ اثر ہے۔عن الحسن قال لیس فی القلس وضوء (مصنف عبدالرزاق، باب الوضوء من القئ والقلس، ج اول، ص ۱۳۸، نمبر ۵۲۳) ہم جواب دیتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ وہ منہ بھر کر قے نہ ہو۔یا منھ بھر کر ہومگر فوری طور پر وضونہیں کیا بعد میں وضو کیا ہوگا اگر چہ وضوٹوٹ گیا تھا۔

نوٹ بلغم وغیرہ کی قے ہوتو اس سے وضونہیں ٹوٹے گا کیونکہ بلغم پر نجاست نہیں ہوتی اور نہ وہ پیٹ کے نچلے حصے سے آتا ہے (۲) حدیث میں ہے۔عن عمار بن یاسر ... قالؐ یا عمار ! ما نخامتک ودموع عینیک والماء الذی فی رکوتک الاسواء (دارقطنی، باب نجاسة البول والامر بالتنزہ منہ الخ، ج اول، ص ۱۳۴، نمبر ۴۵۲) اس حدیث میں ہے کہ بلغم مٹکے کے پانی کی طرح پاک ہے۔

(۲۳) اور سونا کروٹ کے بل یا تکیہ لگا کر یا کسی چیز پر ٹیک لگا کر کہ اگر اس کو ہٹا دیا جائے تو آدمی گر جائے۔اور عقل کا مغلوب ہونا بے ہوشی کی وجہ سے اور جنون کا ہونا (ان چیزوں سے وضوٹوٹ جاتا ہے)

وجہ (۱) اصل یہ ہے کہ گہری نیند سے یا پاگل پنے سے عقل زائل ہو جاتی ہے اور یہ پتہ نہیں چلتا ہے کہ اس حالت میں ہوا نکلی یا نہیں نکلی۔اس لئے عقل زائل ہوتے ہی ہوا نکلنے اور وضوٹوٹنے کا حکم لگا دیا جاتا ہے۔اسی کو استرخاء مفاصل کہتے ہیں کہ تمام رگیں ڈھیلی ہوگئیں۔لیکن اگر نیند گہری نہ ہوا بھی کچھ ہوش باقی ہو جیسے سجدے کی حالت میں، قیام کی حالت میں یا بیٹھے بیٹھے سو گیا تو چونکہ ابھی کچھ عقل وشعور باقی ہے اس لئے ہوا نکلنے اور وضوٹوٹنے کا حکم نہیں لگائیں گے۔کروٹ کے بل یا تکیہ لگا کر یا ٹیک لگا کر سونے سے عقل زائل ہو جاتی ہے اور نیند گہری ہوتی ہے۔البتہ گرتا اس لئے نہیں ہے کہ تکیہ اور سہارا اس کو گرنے سے روکے ہوئے ہیں۔اس لئے وضوٹوٹ جائے گا (۲) حدیث میں دونوں قسم کے ثبوت ہیں عن علی ابن طالب رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ وکاء السہ العینان فمن نام فلیتوضأ (الف) (ابو داؤد، باب فی الوضوء من النوم ص ۳۰ نمبر ۲۰۳) (۳) قال رسول الله ﷺ ان الوضوء لا یجب الا علی من نام مضطجعا فانه اذا اضطجع استرخت مفاصله (ب) (ترمذی شریف، باب الوضوء من النوم ص ۲۴ نمبر ۷۷) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ گہری نیند سونے سے وضوٹوٹے گا۔ہلکی نیند ہوتو وضونہیں ٹوٹے گا۔اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن انس قال کان اصحاب رسول الله ﷺ ینتظرون العشاء الآخرة حتی تخفق رئوسهم ثم یصلون ولا یتوضأون (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی الوضوء من النوم ص ۳۰ نمبر ۲۰۰/ ترمذی شریف، باب الوضوء من النوم، نمبر ۷۸) اس سے معلوم ہوا کہ بیٹھے بیٹھے یا رکوع یا سجدے میں سو جائے جس میں گہری نیند نہیں ہوتی تو وضونہیں ٹوٹے گا

حاشیہ : (الف) ہوا کو روکنے والی چیز آنکھیں ہیں (یعنی بیدار آنکھیں) پس جو سو گیا اس کو وضو کرنا چاہئے (ب) آپؐ نے فرمایا وضونہیں واجب ہے مگر جو کروٹ پر سوئے۔اس لئے کہ جب کروٹ پر سوتا ہے تو اس کے جوڑ ڈھیلے ہو جاتے ہیں (تو ہوا نکلنے لگتی ہے) (ج) صحابہ کرام عشاء کا انتظار کرتے رہتے یہاں تک کہ نیند سے جھونکے کھانے لگتے پھر نماز پڑھتے اور وضونہیں کرتے۔

بالاغماء والجنون(۲۴)والقهقهة فی کل صلوة ذات رکوع و سجود.

نوٹ بے ہوشی اورجنون میں بھی عقل زائل ہوجاتی ہےاس لئے وضوٹوٹ جائے گا

اصول زیلان عقل سے وضوٹوٹتا ہے۔

لغت اضطجع : پہلو کے بل سونا، کروٹ کے بل سونا۔ الاغماء : بی ہوشی ہونا۔ الجنون : پاگل پن ہونا

(۲۴) قہقہہ مار کر ہنسا رکوع سجدے والی نماز میں (تو اس سے بھی وضوٹوٹ جائے گا)

تشریح رکوع سجدے والی نماز کی قیداس لئے لگائی کہ اگر نماز جنازہ میں قہقہہ مار کر ہنسا تو وضونہیں ٹوٹے گا۔صرف نماز ٹوٹے گی

نوٹ قہقہہ مار کر ہنسنے سے بدن سے کوئی نجاست نہیں نکلتی ہے اس لئے قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ وضو نہ ٹوٹے۔ چنانچہ اکثر ائمہ کے نزدیک قہقہہ سے وضونہیں ٹوٹتا ہے۔لیکن چونکہ ضعیف حدیث سے وضوٹوٹنا ثابت ہے اس لئے امام ابوحنیفہؒ ضعیف حدیث پر بھی عمل کر کے وضوٹوٹنے کے قائل ہیں۔

وجہ حدیث میں ہے **ان النبی ﷺ کان یصلی بالناس فدخل اعمی فتردی فی بئر کانت فی المسجد فضحک طوائف من کان خلف النبی ﷺ فی صلواتھم فلما سلم النبی ﷺ امر من کان ضحک ان یعید وضوئه ویعید صلواته** (الف)(سنن للبیھقی، باب ترک دالوضوء من القھقھۃ فی الصلوۃ، ج اول،ص ۲۲۷،نمبر ۶۸۰/دار قطنی، باب احادیث القھقھۃ ص ۱۷۵نمبر ۶۱۴)اس حدیث سے ثابت ہوا کہ زور سے ہنسنے سے نماز تو ٹوٹے گی ہی لیکن وضوبھی ٹوٹ جائے گا۔

نوٹ آہستہ ہنسنے سے صرف نماز ٹوٹے گی اور تبسم سے کچھ نہیں ٹوٹے گا۔

فائدہ چونکہ قہقہہ سے وضوٹاٹنا خلاف قیاس ہے اس لئے دوسرے ائمہ کے نزدیک اس سے وضونہیں ٹوٹتا ہے۔

وجہ عن جابر قال یعید الصلوۃ ولا یعید الوضوء(سنن للبیھقی، باب ترک الوضوء من القھقھۃ فی الصلوۃ، ج اول،ص ۲۲۵،نمبر ۶۷۴) صحاح ستہ میں قہقہہ والی حدیث نہیں ہے۔

لغت القھقھۃ : ایسی ہنسی جو پڑوس والے سن لے، ضحک : ایسی ہنسی جو خود سنے، تبسم : ایسی مسکراہٹ جو نہ پڑوس والے سنے نہ اس کی آواز خود سنے ۔

خلاصہ وضوتوڑنے والی چیزیں پانچ طرح کی ہیں (۱) سبیلین سے کچھ نکلے (۲) بدن کے کسی بھی حصے سے نجاست نکلے (۳) منہ سے قے نکلے (۴) عقل زائل ہوجائے (۵) قہقہہ مار کر ہنسے۔

حاشیہ : (ب) حضورؐ صحابہ کو نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک نابینا داخل ہوئے کہ مسجد کے کنویں میں گر گئے تو صحابہ کے کچھ لوگ ہنس پڑے جو حضور کے پیچھے نماز میں تھے۔پس جب آپؐ نے سلام پھیرا تو حکم دیا کہ جو ہنسے ہیں وہ وضولوٹائے اور نماز لوٹائے۔نوٹ : قہقہہ سے نماز ٹوٹنے کے سلسلے میں امام ابوحنیفہؒ نے قیاس چھوڑ کر ضعیف حدیث پر عمل کیا اور احتیاط پر عمل کیا۔حضرت کا یہ کمال تقوی ہے۔ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

(۲۵) وفرض الغسل المضمضة والاستنشاق وغسل سائر البدن (۲۶) وسنة الغسل ان

﴿غسل کے فرائض کا بیان﴾

(۲۵) غسل کے فرض (۱) کلی کرنا (۲) ناک میں پانی ڈالنا (۳) پورے بدن کو دھونا ہے۔

وجہ (۱) اصل میں پورے بدن پر پانی پہنچانا ہے کہ ایک بال برابر بھی خشک نہ رہ جائے۔اور منہ اور ناک کے حصے بھی بدن کے باہر کے حصے شمار کئے جاتے ہیں۔اس لئے کلی کر کے اور ناک میں پانی ڈال کر وہاں تک پانی پہنچانا ضروری ہے (۲) آیت میں ہے **وان کنتم جنبا فاطهروا** (آیت ۶، سورۃ المائدۃ ۵) آیت میں ہے کہ جنابت کی حالت میں خوب خوب پاکی حاصل کرو اور یہ اس وقت ہوسکتا ہے کہ کلی کر کے اور ناک میں پانی ڈال کر ہر جگہ پانی پہنچایا جائے۔اس لئے کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا غسل میں فرض ہیں (۳) حدیث میں ہے **عن علی قال ان رسول الله ﷺ قال من ترک موضع شعرہ من جنابة لم یغسلهافعل بها کذا کذا من النار** (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی الغسل من الجنابۃ ص ۳۸ نمبر ۲۴۹) معلوم ہوا کہ ایک بال برابر بھی غسل میں خشک رہ جائے تو غسل نہیں ہوگا اسی لئے کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا ضروری ہے۔(۴) **عن ابی هریرة ان النبی ﷺ جعل المضمضة والاستنشاق للجنب ثلاثا فریضة** (ب) (سنن دار قطنی، باب ماروی فی مضمضۃ والاستنشاق فی غسل الجنابۃ ج اول ص ۱۲۱ نمبر ۴۰۳)

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا سنت ہیں۔کیونکہ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ آپ غسل میں وضو کرتے تھے اور وضو میں مضمضہ اور استنشاق سنت ہیں۔اس لئے غسل میں سنت ہونگے۔دار قطنی میں دوسری حدیث ہے **سن رسول الله ﷺ الاستنشاق فی الجنابة ثلاثا** (ج اول، ص ۱۲۱ نمبر ۴۰۱) اس سے وہ سنت ثابت کرتے ہیں۔امام مالکؒ کے نزدیک کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا غسل میں بھی فرض ہے۔

﴿غسل کی سنتوں کا بیان﴾

(۲۶) غسل کی سنتیں یہ ہیں (۱) غسل کرنے والا پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو دھوئے (۲) اور اپنی شرم گاہ کو دھوئے (۳) اور نجاست کو زائل کرے اگر اس کے بدن پر ہو (۴) پھر نماز کے وضو کی طرح وضو کرے مگر پاؤں ابھی نہ دھوئے (۵) پھر اپنے سر پر پانی بہائے (۶) اور پورے بدن پر تین مرتبہ پانی بہائے (۷) پھر اس جگہ سے الگ ہو جائے (۸) پھر دونوں پاؤں کو دھوئے۔

وجہ یہ آٹھ کام اسی ترتیب سے سنت ہیں۔پاؤں پہلے اس لئے نہ دھوئے کہ غسل کا پانی پاؤں کے پاس جمع ہوگا اور پاؤں کو ناپاک کر دے گا۔اس لئے اس کو اخیر میں دھوئے۔البتہ پانی پاؤں کے پاس جمع نہ ہوتا ہو تو پہلے بھی پاؤں دھوسکتا ہے۔حدیث میں اسی ترتیب سے ان سنتوں کا ذکر ہے۔**عن عائشةؓ قالت کان رسول الله ﷺ اذا اغتسل من الجنابة یبدأ فیغسل یدیه ثم یفرغ بیمینه علی شماله فیغسل فرجه ثم یتوضأ وضوءه للصلوة ثم یأخذ الماء فیدخل اصابعه فی اصول الشعر حتی اذا رأی ان قد**

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جس نے جنابت سے ایک کے برابر بھی چھوڑ دیا اور نہیں دھویا تو اس کے ساتھ آگ سے ایسا ایسا کیا جائے گا۔یعنی عذاب دیا جائیگا (ب) حضورؐ نے مضمضہ اور استنشاق کو جنبی کے لئے تین مرتبہ فرض قرار دیا (ج) حضورؐ نے جنابت میں تین مرتبہ استنشاق کو سنت قرار دیا۔

یبدأ المغتسل فیغسل یدیه وفرجه ویزیل النجاسة ان کانت علی بدنه ثم یتوضأ وضوئه للصلوة الا رجلیه ثم یفیض الماء علی رأسه وعلی سائر بدنه ثلاثا ثم یتنحی عن ذلک المکان فیغسل رجلیه(۲۷)ولیس علی المرأة ان تنقض ضفائرها فی الغسل اذا بلغ الماء

استبرأحفن علی رأسه ثلاث حفنات ثم افاض علی سائر جسده ثم غسل رجلیه (الف)مسلم شریف، باب صفة غسل الجنابة ص ۱۴۷ نمبر ۳۱۶ ر بخاری شریف، بخاری باب الغسل مرة واحدة ،ص ۳۹ ،نمبر ۲۵۷) اس حدیث سے ترتیب کے ساتھ سنتیں ثابت ہوئی ہیں۔

نوٹ نجاست پہلے اس لئے زائل کرے تاکہ پورے بدن پر پھیل کر بدن کو اور ناپاک نہ کرے۔اس لئے غسل کے شروع میں نجاست کو صاف کرنا ضروری ہے اگر بدن پر نجاست ہو۔

لغت فرج : شرمگاہ، یفیض : بدن پر پانی بہائے یتنحی : نحی سے مشتق ہے،ایک کنارے ہوجائے،ہٹ جائے۔

(۲۷)عورت پرنہیں ہے کہ غسل میں اپنے جوڑے کوکھولے اگر پانی بال کی جڑ میں پہنچ جائے۔

وجہ (۱) قاعدہ کے اعتبار سے جنابت،حیض اورنفاس کے غسل میں بالوں کی جڑ تک پانی پہنچانا ضروری ہونا چاہئے۔یہی وجہ ہے کہ مرد کو جوڑا ہوتو اس کوکھولنا اور بالوں میں پہنچانا ضروری ہے۔لیکن عورت کو حضورؐ نے بار بار کی پریشانی کی وجہ سے خصوصی رعایت دی ہے کہ اگر سر کے تمام بالوں کی جڑ تک پانی پہنچ جائے تو جوڑے کوکھولنا ضروری نہیں (۲) حدیث میں ہے عورتوں کو جوڑا کھولنا ضروری نہیں ہے اگر بالوں کی جڑ تک پانی پہنچ جاتا ہو۔عن ام سلمة قالت قلت یا رسول الله ﷺ انی امرأة اشد ضَفر رأسی افأنقضه لغسل الجنابة ؟قال لا ، انما یکفیک ان تحثی علی رأسک ثلاث حثیات ثم تفیضین علیک الماء فتطهرین (ب)(مسلم شریف، باب حکم ضفائر المغتسلة ص ۱۴۹ نمبر ۳۳۰ رابوداؤد شریف، باب المرأة هل تنقض شعرها عند الغسل نمبر ۲۵۱)اس حدیث کے چار حدیثوں کے بعد عائشہؓ کی حدیث ہے جس میں یہ لفظ ہے ثم تصب علی رأسها فتدلکه دلکا شدیدا حتی تبلغ شؤن رأسها (ج)(مسلم شریف، باب استعمال المغتسلة من الحیض فرصة من مسک فی موضع الدم ص ۱۵۰ نمبر ۳۳۲)اس حدیث سے ثابت ہوا کہ پانی بالوں کی جڑوں کے اندر پہنچانا ضروری ہے تب غسل ہوگا۔اگر جوڑا نہیں کھولا اور پانی جڑ تک نہیں پہنچا تو عورتوں کا غسل نہیں ہوگا۔

فائدہ بعض ائمہ کے نزدیک بال کی جڑ تک پانی پہنچانا ضروری نہیں ہے۔ان کا استدلال حدیث ۳۳۰ سے ہے۔

حاشیہ : (الف)حضورؐ جنابت کا غسل کرتے تو پہلے دونوں ہاتھ دھوتے، پھر دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی بہاتے اور شرم گاہ دھوتے۔پھر نماز کی طرح وضو کرتے پھر پانی لیتے اور انگلیوں سے بالوں کی جڑوں میں داخل کرتے یہاں تک کہ جب دیکھتے کہ بھیگ گئے ہیں تو تین لپ سر پر پانی ڈالتے پھر پورے بدن پر پانی بہاتے پھر دونو پاؤں دھوتے (ب)ام سلمہؓ فرماتی ہیں میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں عورت ہوں سر پر جوڑا باندھتی ہوں۔کیا اس کو جنابت کے غسل کے لئے کھولوں؟ آپؐ نے فرمایا نہیں،تمہارے لئے کافی ہے کہ اپنے سر پر تین لپ (پانی) ڈال لو پھر اپنے اوپر پانی بہا لو اور پاک ہوجاؤ (ج) پھر اپنے سر پر پانی بہاؤ اور خوب رگڑو یہاں تک کہ سر کے جوڑے میں پہنچ جائے۔

اصول الشعر (۲۸) والمعانی الموجبة للغسل انزال المنی علی وجه الدفق والشهوة من الرجل والمرأة(۲۹) والتقاء الختانين من غير انزال المنی.

لغت تنقض : نقض سے کھولنا، ضفائر : ضفيرة کی جمع جوڑا۔

﴿ غسل واجب ہونے کے اسباب ﴾

(۲۸) غسل واجب کرنے والے امور (۱) منی نکلنا کود کر شہوت کے ساتھ مرد سے اور عورت سے۔

وجہ (۱) منی کود کر اور شہوت سے نکلے تو غسل واجب ہوگا۔ لیکن بغیر شہوت کے نکلے جیسے جریان کے مرض میں ہوتا ہے تو غسل واجب نہیں ہوگا صرف وضوٹوٹے گا (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ملتا ہے۔ **عن علی رضی الله عنه قال له رسول الله ﷺ لا تفعل اذا رأيت المذی فاغسل ذكرک و توضأ وضوئک للصلوة فاذا فضخت الماء فاغتسل** (الف) ابوداؤد شریف، باب فی المذی ص ۳۱ نمبر ۲۰۶) مسند احمد میں یوں عبارت ہے **اذا حذفت فاغتسل من الجنابة واذا لم تكن حاذفا فلا تغتسل** (ب) (مسند احمد، علی بن ابی طالب، ج اول، ص ۱۷۳، نمبر ۸۴۹) حذفت اور فضخت کا ترجمہ ہے کہ منی کود کر نکلے تو غسل کرو۔ اور یہ شہوت کے ساتھ نکلنے میں ہوتا ہے (۳) مذی اور ودی بھی منی کا ایک حصہ ہیں لیکن کود کر نہیں نکلتے اس لئے ان میں غسل لازم نہیں ہے۔ اسی طرح منی بیماری کی وجہ سے پانی کی طرح پتلی ہو جائے اور نکلتے وقت نہ لذت ہو اور نہ کودنا ہو اور ودی کی طرح نکلے تو ظاہر ہے کہ اس میں منی کی خصوصیت نہ رہی اس لئے اس سے غسل واجب نہ ہوگا۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ منی بغیر لذت اور کودنے کے بھی نکلے تو غسل واجب ہوگا۔

دلائل وہ فرماتے ہیں کہ عام احادیث میں کودنے اور شہوت کے ساتھ نکلنے کی قید نہیں ہے۔ جیسے **انما الماء من الماء** (ج) (مسلم شریف ، باب بیان ان الجماع کان فی اول الاسلام یوجب الغسل ص ۱۵۵ نمبر ۳۴۳) اس لئے شہوت کے بغیر بھی منی نکل جائے تو غسل واجب ہوگا۔

نوٹ عورت کی منی نکل جائے تو اس پر بھی غسل لازم ہوگا۔ دلیل حدیث میں ہے **عن ام سلمة ... فهل على المرأة من غسل اذا احتلمت؟ فقال رسول الله ﷺ نعم اذا رات الماء (يعنی المنی)** (د) (مسلم شریف، باب وجوب الغسل علی المرأة بخروج المنی منھا ص ۱۴۵ نمبر ۳۱۳)

فائدہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک منی مقام سے جدا ہوتے وقت شہوت نہ ہو تو غسل واجب نہیں۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک منی مقام سے جدا ہوتے وقت اور نکلتے وقت بھی شہوت نہ ہو تب غسل واجب نہیں ہوگا۔

(۲۹) مرد اور عورت کی شرمگاہوں کے ملنے سے منی کے انزال کے بغیر۔

حاشیہ : (الف) حضرت علیؓ سے حضورؐ نے فرمایا ایسا نہ کرو۔ اگر مذی دیکھو تو اپنے عضو مخصوص کو دھولو اور نماز کے وضو کی طرح وضو کرو۔ پس پانی کود کر نکلے تو وضو کرو (ب) اگر پانی کود کر نکلے تو جنابت کا غسل کرو اور اگر کود کر نہ نکلے تو غسل نہ کرو۔ (ج) منی نکلے تو غسل واجب ہے (د) ام سلمہ سے روایت ہے کہ حضورؐ سے پوچھا کہ کیا عورت پر غسل ہے جب احتلام ہو جائے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں! جب کہ منی دیکھے۔

(۳۰) والحیض والنفاس.

تشریح عورت کے فرج داخل میں ایک پردہ ہوتا ہے جس کو اہل عرب ختنہ کرتے تھے یہ عورت کے ختنہ کی جگہ ہے۔اس مقام تک مرد کے ختنہ کی جگہ یعنی حشفہ داخل ہو جائے تو غسل واجب ہو جائے گا۔چاہے منی کا انزال نہ ہو تب بھی۔

وجہ (۱) جگہ کے پوشیدہ ہونے کی وجہ سے پتہ نہیں چلے گا کہ منی نکلی یا نہیں نکلی۔اس لئے سبب انزال کو انزال کی جگہ پر رکھ کر غسل واجب ہو جائے گا (۲) حدیث میں ہے کہ شروع اسلام میں یہ تھا کہ جب تک منی نہ نکلے تب تک غسل واجب نہیں ہوتا تھا۔اور یہ حدیث مشہور تھی انما الماء من الماء (مسلم شریف، باب بیان ان الجماع کان فی اول الاسلام لا یوجب الغسل الا ان ینزل المنی و بیان نسخہ وان الغسل یجب بالجماع ص ۱۵۵ نمبر ۳۴۳) لیکن بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔اور اس بات پر اجماع ہو گیا کہ صرف جماع کرنے سے غسل واجب ہو جائے گا۔چاہے منی کا خروج نہ ہوا ہو۔اوپر ہی کے باب میں یہ حدیث ہے **عن عائشةؓ قال رسول الله ﷺ اذا جلس بین شعبها الاربع ومس الختان فقد وجب الغسل** (الف) (مسلم شریف باب بیان ان الجماع الخ ص ۱۵۶ نمبر ۳۴۹) (۳) ابوداؤد، باب فی الاکسال ص ۳۲ نمبر ۲۱۶) میں منسوخ کے مسئلے کو بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔تفصیل اس طرح ہے **ان ابی بن کعب اخبره ان رسول الله ﷺ انما جعل ذلک رخصة فی اول الاسلام لقلة الثیاب ثم امر بالغسل ونهی عن ذلک** (ابوداؤد، باب فی الاکسال نمبر ۲۱۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صرف حشفہ غائب ہونے سے غسل واجب ہوگا چاہے انزال نہ ہوا ہو۔

(۳۰) حیض اور نفاس (سے غسل واجب ہوگا)

وجہ (۱) آیت میں ہے کہ حائضہ خوب پاک ہو جائے تب اس سے وطی کرو اور خوب پاک غسل سے ہوگی۔ **یسئلونک عن المحیض قل هو اذی فاعتزلوا النساء فی المحیض ولا تقربوهن حتی یطهرن فاذا تطهرن فاتوهن من حیث امرکم الله** (ب) (آیت ۲۲۲، سورۃ البقرۃ ۲) آیت میں اشارہ ہے کہ حائضہ غسل کرے تب جماع کرو۔(۲) حدیث میں ہے **عن عائشةؓ ان امرأة سألت النبی ﷺ عن غسلها من المحیض؟ فامرها کیف تغتسل قال خذی فرصة من مسک فتطهری بها الخ** (ج) (بخاری شریف، باب دلک المرأة نفسها اذا تطهرت من المحیض ص ۴۵ نمبر ۳۱۴ مسلم شریف، باب استحباب استعمال المغتسلة من الحیض فرصة من مسک نمبر ۳۳۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ پر غسل فرض ہے۔

نفاس : بھی حیض کے درجے میں ہے اس لئے حیض ہی کے تمام دلائل سے نفاس میں بھی غسل کرنا لازم ہوگا (۱) البتہ ایک حدیث مستدرک حاکم نے ذکر کی ہے جو کنز العمال میں ہے **عن معاذؓ عن النبی قال اذا مضی للنفساء سبع ثم رأت الطهر فلتغتسل ولتصل**

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جب مرد عورت کے چاروں شعبوں (یعنی شرمگاہ) پر بیٹھ جائے اور ختنہ عورت کے فرج داخل سے مل جائے تو غسل واجب ہے (ب) لوگ آپ کو حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں۔آپ کہہ دیجئے کہ وہ گندی چیز ہے۔(یا تکلیف کی چیز ہے) تو حیض کی حالت میں عورت سے الگ رہا کرو اور ان سے قریب نہ ہو جب تک کہ وہ پاک نہ ہا جائیں۔پس جب خوب پاک ہو جائیں تو اس مقام میں جماع کرو جہاں اللہ نے حکم دیا ہے۔(ج) ایک عورت نے حضورؐ سے حیض سے غسل کے بارے میں سوال کیا تو ان کو حکم دیا کہ وہ کیسے غسل کرے گی۔فرمایا مشک کا پھاہا لو اور اس سے پاکی حاصل کرو (الف) حضرت معاذؓ سے مرفوعا روایت ہے کہ جب نفاس والی عورت کے سات دن گزر جائے پھر پاکی دیکھے تو غسل کرے اور نماز پڑھے

(۳۱)وسن رسول اللہ ﷺ الغسل للجمعۃ والعیدین والاحرام وعرفۃ (۳۲)ولیس فی

(الف)(مستدرک للحاکم، کتاب الطہارۃ، ج اول، ص ۲۸۴، نمبر ۶۲۶/ سنن للبیہقی، باب النفاس ص ۵۰۵، نمبر ۱۶۱۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفساء بھی خون ختم ہونے کے بعد غسل کرے گی۔

﴿سنن غسل کا بیان﴾

(۳۱) سنت قرار دیا حضورؐ نے غسل کو (۱) جمعہ کے لئے (۲) عیدین کے لئے (۳) احرام کے لئے (۴) عرفہ کے لئے۔ ان دنوں میں غسل کرنا سنت ہے۔

وجہ (۱) حدیث میں ہے **عن ابی سعید الخدریؓ ان رسول اللہ ﷺ قال غسل یوم الجمعۃ واجب علی کل محتلم** (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی الغسل یوم الجمعۃ ص ۵۵ نمبر ۳۴۱) (۲) **عن سمرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ من توضأ فبھا ونعمت ومن اغتسل فھو افضل** (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی الرخصۃ فی ترک الغسل یوم الجمعۃ ص ۵۷ نمبر ۳۵۴/ مسلم شریف، کتاب الجمعۃ ص ۲۷۹ نمبر ۸۴۶/ مسلم شریف، باب فصل من استمع وانصت فی الخطبۃ، ص ۲۸۳، نمبر ۸۵۷) ان دونوں قسم کی احادیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن پہلے غسل واجب تھا اب منسوخ ہوکر سنت باقی رہا۔

فائدہ امام مالکؒ کے نزدیک پہلی حدیث کی وجہ سے جمعہ کے دن غسل واجب ہے۔

عیدین کے لئے غسل سنت ہونے کے لئے حدیث یہ ہے **عن ابن عباسؓ کان رسول اللہ ﷺ یغتسل یوم الفطر و یوم الاضحی** (ج) دوسری حدیث میں 'ویوم عرفۃ' ہے (ابن ماجہ، باب ماجاء فی الاغتسال فی العیدین ص ۱۸۶، نمبر ۱۳۱۵/۱۳۱۶)

نوٹ ابن ماجہ شریف کی فہرست ابواب بنانے والوں نے بہت سے ابواب لکھنے میں چھوڑ دیئے ہیں اس لئے ابن ماجہ کے ابواب کو احتیاط سے تلاش کریں۔ احرام کے لئے غسل کرنے کے لئے یہ حدیث ہے۔ **عن خارجۃ بن زید بن ثابت عن ابیہ انہ رای النبی ﷺ تجرد لاھلالہ واغتسل** (د) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الاغتسال عند الاحرام ص ۱۷۱ نمبر ۸۳۰/ مسلم شریف، باب احرام النفساء واستحباب اغتسالھا للاحرام ص ۳۸۵ نمبر ۱۲۰۹) اس حدیث میں بھی احرام کے وقت غسل کا تذکرہ ہے۔ (۲) غسل میں پاکی اور صفائی ہوتی ہے اس لئے اوپر کے تمام مقامات پر غسل کرنا سنت ہے۔

(۳۲) اور مذی اور ودی نکلنے سے غسل نہیں ہے۔ ان میں وضو واجب ہے۔

وجہ (۱) مذی اور ودی منی نہیں ہیں اور نہ وہ کود کر نکلتے ہیں۔ اس لئے ان دونوں کے نکلنے سے غسل واجب نہیں ہے صرف وضو واجب ہوگا (۲) حدیث میں ہے **عن علی ابن طالبؓ ارسلنا المقداد بن الاسود الی رسول اللہ ﷺ فسألہ عن المذی یخرج من الانسان کیف یفعل بہ؟ فقال رسول اللہ ﷺ توضأ وانضح فرجک** (ہ) (مسلم شریف، باب المذی ص ۱۴۳ نمبر

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جمعہ کا غسل بالغ پر واجب ہے (ب) آپؐ نے فرمایا جس نے وضو کیا تو بہت اچھا کیا اور جس نے غسل کیا تو وہ افضل ہے (ج) آپؐ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن غسل فرمایا کرتے تھے (د) زید بن ثابتؓ نے آپ کو دیکھا کہ انہوں نے احرام کا کپڑا اتارا اور غسل فرمایا (ہ) حضرت (باقی اگلے صفحہ پر)

المـذى والـودى غسـل وفيهـا الـوضوء (۳۳)والطهارة من الاحداث جائزة بماء السماء

۳۰۳)(۲)سألت النبی ﷺ عن المذی؟ فقال من المذی الوضوء ومن المنی الغسل (ترمذی شریف، باب ماجاء فی المنی والمذی ص ۳۱ نمبر ۱۱۴/ابوداؤد شریف، باب فی المذی ص ۳۱ نمبر ۲۰۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مذی نکلے تو وضو واجب ہے غسل نہیں۔

ودی : بھی مذی کی طرح ایک پانی ہے۔ بلکہ مذی میں تو تھوڑی شہوت ہوتی ہے ودی میں شہوت نہیں ہوتی وہ پیشاب کے بعد نکلتی ہے۔اس لئے ودی میں وضو ہی واجب ہوگا (۲) البتہ عبداللہ بن عباس کا قول طحاوی شریف میں ہے۔ عن ابن عباسؓ قال هو المنی والمذی والودی،فاما المذی والودی فانه یغسل ذکره ویتوضأ واما المنی ففیه الغسل (الف) (طحاوی شریف، باب الرجل یخرج من ذکره المذی کیف یغسل ج اول ص ۳۹/سنن للبیہقی، باب المذی والودی لا یوجبان الغسل، ج اول، ص ۲۶۲، نمبر ۸۰۰)

لغت المذی : بیوی سے ملاعبت کے وقت تھوڑی لذت کے ساتھ عضو مخصوص سے پانی نکلتا ہے اس کو مذی کہتے ہیں۔الودی : پیشاب کرنے کے بعد جریان کے مریض کو سفید تھوڑا گاڑا سا پانی نکلتا ہے اس کو ودی کہتے ہیں۔

﴿ پانی کے احکام ﴾

(۳۳) حدثوں سے پاکی کرنا جائز ہے (۱) آسمان کے پانی سے (۲) وادیوں کے پانی سے (۳) چشموں کے پانی سے (۴) کنوؤں کے پانی سے (۵) اور سمندر کے پانی سے۔

وجہ (۱) یہ سب پانی پاک ہیں اس لئے یہ پانی تھوڑی ناپاکی گرنے کی وجہ سے ناپاک نہیں ہوتے ہیں۔اس لئے ان سے وضو کرنا اور غسل کرنا دونوں جائز ہیں (۲) آیت ہے وانزلنا من السماء ماء طهورا (ب) (آیت ۴۸، سورۃ الفرقان ۲۵) (۳) چشمے کے بارے میں آیت ہے الم تر ان الله انزل من السماء ماء فسلكه ينابيع في الارض (ج) (آیت ۲۱ سورۃ الزمر ۳۹) (۴) کنویں کے بارے میں حدیث ہے عن ابی سعید الخدریؓ قال قیل یا رسول الله ﷺ انتوضأ من بئر بضاعة... فقال رسول الله ﷺ ان الماء طهور لا ینجسه شیء (د) (ترمذی شریف، باب ماجاء ان الماء لا ینجسه شیء، ص ۲۱، نمبر ۶۶) سمندر کے پانی کے سلسلے میں حدیث ہے عن ابی هريرة رضي الله عنه يقول سأل رجل رسول الله ﷺ ...افنتوضأ من البحر فقال رسول الله و هو الطهور ماءه الحل ميتته (ہ) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی ماء البحر انہ طہور ص ۲۱، نمبر ۶۹) یوں دیکھا جائے تو یہ سارے پانی آسمان ہی سے تعلق رکھتے ہیں اور آسمان کے پانی کے بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا کہ اس کو میں نے پاک کرنے والا اتارا ہے اس لئے ان پانیوں سے

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) علی بن طالبؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے مقداد بن اسود کو حضورؐ کے پاس مذی کے بارے میں پوچھنے کے لئے بھیجا جو انسان سے نکلتی ہے کہ اس کے ساتھ کیا کیا جائے۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ وضو کرلو اور اپنی شرمگاہ کو دھولو (الف) عبد اللہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ نکلنے والی چیز منی، مذی اور ودی ہے۔ بہرحال مذی اور ودی تو اپنے ذکر کو دھوؤ اور وضو کرلو، بہرحال منی تو اس میں غسل ہے (ب) ہم نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی اتارا (ج) کیا نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پھر اس کو زمین کے چشموں میں بہایا۔(د) آپؐ نے فرمایا کنویں کا پانی پاک ہے اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی (ہ) سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کی مچھلی حلال ہے۔

والاودية والعيون والآبار وماء البحار(۳۴) ولاتجوز الطهارة بماء اعتصر من الشجر والثمر(۳۵) ولا بماء غلب عليه غيره فاخرجه عن طبع الماء كالاشربة والخل وماء

پاکی حاصل کرنا جائز ہے

لغت اودیۃ : جمع ہے وادی کی۔ العیون : عین کی جمع ہے چشمہ۔ الآبار : بئر کی جمع ہے کنواں۔ البحار جمع ہے بحر کی سمندر

(۳۴) طہارت کرنا جائز نہیں ہے ایسے پانی سے جو درخت سے نچوڑا گیا ہو یا پھل سے نچوڑا گیا ہو۔

وجہ (۱) یہ پھل اور درخت کے رس ہیں پانی نہیں ہیں۔اور پانی سے پاکی کرنا جائز ہے جیسے پہلے دلائل کے ساتھ ثابت کیا اس لئے رس سے پاکی حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔چاہے وہ پھل کا رس ہو یا درخت کا رس ہو (۲) حدیث سے پتہ نہیں چلتا ہے کہ رس سے وضو کیا گیا ہو۔اس لئے بھی رس سے وضو جائز نہیں ہوگا۔

نکتہ صاحب ہدایہ نے نکتہ بیان کیا ہے کہ اگر کوئی رس پانی کی طرح پتلا ہو اور اس میں پانی کی پوری طبیعت ہو اور خود بخود رس ٹپک پڑا نچوڑا نہ گیا ہو تو چونکہ اس میں پانی کی پوری رقت سیلان اور طبیعت موجود ہے اس لئے ایسے رس سے وضو کرنا جائز ہوگا۔

لغت اعتصر : نچوڑا گیا ہو، مشتق ہے عصر سے۔

(۳۵) اور نہیں جائز ہے طہارت ایسے پانی سے جس پر دوسری چیز غالب آگئی ہو اور اس کو پانی کی طبیعت سے نکال دیا ہو جیسے (۱) شربت (۲) سرکہ (۳) لوبیا کا پانی (۴) شوربا (۵) گلاب کا پانی (۶) گاجر کا پانی۔

وجہ (۱) یہ سب اب پانی نہیں رہے بلکہ ان کا نام بھی بدل گئے ہیں اور اوصاف بھی بدل گئے ہیں۔مثلا شربت میں دوسری چیز اتنی مل گئی ہے کہ اب اس کا نام بھی شربت ہو گیا۔اب اس کو کوئی پانی نہیں کہتا۔سرکہ کا حال بھی یہی ہے لوبیا پکا دیا جائے جس سے پانی کی حقیقت بدل جائے تو وہ شوربا کی طرح ہو جائے گا۔اور اگر لوبیا کا پانی نچوڑا جائے تو وہ رس ہے اور رس سے وضو کرنا جائز نہیں۔گلاب کا پانی، گاجر کا پانی یہ سب رس ہیں اس سے وضو کرنا جائز نہیں ہے (۲) حدیث میں اس کا اشارہ نہیں ملتا ہے۔**عن ابی امامہ الباھلی قال قال رسول اللہ ﷺ ان الماء لاینجسه شیء الا ماغلب علی ریحه وطعمه ولونه** (الف) (ابن ماجہ شریف، باب الحیاض ص ۷۴، نمبر ۵۲۱ رطحاوی شریف باب الماء تقع فیہ النجاسۃ ص ۱۵) اس حدیث سے علماء نے استدلال کیا ہے کہ پانی میں پاک چیز مٹی کے علاوہ مل جائے اور بو، مزہ اور رنگ بدل دے اور پانی کی طبیعت بدل جائے تو اس سے وضو اور غسل کرنا جائز نہیں ہوگا۔

نوٹ اگر پانی میں پاک چیز ملی اور اس پر غالب نہیں آئی بلکہ مغلوب رہی تو وضو جائز ہوگا۔اس حدیث سے اس کا استدلال ہے **عن عبد اللہ بن مسعودؓ ان رسول اللہ ﷺ قال له لیلة الجن عندک طهور؟ قال لا الا شیء من نبیذ فی اداوة قال ثمرة طیبة وماء طهور فتوضأ** (ب) (ابن ماجہ، باب الوضوء بالنبیذ ص ۳۲، ر دار قطنی، باب الوضوء بالنبیذ ج اول ص ۸۷ نمبر ۲۴۱) نبیذ میں کھجور ڈالا جاتا

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا یقیناً پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی مگر غالب آجائے اس کی بو اور مزا اور رنگ پر (ب) آپؐ نے لیلۃ الجن میں عبد اللہؓ کو پوچھا کیا تمہارے پاس پاک کرنے کی چیز ہے؟ فرمایا نہیں! ہاں برتن میں کچھ نبیذ ہے۔آپؐ نے فرمایا پاک پھل ہے اور پانی پاک ہے، پھر آپؐ نے وضو فرمایا۔

الباقلاء والمرق وماء الوردوماء الزردج(۳۶)وتجوز الطهارة بماء خالطه شیء طاهر فغیر احد اوصافه كماء المد والماء الذی یختلط به الاشنان والصابون والزعفران (۳۷) وكل

ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ کوئی پاک چیز پاک پانی میں مل جائے اور طبیعت نہ بدلے تو اس سے وضو جائز ہے۔

اصول پانی کی طبیعت نہ بدلی ہو تو وضو جائز ہوگا۔

لغت الخل : سرکہ۔ باقلا : لوبیا(ایک قسم کی سبزی ہوتی ہے)المرق : شوربا۔ ورد : گلاب۔ الزردج : گاجر

نوٹ پانی کی طبیعت کبھی اجزاء کے اعتبار سے بدلتی ہے اور کبھی اوصاف کے اعتبار سے۔

(۳۶)اور جائز ہے وضو ایسے پانی سے جس میں پاک چیز مل گئی ہو اور اس کے اوصاف میں سے ایک وصف بدل دیا ہو۔جیسے سیلاب کا پانی اور وہ پانی جس میں اشنان گھاس اور صابون اور زعفران ملائے گئے ہوں۔

وجہ (۱) پانی میں مٹی مل جانے کی وجہ سے اگر رقت اور سیلان باقی ہے تو طہارت جائز ہے۔جیسے سیلاب کے پانی میں کافی مٹی مل جاتی ہے۔پھر بھی لوگ اس کو پانی کہتے ہیں اس لئے اس سے وضو کرنا جائز ہے(۲)اس پانی سے وضو کرنے میں مجبوری بھی ہے ورنہ دیہاتی لوگ صاف پانی کہاں سے لائیں گے۔

صابون اور اشنان گھاس کا حکم : (۱)پانی میں ایسی چیز ملائی جائے جس سے پانی کو مزید ستھرا کرنا مقصود ہو جیسے بیری کی پتی ڈال کر پانی کو مزید ستھرا کرنا مقصود ہوتا ہے یا اشنان گھاس یا صابون یا زعفران ڈال کر پانی کو مزید صاف ستھرا کرنا مقصود ہوتا ہے تو اس کے ڈالنے کے بعد رقت اور سیلان باقی ہو تو طہارت جائز ہوگی۔کیونکہ پانی کا نام اور پانی کی طبیعت باقی رہتی ہے(۲)حدیث میں ہے کہ بیری کی پتی ڈال کر پانی کو جوش دیا گیا اور مردہ کو نہلایا گیا۔اگر ان چیزوں کے ڈالنے سے طہارت جائز نہیں ہوتی تو بیری کی پتی ڈال کر جوش دینے کے بعد کیسے نہلاتے اور کیسے طہارت ہوتی؟حدیث ہے **عن ابن عباسؓ عن النبی ﷺ خر رجل من بعیرہ فوقص فمات فقال اغسلوہ بماء وسدر وکفنوہ فی ثوبیہ** (الف)(مسلم شریف، باب مایفعل بالمحرم اذا مات ص۳۸۴ نمبر ۱۲۰۶/ابن ماجہ شریف، باب المحرم یموت، ص۴۴۹، نمبر ۳۰۸۴)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیری کی پتی یا کوئی چیز پانی کی صفائی کے لئے ملائی جائے تو اس پانی سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے بشرطیکہ رقت اور سیلان ختم نہ ہو گیا ہو۔

اصول پانی کی مزید صفائی کے لئے کوئی چیز ملائی گئی ہو تو اس پانی سے طہارت جائز ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ وہ خالص پانی نہیں رہا اس لئے اس سے طہارت جائز نہیں ہوگی (موسوعۃ امام شافعی ج اول ص ۲۵)

لغت المد : سیلاب۔ الاشنان : ایک قسم کی گھاس جس کو پانی میں مزید صفائی کے لئے ڈالتے ہیں۔

(۳۷)ہر وہ ٹھہرا ہوا پانی (جو بڑے تالاب سے کم ہو) اگر اس میں نجاست گر جائے تو اس سے وضو جائز نہیں ہے۔نجاست کم ہو یا زیادہ۔اس لئے کہ حضور ﷺ نے پانی کو ناپاکی سے محفوظ رکھنے کا حکم دیا ہے۔چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں

حاشیہ : (الف)ایک آدمی اپنے اونٹ سے گرا اور مر گیا، آپؐ نے فرمایا اس کو پانی اور بیری کی پتی سے غسل دو اور اس کے دونوں کپڑوں میں کفن دو۔

ماء دائم اذا وقعت فیه نجاسة لم یجز الوضوء به قلیلا کان او کثیرا لان النبی ﷺ امر بحفظ الماء من النجاسة فقال علیه السلام لا یبولن احدکم فی الماء الدائم ولا یغتسلن

پیشاب نہ کرے اور نہ اس میں جنابت کا غسل کرے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو تو اپنے ہاتھ کو برتن میں ہرگز نہ ڈالے یہاں تک کہ اس کو تین مرتبہ دھولے اس لئے کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری؟

تشریح پانی بڑے تالاب سے کم ہو اور ٹھہرا ہوا ہو تو اس میں تھوڑی سی نجاست بھی گر جائے تو پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔ چاہے اس نجاست سے رنگ، بو اور مزا بدلے یا نہ بدلے۔ اس کی وجہ بہت سی احادیث ہیں جو حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ جن میں سے دو حدیثیں مصنفؒ نے بھی ذکر کی ہیں۔ پیشاب نہ کرنے کے بارے میں احادیث یہ ہیں **سمع ابو هریرة انه سمع رسول الله ﷺ یقول لا یبلون احدکم فی الماء الدائم الذی لا یجری ثم یغتسل فیه** (الف) (بخاری شریف، باب البول فی الماء الدائم ص ۳۷ نمبر ۲۳۹ رمسلم شریف، باب النھی عن البول فی الماء الراکد ص ۱۳۸ نمبر ۲۸۲) غسل کے بارے میں یہ حدیث ہے **قال رسول الله ﷺ لا یغتسل احدکم فی الماء الدائم وهو جنب** (ب) (مسلم شریف، باب النھی عن الاغتسال فی الماء الراکد ص ۱۳۸ نمبر ۲۸۳) نیند سے بیدار ہونے کے بعد تین مرتبہ ہاتھ دھونے کا حکم اس حدیث میں ہے **عن ابی هریرة ان النبی ﷺ قال اذا استیقظ احدکم من نومه فلا یغمس یده فی الاناء حتی یغسلها ثلاثا فانه لا یدری این باتت یده** (ج) (مسلم شریف، باب کراھیۃ غمس المتوضی وغیرہ یدہ المشکوک فی نجاستہا فی الاناء قبل غسلھا ثلاثا ص ۱۳۶ نمبر ۲۷۸ رترمذی شریف، باب ماجاء اذا استیقظ احدکم من منامہ ص ۱۳ نمبر ۲۴) یہ احادیث اور اس قسم کی بہت سی احادیث ہیں جن میں پانی میں نجاست ڈالنے سے منع فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑے پانی میں نجاست گرنے سے وہ ناپاک ہو جاتا ہے۔ ورنہ منع کرنے کے کوئی معنی نہیں ہے۔

فائدہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ تھوڑے پانی میں نجاست گرنے سے جب تک رنگ، بو اور مزا میں سے ایک نہ بدلے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابی سعید الخدریؓ قال قیل یا رسول الله انتوضأ من بئر بضاعه و هی بئر یلقی فیها الحیض ولحوم الکلاب والنتن؟ فقال رسول الله ﷺ ان الماء طهور لا ینجسه شیء** (د) (ترمذی شریف، باب ماجاء ان الماء لا ینجسہ شیء ص ۲۱ نمبر ۶۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ناپاک چیز گرنے سے جب تک مزا، بو یا رنگ نہ بدل جائے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔ ہم جواب دیتے ہیں کہ جس کنواں میں حیض اور کتے کا گوشت اور گندگیاں اتنی ڈالی جاتی ہوگی اور پھر بھی رنگ یا بو یا مزا نہ بدلے یہ ناممکن

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں جو جاری نہ ہو اس میں ہرگز پیشاب نہ کرے اور پھر اس میں غسل کرے (ب) آپؐ نے فرمایا کوئی آدمی ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل نہ کرے اس حال میں کہ وہ جنبی ہو (ج) آپؐ نے فرمایا تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو تو اپنے ہاتھ کو برتن میں نہ ڈالے یہاں تک کہ اس کو تین مرتبہ دھولے اس لئے کہ اس کو معلوم نہیں کہ اس کے ہاتھ نے کہاں رات گزاری ہے۔ (د) آپؐ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) کیا بیر بضاعہ سے وضو کریں؟ حالانکہ وہ ایسا کنواں ہے کہ اس میں حیض کے کپڑے، کتے کا گوشت اور گندگیاں ڈالی جاتی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا یہ پانی پاک ہے اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔

فیہ من الجنابة وقال علیه السلام اذا استیقظ احدکم من منامه فلا یغمسن یده فی الاناء حتی یغسلها ثلاثا فانه لایدری این باتت یده(۳۸)واما الماء الجاری اذا وقعت فیه نجاسة جاز الوضوء منه اذا لم یرلها اثر لانها لاتستقر مع جریان الماء (۳۹) والغدیر العظیم

ہے۔اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کنواں ماء جاری کے حکم میں تھااور ماء جاری کے بارے میں ہم بھی کہتے ہیں کہ جب تک اوصاف ثلاثہ میں سے ایک نہ بدلے ناپاک نہیں ہوگا۔جب تک اوصاف ثلاثہ میں سے ایک نہ بدلے۔ان کی دلیل یہ حدیث بھی ہے **قال رسول الله ﷺ اذا کان الماء قلتین لم یحمل الخبث** (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء ان الماءلاینجسہ شیء ص۲۱ نمبر ۶۷) ہم کہتے ہیں دوسری حدیثوں میں یہ قید نہیں ہے (۲) حدیث کمزور ہے۔

لغت ماءدائم : ٹھہرا ہوا پانی (یہاں تھوڑا مراد ہے جو جاری نہ ہو اور بڑا تالاب نہ ہو) یغمسن : ڈالنا۔ باتت : رات گزارنا۔

(۳۸)اور جاری پانی جب کہ اس میں نجاست گر جائے پھر بھی اس سے وضو جائز ہے اگر اس میں نجاست کا کوئی اثر نظر نہ آئے۔اس لئے کہ ناپاکی پانی بہنے کی وجہ سے ٹھہرے گی نہیں۔

تشریح نجاست کا اثر نظر نہ آنے کا مطلب یہ ہے کہ نجاست کی وجہ سے پانی کا رنگ یا بو یا مزا میں سے ایک بدل جائے تو جاری پانی ہونے کے باوجود اس سے وضو یا غسل کرنا جائز نہیں ہوگا۔لیکن اگر ناپاکی گری لیکن پانی کا مزا یا بو یا رنگ ناپاکی گرنے کی وجہ سے نہیں بدلا تو اس پانی سے وضو یا غسل کرنا جائز ہے۔وہ پانی ابھی تک پاک ہے۔

وجہ (۱) اس لئے کہ جیسے ہی ناپاکی گری تو اس کو جاری پانی بہا کر دوسری جگہ لے گیا وہاں ٹھہرنے نہیں دیا۔اس لئے اس جگہ کا پانی پاک رہا (۲) حدیث میں ہے کہ ماء کثیر کا جب تک رنگ، بو اور مزا نہ بدلے پاک ہے **عن ابی امامه الباهلی قال قال رسول الله ﷺ ان الماء لاینجسه شیء الا ماغلب علی ریحه وطعمه ولونه** (ب) (ابن ماجہ شریف، باب الحیاض، ص ۷۴، نمبر ۵۲۱ طحاوی، باب الماء تقع فیہ النجاسۃ ص ۱۵) مسئلہ نمبر ۳۷ پر حدیث قلتین گزری اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ماء کثیر میں ناپاکی گرنے سے ناپاک نہیں ہوگا جب تک کہ اوصاف ثلاثہ میں سے ایک نہ بدل جائے۔

لغت الماء الجاری : جو پانی تنکہ بہا کر لے جائے ، چلو سے پانی لے تو فوراً دوسرا پانی اس جگہ آجائے اس کو ماء جاری کہتے ہیں۔

(۳۹) ایسا بڑا تالاب جو نہیں متحرک ہوتا ہو اس کا ایک کنارہ دوسرے کنارے کے حرکت دینے سے۔اگر اس کے ایک کنارے میں ناپاکی گر جائے تو دوسری جانب وضو کرنا جائز ہے۔اس لئے کہ ظاہر یہ ہے کہ ناپاکی وہاں تک نہیں پہنچے گی۔

وجہ اتنا لمبا چوڑا تالاب ہو کہ ایک جانب اس کے پانی کو حرکت دے تو اس حرکت کا اثر اور رو دوسری جانب نہ پہنچے۔تو جب حرکت کا اثر نہیں پہنچتا ہے تو نجاست کا اثر دوسری جانب کیسے پہنچے گا۔جبکہ حرکت کا اثر تیز ہوتا ہے اور نجاست کا اثر دھیما ہوتا ہے۔اس لئے دوسری جانب پاک

(الف) آپؐ نے فرمایا جب پانی دو مٹکے ہوں تو ناپاک نہیں ہوتا (ب) آپؐ نے فرمایا پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی مگر یہ کہ غالب آجائے اس کی بو پر اس کے مزے پر اور اس کے رنگ پر۔

الذی لا یتحرک احد طرفیه بتحریک الطرف الآخر اذا وقعت فی احد جانبیه نجاسة جاز الوضوء من الجانب الآخر لان الظاهر ان النجاسة لاتصل الیه(۴۰) وموت مالیس له

رہے گا۔اور دوسری جانب وضوا ور غسل کرنا جائز ہوگا۔

نوٹ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ غسل سے حرکت دینے کا اعتبار ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک وضو سے حرکت دیکر دیکھیں گے کہ دوسری جانب پہنچتا ہے یا نہیں۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک دو مٹکے پانی ہو تو وہ ماء کثیر ہے۔اس میں نجاست گر جائے تو جب تک رنگ،بو یا مزا نہ بدل جائے تو پانی پاک رہے گا۔ان کی دلیل حدیث قلتین ہے جو مسئلہ نمبر ۳۷ میں گزر گئی۔

نوٹ امام ابوحنیفہ کا مسلک احتیاط پر مبنی ہے(۲) دس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا حوض ہو اور اتنا گہرا ہو کہ پانی کا چلو اٹھانے سے زمین نظر نہ آئے تو اس کو بھی عوام کی سہولت کے لئے بڑا تالاب اور ماء کثیر کہتے ہیں۔

لغت الغدیر : تالاب

(۴۰) پانی میں ایسی چیز کا مرنا جس میں بہتا ہوا خون نہیں ہے پانی کو ناپاک نہیں کرتا جیسے(۱) مچھر(۲) مکھی(۳) بھڑ(۴) بچھو۔

وجہ (۱) اصل میں بہتا ہوا خون ناپاک ہے اوران جانوروں میں بہتا ہوا خون نہیں ہے۔اس لئے ان کے مرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا (۲) آیت میں ہے **الا ان یکون میتة او دما مسفوحا** (آیت ۱۴۵ سورۃ الانعام ۶) اس آیت سے معلوم ہوا کہ بہتا ہوا خون ناپاک ہے اس لئے جس میں بہتا ہوا خون نہ ہو وہ ناپاک نہیں کرے گا(۳) حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ کھانے میں مکھی گر جائے تو کھانا ناپاک نہیں ہوتا ۔کیونکہ اس میں بہتا ہوا خون نہیں ہے **عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ قال اذا وقع الذباب فی اناء احدکم فلیغمسه کله ثم لیطرحه فان فی احدی جناحیه شفاء وفی الآخر دواء** (الف)(بخاری شریف،کتاب الطب،باب اذا وقع الذباب فی الاناء ص ۸۶۰ جلد ثانی نمبر ۵۷۸۲) حدیث میں پوری مکھی کو برتن میں ڈالنے کے لئے کہا۔اگر مکھی سے کھانا یا پانی ناپاک ہوتا تو پوری مکھی کو کیسے ڈالنے کے لئے فرماتے(۴) دار قطنی میں ہے کہ جس جانور میں بہتا ہوا خون نہیں ہے وہ کھانے یا پانی میں گر جائے تو اس کھانے کو کھاؤ۔اور اس پانی سے وضو کرو **قال رسول الله ﷺ یا سلمان کل طعام و شراب وقعت فیه دابة لیس لها دم فماتت فیه فهو حلال اکله و شربه و وضوءه** (ب)(دار قطنی،باب کل طعام وقعت فیہ دابۃ لیس لھا دم ج اول ص ۳۳ نمبر ۸۱) دار قطنی کی حدیث اگر چہ کمزور ہے لیکن بخاری کی حدیث سے اس کی تائید ہو جاتی ہے۔اس لئے اس سے استدلال کرنا جائز ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کی ایک روایت ہمارے مطابق ہے اور ایک روایت یہ ہے کہ ان جانوروں کے مرنے سے پانی ناپاک ہو جائے گا۔اس لئے

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا اگر مکھی تم میں سے کسی کے برتن میں گر جائے تو پورے ہی کو ڈبو دو پھر اس کو نکال کر پھینک دو۔اس لئے کہ اس کے ایک پر میں شفا ہے اور دوسرے میں بیماری ہے(ب) آپؐ نے فرمایا،اے سلمان! ہر وہ کھانا اور پینا جس میں ایسا جانور گر جائے جس میں خون نہیں ہوتا اور اس میں مر جائے تو اس کا کھانا اور اس کا پینا اور اس سے وضو کرنا حلال ہے۔

نفس سائلة فی الماء لایفسد الماء کالبق والذباب والزنابیر والعقارب(۴۱) وموت ما یعیش فی الماء لایفسد الماء کالسمک والضفدع والسرطان(۴۲)واما الماء

کہ یہ جانور میتۃ ہے اوران کا کھانا حرام ہے۔اور میتۃ ناپاک ہوتا ہے اس لئے ان کے مرنے سے پانی ناپاک ہوجائے گا۔

لغت نفس سائلۃ : بہتا ہوا خون۔ البق : مچھر۔ الذباب :مکھی۔ الزنابیر : بھڑ۔ العقارب : بچھو،عقرب کی جمع ہے۔

(۴۱)مرنا ایسی چیز کا جو پانی میں زندگی گزارتی ہو پانی کو ناپاک نہیں کرتی ہے جیسے(۱) مچھلی (۲)مینڈک (۳) کیکڑا۔

وجہ (۱)جو جانور پانی میں پیدا ہوتا ہے اوراسی میں زندگی گزارتا ہے اس میں بہتا ہوا خون نہیں ہوتا۔کیونکہ بہتا ہوا خون رہے گا تو پانی کے اندر ہی نہیں رہ سکے گا۔اور وہ جو تھوڑا بہت خون نظر آتا ہے وہ مکمل خون نہیں ہے۔خون کی خاصیت یہ ہے کہ اس کو دھوپ میں رکھو تو وہ کالا سا ہوجائے گا۔اور دریائی جانور کے خون کو دھوپ میں رکھو تو وہ سفید ہوجاتا ہے۔اس لئے وہ مکمل خون ہی نہیں ہے۔اور مسئلہ نمبر ۴۰ میں تفصیل سے گزر چکا ہے کہ جس جانور میں بہتا ہوا خون نہیں ہے اس کے مرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا ہے۔(۲)**عن ابی ھریرۃ قال رسول اللہ ﷺ ھو الطھور ماءہ الحل میتتہ** (الف)(ترمذی شریف، باب ماجاء فی ماء البحر انہ طھور ص۲۱ نمبر ۶۹) سمندر کا میتۃ حلال ہے سے استدلال کیا جا سکتا ہے کہ کھانا تو حلال نہیں ہے لیکن اس کے مردے میں خون نہیں ہوتا اس لئے اس کے مرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔

فائدہ امام شافعیؒ کی ایک روایت ہے کہ مچھلی کے علاوہ دوسرے مائی جانور کے مرنے سے تھوڑا پانی ناپاک ہوجائے گا۔اس لئے کہ مچھلی تو حلال ہے لیکن دوسرے جانور حلال نہیں ہیں اس لئے دوسرے جانور کے مرنے سے تھوڑا پانی ناپاک ہوگا۔

لغت الضفدع : مینڈک۔ السرطان : کیکڑا۔

نوٹ جو جانور پانی میں پیدا ہوتا ہے اور پانی ہی میں زندگی گزارتا ہے وہ مائی جانور کہلاتا ہے۔اور جو پانی کے اوپر پیدا ہوتا ہے اور پانی میں رہتا ہے وہ مائی جانور نہیں ہے جیسے بطخ۔

(۴۲)اور ماء مستعمل نہیں جائز ہے اس کا استعمال کرنا حدث کے پاک کرنے میں۔

تشریح جس پانی کو حدث غسل یا حدث وضو کو زائل کرنے کے لئے استعمال کیا ہو یا قربت حاصل کرنے کے لئے استعمال کیا ہو ایسے پانی کو دو بارہ حدث غسل یا حدث وضو کو پاک کرنے کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔کیونکہ یہ پانی مستعمل ہو چکا ہے۔اور ماء مستعمل خود پاک تو ہے لیکن حدث کو پاک کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

وجہ (۱)پاک ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ماء مستعمل صحابہ کے کپڑوں میں وضو اور غسل کے بعد لگتا رہا لیکن آج تک کسی نے ماء مستعمل کی وجہ سے کپڑا نہیں دھویا۔اور پاک کرنے کی صلاحیت نہیں ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اہل عرب کو پانی کی سخت ضرورت ہونے کے باوجود کسی نے ماء مستعمل استعمال کر کے وضو یا غسل نہیں کیا۔اور نہ اس کو دوسرے برتن میں وضو یا غسل کے لئے رکھا ہو(۲) پاک ہونے کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں حضورؐ نے وضو کے لئے استعمال کیا ہوا پانی مریضوں کو پلایا ہے۔اگر ماء مستعمل پاک نہ ہوتا تو آپؐ اس کو بیماروں کو کیسے

حاشیہ : (الف)سمندر کا پانی پاک ہے اوراس کا مردہ (یعنی مچھلی) حلال ہے۔

المستعمل لا يجوز استعماله فی طهارة الاحداث (۴۳)والماء المستعمل کل ماء ازیل به

پلاتے؟ حدیث میں ہے عن جابر يقول جاء رسول الله ﷺ يعودني وانا مريض لااعقل فتوضأ وصب علي من وضوئه فعقلت (الف) بخاری شریف، باب صب النبی ﷺ وضوءہ علی المغمی علیہ ص۳۲ نمبر۱۹۴) (۳)سمعت السائب بن يزيد يقول ذهبت بی خالتي الى النبی ﷺ فقالت يا رسول الله ان ابن اختي وقع فمسح رأسي ودعا لي بالبركة ثم توضأ فشربت من وضوءه (ب) (بخاری شریف، باب استعمال فضل وضوء الناس ص۳۱ نمبر۱۹۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماء مستعمل پاک ہے تب ہی تو وضو کا پانی پلایا۔ اور السنن الکبری للبیھقی ، باب طہارۃ الماء المستعمل ج اول ص ۳۵۹ ،نمبر ۱۱۰۷ میں اس سلسلے کی بہت سی احادیث ذکر کی ہیں۔
اور ماء مستعمل کے پاک نہ کرنے کے سلسلے میں ان احادیث سے استدلال کیا جاتا ہے جن میں آپؐ نے ہر عضو کے لئے نیا پانی لیا ہے۔ اگر ماء مستعمل طہور ہوتا تو ماء مستعمل ہی کو دوبارہ استعمال کر لیتے اور ہر عضو کے لئے نیا پانی نہ لیتے۔ حدیث میں ہے عن ابن عباس اتحبون ان اريكم كيف كان رسول الله ﷺ يتوضأ فدعا باناء فيه ماء فاغترف غرفة بيده اليمنى فتمضمض واستنشق ثم اخذ اخرى فجمع بها يديه ثم غسل وجهه الخ (ج) (ابوداؤد، باب فی الوضوء مرتین ص۲۰ نمبر۱۳۷) اس حدیث میں ہر عضو کے لئے الگ الگ پانی لیا گیا ہے۔ ایک اور حدیث میں تھوڑے پانی میں جنابت کے غسل کرنے سے منع فرمایا۔ اگر اس کے جسم پر نجاست نہ ہو تو منع کرنے کی یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ ماء مستعمل ہونے کے بعد وہ پانی دوسروں کے کام نہیں آسکتا۔ اس لئے اس میں گھس کر پانی کو مستعمل کرنے سے منع فرمایا۔ حدیث میں ہے ابو هريرة يقول قال رسول الله ﷺ لايغتسل احدكم في الماء الدائم وهو جنب (د) (مسلم شریف، باب النھی عن الاغتسال فی الماء الراکد ص۱۳۸ نمبر۲۸۳) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ماء مستعمل پاک تو ہے لیکن پاک کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

فائدہ صاحب ہدایہ نے ماء مستعمل کے حکم کے سلسلے میں کئی قول نقل کئے ہیں۔ لیکن اکثر ائمہ کا صحیح قول یہی ہے کہ وہ پاک ہے لیکن پاک کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ کما قال موسوعۃ الامام الشافعی، باب حکم الماء المستعمل ج اول ص ۵۲)

(۴۳) ماء مستعمل ہر وہ پانی ہے جس سے حدث زائل کیا گیا ہو (۲) یا بدن پر قربت کے طور پر استعمال کیا گیا ہو۔

تشریح (۱) اگر عینی نجاست بدن یا کپڑے پر ہو اس کو پانی سے دور کیا تو وہ پانی ناپاک ہے۔ البتہ نجاست عینی نہ ہو صرف حدث اکبر جنابت یا حدث اصغر وضو کرنے کے لئے پانی استعمال کیا تو وہ ماء مستعمل ہوتا ہے (۲) یا پہلے وضو موجود ہو لیکن قربت الہی حاصل کرنے کے لئے دوبارہ وضو کرے تو یہ بھی ماء مستعمل ہو جاتا ہے۔ جس کا حکم اوپر گذر چکا۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ میری عیادت کے لئے آئے۔ میں بیمار تھا اور سمجھتا نہیں تھا تو آپؐ نے وضو فرمایا اور وضو کا پانی مجھ پر بہایا تو میں سمجھنے لگ گیا (ب) حضرت سائب فرماتے ہیں کہ میری خالہ مجھے حضورؐ کے پاس لے گئی اور کہا یا رسول اللہ میری بہن کے بیٹے میں جنونیت کا اثر ہے۔ پس آپؐ نے میرا سر پونچھا اور میرے لئے برکت کی دعا کی پھر وضو فرمایا تو میں نے آپؐ کے وضو کا پانی پیا۔ (ج) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ کیا تم پسند کرتے ہو کہ حضورؐ کیسے وضو فرماتے تھے اس کو دکھلاؤں؟ پھر ایک برتن منگوایا جس میں پانی تھا اس سے دائیں ہاتھ سے ایک چلو لیا پس مضمضہ اور استنشاق کیا پھر دوسرا چلو لیا اور دونوں ہاتھ جمع کر کے چہرے کو دھویا ...الی آخرہ (د) آپؐ نے فرمایا تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل نہ کرے اس حال میں کہ وہ جنبی ہو۔

حدث او استعمل فی البدن علی وجه القربة (۴۴) و کل اهاب دبغ فقد طهر جازت الصلوة فیه والوضوء منه(۴۵) الا جلد الخنزیر والآدمی(۴۶)وشعر المیتة وعظمها طاهر

فائدہ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ قربت کا ارادہ کر کے وضو یا غسل کرے تو پانی مستعمل ہوتا ہے اور قربت کے بغیر پانی استعمال کیا تو پانی مستعمل نہیں ہوگا۔

نوٹ جب پانی عضو سے جدا ہو تب مستعمل ہوتا ہے۔اس سے پہلے مستعمل قرار دینے میں مجبوری ہے لغت حدث : حدث اصغر جیسے وضو، حدث اکبر جیسے جنابت۔نجاست عینی کو نجاست کہتے ہیں۔ وجہ القربۃ : حدث دور کرنے کی نیت ہو یا وضو پر وضو کرنے کی نیت ہو۔

﴿ چمڑے کے احکام ﴾

(۴۴) کچا چمڑا دباغت دیا جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔اس پر نماز جائز ہے۔اور اس کے برتن سے وضو جائز ہے

وجہ (۱) مردار کے چمڑے کو دباغت دیا جائے تو اس کی ناپاک رطوبت نکل جاتی ہے اور بہتا ہوا خون نکل جاتا ہے صرف چمڑا باقی رہ جاتا ہے اس لئے وہ پاک ہے۔اور اس چمڑے پر نماز پڑھ سکتا ہے اور اس چمڑے کے برتن میں پانی ہو تو اس سے وضو اور غسل کر سکتا ہے۔اہل عرب کے پاس اکثر اسی قسم کے برتن ہوتے تھے (۲) حدیث میں ہے **عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ ﷺ ایما اھاب دبغ فقد طھر** (الف) نسائی شریف، باب جلود المیتۃ ج ثانی ص ۱۶۹ نمبر ۴۲۴۶) دوسری حدیث میں ہے **ذکوۃ المیتة دباغھا** (نسائی شریف، باب باب جلود المیتۃ ص، ۱۶۹، نمبر ۴۲۵۱ رمسلم شریف، باب طھارۃ جلود المیتۃ بالدباغۃ ص ۱۵۷، نمبر ۳۶۶) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ دباغت دینے کے بعد مردار کا چمڑا پاک ہو جاتا ہے۔

نوٹ جس حدیث میں منع فرمایا ہے وہ کچے چمڑے سے منع فرمایا ہے جو دباغت دیا ہوا نہ ہو۔

(۴۵) مگر سور کا چمڑا اور آدمی کا چمڑا پاک نہیں ہوگا۔

وجہ سور نجس العین ہے اس لئے اس کا چمڑا دباغت دینے کے بعد بھی پاک نہیں ہوگا۔آیت میں ہے **او لحم الخنزیر فانه رجس** آیت ۱۴۵، سورۃ الانعام ۶۔اور آدمی کا چمڑا عزت اور کرامت کی بنا پر دباغت دینے کے بعد بھی قابل استعمال نہیں ہوگا۔

(۴۶) مردار کے بال اور اس کی ہڈی پاک ہے۔

وجہ (۱) بال، ہڈی، کھر اور سینگ میں بہتا ہوا خون نہیں ہوتا ہے اور نہ ناپاک رطوبت ہوتی ہے اس لئے مردار کی یہ چیزیں بھی پاک ہیں (۲) حدیث میں ہے **قال رسول اللہ ﷺ یا ثوبان اشتر لفاطمة قلادة من عصب وسوارین من عاج** (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی الانتفاع بالعاج جلد ثانی ص ۲۲۷ نمبر ۴۲۱۳) اول کتاب الخاتم سے پہلے ہے۔حدیث سے معلوم ہوا کہ مردار جانور کا پٹھہ بھی پاک ہے اور ہاتھی کے دانت بھی پاک ہیں۔ورنہ آپؐ پٹھے کا ہار اور ہاتھی دانت کا کنگن خریدنے کے لئے کیسے فرماتے۔

حاشیہ : (الف) کسی کچے چمڑے کو دباغت دیا جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔(ب) آپؐ نے فرمایا کہ اے ثوبان فاطمہ کے لئے پٹھے کا ہار اور ہاتھی دانت کے دو کنگن خرید و۔

(۴۷)واذا وقعت فی البئر نجاسة نزحت و کان نزح ما فیھا من الماء طھارۃ لھا.

فائدہ امام شافعیؒ کھال کے علاوہ سب کو ناپاک کہتے ہیں۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن عبد اللہ بن عکیم قال کتب الینا رسول اللہ ان لا تستمتعوا من المیتة باھاب و لا عصب** (الف)(نسائی شریف، باب مایدبغ بہ جلود المیتة ج ثانی ص ۱۷۰ نمبر ۴۲۵۵ر ابن ماجہ شریف، باب من کان لاینتفعوا من المیتة باھاب ولا عصب ،ص ۵۲۰ ،نمبر ۳۶۱۳ر دار قطنی ، باب الدباغۃ ج اول ص ۴۲ نمبر ۱۱۳) حنفیہ ابو داؤد والی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں پٹھے اور ہاتھی دانت سے استفادہ کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔**سمعت ام سلمة تقول سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لا بأس بمسک المیتة اذا دبغ ولا بأس بصوفھا وشعرھا وقرونھا اذا غسل مالماء** (ب)(دار قطنی ، باب الدباغۃ ،نمبر ۱۱۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہڈی ،سینگ اور بال پاک ہیں۔

اصول جن ہڈیوں میں بہتا ہوا خون نہیں ہے وہ پاک ہے۔

لغت اھاب : کچا چمڑا، دباغت دیئے بغیر کا چمڑا۔

﴿ کنویں کے مسائل ﴾

(۴۷) اگر کنویں میں ناپاکی گر جائے تو اس کا پانی نکالا جائے گا۔اور جو اس میں پانی ہے اس کا نکالنا ہی اس کا پاک ہونا ہے۔

تشریح پہلے گزر چکا ہے کہ بڑے تالاب کی طرح کنواں ہو تو وہ تھوڑی نجاست گرنے سے ناپاک نہیں ہوگا۔لیکن کنویں کی لمبائی اور چوڑائی کم ہو تو ناپاکی ایک کنارے سے دوسرے کنارے کی طرف چلی جائے گی اور ناپاکی نیچے اتر اتر کر گہرائی کی طرف چلی جائے گی اس لئے پورا کنواں ناپاک ہو جائے گا۔

پورے کنویں کا پانی بار بار نکالنا مشکل ہے اس لئے صحرا اور جنگل میں جو نجاست بار بار کنویں میں گرتی ہے مثلا گوبر۔لید وغیرہ تو اس کے بہت سے گرنے سے ناپاک ہوگا۔اور جو نجاست کبھی کبھار گرتی ہے جیسے خون تو اس کا ایک قطرہ گرنے سے کنواں ناپاک نہیں ہوگا۔اسی طرح ناپاک پانی سے کنویں کی دیوار ناپاک ہوگی لیکن اس کو دھونا مشکل ہے اس لئے اس کو دھونے کی ضرورت نہیں صرف پانی نکالنے سے دیوار پاک ہو جائے گی۔اسی طرح کیچڑ اور باقی ماندہ پانی بھی نکالنے کی ضرورت نہیں وہ بھی پانی نکالنے سے پاک ہو جائیں گے۔یہ سہولت مجبوری کی بنا پر شریعت نے دی ہے۔اس لئے اس میں قیاس کو دخل نہیں ہے۔پورا کنواں ناپاک ہونے کی دلیل یہ ہے **عن عطاء ان حبشیا وقع فی زمزم فمات فامر ابن الزبیر فنزح مائھا** (ج)(طحاوی شریف، باب الماء تقع فیہ النجاسۃ ص ۱۶ر دار قطنی ، باب البئر اذا وقع فیھا حیوان ص ۲۸ نمبر ۶۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان کے مرنے سے پورا کنواں ناپاک ہو جائے گا۔اسی طرح ناپاکی گرنے سے پورا کنواں

حاشیہ : (الف) عبد اللہ بن عکیم فرماتے ہیں کہ ہم جہینہ والوں کے پاس حضورؐ کا خط آیا کہ مردار کے چمڑے سے فائدہ نہ اٹھاؤ اور نہ اس کے پٹھے سے فائدہ اٹھاؤ (ب) حضورؐ فرمایا کرتے تھے کہ مردے کی کھال میں کوئی حرج نہیں ہے اگر دباغت دی جائے۔اور اس کے اون اور اس کے بال، اس کے سینگ کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے اگر پانی سے دھو دیا جائے (ج) عطاءؒ فرماتے ہیں کہ ایک حبشی زمزم کے کنویں میں گر گیا اور مر گیا تو عبد اللہ بن زبیرؓ نے حکم دیا کہ اس کا پورا پانی نکالا جائے۔

(۴۸)فان ماتت فیھا فارۃ او عصفور او صعوۃ او سودانیۃ او سام ابرص نزح منھا ما بین عشرین دلوا الی ثلثین بحسب کبر الدلو وصغرھا (۴۹)وان ماتت فیھا حمامۃ او دجاجۃ او سنور نزح منھا ما بین اربعین دلوا الی خمسین (۵۰) وان مات فیھا کلب او شاۃ او

ناپاک ہوجائے گا۔

فائدہ امام شافعیؒ کا مسلک گذر گیا ہے کہ دو مٹکے کنویں میں پانی ہو تو جب تک اوصاف ثلاثہ میں سے ایک نہ بدلے ناپاک نہیں ہوگا۔ دلیل حدیث قلتین گزر گئی۔

لغت نزح : پانی کا کنواں سے نکالنا۔

(۴۸) اگر کنویں میں چوہا یا چڑیا یا ممولا یا بھجنگا یا چھپکلی مرجائے تو بیس سے لیکر تیس ڈول تک نکالے جائیں گے۔ ڈول کے بڑے اور چھوٹے ہونے کے لحاظ سے

تشریح یعنی چھوٹا ڈول ہو تو تیس ڈول اور بڑا ڈول ہو تو بیس ڈول نکالے جائیں گے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ بیس ڈول واجب ہے اور تیس ڈول بطور استحباب کے ہیں۔ یہ اس وقت ہے جب کہ صرف جانور مرا ہو۔ پھولا پھٹا نہ ہو۔ پس اگر پھول پھٹ گیا تو چھوٹا جانور ہو تب بھی پورا کنواں نکالنا ہوگا۔

وجہ **عن علی قال اذا سقطت الفارۃ او الدابۃ فی البئر فانزحھا حتی یغلبک الماء** (الف) (طحاوی شریف، باب الماء تقع فیہ النجاسۃ ص ۱۶ / مصنف عبد الرزاق، باب البئر تقع فیہ الدابۃ ج اول ص ۸۱ نمبر ۲۷۱ / مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۹۸ فی الفارۃ والدجاجۃ اشباھھما تقع فی البئر، ج اول، ص ۱۴۹، نمبر ۱۷۱۱) یہ حدیث پھولنے پھٹنے پر محمول ہے۔ کہ چوہا پھولے پھٹے تو پورا کنواں نکالا جائے گا۔ ورنہ بیس سے تیس ڈول

نوٹ بیس سے تیس ڈول کی دلیل مجھے نہیں ملی۔

لغت عصفورۃ : چڑیا۔ صعوۃ : ممولا۔ سودانیۃ : بھجنگا۔ سام ابرص : گرگٹ۔

(۴۹) اور اگر کنویں میں کبوتر یا مرغی یا بلی مرجائے تو کنویں سے چالیس سے پچاس ڈول تک نکالے جائیں گے

وجہ (۱) **عن الشعبی فی الطیر والسنور ونحوھما یقع فی البئر قال نزح منھا اربعون دلوا** (ب) (طحاوی شریف، باب الماء تقع فیہ النجاسۃ ص ۱۶ / مصنف عبد الرزاق، باب البئر تقع فیہ الدابۃ ج اول نمبر ۲۷۲ / مصنف ابن ابی شیبۃ، نمبر ۱۷۱۲)

(۵۰) اور اگر کنویں میں کتا یا بکری یا آدمی مرجائے تو تمام پانی نکالا جائے۔

وجہ (۱) یہ جانور بڑے ہوتے ہیں اس کے مرتے ہی پورے کنویں میں نجاست پھیل جائے گی اس لئے پورے کنویں کا پانی نکالا جائے گا (۲) اوپر حدیث گزری کہ زمزم کے کنویں میں حبشی مرا تو پورا کنواں نکالا گیا (۳) **عن عطاء قال اذا سقط الکلب فی البئر فاخرج منھا**

حاشیہ : (الف) حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ جب کنویں میں چوہا یا جانور گر جائے تو اس کو اتنا نکالو کہ پانی تم پر غالب آجائے (ب) شعبیؒ سے منقول ہے کہ پرندہ، بلی اور اس مقدار کے جانور کنویں میں گر جائیں تو کنویں سے چالیس ڈول نکالے جائیں گے۔ ایک قول ہے کہ ستر ڈول نکالے جائیں گے۔

آدمی نزح جمیع ما فیھا من الماء(۵۱) وان انتفخ الحیوان فیھااو تفسخ نزح جمیع ما فیھا صغر الحیوان او کبر(۵۲) وعدد الدلاء یعتبر بالدلو الوسط المستعمل للآبار فی البلدان(۵۳) فان نزح منھا بدلو عظیم قُدِّرما یسع من الدلاء الوسط احتسب بہ (۵۴) وان کانت البئر معینا لا ینزح ووجب نزح ما فیھا اخرجو مقدار ما فیھا من الماء .

حین سقط نزع منھا عشرون دلوا فان اخرج حین مات نزع منھا ستون دلواًاو سبعون دلوا فان تفسخ فیھا نزح منھاماء ھا فان لم تستطیعوا نزح مائة دلوو عشرون و مائة(مصنف عبدالرزاق، باب البئر تقع فیہ الدابۃ ج اول ص۸۲نمبر۲۷۴/ مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۹۸ فی الفارۃ تقع فی البئر ۱۴۹، نمبر۱۷۱۴)

(۵۱)اگر جانور کنویں میں پھول جائے یا پھٹ جائے تو پورا پانی نکالا جائے گا جانور چھوٹا ہو یا بڑا۔

وجہ (۱) پھولنے اور پھٹنے کے زمانے تک نجاست پورے کنویں میں پھیل جاتی ہے اس لئے چھوٹا جانور ہو یا بڑا جانور ہو پورے کنویں کا پانی نکالا جائے گا(۲)اوپر حضرت علیؓ کا قول گزرا کہ چوہا گر جائے اور پھول پھٹ جائے تو تو پورا کنواں نکالا جائے گا۔

لغت انتفخ : پھول جائے۔ تفسخ : پھٹ جائے۔

(۵۲)ڈول کی تعداد میں اوسط قسم کی ڈول کا اعتبار ہے جو شہروں میں کنوؤں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

تشریح جو ڈول عام طور پر کنوؤں پر استعمال ہوتا ہے جس میں تقریبا ساڑھے تین کیلو پانی آتا ہے اس ڈول کا اعتبار ہے۔اس ڈول سے چالیس سے پچاس ڈول پانی نکال دے تو کنواں پاک ہوگا۔

لغت دلاء :جمع ہے دلو کی ڈول۔

نوٹ شریعت میں ہمیشہ اوسط کا اعتبار ہوتا ہے۔آیت میں اس کا اشارہ ہے۔فکفارتہ اطعام عشرۃ مساکین من اوسط ما تطعمون اھلیکم او کسوتھم(آیت ۸۹،سورۃ المائدۃ ۵)اس آیت میں اوسط کھانا حکم دیا گیا ہے۔

(۵۳)پس اگر کنویں کا پانی بڑے ڈول سے نکال دیا جائے اس مقدار سے جو اوسط ڈول سماتا ہو تو اس کا حساب کیا جائے گا۔

تشریح مثلا اتنا بڑا ڈول استعمال کیا جس میں اوسط دس ڈول پانی آتا ہے تو دو ڈول نکالنے سے بیس ڈول پانی نکل جائے گا۔اور جس کنویں سے بیس ڈول پانی نکالنا تھا وہ بیس ڈول نکالنا شمار کیا جائے گا۔کیونکہ مقصود حاصل ہو گیا۔

لغت احتسب بہ : گن لیا جائے گا،شمار کیا جائے گا

(۵۴)اگر کنواں چشمہ دار ہو کہ پورا پانی نہیں نکالا جا سکتا ہو تو واجب ہے اتنا نکالنا جتنی مقدار اس میں پانی ہے۔

تشریح کنویں کے اندر چشمہ جاری ہے اور اتنا پانی نکلتا رہتا ہے کہ سب پانی نکالنا مشکل ہے۔ایسی صورت میں دو ماہر اور تجربہ کار آدمی سے اندازہ کروایا جائے کہ کنویں میں اس وقت کتنے ڈول پانی ہیں۔جتنے ڈول اس وقت پانی ہوا تنے ڈول نکال دینے سے کنواں پاک ہو جائے

(۵۵) و عن محمد بن الحسن رحمة الله تعالى انه قال ينزح منها مائتا دلوا الى ثلث مائة (۵۶)واذا وجد فى البئر فارة او غيرها ولا يدرون متى وقعت ولم تنتفخ ولم تنفسخ اعادوا صلوة يوم و ليلة اذا كانوا توضؤا منها وغسلوا كل شىء اصابه ماء ها(۵۷) وان

گا۔ چشمہ کا پانی بعد میں آکر کتنا ہی بھر دے۔ امام ابو حنیفہ کا قول یہی ہے۔ ایک صورت یہ بھی ہے کہ کنویں کی مقدار گڑھا کھودے اور اس گڑھے کو پانی نکال نکال کر بھر دے تو سمجھا جائے گا کہ پورے کنویں کا پانی نکال دیا۔ اس سے کنواں پاک ہو جائے گا۔ زمزم والے کنویں میں حبشی گرا تھا جس کی وجہ سے پورا پانی نکالنا چاہا لیکن چشمے کی وجہ سے نہیں نکال سکے۔ لیکن جتنا پانی کنویں میں تھا اس لئے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے فرمایا اتنا نکالنا کافی ہے۔ عبارت یہ ہے۔ **فنظرو فاذا عين تنبع من قبل الحجر الاسود قال فقال ابن الزبير حسبكم** (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۱۹۸ فی الفارۃ والدجاجۃ واشباھھما تقع فی البئر ،ج اول ،ص ۱۵۰،نمبر ۱۷۲۱)

لغت معینا : چشمہ والا کنواں، عین سے مشتق ہے۔

(۵۵) امام محمدؒ سے منقول ہے کہ کنویں سے دو سو ڈول سے تین سو ڈول تک نکالے جائیں گے۔

تشریح (۱) یہ قول سہولت کے طور پر ہے (۲) امام محمدؒ نے اپنے ملک بغداد اور کوفہ میں دیکھا کہ عام طور پر کنویں میں پانی دو سو سے لیکر تین سو ڈول تک ہوتا ہے۔ اس لئے وجوبی طور پر دو سو ڈول اور استحبابی طور پر تین سو ڈول نکال دے تو کنواں پاک ہو جائے گا۔ پورے کنویں کا پانی نکالنے کی دلیل حبشی گرنے کی حدیث گزر چکی ہے۔ اسی طرح ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل جنابت کرنے سے منع کرنے کی حدیث گزر چکی ہے جس سے معلوم ہوا کہ پورا کنواں ناپاک ہو جائے گا۔

نوٹ مردہ جانور پہلے نکالے اس کے بعد ڈول سے یہ سب مقدار نکالے تب پاک ہوگا۔

اصول اصل مقصد کنویں میں موجود تمام پانی کو نکالنا ہے۔

(۵۶) اگر کنویں میں چوہا پایا، یا اس کے علاوہ مرا ہوا پایا جائے اور نہیں معلوم کہ کب گرا ہے اور ابھی پھولا اور پھٹا نہیں ہے تو ایک دن اور ایک رات کی نماز لوٹائی جائے گی جب کہ اس پانی سے وضو کیا ہو۔ اور ان تمام چیزوں کو دوبارہ دھویا جائے گا جن میں اس کا پانی لگا ہو۔

وجہ جانور کنویں میں مرا ہوا ملا اور کوئی علامت نہیں ہے کہ کب گرا ہے اور کب مرا ہے تو ایک دو گھنٹے کا کوئی معیار نہیں ہے اس لئے یہی سمجھا جائے گا کہ ایک دن ایک رات پہلے مرا ہے اور اس درمیان جن جن لوگوں نے اس پانی سے وضو کیا ہے اس کو وہ تمام نمازیں لوٹانی ہوگی۔ کیونکہ ناپاک پانی سے نہ وضو ہوا اور نہ نماز ہوئی۔ اور اس پانی سے ایک دن اور ایک رات کے درمیان جن لوگوں نے غسل کیا ہے یا کپڑا دھویا ہے ان کو بھی غسل اور نماز لوٹانی ہوگی۔ کیونکہ ناپاک پانی سے غسل کیا ہے اور کپڑے دھویا ہے

اصول احتیاط پر عمل کیا جائے گا۔

(۵۷) اور اگر جانور پھول گیا یا پھٹ گیا تو تین دن اور تین راتوں کی نماز لوٹائے گا ابو حنیفہؒ کے قول میں۔

انتفخت او تفسخت اعادوا صلوۃ ثلثة ایام ولیالیھا فی قول ابی حنیفة رحمه الله تعالی (۵۸) وقال ابو یوسف و محمد رحمھما الله تعالی لیس علیھم اعادۃ شیء حتی یتحققوا متی وقعت(۵۹) وسور الآدمی ومایؤ کل لحمه طاھر .

وجہ عموما جانور تین دن تین راتوں میں پھولتا اور پھٹتا ہے۔اور اس کے خلاف علامت نہیں ہے اس لئے یہی کہا جائے گا کہ جانور تین دن پہلے گرا تھا اور مرا تھا اور اب تین دن میں پھولا اور پھٹا ہے۔اس لئے جن لوگوں نے اس دوران اس پانی سے وضو اور غسل سے نماز پڑھی وہ لوٹائیں گے۔حضرت کا قول یقین اور احتیاط پر مبنی ہے۔

(۵۸) اور صاحبین فرماتے ہیں کہ وضو کرنے والوں پر کسی چیز کا لوٹانا نہیں ہے جب تک تحقیق نہ ہو جائے کہ کب گرا ہے۔

وجہ (۱) حضرت امام ابو یوسف نے دیکھا کہ ایک پرندہ نے مردہ کو لاکر کنویں میں ڈالا جس سے وہ رجوع کر گئے اور فرمانے لگے کہ ہوسکتا ہے کہ ابھی پھولے ہوئے چوہے کو کنویں میں ڈالا ہو۔اس لئے تین دن پہلے کا حکم نہیں لگایا جائے گا (۲) یقین ہے کہ پانی پاک ہے اور شک ہے کہ تین دن پہلے جانور گرا ہو تو یقین پر عمل کرتے ہوئے ابھی تک پانی پاک قرار دیا جائے گا۔اور جب سے مردہ جانور کو کنویں میں دیکھا ہے اس وقت سے کنواں ناپاک قرار دیا جائے گا۔

﴿جوٹھے کا استعمال﴾

(۵۹) آدمی اور جس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہے اس کا جوٹھا پاک ہے۔

وجہ (۱) تھوک گوشت سے پیدا ہوتا ہے اس لئے جو حکم گوشت کا ہے وہی حکم تھوک کا ہوگا۔آدمی کا تھوک تو پاک ہے ہی۔اور جن جانوروں کا گوشت حلال ہے ان کا تھوک بھی پاک ہوگا اور جوٹھا پاک ہوگا (۲) **عن ابن عباس قال دخلت مع رسول الله ﷺ انا و خالد بن الولید علی میمونة فجاء تنا باناء من لبن فشرب رسول الله ﷺ وانا علی یمینه و خالد علی شماله فقال لی الشربة لک فان شئت اثرت بھا خالدا فقلت ما کنت لاوثر علی سورک احدا** (الف) (شمائل ترمذی، باب ما جاء فی صفة شراب رسول اللہ ﷺ ص ۱۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی کا جوٹھا پاک ہے۔تب ہی تو آپ ؐ نے اپنا جوٹھا دوسرے کو پینے دیا۔اس قسم کی بہت احادیث ہیں۔حلال جانور کا جوٹھا پاک ہونے کی۔

وجہ (۱) یہ ہے کہ جوٹھا گوشت سے پیدا ہوتا ہے اور گوشت حلال ہے اور کھانے کے قابل ہے تو اس کا جوٹھا بھی پاک ہوگا (۲) دلیل یہ حدیث ہے **عن البراء قال قال رسول الله ما اکل لحمه فلا بأس بسؤرہ** (سنن بیہقی، باب الخبر الذی ورد فی سؤر ما یؤکل لحمہ ج اول، ص ۳۸۱، نمبر ۱۱۸۹)

حاشیہ : (الف) ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے ساتھ میں اور خالد بن ولید میمونہؓ کے پاس آئے۔پس دودھ کا برتن لایا گیا۔حضورؐ نے نوش فرمایا۔اور میں آپ کے دائیں جانب تھا اور خالد بائیں جانب تو مجھے حضورؐ نے فرمایا پینے کا حق آپ کے لئے ہے۔اگر چاہیں تو خالد کو ترجیح دیں۔میں نے کہا آپ کے جوٹھے پر میں کسی اور کو ترجیح نہیں دے سکتا۔

(۶۰) وسور الکلب والخنزیر وسباع البھائم نجس (۶۱) وسور الھرۃ والدجاجۃ

(۶۰) کتے کا جوٹھا اور سور کا اور پھاڑ کھانے والے جانور کا جوٹھا ناپاک ہے۔

وجہ (۱) کتا، سور اور پھاڑ کھانے والے جانور کا گوشت حلال نہیں ہے۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ تھوک گوشت سے پیدا ہوتا ہے تو گوشت حلال نہیں ہے اس لئے اس کا تھوک اور جوٹھا بھی ناپاک ہے (۲) کتے کا جوٹھا ناپاک ہونے کے سلسلے میں یہ حدیث ہے **عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال اذا شرب الکلب فی اناء احدکم فلیغسلہ سبعا** (الف) (بخاری شریف، باب اذا شرب الکلب فی اناء احدکم فلیغسلہ سبعا، ص ۲۹، نمبر ۱۷۲) اس قسم کی احادیث کی بنا پر امام شافعی اور امام مالک کے یہاں کتے کے جوٹھے میں برتن کو سات مرتبہ دھونے سے پاک ہوگا (۳) ہماری دلیل حضرت ابو ہریرہ کا قول ہے **عن ابی ھریرۃ قال اذا ولغ الکلب فی الاناء فاھرقہ ثم اغسلہ ثلاث مرات** (ب) (دار قطنی، باب ولوغ الکلب فی الاناء ج اول ص ۶۶ نمبر ۱۹۳) اس فتوی سے معلوم ہوا کہ کتے کا جوٹھا تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو جائے گا (۴) اصل بات یہ ہے کہ ناپاکی زائل ہونے سے برتن پاک ہو جاتا ہے۔ اور اس سے غلیظ ناپاکی پاخانہ اور پیشاب تین مرتبہ دھونے سے زائل ہو جاتی ہے اور برتن پاک ہو جاتا ہے تو جوٹھا بدرجہ اولی پاک ہو جانا چاہئے۔ البتہ حدیث صحیح پر عمل کرتے ہوئے سات مرتبہ دھوئیگا تو ثواب ملے گا۔ سور نجس العین ہے اس لئے اس کا جوٹھا تو ناپاک ہوگا ہی۔

دلیل **ولحم خنزیر فانہ رجس** (آیت ۱۴۵ سورۃ الانعام ۶) پھاڑ کھانے والے جانور کا گوشت حلال نہیں ہے اس لئے اس کا جوٹھا بھی ناپاک ہے۔ اس لئے کہ وہ سبع یعنی درندہ جانور ہے۔ حدیث یہ ہے **عن ابی ثعلبۃ ان رسول اللہ ﷺ نھی عن اکل کل ذی ناب من السباع** (بخاری شریف، باب اکل کل ذی ناب من السباع نمبر ۵۵۳۰)

(۶۱) (۱) بلی کا جوٹھا (۲) کھلی پھرنے والی مرغی کا جوٹھا (۳) پھاڑ کھانے والے پرندے (۴) اور اور ان جانوروں کا جوٹھا جو گھر میں رہتے ہوں جیسے سانپ اور چوہا مکروہ ہے۔

وجہ (۱) بلی پھاڑ کھانے والا جانور ہے اس لئے اس کا جوٹھا ناپاک ہونا چاہئے لیکن یہ گھر میں رہتی ہے اور اس سے بچنا مشکل ہے اس لئے شریعت نے تسہیل دیدی اور اس کا جوٹھا مکروہ ہوا۔ (۲) حدیث میں ہے **عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قال یغسل الاناء اذا ولغ فیہ الکلب سبع مرات اولاھن واخراھن بالتراب واذا ولغت فیہ الھرۃ غسل مرۃ** (ج) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی سور الکلب ص ۲۷ نمبر ۹۱) **عن ابی ھریرۃ قال النبی ﷺ السور سبع** (سنن للبیھقی، باب سور الھرۃ ج اول ص ۳۴۹ / دار قطنی باب سؤر الھرۃ ج اول نمبر ۲۰۲) بلی کے جوٹھے کے بارے میں یہ حدیث بھی ہے۔ **ان رسول اللہ ﷺ قال انھا لیست بنجس انما ھی من الطوافین علیکم والطوافات** (د) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی سور الھرۃ ص ۲۷ نمبر ۹۲ / ابو داؤد شریف، باب سؤر الھرۃ ص ۱۲، نمبر

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جب کتا تم میں سے کسی کے برتن میں پی لے تو اس کو سات مرتبہ دھوؤ (ب) آپؐ نے فرمایا جب کتا برتن میں منہ ڈالے تو پانی انڈیل دو پھر اس کو تین مرتبہ دھوؤ۔ (ج) آپ نے فرمایا کتا برتن میں منہ ڈال دے تو اس کو سات مرتبہ دھوؤ اور شروع اور اخیر میں مٹی سے دھوؤ۔ اور جب بلی منہ ڈال دے تو ایک مرتبہ دھویا جائیگا۔ (د) آپؐ نے فرمایا بلی ناپاک نہیں ہے اس لئے کہ وہ تم پر بار بار آنے والیوں میں سے ہے

المخلات وسباع الطيور وما يسكن في البيوت مثل الحية والفارة مكروه (٦٢) وسور الحمار والبغل مشكوك(٦٣) فان لم يجد الانسان غيرهما توضأ بهما وتيمم وبايهما

٧٥)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بلی کا جھوٹا پاک ہے۔اس لئے دونوں حدیثوں کو ملانے کی وجہ سے یہ کہتے ہیں کہ بلی کا جوٹھا مکروہ تنزیہی ہے۔یہی حال گھر میں رہنے والے تمام جانوروں کا ہے۔
کھلی پھرنے والی مرغی نجاست میں منہ ڈالتی رہتی ہے۔اس لئے اس کے منہ میں نجاست کے گمان کی وجہ سے مکروہ ہے۔اگر اس کی چونچ بالکل پاک ہوتو اس کا جوٹھا پاک ہے کیونکہ اس کا گوشت کھایا جاتا ہے۔

لغت الدجاجة : مرغی۔ المخلات : جو کھلی پھرتی ہو۔ سباع الطیور : وہ پرندے جو شکار کر کے کھاتے ہیں۔ الحیة : سانپ۔ الفارة : چوہا

(٦٢) گدھے کا جوٹھا اور خچر کا جوٹھا مشکوک ہے۔

وجہ مشکوک ہونے کی وجہ یہ ہے کہ گدھے کے گوشت اور پسینے کے سلسلے میں دونوں قسم کے دلائل ہیں۔آپؐ نے گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔اور جب گوشت حلال نہیں ہوگا تو اس کا نکلا ہوا تھوک بھی نجس ہوگا۔اس اعتبار سے گدھے کا جوٹھا ناپاک ہونا چاہئے۔لیکن آپ گدھے پر سوار ہوئے ہیں جس کی وجہ سے آپؐ کے کپڑے پر گدھے کا پسینہ لگا ہوگا اور پسینہ گوشت سے نکلتا ہے اور کسی پسینے کا حکم بھی وہی ہے جو تھوک کا حکم ہے۔اس لئے اگر پسینہ لگنے سے کپڑا نہیں دھویا اور پسینہ پاک ہے تو اس اعتبار سے تھوک بھی پاک ہونا چاہئے۔تو گویا کہ گدھے کے تھوک کے سلسلے میں دونوں قسم کے دلائل ہیں اس لئے گدھے کا جوٹھا مشکوک ہے۔نجس ہونے کی دلیل یہ ہے **عن جابر بن عبد الله قال نهى رسول الله ﷺ يوم خيبر عن لحوم الحمر ورخص في الخيل** (الف)(بخاری شریف، باب غزوة خیبر ج ثانی ص ٦٠٦ نمبر ٤٢١٩) جب گوشت حلال نہیں تو تھوک بھی پاک نہیں ہوگا۔اور تھوک پاک ہونے کی دلیل یہ ہے **عن معاذ قال كنت ردف النبي ﷺ على حمار يقال له عفير** (ب)(بخاری شریف، باب اسم الفرس والحمار ص ٤٠٠ نمبر ٢٨٥٦) آپ گدھے پر سوار ہوئے تو کپڑے پر پسینہ لگا ہوگا اور پسینہ پاک ہے تو تھوک بھی پاک ہونا چاہئے۔ان دونوں قسم کے دلائل کی وجہ سے گدھے کا جوٹھا مشکوک ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک پچھلے دلائل کی وجہ سے گدھے کا جوٹھا پاک ہے۔

البغل : خچر چونکہ گدھی سے پیدا ہوتا ہے اس لئے جو حکم گدھی کے جوٹھے کا ہوا وہی حکم خچر کا بھی ہوا۔یعنی اس کا جوٹھا مشکوک ہے۔

لغت البغل : خچر

(٦٣) پس اگر کوئی انسان گدھے اور خچر کے جوٹھے کے علاوہ نہ پائے تو دونوں پانی سے وضو بھی کرے اور تیمّم بھی کرے۔اور جس کو بھی پہلے کرے جائز ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے غزوۂ خیبر کے دن گدھے کے گوشت کھانے سے روکا اور گھوڑے کے گوشت میں رخصت دی (ب) حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کے پیچھے گدھے پر سوار تھا جس کا نام عفیر تھا۔

بدأ جاز.

وجہ جب گدھا اور خچر کا جوٹھا مشکوک ہوا تو تو وہ پاک بھی ہے اور ناپاک بھی ہے۔ اس لئے اگر کوئی اور پانی نہیں ہے صرف گدھے کا جوٹھا یا خچر کا جوٹھا پانی اس کے پاس ہو تو چونکہ پانی ہے اس لئے اس کو وضو کرنا چاہئے لیکن یہ پانی ناپاک بھی ہو سکتا ہے اس لئے اس کو تیمّم کرنا چاہئے۔ اب پہلے وضو کرے اور بعد میں تیمّم کرے وہ بھی ٹھیک ہے اور پہلے تیمّم کرے بعد میں وضو کرے وہ بھی ٹھیک ہے۔

﴿باب التیمم﴾

[٦٤](١)ومن لم یجد الماء وهو مسافراو خارج المصربینه و بین المصر نحو المیل او اکثر.

﴿ باب التیمم ﴾

ضروری نوٹ التیمم : تیمّم کے معنی ارادہ کرنے کے ہیں۔اورشریعت میں حدث سے پاک کرنے کے لئے مٹی کاارادہ کرنے کوتیمّم کہتے ہیں۔اس کی دلیل یہ آیت ہے فلم تجدو ماء فتیمموا صعیدا طیبا فامسحوا بوجوهکم وایدیکم (الف)(آیت۴۳سورۃ النساء۴) پانی پرقدرت نہ ہوتو تیمّم جائز ہے۔

[٦٤](١)جو پانی نہ پائے اس حال میں کہ وہ مسافر ہو یا شہر سے باہر ہواوراس آدمی کے درمیان اورشہر کے درمیان تقریبا ایک میل یااس سے زیادہ ہو(تو وہ تیمّم کریگا)

وجہ (١)پانی نہ پانے کے وقت تیمّم کرنے کاحکم اس آیت میں ہے وان کنتم مرضی او علی سفر او جاء احد منکم من الغائط او لمستم النساء فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا فامسحوا بوجوهکم وایدیکم منه(ب)(آیت٦سورۃ المائدہ۵) (٢)حدیث میں ہے عن ابی ذر...قال رسول الله ﷺ الصعید الطیب وضوء المسلم ولو الی عشر سنین (ابوداؤد شریف، باب الجنب یتیمم ص۵۳نمبر۳۳۲) آیت میں ہے کہ پانی نہ پائے تو تیمّم کرسکتا ہے۔اب پانی نہ پانے کی مصنفؒ نے چارصورتیں بیان کی ہیں(١)مسافرہواوراس کے پاس پانی نہ ہو(٢)یاشہر سے باہر ہواور پانی سے ایک میل دور ہوتو تیمّم کرسکتا ہے کیونکہ ایک میل سے کم فاصلہ ہوتو گویا کہ وہ پانی کے پاس ہے۔کیونکہ پندرہ منٹ میں پانی لیکرآجائیگااس لئے کوئی حرج نہیں ہوگا۔البتہ ایک میل یااس سے دور ہوتو وہاں تک جاکر پانی لانے میں حرج ہےاس لئے اب تیمّم کرسکتا ہے(٣)ایک میل دور ہونے کی دلیل ابن عمرؓ کااثر ہے عن نافع یتیمم ابن عمر علی رأس میل او میلین من المدینة فصلی العصر فقدم والشمس مرتفعة (ج)(دارقطنی، باب فی بیان الموضع الذی یجوز التیمم فیہ وقدرہ من البلد وطلب الماء ج اول ص۱۹۵نمبر۷۰۹) بخاری شریف میں ہے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے مربد الغنم میں تیمّم کیااورنماز پڑھی (بخاری شریف، باب التیمم فی الحضر اذالم یجد الماء، ج اول، ص۴۸، نمبر۳۳۷)اورمربد کے بارے میں دارقطنی میں ہے کہ وہ مدینہ سے تین میل پر ہے۔ان ابن عمرؓ تیمم بمربد النعم وصلی وهو علی ثلثة امیال من المدینة (دارقطنی، باب فی بیان الموضع الذی یجوز التیمم فیہ ج اول ص۱۹۵نمبر۷۰۷)ان آثار سے معلوم ہوا کہ پانی سے ایک میل دور ہوتب تیمّم کرے اس سے کم دوری پر نہیں۔

حاشیہ : (الف)اگرپانی نہ پاؤتوپاک مٹی سےتیمم کرلواس طرح کہ اپنے چہرےاوراپنے ہاتھوں کو پونچھ لو(ب)اگرتم بیمار ہو یاسفر پر ہواورتم میں سےکوئی پاخانہ سے آیا ہو یا بیوی سے جماع کیا ہواور پانی نہ پائےتو تیمّم کرلو پاک مٹی سے اس طرح کہ چہرے اور ہاتھوں کو پونچھ لو(ج) حضرت ابن عمرؓ نے مدینہ سے ایک میل یادومیل دوری پرتیمّم فرمایا پھرعصر کی نماز پڑھی پھرمدینہ تشریف لائےتو سورج بلند تھا۔

[٦٥] (٢) او كان يجد الماء الا انه مريض فخاف ان استعمل الماء اشتد مرضه او خاف الجنب ان اغتسل بالماء يقتله البرد او يمرضه فانه يتيمم بالصعيد[٦٦](٣) والتيمم

---

[٦٥] (٢) اگر پانی تو پاتا ہو مگر یہ کہ بیمار ہو پس خوف ہو کہ اگر پانی استعمال کرے گا تو اس کا مرض بڑھ جائے گا۔ یا جنبی کو خوف ہو کہ اگر غسل کرے گا تو سردی اس کو مار ڈالے گی یا اس کو بیمار کر دے گی تو وہ پاک مٹی سے تیمّم کر سکتا ہے۔

وجہ (ا) شریعت انسان کو مشقت شدیدہ میں مبتلا کرنا نہیں چاہتی اس لئے اگر بیماری بڑھ جانے کا خوف ہو یا بیمار ہو جانے کا ظن غالب ہو تو تیمّم کر سکتا ہے (۲) آیت **لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا** (الف) (آیت ۲۸۶ سورۃ البقرۃ) (۳) حدیث میں ہے کہ بیمار ہونے کا ظن غالب ہو تو تیمّم کر سکتا ہے **عمرو ابن العاص یذکر ان عمر ابن العاص اجنب فی لیلۃ باردۃ فتیمم وتلا ولاتقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما فذکر ذلک للنبی ﷺ فلم یعنف** (ب) (بخاری شریف، باب اذا خاف الجنب علی نفسہ المرض او الموت او خاف العطش تیمم، ج اول، ص ۴۹، نمبر ۳۴۵) معلوم ہوا کہ سردی سے مرض بڑھنے کا خوف ہو یا بیمار ہونے کا خوف ہو تو تیمّم کر سکتا ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں جان جانے کا خوف ہو یا عضو تلف ہونے کا خوف ہو تب تیمّم کر سکتا ہے اس سے پہلے نہیں۔

لغت الصعید : پاک مٹی۔

[٦٦] (٣) تیمّم کے دو ضربے ہیں۔ ایک کو چہرے پر ملے اور دوسرے کو دونوں ہاتھوں پیر کہنیوں سمیت۔

تشریح تیمّم کے لئے دو ضربے ہونگے۔ ایک ضربہ زمین پر مار کر چہرے پر ملیگا اور دوسرا زمین پر مار کر دونوں ہاتھوں پر ملیگا کہنیوں سمیت

وجہ حدیث میں ہے **عن عمار بن یاسر حین تیمموا مع رسول اللہ ﷺ فامر المسلمین فضربوا باکفھم التراب ولم یقبضوا من التراب شیئا فمسحوا بوجوھھم مسحۃ واحدۃ ثم عادوا فضربوا باکفھم الصعید مرۃ اخری فمسحوا بایدیھم** (ج) (ابن ماجہ شریف، باب فی التیمم ضربتین، ص ۸۱، نمبر ۵۷۱ / ابوداؤد شریف، باب التیمم ص ۵۱ نمبر ۳۱۸) **عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال التیمم ضربتان صربۃ للوجہ و ضربۃ للیدین الی المرفقین** (د) دار قطنی ج اول ص ۱۸۸ نمبر ۶۷۴)

نوٹ تیمّم وضو کے قائم مقام ہے اس لئے پورے چہرے کو اور پورے ہاتھ کو کہنیوں سمیت گھیرنا ضروری ہے۔ جیسا کہ دار قطنی کی حدیث سے معلوم ہوا۔

فائدہ صحاح ستہ کی کتابوں میں ایک ضربہ کا تذکرہ ہے اس لئے امام احمدؒ اور اسحاقؒ کی رائے ہے کہ ایک ضربہ سے چہرہ اور ہاتھ ملنا کافی ہے۔ البتہ جمہور ائمہ کا مسلک یہی ہے کہ دو ضربے ضروری ہیں۔ امام احمدؒ کی دلیل یہ حدیث ہے **عن عمار بن یاسر قال سألت النبی**

حاشیہ : (الف) اللہ کسی نفس کو مکلّف نہیں بناتے مگر اس کی وسعت کے مطابق (ب) عمرابن عاصؓ سردی کی رات میں جنبی ہو گئے تو ولاتقتلوا انفسکم الخ آیت پڑھی۔ اس کا تذکرہ حضورؐ کے پاس کیا گیا تو آپؐ نے تنبیہ نہیں کی (ج) عمار بن یاسرؓ نے حضورؐ کے ساتھ تیمّم کیا تو مسلمانوں کو حکم دیا تو انہوں نے اپنی ہتھیلی کو مٹی پر مارا اور مٹی سے کچھ بھی نہیں لیا پھر اپنے چہرے پر ایک مرتبہ ملا، پھر دوبارہ اپنی ہتھیلیوں کو مٹی پر مارا اور اپنے ہاتھوں پر ملا (د) تیمّم دو ضربے ہیں۔ ایک ضربہ چہرے کے لئے اور ایک ضربہ ہات کے لئے کہنیوں سمیت۔

ضربتان يمسح باحدٰيهما وجهه وبالاخرى يديه الى المرفقين[٦٧] (۴) والتيمم فى الجنابة والحدث سواء [٦٨](۵)ويجوز التيمم عند ابى حنيفة و محمد رحمهما الله تعالى بكل ماكان من جنس الارض كالتراب والرمل والحجر والجص والنورة والكحل

ﷺ **عن التيمم فامر نى ضربة واحدة للوجه والكفين** (ابوداؤد شریف، باب التیمم، ص۵۲ نمبر ۳۲۷ / بخاری شریف، باب التیمم ضربۃ، نمبر ۳۴۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چہرے اور ہاتھ کے لئے ایک ہی ضربہ کافی ہے۔

[٦٧] (۴) تیمّم جنابت اور حدث کے لئے برابر ہے۔

وجہ تیمّم جنابت کے لئے اور حیض اور نفاس کے غسل کے لئے بھی کیا جائیگا۔ اور حدث اصغر یعنی وضو کے لئے بھی کیا جائیگا۔ اور سب کے لئے دو ہی ضربے ہیں۔ ایک چہرے کے لئے اور دوسرا ہاتھ کے لئے۔ سر اور پاؤں پر تیمّم ساقط ہو جائیگا۔ حدیث میں ہے (۱) اوپر مسئلہ نمبر ۲ میں عمرو بن عاص کی حدیث گزر گئی جس سے معلوم ہوا کہ تیمّم جنبی کے لئے بھی جائز ہے (۲) آیت میں ہے کہ جنبی بھی تیمّم کر سکتا ہے۔ **او جاء احد منكم من الغائط او لامستم النساء فلم تجدوا ماء فتيمموا صعيدا طيبا** (آیت ۴۳، سورۃ النساء ۴) (۳) **عن ابى هريرة قال جاء اعرابى الى رسول الله** ﷺ **فقال انا نكون فى الرمل وفينا الحائض والجنب والنفساء فيأتى علينا اربعة اشهر لا نجد الماء قال عليك بالتراب يعنى التيمم** (الف) (سنن للبیھقی، باب ماروی فی الحائض والنفساء ایکفیھما التیمم عند انقطاع الدم اذا عدمتا الماء، ج اول، ص ۳۳۳، نمبر ۱۰۳۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ اور نفساء عورت بھی پانی پر قدرت نہ ہوتے وقت غسل کے لئے تیمّم کرے گی۔ اور بخاری کی حدیث سے معلوم ہوا کہ جنبی بھی صرف چہرے اور ہاتھ پر تیمّم کرے گا۔ پاؤں اور سر ساقط ہوں گے۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **الم تسمع قول عمار لعمر ان رسول الله ؐ بعثنى انا وانت فاجنبت فتمعكت بالصعيد فاتينا رسول الله ؐ فاخبرناه فقال انما كان يكفيك هكذا ومسح وجهه وكفيه واحدة** (ب) (بخاری شریف، باب التیمم ضربۃ، ص ۵۰، نمبر ۳۴۷)

[٦٨] (۵) جائز ہے تیمّم امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہر وہ چیز سے جو زمین کی جنس سے ہو۔ جیسے مٹی، ریت، پتھر، گچ، چونہ، سرمہ اور ہڑتال سے۔ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ نہیں جائز ہے مگر مٹی اور ریت سے خاص طور پر۔

وجہ (۱) **جابر ابن عبدالله ان رسول الله** ﷺ **قال جعلت لى الارض مسجدا و طهورا** (ج) (بخاری شریف، کتاب التیمم ص ۴۸ نمبر ۳۳۵) جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ زمین سے تیمّم کر سکتے ہیں۔ تو زمین کی جنس سے جتنی چیزیں ہیں ان تمام سے تیمّم کیا جا سکتا

حاشیہ : (الف) ایک دیہاتی رسول اللہ کے پاس آیا اور کہا کہ ہم لوگ ریت میں رہتے ہیں اور ہم میں حائضہ اور جنبی اور نفساء ہوتے ہیں اور ہم پر چار چار ماہ گزر جاتے ہیں کہ ہم پانی نہیں پاتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ آپ کے لئے مٹی ہے۔ یعنی مٹی سے تیمّم کرو (ب) حضرت عمارؓ فرماتے ہیں کہ مجھے اور تمہیں یعنی حضرت عمرؓ کو حضورؐ نے بھیجا تو میں جنبی ہو گیا۔ پس میں مٹی میں لوٹ پوٹ ہو گیا۔ پھر حضورؐ کے پاس آئے اور بتایا تو آپؐ نے فرمایا تم کو صرف اتنا کر لینا کافی ہے۔ پھر اپنے چہرے اور دونوں ہتھیلیوں پر ایک مرتبہ مارا (ج) جابر بن عبداللہ سے حضورؐ نے فرمایا کہ زمین ہمارے لئے مسجد اور پاک کرنے کی چیز بنادی گئی ہے۔

والزرنیخ وقال ابو یوسف رحمه الله تعالی لا یجوز الا بالتراب والرمل خاصة[۶۹](۶) والنیة فرض فی التیمم و مستحبةفی الوضوء[۷۰](۷) وینقض التیمم کل شیء ینقض الوضوء.

ہے۔چاہےاس میں اگنے کی صلاحیت ہو یا نہ ہو۔جیسے پتھر وغیرہ (۲) آیت تیمّم میں ہے **فتیمموا صعیدا طیبا** اورصعید کے معنی زمین کا اوپر کا حصہ ہے چاہےاس میں اگنے کی صلاحیت ہو یا نہ ہو۔اس لئے ریت ، پتھر، گچ، چونہ،سرمہ اور ہڑتال سے بھی تیمّم کرسکتا ہے۔اثر میں ہے ۔**عن حماد قال تیمم بالصعید والجص والجبل والرمل** (مصنف ابن ابی شیبہ،۱۹۶ ما یجزی الرجل فی تیمیہ ، ج اول ص ۱۴۸،نمبر ۱۷۰۴)اس اثر سے امام ابوحنیفہ کی تائید ہوتی ہے۔

نوٹ ہر وہ چیز جو آگ میں جلے نہیں اور پگھلے نہیں وہ تمام چیزیں زمین کی جنس سے ہیں۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ حدیث کی بنیاد پر یہ فرماتے ہیں کہ صرف وہ مٹی جس میں اگنے کی صلاحیت ہو اور ریت سے تیمّم کرسکتا ہے دوسری چیزوں سے تیمّم نہیں کرسکتا۔ ان کی دلیل یہ اثر ہے۔**عن ابن عباس قال اطیب الصعید الحرث والارض الحرث** (مصنف ابن ابی شیبة ،۱۹۶ ما یجزی الرجل فی تیمیہ ،ص ۱۴۸،نمبر ۱۷۰۲)

لغت التراب : مٹی۔ الرمل : ریت، الجص : گچ، النورۃ : چونہ، الکحل : سرمہ، الزرنیخ : ہڑتال (ایک قسم کی دھات ہوتی ہے)

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک صرف مٹی سے تیمّم جائز ہے۔ان کی دلیل امام ابو یوسف کی دلیل ہے۔

[۶۹](۶) تیمّم میں نیت فرض ہےاور وضو میں مستحب ہے۔

وجہ (۱) تیمّم کے معنی ہی ہیں قصد اور ارادہ کرنے کے،اس لئے تیمّم میں تیمّم کرنے کا ارادہ اور نیت کی جائے گی تو پاکی ہوگی۔اور بغیر ارادہ کے چہرہ اور ہاتھ پر مٹی پھر گئی تو پاکی نہیں ہوگی (۲) پانی بذاتہ خود طاہر اور طہور ہے۔اس کے برخلاف مٹی سے تو چہرہ اور خراب ہوتا ہے۔اس لئے وضو میں نیت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔اس لئے وہاں نیت کرنا مستحب ہے۔اور مٹی بذاتہ مطہر نہیں ہے اس لئے نیت کرنے سے مطہر بنے گی۔اس لئے تیمّم میں نیت کرنا فرض ہے۔آیت میں ہے۔ **تیمموا صعیدا طیبا** (آیت ۴۳،سورۃ النساء۴)اس کا ترجمہ ہے پاک مٹی کا رادہ کرو۔جس سے ارادہ اور نیت کا ثبوت ہوا۔

﴿ نواقض تیمّم کا بیان ﴾

[۷۰](۷) تیمّم کو وہ تمام چیزیں توڑتی ہیں جو وضو کو توڑتی ہیں۔

وجہ تیمّم وضو کے قائم مقام ہےاس لئے جو احداث وضو کو توڑتے ہیں وہ تمام تیمّم کو بھی توڑ دیں گے۔اسی طرح غسل کا تیمّم غسل کے قائم مقام ہے۔اس لئے جو جنابت،حیض اور نفاس غسل کو توڑتے ہیں وہ غسل کے تیمّم کو توڑ دیں گے۔

[۷۱](۸) وينقضه ايضا روية الماء اذا قدر على استعماله[۷۲] (۹) ولا يجوز التيمم الا بصعيد طاهر[۷۳](۱۰) ويستحب لمن لم يجد الماء وهو يرجو ان يجده فى آخر الوقت ان يؤخر الصلوة الى آخر الوقت فان وجد الماء توضأ وصلى والا تيمم[۷۴](۱۱) ويصلى بتيممه ماشاء من الفرائض والنوافلْ

---

[۷۱](۸) نیز تیمّم کوتوڑدے گاپانی کودیکھناجب کہ پانی کےاستعمال پرقدرت ہو۔

وجہ چونکہ تیمّم پانی پرقدرت نہ ہونے کی حالت میں جائز ہےاس لئے جوں ہی پانی پرقدرت ہوگی تیمّم ٹوٹ جائیگا۔آیت میں ہے فلم تجدو ماء فتيمموا صعيدا طيبا۔اوراس نے پانی پالیا تو تیمّم ٹوٹ جائیگا۔وضو کے تیمّم ٹوٹنے کے لئے وضو کی مقدار پانی اورغسل کے تیمّم کے لئے غسل کی مقدار پانی پرقدرت ہوتو ٹوٹے گا۔

[۷۲](۹) اورتیمّم جائزنہیں ہےمگر پاک مٹی سے۔

وجہ (۱) آیت میں ہے فتيمموا صعيدا طيبا (آیت ۶ سورۃ المائدۃ ۵) کہ پاک مٹی سے تیمّم کرو۔اس لئے ناپاک مٹی سے تیمّم درست نہیں ہے(۲) حدیث میں ہے کہ پاک مٹی سے تیمّم درست ہوگا فقال ابو ذر... فقال رسول الله ﷺ يا ابا ذر ان الصعيد الطيب طهور وان لم تجد الماء الى عشر سنين فاذا وجدت الماء فامسه جلدک (ابوداؤدشریف،باب الجنب یتیمم ص ۵۳ نمبر ۳۳۳)(۳) جب مٹی دوسرے کوپاک کرے گی تو خود بھی پاک ہونا چاہئے۔

[۷۳](۱۰) اس آدمی کے لئے مستحب ہے جو پانی نہ پاتا ہولیکن امید ہے کہ آخری وقت میں پانی پالیگا تو نماز آخری وقت تک مؤخر کردے۔پس اگر پانی پایاتو وضو کرےاورنماز پڑھےورنہ تیمّم کرے۔

وجہ (۱) جس کے پاس ابھی پانی نہیں ہےتو وہ ابھی بھی تیمّم کرکےنماز پڑھ سکتا ہے۔کیونکہ حقیقت میں مجبوری تو ابھی ہے۔البتہ پانی ملنے کی امید ہےاس لئے اصل پرعمل کرنے کے لئے مستحب یہ ہے کہ پانی ملنے تک نماز مؤخر کرے۔پس اگر پانی مل جائے تو وضو کرکے اصل پرنماز پڑھےورنہ تو تیمّم کرکےنماز پڑھے(۲) حضرت علیؓ کا قول ہے اذا اجنب الرجل فى السفر تلوم ما بينه و بين آخر الوقت فان لم يجد الماء تيمم و صلى (الف)(دارقطنی،باب فی بیان الموضع الذی یجوز التیمم فیہ ج اول ص ۱۹۵ نمبر ۷۱۰/سنن للبیہقی،باب من تلوم مابینہ وبین آخرالوقت رجاء وجودالماء،ج اول،ص ۳۳۵،نمبر ۱۱۰۱)) حدیث سے معلوم ہوا کہ پانی کی امید کرنے والوں کے لئے مؤخر کرنا مستحب ہے۔

نوٹ اول وقت میں نماز پڑھ لی پھر پانی پایاتو نماز نہیں لوٹائے گا۔حدیث ابوداؤد سے ثابت ہے

[۷۴](۱۱) ایک تیمّم سے جتنے فرائض اورنوافل پڑھنا چاہے پڑھ سکتا ہے۔

حاشیہ : (الف) اگرآدمی سفرمیں جنبی ہوجائےتواس کےدرمیان آخری وقت تک انتظارکرے،پس اگر پانی نہ پائےتو تیمّم کرےاورنماز پڑھے۔

[۷۵] (۱۲) ویجوز التیمم للصحیح المقیم اذا حضرت جنازۃ والولی غیرہ فخاف ان اشتغل بالطھارۃ ان تفوتہ صلوۃ الجنازۃ فلہ ان یتیمم ویصلی.

وجہ (۱) تیمّم وضو کا مکمل نائب ہے۔جس طرح ایک وضو سے کئی وقت کے فرائض پڑھ سکتا ہے اسی طرح ایک تیمّم سے کئی وقت کے فرائض پڑھ سکتا ہے۔ایسا نہیں ہے کہ وقت ختم ہوتے ہی تیمّم ٹوٹ جائے گا (۲) آیت میں وضو، غسل اور تیمّم کے تذکرے کے بعد یہ فرمایا لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطھرکم (آیت ۶ سورۃ المائدہ ۵) اس کا مطلب یہ ہے کہ وضو، غسل اور تیمّم تینوں کے ذریعہ مکمل پاک کرنا چاہتے ہیں۔اس لئے تیمّم سے بھی وضو کی طرح کئی نماز پڑھ سکتے ہیں (۳) حدیث میں ہے۔ان الصعید الطیب طھور وان لم تجد الماء الی عشر سنین (الف) (ابوداؤد شریف، باب الجنب یتیمم ص ۵۳ نمبر ۳۳۳) طھور کا مطلب یہ ہے کہ تیمّم کا حکم وضو کی طرح ہے کہ ایک تیمّم سے کئی نمازیں پڑھ سکتا ہے

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک ایک تیمّم سے ایک فرض پڑھ سکتا ہے۔اور اس کے تابع کر کے نوافل اور سنن پڑھ سکتا ہے۔لیکن جب دوسرے فرض کا وقت آئے گا تو اس کے لئے دوسرا تیمّم کرنا ہوگا پہلا تیمّم کافی نہیں ہوگا۔

وجہ (۱) تیمّم ان کے نزدیک طہارت ضروری ہے یعنی وقت آنے پر پانی نہ ملے تو اب اس وقت تیمّم کریں۔اس لئے تیمّم کی ابتدا وقت فرض آنے پر ہوگی (۲) حضرت عمرو ابن العاص، حضرت علی اور حضرت عبداللہ ابن عمر کا قول ہے یتیمم لکل صلوۃ (ب) (دار قطنی، باب التیمم وانہ یفعل لکل صلوۃ ج اول ص ۱۹۳ نمبر ۶۹۸ / السنن للبیھقی، باب التیمم لکل فریضۃ، ج اول، ص ۳۳۹، نمبر ۱۰۵۴)) اس لئے وہ ہر نماز کے وقت الگ الگ تیمّم کرنا واجب قرار دیتے ہیں (موسوعۃ امام شافعی، باب متی یتیمم للصلوۃ، ج اول، ص ۱۸۳)

[۷۵] (۱۲) جائز ہے تیمّم کرنا تندرست آدمی کے لئے جو مقیم ہو۔جب کہ جنازہ حاضر ہو جائے اور ولی اس کے علاوہ ہو اور خوف ہو کہ اگر وضو کرنے میں مشغول ہو تو نماز جنازہ اس سے فوت ہو جائے گی تو اس کے لئے جائز ہے کہ تیمّم کرے اور نماز پڑھے۔

وجہ (۱) حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ ولی نے نماز جنازہ پڑھ لی تو دوبارہ نماز جنازہ نہیں پڑھ سکتا۔اس لئے جو آدمی میت کا ولی نہیں ہے وہ نماز نہیں پڑھے گا تو اس سے ہمیشہ کے لئے وہ نماز جنازہ فوت ہو جائے گی۔اب چاہے وہ تندرست ہے، مقیم ہے پانی ایک میل کے اندر ہے لیکن خوف ہے کہ وضو کرنے گیا تو نماز جنازہ فوت ہو جائے گی۔اس مجبوری کی بنا پر گویا کہ اس کو پانی پر قدرت نہیں ہے اس لئے تیمّم کر کے نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے (۲) عن ابن عباس قال اذا خفت ان تفوتک الجنازۃ وانت علی غیر وضوء فتیمم و صلی (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۹۳ فی الرجل ان یخاف ان تفوتہ الصلوۃ علی الجنازۃ وھو غیر متوضی، ج ثانی ص ۴۹۷، نمبر ۱۱۴۶۷، کتاب الجنائز) اس اثر سے معلوم ہوا کہ خوف ہو تو نماز جنازہ کے لئے تیمّم کر سکتا ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک دوبارہ نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے اس لئے تیمّم کرنے کی مجبوری نہیں ہے۔اس لئے نماز جنازہ کے فوت ہونے

حاشیہ : (الف) پاک مٹی مسلمان کا وضو ہے چاہے دس سال تک ہو (ب) ہر نماز کے لئے تیمّم کرے (ج) ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر نماز جنازہ فوت ہونے کا خوف ہو اور تم وضو پر نہیں ہو تو تیمّم کرو اور نماز پڑھو۔

[۷۶] (۱۳) وکذلک من حضر العیدفخاف ان اشتغل بالطاھارۃ ان یفوتہ العید[۷۷] (۱۴) وان خاف من شھد الجمعۃ ان اشتغل بالطھارۃ ان تفوتہ الجمعۃ توضأ فان ادرک الجمعۃ صلاھاوالا صلی الظھراربعا[۷۸] (۱۵) وکذلک ان ضاق الوقت فخشی ان

کے لئے تیمّم نہیں کرسکتا (۲) عن ابن عمر انہ قال لا یصلی علی الجنازۃ الا وھو طاھر (الف) (السنن للبیھقی، باب الصحیح المقیم یتوضأ المکتوبۃ والجنازۃ والعیدولا یتیمم ص ۳۵۲، نمبر ۱۰۹۳) وہ طہارت سے صرف وضو کی طہارت لیتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ مجبوری کے موقع پر تیمّم بھی طہارت ہے اس لئے ابن عمر کا قول حنفیہ کے خلاف نہیں ہوا

نوٹ خود ولی کی نماز جنازہ فوت ہونے کا خطرہ ہو تو تیمّم نہیں کرسکتا۔ کیونکہ وہ دوبارہ نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے۔ اس لئے اس کے حق میں مجبوری نہیں ہوئی

[۷۶] (۱۳) ایسے ہی جو عید کی نماز کے لئے حاضر ہوا اور خوف ہو کہ اگر وضو میں مشغول ہوا تو اس سے عید کی نماز فوت ہو جائے گی (تو تیمّم کرکے نماز پڑھ لے)

وجہ (۱) نماز عید بھی امام کے ساتھ فوت ہو جائے تو دوبارہ نہیں پڑھ سکتا اور وضو کے لئے جائے گا تو نماز فوت ہو جائے گی۔ اس لئے گویا کہ پانی پر قدرت نہیں ہے۔ اس لئے تیمّم کرکے نماز عید پڑھ سکتا ہے۔ باقی دلائل اوپر گزر گئے (۲) عن ابراھیم قال یتیمم للعیدین والجنازۃ (مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۹ الرجل یحدث یوم العید ما یصنع، ج ثانی ص ۹، نمبر ۵۸۶۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ اور عید کے فوت ہونے کا خوف ہو تو تیمّم کرکے نماز پڑھ سکتا ہے۔

[۷۷] (۱۴) اگر اس کو خوف ہو جو جمعہ میں حاضر ہوا کہ اگر وضو میں مشغول ہوگا تو جمعہ فوت ہو جائیگا پھر بھی وضو کرے۔ پس اگر جمعہ پائے تو اس کو پڑھے ورنہ ظہر کی نماز چار رکعت پڑھے۔

وجہ جمعہ فوت ہو جائے تو اس کا خلیفہ ظہر کی نماز ہے۔ اس لئے جمعہ کا فوت ہونا مکمل فوت ہونا نہیں ہے۔ اس لئے تیمّم نہیں کریگا بلکہ وضو ہی کرے گا۔ پس اگر جمعہ مل گیا تو وہ پڑھے ورنہ اس کا خلیفہ ظہر پڑھے۔ اس اثر سے استدلال ہے۔ سئل عن الحسن عن رجل احدث یوم الجمعۃ فذھب لیتوضأ فجاء وقد صلی الامام قال یصلی اربعا (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۰۸ الرجل یحدث یوم الجمعۃ، ج اول، ص ۴۸۴، نمبر ۵۵۷۹) اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے لئے وضو کرے۔

اصول جو نماز فوت ہو جائے اور اس کا نائب نہ ہو اس کے لئے تیمّم کرسکتا ہے اور جس کا نائب ہو اس کے لئے تیمّم نہ کرے۔

[۷۸] (۱۵) ایسے ہی اگر وقت تنگ ہو جائے۔ پس ڈر ہو کہ اگر وضو کرے گا تو وقت فوت ہو جائے گا۔ پھر بھی تیمّم نہ کرے لیکن وضو کرے اور نماز قضا کرکے پڑھے۔

حاشیہ : (الف) ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جنازے کی نماز نہ پڑھے مگر طہارت کی حالت میں (ب) حضرت حسن کو پوچھا کسی آدمی کو جمعہ کے دن حدث لاحق ہو گیا۔ وہ وضو کرنے گیا واپس آیا تو امام نماز پوری کر چکا تھا؟ فرمایا چار رکعت ظہر پڑھے۔

توضأ فاته الوقت لم يتيمم ولكنه يتوضاو يصلى فائتته[۷۹](۱۶) والمسافر اذا نسى الماء فى رحله فتيمم وصلى ثم ذكر الماء فى الوقت لم يعد صلوته عند ابى حنيفة ومحمد وقال ابو يسف يعيد[۸۰](۱۷) وليس على المتيمم اذا لم يغلب على ظنه ان

وجہ یہاں وقت تنگ ہونے کی وجہ سے نماز قضا ہوگی۔اور قضا ادا کا خلیفہ ہے۔اس لئے نماز مکمل فوت نہیں ہوئی۔اس لئے وضو کرے گا۔اور وقت فوت ہو گیا تو قضا نماز پڑھے گا۔

[۷۹](۱۶) مسافر پانی اپنے کجاوہ میں بھول گیا اور تیمّم کیا اور نماز پڑھی پھر وقت میں پانی یاد آیا تو اپنی نماز نہیں لوٹائیگا امام ابوحنیفہ اور محمد رحمہما اللہ کے نزدیک۔اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا نماز لوٹائے گا۔

وجہ طرفینؒ فرماتے ہیں کہ کجاوہ میں عموما پانی خود پینے کے لئے اور اونٹ کو پلانے کے لئے ہوتا ہے۔وضو کرنے کے لئے صحرا اور جنگل میں کجاوہ میں پانی نہیں رکھتے۔اس لئے پانی بھول جانا پانی نہ پانے کے لئے مقبول عذر ہے۔اس لئے گویا کہ اس نے پانی نہیں پایا۔اس لئے اس کا تیمّم درست ہے۔اس لئے نماز نہیں لوٹائے گا۔

اصول کجاوہ کی حالت پانی کو یاد دلانے والی نہیں ہے۔

فائدہ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ کجاوہ میں عموما پانی ہوتا ہے چاہے وہ پینے کے لئے ہی ہو۔اس لئے نہ اس کا تیمّم درست ہے اور نہ نماز۔اس لئے نماز لوٹائے گا۔

اصول کجاوہ کی حالت پانی کو یاد دلانے والی ہے۔

نوٹ اختلاف اس صورت میں ہے جب خود پانی رکھا ہو۔یا اس کے حکم سے کسی نے پانی رکھا ہو۔اور اگر کسی اور نے اس کے کجاوہ میں پانی رکھا تھا تو بالاتفاق تیمّم کرنا درست ہے کیونکہ یہ معذور ہے۔

نوٹ یہ مسئلہ اصول پر مبنی ہے۔

لغت رحل : کجاوہ

[۸۰](۱۷) تیمّم کرنے والے پر پانی تلاش کرنا ضروری نہیں ہے جب کہ اس کو غالب گمان نہیں ہے کہ اس کے قریب پانی ہے

وجہ (۱) جنگل اور صحرا میں ہے اور قرب و جوار میں پانی کے آثار نہیں ہیں اور غالب گمان نہیں ہے کہ ایک میل کے اندر پانی ملے گا تو حقیقی طور پر بھی پانی پانے والا نہیں ہے اور آثار سے بھی پانی پانے والا نہیں ہے۔اس لئے اس پر پانی کا تلاش کرنا ضروری نہیں ہے (۲) اس کا اندازہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے عمل سے بھی ہوتا ہے **عن نافع انه اقبل هو و عبد الله بن عمر من الجرف حتى اذا كانا بالمربد نزل عبد الله فتيمم صعيدا طيبا فمسح بوجهه ويديه الى المرفقين ثم صلى** (الف) (مؤطا امام مالک، باب العمل فی التیمم

حاشیہ : (الف) حضرت نافع اور حضرت عبداللہ بن عمر مقام جرف سے تشریف لا رہے تھے۔یہاں تک کہ جب دونوں مربد کے پاس آئے تو عبداللہ بن عمر اترے پھر پاک مٹی سے تیمّم کیا۔پس چہرے کو پونچھا اور دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت پونچھا پھر نماز پڑھی۔

بقربه ماء ان يطلب الماء[٨١](١٨)وان غلب على ظنه ان هناك ماء لم يجز له ان يتيمم حتى يطلبه[٨٢](١٩) وان كان مع رفيقه ماء طلبه منه قبل ان يتيمم فان منعه منه تيمم و صلى.

ص۴۱)اور بخاری کی اسی حدیث میں اتنی عبارت زیادہ ہے **ثم دخل المدينة والشمس مرتفعة فلم يعد** (الف)(بخاری شریف، باب التیمم فی الحضر اذا لم یجد الماء ص ۴۸،نمبر ۳۳۷)ان دونوں حدیثوں کو ملانے سے معلوم ہوا کہ اگر پانی دور ہو اور قریب میں ملنے کی امید نہ ہو تو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر نے مدینہ آنے کے بعد نماز نہیں لوٹائی۔

[۸۱](۱۸)اور اگر اس کو غالب گمان ہے کہ یہاں (قریب میں) پانی ہے تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ تیمم کرے یہاں تک کہ پانی کو تلاش کرے۔

وجہ (۱)غالب گمان یہ پانی پانے کی علامت ہے۔اس لئے پانی پاتے وقت تیمم نہیں کرسکتا جب تک کہ پانی تلاش کرنے کے بعد یہ یقین نہ ہو جائے کہ ایک میل کے اندر پانی نہیں ہے(۲) حضرت علیؓ کا قول بھی ہے **عن علی اذا اجنب الرجل فی السفر تلوم ما بينه وبين آخر الوقت فان لم يجد الماء تيمم و صلى** (دار قطنی، باب فی بیان الموضع الذی یجوز التیمم فیہ ج اول ص ۱۹۵ نمبر ۷۱۰/مصنف ابن ابی شیبة،۱۹۵ من قال لا یتیمم ما رجا ان یقدر علی الماء، ج اول، ص ۱۴۸، نمبر ۱۷۰۱)

اصول علامت ظاہرہ اور غالب گمان پانی پانے کے درجے میں ہیں۔

فائدہ امام شافعیؒ کے یہاں ہے کہ پانی ملنے کی امید ہو یا نہ ہو ہر حال میں تلاش کرنا ہوگا اور پانی نہ ملنے پر تیمم کرے گا۔تاکہ **فلم تجدوا ماء** کا مکمل تحقق ہو جائے۔

[۸۲](۱۹)اگر ساتھی دوست کے پاس زائد پانی ہے تو تیمم کرنے سے پہلے اس سے مانگے۔ پس اگر وہ پانی سے منع کردے تو تیمم کرے اور نماز پڑھے۔

وجہ (۱) ساتھی ہونا پانی ملنے کی امید ہے اس لئے مانگے بغیر تیمم نہ کرے(۲)اس کی تائید ایک روایت سے بھی ہوتی ہے **عن عائشة ان رسول الله ﷺ استيقظ وحضرت الصلوة فالتمس الناس الماء فلم يجدوا** (ب)(سنن للبیہقی، باب اعواز الماء بعد طلبہ ج اول ص ۲۲۳)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اندازہ ہو کہ پانی ملے گا تو پہلے اس کی کوشش کرے پھر نہ ملنے پر تیمم کرے۔

حاشیہ : (الف) پھر حضرت ابن عمر مدینہ میں داخل ہوئے اس حال میں کہ سورج بلند تھا اور نماز عصر نہیں لوٹائی (ب) حضورؐ بیدار ہوئے اس حال میں کہ نماز کا وقت ہو چکا تھا تو لوگوں نے پانی تلاش کی۔

﴿باب المسح علی الخفین﴾

[۸۳](۱) المسح علی الخفین جائز بالسنة من کل حدث موجب للوضوء اذا لبس

﴿ باب المسح علی الخفین ﴾

ضروری نوٹ مسح : کے معنی ہیں تر ہاتھ کو عضو پر پھیرنا، یا کسی چیز پر پھیرنا۔

دلیل **عن ابی وقاص عن النبی ﷺ انه مسح علی الخفین** (الف) (بخاری شریف، باب المسح علی الخفین ص ۳۳ نمبر ۲۰۲) مسح علی الخفین کا ثبوت حدیث متواتر سے ہے۔ البتہ اگر **وامسحوا برء وسکم وارجلکم الی الکعبین** (آیت ۶ سورۃ المائدۃ ۵) میں ارجلکم کو کسرہ پڑھیں تو امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں مسح علی الخفین کا جواز نکلتا ہے۔ ورنہ اصل آیت میں تو پاؤں کے دھونے کا حکم ہے۔ چونکہ اس کا ثبوت حدیث سے ہے اس لئے مسح علی الخفین کے لئے بہت سے شرائط ہیں۔ مسح علی الخفین کی حدیث چالیس صحابہ سے منقول ہیں۔ اور بلا تاویل اس کا انکار کرنے والا کافر ہے۔ صرف روافض اس کے خلاف ہیں۔

[۸۳](۱) موزے پر مسح جائز ہے حدیث کی وجہ سے ہر وہ حدث سے جو وضو واجب کرنے والا ہو۔ جب کہ موزے کو طہارت پر پہنا ہو پھر حدث ہوا ہو۔

وجہ جن حدث اکبر میں غسل کی ضرورت ہو اس میں موزہ کھولنا ہوگا اور غسل کے ساتھ پاؤں دھونا ہوگا۔ صرف حدث اصغر یعنی وضو کے مقام میں موزے پر مسح کر سکتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ طہارت پر موزہ پہنا ہو پھر حدث ہوا تب موزہ پر مسح کر سکتا ہے۔ طہارت پر پہننے کی صورت یہ بھی ہے کہ پاؤں پہلے دھولیا پھر موزہ پہن لیا پھر ہاتھ دھویا، منہ دھویا اور سر پر مسح کیا۔ مکمل طہارت کے بعد حدث ہوا تو موزہ پر مسح کر سکتا ہے۔ کیونکہ حدث سے پہلے مکمل طہارت بھی ہے اور موزہ بھی پہنا ہوا ہے۔ غسل کی ضرورت کے وقت موزہ پر مسح جائز نہیں اور وضو کی ضرورت کے وقت جائز ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن صفوان بن عسال قال کان رسول الله ﷺ یأمرنا اذا کنا سفرا ان لا تنزع خفافنا ثلثة ایام ولیالیهن الا من جنابة ولکن من غائط وبول ونوم** ((ب) (ترمذی شریف، باب المسح علی الخفین للمسافر والمقیم ص ۲۷ نمبر ۹۶) اس حدیث میں ہے کہ جنابت ہو تو موزے پر مسح نہیں کر سکتا۔

اور دونوں پاؤں کو طہارت پر داخل کیا ہو اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن مغیرة بن شعبة قال کنت مع النبی ﷺ فی سفر فاهویت لا نزع خفیه فقال دعهما فانی ادخلتهما طاهرتین فمسح علیهما** (ج) (بخاری شریف، باب اذا ادخل رجلیه وهما طاهرتان ص ۳۳ نمبر ۲۰۶) اس حدیث سے حنفیہ کا مسلک ثابت ہوتا ہے کہ صرف پاؤں کو دھو کر موزہ پہن لیا اور بعد میں باقی اعضاء دھوئے تو جائز ہے۔ کیونکہ آپؐ نے فرمایا دونوں پاؤں کو پاکی کی حالت میں داخل کیا ہوں۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے موزے پر مسح فرمایا (ب) حضورؐ ہمیں حکم دیتے تھے جب ہم سفر میں ہوں کہ اپنے موزے تین دن تین رات نہ کھولیں۔ مگر جنابت سے (مسح نہ کریں) لیکن پاخانہ اور پیشاب اور نیند سے مسح کر سکتے ہیں (ج) مغیرہ بن شعبہ فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کے ساتھ سفر میں تھا تو میں آپ کے موزے کھولنے کے لئے جھکا تو آپؐ نے فرمایا ان کو چھوڑ دو اس لئے کہ دونوں پاؤں کو طہارت کی حالت میں داخل کیا ہوں۔ پھر آپؐ نے دونوں موزوں پر مسح فرمایا۔

الخفين ثم احدث[۸۴] (۲) فان كان مقيما مسح يوما و ليلة و ان كان مسافرا مسح ثلثة ايام ولياليها و ابتداؤها عقيب الحدث[۸۵] (۳) والمسح على الخفين على ظاهرهما خطوطا يبتدأ من الاصابع الى الساق وفرض ذلك مقدار ثلث اصابع من اصابع اليد

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مکمل وضو کر کے موزہ پہنا ہو تب مسح کر سکتا ہے ورنہ نہیں۔ان کے نزدیک وہ احادیث مستدل ہیں جس میں ہے کہ طہارت پر موزہ پہنا ہو۔

نوٹ حنفیہ کے نزدیک وضو میں ترتیب واجب نہیں ہے اس لئے بھی موزہ مکمل وضو سے پہلے پہن لے تو مسح جائز ہے۔

[۸۴] (۲) پس اگر مقیم ہے تو ایک دن ایک رات تک مسح کرے اور مسافر ہے تو تین دن تین رات تک مسح کرے گا۔اور مدت مسح کی ابتداء حدث کے بعد سے ہوگی۔

وجہ اس مدت کی دلیل حدیث میں ہے قال اتيت عائشة... فقال جعل رسول الله ﷺ ثلاثة ايام ولياليهن للمسافر و يوما و ليلة للمقيم (الف) (مسلم شریف، باب التوقیت فی المسح علی الخفین ص ۱۳۵ نمبر ۲۷۶) مسافر کے لئے تین دن تین رات اور مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات حدث کے وقت سے شروع ہونگے۔موزہ پہننے کے وقت سے نہیں۔کیونکہ موزہ مانع حدث ہے تو اس وقت سے مانع حدث ہوگا جب حدث ہوا ہو۔جب تک حدث نہیں ہوا ہے تو مانع حدث کیسے ہوگا۔اس لئے حدث کے وقت سے مدت شروع ہوگی۔

نوٹ جو احادیث تحدید مدت کے خلاف ہیں وہ ضعیف ہیں اور علماء کے یہاں معمول بہا نہیں ہیں۔

[۸۵] (۳) موزے پر مسح پاؤں کے ظاہر پر کیا جائے گا خطوط کی شکل میں شروع کیا جائے گا انگلیوں سے پنڈلی تک اور اس کا فرض تین انگلیوں کی مقدار ہے ہاتھ کی انگلیوں سے۔

تشریح موزوں پر مسح کا طریقہ یہ ہے کہ پاؤں کے اوپر کے حصے پر مسح کیا جائیگا۔نیچے کے حصے پر نہیں کیا جائے گا۔اور تین انگلیوں سے پاؤں کی انگلیوں کی جانب سے کھینچا جائے گا اور کھینچتے کھینچتے پنڈلی تک لے جایا جائے گا۔اور ہاتھ کی انگلیوں سے تین انگلیوں کی مقدار کھینچنا فرض ہے۔

وجہ (۱) پاؤں کے اوپر مسح کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے عن على قال لو كان الدين بالرأى لكان اسفل الخف اولى بالمسح من اعلاه وقد رأيت رسول الله ﷺ يمسح على ظاهر خفيه (ب) (ابوداؤد شریف، باب کیف المسح ص ۲۴ نمبر ۱۶۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پاؤں کے اوپر مسح کرنا ضروری ہے۔اور جس حدیث میں پاؤں کے نیچے مسح کرنا ثابت ہے وہ فضیلت کے طور پر ہے۔اور تین انگلی سے پنڈلی تک کھینچنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن جابر قال رسول الله ﷺ بيده هكذا من اطراف الاصابع

حاشیہ : (الف) آپؐ نے تین دن تین رات مسافر کے لئے اور ایک دن ایک رات مقیم کے لئے مسح کرنے کے لئے جائز قرار دیا (ب) حضرت علیؓ فرماتے ہیں اگر دین سے رائے سے ہوتا تو موزے کا نچلا حصہ زیادہ اچھا ہوتا اس کے اوپر کے حصے سے۔اور رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ وہ موزہ کے اوپر کے حصہ پر مسح فرماتے تھے۔

[۸۶] (۴) ولا يجوز المسح على خف فيه خرق كثير يتبين منه قدر ثلاث اصابع الرجل وان كان اقل من ذلک جاز[۸۷](۵) ولا يجوز المسح على الخفين لمن وجب عليه الغسل.

الى اصل الساق و خطط بالاصابع (الف)(ابن ماجہ شریف، باب فی مسح اعلی الخف واسفلہ ص ۸۷، نمبر ۵۵۱) اس حدیث میں اصابع سے پنڈلی تک کھینچنے کا تذکرہ ہے اور اصابع جمع کا صیغہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کم سے کم تین انگلیاں ہوں۔

لغت خطوطا : خط کی طرح کھینچتے ہوئے، الساق : پنڈلی

[۸۶] (۴) مسح نہیں جائز ہے ایسے موزے پر جس میں بہت زیادہ پھٹن ہو۔ اس سے پاؤں کی تین انگلیوں کی مقدار ظاہر ہوتی ہو۔ اور اگر اس سے کم ظاہر ہوتی ہو تو مسح جائز ہے۔

وجہ اصل یہ ہے کہ موزہ اگر پاؤں سے کھل جائے تو پورا موزہ کھول کر پاؤں دھونا پڑتا ہے۔ اب تین انگلی پھٹنا بھی موزہ کا کھلنا ہے۔ کیونکہ چوتھائی قدم بعض مقامات پر کل کا حکم ہوتا ہے۔ کیونکہ قدم میں اصل انگلیاں ہیں اور تین انگلیاں اکثر قدم ہے۔ اس لئے تین انگلیوں کی مقدار پھٹنے اور اتنی مقدار ظاہر ہونے سے یوں سمجھا جاتا ہے کہ قدم کھل گیا۔ اس لئے اب موزہ کھول کر پاؤں دھونا ہوگا۔ موزہ کھلنے سے پاؤں دھونے کی دلیل یہ اثر ہے **عن رجل من اصحاب النبی ﷺ فی الرجل یمسح علی خفیہ ثم یبدو له فینزعهما قال یغسل قدمیه** (ب)(السنن للبیہقی، باب من خلع خفیہ بعد ما مسح علیہما ج اول ص ۲۸۹) **سألت معمرا عن الخرق یکون فی الخف فقال اذا خرج من مواضع الوضوء شیء فلا تمسح علیه واخلع** (السنن للبیہقی، باب الخف الذی مسح علیہ رسول اللہ ج اول ص ۴۲۵، نمبر ۱۳۴۷ رمصنف ابن ابی شیبۃ، ۲۲۱ فی الرجل یمسح علی خفیہ ثم یخلعھا، ج اول، ص ۱۷۰، نمبر ۱۹۵۸)

نوٹ اگر تین انگلیوں سے کم کی مقدار ایک موزہ پھٹا ہو تو اس پر مسح جائز ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ تھوڑا سا بھی پھٹا ہو جس سے وضو کی جگہ ظاہر ہوتی ہو تو اس پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ تھوڑا بہت تو پھٹا ہوا ہوتا ہی ہے اس لئے یہ مقدار معفو عنہ ہے۔

لغت خرق : پھٹن، یتبین : ظاہر ہوتا ہے۔

[۸۷] (۵) موزے پر مسح جائز نہیں ہے اس آدمی کے لئے جس پر غسل واجب ہے۔

وجہ مسئلہ نمبر ایک میں حدیث گزر چکی ہے کہ صرف حدث اصغر (وضو) میں مسح کر سکتا ہے۔ جن حدثوں میں غسل کی ضرورت پڑتی ہو اس میں پاؤں کھولنا ہوگا لہذا مسح علی الخفین جائز نہیں ہے۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے اپنے ہاتھ سے اس طرح اشارہ کیا انگلیوں کے کنارے سے پنڈلی تک اور انگلیوں سے کھینچتے ہوئے (ب) اصحاب رسولؐ کے ایک آدمی سے یہ روایت ہے کہ ایک آدمی مسح کرے اپنے موزے پر پھر اس کا خیال ہوا اور دونوں کو نکال لیا تو فرمایا کہ دونوں قدموں کو دھوئے۔

[۸۸](٦) وينقض المسح ما ينقض الوضوء وينقض ايضا نزع الخف[۸۹](۷) ومضى المدة فاذا مضت المدة نزع خفيه و غسل رجليه وصلى وليس عليه اعادة بقية الوضوء[۹۰](۸) ومن ابتدأ المسح وهو مقيم فسافر قبل تمام يوم وليلة مسح تمام ثلاثة

---

[۸۸](٦) مسح کو توڑتی ہے وہ چیزیں جو وضو کو توڑتی ہیں اور موزے کا کھل جانا بھی۔

وجہ جن حدثوں سے وضو ٹوٹتا ہے ان حدثوں سے مسح بھی ٹوٹ جائے گا اور دوبارہ موزہ پر مسح کرنا ہوگا۔ البتہ موزہ کھول کر پاؤں دھونے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ مسح وضو کا بعض حصہ ہے اس لئے جس سے وضو ٹوٹے گا اس سے مسح بھی ٹوٹ جائے گا۔ لیکن موزہ پاؤں سے نکل جائے تو تو دونوں موزے کھول کر پاؤں دھونا ہا گا۔

وجہ مسئلہ نمبر ۴ میں حدیث گزر چکی ہے کہ موزہ کھلنے سے دوبارہ پاؤں دھونا ہوگا۔ اگر ایک پاؤں کا موزہ کھل گیا تو دونوں پاؤں کو دھونا ہوگا۔ کیونکہ ایک موزہ پر مسح کریں اور دوسرے پاؤں کو دھوئیں اس طرح غسل اور مسح ایک وظیفہ میں جمع نہیں کر سکتے۔ دونوں پر مسح کریں گے یا دونوں کو دھوئیں گے۔ حدیث سے بھی اس کا پتہ چلتا ہے (۲) **عن مغيرة بن شعبة قال غزونا مع رسول الله ﷺ فامرنا بالمسح على الخفين ثلاثة ايام ولياليها للمسافر ويوما و ليلة للمقيم مالم يخلع** (الف) (سنن للبیہقی، باب من خلع خفیہ بعد ما مسح علیھما، ص ۴۳۴، نمبر ۱۳۷۶ / مصنف ابن ابی شیبۃ، ۲۲۱ فی الرجل یمسح علی خفیہ ثم تخلعھا، ج اول، ص ۱۷۰، نمبر ۱۹۶۰) مالم تخلع سے پتہ چلتا ہے کہ موزہ پاؤں سے کھل جائے تو دوبارہ پاؤں دھونا ہوگا۔

[۸۹](۷) اور مدت کا گزرنا بھی مسح توڑتا ہے۔ پس جب مدت گزر جائے تو دونوں موزوں کو کھولے اور دونوں پاؤں کو دھوئے اور نماز پڑھے۔ اور اس پر باقی وضو کو لوٹانا لازم نہیں ہے۔

وجہ اوپر کی کئی حدیثوں میں گزر چکا ہے کہ مقیم کے لئے ایک دن ایک رات اور مسافر کے لئے تین دن اور تین رات مدت مسح ہے۔ پس یہ مدت مسح پر گزر جائے تو مسح کا وقت ختم ہو جائے گا۔ کیوں کہ موزہ حدث کے لئے مانع تھا۔ وقت گزرنے پر مانع ختم ہو گیا اور حدث پاؤں کے اندر سرایت کر گیا اس لئے موزہ کھولنا ہوگا اور پاؤں دھونا ہوگا۔ پس اگر پہلے سے وضو موجود ہے تو صرف پاؤں دھو لے باقی وضو کو لوٹانا لازم نہیں ہے۔ البتہ لوٹا لے تو اچھا ہے (۲) مسئلہ نمبر ۴ کی حدیث میں یہ گزرا ہے کہ **فينزعهما قال يغسل قدميه** (ب) (سنن للبیہقی، نمبر ۱۳۷۰) جس کا مطلب یہ تھا کہ صرف دونوں قدموں کو دھونا لازم ہے۔ پورا وضو لوٹانا لازم نہیں ہے۔

لغت نزع : نکالے۔

[۹۰](۸) کسی نے مسح شروع کیا اس حال میں کہ وہ مقیم تھا پھر ایک دن ایک رات پورا ہونے سے پہلے سفر شروع کیا تو مسح کرے گا تین دن

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے ہمیں حکم دیا کہ موزے پر مسح کرنے کا تین دن تین رات مسافر کے لئے اور ایک دن ایک رات مقیم کے لئے جب تک موزہ نہ کھولے (ب) دونوں موزے کو کھولیں۔ فرمایا کہ دونوں قدموں کو دھوئے گا۔

ایام ولیالیھا[۹۱] (۹) ومن ابتدأ المسح وھو مسافر ثم اقام فان کان مسح یوما ولیلة او اکثر لزمہ نزع خفیہ وان کان اقل منہ تمم مسح یوم و لیلة[۹۲] (۱۰) ومن لبس الجرموق فوق الخف مسح علیہ[۹۳] (۱۱) ویجوز المسح علی الجوربین الا ان یکونا

تین رات۔

وجہ مقیم نے ایک دن ایک رات پورا کرنے سے پہلے سفر کیا تو حدث قدم پر سرایت کرنے سے پہلے مسافر بن گیا اس لئے مدت اب لمبی ہو کر مسافر کی مدت پر عمل کرے گا یعنی جب سے مسح شروع کیا تھا اس وقت سے تین دن تین رات تک پورا کرے گا۔اور اگر ایک دن اور ایک رات پورا ہو جاتا تو حدث قدم پر سرایت کر جاتا اب وہ اٹھے گا نہیں۔اب تو پاؤں کھول کر دھونا ہی ہوگا۔اس صورت میں تین دن پورا نہیں کر سکتا

اصول حدث قدم پر سرایت کرنے سے پہلے مدت کا حکم بدل سکتا ہے۔سرایت کرنے کے بعد نہیں۔

[۹۱] (۹) کسی نے مسح شروع کیا اس حال میں کہ وہ مسافر تھا پھر مقیم ہو گیا، پس اگر ایک دن ایک رات مسح کر چکا ہے یا اس سے زیادہ کر چکا ہے تو اس پر دونوں موزوں کو کھولنا لازم ہے۔اور اگر اس سے کم ہے تو ایک دن ایک رات پورا کرے گا۔

وجہ مسافرت کی حالت میں ہو تب ہی تین دن مسح کرے گا لیکن اگر درمیان میں مسافرت کی حالت ختم ہو گئی تو مقیم کی مدت ایک دن ایک رات ہی پر اکتفاء کرے گا۔اب اگر ایک دن پورا کر چکا ہے یا اس سے زیادہ پورا کر چکا ہے تو موزہ کھول کر پاؤں دھوئے گا اور ایک دن ایک رات پورا نہیں کیا ہے تو ایک دن ایک رات پورا کرے گا۔کیونکہ مقیم تو اخیر ابھی ہے ہی۔

[۹۲] (۱۰) جس نے جرموق کو موزے کے اوپر پہنا تو اس پر مسح کرے گا۔

وجہ جرموق یا موق اس موزے کو کہتے ہیں جو اچھے موزے کی حفاظت کے لئے اس کے اوپر پہنتے ہیں۔تو گویا کہ دونوں موزے ہی ہیں۔اس لئے جرموق پر مسح کر سکتا ہے

نوٹ جرموق پر مسح کرنے کے لئے وہی شرائط ہیں جو موزے پر مسح کرنے کے لئے ہیں (۲) حدیث میں ہے **عن انس بن مالکؓ ان رسول اللہ ﷺ کان یمسح علی الموقین والخمار** (الف) (سنن للبیھقی، باب المسح علی الموقین، ج اول، ص ۴۳۲، نمبر ۱۳۶۸/ ابوداؤد شریف، باب المسح علی الخفین، ص ۲۳ نمبر ۱۵۳) اس حدیث سے ثابت ہے کہ آپؐ نے جرموق پر مسح فرمایا۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک جرموق پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ قدم کا بدل موزہ ہے اور اب موزہ کا بدل جرموق بنے یہ بدل کا بدل ہو گیا جو صحیح نہیں ہے۔ہم جواب دیتے ہیں کہ دونوں موزے مل کر ایک ہی موزہ دو طاق والا ہو گیا اس لئے جائز ہے۔

لغت جرموق اور موق : موزے پر جو موزے حفاظت کے لئے پہنتے ہیں اس کو جرموق یا موق کہتے ہیں۔

[۹۳] (۱۱) جائز ہے مسح جوربین پر، اور نہیں جائز ہے مگر یہ کہ دونوں مجلدین ہوں یا دونوں منعلین ہوں۔اور صاحبین فرماتے ہیں جوربین پر مسح

حاشیہ : (الف) آپؐ جرموق اور عمامہ پر مسح کیا کرتے تھے (خمار کا ترجمہ یہاں عمامہ ہے)

مجلدین او منعلین وقالا لا یجوز اذا کا نا ثخینین لا یشفان[۹۴] (۱۲) ولا یجوز المسح

جائز جب کہ موٹے ہوں اور پانی نہ چھنتا ہو۔

تشریح سوت کے موزے کو جوربین یا جراب کہتے ہیں۔ اس کے تلے پر چمڑا چڑھا ہوا ہو تو اس کو منعلین کہتے ہیں۔ یہ نعل سے مشتق ہے۔ جوتے کی ایڑی میں جو لوہا لگاتے ہیں اس کو نعل کہتے ہیں۔ اور تلے میں بھی چمڑا ہو اور جوتے کی طرح قدم پر بھی چمڑا ہو تو چونکہ کافی چمڑا لگ گیا اس لئے سوت کے اس موزے کو مجلدین کہتے ہیں۔ جورب مجلدین ہوں یا منعلین ہو تب ابو حنیفہ کے نزدیک ان پر مسح کرنا جائز ہے ورنہ نہیں۔

وجہ **عن مغیرۃ بن شعبۃ قال توضأ النبی ﷺ ومسح علی الجوربین والنعلین** (الف) (ترمذی شریف، باب فی المسح علی الجوربین والنعلین ج اول ص ۲۹ نمبر ۹۹ / ابو داؤد، باب المسح علی الجوربین ص ۲۴ نمبر ۱۵۹)

حدیث سے معلوم ہوا کہ جوربین پر مسح کرنا جائز ہے۔ اور والنعلین کا ترجمہ استاذ ابو الولیدؒ نے یہ کیا ہے جوربین جو منعلین ہو یعنی ایسا سوت کا موزہ جس میں نعل لگا ہوا ہو۔ اور راشد بن نجیح سے روایت ہے **قال رأیت انس بن مالک دخل الخلاء وعلیہ جوربان اسفلھما جلود واعلاھما خز فمسح علیھما** (ب) (السنن للبیھقی، باب ماورد فی الجوربین والنعلین، ج اول، ص ۴۲۸، نمبر ۱۳۵۷) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت امام ابو حنیفہ نے جو سوت کے موزے میں مجلدین اور منعلین ہونے کی قید لگائی ہے وہ ان روایات کی روشنی میں لگائی ہے۔

فائدہ صاحبینؒ اور ائمہ ثلاثہؒ یہ فرماتے ہیں کہ تین شرطیں ہوں تو سوت کے موزے پر مسح جائز ہے (۱) اتنا موٹا ہو کہ مسح کرتے وقت پانی پاؤں کی خال تک سرایت نہ کرتا ہو (۲) بغیر باندھے پاؤں پر رکتا ہو (۳) ایک میل تک موزے میں چل سکتا ہو۔ تو اس موزے پر مسح کر سکتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان شرطوں سے سوت کا موزہ چمڑے کے موزے کے مشابہ ہو جائے گا۔ کیونکہ اصل میں چمڑے کے موزے پر مسح کرنا جائز ہے اس لئے یہ شرطیں لگائی گئیں۔ (۲) عام احادیث سے جوربین پر مسح کرنے کا ثبوت ہے چاہے مجلدین اور منعلین ہو یا نہ ہو۔ اس لئے خالص جوربین پر مذکورہ شرطوں کے ساتھ مسح کرنا جائز ہے۔

نوٹ امام ابو حنیفہؒ نے آخری عمر میں صاحبین کے قول کی طرف رجوع کیا ہے۔ اس لئے جوربین پر مسح کرنے کا اتفاق ہو گیا۔

لغت خف : چمڑے کا موزہ، جوربین : سوت کا موزہ جس کے تلے میں چمڑا لگا ہوا ہو، ثخینین : ثخین کا تثنیہ ہے موٹا موزہ، یشفان : تثنیہ ہے یشف کا جس میں پانی چھن جاتا ہو۔

[۹۴] (۱۲) عمامہ پر، ٹوپی پر اور برقع پر اور دستانے پر مسح جائز نہیں ہے۔

وجہ (۱) آیت میں سر پر مسح کرنے کا حکم دیا ہے اب خبر آحاد حدیث کے ذریعہ سے کتاب اللہ پر زیادتی کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لئے احادیث کی وجہ سے پگڑی، ٹوپی اور برقع پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ اور جن احادیث میں اس کا ذکر ہے کہ آپؐ نے پگڑی پر مسح کیا اس کا مطلب یہ ہے

حاشیہ : (الف) آپؐ نے وضو فرمایا اور سوت کے موزے پر اور چپل پر مسح فرمایا، یا چپل کے ساتھ مسح فرمایا (ب) میں نے انس بن مالکؓ کو دیکھا کہ بیت الخلاء میں داخل ہوئے اور آپ کے پاؤں میں دو سوت کے موزے تھے۔ دونوں کے نیچے کا حصہ چمڑے کا تھا اور اوپر کا حصہ ریشم تھا تو آپ نے دونوں پر مسح فرمایا۔

علی العمامة والقلنسوة والبرقع والقفازين [۹۵](۱۳) ويجوز علی الجبائر وان شدها

کہ سر کے بعض حصہ پر مسح کیا اور پگڑی پر بھی کر لیا (۲) چنانچہ حدیث میں اس طریقۂ کار کا ثبوت ہے **عن انس بن مالک قال رأيت رسول الله ﷺ يتوضأ وعليه عمامة قطرية فادخل يده من تحت العمامة فمسح مقدم رأسه فلم ينقض العمامة** (الف) (ابوداؤد شریف، باب المسح علی العمامۃ ص ۲۱ نمبر ۱۴۷) مسلم میں ہے **ان النبی ﷺ مسح علی الخفين ومقدم رأسه وعلی عمامته** (مسلم شریف، باب المسح علی الناصیۃ والعمامۃ، ص ۱۳۴ نمبر ۲۷۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض سر پر مسح کیا اور پگڑی پر مسح کیا۔ اس لئے صرف پگڑی پر مسح کافی نہیں ہے (۳) امام ترمذی نے فرمایا کہ علماء فرماتے ہیں کہ صرف عمامہ پر مسح کرنا کافی نہیں ہوگا جب تک اس کے ساتھ سر پر بھی مسح نہ کرلے۔ وھو قول سفیان الثوری و مالک بن انس وابن المبارک، والشافعی (ترمذی شریف، باب ماجاء فی المسح علی الجوربین والعمامۃ ص ۲۹ نمبر ۱۰۰) (۴) دارقطنی نے باضابطہ باب باندھا ہے باب فی جواز المسح علی بعض الرأس (ج اول ص ۲۲۰ نمبر ۷۲۸) اور اس کے تحت ایسی چار حدیثیں ذکر کی ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ عمامہ کے ساتھ سر پر مسح کرنا ضروری ہے۔ دستانے پر بھی مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ اس کے دلائل وہی ہیں جو مسح علی العمامۃ کے بارے میں گزرے ہیں (۲) ان چیزوں کے دھونے میں کوئی حرج نہیں ہے اور مسح کرنا دفع حرج کے لئے ہے اس لئے ہاتھ کو دھونا ہی ضروری ہوگا۔ دستانے پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔

لغت القفازين : دستانے

[۹۵] (۱۳) مسح جائز ہے زخم کی پٹیوں پر اگر چہ ان کو بغیر وضو کے باندھا ہو۔

وجہ (۱) زخم کی پٹیوں کو کھولنا مشکل ہے اور حرج ہے۔ اس لئے پٹی رہتے ہوئے اس پر مسح کیا جائے گا۔ چاہے پٹی کو حدث کی حالت میں باندھا ہو (۲) ابوداؤد میں یہ تعلیق ہے **انما يكفيه ان يتيمم و يعصر او يعصب شک موسی علی جرحه خرقه ثم يمسح عليها و يغسل سائر جسده** (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی المجدور یتیمم ص ۵۵ نمبر ۳۳۶) (۳) **عن علی بن طالب قال سألت رسول الله ﷺ عن الجبائر يكون علی الكسر كيف يتوضأ صاحبها و كيف يغتسل اذا اجنب؟ قال يمسحان بالماء عليها فی الجنابة والوضوء** (ج) (دارقطنی، باب جواز المسح علی الجبائر، ص ۲۳۳ نمبر ۸۶۵ / ابن ماجہ شریف، باب المسح علی الجبائر، ص ۹۳، نمبر ۶۵۷ / السنن للبیہقی، باب المسح علی العصائب والجبائر ج اول، ص ۳۴۸، نمبر ۱۰۷۷) حدیث سے معلوم ہوا کہ کھپچی پر مسح کرنا جائز ہے۔

لغت الجبائر : جمع ہے جبیرۃ کی پٹی، کھپچی۔

نوٹ عموماً زخم پر بغیر وضو کے ہی پٹی باندھتے تھے اس کے باوجود صحابہ اس پر مسح کرتے تھے۔ کیونکہ مجبوری ہے۔ اس لئے بغیر وضو کے بھی پٹی

حاشیہ : (الف) میں نے حضورؐ کو دیکھا کہ آپؐ کے سر پر قطری پگڑی تھی پس آپ نے پگڑی کے نیچے ہاتھ داخل کیا پھر سر کے اگلے حصہ پر مسح فرمایا اور پگڑی نہیں کھولی (ب) صرف اس کو کافی یہ ہوگا کہ تیمم کرے اور پٹی باندھے اپنے زخم پر، موسیٰؒ کو شک ہوا کہ یعصر کہا یا یعصب کہا۔ پھر اس پر مسح کرے اور باقی جسم کو دھوئے (ج) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور کو ٹوٹے ہوئے پر کھپچی ہو اس کے بارے میں پوچھا کہ وہ کیسے وضو کرے اور جنبی ہو جائے تو کیسے غسل کرے؟ آپؐ نے فرمایا کہ دونوں پٹی پر پانی سے مسح کرے جنابت میں بھی اور وضو میں بھی۔

علی غیر وضوء[۹۶](۱۴) فان سقطت من غیر برء لم یبطل المسح[۹۷](۱۵) وانسقطت عن برء بطل.

باندھی تو اس پر مسح کرنا جائز ہے۔

[۹۶](۱۴) پس اگر بغیر زخم اچھا ہوئے پٹی گر گئی تو مسح باطل نہیں ہوگا۔

تشریح وضو کر کے پٹی پر مسح کیا تھا اس درمیان ابھی زخم ٹھیک نہیں ہوا تھا کہ پٹی گر گئی تو پہلا مسح چلے گا۔ دوبارہ مسح کرنے کی ضرورت نہیں۔

وجہ جب تک زخم ٹھیک نہیں ہوا ہے تو پٹی باندھنا گویا کہ اس کو دھونا ہے اس لئے اس کو دوبارہ مسح کی ضرورت نہیں (۲) مجبوری بھی ہے۔

[۹۷](۱۵) اگر پٹی زخم ٹھیک ہو کر گری ہو تو مسح باطل ہو جائے گا۔

وجہ زخم ٹھیک ہو گیا تو اب مجبوری نہیں رہی اس لئے اصل پر آجائے گا اور مسح باطل ہو جائے گا۔ اب اس کو دوبارہ دھونا ہوگا۔

لغت برء : زخم ٹھیک ہونا۔

اصول مجبوری کے وقت ہی فرع پر عمل کر سکتا ہے اور مجبوری ختم ہو جائے تو اصل پر عمل کرنا ضروری ہے۔

﴿باب الحیض﴾

[۹۸](۱) اقل الحیض ثلثة ایام و لیلیها فما نقص من ذلک فلیس بحیض وھو استحاضة

﴿ باب الحیض ﴾

ضروری نوٹ حیض کے معنی بہنا ہے۔شریعت میں ایسی عورت جو نا بالغہ نہ ہو، آئسہ نہ ہو، جریان خون کا مرض نہ ہو اور حمل نہ ہو اس کے رحم سے خون نکلے تو اس کو حیض کہتے ہیں۔جس کو جریان خون کا مرض ہو یا حاملہ ہو یا نا بالغہ ہو یا آئسہ ہو اس کے رحم سے جو خون نکلتا ہے وہ حیض نہیں ہوتا ہے بلکہ استحاضہ ہوتا ہے۔اس کی دلیل یہ آیت ہے ویسئلونک عن المحیض قل ھو اذی فاعتزلوا النساء فی المحیض ولا تقربوھن حتی یطھرن (الف) (آیت ۲۲۲ سورۃ البقرۃ ۲)

[۹۸](۱) حیض کی کم سے کم مدت تین دن تین راتیں ہیں تو جو اس سے کم ہو وہ حیض نہیں ہے وہ استحاضہ ہے اور اس کی زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہیں اور جو اس سے زیادہ ہو تو وہ استحاضہ ہے۔

وجہ تین دن تین رات سے کم جو خون آئے اس کو استحاضہ کا خون کہتے ہیں۔حیض کا خون نہیں کہتے ہیں۔یا دس دن سے زیادہ خون آئے اس کو بھی استحاضہ کا خون کہتے ہیں اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابی امامة الباھلی قال قال رسول اللہ ﷺ لایکون الحیض للجاریة والثیب الذی قد ایئست من الحیض اقل من ثلاثة ایام ولا اکثر من عشرة ایام فاذا رأت الدم فوق عشرة ایام فھی مستحاضة فمازاد علی ایام اقرائھا قضت ودم الحیض اسود خائر تعلوہ حمرة ودم المستحاضة اصفر رقیق (ب) عن واثلة بن الاسقع قال قال رسول اللہ ﷺ اقل الحیض ثلاثة ایام و اکثرہ عشرة ایام (ج) (دار قطنی، کتاب الحیض ص ۲۲۵ نمبر ۸۳۶/۸۳۴) دار قطنی میں اس قسم کی کئی احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کم سے کم مدت تین دن ہے اور زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہیں۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک حیض کی کم سے کم مدت ایک دن ہے اور زیادہ سے زیادہ مدت پندرہ دن ہیں۔ان کی دلیل یہ قول ہے عن عطاء قال اکثر الحیض خمسة عشرة وقال ادنی الحیض یوم (د) (دار قطنی، کتاب الحیض ص ۲۱۶ نمبر ۷۸۹/۷۹۰) اس قسم کے قول سے وہ استدلال کرتے ہیں کہ حیض کی کم سے کم مدت ایک دن اور زیادہ سے زیادہ پندرہ دن ہیں۔امام مالکؒ کے نزدیک حیض کی کم سے کم مدت میں کوئی حد تعیین نہیں ہے۔کیوں کہ اوپر حضرت عطاء کا قول آیا کہ کم سے کم مدت ایک دن ہو سکتی ہے۔

حاشیہ : (الف) لوگ آپ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں۔آپ فرما دیجئے وہ گندگی کی چیز ہے۔اس لئے حیض کے زمانے میں عورتوں سے الگ رہو اور ان سے قریب نہ ہو جب تک کہ پاک نہ ہو جائے (ب) آپؐ نے فرمایا حیض لڑکی کے لئے اور ثیبہ کے لئے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہو تین دن سے کم نہیں ہے اور دس دن سے زیادہ نہیں ہے، پس جب کہ خون دس دن سے زیادہ دیکھے تو وہ مستحاضہ ہے، پس جب کہ حیض کے زمانہ سے زیادہ ہو تو وہ نماز قضا کرے گی حیض کا خون بالکل کالا ہوتا ہے اس پر سرخی چھائی ہوتی ہے اور مستحاضہ کے خون میں تھوڑی سے زردی ہوتی ہے۔(ج) کم سے کم حیض کا خون تین دن ہے اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہیں (د) عطاء نے فرمایا حیض زیادہ سے زیادہ پندرہ دن ہے اور کم سے کم ایک دن۔

واکثرہ عشرۃ ایام ومازاد علی ذلک فھو استحاضۃ[۹۹] (۲) وما تراہ المرأۃمن الحمرۃ والصفرۃ والکدرۃ فی ایام الحیض فھو حیض حتی تری البیض خالصا [۱۰۰] (۳) والحیض یسقط عن الحائض الصلوۃ ویحرم علیھا الصوم وتقضی الصوم ولا تقضی

---

[۹۹] (۲) اورعورت حیض کے زمانہ میں جوسرخ خون، زردخون اور مٹیالا خون دیکھتی ہے وہ سب حیض ہیں۔ یہاں تک کہ سفید خالص پانی دیکھے۔

وجہ حیض کے زمانے میں عورت کالاخون، سرخ خون، زرد، مٹیالا اور سبز رنگ کا خون دیکھتی ہے ان میں سے سفید پانی تو حیض نہیں ہے۔لیکن کالاخون، سرخ خون، زردخون اور مٹیالاخون امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حیض میں شمار کیا جائے گا۔ کیونکہ حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ سفید خالص کے علاوہ تمام حیض ہیں۔ **کن نساء یبعثن الی عائشۃ بالدرجۃ فیھا الکرسف فیہ الصفرۃ فتقول لا یعجلن حتی ترین القصۃ البیضاء ترید بذلک الطھر من الحیضۃ** (الف) (بخاری شریف، باب اقبال المحیض وادبارہ، ص ۴۶، نمبر ۳۲۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حیض کے زمانہ میں جب تک سفید پانی نہ نظر آئے باقی تمام رنگوں کا حال حیض ہے۔

نوٹ ام عطیہ سے روایت ہے **قالت کنالا نعد الکدرۃ والصفرۃ شیئا** (ب) (بخاری شریف، باب الصفرۃ والکدرۃ فی غیر ایام الحیض ص ۴۷ نمبر ۳۲۶) اس قول میں حیض کے زمانے کے علاوہ میں مٹیالا اور زرد رنگ کا خون حیض شمار نہیں کرتے تھے۔اور حیض کے زمانے میں جومٹیالا اور زردخون ہے اس کو حیض شمار کریں گے جیسا کہ حضرت عائشہ کے قول سے معلوم ہوا۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ مٹیالا خون حیض نہیں ہے۔ یہ غذا کی خرابی کی وجہ سے ہے، حیض کے خون کا حصہ نہیں ہے۔ان کی دلیل اوپر میں ام عطیہ کا قول ہے۔ **کنا لا نعد الکدرۃ والصفرۃ شیئا** (بخاری شریف، نمبر ۳۲۶)

نوٹ عورت حیض والی ہوتو سبز خون خون حیض ہوگا اور اگر آئسہ ہوتو سبز خون استحاضہ ہوگا **لغت** **الصفرۃ** : زرد رنگ، **الکدرۃ** : مٹیالا رنگ کا خون۔

[۱۰۰] (۳) حیض ساقط کر دیتا ہے حائضہ عورت سے نماز کو اور حرام کر دیتا ہے اس پر روزہ۔ چنانچہ حائضہ قضا کرے گی روزہ اور نہیں قضا کرے گی نماز کو۔

تشریح حیض کی حالت میں نماز شروع ہی سے ساقط ہو جاتی ہے اس لئے بعد میں اس کی قضا نہیں ہے۔اور روزہ واجب ہوتا ہے لیکن حیض کی حالت میں اس کو ادا نہیں کرسکتی۔اس کا ادا کرنا حرام ہے اس لئے بعد میں قضا کرے گی

وجہ (۱) دس روز کی نمازیں پچاس ہو جائینگی اور ہر ماہ میں پچاس نمازیں قضا کرنے میں حرج عظیم ہے اس لئے نماز شروع ہی سے ساقط ہو

حاشیہ : (الف) عورتیں حضرت عائشہؓ کو ڈبیہ بھیجتی تھیں۔جس میں کرسف ہوتا اور کرسف میں زرد رنگ کا خون ہوتا تو حضرت عائشہ فرماتی جلدی مت کرو یہاں تک کہ سفید اون نہ دیکھ لو۔اس کا مطلب یہ ہوتا کہ تم تب حیض سے پاک ہوگی (ب) ہم مٹیالا اور زرد رنگ کے خون کو حیض نہیں شمار کرتے تھے۔

الصلوة [۱۰۱](۴) ولا تدخل المسجد ولا تطوف بالبیت[۱۰۲] (۵)ولا یأتیها زوجها

جائے گی اور روزہ سال بھر میں صرف دس دن قضا کرنا ہوگا اس میں حرج نہیں ہے اس لئے روزہ فرض رہا البتہ بعد میں قضا کرے گی (۲) حدیث میں ہے **عن معاذة قالت سألت عائشة فقلت ما بال الحائض تقضی الصوم ولا تقضی الصلوة؟ فقالت احرورية انت؟ قلت لست بحرورية ولكنی اسأل قالت كان يصيبنا ذلك فنؤمر بقضاء الصوم ولا نؤمر بقضاء الصلوة** (الف) مسلم شریف، باب وجوب قضاء الصوم علی الحائض دون الصلوۃ ص۱۵۳ نمبر ۳۳۵/ بخاری شریف، باب لاتقضی الحائض الصلوۃ ص۴۶ نمبر ۳۲۱) یہ مسئلہ متفق علیہ ہے

[۱۰۱] (۴) حائضہ عورت مسجد میں داخل نہیں ہوگی اور نہ بیت اللہ کا طواف کرے گی

وجہ (۱) حدیث میں ہے کہ **سمعت عائشة ... فقال وجهوا هذه البيوت عن المسجد فانی لا احل المسجد لحائض ولا جنب** (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی الجنب یدخل المسجد ص۳۴ نمبر ۲۳۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ عورت مسجد میں داخل نہیں ہوسکتی۔ اور مسجد حرام میں طواف ہوتا ہے اس لئے وہ طواف بھی نہیں کرسکتی (۲) تاہم طواف کے منع کے بارے میں مستقل حدیث ہے **عن عائشةؓ قالؐ لعلك نفست؟ قلت نعم قال فان ذالك شیء كتبه الله علی بنات آدم فافعل ما يفعل الحاج غير لا تطوفی بالبيت حتی تطهری** (ج) (بخاری شریف، باب تقضی الحائض المناسک کلہا الا الطّواف بالبیت ص۴۴ نمبر ۳۰۵) حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ عورت طواف نہیں کرے گی۔

[۱۰۲] (۵) شوہر حائضہ بیوی سے وطی نہیں کرے گا۔

وجہ آیت میں ہے **ويسئلونك عن المحيض قل هو اذی فاعتزلوا النساء فی المحيض ولاتقربوهن حتی يطهرن** (د) (آیت ۲۲۲ سورۃ البقرۃ ۲)

نوٹ وطی تو کرنا حرام ہے۔ البتہ عورت کو ازار پہنا کر لیٹ سکتا ہے اور اگر اول حیض میں وطی کرلیا تو ایک دینار صدقہ کرے اور اخیر حیض میں وطی کرلیا تو آدھا دینار صدقہ کرے (ابوداؤد باب فی ایتان الحائض ص۴۰ نمبر ۲۶۵) میں حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے۔ **اذا اصابها فی اول الدم فدينار واذا اصابها فی انقطاع الدم فنصف دينار.**

حاشیہ : (الف) معاذۃؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ سے پوچھا کیا بات ہے کہ حائضہ روزہ کی قضا کرتی ہے اور نماز کی قضا نہیں کرتی؟ تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کیا تم مقام حروریہ کی رہنے والی ہو؟ میں نے کہا کہ نہیں لیکن میں پوچھتی ہوں۔ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس کو حیض آتا تھا ہمیں روزہ کی قضا کا حکم دیا جاتا تھا اور نماز کی قضا کا حکم نہیں دیا جاتا تھا (ب) آپؐ نے فرمایا ان گھروں کے دروازے مسجد سے پھیر دو اس لئے کہ میں مسجد کو حائضہ اور جنبی کے لئے حلال قرار نہیں دیتا (ج) آپؐ نے فرمایا شاید تم کو حیض آگیا ہے۔ میں نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا یہ ایسی چیز ہے جس کو اللہ نے آدمؑ کی بیٹیوں پر فرض کیا ہے۔ اس لئے حاجی جتنے کام کرتے ہیں تم بھی کرو سوائے اس کے کہ بیت اللہ کا طواف نہ کرو جب تک تم پاک نہ ہو جاؤ (د) آپؐ سے حیض کے بارے میں لوگ پوچھتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ وہ گندگی کی چیز ہے اس لئے عورتوں سے حیض کی حالت میں الگ رہا کرو اور ان سے قربت نہ کرو جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں۔

[۱۰۳](۶) ولا یجوز لحائض ولا لجنب قراء ة القرآن [۱۰۴](۷) ولا یجوز للمحدث مس المصحف الا ان یأخذه بغلافه[۱۰۵](۸) فاذا انقطع دم الحیض لاقل من عشرة ایام

[۱۰۳](۶) حائضہ اور جنبی کے لئے قرآن کا پڑھنا جائز نہیں ہے۔

وجہ (۱)عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال لا تقرء الحائض ولا الجنب شیئا من القرآن (الف) (ترمذی شریف، باب باب ماجاء فی الجنب والحائض لا یقرأ القرآن ص ۳۴ نمبر ۱۳۱ / ابو داؤد شریف، باب فی الجنب یقرأ القرآن، ص ۳۴، نمبر ۲۲۹) علماء فرماتے ہیں کہ اگر عورت کو بچے پڑھانا ہو تو آیت کو ٹکڑا ٹکڑا کر کے پڑھائے۔ البتہ تسبیح اور تہلیل پڑھ سکتی ہے، دعا پڑھ سکتی ہے، تفصیل ترمذی کی حدیث ۱۳۱ کے تحت ہے۔

[۱۰۴](۷) حدث والے کیلئے جائز نہیں ہے قرآن کو چھونا مگر یہ کہ قرآن کو غلاف سے پکڑے۔

تشریح حدث والا آدمی زبانی قرآن پڑھ سکتا ہے البتہ قرآن کو چھو نہیں سکتا، اگر چھونا ہو تو کسی غلاف کے ذریعہ قرآن کو چھوئے گا۔

وجہ (۱) لا یمسه الا المطهرون (آیت ۷۹ سورة الواقعة ۵۶) (۲) حدیث میں ہے کان فی کتاب النبیؐ لعمرو بن حزم الا تمس القرآن الا علی طهر (ب) (دار قطنی، باب فی نهی المحدث عن مس القرآن ج اول ص ۱۲۸ نمبر ۴۲۹ / سنن للبیہقی، باب الحائض لا تمس المصحف ولا تقرأ القرآن، ص ۴۶۱، نمبر ۱۴۷۸) اس قسم کی بہت سی احادیث دار قطنی میں نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کو بغیر وضو چھونا جائز نہیں ہے۔

نوٹ جو غلاف اور جلد قرآن کے ساتھ چپکا ہوا ہے وہ گویا کتاب کا حصہ ہے اس لئے اس غلاف کے ساتھ چھونا جائز نہیں ہے۔ اس کے علاوہ غلاف ہونا چاہئے۔

نوٹ بچوں کو بار بار وضو کرانے میں حرج ہے (۲) وہ مرفوع القلم ہیں (۳) اس کو قرآن سے روکنے سے وہ قرآن نہیں پڑھیں گے اس لئے بچوں کو بغیر وضو کی حالت میں قرآن پڑھنے کے لئے دینا جائز ہے۔

[۱۰۵](۸) اگر حیض کا خون دس دن سے کم میں منقطع ہو گیا تو اس سے وطی کرنا جائز نہیں ہے جب تک کہ غسل نہ کرے یا اس حائضہ پر کامل نماز کا وقت گزر جائے۔

وجہ دس دن سے کم میں حیض منقطع ہوا ہے تو ممکن ہے کہ دوبارہ خون آجائے اور عورت کی عادت بدل جائے اس لئے یا تو عورت غسل کر لے تاکہ مکمل پاک ہو جائے آیت حتی یطّهرن (آیت ۲۲۲ سورة البقرة) میں تشدید کے ساتھ پڑھیں تو مطلب ہوگا کہ خوب خوب پاک ہو جائے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب عورت غسل کر لے (۲) ایک اثر سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ سأل انسان عطاء قال الحائض تری الطهر ولا تغتسل اتحل لزوجها؟ قال لا حتی تغتسل. (ج) (مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یصیب امرأته وقد رأت

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جنبی اور حائضہ قرآن نہ پڑھیں (ب) حضورؐ نے عمرو بن حزم کے خط میں لکھا تھا کہ قرآن کو نہ چھوئے مگر پاکی پر (ج) حضرت عطاء سے پوچھا حائضہ پاک ہو جائے لیکن غسل نہ کرے تو کیا وہ شوہر کے لئے حلال ہے؟ فرمایا نہیں جب تک غسل نہ کر لے۔

لم یجز وطیھا حتی تغتسل او یمضی علیھا وقت صلوۃ کاملۃ[١٠٦] (٩) وان انقطع دمھا لعشرۃ ایام جاز وطیھا قبل الغسل[١٠٧](١٠) والطھر اذا تخلل بین الدمین فی مدۃالحیض فھو کالدم الجاری.

الطہر ولم تغتسل ص۳۳۰ نمبر۱۲۷۳)رالسنن للبیھقی ،باب الحائض لاتوطأ حتی تطہر وتغتسل ،ج اول ،ص ۴۶۲ ،نمبر۱۴۸۳) دوسری شکل ہے کہ اس عورت پر ایک کامل نماز کا وقت گزر جائے تو اللہ کا فرض اس پر واقع ہو جائے گا تو حکمًا یہ سمجھا جائے گا کہ پاک ہو گئی۔ کیونکہ اللہ کا فرض واجب ہو گیا تو انسان کا حق بھی اس کے تحت آجائے گا۔

نوٹ حنفیہ کا مسلک یہاں احتیاط پر مبنی ہے۔

نوٹ نماز کا اتنا وقت گزر جائے کہ عورت غسل کر کے تحریمہ باندھ سکے

[١٠٦](٩) اور اگر حائضہ کا خون دس دن پورے ہونے پر منقطع ہو تو اس عورت سے غسل سے پہلے بھی وطی کرنا جائز ہے۔

وجہ دس دن سے زیادہ تو حیض آ ہی نہیں سکتا۔ اس کے بعد جو خون آئے گا وہ استحاضہ ہوگا۔ اس لئے عورت نے غسل نہیں کیا ہے تب بھی اس سے وطی کر سکتا ہے۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ غسل کے بعد وطی کرے تا کہ مکمل پاکی پر وطی ہو۔ اس صورت میں آیت **حتی یطھرن** بغیر تشدید کے ،پر عمل ہوگا۔ جس کی تفسیر حضرت مجاہد نے فرمایا کہ جب خون منقطع ہو جائے تو وہ پاک ہوگی۔ عبارت یہ ہے۔ **عن مجاھد فی قولہ عزوجل (ولا تقربوھن حتی یطھرن) حتی ینقطع الدم فاذا تطھرن قال یقول اذا اغتسلن** (سنن للبیھقی ،باب الحائض لا توطأ حتی تطہر وتغتسل ،ج اول ،ص ۴۶۲ ،نمبر۱۴۸۲)

فائدہ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک ہر حال میں غسل ہے۔ پہلے وطی کرنا جائز نہیں ہے۔ ان کے نزدیک **حتی یطھرن** کا ترجمہ طہارت بالماء ہے۔ اور اثر بیہقی سے استدلال کرتے ہیں کہ مکمل طہارت ہونی چاہئے تب وطی کرے۔

[١٠٧](١٠) وہ پاکی جو دو خون کے درمیان ہو حیض کی مدت میں تو وہ جاری خون کی طرح ہے۔

تشریح عموما ایسا ہوتا ہے کہ کچھ دیر خون آتا ہے پھر بند ہو جاتا ہے، پھر آتا ہے پھر بند ہو جاتا ہے، حیض کا خون مسلسل نہیں آتا رہتا ہے۔ اس لئے حیض کی مدت کے درمیان پاکی اور طہر ہو تو اس کا حکم بھی خون آنے ہی کی طرح ہے۔ یعنی اس مدت میں عورت نماز نہیں پڑھے گی اور نہ اس کا شوہر اس سے وطی کرے گا۔ مثلا پہلے دن خون آیا پھر خون بند رہا پھر دسویں دن خون آیا تو پہلے دن سے لیکر دس دن تک حیض ہی شمار کیا جائے گا اور اس کا حکم حیض ہی کی طرح ہوگا۔

وجہ جس طرح نصاب زکوۃ میں شروع سال اور اخیر سال میں نصاب پورا ہو جانا کافی ہے اسی طرح حیض کے شروع دن میں اور اخیر دن میں خون آجائے تو تمام دن حیض ہی شمار کر دیا جائے گا۔ چاہے درمیان میں خون نہ آیا ہو (٢) عموما ہمیشہ خون آتا بھی نہیں ہے۔ اس لئے مسلسل خون آنے کی شرط نہیں لگائی گئی۔

[۱۰۸](۱۱) واقل الطھر خمسة عشر یوما ولا غایة لاکثرہ[۱۰۹] (۱۲) ودم الاستحاضة ھو ما تراہ المرأة اقل من ثلثة ایام او اکثر من عشرة ایام[۱۱۰](۱۳)

[۱۰۸] (۱۱) دوحیضوں کے درمیان کم سے کم طہر پندرہ دن ہونگے اور کوئی حد نہیں ہے زیادہ طہر کے لئے۔

تشریح دوحیضوں کے درمیان کم سے کم پندرہ دن طہر ہوگا اور زیادہ طہر کے لئے کوئی حد نہیں ہے۔ دوسال اور تین سال بھی عورت کو حیض نہیں آتا ہے۔

وجہ (۱) ابراہیم نخعی سے منقول ہے کہ کم سے کم طہر کی مدت پندرہ دن ہوتی ہے۔ اس لئے پندرہ دن ہونگے۔

نوٹ یہ قول مجھے نہیں ملا اور نہ صاحب درایہ کو ملا ہے (۲) اقامت کی مدت پندرہ دن ہے اس سے استدلال کیا جا سکتا ہے کہ طہر کی مدت پندرہ دن ہو۔

[۱۰۹] (۱۲) اور استحاضہ کا خون وہ ہے جو عورت تین دن سے کم دیکھے یا دس دن سے زیادہ دیکھے۔

تشریح عورت کو حنفیہ کے نزدیک کم سے کم تین دن تک حیض کا خون آئے گا۔ لیکن مثلا دو دن خون آیا اور پھر گیارہ دن تک کوئی خون نہیں آیا تو یہ دو دن کا خون استحاضہ کا خون شمار کیا جائے گا۔ اسی طرح دس دن سے زیادہ خون آیا وہ استحاضہ کا خون شمار ہوگا۔

نوٹ جن اماموں کے نزدیک حیض کا خون ہونے کا مدار خون کے کالے یا خون کے سرخ ہونے پر ہے ان کے نزدیک استحاضہ کا مسئلہ بہت آسان ہے کہ جب کالا اور انتہائی سرخ خون آئے گا تو اس کو حیض شمار کریں گے۔ اور جب پیلا، زرد یا مٹیالا خون آئے گا تو اس کو استحاضہ شمار کریں گے۔ اور استحاضہ کی حالت میں عورت نماز پڑھے گی، روزہ رکھے گی اور شوہر سے وطی بھی کرائے گی۔ علماء فرماتے ہیں کہ عورت متحیرہ ہو یعنی نہ عادت کا اندازہ ہو کہ مہینے میں کون کون سے دن حیض آتا تھا اور نہ یہ پتہ ہو کہ کب سے حیض شروع ہوا ہے اور کب ختم ہوا ہے تو ایسی عورت کے لئے خون کی رنگت پر حیض اور استحاضہ کا فیصلہ کرنا زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے **عن فاطمة بنت ابی حبیش انھا کانت تستحاض فقال لھا النبی ﷺ اذا کان دم الحیض فانه دم اسود یعرف فاذا کان ذلک فامسکی عن الصلوة فاذا کان الآخر فتوضئی و صلی** (الف) (ابوداؤد، باب من قال توضأ لکل صلوۃ ص ۴۸ نمبر ۳۰۴) چنانچہ امام احمدؒ نے خون کی رنگت پر حیض اور استحاضہ کا فیصلہ کیا ہے۔

[۱۱۰] (۱۳) استحاضہ کا حکم نکسیر پھوٹنے کے حکم کی طرح ہے۔ نہ نماز کو روکتا ہے نہ روزے کو اور نہ وطی کو۔

تشریح استحاضہ کی حالت میں یہ سب جائز ہیں۔ حدیث میں اس کی دلیل موجود ہے (۱) **عن عائشة انھا قالت قالت فاطمة بنت ابی حبیش لرسول الله ﷺ یا رسول الله انی لا اطھر؟ افادع الصلوة فقال رسول الله ﷺ انما ذلک عرق ولیس بالحیضة فاذا اقبلت الحیضة فاترکی الصلوة فاذا ذھب قدرھا فاغسلی عنک الدم وصلی** (ب) (بخاری شریف، باب

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جب حیض کا خون ہو۔ یقیناً وہ کالا خون ہوتا ہے جو پہچانا جاتا ہے۔ پس جب کہ یہ خون ہو تو نماز سے رک جاؤ، پس جب کہ دوسرا خون ہو (یعنی استحاضہ کا) تو وضو کرو اور نماز پڑھو (ب) فاطمہ بنت ابی حبیش حضورؐ سے کہنے لگی یا رسول اللہ! میں پاک نہیں ہوتی ہوں تو کیا نماز چھوڑ (باقی اگلے صفحہ پر)

فحکمه حکم الرعاف لا یمنع الصلوة ولاالصوم ولا الوطی[۱ ۱ ۱](۱۴) واذا الدم علی العشرة وللمرأة عادة معروفة ردت الی ایام عادتها ومازاد علی ذلک فهو استحاضة

الاستحاضۃ ص۴۴ نمبر ۳۰۶)رمسلم شریف، باب المستحاضۃ وغسلھا وصلواتھا ص۱۵۱ نمبر ۳۳۳)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مستحاضہ نماز پڑھے گی۔اورروزہ نماز کی طرح ہے اس لئے روزہ بھی رکھے گی (۲) شوہر وطی کرے اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن عکرمة قال کانت ام حبیبة تستحاض فکان زوجھا یغشاھا** (الف)(ابوداؤد، باب المستحاضۃ یغشاھا زوجھا ص۴۹ نمبر ۳۰۹)(۳) مستحاضہ کا خون حدیث سے معلوم ہوا کہ نکسیر پھوٹنے کی طرح ہے۔اورنکسیر پھوٹنے کی حالت میں نماز،روزہ،اوروطی جائز ہیں اس لئے استحاضہ کی حالت میں بھی یہ سب جائز ہونگے۔

لغت رعاف : ناک سے جوخون آتا ہے جس کونکسیر پھوٹنا کہتے ہیں،اس کورعاف کہتے ہیں۔

تحقیق حیض واستحاضۃ رحم کے اندر چاروں طرف حیض کی جھلیاں ہوتی ہیں وہ بڑھتی رہتی ہیں۔جب حیض کا زمانہ آتا ہے تو وہ کٹ کٹ کر خون کے ساتھ گرتی ہیں۔اس لئے حیض کا خون گاڑھا اور کالا ہوتا ہے۔لیکن رحم رگوں میں کوئی بیماری ہو تو حیض کے بعد بھی اس سے خون گرتا ہے۔جس میں وہ جھلیاں نہیں ہوتی یا سرخ رنگ کا خون ہوتا ہے یا مٹیالا یا زرد رنگ کا خون ہوتا ہے،استحاضہ کا خون رحم میں خراش یا بیماری کی وجہ سے آتا ہے۔

[۱۱۱](۱۴) اگرخون دس دن سے زیادہ ہوجائے اورعورت کے لئے عادت معروف ہوتو اس کی عادت کے زمانے کی طرف لوٹایا جائے گا۔اور جو عادت معروفہ سے زیادہ ہوگا وہ استحاضہ کا خون ہوگا۔

تشریح مثلاکسی کی عادت ہر مہینے میں تین یا پانچ دن حیض آنے کی ہے۔اب اس کونو دنوں تک خون آگیا تو سمجھا جائے گا کہ اس کی عادت بدل گئی اورنو دن تک حیض شمار کیا جائے گا۔لیکن اگراس کودس دن سے بھی زیادہ خون آگیا تو دس دن سے زیادہ جوخون ہے وہ استحاضہ ہوگا اوراس کے ساتھ ہی عادت پانچ روز تھی اس سے جوزیادہ خون آیا وہ بھی استحاضہ ہوجائے گا۔یعنی پانچ روز سے زیادہ تمام خون استحاضہ شمار کیا جائے گا۔ اورعادت کے مطابق پانچ رز حیض کے ہوں گے۔

وجہ حدیث میں اس کا اشارہ موجود ہے **قالت عائشه رأیت مرکنها ملآن دما فقال لها رسول الله ﷺ امکثی قدر ما کانت تحبسک حیضتک ثم اغتسلی و صلی** (ب)(مسلم شریف، باب المستحاضۃ وغسلھا وصلواتھا ص۱۵۱ نمبر ۳۳۴)(۲) **عن النبی ﷺ قال فی المستحاضة یدع الصلوة ایام اقرائها التی کانت تحیض فیها ثم تغتسل وتتوضأ عند کل صلوة**

حاشیہ : پچھلے صفحہ سے آگے)دوں؟ آپؐ نے فرمایا کہ یہ رگ کا خون ہے حیض نہیں ہے۔پس جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دو۔پس جب حیض کے زمانے کی مقدار چلی جائے تو اپنے سے خون دھوؤ اور نماز پڑھو (الف) عکرمہ فرماتے ہیں کہ ام حبیبہؓ مستحاضہ ہوتی تھی اوران کے شوہر ان سے وطی کرتے تھے (ب) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ام حبیبہ کا برتن خون سے بھرا ہوا تھا تو اس سے حضورؐ نے فرمایا اتنی مدت ٹھہرے رہو جتنی مدت تمہارا حیض تم کو روکے رکھتا تھا۔پھر غسل کرو اور نماز پڑھو۔

[۱۱۲](۱۵) وان ابتدأت مع البلوغ مستحاضة فحيضها عشرة ايام من كل شهر والباقی استحاضة[۱۱۳] (۱۶) والمستحاضة ومن به سلسل البول والرعاف الدائم والجرح الذی لا یرقأ یتوضؤن لوقت کل صلوة ویصلون بذلک الوضوء فی الوقت ما شاء وا من

وتصوم وتصلی (الف)(ترمذی شریف، باب ما جاء ان المستحاضة تتوضأ لکل صلوة ص۳۳ نمبر۱۲۶)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے حیض کے لئے عادت معروفہ ہواور دس دن سے زیادہ خون آ گیا تو عادت سے زیادہ جتنا ہوگا وہ سب استحاضہ کا خون ہوگا۔

[۱۱۲](۱۵)اگر بالغ ہونے کے بعد شروع سے مستحاضہ ہوئی ہے تو اس کا حیض دس دن ہیں ہر ماہ میں اور باقی استحاضہ ہوگا۔

تشریح ایک عورت کو پہلا خون آیا اور دس دن سے زیادہ خون آیا اور مستحاضہ ہوگئی اس کی کوئی عادت نہ بن سکی جس پر محمول کیا جائے اور ہر وقت خون آتا ہے تو ایسی عورت کے لئے ہر ماہ میں دس دن حیض شمار کئے جائیں گے۔اور باقی دن استحاضہ کے ہونگے۔

وجہ (۱) ہر ماہ میں تین دن تو یقینی طور پر حیض کا زمانہ ہے۔باقی سات دنوں میں شک ہے۔البتہ حنفیہ کے نزدیک حیض زیادہ سے زیادہ دس دن ہے اس لئے دس دن تک حیض ہی شمار کریں گے۔زیادہ سے زیادہ دس دن حیض کی مدت ہے اس کی دلیل مسئلہ نمبر ایک میں حدیث گزر گئی اقل الحیض ثلاثۃ ایام واکثرہ عشرۃ ایام (دار قطنی نمبر۸۳۶)

فائدہ امام ابو یوسف کی رائے ہے کہ نماز اور روزہ کے حق میں تین دن حیض ہوگا اور باقی دن نماز اور روزے ادا کرے گی اور وطی کے حق میں دس دن حیض شمار ہوگا تا کہ دس دن تک وطی نہ کرے۔یہ مسئلہ احتیاط پر ہے۔

نوٹ باضابطہ کوئی حدیث اس کے بارے میں نہیں ملی۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر خون کالا یا سرخ ہے تو اس وقت حیض ہوگا اور باقی زمانہ استحاضہ کا شمار ہوگا۔ان کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں کالے اور سرخ خون کو حیض کہا گیا ہے۔یہ حدیث مسئلہ نمبر۱۲ میں ابو داؤد کے حوالے سے گزر چکی ہے۔حدیث کے الفاظ یہ تھے۔فانہ دم اسود یعرف (ابو داؤد شریف،نمبر۳۰۴)

[۱۱۳](۱۶)مستحاضہ عورت اور جس کو سلسل البول ہے یا ہمیشہ نکسیر بہتی ہے یا وہ زخم ہو جو بند نہ ہوتا ہو تو وضو کریں گے ہر نماز کے وقت کے لئے اور نماز پڑھیں گے اس وضو سے وقت میں جتنی چاہے فرائض میں سے اور نوافل میں سے۔پس جب کہ وقت نکل جائے تو ان کا وضو باطل ہو جائے گا اور ان کے اوپر از سر نو وضو کرنا ہوگا دوسری نماز کے لئے۔

تشریح (۱) جس کو مسلسل استحاضہ کا خون آتا ہو (۲) یا مسلسل پیشاب آتا ہو (۳) یا نکسیر پھوٹی ہو اور ہمیشہ خون آتا رہتا ہو (۴) یا زخم سے خون بند نہ ہوتا ہو اور اتنا بھی وقت نہیں ملتا ہو کہ وضو کر کے تحریمہ باندھ سکے اور فرض نماز پڑھ سکے تو ایسے لوگوں کو معذور کہتے ہیں۔اور معذور کے لئے

حاشیہ : (الف) آپؐ نے مستحاضہ کے بارے میں فرمایا کہ حیض کے زمانے میں نماز چھوڑ دیگی جتنی حیض کی عادت تھی۔پھر غسل کرے اور ہر نماز کے لئے وضو کرے اور روزہ رکھے اور نماز پڑھے۔

الفرائض والنوافل فاذا خرج الوقت بطل وضوء هم وكان عليهم استيناف الوضوء لصلوة اخرى[۱۱۴] (۱۷) والنفاس هو الدم الخارج عقيب الولادة[۱۱۵] (۱۸) والدم الذى

شریعت نے سہولت دی ہے کہ ہر فرض نماز کے وقت وضو کریں گے اور اس وضو سے فرض اور نوافل جتنی چاہے پڑھیں۔ جب وقت نکل جائے گا تو اب ضرورت پوری ہوگئی اس لئے نکلنے کی وجہ سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ خون تو نکل ہی رہا تھا مجبوری اور ضرورت کی وجہ سے اس کا اعتبار نہیں کر رہے تھے۔ لیکن جب ضرورت پوری ہوگئی تو خون نکلنے کا اعتبار کر لیا گیا اور وضو توڑ دیا گیا۔ اب نئے وقت کے لئے نیا وضو کریں گے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے (۱) **عن النبی علیہ السلام انه قال فی المستحاضة تدع الصلوة ایام اقرائها التی کانت تحیض فیها ثم تغتسل و تتوضأ عند کل صلوة وتصوم وتصلی** (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء ان المستحاضۃ تتوضأ لکل صلوۃ ص ۳۳ نمبر ۱۲۶/ ابن ماجہ شریف، باب ماجاء فی المستحاضۃ التی قد عدت ایام اقرائہا قبل ان یستمر الدم، ص ۸۸، نمبر ۶۲۴) فیہ **توضئی لکل صلوة صلوة وان قطر الدم علی الحصیر** (ب) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ہر نماز کے لئے وضو کرے گی۔ البتہ ہمارے یہاں نماز کی بجائے نماز کے وقت کے لئے معذور وضو کریں گے۔ کیونکہ محاورہ میں نماز بول کر نماز کا وقت مراد لیتے ہیں۔ کہتے ہیں ظہر میں آؤ یعنی ظہر کے وقت میں آؤ۔ اس لئے عند کل صلوۃ سے مراد عند کل وقت صلوۃ ہے۔ چنانچہ امام شافعیؒ کے نزدیک بھی ایک وضو سے فرض کے تحت میں بہت سے نوافل پڑھ سکتے ہیں۔ اس لئے حنفیہ اور شوافع کا مسلک قریب قریب ہوگیا۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک احادیث کی بنا پر ہر نماز کے لئے وضو کیا جائے گا اور اس کے تحت میں نوافل پڑھ سکتے ہیں

نوٹ احادیث میں ہر نماز کے لئے غسل کرنے کا حکم ہے وہ استحباب کے طور پر ہے یا علاج کے طور پر ہے

لغت سلسل البول : جن کو ہر وقت پیشاب کا قطرہ آتا رہتا ہو، الرعاف الدائم : ہمیشہ نکسیر پھوٹتی رہتی ہو، لا یرقأ : خون بند نہ ہوتا ہو

فائدہ امام زفرؒ کے نزدیک فرض نماز کا وقت داخل ہونے سے پہلے وضو ٹوٹے گا۔

﴿ نفاس کا بیان ﴾

[۱۱۴] (۱۷) نفاس وہ خون ہے جو بچہ پیدا ہونے کے بعد نکلے۔

تشریح یہ نفس سے مشتق ہے۔ یعنی وہ خون جو نفس یعنی انسان نکلنے کی وجہ سے نکلے۔

لغت عقیب : بعد میں، پیچھے

[۱۱۵] (۱۸) وہ خون جو حاملہ عورت دیکھے یا عورت جو ولادت کی حالت میں دیکھے بچہ نکلنے سے پہلے وہ استحاضہ ہے۔

تشریح حاملہ عورت حمل کی حالت میں خون دیکھے یا بچہ پیدا ہونے سے پہلے عورت کو جو خون آتا ہے وہ استحاضہ کا خون ہے۔

وجہ (۱) کیونکہ نفاس اس خون کو کہتے ہیں جو بچہ پیدا ہونے کے بعد ہو اور یہ بچہ پیدا ہونے سے پہلے ہے۔ اور حیض اس لئے نہیں ہو سکتا کہ وہ

(ب) آپؐ نے فرمایا مستحاضہ کے سلسلے میں کہ وہ حیض کے زمانے میں نماز چھوڑ دے گی جس میں حیض آیا کرتا تھا۔ پھر غسل کرے گی اور ہر نماز کے وقت وضو کرے گی اور روزہ رکھے گی اور نماز پڑھے گی (ب) ہر نماز کے لئے وضو کرو اگر چہ خون چٹائی پر ٹپکتا رہے۔

تراه الحامل وما تراه المرأة فی حال ولادتها قبل خروج الولد استحاضة [۱۱۶](۱۹) واقل النفاس لا حد له واکثره اربعون یوما ومازاد علی ذلک فهو استحاضة [۱۱۷](۲۰) واذا تجاوز الدم علی الاربعین وقد کانت هذه المرأة ولدت قبل ذلک ولها عادة فی النفاس ردت الی ایام عادتها وان لم یکن لها عادة فنفاسها اربعون یوما

خالی رحم سے نکلتا ہے اور یہاں رحم بچہ سے بھرا ہوا ہے (۲) حیض کی جھلیاں کٹ کٹ کر اگرتی ہیں تو حیض ہوتا ہے اور بچہ کی حالت میں بچہ کا آنول جھلیوں کے ساتھ چپکا ہوتا ہے اس لئے جھلیاں نہیں کٹ سکے گی اس لئے وہ حیض کا خون نہیں ہے۔ اسی طرح بچہ کی وجہ سے رحم کا منہ بند ہے اس لئے نہ حیض آ سکتا ہے اور نہ نفاس۔ اس لئے وہ استحاضہ کا خون ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ اس کو حیض قرار دیتے ہیں

[۱۱۶](۱۹) نفاس کی کم سے کم مدت کے لئے کوئی حد نہیں ہے اور اس کی زیادہ مدت چالیس دن ہیں اور جو اس سے زیادہ ہو وہ استحاضہ ہے۔

وجہ حدیث میں ہے عن ام سلمة قالت کانت النفساء تجلس علی عهد رسول الله ﷺ اربعین یوما (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی کم تمکث النفساء ص ۳۵ نمبر ۱۳۹) اور ابوداؤد شریف کی روایت میں یہ جملہ زیادہ ہے۔ لا یأمرها النبی ﷺ بقضاء صلواة النفاس (ب) (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی وقت النفساء ص ۴۹ نمبر ۳۱۲) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے۔ اس کے بعد جو خون آئے گا وہ استحاضہ ہوگا۔ اور کم کی کوئی حد نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن انس قال رسول الله ﷺ وقت النفاس اربعون یوما الا ان تری الطهر قبل ذلک (ج) (دار قطنی، کتاب الحیض، حدیث نمبر ۸۴۱، ترمذی شریف حدیث نمبر ۱۳۹) الا ان تری الطهر قبل ذلک سے معلوم ہوا کہ چالیس دن سے پہلے خون بند ہو جائے یو چاہے چند گھنٹے کے بعد خون بند ہو جائے عورت پاک ہو جائے گی۔

[۱۱۷](۲۰) نفاس کا خون چالیس دن سے تجاوز کر جائے حالانکہ یہ عورت اس سے پہلے بچہ جن چکی تھی اور اس کے لئے نفاس میں عادت تھی تو نفاس کا خون لوٹایا جائے گا اس کی عادت کی طرف۔ اور اگر اس کی عادت نہ ہو تو اس کے نفاس کی مدت چالیس دن ہے۔

تشریح جس عورت کو پہلے بچہ پیدا ہو چکا ہو اور نفاس کے لئے اس کی ایک عادت ہو مثلا پچیس روز نفاس آتا ہو اب اس کو پچاس روز تک خون آ گیا تو دس روز تو یقیناً استحاضہ ہے اس لئے اس دس روز کے ساتھ باقی پندرہ دن بھی استحاضہ شمار کیا جائے گا۔ اور اس کی پہلی عادت کے مطابق پچیس روز ہی نفاس ہوگا۔ کیونکہ چالیس دن کے بعد والے دس دن استحاضہ ہے تو معلوم ہوا کہ پچیس دن کے بعد بھی استحاضہ ہی آیا ہے۔ اور اگر اس عورت کی کوئی عادت نہیں ہے تو حدیث کے مطابق چالیس روز نفاس ہوگا اور باقی دن استحاضہ ہوگا۔ عادت کی طرف پھیرنے کی دلیل

حاشیہ : (ب) ام سلمہ فرماتی ہیں کہ نفساء عورت حضورؐ کے زمانے میں چالیس دن تک بیٹھتی تھی (نماز نہیں پڑھتی تھی (ب) حضورؐ نفاس کے وقت کی نماز قضا کرنے کا حکم نہیں دیتے تھے (ج) حضورؐ نے نفاس کا وقت چالیس دن متعین کیا۔ مگر یہ کہ اس سے پہلے طہر دیکھ لے (تو پہلے بھی پاک ہو جائے گی)

[١١٨] (٢١) ومن ولدت ولدين في بطن واحد فنفاسها ما خرج من الدم عقيب الولد الاول عند ابی حنیفة و ابی یوسف رحمهما الله تعالی وقال محمد و زفر رحمهما الله تعالی من الولد الثانی.

اور حدیث مسئلہ نمبر ١٩ میں گزر گئی۔

[١١٨] (٢١) کسی عورت نے ایک ہی حمل سے دو بچے دیئے تو اس کا نفاس وہ خون ہے جو پہلے بچے کے بعد نکلے امام ابو حنیفہ کے نزدیک۔ اور امام محمد اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ دوسرے بچے کے بعد۔

وجہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ ایک بچہ پیدا ہونے کے بعد رحم کا منہ کھل گیا اور انسان بھی پیدا ہو گیا جس سے لفظ نفاس مشتق ہے۔ اس لئے پہلے بچے کے بعد جو خون نکلے گا وہ سب نفاس شمار کیا جائے گا۔ اور امام محمد اور زفر فرماتے ہیں کہ ایک بچہ پیٹ میں موجود ہے اس لئے عورت ابھی حاملہ ہے اور حمل کی حالت میں جو خون آتا ہے وہ استحاضہ کا خون ہوتا ہے۔ اس لئے پہلے بچے کے بعد جو خون ہے وہ استحاضہ کا خون ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ ابھی رحم کا منہ بھی پورا کھلا ہوا نہیں ہے جب تک کہ دوسرا بچہ پیدا ہو کر منہ پورا نہ کھل جائے نفاس کا خون کیسے شمار کیا جائے گا۔

حاصل طرفین کی نظر بچہ پیدا ہونے کی طرف گئی اور امام محمد کی نظر اندر جو بچہ ابھی تک موجود ہے اس کی طرف گئی۔

لغت عقیب : بعد میں
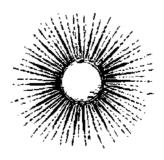
﴿باب الانجاس﴾

[۱۱۹](۱) تطھیر النجاسۃ واجب من بدن المصلی وثوبہ والمکان الذی یصلی علیہ

﴿ باب الانجاس ﴾

ضروری نوٹ انجاس نجس کی جمع ہے ناپاکی۔ نجس کی دو قسمیں ہیں نجاست حکمیہ جیسے وضو اور غسل کی ضرورت ہو اور نجاست حقیقیہ جیسے پیشاب اور پاخانہ۔ یہاں اسی نجاست حقیقیہ کے احکام کے متعلق بحث ہے۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے وثیابک فطھر (آیت ۴ سورۃ المدثر ۷۴) اور حدیث یہ ہے عن اسماء بنت ابی بکر انھا قالت سألت امرأۃ رسول اللہ ﷺ فقالت یا رسول اللہ ارأیت احدانا اذا اصاب ثوبھا الدم من الحیضۃ کیف تصنع فقال رسول اللہ اذا اصاب ثوب احداکن الدم من الحیضۃ فلتقرصہ ثم لتنضحہ بماء ثم لتصل فیہ (الف) (بخاری شریف، باب غسل دم المحیض ص ۴۵ نمبر ۳۰۷ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی غسل دم المحیض من الثوب، ص ۳۵، نمبر ۱۳۸)

[۱۱۹](۱) نجاست کو پاک کرنا واجب ہے (۱) نماز پڑھنے والے کے بدن سے (۲) اس کے کپڑے سے (۳) اور اس مکان سے جس پر نماز پڑھتے ہیں۔

تشریح نماز پڑھنے والے کے لئے بدن، کپڑا اور مکان کا پاک ہونا ضروری ہے ورنہ نماز نہیں ہوگی۔ نجاست حکمیہ سے پاک ہونے کی دلیل تو وضو اور غسل کے ابواب میں گزری اور نجاست حقیقیہ سے پاک ہونے کی دلیل یہ ہے۔

وجہ (۱) نجاست حکمیہ سے پاک ہونا ضروری ہے تو نجاست حقیقیہ مثلا پیشاب، پاخانہ لگا ہو تو اس سے پاک ہونا بدرجۂ اولی ضروری ہوگا۔ کیونکہ یہ تو اور بھی زیادہ گندی چیز ہے (۲) بدن پاک ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے سمعت انس بن مالک یقول کان النبی ﷺ اذا خرج لحاجتہ اجیء انا وغلام معنا اداوۃ من ماء یعنی یستنجی بہ (ب) (بخاری شریف، باب الاستنجاء بالماء ص ۲۷ نمبر ۱۵۰) پانی سے استنجا کرنے کی وجہ یہی ہے کہ مصلی کا بدن نجاست حقیقیہ سے پاک ہونا چاہئے۔ کپڑا پاک ہونے کی دلیل اوپر کی آیت ہے وثیابک فطھر اور حدیث میں ہے عن اسماء ابنۃ ابی بکر ان امرأۃ سألت النبی ﷺ عن الثوب یصیبہ الدم من الحیضۃ؟ فقال رسول اللہ حتیہ ثم اقرصیہ بالماء ثم رشیہ وصلی فیہ (ج) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی غسل دم الحیض من الثوب ص ۳۵ نمبر ۱۳۸) اور مکان پاک ہونے کی شرط کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عمر ان النبیؐ نھی ان یصلی فی سبعۃ مواطن فی المزبلۃ والمجزرۃ والمقبرۃ وقارعۃ الطریق و فی الحمام و فی معاطن الابل و فوق ظھر بیت اللہ (د) (ترمذی

حاشیہ : (الف) حضورؐ کی بیوی نے آپؐ سے پوچھا کہ ہم میں سے ایک کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے تو کیا کرے؟ آپؐ نے فرمایا تم میں سے کسی کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے تو اس کو ہاتھ سے کھرچو پھر پانی سے دھوؤ پھر اس میں نماز پڑھو (ب) حضورؐ جب اپنی ضرورت کے لئے نکلتے تو میں اور میرے ساتھ ایک لڑکا ہوتا۔ ہمارے ساتھ پانی کا برتن ہوتا یعنی آپؐ اس سے استنجا فرماتے (ج) حضورؐ کی بیوی نے اس کپڑے کے بارے میں جس میں حیض کا خون لگ جائے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کھرچو پھر اس کو رگڑو پانی سے پھر اس پر پانی بہاؤ اور اس میں نماز پڑھو (د) آپؐ نے سات جگہ نماز پڑھنے سے منع فرمایا (۱) کچرا (باقی اگلے صفحہ پر)

[۱۲۰](۲) ویجوز تطهیر النجاسة بالماء وبکل مائع طاهر یمکن ازالتها به کالخل و ماء الورد[۱۲۱](۳) واذا اصابت الخف نجاسة ولها جرم فجفت فدلکه بالارض جاز

شریف، باب ما جاء فی کراهیة ما یصلی الیه و فیه ص ۸۱ نمبر ۳۴۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان مقامات پر ناپاکی ہوتی ہے اس لئے ان مقامات پر نماز پڑھنا ناجائز ہے۔

[۱۲۰](۲) نجاست کا پاک کرنا جائز ہے پانی کے ذریعہ اور ہر وہ بہنے والی پاک چیز کے ذریعہ جن سے نجاست کا زائل کرنا ممکن ہو جیسے سرکہ اور گلاب کا پانی۔

وجہ (۱) حنفیہ کے نزدیک اصل قاعدہ یہ ہے کہ جن چیزوں سے نجاست کے اجزاء ڈھل جاتے ہیں وہ پانی نہ ہوں تب بھی ان چیزوں سے نجاست حقیقیہ کو پاک کرنا جائز ہے۔ کیونکہ اصل ناپاکی تو اجزاء نجاست ہیں جب وہ ہی نہیں رہیں تو کپڑا پاک ہو جائے گا۔ اس لئے گلاب کا پانی یا سرکہ جو پانی کی طرح پتلا ہوتے ہیں اور اجزاء نجاست کو دھوڈالتے ہیں ان سے نجاست کو دھویا تو پاک ہو جائے گا۔ البتہ یہ رس کی قسموں میں سے ہیں اس لئے ان سے وضو یا غسل کرنا جائز نہیں ہے۔ تفصیل پہلے گزر چکی ہے (۲) حدیث میں ہے **قالت عائشة ما کان لاحد انا الا ثوب واحد تحیض فیه فاذا اصابه شیء من دم قالت بریقها فقصعته بظفرها** (الف) (بخاری شریف، باب ھل تصلی المرأۃ فی ثوب حاضت فیہ ص ۴۵ نمبر ۳۱۲/ ابو داؤد شریف، باب المرأۃ تغسل ثوبھا الذی تلبسہ فی حیضھا ص ۵۸ نمبر ۳۶۴) آخری حدیث ہے۔ خون سب کے نزدیک ناپاک ہے اور اس کو تھوک سے تر کر کے ناخن سے رگڑ دیا اور خون زائل ہو گیا تو وہ چیز پاک ہو جائے گی (۳) جوتے پر نجاست لگی ہو اور زمین پر رگڑ دیا جائے اور نجاست زائل ہو جائے تو جوتا پاک ہو جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اصل قاعدہ یہی ہے کہ نجاست کے زیلان سے کپڑا پاک ہو جائے گا۔

فائدہ امام محمد اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ صرف پانی سے نجاست زائل کرے گا تو پاک ہوگا۔ کسی دوسری بہنے والی چیز سے نجاست زائل کرے گا تو چیز پاک نہیں ہوگی۔ ان کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں پانی سے منی، خون، پیشاب پاک کرنے کا ذکر ہے۔ **عن اسماء بنت ابی بکرؓ ... اذا اصاب ثوب احداکن الدم من الحیضة فلتقرصه ثم لتنضحه بماء ثم لتصلی فیه** (بخاری شریف، باب غسل دم المحیض، ص ۴۵، نمبر ۳۰۷) اس حدیث میں پانی سے ناپاکی دور کرنے کا تذکرہ ہے۔ اس لئے صرف پانی سے ناپاکی پاک ہوگی۔

لغت مائع : ہر بہنے والی چیز، الخل : سرکا، ماء الورد : گلاب کا پانی۔

نوٹ جس بہنے والی چیز میں نجاست زائل کرنے کی صلاحیت نہ ہو اس سے کپڑا پاک نہیں ہوگا۔

[۱۲۱](۳) اگر موزے کو ایسی نجاست لگ جائے جس کو جسم ہے پھر وہ خشک ہو جائے پس اس کو رگڑ دے زمین سے تو اس موزے میں نماز

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) پھینکنے کی جگہ میں (۲) اونٹ ذبح کرنے کی جگہ میں (۳) قبرستان میں (۴) راستے کے درمیان (۵) غسل خانہ میں (۶) اونٹ کے باندھنے کی جگہ میں (۷) اور بیت اللہ کے اوپر (الف) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ہم لوگوں کے پاس ایک ہی کپڑا ہوتا تھا جس میں ہم لوگ حائضہ ہوتیں تھیں۔ پس جب کہ اس کپڑے کو کچھ خون لگ جاتا تو تھوک سے تر کر لیتے تھے اور ناخن سے رگڑتے تھے۔

الصلوۃ فیه [۱۲۲] (۴) والمنی نجس یجب غسل رطبه.

جائز ہے **تشریح** جس نجاست کوجسم ہے جیسے پاخانہ، لید، گوبر وغیرہ وہ چمڑے کے موزے یا جوتے پر لگ جائے پھر خشک ہوجائے پھر اس کو زمین سے اتنا رگڑ دے کہ پاخانہ لگا ہوا محسوس نہ ہو تو وہ جوتا یا موزہ پاک ہوجائے گا۔

وجہ (۱) چمڑے میں جو ناپاکی کی سرایت کی ہوگی وہ کم ہے اور سوکھنے کی وجہ سے ناپاکی کے جسم نے واپس چوس لیا اور چمڑے کے اندر بہت کم ناپاکی رہ گئی اور اوپر کے حصے کو زمین سے رگڑ دیا تو نجاست زائل ہوگئی اور پہلے بتایا گیا ہے کہ نجاست کے زائل ہونے سے کپڑا یا چمڑا پاک ہوجاتا ہے۔اس لئے یہ جوتے یا موزے پاک ہوجائیں گے (۲) حدیث میں ہے **عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال اذا وطی احدکم بنعله الاذی فان التراب له طهور** (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی الاذی یصیب النعل ص ۶۱ نمبر ۳۸۵ / باب الصلوۃ فی النعل، نمبر ۶۵۰) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مٹی سے رگڑنے کے بعد جوتا یا موزہ پاک ہوجائے گا۔

اصول نجاست حقیقیہ کے زائل ہونے سے چیز پاک ہوجائیگی۔

لغت جرم : جسم دار، جفت : خشک ہوگیا، دلک : رگڑا۔

فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ موزے میں نجاست لگ جائے تو بغیر دھوئے پاک نہیں ہوگی۔ کیونکہ رگڑنے کی وجہ سے نجاست پھر بھی موزے پر رہ جائے گی اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نجاست کو دھوئے بغیر پاک نہیں ہوتی۔

نوٹ تر نجاست دھونے سے پاک ہوگی۔

[۱۲۲] (۴) منی ناپاک ہے۔تر منی کو دھونا واجب ہے۔

وجہ (۱) منی نکلنے سے غسل واجب ہوتا ہے۔جس چیز پر غسل واجب ہو ظاہر ہے کہ وہ چیز خود بھی ناپاک ہوگی (۲) حدیث میں ہے حضرت عائشہ تر منی کو حضورؐ کے کپڑے سے دھویا کرتی تھی اگر وہ ناپاک نہ ہوتی تو دھونے کی ضرورت نہیں تھی۔حدیث میں ہے **سألت عائشة عن المنی یصیب الثوب؟ فقالت کنت اغسله من ثوب رسول اللہ ﷺ فیخرج الی الصلوۃ و اثر الغسل فی ثوبه بقع الماء** (ب) (بخاری شریف، باب غسل المنی وفرکہ ص ۳۶ نمبر ۲۳۰ / مسلم شریف، باب حکم المنی ص ۱۴۰ نمبر ۲۸۹) دوسری حدیث ہے **یا عمار انما یغسل الثوب من خمس، من الغائط والبول والقیء والدم والمنی** (دار قطنی، باب نجاسۃ البول والامر بالتنزہ منہ ج اول ص ۱۳۴ نمبر ۴۵۲)

فائدہ امام مالکؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک منی پاک ہے۔کپڑے میں لگ جائے تو دھونے کی ضرورت نہیں۔ان کی دلیل (۱) وہ احادیث ہیں جن میں ہے

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا تم میں سے کوئی ایک اپنے جوتے سے گندگی روندے تو مٹی اس کے لئے پاک کرنے والی چیز ہے (ب) حضرت عائشہ سے کپڑے میں منی لگ جانے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ میں حضورؐ کے کپڑے سے منی دھویا کرتی تھی پھر وہ نماز کے لئے نکلتے تھے تو دھونے کا اثر ان کے کپڑے میں پانی کا دھبہ ہوتا۔

[۱۲۳] (۵) فاذاجف علی الثوب اجزاه فيه الفرک [۱۲۴] (۶) والنجاسة اذا اصابت المرآة والسيف اکتفی بمسحهما.

کہ حضورؐ کی منی کو کپڑے سے رگڑ کر صاف کیا کرتی تھی۔ اگر ناپاک ہوتی تو رگڑنے سے پاک نہیں ہوتی اس لئے منی پاک ہے (۲) منی سے انسان پیدا ہوتا ہے جو پاک ہے۔ اس لئے منی بھی پاک ہونی چاہئے (۳) وہ عبد اللہ ابن عباس کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں عن ابن عباس قال سئل النبی ﷺ عن المنی يصيب الثوب قال انما هو بمنزلة المخاط والبزاق وانما يکفيک ان تمسحه بخرقة او باذخر (الف) (دار قطنی، باب ماورد فی طہارۃ المنی وحکمہ رطبا ویابسا ج اول ص ۱۳۱ نمبر ۴۴۱) ہم کہتے ہیں اس کی سند کمزور ہے۔

[۱۲۳] (۵) پس اگر کپڑے پر خشک ہو جائے تو کافی ہے اس کو کھرچ دینا۔

تشریح منی ناپاک ہے لیکن تھوڑی گاڑھی ہوتی ہے اس لئے کپڑے پر خشک ہو جائے تو رگڑنے سے اس کے تمام اجزاء نکل جائیں گے اور کپڑا پاک ہو جائے گا۔ اور تھوڑی بہت رہ گئی تو وہ معفو عنہ ہے۔

وجہ (۱) حدیث میں رگڑ کر پاک کرنے کی دلیل موجود ہے عن عائشة لقد رأيتنی افرکه من ثوب رسول الله ﷺ فرکا فيصلی فيه (ب) مسلم شریف، باب حکم المنی ص ۱۴۰ نمبر ۲۸۸ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی المنی یصیب الثوب ص ۳۱ نمبر ۱۱۶) (۲) عن عائشة قالت کنت افرک المنی من ثوب رسول الله ﷺ اذا کان يابسا واغسله اذا کان رطبا (ج) (دار قطنی، باب ما ورد فی طہارۃ المنی وحکمہ رطبا ویابسا ج اول ص ۱۳۱ نمبر ۴۴۳) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ خشک منی ہو تو اچھی طرح رگڑنے سے بھی کپڑا پاک ہو جائے گا۔

فائدہ امام مالک کے نزدیک منی صرف دھونے سے پاک ہوگی۔ رگڑنا کافی نہیں ہے۔

[۱۲۴] (۶) نجاست جب کہ آئینہ کو یا تلوار کو لگ جائے تو کافی ہوگا ان دونوں کو پونچھ دینا۔

وجہ (۱) آئینہ اور تلوار چکنے ہوں کہ پونچھنے سے تمام نجاست صاف ہو جائے تو پونچھ دینے سے پاک ہو جائیں گے۔ کیونکہ نجاست مکمل صاف ہونے کے بعد نجاست باقی نہیں رہی۔ اس لئے پاک ہو جائیں گے۔ لیکن اگر تلوار یا آئینہ نقشین ہیں یا کھردرا ہیں اور نجاست مکمل صاف نہیں ہوتی تو پونچھنے سے پاک نہیں ہونگے۔ دھونا پڑے گا۔ (۲) صحابہ کرام قتال کرتے تھے اور تلوار کو صاف کرکے نماز پڑھ لیتے تھے دھونے کا اتفاق کم ہوتا تھا جس سے معلوم ہوا کہ چکنی چیز پونچھ دینے سے صاف ہو جائے تو پاک ہو جائے گی۔

لغت المرآة : آئینہ۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ سے کپڑے مین منی لگ جانے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ وہ ناک کی نیٹ اور تھوک کی طرح ہے۔ صرف کافی ہے کہ کپڑے کے ٹکڑے سے پونچھ دے یا اذخر گھاس سے پونچھ دے (ب) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ مجھ کو دیکھتے ہو کہ میں حضورؐ کے کپڑے سے اچھی طرح منی رگڑتی تھی پھر آپ اس میں نماز پڑھتے (ج) حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ میں حضورؐ کے کپڑے سے منی رگڑتی جب کہ خشک ہوتی اور اس کو دھوتی جب کہ تر ہوتی۔

[١٢٥] (٧) وان اصابت الارض نجاسة فجفت باشمس وذهب اثرها جازت الصلوة علی مكانها ولا يجوز التيمم منها.

[۱۲۵] (۷) اگر زمین پر ناپاکی لگ جائے اور سورج اس کو خشک کر دے اور ناپاکی کا اثر ختم ہو جائے تو اس جگہ پر نماز جائز ہے اور اس سے تیمّم جائز نہیں ہے۔

تشریح پیشاب یا پاخانہ یا کوئی اور ناپاکی زمین پر لگی ہو لیکن سورج نے اس ناپاکی کو خشک کر دیا اور ناپاکی کا اثرات ختم ہو گئے اب پتہ نہیں چلتا کہ اس جگہ پیشاب یا پاخانہ تھا تو اب وہ جگہ پاک ہو گئی اس پر نماز پڑھنا جائز ہے۔ تیمّم کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ آیت قرآنی سے اس کے لئے مٹی کا بالکل پاک ہونا ضروری ہے **فتيمموا صعيدا طيبا** بالکل پاک مٹی کی قید ہے۔

وجہ (۱) حدیث میں ہے **قال عبد الله ابن عمر كنت ابيت فی المسجد فی عهد رسول الله ﷺ وكنت فتی شابا عزبا، وكانت الكلاب تبول و تقبل وتدبر فی المسجد فلم يكونوا يرشون شيئا من ذلك** (الف) (ابو داؤد شریف، باب فی طهور الارض اذا يبست ص ۶۰ نمبر ۳۸۲) (۲) **عن ابی قلابة قال اذا جفت الارض فقد زكت** (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۷ من قال اذا كانت جافة فهو زكاتها، ج اول، ص ۵۹، نمبر ۶۲۵)

کتا مسجد میں پیشاب کرتا ہو پھر اس کو کوئی دھوتا نہ ہو اور اسی پر نماز پڑھتا ہو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ پیشاب خشک ہونے کے بعد اور اس کے اثرات چلے جانے کے بعد جگہ پاک ہو گئی۔ ابو قلابہ کے قول میں تو صاف ہے کہ زمین خشک ہو گئی تو پاک ہو گئی۔

نوٹ نجاست تر ہو یا اس کے اثرات نہ گئے ہوں تو دھوئے بغیر زمین پاک نہیں ہوگی۔

فائدہ امام شافعیؒ اور امام زفر فرماتے ہیں کہ نجاست خشک ہونے اور اثرات جانے کے بعد بھی دھوئے بغیر زمین پاک نہیں ہوگی۔

وجہ (۱) پاک کرنے والی کوئی چیز نہیں پائی گئی (۲) حدیث میں ہے **ان ابا هريرة قال قام اعرابی فبال فی المسجد فتناوله الناس فقال لهم النبی ﷺ دعوه وهريقوا علی بوله سجلا من ماء او ذنوبا من ماء فانما بعثتم ميسرين لم تبعثوا معسرين** (ج) (بخاری شریف، باب صب الماء علی البول فی المسجد ص ۳۵ نمبر ۲۲۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زمین پر پانی بہانے سے پاک ہو گی۔ ہم کہتے ہیں کہ تر نجاست ہو تو ہم بھی کہتے ہیں کہ پانی بہانے سے پاک ہو گی۔ یہاں پیشاب تر تھا اور جلدی میں نماز پڑھنی تھی اس لئے پانی سے پاک کی گئی۔ البتہ خشک کے لئے اوپر کی حدیث پر عمل ہوا۔

لغت جفت : خشک ہو گئی۔

حاشیہ : (الف) عبد اللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کے زمانے میں مسجد میں رات گزارتا تھا۔ میں جوان اکیلا تھا۔ کتا پیشاب کرتا تھا اور مسجد میں آتا جاتا تھا تو کوئی بھی اس پر پانی نہیں چھڑکتا تھا (ب) ابو قلابہؓ نے فرمایا جب زمین خشک ہو جائے تو پاک ہو جائے گی (ج) ابو ہریرۃ نے فرمایا ایک دیہاتی کھڑے ہوئے اور مسجد میں پیشاب کرنے لگے۔ لوگوں نے ان کو جھڑکنا شروع کیا تو حضورؐ نے ان لوگوں سے کہا اس کو چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پر ایک ڈول پانی بہا دو (سجلا کہا یا ذنوبا کیا) تم لوگ آسانی کے ساتھ بھیجے گئے ہو تنگی کے ساتھ نہیں بھیجے گئے ہو۔

[۱۲۶](۸) ومن اصابته من النجاسة المغلظة كالدم والبول والغائط والخمر مقدار

[۱۲۶](۸) کسی کونجاست مغلظہ لگ جائے جیسے خون، پیشاب، پاخانہ اور شراب درہم کی مقدار یا اس سے کم تو نماز اس کے ساتھ جائز ہوگی اور اگر زیادہ ہو جائے تو جائز نہیں ہوگی۔

تشریح نجاست مغلظہ بدن یا کپڑے پر لگ جائے اور درہم یعنی ہتھیلی کی چوڑائی سے کم ہو تو دھوئے بغیر نماز جائز ہو جائے گی اگر چہ دھونا ضروری ہے۔ کیونکہ اتنی مقدار شریعت نے معاف کی ہے ورنہ حرج عظیم لازم ہوگا۔

وجہ (۱) پتھر کے ذریعہ استنجا کی حدیث میں ہے کہ پتھر سے مقام پاخانہ صاف کر دیا جائے تو نماز جائز ہو جائے گی۔ حالانکہ پتھر کے ذریعہ صفائی سے نجاست مکمل صاف نہیں ہوگی صرف کمی ہوگی اس کے باوجود نماز جائز کر دی گئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اتنی مقدار نجاست غلیظہ معاف ہے۔ حدیث میں ہے **عن عائشة قالت ان رسول الله ﷺ قال اذا ذهب احدكم الى الغائط فليذهب معه بثلاثة احجار يستطيب بهن فانها تجزئ عنه** (الف) (ابوداؤد شریف، (باب الاستنجاء بالاحجار ص ۷ نمبر ۴۰) پاخانہ کا مقام ایک درہم کی مقدار یا ہتھیلی کی گہرائی کے مقدار ہے اس لئے اتنی ہی مقدار معاف ہوگی اس سے زیادہ لگی ہو تو دھوئے بغیر نماز جائز نہیں ہوگی حدیث میں ہے **عن ابی هريرة عن النبی ﷺ تعاد الصلوة من قدر الدرهم من الدم** (دار قطنی، باب قدر النجاسة التی تبطل الصلوة ص ۳۸۵ نمبر ۱۴۷۹) معلوم ہوا کہ درہم سے کم ہو تو معاف ہے اور درہم یا اس سے زیادہ ہو تو نماز جائز نہیں ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ اور امام زفر فرماتے ہیں کہ تھوڑی نجاست بھی دھونی پڑے گی اس لئے کہ احادیث میں دھونے کا حکم ہے اور تھوڑی نجاست اور زیادہ نجاست میں کوئی فرق نہیں کیا ہے اس لئے تھوڑی نجاست کو بھی دھونی پڑے گی تب نماز جائز ہوگی

لغت نجاسة مغلظة : جس نجاست کے نجاست ہونے پر اتفاق ہو وہ نجاست مغلظہ ہے۔ اور جس نجاست میں علماء کا اختلاف ہو وہ نجاست خفیفہ ہے۔

نوٹ خون، انسانی پیشاب، پاخانہ کے نجاست مغلظہ ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے **يا عمار انما يغسل الثوب من خمس من الغائط والبول والقيء والدم والمنی** (ب) (دار قطنی، باب نجاسة البول والامر بالتنزه منه والحکم فی بول ما یؤکل لحمه ج اول ص ۱۳۴ نمبر ۴۵۲) شراب کے ناپاک ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابی ثعلبة الخشنی انه سأل رسول الله قال انا نجاور اهل الكتاب وهم يطبخون فی قدورهم الخنزير و يشربون فی آنيتهم الخمر فقال رسول الله ﷺ ان وجدتم غيرها فكلوا فيها واشربوا وان لم تجدوا غيرها فارحضوها بالماء وكلوا واشربوا** (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی استعمال آنیة اہل الکتاب ج

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا تم میں سے کوئی ایک پاخانہ جائے تو اپنے ساتھ تین پتھر لے جائے۔ اس سے اس کی صفائی کرے۔ اس لئے کہ یہ صفائی کرنا کافی ہو جائے گا (ب) اے عمار! کپڑا پانچ نجاستوں سے دھویا جاتا ہے (۱) پاخانہ (۲) پیشاب (۳) قے (۴) خون (۵) اور منی سے (ج) آپؐ سے پوچھا کہ ہم لوگ اہل کتاب سے معاملہ کرتے ہیں اور وہ اپنی ہانڈیوں میں سور پکاتے ہیں اور اپنے برتنوں میں شراب پیتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر اس کے علاوہ برتن ملے تو اس میں کھاؤ اور پیو۔ اور اگر اس کے علاوہ نہ ملے تو اس کو پانی سے دھوؤ اور اس میں کھاؤ اور پیو۔

الدرهم فمادونه جازت الصلوة معه وان زاد لم يجز[۱۲۷](۹) وان اصابته نجاسة

ثانی ص۱۸۰نمبر۳۸۳۹)اس حدیث میں آپؐ نے فرمایا کہ جس برتن میں شراب پیتے ہوں اگر اس کے علاوہ کوئی برتن نہ ملے تو اس کو دھوکر اس میں پیو، دھونے کا حکم اس بات پر دال ہے کہ شراب ناپاک ہے اس لئے شراب والے برتن کو دھونا پڑیگا تب پاک ہوگا۔ **انما الخمر والميسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشيطان** (آیت ۹، سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں بھی شراب کو ناپاک قرار دیا ہے۔

[۱۲۷](۹)اور اگر کپڑے یا بدن کو نجاست خفیفہ لگ جائے جیسے گوشت کھائے جانے والے جانور کا پیشاب تو اس کے ساتھ نماز جائز ہے جب تک چوتھائی کپڑے کو نہ لگ جائے۔

تشریح نجاست خفیفہ اس کو کہتے ہیں جس کے پاک ہونے اور ناپاک ہونے میں دونوں قسم کے دلائل ہوں، یا علماء میں اختلاف ہو۔ جیسے ان جانوروں کا پیشاب جن کا گوشت کھایا جاتا ہے کہ ان کے پاک اور ناپاک ہونے میں دونوں قسم کی احادیث ہیں۔ پاک ہونے کی دلیل یہ ہے حدیث میں ہے(۱) **عن انس ان ناسا من عرينة قدموا المدينة فاجتووها فبعثهم رسول الله ﷺ فی ابل الصدقة وقال اشربوا من البانها وابوالها** (الف) (ترمذی شریف، باب ما جاء فی بول مایؤکل لحمہ ص۲۱ نمبر۷۲) آپؐ نے اہل عرینہ کو اونٹ کا پیشاب پینے کا حکم دیا۔ وہ پاک ہوگا تب ہی تو پیشاب پینے کا حکم دیا ہوگا؟ (۲) **عن البراء قال قال رسول الله ﷺ لا بأس ببول ما اكل لحمه** (ب) (دار قطنی، باب نجاسۃ البول والامر بالتنزہ منہ والحکم فی بول مایؤکل لحمہ ص۱۳۵ نمبر۴۵۴) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مأکول اللحم کا پیشاب پاک ہے۔ پیشاب کے ناپاک ہونے کی دلیل (۱) **عن ابن عباس... فقال النبی ﷺ يعذبان وما يعذبان فی كبير ثم قال بلى كان احدهما لا يستتر من بوله وكان الآخر يمشی بالنميمة** (ج) (بخاری شریف، باب من الکبائر ان لا یستتر من بولہ ص۳۵ نمبر۲۲۶ رترمذی شریف، باب التشدید فی البول ص۳۱ نمبر۷۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی بھی پیشاب لگنا گناہ کبیرہ ہے۔ اس لئے وہ ناپاک ہے (۲) **عن انس قال قال رسول الله ﷺ تنزهوا من البول فان عامة عذاب القبر منه** (د) (دار قطنی، باب نجاسۃ البول والامر بالتنزہ منہ ج اول ص۱۳۵ نمبر۴۵۳) یہ دونوں قسم کی احادیث مأکول اللحم کے بارے میں ہیں۔ اس لئے اس کے پیشاب کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہو گیا۔ اس لئے اس کا پیشاب امام ابو حنیفہ کے نزدیک نجاست خفیفہ ہے اور دوسرے جانور یا انسان کے بارے میں پاکی کی احادیث نہیں ہیں اس لئے ان کا پیشاب نجاست غلیظہ ہے۔

نجاست خفیفہ کے بارے میں اصل روایت یہ ہے کہ اتنا لگ جائے کہ لوگ اس کو کثیر اور زیادہ سمجھیں تو کپڑا ناپاک ہو جائے گا۔ دوسری روایت ہے کہ کپڑے کی چوتھائی ہو تو وہ گویا کہ کثیر ہو گیا اور کپڑا ناپاک ہوگا۔ کیونکہ ستر کھلنے میں چوتھائی ستر کھل جائے تو وہ کل ستر کھلنے کے قائم

حاشیہ : (الف) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ مقام عرینہ سے مدینہ آئے تو ان کے پیٹ پھول گئے تو ان کو حضورؐ نے صدقہ کے اونٹ میں بھیجا اور کہا کہ اس کا دودھ بھی پیو اور اس کا پیشاب بھی پیو (ب) آپؐ نے فرمایا جس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہے اس کے پیشاب میں کوئی حرج نہیں ہے (یعنی پاک ہے) (ج) دونوں کسی بڑی چیزوں کی وجہ سے عذاب نہیں دیئے جا رہے ہیں۔ پھر کہا کہ کیوں نہیں ان میں سے ایک پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کرتا پھرتا تھا (د) آپؐ نے فرمایا پیشاب سے پرہیز کیا کرو اس لئے کہ عام طور پر عذاب قبر اسی سے ہوتا ہے۔

مـخـفـفة كبـول مـا يـؤكـل لـحمه جازت الصلوة معه ما لم يبلغ ربع الثوب[۱۲۸](۱۰) وتـطهيـر الـنـجاسة التي يجب غسلها على وجهين فما كان له عين مرئية فطهارتها زوال

مقام ہے۔احرام کی حات میں سر منڈوانے میں چوتھائی سر منڈوائے تو کل سر منڈوانے کے قائم مقام ہے اسی طرح یہاں بھی چوتھائی کپڑے پر لگ جائے تو پورے کپڑے میں لگنے کے قائم مقام ہوگا اور کپڑا ناپاک ہو جائے گا۔

نوٹ بعض حضرات نے فرمایا کپڑے کی چوتھائی اور بعض حضرات نے فرمایا کپڑے کا ہر حصہ جن کا الگ الگ نام ہے جیسے آستین، دامن تو آستین کی چوتھائی اسی طرح دامن کی چوتھائی مراد ہے۔گائے، بھینس کے چرواہے کے لئے ان کے پیشاب سے بچنا بہت مشکل ہوتا ہے۔اگر چوتھائی کپڑے میں پیشاب لگنے اور کیچڑ لگنے کو معاف نہ کیا جائے تو ان کے لئے حرج ہو جائے گا۔اس لئے امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ نجاست خفیفہ چوتھائی کپڑے پر لگ جائے تو اس میں نماز جائز ہوگی اگر چہ دھو لینا چاہئے۔اس سہولت کی وجہ یہ حدیث ہے۔**قـلـت لام سـلـمـة ان امرأة اطيل ذيلي وامشي في المكان القذر؟ فقالت قال رسول الله ﷺ يطهره ما بعده** (الف)**وعـن عبد الله ابن مسعـود قـال كـنـا نـصلي مع رسول الله ﷺ ولا نتوضأ من الموطى** (ب)(ترمذی شریف، باب ما جاء فی الوضوء من الموطی ص ۳۶ نمبر ۱۴۳/ابوداؤد شریف، باب فی الرجل یطأ الاذی برجلہ ص ۳۰ نمبر ۲۰۴) دامن میں تھوڑی بہت ناپاکی لگ جائے اور بعد کے مکان اس کو جھاڑ دے تو نماز ہو جائے گی۔اس سے اشارہ ملتا ہے کہ نجاست غلیظہ ایک درہم سے کم ہو یا خفیفہ چوتھائی کپڑے سے کم ہو تو معفو عنہ ہیں ورنہ حرج ہوگا۔

فائدہ امام محمدؒ کے نزدیک حدیث عرینہ کی بنا پر ماکول اللحم کا پیشاب پاک ہے۔

﴿ نجاست پاک کرنے کا طریقہ ﴾

[۱۲۸](۱۰) نجاست کے پاک کرنے کا طریقہ جس کو دھونا واجب ہے دو طریقے ہیں (۱) پس جو نجاست آنکھ سے نظر آتی ہو اس کی پاکی اس کے عین کا زائل کرنا ہے۔مگر یہ کہ اس کا اثر باقی رہ جائے جس کا زائل کرنا مشکل ہو۔

تشریح جو نجاست خشک ہونے کے بعد آنکھ سے نظر آئے اس کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اتنی مرتبہ دھوئے کہ عین نجاست زائل ہو جائے ۔چاہے ایک مرتبہ میں زائل ہو جائے چاہے پانچ مرتبہ میں۔

وجہ (۱) نجاست مرئیہ کے عین کے زائل ہونے سے پاک ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے **عـن اسماء بنت ابي بكر انها قالت سمعت امرأة تسأل رسـول الـلـه ﷺ كيف تـصـنـع احـدانـا بثـوبها اذا رأت الطهر اتصلي فيه قال تنظر فان رأت فيه دما فـلـتـقـرصـه بشيء من ماء ولتنضح ما لم ترى وتصلي فيه** (ج)(ابوداؤد شریف، باب المرأۃ تغسل ثوبھا الذی تلبسہ فی حیضھا ص

حاشیہ : (الف) میں نے ام سلمہ سے کہا میں ایسی عورت ہوں جس کا دامن لمبا ہے اور گندگی کی جگہوں پر چلتی ہوں، انہوں نے فرمایا کہ حضورؐ نے فرمایا کہ بعد کی جگہ اس کو پاک کر دے گی۔(ب) عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ ہم حضورؐ کے ساتھ نماز پڑھتے اور روندی ہوئی خشک ناپاکی کی وجہ سے وضو نہیں کرتے (ج) ایک عورت نے حضورؐ سے پوچھا ہم میں سے ایک اپنے کپڑے کے ساتھ کیسے کرے گی جب کہ پاکی دیکھے۔کیا اس کپڑے میں نماز پڑھے گی؟ آپؐ نے (باقی اگلے صفحہ پر)

عینها الا ان یبقی من اثرها ما یشق ازالتها[۱۲۹](۱۱) وما لیس له عین مرئیة فطهارتها ان یغسل حتی یغلب علی ظن الغاسل انه قد طهر.

۵۸نمبر ۳۶۱)اس حدیث میں ہے کہ پانی ڈالو جب تک کہ نجاست نظر آئے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ نجاست مرئیہ زائل ہونے تک دھویا جائے گا(۲)مستحاضہ کے سلسلے میں یہ حدیث ہے **عن عائشة قالت جائت فاطمة بنت ابی حبیش ... فاذا ادبرت فاغسلی عنک الدم و صلی** (الف)(مسلم شریف، باب المستحاضہ وغسلہا وصلواتہا ص ۱۵۱ نمبر ۳۳۳)اس میں یہ بتایا کہ خون کو دھوؤ اور نماز پڑھو۔کتنی مرتبہ دھوئے یہ نہیں بتایا جس کا مطلب یہ ہے کہ نجاست مرئیہ کے زائل ہونے تک دھوؤ۔

نجاست زائل ہو جائے مگر اس کی رنگت زائل کرنے کے لئے صابون وغیرہ کی زحمت کرنے پڑے تو اس کی چنداں ضرورت نہیں ہے کپڑا پھر بھی پاک ہو جائے گا۔جیسے گوبر لگنے کے بعد عام پانی سے دھونے سے گوبر زائل ہو جاتا ہے لیکن اس کا داغ باقی رہتا ہے تو اس کے زائل کرنے کے لئے صابون وغیرہ کی زحمت ضروری نہیں ہے۔اس کی دلیل یہ حدیث ہے **سألت عائشة عن الحائض یصیب ثوبها الدم؟ قالت تغسله فان لم یذهب اثره فلتغیره بشیء من صفرہ** (ب)(ابوداؤد شریف، باب المرأۃ تغسل ثوبہا الذی تلبسہ فی حیضہا ص ۵۸ نمبر ۳۵۷)حدیث سے معلوم ہوا کہ داغ اور رنگت نہ جائے تو کوئی حرج نہیں ہے اس کو صفرہ سے بدل دیا جائے (۲) شریعت یوں بھی مشقت شدیدہ کی مکلّف نہیں بناتی۔

[۱۲۹](۱۱) جو نجاست نظر نہیں آتی اس کی طہارت کا طریقہ یہ ہے کہ دھوتے رہے یہاں تک کہ دھونے والے کو غالب گمان ہو جائے کہ وہ پاک ہو گیا ہوگا۔

تشریح جو ناپاکی خشک ہونے کے بعد نظر نہ آتی ہو جیسے پیشاب، شراب اس کو اتنی مرتبہ دھوئے اور ہر مرتبہ نچوڑے کہ دھونے والے کو گمان ہونے لگے کہ تمام نجاست نکل کر اب کپڑا پاک ہو گیا ہے۔

وجہ دھونے کی تکرار سے نجاست نکلتی چلی جائے گی اور آخر تمام نجاست نکل جائے گی اور زیلان نجاست ہی سے کپڑا یا بدن پاک ہو جاتا ہے(۲)علماء نے کہا ہے کہ تین مرتبہ دھویا جائے اور وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں **عن ابی هریرة ان النبی ﷺ قال اذا استیقظ احدکم من نومه فلا یغمس یده فی الاناء حتی یغسلها ثلاثا فانه لا یدری این باتت یده** (ج)(مسلم شریف، باب کراہۃ غمس المتوضی وغیرہ یدہ المشکوک فی نجاستہا فی الاناء قبل غسلہا ثلاثا ص ۱۳۶ نمبر ۲۷۸) یہاں نجاست غیر مرئیہ ہے تو تین مرتبہ دھونے کے لئے کہا گیا تو اور نجاست غیر مرئیہ میں بھی تین مرتبہ دھویا جائے۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) فرمایا غور کرو اگر اس میں خون دیکھو تو اس کو پانی کے ذریعہ رگڑو پھر پانی بہاتے رہو جب تک گندگی نہ نظر آنے لگے اور پھر اس میں نماز پڑھو(الف) فاطمہ بنت ابی حبیش سے حضورؐ نے فرمایا جب حیض کا خون ختم ہو جائے تو اپنے جسم سے خون دھوؤ اور نماز پڑھو(ب) حضرت عائشہ کو اس حائضہ کے بارے میں پوچھا جس کے کپڑے میں خون لگا ہو تو فرمایا کہ اس کو دھوئے۔پس اگر اس کا اثر نہ جائے تو زرد رنگ سے متغیر کر دے(ج) آپؐ نے فرمایا تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو تو اپنے ہاتھ کو برتن میں نہ ڈالے یہاں تک کہ اس کو تین مرتبہ دھوئے۔اس لئے کہ وہ نہیں جانتا کہ اپنے ہاتھ کو کہاں گزارا۔

[۱۳۰](۱۲) والاستنجاء سنة يجزئ فيه الحجر والمدر وما قام مقامه يمسحه حتى ينقيه وليس فيه عدد مسنون.

﴿ استنجاء کا بیان ﴾

[۱۳۰] (۱۲) استنجا سنت ہے، کافی ہے اس میں پتھر اور ڈھیلا اور جو اس کے قائم مقام ہو۔ مقام کو پونچھے یہاں تک کہ اس کو صاف کر دے۔

تشریح پاخانہ صاف کرنے کے لئے پتھر، ڈھیلا، لکڑی اور ایسی چیز جس سے پاخانہ صاف ہو جائے ان تمام چیزوں سے استنجا کرنا سنت ہے۔ ان چیزوں سے اتنی مرتبہ مقام صاف کرے کہ پاخانہ صاف ہو جائے تو کافی ہو جائے گا۔ اور پیشاب کے لئے ایسی چیز کی ضرورت ہے جو پیشاب کو چوس لے جیسے ڈھیلا۔ پتھر سے کام نہیں چلے گا کیونکہ اس میں پیشاب چوسنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ پتھر یا ڈھیلا استعمال کرنے سے نجاست کی کمی ہو جائے گی مکمل صفائی نہیں ہوگی۔ لیکن مخرج کے پاس ایک درہم چوڑائی کے اندر اندر ہو تو شریعت نے انسانی مجبوری کو دیکھتے ہوئے اس کی سہولت دی ہے۔ تاہم بہتر یہ ہے کہ پانی استعمال کرے تاکہ مکمل صفائی ہو جائے

نوٹ یہاں بھی اصل مقصد نجاست کو صاف کرنا ہے چاہے جتنے ڈھیلے میں صاف ہو جائے۔ تین عدد ضروری نہیں ہے۔ ان سب کی دلیل یہ حدیث ہے **عن عائشة قالت ان رسول الله و قال اذا ذهب احدكم الى الغائط فليذهب معه بثلثة احجار يستطيب بهن فانها تجزئ عنه** (الف) (ابو داؤد شریف، باب الاستنجاء بالاحجار ص ۷ نمبر ۴۰) حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ پتھر اور ڈھیلا استنجاء کے لئے کافی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ تین پتھر اس لئے ہونا چاہئے کہ ان سے عموماً پاکی ہو جاتی ہے۔ اسی لئے کہا **فانها تجزئ عنها** (۲) **عن ابی هريرة عن النبی** ﷺ **قال... ومن الستجمر فليوتر من فعل فقد احسن ومن لا فلا حرج** (ابو داؤد شریف، باب الاستتار فی الخلاء ص ۶ نمبر ۳۵)

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ تین پتھر لینا ضروری ہے اور اگر تین سے صفائی نہ ہو تو پھر زیادہ پتھر لیں گے۔ لیکن طاق پتھر لئے جائیں گے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن سلمان قال قيل له قد علمكم بينكم صلى الله عليه وسلم كل شيء حتى الخرائة قال فقال اجل لقد نهانا ان نستقبل القبلة لغائط او بول او ان نستنجي باليمين او ان نستنجي باقل من ثلثة احجار او ان نستنجي برجيع او بعظم** (ب) (مسلم شریف، باب الاستطابة ص ۱۳۰ نمبر ۲۶۲) اس حدیث میں استنجا کرنے کے بہت سے آداب مذکور ہیں۔ ساتھ ہی یہ ہے کہ تین پتھر سے کم سے استنجاء کرے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ اس لئے ہے کہ اس سے عموماً صفائی ہو جاتی ہے یا استحباب کے طور پر ہے واجب نہیں ہے۔

لغت المدر : ڈھیلا، ینقیہ : صاف کر دے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا تم میں سے کوئی ایک پاخانہ جائے تو اپنے ساتھ تین پتھر لے جائے اور ان سے پاکی حاصل کرے۔ اس لئے کہ یہ تین پتھر پاکی حاصل کرنے کے لئے کافی ہے (ب) حضرت سلمانؓ سے لوگوں نے کہا کہ تمہارا نبی تم کو ہر چیز سکھاتا ہے یہاں تک کہ پاخانہ کرنے کا طریقہ بھی۔ کہا ہاں! ہم کو روکا کہ پاخانہ کی حالت یا پیشاب کی حالت مین قبلہ کا استقبال کریں یا دائیں ہاتھ سے استنجا کریں یا تین پتھر سے کم سے استنجا کریں یا لید یا ہڈی سے استنجا کریں۔

[۱۳۱] (۱۳) وغسلہ بالماء افضل[۱۳۲] (۱۴) وان تجاوزت النجاسۃ مخرجھا لم یجز فیہ الا الماء او المائع[۱۳۳] (۱۵) ولا یستنجی بعظم ولا روث ولا بطعام ولا

---

[۱۳۱] (۱۳) مقام کو پانی کے ساتھ دھونا افضل ہے۔

وجہ **سمعت انس بن مالک یقول کان النبی ﷺ اذا خرج لحاجتہ اجیء انا وغلام معنا اداوۃ من ماء یعنی یستنجی بہ** (الف) (بخاری شریف، باب الاستنجاء بالماء ص ۲۷ نمبر ۱۵۰) اوپر کی حدیث اور اس حدیث کے ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی کے ساتھ استنجا کرنا افضل ہے۔ اس لئے کہ اس سے مکمل صفائی ہوجاتی ہے۔ البتہ پتھر استعمال کرنے سے کفایت کر جائے گی اور نماز جائز ہوجائے گی۔

[۱۳۲] (۱۴) اگر نجاست مخرج سے زیادہ پھیل جائے تو اس میں جائز نہیں ہے اس میں مگر پانی یا بہنے والی چیز۔

تشریح شیخین کے نزدیک مخرج کے علاوہ ایک درہم کی مقدار سے زیادہ نجاست پھیل جائے اور امام محمدؒ کے نزدیک مخرج کے ساتھ ایک درہم کی مقدار سے زیادہ نجاست پھیل جائے تو پانی سے دھونا ضروری ہے۔ اب پتھر سے صاف کرنا کافی نہیں ہوگا

وجہ (۱) مخرج کو مجبوری کے درجہ میں پتھر سے صاف کرنا کافی قرار دیا اس لئے اس سے زیادہ پھیل جائے تو پانی سے دھونا ضروری ہوگا (۲) حضرت علیؓ کے قول سے تائید ہوتی ہے۔ **قال علی بن ابی طالب انھم کانوا یبعرون بعرا وانتم تثلطون ثلطا فاتبعوا الحجارۃ الماء** (ب) (سنن للبیھقی، باب الجمع فی الاستنجاء بین المسح بالاحجار والغسل بالماء، ج اول، ص ۱۷۲، نمبر ۵۱۷) اس سے معلوم ہوا کہ پتھر اس وقت کافی ہوگا جب نجاست مخرج تک ہو جیسا کہ صحابہ خشک پاخانہ کرتے تھے تو مخرج تک ہوتا تھا۔ لیکن مخرج سے زیادہ ہو تو پانی استعمال کرنا ہوگا۔

نوٹ پانی سے بھی استنجا کرنا جائز ہے۔ اور ہر وہ بہنے والی چیز جس سے نجاست زائل ہوجائے اس سے بھی استنجا کرنا جائز ہے۔ امام شافعیؒ کا اختلاف اس بارے میں پہلے گزر چکا ہے۔

[۱۳۳] (۱۵) نہ استنجا کرے ہڈی سے، نہ لید سے، نہ کھانے سے، نہ دائیں ہاتھ سے۔

وجہ (۱) یہ ہے کہ کوئی ایسی چیز جو خود ناپاک ہو جیسے لید، سوکھا گوبر تو وہ دوسرے کو کیسے پاک کرے گی۔ اس لئے ناپاک چیز سے استنجا کرنا جائز نہیں ہے (۲) ایسی چیز جو چکنی ہو جیسے ہڈی اس سے مقام صاف نہیں ہوگا صرف نجاست مزید پھیل جائے گی اس لئے اس سے بھی استنجا جائز نہیں ہے (۳) ایسی چیز جو محترم ہو جیسے کھانا اور کاغذ تو اس سے بھی استنجا کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ احترام کے خلاف ہے۔ اسی طرح دایاں ہاتھ محترم ہے اس کو بھی پاخانہ کے لئے استعمال کرنا اچھا نہیں ہے۔ اس لئے اس سے بھی استنجا کرنا جائز نہیں ہے۔

نوٹ ان چیزوں سے استنجا کر لیا اور نجاست صاف ہوگئی تو نماز کے لئے درست ہوجائے گی۔ ان چیزوں سے مکروہ ہونے کی دلیل حضرت

حاشیہ : (الف) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ جب قضاء حاجت کے لئے نکلتے تو میں اور میرے ساتھ ایک لڑکا پانی سے بھرے ہوئے برتن کے ساتھ جاتے، یعنی اس سے حضورؐ استنجاء فرماتے (ب) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ مینگنی کی طرح پاخانہ کرتے تھے اور تم لوگ پتلا پاخانہ کرتے ہو اس لئے پتھر کے بعد پانی استعمال کرو۔

بیمینه.

سلمانؓ کی حدیث ہے جو مسئلہ نمبر۱۲ میں گزر گئی ۔**عن سلمان ... لقد نھانا ان نستقبل القبلة لغائط او بول او ان نستنجی بالیمین او ان نستنجی باقل من ثلاثة احجار او ان نستنجی برجیع او بعظم** (الف) (مسلم شریف، باب الاستطابۃ ص ۱۳۰ نمبر ۲۶۲) اس حدیث میں دائیں ہاتھ سے اور لید سے اور ہڈی سے استنجا کرنے سے منع فرمایا ہے۔
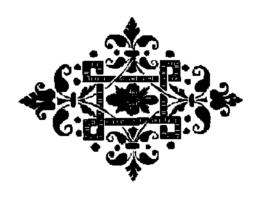
حاشیہ : (الف) حضورؐ نے ہمیں روکا کہ پاخانہ اور پیشاب کے وقت قبلے کا استقبال کریں یا دائیں ہاتھ سے استنجا کریں یا تین پتھر سے کم سے استنجا کریں یا گوبر سے یا ہڈی سے استنجا کریں۔

﴿کتاب الصلوۃ﴾

[۱۳۴](۱) اول وقت الفجر اذا طلع الفجر الثانی وھو البیاض المعترض فی الافق وآخر

﴿کتاب الصلوۃ﴾

ضروری نوٹ صلوۃ کے لغوی معنی دعا ہے۔شریعت میں ارکان معہودہ کوصلوۃ کہتے ہیں۔صلوۃ کے فرض ہونے کی دلیل قرآن کی بہت سی آیتیں ہیں۔مثلاان الصلوۃ کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا (الف) (آیت۱۰۳سورۃ النساء۴)

نوٹ نماز اہم عبادت ہےاورطہارت اس کے لئے شرط ہے۔اس لئے طہارت کومقدم کیا۔اب طہارت کےابحاث ختم ہونے کے بعدنماز کے مسائل کوشروع کیا

وقت وقت نماز کے لئے شرط ہےاگروقت نہ ہواہوتو نماز ہی واجب نہیں ہوتی۔وقت آنے پر ہی نماز واجب ہوتی ہے۔وجوب کی اصل وجہ تو اللہ کاحکم ہےلیکن ہم اللہ کے ہروقت کے حکم کونہیں سن پاتے اس لئے علامت کےطور پر وقت کورکھ دیا کہ جب وقت آئے توسمجھ لوکہ حکم آگیااور نماز شروع کرو۔وقت کی دلیل اوپر کی آیت ہے۔

[۱۳۴](۱) فجر کااول وقت جب کہ صبح صادق طلوع ہوجائے،فجر ثانی وہ افق میں پھیلی ہوئی سفید روشنی ہےاور فجر کا آخری وقت جب تک کہ سورج طلوع نہ ہوجائے۔

وجہ فجر کی نمازفرض ہونے کی دلیل یہ آیت ہے **وسبح بحمدک ربک قبل طلوع الشمس و قبل غروبھا ومن اٰناء اللیل فسبح واطرافھا النھار لعلک ترضی** (ب) (آیت۱۳۰سورہ طہ۲۰) بلکہ اس آیت میں تمام نمازوں کےاوقت کی طرف اشارہ ہو گیا۔اورنماز فجر کے وقت کی طرف بھی اشارہ ہوگیا۔

لغت الفجرالثانی : فجر کی دوقسمیں ہیں(۱) صبح کاذب (۲) صبح صادق۔صبح کاذب:مشرقی افق میں بھیڑئے کی دم کی طرح لمبی سی روشنی ہوتی ہے جو بہت مشکل سے نظر آتی ہے۔اس کے تھوڑی دیر کے بعدمحرابی شکل میں پھیلی ہوئی روشنی ہوتی ہے جس کوصبح صادق کہتے ہیں۔بعض ماہرین فلکیات اس کواٹھارہ ڈگری پر بتاتے ہیں اور بعض پندرہ ڈگری پر بتاتے ہیں۔دلائل دونوں طرف ہیں۔اسی صبح صادق کے وقت فجر کی نماز واجب ہوتی ہے۔اسی کی طرف مصنفؒ نے البیاض المعترض کہکر اشارہ کیاہے۔حدیث میں اس کی دلیل یہ ہے **عن سمرۃ بن جندبؓ قال قال رسول اللہ ﷺ لا یغرنکم اذان بلال ولا ھذا البیاض لعمود الصبح حتی یستطیرھکذا** (ج) (مسلم شریف،باب بیان ان الدخول فی الصوم تحصل بطلوع الفجر،کتاب الصوم ص۴۳۵۰ نمبر۱۰۹۴) حدیث سے پتہ چلا کہ روشنی جولمبائی میں ہووہ صبح صادق نہیں ہے۔بلکہ یستطیر یعنی افق میں پھیلی ہوئی روشنی صبح صادق ہے۔آیت میں بھی اس طرف اشارہ ہے **وکلوا واشربوا حتی**

حاشیہ : (الف) نماز مؤمن پر وقت متعینہ کے ساتھ فرض ہے(ب) اپنے رب کی تسبیح بیان کیجئے سورج کےطلوع ہونے سے پہلے اورغروب سے پہلے اوررت کے کچھ حصے میں۔پس تسبیح بیان کیجئے اوردن کے کناروں میں شاید کہ آپ راضی ہوجائیں (ج) آپ کو دھوکے میں نہ ڈالے بلال کی اذان اورنہ یہ صبح کی لمبی سفیدی یہاں تک کہ روشنی پھیل نہ جائے۔

وقتها ما لم تطلع الشمس[۱۳۵] (۲)واول وقت الظهر اذا زالت الشمس وآخر وقتها عند ابی حنيفة رحمه الله تعالی اذا صار ظل كل شیء مثليه سوی فیء الزوال وقال ابو

يتبين لكم الخيط الابيض من الخيط الاسود من الفجر (آیت ۱۸۷سورۃ البقرۃ ۲)تبین سے مراد فجر کا خوب واضح ہونا ہے جو صبح صادق کے وقت ہوتا ہے۔

[۱۳۵](۲) ظہر کا اول وقت جب سورج ڈھل جائے اوراس کا آخری وقت امام ابوحنیفہ کے نزدیک جب ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو جائے سایہ اصلی کے علاوہ۔اور صاحبین کے نزدیک جب کہ ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو جائے۔

تشریح ظہر کا اول وقت زوال کے فورا بعد سے شروع ہوتا ہے۔اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔البتہ اس کے آخری وقت کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ سایہ اصلی کے علاوہ دو مثل تک رہتا ہے۔اوراس کے بعد عصر کا وقت شروع ہوتا ہے۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے

وجہ **عن ابی ذر قال كنا مع رسول الله ﷺ فی سفر فاراد المؤذن ان يؤذن للظهر فقال النبی ﷺابرد، ثم اراد ان يؤذن فقال له ابرد،حتی رأينا فیء التلول فقال النبی ﷺ ان شدة الحر من فيح جهنم فاذا اشتد الحر فابردوا بالصلوة** (الف) (بخاری شریف، باب الابراد بالظہر فی السفرص ۷۷نمبر۵۳۹) ٹیلہ پستہ قد ہوتا ہے اس کا سایہ نیچے نظر آنے لگے یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب ہر چیز کا سایہ ایک مثل سے زیادہ ہو چکا ہو۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ظہر کی نماز ایک مثل کے بعد پڑھی گئی ہے۔اس لئے ظہر کا وقت دو مثل تک ہے فائدہ صاحبین اور دوسرے ائمہ سایہ اصلی کے علاوہ ایک مثل تک ظہر کا وقت کہتے ہیں۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے **اخبرنی ابن عباس ان النبی ﷺ قال امنی جبرئيل عند البيت مرتين فصلی الظهر فی الاولی منهما حين كان الفیء مثل الشراک ثم صلی العصر حين كان كل شیء مثل ظله ثم صلی المغرب حين وجبت الشمس وافطر الصائم ثم صلی العشاء حين غاب الشفق ثم صلی الفجر حين برق الفجر وحرم الطعام علی الصائم وصلی المرة الثانية الظهر حين كان ظل كل شیء مثله لوقت العصر بالامس ثم صلی العصر حين كان ظل كل شیء مثليه ثم صلی المغرب لوقته الاول ثم صلی العشاء الآخرة حين ذهب ثلث الليل ثم صلی الصبح حين اسفرت الارض ثم التفت الی جبرئيل فقال يا محمد هذا وقت الانبياء من قبلک والوقت فيما بين هذين الوقتين** (ب)(ترمذی

حاشیہ : (الف)ابوذر فرماتے ہیں کہ ہم حضور کے ساتھ سفر میں تھے تو مؤذن نے ظہر کی اذان دینے کا ارادہ کیا تو آپؐ نے فرمایا ٹھنڈا ہونے دو۔پھر اذان دینے کا ارادہ کیا تو آپؐ نے فرمایا ٹھنڈا ہونے دو۔یہاں تک کہ ہم نے ٹیلے کا سایہ دیکھا۔پھر آپؐ نے فرمایا سخت گرمی جہنم کی لپٹ ہے۔پس جب کہ سخت گرمی ہو تو نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھو (ب) آپؐ نے فرمایا کہ جبرئیل نے بیت اللہ کے پاس میری دو مرتبہ امامت کی۔پس ظہر کی نماز پہلے وقت پر پڑھائی جس وقت کے سایہ چپل کی طرح ہو گیا۔پھر عصر کی نماز پڑھائی جب کہ ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو گیا۔پھر مغرب کی نماز پڑھائی جب کہ سورج ڈوب گیا اور روزہ دار نے افطار کرلیا۔پھر عشا کی نماز پڑھائی جب کہ شفق ڈوب گیا۔پھر فجر کی نماز پڑھائی جس وقت فجر نکل گیا اور کھانا روزہ دار پر حرام ہو گیا۔اور دوسری مرتبہ ظہر کی نماز پڑھائی جب کہ ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو گیا جس وقت پچھلے دن عصر پڑھائی تھی۔پھر عصر کی نماز پڑھائی جس وقت ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو گیا۔پھر مغرب کی نماز پڑھائی پہلے ہی وقت پر۔(باقی اگلے صفحہ پر)

یوسف و محمد رحمهما الله اذا صار ظل کل شیء مثله[۱۳۶] (۳) واول وقت العصر اذا خرج وقت الظهر علی القولین وآخر وقتها مالم تغرب الشمس.

شریف، باب ماجاء مواقیت الصلوۃ عن النبی ﷺ ص ۳۸ ابواب الصلوۃ نمبر ۱۴۹/ابوداؤد شریف، باب المواقیت ص ۶۲، نمبر ۳۹۳) اس حدیث میں تمام نماز کے اوقت بیان کئے گئے ہیں۔اورظہر کا آخری وقت ایک مثل بتایا گیا ہے۔اورایک مثل کے بعدعصر کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔اسی حدیث کی بناپرصاحبین بھی اس طرف گئے ہیں کہ ایک مثل تک ظہر کا وقت رہتا ہے۔تاہم احتیاط اسی میں ہے کہ ایک مثل کے بعدظہر نہ پڑھے اوردومثل سے پہلے عصر کی نماز نہ پڑھے **لغت** فئ الزوال : ٹھیک دوپہر کے وقت جب سورج سر پر ہوتو اس وقت جوتھوڑا سا سایہ ہوتا ہے اس کوسایہ اصلی اورفی الزوال کہتے ہیں۔اس کوچھوڑ کر ہر چیز کا سایہ اس کے قد کے برابر ہوتو وہ ایک مثل سایہ کہلاتا ہے۔مثلا ایک آدمی کا قد ساڑھے پانچ فٹ ہے۔تو سایہ اصلی کے علاوہ سایہ ساڑھے پانچ فٹ تک چلا جائے تو ایک مثل ہوگیا۔اورسایہ اصلی کے علاوہ گیارہ فٹ تک سایہ لمبا ہوگیا تو دومثل ہوگیا۔

[۱۳۶](۳)عصر کا اول وقت جب کہ ظہر کا وقت نکل جائے دونوں قول پر۔اوراس کا آخری وقت جب تک سورج غروب نہ ہوجائے۔

تشریح صاحبین کے قول کے مطابق مثل اول کے بعدعصر کا وقت شروع ہوگا۔اورامام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق دومثل کے بعدعصر کا وقت شروع ہوگا۔اوربعض ائمہ نے دونوں حدیثوں کودیکھتے ہوئے فرمایا کہ ایک مثل کے بعداوردومثل سے پہلے وقت مہمل ہے یعنی نہ ظہر کا وقت ہے اورنہ عصر کا وقت ہے۔

نوٹ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ ظہر کے بعدفوراعصر کا وقت شروع ہوتا ہے نہ دونوں کے درمیان وقت مہمل ہے اورنہ مشترک ہے۔پہلی حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ عصر کی آخری نماز دومثل پر پڑھی گئی لیکن دوسری حدیث میں موجود ہے کہ غروب آفتاب تک عصر کا وقت موجود ہے۔البتہ آفتاب زرد ہونے کے بعدنماز مکروہ ہونے لگتی ہے۔اس لئے آفتاب زرد ہونے سے پہلے عصر کی نماز پڑھنی چاہئے۔تاہم غروب سے پہلے عصر کی نماز پڑھیگا تو ادا ہوگی قضا نہیں ہوگی۔کیونکہ ابھی وقت باقی ہے۔غروب آفتاب سے پہلے تک عصر کے وقت ہونے کی دلیل۔

وجہ (۱) وسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل غروبھا (آیت ۱۳۰ سورۂ طہ ۲۰) غروب سے پہلے نماز پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ نماز عصر کا وقت سورج غروب ہونے سے پہلے تک ہے(۲) حدیث میں ہے **عن ابی ھریرۃ ان النبی ﷺ قال من ادرک من الصبح رکعة قبل ان تطلع الشمس فقد ادرک الصبح و من ادرک من العصر رکعة قبل ان تطلع الشمس فقدادرک العصر (الف)** (ترمذی شریف، باب ماجاء فیمن ادرک رکعة من العصر قبل ان تغرب الشمس ص ۴۵ نمبر ۱۸۶/بخاری شریف، باب من ادرک من الفجر رکعة ص

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) پھرعشا آخرہ کی نماز پڑھائی جب کہ تہائی رات چلی گئی۔پھرصبح کی نماز پڑھائی جس وقت زمین میں اسفار ہوگیا۔پھرمیری طرف جبرئیل متوجہ ہوئے اورکہا کہ اے محمد! یہ آپ سے پہلے انبیا کا وقت ہے۔اورنمازوں کا وقت ان دونوں وقتوں کے درمیان ہے(الف) آپؐ نے فرمایا جس نے صبح کی ایک رکعت پائی سورج کے طلوع ہونے سے پہلے گویا کہ اس نے صبح کی نماز پالی۔اورجس نے سورج کے غروب ہونے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی تو گویا کہ عصر کی نماز پالی۔

[۱۳۷](۴) واول وقت المغرب اذا غربت الشمس وآخر وقتها مالم تغب الشفق
[۱۳۸](۵) وھو البیاض الذی یری فی الافق بعد الحمرۃ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ وقال ابو یوسف ومحمد رحمھما اللہ ھو الحمرۃ.

نمبر۵۷۹) سورج غروب ہونے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالے تو گویا کہ پوری عصر کی نماز پالی۔اس کا مطلب یہ ہے کہ غروب آفتاب سے پہلے تک عصر کا وقت ہے

[۱۳۷](۴) مغرب کا اول وقت جب سورج ڈوب جائے اوراس کا آخر وقت جب تک کہ شفق غائب نہ ہوجائے۔

وجہ مغرب کے اول وقت کے بارے میں حدیث گزر چکی ہے۔اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مغرب کی نماز دونوں دن سورج غروب ہونے کے بعد ہی پڑھائی۔اس لئے کہ مستحب وقت وہی ہے۔لیکن مغرب کا آخری وقت حقیقت میں شفق کے غروب ہونے تک ہے۔اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن عبد اللہ بن عمران النبی ﷺ قال اذا صلیتم الفجر ... فاذا صلیتم المغرب فانہ وقت الی ا ین یسقط الشفق** (الف)(مسلم شریف،باب اوقات الصلوات الخمس ص۲۲۲نمبر۶۱۲ رترمذی شریف،باب ماجاء فی مواقیت الصلوۃ ص ۴۰نمبر۱۵۱)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مغرب کا وقت شفق کے غروب ہونے تک رہتا ہے۔

[۱۳۸](۵)شفق وہ سفید روشنی ہے جوافق میں سرخی کے بعد دیکھی جاتی ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک۔اورصاحبین نے کہا شفق وہ سرخی ہے۔

تشریح آفتاب ڈوبنے کے بعد پہلے سرخی آتی ہے پھر سفید روشنی پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔پھر سفید روشنی لمبی سی ہوتی ہے جس کو بیاض مستطیر اور پھر بیاض مستطیل کہتے ہیں۔اس کے بعد افق پر مکمل اندھیرا چھاجاتا ہے۔امام ابوحنیفہ کے نزدیک سرخی کے بعد جو بیاض مستطیر ہوتی ہے وہاں تک مغرب کا وقت ہے۔اس کے بعد عشا کا وقت شروع ہوتا ہے(۱) فجر میں بیاض مستطیر فجر کا وقت ہے۔اسی طرح بیاض مستطیر مغرب کا وقت ہونا چاہئے۔کیونکہ دونوں ایک ہی طرح ہیں(۲) حدیث میں ہے **سمعت ابا مسعود الانصاری یقول ... ویصلی المغرب حین تسقط الشمس ویصلی العشاء حین یسود الافق وربما اخرھا حتی یجتمع الناس** (ب)(ابوداؤد شریف،باب فی المواقیت ص۶۲ ر۶۳ نمبر۳۹۴)اس حدیث میں ہے کہ آپؐ عشا کی نماز افق کالا ہونے کے بعد پڑھا کرتے تھے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ بیاض مستطیر تک مغرب کا وقت ہے۔جو سرخی کے بعد آتی ہے۔کیونکہ افق کالا سفیدی غائب ہونے کے بعد ہی ہوگا۔اس کی تائید اس اثر سے ہوتی ہے۔**کتب عمر بن عبد العزیز ان صلوا صلوۃ العشاء اذا ذھب بیاض الافق فیما بینکم و بین ثلث اللیل** (مصنف عبد الرزاق، باب وقت العشاء الاخرۃ،ص ۵۵۶،نمبر۲۱۱۰)اس اثر سے معلوم ہوا کہ افق کے بیاض جانے یعنی شفق ابیض کے ڈوبنے کے بعد نماز عشاء کا وقت ہوتا ہے۔

حاشیہ : (الف)(الف) آپؐ نے فرمایا پس جب کہ مغرب کی نماز پڑھو تو اس کا وقت شفق کے ڈوبنے تک ہے(ب)ابومسعود انصاری فرماتے ہیں کہ حضورؐ نماز پڑھتے تھے مغرب کی جب سورج ڈوب جاتا تھا اور عشا کی جب افق کالا ہوجاتا تھا،اور کبھی مؤخر کرتے تھے یہاں تک کہ لوگ جمع ہوجائیں۔

[١٣٩](٦) واول وقت العشاء اذا غاب الشفق وآخر وقتها ما لم يطلع الفجر[١٤٠] (٧)واول وقت الوتر بعد العشاء وآخر وقتها ما لم يطلع الفجر.

فائده صاحبین اور جمہور ائمہ کے نزدیک بیض مستطیر کے پہلے جو سرخی ہے وہاں تک مغرب کا وقت ہے۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ الشفق الحمرة فاذا غاب الشفق وجبت الصلوة** (الف)(دار قطنی، باب فی صفۃ المغرب والصبح ج اول ص ۲۷۶ نمبر ۱۰۴۴ رسنن للبیھقی ، باب دخول وقت العشاء بغیبوبۃ الشفق ، ج اول ،ص ۵۴۸ ،نمبر ۱۷۴۴)اس حدیث اور ابو ہریرہ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ سرخ شفق تک مغرب کا وقت ہے اس کے غروب ہونے کے بعد عشا کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

[۱۳۹](۶)عشا کا اول وقت جب شفق غائب ہو جائے اور اس کا آخر وقت جب تک کہ فجر نہ طلوع ہو جائے۔

وجہ عشا کے اول وقت کے بارے میں مسئلہ نمبر ۲ اور مسئلہ نمبر ۴ میں حدیث گزر چکی ہے۔البتہ آخری وقت کے بارے میں یہ حدیث ہے **عن عائشة قالت اعتم النبی ﷺ ذات ليلة حتى ذهب عامة الليل وحتى نام اهل المسجد** (ب)(مسلم شریف، باب وقت العشاء وتأخیرھا ص ۲۲۹ نمبر ۶۳۸)اس حدیث سے مولوم ہوا کہ عامۃ اللیل رات کا ایک بڑا حصہ چلا گیا۔دوسری حدیث میں ہے کہ آدھی رات چلی گئی تھی۔اس لئے آدھی رات تک نماز پڑھنے کا ثبوت صحیح حدیث سے ثابت ہے۔اور آخر رات تک عشا کے وقت ہونے کی دلیل صحابہ کا قول ہے **قال لابی هريرة ما افرط صلوة العشاء؟ قال طلوع الفجر و عن عبد الرحمن بن عوف فی امرأة تطهر قبل طلوع الفجر صلت المغرب والعشاء** (ج)(السنن للبیھقی ،باب آخر وقت الجواز لصلوۃ العشاء، ج اول ،ص ۵۵۳ ،نمبر ۱۷۶۳) صحابی کے اس قول سے معلوم ہوا کہ عشا کا وقت طلوع فجر سے پہلے تک ہے۔تمام ائمہ کا یہی مسلک ہے

[۱۴۰](۷)وتر کا اول وقت عشا کے بعد ہے اور اس کا آخر وقت جب تک صبح صادق طلوع نہ ہو۔

وجہ حدیث میں ہے (ا)**عن خارجة بن حذافة انه قال خرج علينا رسول الله ﷺ فقال ان الله امدكم بصلوة هی خير لكم من حمر النعم الوتر جعله الله لكم فيما بين صلوة العشاء الى ان يطلع الفجر** (د)(ترمذی شریف، باب ماجاء فی فضل الوتر ص ۱۰۳ نمبر ۴۵۲ رابوداؤد شریف، ابواب الوتر، باب استحباب الوتر ص ۲۰۸ نمبر ۱۴۱۸)اس سے معلوم ہوا کہ وتر کی نماز کا وقت عشا کے بعد سے لیکر صبح صادق طلوع ہونے تک ہے۔اور حدیث میں امدکم یعنی ایک نماز زیادہ کی اس سے معلوم ہوا کہ وتر کی نماز واجب ہے۔تب ہی تو پانچ نماز پر زیادتی ہوگی۔ایک اور حدیث ہے **عن مسروق انه سأل عائشة عن وتر النبی ﷺ فقالت من كل الليل قد اوتر**

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا شفق وہ سرخی ہے۔پس جب شفق غائب ہو جائے تو عشا کی نماز واجب ہے (ب) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور نے ایک رات عشا کی نماز پڑھی یہاں تک کہ رات کا عام حصہ جا چکا تھا۔اور مسجد والے سو چکے تھے (ج) حضرت ابو ہریرہ سے پوچھا گیا کہ عشا کی نماز کب ہوگی؟ فرمایا طلوع فجر پر اور عبد الرحمن بن عوفؓ سے پوچھا گیا اس عورت کے بارے میں جو طلوع فجر سے پہلے حیض سے پاک ہو۔فرمایا مغرب اور عشا کی نماز پڑھے گی (د) ہمارے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم آئے آپؐ نے فرمایا اللہ نے ایک نماز زیادہ کی ہے وہ تمہارے لئے سرخ اونٹ سے بہتر ہے۔وہ وتر ہے۔اس کو اللہ نے تمہارے لئے عشا کی نماز سے لیکر فجر طلوع ہونے تک کی ہے۔

[۱۴۱](۸) ویستحب الاسفار بالفجر[۱۴۲](۹) والابراد بالظهر فی الصیف وتقدیمها فی الشتاء.

اوله واوسطه وآخره فانتهی وتره حین مات فی وجه السحر (الف)(ترمذی شریف، باب ماجاء فی الوتر اول اللیل وآخرہ ص ۱۰۳ نمبر ۴۵۶)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وتر کی نماز اول، اوسط اور آخر رات میں پڑھی جا سکتی ہے۔

[۱۴۱](۸) فجر میں اسفار کرنا مستحب ہے۔

تشریح فجر کا اصل وقت تو طلوع صبح صادق سے شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن مستحب یہ ہے کہ اسفار کر کے فجر کی نماز شروع کرے۔

وجہ (۱) جماعت بڑی ہوگی ورنہ لوگ غلس اور اندھیرے میں کم آئیں گے اور جماعت کی قلت ہوگی (۲) حدیث میں ہے عن رافع بن خدیج قال سمعت رسول الله یقول اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر (ب)(ترمذی شریف، باب الاسفار بالفجر ص ۴۰ نمبر ۱۵۴/ابوداؤد شریف، باب فی وقت الصبح ص ۶۷ نمبر ۴۲۴)اس میں الفاظ یوں ہیں اصبحوا بالصبح اس سے معلوم ہوا کہ فجر کو اسفار کر کے پڑھنا مستحب ہے۔

فائدہ امام شافعی اور دیگر ائمہ کے نزدیک ہر نماز کو اول وقت میں پڑھنا مستحب ہے۔ اور فجر کو غلس اور اندھیرے میں پڑھنا مستحب ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے ان عائشة اخبرته قالت کن نساء المؤمنات یشهدن مع رسول الله ﷺ صلوة الفجر متلفعات بمروطهن ثم ینقلن الی بیوتهن حین یقضین الصلوة لا یعرفهن احد من الغلس (ج)(بخاری شریف، باب وقت الفجر ص ۸۲ نمبر ۵۷۸/مسلم شریف، باب استحباب التبکیر بالصبح ص ۲۳۰ نمبر ۶۴۵)اس حدیث میں دیکھئے غلس میں نماز پڑھی گئی۔ ہم کہتے ہیں کہ مدینہ کی طرح لوگ غلس میں مسجد میں آجاتے ہوں جیسے رمضان میں آجاتے ہیں تو غلس میں مستحب ہے اور اگر لوگ سوئے رہتے ہوں تو اسفار مستحب ہے۔

[۱۴۲](۹) مستحب ہے گرمی میں ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنا اور سردی میں اس کو مقدم کرنا۔

وجہ (۱) حدیث میں ہے عن عبد الله بن عمر حدثاه عن رسول الله ﷺ انه قال اذا اشتد الحر فابردوا بالصلوه فان شدة الحر من فیح جهنم (د)(بخاری شریف، باب الابراد بالظہر فی شدۃ الحر ص ۷۶ نمبر ۵۳۳/ترمذی شریف، باب ماجاء فی تاخیر الظہر فی شدۃ الحر، ص ۴۰، نمبر ۱۵۷))اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گرمی ہو تو ظہر کی نماز مؤخر کر کے پڑھنا مستحب ہے (۲) اور حدیث میں ہے انس بن مالک ان رسول الله ﷺ خرج حین زاغت الشمس فصلی الظهر (ہ)(بخاری شریف، باب وقت الظہر عند

حاشیہ : (الف) آپؐ نے پوری ہی رات وتر پڑھی۔ شروع رات میں، درمیان میں اور آخر میں۔ آخری آپؐ کی وتر جب انتقال کیا سحری کے وقت تھی (ب) آپ فرمایا کرتے تھے فجر کو اسفار کر کے پڑھو اس میں اجر و ثواب زیادہ ہے (ج) حضرت عائشہؓ نے خبر دی کہ مومن عورتیں حضورؐ کے ساتھ فجر کی نماز میں حاضر ہوتیں اپنی چادروں میں لپٹ کر۔ پھر اپنے گھروں کو جاتیں جس وقت نماز پوری کر لیتیں تو وہ اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہیں جاتیں (د) آپؐ نے فرمایا اگر گرمی زیادہ ہو تو نماز ٹھنڈی کر کے پڑھو۔ اس لئے کہ سخت گرمی جہنم کی لپٹ میں سے ہے (ہ) آپؐ نکلے سورج ڈھل گیا اور ظہر کی نماز پڑھی۔

[۱۴۳] (۱۰) وتاخیر العصر مالم تتغیر الشمس[۱۴۴](۱۱ وتعجیل المغرب [۱۴۵] (۱۲) وتاخیر العشاء الی ما قبل ثلث اللیل.

الزوال ص ۷۷ نمبر ۵۴۰) اس سے معلوم ہوا کہ سردی ہو تو نماز جلدی پڑھی جائے۔ایک دوسری حدیث میں ہے **سمعت انس بن مالک یقول کان النبی ﷺ اذا اشتد البرد بکر بالصلوة وذا اشتد الحر ابرد بالصلوة یعنی الجمعة** (الف) (بخاری شریف، باب اذا اشتد الحر یوم الجمعة ص ۱۲۴ کتاب الجمعة نمبر ۹۰۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سردی میں ظہر کی نماز جلدی پڑھے اور گرمی میں دیر کر کے پڑھے۔

[۱۴۳] (۱۰) عصر مؤخر کرے جب تک سورج میں زردی نہ آجائے۔

وجہ (۱) حدیث میں ہے **علی بن شیبان قال قدمنا علی رسول الله ﷺ الی المدینة فکان یؤخر العصر مادامت الشمس بیضاء بقیة** (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی وقت صلوة العصر ص ۶۵ نمبر ۴۰۸) (۲) دوسری حدیث میں ہے **سمعت ابا مسعود الانصاری یقول ... ورأیته یصلی العصر والشمس مرتفعة بیضاء قبل ان تدخلها الصفرة** (ج) (دار قطنی، باب ذکر بیان المواقیت واختلاف الروایات فی ذلک ج اول ص ۲۵۹ نمبر ۹۷۵) ان دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ آفتاب زرد ہونے سے پہلے تک عصر کی نماز مؤخر کرنا مستحب ہے۔تاکہ عصر سے پہلے سنن اور نوافل پڑھ سکے۔کیونکہ عصر کی نماز کے بعد نوافل نہیں پڑھ سکیں گے۔

[۱۴۴] (۱۱) مغرب کو جلدی پڑھنا (مستحب ہے)

وجہ (۱) اوپر کی حدیث میں دیکھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دونوں دن ایک ہی وقت میں مغرب کی نماز پڑھائی اس کا مطلب یہ ہے کہ اول وقت میں مغرب کی ماز پڑھنا مستحب ہے (۲) حدیث میں ہے **فقام الیه ابو ایوبؓ ... وقال اما سمعت رسول الله ﷺ یقول لا تزال امتی بخیر او قال علی الفطرة مالم یؤخروا المغرب الی ان تشتبک النجوم** (د) (ابوداؤد شریف، باب فی وقت المغرب ص ۶۶ نمبر ۴۱۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مغرب کو جلدی پڑھنا خیر کی چیز ہے۔

[۱۴۵] (۱۲) عشا کو تہائی رات تک مؤخر کرنا مستحب ہے۔

وجہ حدیث میں ہے **عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ لو لا ان اشق علی امتی لامرتهم ان یؤخروا العشاء الی ثلث اللیل او نصفه** (ہ) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی تاخیر العشاء الآخرة ص ۴۲ نمبر ۱۶۷ / ابوداؤد شریف، باب ماوقت العشاء الآخرة ص

حاشیہ : (الف) حضورؐ جب سخت سردی ہوتی تو جلدی نماز پڑھتے اور جب سخت گرمی ہوتی تو ٹھنڈا کر کے نماز پڑھتے یعنی جمعہ کی نماز (ب) علی ابن شیبان فرماتے ہیں کہ ہم حضورؐ کے پاس مدینہ آئے تو آپ عصر کو مؤخر کرتے تھے جب تک سورج سفید ہوتا (ج) ابو مسعود انصاری فرماتے ہیں کہ میں نے حضور کو دیکھا کہ عصر کی نماز پڑھتے ہیں اس حال میں کہ سورج بلند رہتا ہے اور سفید رہتا ہے۔اس میں زردی آنے سے پہلے (د) حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے میری امت ہمیشہ خیر میں رہے گی یا فطرت پر رہے گی جب تک ستارے چمکنے تک مغرب کی نماز کو مؤخر نہ کرے (ہ) آپؐ نے فرمایا میری امت پر مشقت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ان کو عشا کی نماز تہائی رات یا آدھی رات تک مؤخر کرنے کا حکم دیتا۔

[۱۴۶] (۱۳) ویستحب فی الوتر لمن یالف صلوۃ اللیل ان یؤخر الوتر الی آخر اللیل وان لم یثق بالانتباہ اوتر قبل النوم .

۶۶ نمبر۴۲۲)س سے معلوم ہوا کہ عشا کی نماز کو تہائی رات تک مؤخر کرنا مستحب ہے۔

[۱۴۶] (۱۳) وتر میں مستحب اس شخص کے لئے جس کو تہجد پڑھنے کا شوق ہو یہ ہے کہ مؤخر کرے رات کے اخیر حصہ تک، اور اگر اعتماد نہ ہو جاگنے پر تو وتر پڑھے سونے سے پہلے۔

تشریح جس کو تہجد پڑھنے کا شوق اور عادت ہو وہ وتر رات کے اخیر حصہ میں پڑھے۔ اور جسکو جاگنے پر اعتماد نہ ہو تو اس کو سونے سے پہلے وتر پڑھ لینا چاہئے۔

وجہ حدیث میں ہے **عن جابر قال قال رسول اللہ ﷺ من خاف ان لا یقوم من آخر اللیل فلیوتر اولہ ومن طمع ان یقوم آخرہ فلیوتر آخر اللیل فان صلوۃ آخر اللیل مشھودۃ و ذلک افضل (الف)** (مسلم شریف، باب من خاف ان لا یقوم من آخر اللیل فلیوتر اولہ، ص ۲۵۸، نمبر ۷۵۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وتر اخیر میں پڑھنا چاہئے۔ لیکن اگر سو جانے کا خطرہ ہو تو سونے سے پہلے پڑھ لینا چاہئے۔

لغت یثق بالانتباہ : جاگنے پر اعتماد ہو

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا کہ جس کو خوف ہو کہ وہ رات کے آخری حصے میں بیدار نہ ہو سکے گا تو وہ اول رات میں وتر پڑھ لے۔ اور جس کو لالچ ہو کہ آخری رات میں بیدار ہوگا اس کو آخری رات میں وتر پڑھنا چاہئے۔ اس لئے کہ آخری رات کی نماز حاضر کی جاتی ہے اور یہ افضل ہے۔

﴿باب الاذان﴾

[۱۴۷](۱)الاذان سنة للصلوات الخمس والجمعة دون ماسواها.[۱۴۸](۲) ولا

﴿ باب الاذان ﴾

ضروری نوٹ الاذان کے معنی اعلان کے ہیں،اذان میں نماز کا اعلان کیا جاتا ہےاس لئے اس کواذان کہتے ہیں۔اس کا ثبوت اس آیت سے ہے **یایها الذین آمنوا اذا نودی للصلوة من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر الله** (الف) (آیت ۹ سورۃ الجمعۃ ۶۲)

[۱۴۷](۱)اذان سنت ہے پانچوں نمازوں کے لئے اور جمعہ کے لئے نہ اس کے علاوہ کے لئے۔

تشریح پانچوں نمازوں اور جمعہ کے علاوہ اذان سنت نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ(۱) وتر (۲) عیدین (۳) جنازہ (۴) کسوف (۵) استسقاء (۶) تراویح (۷) سنن زوائد کے لئے اذان دینا سنت نہیں ہے۔اذان سنت ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے **ان ابن عمر کان یقول کان المسلمون حین قدموا المدینة یجتمعون فیتحینون الصلوة لیس ینادی لها فتکلموا یوما فی ذلک فقال بعضهم اتخذوا ناقوسا مثل ناقوس النصاری وقال بعضهم بل بوقا مثل قرن الیهود فقال عمر اولا تبعثون رجلا ینادی بالصلوة؟ فقال رسول الله یا بلال! قم فناد بالصلوة** (ب) بخاری شریف، باب بدأ الاذان ص ۸۵ نمبر ۶۰۴ رمسلم شریف، باب بداء الاذان ص ۱۶۴ نمبر ۳۷۷)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز کے لئے اذان دینا سنت ہے۔

[۱۴۸](۲)اذان میں ترجیع نہیں ہے۔

تشریح ترجیع کا مطلب یہ ہے کہ **اشهد ان لا اله الا الله** اور **اشهد ان محمدا رسول الله** کو دو دو مرتبہ آہستہ آہستہ کہے پھر ان دونوں کلمات کو دو دو مرتبہ زور زور سے کہے۔تو ان دونوں کلمات کو دوبارہ لوٹانا ہے اس لئے اس کو ترجیع کہتے ہیں۔حنفیہ کے نزدیک اذان میں ترجیع نہیں ہے **وجہ** (۱) عبداللہ بن زید جس نے فرشتے کو خواب میں اذان دیتے ہوئے دیکھا اور حجرت بلال کو اذان کے کلمات کی تلقین کی اس میں ترجیع نہیں ہے۔**عن عبد الله بن زید قال کان اذان رسول الله ﷺ شفعا شفعا فی الاذان والاقامة** (ج) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی ان الاقامۃ مثنی مثنی ص ۴۸ نمبر ۱۹۴ رابو داؤد شریف، باب کیف الاذان ص ۷۸ نمبر ۴۹۹) حضرت ابو محذورۃ کو آپؐ نے آواز بلند کروانے کے لئے دو بارہ شہادتین پڑھوایا تو انہوں نے سمجھا کہ ترجیع اصل ہے۔حالانکہ دو بور شہادتین پڑھوانا آواز بلند کروانے کے لئے تھا **فائدہ** امام شافعی کے نزدیک اذان میں ترجیع ہے۔ان کی دلیل حضرت ابو محذورۃ کی لمبی حدیث ہے۔یہ حدیث مسلم

حاشیہ : (الف) اے ایمان والو جمعہ کے دن نماز کے لئے جب اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ کر جاؤ (ب) حضرت عبداللہ بن عمر فرمایا کرتے تھے کہ مسلمان جب مدینہ آئے تو جمع ہوتے تھے اور نماز کا انتظار کرتے تھے۔ان کے لئے اذان نہیں دی جاتی تھی۔لوگوں نے اس بارے میں ایک دن بات کی تو بعض نے کہا کہ ناقوس رکھ لو جیسے کے نصاری کے ناقوس ہوتے ہیں۔بعض نے کہا بلکہ نرسنگھا لے لو یہود کے نرسنگھا کی طرح تو حضرت عمر نے فرمایا ایک آدمی کو نہ بھیجے جو نماز کے لئے آواز دے۔تو آپؐ نے فرمایا اے بلال کھڑے ہو کر نماز کی اذان دو (ج) عبداللہ بن زید فرماتے ہیں کہ حضور کی اذان شفعہ شفعہ تھی۔اذان میں بھی اور اقامت میں بھی۔

ترجیع فیہ [۱۴۹](۳) ویزید فی اذان الفجر بعد الفلاح الصلوۃ خیر من النوم مرتین [۱۵۰](۴) والاقامة مثل الاذان الا انہ یزید فیھابعد حی علی الفلاح قد قامت الصلوۃ

شریف، باب صفۃ الاذان ص۱۶۵ نمبر ۳۷۹ رترمذی شریف، باب ماجاء فی الترجیع فی الاذان ص ۴۸ نمبر۱۹۲ میں تفصیل سے ہے۔ ابومحذورۃ کی حدیث جودارقطنی میں ہے اس میں ترجیع نہیں ہے۔ (دارقطنی، باب فی ذکر اذان ابی محذورۃ واختلاف الروایات فیہ ص۲۴۱ نمبر۸۹۲) اس حدیث میں ترجیع کے کلمات نہیں ہیں۔

نوٹ تطویل کی وجہ سے حدیث نقل نہیں کررہا ہوں۔

[۱۴۹] (۳) فجر کی اذان میں حی علی الفلاح کے بعد دومرتبہ الصلوۃ خیر من النوم زیادہ کریں۔

وجہ حدیث میں ہے **عن بلال قال قال رسول اللہ ﷺ لا تثوبن فی شیء من الصلوات الا فی صلوۃ الفجر** (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی التثویب فی الفجر ص۴۹ نمبر۱۹۸) اوردارقطنی میں **سمعت ابا محذورۃ یقول کنت غلاما صبیا فاذنت بین یدی رسول اللہ ﷺ الفجر یوم حنین فلما بلغت حی علی الصلوۃ،حی علی الفلاح قال رسول اللہ الحق فیھا الصلوۃ خیر من النوم** (ب) (دارقطنی، باب ذکر الاقامۃ واختلاف الروایات فیھا ص۲۴۴ نمبر۸۹۹) اس سے معلوم ہوا کہ صبح کی نماز میں الصلوۃ خیر من النوم کہنا چاہئے۔

[۱۵۰] (۴) اقامت اذان کی طرح ہے مگر یہ کہ زیادہ کیا جائے گا حی علی الفلاح کے بعد قد قامت الصلوۃ دومرتبہ۔

وجہ حنفیہ کے نزدیک اذان کی طرح اقامت بھی مثنی مثنی یعنی دودومرتبہ ہے۔ ایک ایک مرتبہ نہیں ہے۔ اس کی دلیل ایک حدیث مسئلہ نمبر دو میں گزرچکی ہے (۲) ابوداؤد میں ابن ابی لیلۃ کی لمبی حدیث نقل کی ہے اس کے درمیان یہ لفظ ہے **فاذن ثم قعد قعدۃ ثم قام فقال مثلھا الا انہ یقول قد قامت الصلوۃ** (ج) (ابوداؤد شریف، باب کیف الاذان ص۸۱ نمبر۵۰۶) (۳) ایک تیسری حدیث ہے **عن ابن ابی لیلۃ عن معاذ بن جبل ثم امھل ھنیۃ ثم قام فقال مثلھا الا انہ قال** (د) (ابوداؤد شریف، باب کیف الاذان ص۸۲ نمبر۵۰۷) ابو محذورۃ کی حدیث میں اقامت مثنی مثنی ہے۔ **قال و علمنی الاقامۃ مرتین مرتین** (ابوداؤد شریف، باب کیف الاذان ص۷۹ نمبر ۵۰۲) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اذان کی طرح اقامت بھی مثنی مثنی ہے۔ کیونکہ مثلھا ہے کا مطلب ہے کہ اذان کی طرح اقامت بھی مثنی مثنی ہو۔

فائدہ امام شافعی اور دوسرے ائمہ کے نزدیک اقامت فرادی فرادی یعنی ایک ایک مرتبہ تمام کلمات ہیں سوائے قد قامت الصلوۃ کے۔ ان کی

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا نماز میں سے کسی میں تثویب نہ کرومگر فجر کی نماز میں (ب) ابومحذورۃ فرماتے ہیں کہ میں چھوٹا لڑکا تھا۔ پس میں نے حنین کے دن حضورؐ کے سامنے فجر کی اذان دی۔ پس جب میں حی علی الصلوۃ حی علی الفلاح پر پہنچا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس میں الصلوۃ خیر من النوم ملالو (ج) اذان دی پھر تھوڑی دیر بیٹھے پھر کھڑے ہوئے پھر اذان ہی کی طرح اقامت کہی مگر یہ کہ قد قامت الصلوۃ کہا (د) معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ پھر تھوڑی دیر ٹھہرے پھر کھڑے ہوئے پھر کہا اذان ہی کے مثل مگر یہ کہ کہا۔

مرتین [۱۵۱](۵) و یترسل فی الاذان و یحدر فی الاقامة[۱۵۲](۶) ویستقبل بهما القبلة[۱۵۳] (۷) فاذا بلغ الی الصلوة والفلاح حول وجهه یمینا وشمال.

دلیل بہت سی احادیث ہیں۔مثلا **عن انس قال امر بلال ان یشفع الاذان وان یوتر الاقامة الا الاقامة** (الف) (بخاری شریف، باب الاقامة واحدة الا قوله قد قامت الصلوة ص ۸۵ نمبر ۶۰۷ رمسلم شریف، باب الامر بشفع الاذان وایتار الاقامة ص ۱۶۴ نمبر ۳۷۸) ان احادیث کی وجہ سے جمہور ائمہ اقامت کے فرادی فرادی کے استحباب کے قائل ہیں۔حنفیہ کہ یہاں بھی اگر اقامت فرادی دے دے تو اقامت میں کوئی کراہیت نہیں ہے۔صرف افضلیت کا فرق ہے۔

[۱۵۱] (۵) ٹھہر ٹھہر کر کرے اذان میں اور جلدی کرے اقامت میں۔

وجہ اذان میں آواز دور تک پہنچانا ہے اس لئے تھوڑا ٹھہر ٹھہر کر کلمات ادا کرے اور اقامت میں مسجد تک آواز پہنچانا ہے اس لئے مسلسل کہتا چلا جائے ٹھہر ٹھہر کر نہ کہے (۲) **عن جابر ان رسول الله ﷺ قال لبلال یا بلال! اذا اذنت فترسل فی ذلک واذا اقمت فاحدر** (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الترسل فی الاذان ص ۴۸ نمبر ۱۹۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان ٹھہر ٹھہر کر دے اور اقامت میں جلدی کرے۔یہ مستحب ہے۔

لغت ترسل : ٹھہر ٹھہر کر بات کرنا، یحدر : مسلسل بات کہے جانا۔

[۱۵۲] (۶) اذان اور اقامت کہتے وقت قبلہ کا استقبال کرے۔

وجہ اذان اور اقامت کہتے وقت قبلے کا استقبال کرنا سنت ہے۔لیکن اگر اس کے خلاف کیا تو اذان اور اقامت کی ادائیگی ہو جائے گی۔البتہ سنت کی مخالفت ہوگی (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے ابو داؤد میں معاذ بن جبل کی لمبی حدیث ہے اس میں ایک عبارت اس طرح ہے **فجاء عبد الله بن زید الی رجل من الانصار وقال فیه فاستقبل القبلة** (ج) (ابو داؤد شریف، باب کیف الاذان ص ۸۲ نمبر ۵۰۷) باب فی الاقامة سے پہلے یہ حدیث ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ فرشتے نے استقبال قبلہ کر کے اذان دی تھی اس لئے استقبال قبلہ کر کے اذان واقامت کہنا سنت ہے۔

[۱۵۳] (۷) پس جب کہ حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح پر پہنچے تو اپنے چہرے کو دائیں اور بائیں پھیرے۔

تشریح حی علی الصلوۃ میں دائیں جانب چہرہ پھیرے تاکہ دائیں جانب والوں کو اذان کی خبر پہنچ جائے اور حی علی الفلاح میں بائیں طرف چہرہ پھیرے تاکہ بائیں جانب والوں کو اذان کی خبر پہنچ جائے۔

وجہ اس کی وجہ حدیث میں یہ ہے (۱) **عن عون بن جحیفة عن ابیه قال اتیت النبی ﷺ بمکة وهو فی قبة حمراء من ادم فخرج بلال فاذن فکنت اتبع فمه ههنا و ههنا... فلما بلغ حی علی الصلوة حی علی الفلاح لوی عنقه یمینا و**

حاشیہ : (الف) آپؐ نے حکم دیا بلال کو کہ اذان کو شفع کرے اور اقامت کو وتر کرے مگر قد قامت الصلوۃ کو (ب) آپؐ نے بلال سے فرمایا اے بلال جب اذان دو تو اس میں ٹھہر ٹھہر کر دو اور جب اقامت کہو تو مسلسل کہتے چلے جاؤ (ج) عبداللہ بن زید نے فرمایا کہ فرشتہ نے قبلہ کی طرف استقبال کیا (اور اذان دی)۔

[۱۵۴] (۸) و یؤذن للفائتة ویقیم فان فاتته صلوات اذن للاولی واقام و کان مخیرا فی الثانیة ان شاء اذن واقم وان شاء اقتصر علی الاقامة[۱۵۵] (۹) وینبغی ان یؤذن ویقیم علی طهر فان اذن غیر وضوء جاز.

شمالا ولم یستدر (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی المؤذن یستدیر فی اذانہ ص۸۴ نمبر۵۲۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح میں چہرہ دائیں اور بائیں پھرانا چاہئے۔

[۱۵۴] (۸) بہت سی فائتہ نمازوں کے لئے اذان دی جائے گی اور اقامت کہی جائے گی پس اگر بہت سی نمازیں فوت ہو جائیں تو پہلی نماز کے لئے اذان دے اور اقامت کہے۔ اور دوسری نمازوں میں اختیار ہے اگر چاہے تو ہر ایک کے لئے اذان دے اور اقامت کہے اور اگر چاہے تو صرف اقامت پر اکتفا کرے۔

تشریح ایک نماز فائتہ ہو اس کے لئے اذان کہی جائے گی اور اقامت کہی جائے گی۔ اور اگر بہت سی نمازیں ہوں تو اختیار ہے چاہے ہر ایک کے لئے اذان دے اور ہر ایک کے لئے اقامت کہے اور چاہے تو صرف پہلی کے لئے اذن دے اور باقی ہر ایک کے لئے اقامت کہے۔

وجہ حدیث میں ہے **قال عبد اللہ ان المشرکین شغلوا رسول اللہ ﷺ عن اربع صلوات یوم الخندق حتی ذھب من اللیل ماشاء اللہ فامر بلالا فاذن ثم اقام فصلی الظھر ثم اقام فصلی العصر ثم اقام فصلی المغرب ثم اقام فصلی العشاء** (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الرجل تفوتہ الصلوات بایتھن یبدأ ص۴۳ نمبر۱۷۹/ نسائی شریف، باب کیف یقضی الفوائت من الصلوۃ ص۷۲ نمبر۶۲۳) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ اذان دے اور باقی کے لئے اقامت کہے (اور چاہے تو ہر ایک نماز کے لئے اذان بھی کہے) (۲) اذان کا مقد لوگوں کو باہر سے بلانا ہے اور ہر ایک اذان میں سب جمع ہو چکے ہیں اس لئے باقی نمازوں کے لئے اذان دینے کی چنداں حاجت نہیں ہے۔ البتہ ہر فرض نماز اذان کے ساتھ شروع ہے اس لئے اگر ہر ایک کے لئے اذان دے تو دے سکتا ہے۔

[۱۵۵] (۹) مناسب ہے کہ اذان اور اقامت وضو کے ساتھ کہے۔ پس اگر اذان بغیر وضو کے دیدی تو جائز ہے۔

وجہ (۱) اذان میں نماز کی طرف بلانا ہے اور ذکر ہے اس لئے وضو کے ساتھ اذان کہے۔ اور اقامت کے بعد تو نماز ہی پڑھنا ہے تو دوسرے لوگ نماز میں مشغول ہوں اور خود نماز کی طرف بلانے والا وضو کرنے جائے تو کتنا برا معلوم ہوگا۔ اس لئے اقامت بغیر وضو کے کہنا مکروہ ہے۔ البتہ اگر کہہ دیا تو اقامت ادا ہو جائے گی (۲) حدیث میں ہے **عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قال لا یؤذن الا متوضئ**

حاشیہ : (الف) ابی جحیفہ فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کے پاس مکہ آیا۔ آپؐ چمڑے کے سرخ قبے میں تھے تو بلال نکلے۔ پس اذان دی تو میں حضرت بلال کے چہرے کی اتباع کر رہا تھا۔ وہ کبھی اس طرف کبھی اس طرف چہرہ کرتے تھے... پس جب حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح پر پہنچے تو اپنی گردن کو دائیں اور بائیں جانب پھیرا لیکن مکمل نہیں گھومے (ب) عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ مشرکین نے حضور کو غزوۂ خندق کے دن چار نمازوں سے مشغول کر دیا۔ یہاں تک کہ رات کا کچھ حصہ چلا گیا تو بلال کو حکم دیا تو انہوں نے اذان کہی پھر اقامت کہی اور ظہر کی نماز پڑھی پھر اقامت کہی اور عصر کی نماز پڑھی پھر اقامت کہی اور مغرب کی نماز پڑھی پھر اقامت کہی اور عشا کی نماز پڑھی۔

[١٥٦] (١٠) ویکرہ ان یقیم علی غیر وضوء[١٥٧] (١١) او یؤذن وھو جنب[١٥٨] (١٢) ولا یؤذن لصلوۃ قبل وقتھا الا فی الفجر عند ابی یوسف.

(الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ الاذان بغیر وضوء ص ٥٠ نمبر ٢٠٠) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغیر وضو کے اذان اور اقامت کہنا مکروہ ہے۔

[١٥٦] (١٠) اور مکروہ ہے کہ اقامت کہے بغیر وضو کے۔

وجہ اوپر گزر چکی ہے کہ دوسروں کو نماز کی طرف بلائے اور خود نماز چھوڑ کر وضو کے لئے جائے تو کتنی بری بات ہے؟

[١٥٧] (١١) یا اذان دے اس حال میں کہ وہ جنبی ہو تو (وہ مکروہ ہے)

وجہ جب بغیر وضو کے اذان دینا مکروہ ہے تو جنابت کی حالت میں اذان دینا بدرجۂ اولی مکروہ ہوگا (٢) حدیث مسئلہ نمبر ٩ میں گزر گئی ہے۔ (ترمذی شریف، نمبر ٣٠٠)

[١٥٨] (١٢) نہیں اذان دی جائے نماز کے لئے اس کے وقت سے پہلے مگر فجر میں امام ابو یوسفؒ کے نزدیک

وجہ (١) اذان دینے کا مقصد وقت بتانا ہے۔ لیکن وقت سے پہلے اذان دینے سے وقت کی تجہیل ہوگی۔ اس لئے وقت سے پہلے اذان نہ دی جائے (٢) مدینہ طیبہ میں فجر کی اذان وقت سے پہلے دی جاتی تھی وہ تہجد والوں کو بیدار کرنے کے لئے اور جو تہجد پڑھ چکے ہیں ان کو آرام کرنے کی اطلاع دینے کے لئے تھی۔ چنانچہ مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ کی طرح تہجد پڑھنے والے کثرت سے ہوں تو ان کو بیدار کرنے کے لئے اذان دی جاسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فجر کی نماز کے لئے عبد اللہ بن مکتوب دوسری اذان دیا کرتے تھے۔ حدیث میں ہے **عن عبد اللہ بن مسعود عن النبی ﷺ قال لایمنعن احدکم او احدا منکم اذان بلال من سحورہ فانہ یؤذن او ینادی بلیل لیرجع قائمکم ولینبہ نائمکم** (ب) (بخاری شریف، باب الاذان قبل الفجر ص ٨٧ نمبر ٦٢١ رنسائی شریف، باب الاذان فی غیر وقت الصلوۃ ص ٧٥ نمبر ٦٤٢) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رات میں حضرت بلال کی اذان فجر کی نماز کے لئے نہیں تھی، تہجد والوں کو بیدار کرنے کے لئے تھی۔ اسی لئے نماز کے وقت حضرت عبد اللہ ابن مکتوب دوبارہ اذان دیا کرتے تھے۔ حدیث میں ہے (٣) **عن عائشۃ عن النبی ﷺ انہ قال ان بلالا یؤذن بلیل فکلوا واشربوا حتی یؤذن ابن ام مکتوم** (ج) (بخاری شریف، باب الاذان قبل الفجر ص ٨٧ نمبر ٦٢٢ رترمذی شریف، باب ماجاء فی الاذان باللیل ص ٥٠ نمبر ٢٠٣) (٤) وقت سے پہلے اذان دینے سے اذان لوٹانی پڑے گی حدیث میں ہے **عن ابن عمر ان بلالا اذن بلیل فامرہ النبی ﷺ ان ینادی ان العبد قد نام** (د) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الاذان باللیل

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا کہ اذان نہ دے مگر وضو کی حالت میں (ب) آپؐ نے فرمایا تم میں سے کسی ایک کو بلال کی اذان سحری سے نہ روکے اس لئے کہ وہ اذان دیتے ہیں رات میں تاکہ تم میں سے تہجد میں کھڑے ہونے والے لوگ واپس ہو جائیں اور تم میں سے سونے والے بیدار ہو جائیں (ج) آپؐ نے فرمایا کہ بلال رات میں اذان دیتے ہیں اس لئے سحری کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ عبد اللہ بن مکتوم اذان دے (د) حضرت عبد اللہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ حضرت بلال نے رات میں اذان دے دی تو حضورؐ نے ان کو حکم دیا کہ پکار کر کہو کہ میں نیند میں تھا۔

ص ۵۰ نمبر ۲۰۳/ابوداؤد شریف، باب فی الاذان قبل دخول الوقت ص ۸۶ نمبر ۵۳۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وقت سے پہلے حضرت بلال نے اذان دی تو حضورؐ نے ان کو لوگوں کے سامنے معذرت کرنے کے لئے کہا کہ 'ان العبد قد نام' کہو (۵) **ان رسول اللہ ﷺ قال لہ لا تؤذن حتی لیتبین لک الفجر ھکذا و مد یدیہ عرضا** (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی الاذان قبل دخول الوقت ص ۸۶ نمبر ۵۳۴) فائدہ تاہم اوپر کی احادیث کی وجہ سے امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ فجر سے پہلے اذان دیدی تو اذان ادا ہو جائے گی۔ دوسری نمازوں میں اذان ادا نہیں ہوگی۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے حضرت بلال سے فرمایا کہ اذان نہ دو جب تک کہ فجر تمہارے لئے واضح نہ ہو جائے اس طرح۔

﴿باب شروط الصلوة التی تتقدمها﴾

[۱۵۹] (۱) یجب علی المصلی ان یقدم الطھارة من الاحداث او الانجاس علی ما قدمناہ [۱۶۰] (۲) ویستر عورتہ [۱۶۱] (۳) والعورة من الرجل ما تحت السرة الی الرکبة

﴿ باب شروط الصلوة التی تتقدمھا ﴾

ضروری نوٹ شروط : شرط کی جمع ہے۔وہ فرائض جو نماز سے پہلے ادا کئے جائیں۔جو فرائض نماز کے اندر لازم ہیں ان کو ارکان کہتے ہیں۔ جیسے مصلی کا بدن پاک ہونا۔یہ شروط چھ ہیں (۱) بدن پاک ہونا حدث اور نجس دونوں سے (۲) جگہ پاک ہونا (۳) کپڑا پاک ہونا (۴) ستر عورت ہونا (۵) نماز کی نیت کرنا (۶) قبلہ کی طرف متوجہ ہونا۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔

[۱۵۹] (۱) واجب ہے نماز پڑھنے والے پر کہ پہلے پاکی حاصل کرے حدث سے اور نجس سے جیسا کہ پہلے ہم نے بیان کیا۔

تشریح حدث کی دو قسمیں ہیں۔حدث اصغر جیسے وضو کرنے کی ضرورت ہو اور حدث اکبر جیسے غسل کرنے کی ضرورت ہو جیسے جنابت ہو یا حیض یا نفاس سے پاک ہوئی ہو۔تو مصلی کو ان دونوں حدثوں سے پاک ہونا ضروری ہے۔حدث اصغر سے پاک ہونے کی دلیل یہ آیت ہے **و اذا قمتم الی الصلوة فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق الخ** (آیت ۶ سورة المائدة ۵) اور حدث اکبر سے پاک ہونے کی دلیل یہ آیت ہے **وان کنتم جنبا فاطھروا** (آیت ۶ سورة المائدة ۵) اور نجس سے پاک ہونے کی دلیل یہ آیت ہے **وثیابک فطھر** (آیت ۴ سورة المدثر ۷۴) ظاہر ہے کہ کپڑے میں نجس لگی ہوتی ہے اس لئے نجس سے پاک ہونے کی دلیل اس آیت میں موجود ہے۔اس حدیث سے بھی اس کا پتہ چلتا ہے **یا عمار انما یغسل الثوب من خمس من الغائط والبول والقیء والدم والمنی** (دار قطنی، باب نجاسة البول والامر بالتنزہ منہ ج اول ص ۱۳۴ نمبر ۴۵۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بدن، کپڑا اور مکان ان نجاستوں سے پاک ہونا ضروری ہے۔باقی تفصیل باب الانجاس میں دیکھیں۔

[۱۶۰] (۲) مصلی اپنا ستر عورت کرے۔

وجہ آیت میں ہے **یا بنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد** (الف) (آیت ۳۱ سورة الاعراف ۷) اور حدیث میں ہے **عائشة قال رسول اللہ ﷺ لا تقبل صلوة حائض الا بخمار** (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء لاتقبل صلوة المرأة الحائض الا بخمار ص ۸۶ نمبر ۳۷۷ ابواب الصلوة / ابوداؤد شریف، باب المرأة تصلی بغیر خمار ص ۱۰۱ کتاب الصلوة نمبر ۶۴۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نمازی کو ستر ڈھانکنا ضروری ہے۔

[۱۶۱] (۳) مرد کا ستر ناف کے نیچے سے گھٹنے تک ہے اور گھٹنا ستر ہے نہ کہ ناف۔

تشریح گھٹنا ستر میں داخل ہے اور ناف ستر میں داخل نہیں ہے اس لئے نماز میں ناف کھل جائے تو نماز نہیں ٹوٹے گی۔لیکن اگر گھٹنا کا چوتھائی

حاشیہ : (الف) اے بنی آدم ہر نماز کے وقت زینت اختیار کرو (یعنی ستر ڈھانکو) (ب) آپؐ نے فرمایا بالغہ عورت کی نماز نہیں قبول کی جاتی مگر دوپٹہ سے۔

والرکبۃ عورۃ دون السرۃ [۱۶۲] (۴) وبدن المرأۃ الحرۃ کلہ عورۃ الا وجھھا وکفیھا

کھل جائے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

وجہ حدیث میں ہے کہ ناف ستر میں نہیں ہے اور گھٹنا ستر میں داخل ہے۔ **سمعت علیا یقول قال رسول اللہ ﷺ الرکبۃ من العورۃ** (الف) (دار قطنی، باب الامر بتعلیم الصلوۃ والضرب علیھا وحد العورۃ التی یجب ستر ھا ج اول کتاب الصلوۃ ص ۲۲۳ نمبر ۸۷۸) (۲) **عن عمر بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال قال رسول اللہ ﷺ مرو صبیانکم بالصلوۃ فی سبع سنین واضربوھم علیھا فی عشر و فرقوا بینھم فی المضاجع واذا زوج احدکم خادمہ من عبدہ او اجیرہ فلا ینظرون الی شیء من عورتہ فان کل شیء اسفل من سرتہ الی رکبتہ من عورتہ** (ب) (سنن للبیہقی، باب عورۃ الرجل ج ثانی ص ۳۲۴، نمبر ۳۲۳۵ / دار قطنی، باب الامر بتعلیم الصلوہ والضرب علیھا وحد العورۃ التی یجب ستر ھا ص ۲۳۷ نمبر ۸۷۶) حضرت علیؓ کی حدیث میں تھا کہ گھٹنا ستر ہے۔ اس لئے ابن شعیب کی حدیث میں **الی رکبتہ** کا ترجمہ گھٹنا سمیت کیا ہے۔ جیسے کہ **وایدیکم الی المرافق** کا ترجمہ کہنیوں سمیت کہا تھا۔ اس لئے گھٹنا ستر میں داخل ہوگا۔ اور عمر ابن شعیب کی حدیث **اسفل من سرتہ** ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ناف سے نیچے نیچے ستر ہے ناف ستر میں داخل نہیں ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک گھٹنا ستر میں سے نہیں ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن عمر بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال قال رسول اللہ ﷺ ... فلا ینظر الی مادون السرۃ و فوق الرکبۃ فان ما تحت السرۃ الی الرکبۃ من العورۃ** (ج) (دار قطنی، باب الامر بتعلیم الصلوات والضرب علیھا وحد العورۃ التی یجب ستر ھا ص ۲۳۷ نمبر ۸۷۶ / ابو داؤد شریف، باب متی یؤمر الغلام بالصلوۃ ص ۷۸ نمبر ۴۹۶) اس حدیث میں گھٹنا سے اوپر ستر کہا گیا ہے۔ اس لئے ان کے یہاں گھٹنا ستر نہیں ہے۔

نوٹ ان احادیث کی وجہ سے حنفیہ کے بعض حضرات کا قول ہے کہ گھٹنا نماز میں کھل جائے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ یہ بھی فرمایا کہ گھٹنا کا ستر ہلکا ہے اور ران کا اس سے زیادہ سخت ہے اور شرمگاہ کا ستر اس سے بھی زیادہ سخت ہے۔

لغت السرۃ : ناف، الرکبۃ : گھٹنا۔

[۱۶۲] (۴) آزاد عورت کا بدن کل کا کل ستر ہے سوائے اس کے چہرے اور اس کی دونوں ہتھیلیاں۔

تشریح آزاد عورت کا چہرہ اور ہتھیلی ستر نہیں ہے۔ یعنی اگر یہ نماز میں کھل جائے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

وجہ آیت میں ہے **ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا** (د) (آیت ۳۱ سورۃ النور ۲۴) آیت کا مطلب یہ ہے کہ عورتیں اپنی زینت کو

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا گھٹنا ستر میں سے ہے (ب) آپؐ نے فرمایا اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو سات سال کی عمر میں اور اس پر مارو دس سال کی عمر میں۔ اور اس کو علیحدہ سلاؤ۔ اور جب تم میں سے کوئی اپنے خادم یا نوکر کی شادی کرائے تو اس کے ستر میں سے کسی چیز کی طرف نہ دیکھے۔ اس لئے کہ ہر چیز جو ناف سے نیچے ہے گھٹنا سمیت وہ اس کا ستر ہے (ج) آپؐ نے فرمایا کہ ناف کے نیچے اور گھٹنا کے اوپر نہ دیکھے۔ اس لئے کہ ناف کے نیچے سے گھٹنا تک ستر ہے (د) عورتیں اپنی زینت نہ ظاہر کریں مگر وہ جو خود بخود ظاہر ہو جائے (یعنی چہرہ اور ہتھیلی)

[۱۶۳](۵) وماکان عورۃ من الرجل فھو عورۃ من الامۃ وبطنھا و ظھرھا عورۃ وما سوی

ظاہر نہ کریں لیکن جو زینت خود بخود ظاہر ہو جائے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ چہرہ اور ہاتھ خود بخود ظاہر ہو جاتے ہیں اس لئے وہ ستر نہیں ہیں۔**عن ابن عباس فی قولہ ولا یبدین زینتھن الا ماظھر ،الآیۃ قال الکحل والخاتم** (سنن للبیھقی ، باب عورۃ المرأۃ الحرۃ، ج ثانی ،ص ۳۱۹،نمبر ۳۲۱۶) اس اثر میں الکحل سے مراد سرمہ لگانے کی جگہ یعنی چہرہ مراد ہے اور خاتم انگوٹھی پہننے کی جگہ یعنی ہاتھ مراد ہے۔کہ ہاتھ اور چہرہ کھلے ہوں تو یہ ستر نہیں ہیں (۲) ان دونوں کے ظاہر کرنے میں ضرورت بھی ہے اس لئے نماز میں یہ دونوں ستر نہیں ہیں (۲) حدیث میں ہے **عن عائشۃ ... قال رسول اللہ ﷺ یا اسماء ان المرأۃ اذا بلغت المحیض لم یصلح لھا ان یری منھا الا ھذا وھذا واشار الی وجھہ وکفیہ** (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی ماتبدی المرأۃ من زینتھا ج ثانی ص ۱۲۳ نمبر ۴۱۰۴ کتاب اللباس) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آزاد عورت کا چہرہ اور ہتھیلی ستر نہیں ہیں۔

نوٹ قدم نماز میں ستر ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔بعض حضرات فرماتے ہیں کہ قدم کو ہتھیلی سے زیادہ کھولنے کی ضرورت ہے اس لئے ہتھیلی ستر نہیں ہے تو قدم بھی ستر نہیں ہونا چاہئے ، پھر قدم بھی مقام زینت ہے۔لیکن بعض دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ قدم ستر ہے اور وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں **عن ام سلمۃ انھا سألت النبی ﷺ اتصلی المرأۃ فی درع وخمار لیس علیھا ازار؟ قال اذا کان الدرع سابغا یغطی ظھور قدمیھا** (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی کم تصلی المرأۃ ص ۱۰۱ کتاب الصلوۃ نمبر ۶۴۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے دونوں قدم چھپے ہوتئے ہوں تب ہی نماز جائز ہے۔اس لئے عورت کے دونوں قدم ستر ہیں۔

نوٹ ان احادیث اور ضرورت کی وجہ سے بعض علماء فرماتے ہیں کہ نماز میں ستر ہیں لیکن باہر ستر نہیں ہیں۔

[۱۶۳](۵) مرد کے جتنے اعضاء ستر ہیں وہ باندی کے بھی ستر ہیں اور اس کا پیٹ اور اس کی پیٹھ ستر ہیں اور اس کے علاوہ اس کے بدن میں سے ستر نہیں ہے۔

تشریح باندی کے کندھے سے لیکر گھٹنے تک ستر ہیں۔لیکن سر، گردن، بازو، پنڈلی اور پاؤں ستر نہیں ہیں۔

وجہ باندی مولی کے کام کے لئے باہر نکلتی ہے اس لئے ان اعضاء کو ستر قرار دینے سے حرج لازم ہوگا۔اس لئے یہ اعضاء ستر نہیں ہیں۔نماز میں یہ اعضاء کھل جائیں تو نماز فاسد نہیں ہوگی (۲) **ان صفیۃ بنت ابی عبید حدثتہ قالت خرجت امرأۃ مختمرۃ متجلببۃ فقال عمر من ھذہ المرأۃ فقیل لہ ھذہ جاریۃ لفلان رجل من بنیہ فارسل الی حفصۃ فقال ما حملک علی ان تخمری ھذہ الامۃ و تجلببیھا تشبیھیھا بالمحصنات حتی ھممت ان اقع بھا لا احسبھا الا من المحصنات لا تشبھوا الاماء بالمحصنات** (ج) (سنن للبیھقی ، باب عورۃ الامۃ، ج ثانی ،ص ۳۲۰،نمبر ۳۲۲۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ باندی کا ستر اتنا نہیں ہے جتنا

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا اے اسماء! عورت جب بالغ ہو جائے تو اس بات کی صلاحیت نہیں رکھتا کہ اس سے دیکھا جائے مگر یہ اور یہ اور آپؐ نے اپنے چہرے اور ہتھیلی کی طرف اشارہ فرمایا (ب) ام سلمہؓ نے حضورؐ سے پوچھا کیا عورت کرتے میں اور دوپٹہ مین جب کہ اس پر ازار نہ ہو نماز پڑھ سکتی ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا جب کہ کرتا اتنا لمبا ہو کہ دونوں قدم کے اوپر کے حصے کو ڈھانپ دے تو پڑھ سکتی ہے (ج صفیہ بنت ابی عبید بیان کرتی ہیں کہ ایک عورت دوپٹہ اوڑھ کر (باقی اگلے صفحہ پر)

ذلک من بدنها لیس بعورة[۱۶۴](۶) ومن لم یجد ما یزیل النجاسة صلی معها ولم یعد[۱۶۵](۷) ومن لم یجد ثوبا صلی عریانا قاعدا یومئ بالرکوع والسجود[۱۶۶] (۸) فان صلی قائما اجزاه والاول افضل.

آزادعورت کا ہے۔لیکن پستان اور سینہ موضع شہوت ہیں اس لئے وہ تمام جگہیں ستر میں شامل ہونگی۔

نوٹ خالص باندی : مدبرہ،ام ولدسب خالص باندی میں شامل ہیں۔

[۱۶۴](۶)اگرکوئی ایسی چیز نہ پائے جس سے نجاست زائل کر سکے تو ایسی نجاست کے ساتھ ہی نماز پڑھے گا اور بعد میں نہیں لوٹائے گا۔

تشریح کپڑے پر یا جسم پر نجاست لگی ہوئی ہے لیکن نجاست کو زائل کرنے کے لئے اور اس کو دھونے کے لئے اس کے پاس پانی یا بہنے والی چیز نہیں ہے تو وہ اس کپڑے میں اور اسی جسم کے ساتھ نماز پڑھ لے گا۔

وجہ اس کی طاقت میں اس سے زائد نہیں ہے اور شریعت طاقت سے زیادہ مکلّف نہیں بناتی۔اس لئے اس کی نماز جائز ہو جائے گی۔لوٹانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

[۱۶۵](۷)جو کپڑا نہ پائے تو ننگا ہی نماز پڑھے گا۔بیٹھ کر رکوع اور سجدہ کا اشارہ کرے گا۔

وجہ ان کے پاس بالکل کپڑے نہیں ہے یا کپڑے ہیں لیکن تین چوتھائی سے زیادہ ناپاک ہیں تو گویا کہ اس کے پاس کپڑے ہیں ہی نہیں۔اس لئے وہ ننگا ہو کر نماز پڑھے گا۔البتہ کھڑا ہونے میں ستر دور تک نظر آئے گا اور برا معلوم ہوگا اس لئے قیام چھوڑے گا اور بیٹھ کر نماز پڑھے گا۔اور رکوع اور سجدے کے لئے اشارہ کرے گا۔کیونکہ یہی اس کے بس میں ہے(۲) **عن ابن عباس قال الذی یصلی فی السفینة والذی یصلی عریانا یصلی جالسا** (الف)(مصنف عبدالرزاق،باب صلوۃ العریان ج ثانی ص۵۸۴ نمبر ۴۵۶۵)اس اثر سے معلوم ہوا کہ ننگا آدمی مجبوری کی وجہ سے بیٹھ کر نماز فرض ادا کرے گا اور اس سے قیام ساقط ہو جائے گا۔

لغت یؤمی : اشارہ کرے گا۔

[۱۶۶](۸)پس اگر ننگے نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی تو کافی ہو جائے گی لیکن پہلا افضل ہے(یعنی بیٹھ کر نماز پڑھنا)

وجہ مرض کی مجبوری کے وقت کھڑے ہونے کا نائب بیٹھنا ہے اور رکوع اور سجدے کا نائب ان کو اشارہ سے ادا کرنا ہے۔اس لئے ان سب ارکان کا نائب ہو گیا۔لیکن کھڑے ہونے میں ستر کھلنے کی بدنمائی واضح ہے اس کا کوئی نائب بھی نہیں ہوا اس لئے بیٹھ کر نماز پڑھنا افضل ہے تاکہ عنداللہ اور عندالناس بدنمائی سے بچ جائے۔تاہم کھڑے ہو کر نماز پڑھے گا تو نماز ادا ہو جائے گی۔کیونکہ یہ مجبور ہے(۲)اثر میں ہے۔عن

حاشیہ (پچھلے صفحہ سے آگے) حجاب میں نکلی۔تو حضرت عمر نے پوچھا کون ہے؟ان کو کہا گیا کہ یہ فلاں کی باندی ہے۔ان کے لڑکوں میں سے ایک آدمی کا نام لیا تو انہوں نے حضرت حفصہ کو خبر بھیجی کہ آپ لوگوں کو کس چیز نے ابھارا اس بات پر کہ اس باندی کو دوپٹہ اڑھائیں اور اس پر حجاب ڈالیں اور آزاد عورتوں کے مشابہ کر دیں۔یہاں تک کہ میں نے سوچا کہ اس کو ماروں۔میں اس کو نہیں سمجھتا تھا مگر آزاد عورت۔باندیوں کو آزاد عورتوں کے مشابہ مت بناؤ(الف)ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جو کشتی میں نماز پڑھے اور جو ننگا نماز پڑھے وہ بیٹھ کر نماز پڑھے۔

[۱۶۷](۹) وینوی للصلوۃ التی یدخل فیھا بنیۃ لا یفصل بینھا و بین التحریمۃ بعمل[۱۶۸] (۱۰) ویستقبل القبلۃ الا ان یکون خائفا فیصلی الی ای جھۃ قدر

میمون بن مھران قال سئل علیؓ عن صلوۃ العریان فقال ان کان حیث یراہ الناس صلی جالسا،وان کان حیث لایراہ الناس صلی قائما (مصنف عبدالرزاق، باب صلوۃ العریان، ج ثانی ص۵۸۴، نمبر۴۵۶۶)اس اثر سے کھڑے ہوکر نماز پڑھنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

[۱۶۷](۹)اس نماز کی نیت کرے جس میں داخل ہورہا ہے ایسی نیت کہ اس کے درمیان اور تحریمہ کے درمیان کسی عمل سے فصل نہ ہو۔

تشریح نیت ارادے کا نام ہے۔تحریمہ کے ساتھ ساتھ ارادہ ہو کہ میں فلاں نماز پڑھ رہا ہوں۔اگر دل کے ارادہ کے بغیر نماز پڑھ لی یا تحریمہ باندھ لیا تو نماز نہیں ہوگی۔اگر نیت کی پھر کوئی عمل کیا اور عمل کے بعد دوبارہ نیت کئے بغیر احرام باندھ لیا تو چونکہ احرام کے وقت نیت نہیں تھی اس لئے احرام نہیں ہوا۔

وجہ یہ حدیث ہے سمعت عمر بن خطاب علی المنبر یقول سمعت رسول اللہ ﷺ یقول انما الاعمال بالنیات (الف) (بخاری شریف، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ص۲ نمبر۱) اگر امام کی اقتدا کر رہا ہو تو یہ بھی نیت کرنی پڑے گی کہ میں اس امام کی اقتدا میں نماز پڑھ رہا ہوں۔کیونکہ مقتدی کی نماز امام کی نماز کے ساتھ متضمن ہے۔

وجہ عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال انما جعل الامام لیؤتم بہ فلا تختلفوا علیہ فاذا کبر فکبروا (ب)(مسلم شریف، باب ائتمام الماموم بالامام، ص۱۷۷، کتاب الصلوۃ، نمبر۴۱۴ ر بخاری شریف، باب انما جعل الامام لیوتم بہ ص ۹۵ نمبر ۶۸۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مقتدی کو امام کی مکمل اقتدا کرنی چاہئے۔اور اس سے انحراف نہیں کرنا چاہئے۔اس لئے امام کی اقتدا کی نیت ضروری ہے۔عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ الامام ضامن والمؤذن مؤتمن (ترمذی شریف، باب ماجاء ان الامام ضامن والمؤذن مؤتمن ص۵۱ نمبر۲۰۷) جب امام ضامن ہوا تو اس کی اقتدا بھی کرنی چاہئے۔

نوٹ نیت میں دل سے ارادہ کرنا کافی ہے۔زبان سے بولنا ضروری نہیں،مگر زبان سے بول لے تو بہتر ہے۔

[۱۶۸](۱۰) نماز میں قبلہ کا استقبال کرے مگر یہ کہ خوف ہو تو نماز پڑھے جدھر چاہے۔

وجہ آیت میں ہے وحیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ (ج)(آیت۱۴۴ سورۃ البقرۃ۲)اس آیت سے معلوم ہوا کہ نماز میں قبلہ کی طرف چہرہ کرنا چاہئے۔اور خوف کے وقت جدھر ممکن ہو اس طرف چہرہ کرنے سے نماز ادا ہو جائے گی۔اس کی دلیل یہ آیت ہے وللہ المشرق والمغرب باینما تولو فثم وجہ اللہ (د)(آیت۱۱۵ سورۃ البقرۃ۲)اس آیت سے معلوم ہوا کہ مجبوری کے موقع پر کسی اور

حاشیہ : (الف) عمر ابن خطابؓ سے منبر پر کہتے ہوئے سنا کہ حضورؐ نے فرمایا کرتے تھے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے (ب) آپؐ نے فرمایا امام بنایا گیا ہے تا کہ اس کی اقتدا کی جائے اس لئے اس کے خلاف نہ کرو۔پس جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو (ج) جہاں کہیں ہو اپنا چہرہ بیت اللہ کی طرف نماز میں کرو (د) اللہ ہی کے لئے مشرق و مغرب ہے تو جدھر بھی چہرہ کرو وہاں اللہ ہے۔

[۱۶۹](۱۱) فان اشتبهت علیه القبلة ولیس بحضرته من یسئله عنها اجتهد و صلی فان علم انه اخطأ بعد ما صلی فلا اعادة علیه[۱۷۰] (۱۲) و ان علم ذلک و هو فی الصلوة

طرف توجہ کر کے نماز پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی۔کیونکہ وہاں اللہ کا چہرہ ہے۔

[۱۶۹](۱۱)اگر نماز پڑھنے والوں پر قبلہ مشتبہ ہو جائے اور وہاں کوئی موجود نہیں ہے جس سے اس کے بارے میں پوچھ سکے تو اجتہاد کریگا اور نماز پڑھیگا پس اگر جانا کہ غلطی ہوگئی نماز پڑھنے کے بعد تو اس پر لوٹانا نہیں ہے۔

تشریح قبلہ کا پتہ نہ چلے اور کوئی آدمی بھی نہ ہو کہ اس سے پوچھ سکے تو تحری کرے گا اور جدھر دل کا رجحان ہو اسی طرف نماز پڑھ لیگا۔اور نماز کے بعد معلوم ہوا کہ غلط جہت میں نماز پڑھی ہے تب بھی نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے نماز ہوگئی۔اس لئے کہ اس کی وسعت میں جتنا تھا وہ کر گزرا ہے(۲) حدیث میں ہے **عن جابر قال کنا مع النبی ﷺ فی مسیر او سریة فاصابنا غیم فتحرینا واختلفنا فی القبلة فصلی کل رجل منا علی حدة فجعل احدنا یخط بین یدیه لنعلم امکنتنا فلما اصبحنا نظرناه فاذا نحن قد صلینا علی غیر القبلة فذکرنا ذلک للنبی ﷺ فقال قد اجزأت صلواتکم** (الف)(سنن للبیہقی ،باب الاختلاف فی القبلۃ عند التحری، ج ثانی،ص ۱۶،نمبر ۲۲۳۵ رترمذی شریف،باب ماجاء فی الرجل یصلی لغیر القبلۃ فی الغیم ،ص ۸۰ نمبر ۳۴۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تحری کر کے نماز پڑھی تو قبلہ غلط بھی ہو جائے تو نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔اس لئے کہ تحری ہی اس کا قبلہ ہو گیا۔

[۱۷۰](۱۲)اور اگر قبلہ کی غلطی کو جانا اس حال میں کہ وہ نماز میں ہے تو قبلہ کی طرف گھومے گا اور اسی پر بنا کرے گا۔

وجہ صحابہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے۔سولہ یا سترہ ماہ کے بعد قبلہ بدل گیا۔کچھ صحابہ نماز میں تھے اور اطلاع دی گئی کہ قبلہ بدل گیا ہے تو وہ لوگ نماز کے درمیان ہی گھوم گئے۔ارنماز پر بنا کی اور نماز پڑھتے رہیں۔حدیث میں ہے **عن عبد اللہ بن عمر قال بین الناس بقباء فی صلوة الصبح اذ جاء هم آت فقال ان رسول اللہ ﷺ قد انزل علیه اللیلة قرآن وقد امر ان یستقبل الکعبة فاستقبلوها وکانت وجوههم الی الشام فاستداروا الی الکعبة** (ب)(بخاری شریف،باب ماجاء ومن لم یرالاعادۃ علی من سہی فصلی الی غیر القبلۃ ص ۵۸ کتاب الصلوۃ نمبر ۴۰۳)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تحری کر کے غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھ رہا ہو اور درمیان میں صحیح قبلہ کا علم ہو گیا تو اس طرف پھر جائے اور پہلی نماز پر بنا کرے۔پہلی نماز بھی تحری کی بنا پر صحیح ہے۔

لغت استدار : گھوم جائے،مشتق دور سے ہے، بنی : بنا کرے۔

حاشیہ : (الف) حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ہم حضورؐ کے ساتھ کسی سفر میں تھے۔پس ہم لوگوں پر بادل چھا گیا۔پس ہم نے تحری کی اور ہم قبلہ کے بارے میں اختلاف کرنے لگے۔پس ہم میں سے ہر ایک نے الگ الگ جہت میں نماز پڑھی۔پس ہم میں سے ہر ایک نے اپنے سامنے خط کھینچا تاکہ ہم اپنی اپنی جگہ جانیں۔پس جب صبح ہوئی تو ہم نے دیکھا کہ ہم نے قبلہ کے علاوہ کی طرف نماز پڑھی تھی۔پس اس کا حضورؐ کے سامنے تذکرہ کیا تو آپؐ نے فرمایا تمہاری نماز جائز ہو گئی (ب) حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا اس درمیان کہ لوگ قباء میں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے کوئی آنے والا آیا اور کہا کہ حضورؐ پر رات میں قرآن اترا ہے اور حکم دیا ہے کہ کعبہ کا استقبال کریں تو لوگوں نے کعبہ کا استقبال کیا۔حالانکہ ان کا چہرہ شام کی طرف تھا تو وہ لوگ کعبہ کی طرف گھوم گئے۔

استدار الی القبلة و بنی علیها.

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر قبلہ بالکل پشت کے پیچھے ہوگیا تو چونکہ مکمل الٹا ہوگیا اس لئے نماز لوٹائے گا۔ہم کہتے ہیں کہ اس کی طاقت میں اتنا ہی تھا اس لئے نہیں لوٹائے گا۔ پھر حدیث میں بھی لوٹانے کا حکم نہیں ہے۔

﴿باب صفة الصلوة﴾

[۱۷۱](۱) فرائض الصلوۃ ستة التحریمة[۱۷۲] (۲) والقیام [۱۷۳](۳) والقراءۃ [۱۷۴](۴) والرکوع[۱۷۵] (۵) والسجود[۱۷۶] (۶) والقعدۃ الاخیرۃ مقدار

﴿ باب صفة الصلوة ﴾

ضروری نوٹ صفة الصلوۃ سے مراد نماز کی ہیئت ہے کہ نماز کس طرح پڑھی جائے اور اس میں کیا کیا ہو۔

[۱۷۱] (۱) نماز کے فرائض چھ ہیں (۱) تحریمہ۔

وجہ تحریمہ کی دلیل یہ آیت ہے وربک کبر (آیت ۳ سورۃ المدثر ۷۴) (۲) حدیث میں ہے عن ابی سعید قال قال رسولؐ الله مفتاح الصلوۃ الطھور وتحریمھا التکبیر وتحلیلھا التسلیم ولاصلوۃ لمن لم یقرأ بالحمد وسورۃ فی فریضة او غیرھا ((الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی تحریم الصلوۃ وتحلیلھا ص ۵۵ نمبر ۲۳۸ / ابوداؤد شریف، باب الامام یحدث بعد مایرفع رأسہ من آخر رکعۃ ص ۹۸ نمبر ۶۱۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز شروع کرنے کے لئے تحریمہ باندھنا فرض ہے۔ آیت میں ہے وذکر اسم ربه فصلی (آیت ۱۵ سورۃ الاعلی ۸۷) اس آیت سے بھی تحریمہ ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس ذکر سے مراد تحریمہ باندھنے کی تکبیر ہے۔

[۱۷۲] (۲) کھڑا ہونا۔

وجہ کھڑا ہونے کی دلیل یہ آیت ہے۔ وقوموا لله قانتین (ب) (آیت ۲۳۸ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت سے نماز میں قیام فرض ہے۔

[۱۷۳] (۳) قرأت کرنا فرض ہے۔

وجہ فاقرء ما تیسر منه واقیموا لصلوۃ واتوالزکوۃ (ج) (آیت ۲۰ سورۃ المزمل ۷۳) اس آیت سے معلوم ہوا کہ نماز میں قرأت پڑھنا فرض ہے (۲) اوپر مسئلہ میں ایک حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ قرأت کرنا فرض ہے۔

[۱۷۴] (۴) رکوع فرض ہے

[۱۷۵] (۵) سجدہ فرض ہے۔

وجہ دونوں کی دلیل یہ آیت ہے یا ایھا الذین آمنوا ارکعوا واسجدوا واعبدو ربکم (د) (آیت ۷۷ سورۃ الحج ۲۲) اور واقیموا الصلوۃ وآتوالزکوۃ وارکعوا مع الراکعین (ہ) (آیت ۴۳ سورۃ البقرۃ ۲)

[۱۷۶] (۶) اور قعدۂ اخیرہ تشہد کی مقدار (فرض ہے)

تشریح تشہد پڑھنا تو واجب ہے لیکن تشہد کی مقدار قعدۂ اخیرہ میں بیٹھنا فرض ہے۔

حاشیہ : آپؐ نے فرمایا نماز شروع کرنے کی چیز پاکی ہے۔ اور اس کا تحریمہ باندھنا تکبیر کہنا ہے اور نماز کو کھولنا سلام کرنا ہے اور اس کی نماز ہی مکمل نہیں ہوئی جس نے الحمد اور سورۃ نہیں پڑھی فرض نماز میں ہو یا اس کے علاوہ میں (ب) اللہ کے لئے خاموشی کے ساتھ کھڑے رہو (ج) قرآن سے جتنا آسان ہو پڑھو اور نماز قائم کرو اور زکوۃ دو (د) اے ایمان والو رکوع کرو سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو (ہ) نماز قائم کرو، زکوۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

التشهد[۱۷۷] (۷) وما زاد على ذلك فهو سنة.

وجه (۱) یہ حدیث ہے وہ صحابی جس نے نماز جلدی جلدی پوری کی اور تین مرتبہ حضورؐ کی خدمت میں آئے ان کو آپؐ نے نماز پڑھنے کا طریقہ بتایا۔اس حدیث کے آخر میں آپؐ نے چار کام کرنے پر زور دیا ہے۔ان میں سے تین کام تو آیت کی وجہ سے فرض ہیں۔اس لئے چوتھا کام بھی فرض ہی ہونا چاہئے۔حدیث میں ہے **عن رفاعة بن رافع ان رسول الله ﷺ بينما هو جالس فی المسجد يوما ... فان كان كان معك قرآن فاقرء والا فاحمد الله وكبره وهلله ثم اركع فاطمئن راكعا ثم اعتدل قائما ثم اسجد فاعتدل ساجدا ثم اجلس فاطمئن جالسا ثم قم فاذا فعلت ذلك فقد تمت صلوتك وان انتقضت منه شيئا انتقضت من صلـوتك** (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی وصف الصلوۃ ص ۶۶ نمبر ۳۰۲) اس حدیث میں (۱) قرأت (۲) رکوع (۳) سجدہ (۴) اور تشہد میں بیٹھنے کے لئے کہا گیا ہے۔پھر یہ بھی کہا کہ ان میں سے کسی چیز کی کمی رہ گئی تو تمہاری نماز میں کمی رہ گئی۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ قعدۂ اخیرہ میں کمی رہ گئی تو نما میں کمی رہ گئی تو نماز میں کمی رہ جائے گی۔اس کا مطلب یہ ہے کہ قعدۂ اخیرہ تشہد کی مقدار فرض ہے (۲) ترمذی کے اسی باب میں حضرت ابو ہریرہ کی حدیث ہے جس کے اخیر میں یہ جملہ ہے **ثم ارفع حتى تطمئن جالسا وافعل ذلك فی صلوتك كلها** (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء وصف الصلوۃ ص ۶۷ نمبر ۳۰۳) اس سے بھی معلوم ہوا کہ قعدۂ اخیرہ میں بیٹھنا فرض ہے (۳) ابوداؤد میں عبداللہ بن مسعود کی حدیث ہے **وان رسول الله ﷺ اخذ بيد عبد الله بن مسعود فعلمه التشهد فی الصلوة فذكر مثل دعاء حديث الاعمش اذا قلت هذا اوقضيت هذا فقد قضيت صلوتك ان شئت ان تقوم فقم وان شئت ان تقعد فاقعد** (ج) (ابوداؤد شریف، باب التشہد ص ۱۴۶ نمبر ۹۷۰) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ تشہد کی مقدار بیٹھے گا تو نماز پوری ہوگی ورنہ نہیں (۴) آپؐ نے کوئی بھی نماز بغیر تشہد کی مقدار بیٹھے ہوئے پوری نہیں کی ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تشہد کی مقدار بیٹھنا فرض ہے (۵) **عن ابن عمر ان رسول الله ﷺ قال اذا قضى الامام الصلوة وقعد فاحدث قبل ان يتكلم فقد تمت صلوته ومن كان خلفه ممن اتم الصلوة** (د) (ابوداؤد شریف، باب الامام یحدث بعد ما یرفع رأسہ ص ۹۸ نمبر ۶۱۷) اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قعدۂ اخیرہ فرض ہے۔

[۱۷۷] (۷) اور جو ان سے زیادہ ہو وہ سنت ہے۔

تشریح مصنف نے ان کے علاوہ کو سنت کہا ہے حالانکہ نماز میں کچھ چیزیں واجب بھی ہیں۔لیکن سب کو سنت اس لئے کہا کہ وہ سنت اور

حاشیہ : (الف) حضور مسجد میں ایک دن بیٹھے ہوئے تھے...آپؐ نے فرمایا کہ اگر تمہارے پاس کچھ قرآن ہو تو اس کو پڑھو ورنہ اللہ کی تحمید کرو، تکبیر کرو اور تہلیل کرو۔پھر اطمینان سے رکوع کرو پھر پورے کھڑے ہو جاؤ پھر سجدہ کرو اور پورے اطمینان سے سجدہ کرو۔پھر بیٹھ جاؤ اور پورے اطمینان سے بیٹھو پھر کھڑے ہو جاؤ۔پس جب تم نے اتنا کیا تو نماز پوری کرلی اور ان میں سے کچھ کمی رہ گئی تو نماز میں کمی رہ گئی (ب) پھر سر سجدے سے اٹھائیں یہاں تک کہ اطمینان سے بیٹھ جائیں اور یہ چیزیں اپنی تمام نمازوں میں کریں (ج) آپؐ نے عبداللہ بن مسعودؓ کا ہاتھ پکڑا پھر ان کو نماز کی تشہد سکھلائی (پس حضرت اعمش کی حدیث کی طرح دعا کا ذکر کیا) پھر آپؐ نے فرمایا جب تم نے تشہد کہہ لیا یا ادا کر لیا تو اپنی نماز پوری کر لی۔اس لئے اگر اٹھنا چاہیں تو اٹھ جائیں اور اگر بیٹھنا چاہیں تو بیٹھ جائیں (د) آپؐ نے فرمایا اگر امام نے نماز پوری کر لی اور بیٹھ گیا پھر بات کرنے سے پہلے حدث ہو گیا تو اس کی نماز پوری ہوگئی۔اور جو اس کے پیچھے ہیں ان کی نماز بھی پوری ہوگئی۔

[۱۷۸](۸) واذا دخل الرجل فی صلوتہ کبر [۱۷۹](۹) ورفع یدیہ مع التکبیر حتی یحاذی بابھامیہ شحمتی اذنیہ.

حدیث سے ثابت ہیں۔اس لئے ان کوسنت کہا ہے۔ورنہ اس میں کچھ واجبات بھی ہیں۔مثلا (۱) قرأت فاتحہ (۲) سورۃ ملانا (۳) مکرر افعال میں ترتیب کی رعایت رکھنا (۴) قعدۂ اولی (۵) قعدۂ اخیرہ میں تشہد پڑھنا (۶) جن رکعتوں میں قرأت جہری ہے اس کو جہری پڑھنا اور جن رکعتوں میں سری ہے اس کو سری پڑھنا (۷) وتر میں دعائے قنوت پڑھنا (۸) تکبیرات عیدین، یہ سب واجبات ہیں۔

[۱۷۸](۸) اگر آدمی نماز میں داخل ہو تو تکبیر کہے۔

تشریح تحریمہ باندھتے وقت تکبیر کہے۔کیونکہ آیت میں ہے **وربک فکبر** (آیت ۳ سورۃ المدثر ۷۴) اس لئے تحریمہ کے ساتھ ہی تکبیر کہے۔مسئلہ نمبر ۱ میں حدیث گزری جس میں تھا **وتحریمھا التکبیر** اس حدیث سے بھی پتہ چلتا ہے کہ تحریمہ کے وقت تکبیر کہے۔

نوٹ امام ابوحنیفہ کے نزدیک تکبیر داخل نماز نہیں ہے بلکہ وہ شرائط نماز میں سے ہے۔کیونکہ آیت میں ہے **وذکر اسم ربہ فصلی** (الف) (آیت ۱۵ سورۃ الاعلی ۸۷) اس آیت میں کہا گیا ہے کہ اللہ کا ذکر کرو پھر نماز پڑھو۔جس کا مطلب یہ ہوا کہ ذکر پہلے ہوگا تکبیر پہلے ہوگی پھر نماز ہوگی۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک وہ داخل نماز اور فرائض نماز میں سے ہے۔اس لئے ان کے تمام شرائط وہی ہیں جو نماز کے لئے ہیں۔

[۱۷۹](۹) دونوں ہاتھوں کو تکبیر کے ساتھ اٹھائے یہاں تک کہ دونوں انگوٹھوں کو کان کی لو کے مدمقابل کردے۔

تشریح تکبیر کہنے کے ساتھ دونوں ہاتھوں کو اتنا اٹھائے کہ دونوں انگوٹھے کان کی لو کے برابر ہوجائے۔

وجہ حدیث میں دونوں طریقہ ہیں یعنی پہلے ہاتھ اٹھائے پھر تکبیر کہے اور یہ بھی ہے کہ پہلے تکبیر کہے پھر ہاتھ اٹھائے۔حنفیہ کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ پہلے ہاتھ اٹھائے تاکہ عمل سے بھی اللہ کے علاوہ کا انکار ہوجائے پھر تکبیر کہے تاکہ اللہ کی وحدانیت کا اقرار ہوجائے۔اس کی دلیل یہ حدیث ہے **ان ابن عمر قال کان رسول اللہ ﷺ اذا قام للصلوۃ رفع یدیہ حتی تکونا حذو منکبیہ ثم کبر** (ب) (مسلم شریف، باب رفع الیدین حذو المنکبین مع تکبیرۃ الاحرام ص ۱۶۸ نمبر ۳۹۰ / ابوداؤد شریف، باب رفع الیدین ص ۱۱۱ نمبر ۷۲۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پہلے ہاتھ اٹھائے پھر تکبیر کہے تو بہتر ہے۔اور اگر پہلے تکبیر کہے پھر ہاتھ اٹھائے تب بھی کچھ حرج نہیں ہے۔حدیث میں اس کا بھی ذکر ہے۔ **انہ رأی مالک بن الحویرث اذا صلی کبر ثم رفع یدیہ ... وحدث ان رسول اللہ ﷺ کان یفعل ھکذا** (مسلم شریف، باب رفع الیدین حذو المنکبین مع تکبیرۃ الاحرام ص ۱۶۸ نمبر ۳۹۱ / ابوداؤد شریف، باب رفع الیدین فی الصلوۃ ص ۱۱۱ نمبر ۷۲۶) اس حدیث میں پہلے تکبیر کہی پھر ہاتھ اٹھائے۔

ہاتھ کان کی لو تک اٹھائے اس طرح کہ انگلیاں کان کی لو کے مدمقابل ہوں اور باقی ہاتھ گلے اور مونڈھے کے قریب ہو تاکہ تمام احادیث پر عمل ہوجائے۔کان کی لو تک انگلیاں رکھنے کی دلیل یہ حدیث ہے **عن مالک بن الحویرث ان رسول اللہ ﷺ کان اذا کبر رفع**

حاشیہ : (الف) اپنے رب کا نام ذکر کرو پھر نماز پڑھو (ب) آپؐ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو دونوں ہاتھوں کو مونڈھے کے برابر اٹھاتے پھر تکبیر کہتے۔

یدیہ حتی یحاذی بھما اذنیہ (الف) (مسلم شریف، باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین ص ۱۶۸ نمبر ۳۹۱) اسی کے آگے حدیث میں ہے عن قتادۃ بھذا الاسناد انہ رأی نبی اللہ ﷺ وقال حتی یحاذی بھما فروع اذنیہ (ب) (مسلم شریف ص ۱۶۸ نمبر ۳۹۱) عن وائل بن حجر قال رأیت النبی ﷺ حین افتتح الصلوۃ رفع یدیہ حیال اذنیہ (ج) (ابوداؤد شریف، باب رفع الیدین کی آخری حدیث ہے ص ۱۱۲ نمبر ۷۲۸) ان سب احادیث سے معلوم ہوا کہ تکبیر کے وقت ہاتھ کان کی لو تک مرد اٹھائے گا۔ مونڈھے تک اٹھانے کی جو حدیث ہے ہم کہتے ہیں کہ وہ عورتوں کے لئے ہے۔ اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن وائل بن حجر قال قال رسول اللہ ﷺ یا ابن حجر اذا صلیت فاجعل یدیک حذاء اذنیک والمرأۃ تجعلی یدیھا حذاء ثدییھا (د) (رواہ الطبرانی، اعلاء السنن، باب افتراض التحریمہ وسنتھا ج ثانی ص ۱۸۱) اس حدیث میں عورتوں کے بارے میں آیا کہ وہ اپنے پستان تک ہاتھ اٹھائے۔ کیونکہ اس کے لئے یہی زیادہ ستر کی چیز ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ اور دیگر ائمہ کے نزدیک ہاتھ مونڈھے تک اٹھائیں گے۔ ان کی دلیل یہ احادیث ہیں۔ عن سالم بن عبد اللہ عن ابیہ ان رسول اللہ و کان یرفع یدیہ حذو منکبیہ اذا افتتح الصلوۃ (ہ) (بخاری شریف، باب رفع الیدین فی التکبیرۃ الاولی ص ۱۰۲ نمبر ۷۳۵ رمسلم شریف، باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین ص ۱۶۸ نمبر ۳۹۰) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ہاتھ مونڈھے تک اٹھاتے تھے۔ حنفیہ اس طرح عمل کرتے ہیں کہ تمام احادیث پر عمل ہا جائے۔

لغت ابھام : انگوٹھا، شحمۃ کان کا نرما، کان کی لو۔

نوٹ رکوع کے وقت میں ہاتھ اٹھانا جائز ہے۔ احادیث سے ثابت ہے۔ البتہ حنفیہ اس پر عمل اس لئے نہیں کرتے ہیں کہ اس کے خلاف حدیث موجود ہے۔ اور اصل بات یہ ہے کہ حضرت امام اعظم کی نگاہ قوموا للہ قانتین (و) کی طرف گئی ہے۔ اس لئے دوسری احادیث پر عمل کیا۔ حدیث یہ ہے (۱) قال عبد اللہ بن مسعود الا اصلی بکم صلوۃ رسول اللہ ﷺ فصلی فلم یرفع یدیہ الا فی اول مرۃ (ز) (ترمذی شریف، باب ان النبی لم یرفع الا فی اول مرۃ، ص ۵۹ نمبر ۲۵۷) عن البراء ان رسول اللہ ﷺ کان اذا افتتح الصلوۃ رفع یدیہ الی قریب من اذنیہ ثم لا یعود (ح) (ابوداؤد شریف، باب من لم یذکر الرفع عند الرکوع ص ۱۱۶ نمبر ۷۴۹ رنسائی شریف، باب رفع الیدین حذو المنکبین عند الرفع من الرکوع والرخصۃ فی ترک ذلک ص ۱۲۰ نمبر ۱۰۵۹) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ رکوع کے وقت رفع یدی کے چھوڑنے کی گنجائش ہے فائدہ امام شافعیؒ اور دیگر ائمہ کے یہاں رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن عبد اللہ بن عمر قال رأیت رسول اللہ ﷺ اذا قام فی الصلوۃ رفع یدیہ حتی

حاشیہ : (الف) آپؐ جب تکبیر کہتے تو دونوں ہاتھوں کو کان کے برابر اٹھاتے (ب) صحابی نے حضور کو دیکھا اور فرمایا ہاتھ کو کان کی لو کے برابر اٹھاتے (ج) وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ میں نے حضور کو دیکھا کہ جب انہوں نے نماز شروع کی تو دونوں ہاتھوں کو کانوں کے برابر اٹھایا (د) آپؐ نے فرمایا اے ابن حجر! جب تم نماز پڑھو تو اپنے ہاتھوں کو کان کے برابر کرو۔ اور عورت اپنے ہاتھوں کو پستان کے برابر کریں (ہ) آپؐ اپنے ہاتھوں کو مونڈھے کے برابر اٹھایا کرتے تھے جب نماز شروع کرتے (و) اللہ کے سامنے ادب سے کھڑے رہو یا عاجزی سے کھڑے رہو (ز) عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا۔ کیا میں تم لوگوں کو حضورؐ کی نماز نہ پڑھاؤں؟ پھر نماز پڑھائی اور ہاتھ نہیں اٹھائے مگر پہلی مرتبہ (ح) حضورؐ جب نماز شروع کرتے تو اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھاتے پھر دوبارہ نہیں اٹھاتے۔

[۱۸۰](۱۰) فان قال بدلا من التکبیر اللہ اجل او اعظم او الرحمن اکبر اجزاہ عند ابی حنیفۃ و محمد رحمھما اللہ تعلی وقال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالی لا یجوز الا ان یقول

تکونا حذو منکبیہ و کان یفعل ذلک حین یکبر للرکوع و یفعل ذلک اذا رفع رأسہ من الرکوع ویقول سمع اللہ لمن حمدہ ولا یفعل ذلک فی السجود (الف) (بخاری شریف، باب رفع الیدین اذا کبرواذا رکع واذا رفع ص ۱۰۲ نمبر ۷۳۶/مسلم شریف، باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین مع تکبیرۃ الاحرام والرکوع وفی الرفع من الرکوع وانہ لا یفعلہ اذا رفع من السجود ص ۱۶۸ نمبر ۳۹۰) اس سے معلوم ہوا کہ رکوع کے وقت ہاتھ اٹھانا مستحب ہے۔اور نہ کرنے کی بھی گنجائش ہے۔اس لئے اس مسئلہ پر جھگڑا نہیں کرنا چاہئے صرف استحباب کا اختلاف ہے۔

[۱۸۰](۱۰) اگر اللہ کے بجائے اللہ اجل کہا یا اللہ اعظم کہا یا الرحمٰن الاکبر کہا تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک کافی ہو جائے گا۔اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ نہیں جائز ہے مگر یہ کہ کہے اللہ اکبر اور اللہ الاکبر اور اللہ الکبیر۔

تشریح امام طرفین کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے وقت اللہ کی تعظیم کا کوئی بھی کلمہ کہے گا اور تحریمہ باندھے گا تو کافی ہو جائے گا بشرطیکہ تعظیم کا کلمہ ہو۔استغفار وغیرہ نہ ہو۔البتہ تکبیر کے علاوہ کسی اور کلمہ سے تحریمہ باندھنا مکروہ ہے۔

وجہ آیت میں ہے وذکر اسم ربہ فصلی (آیت ۱۵ سورۃ الاعلی ۸۷) آیت سے معلوم ہوا کہ نماز سے پہلے اللہ کا کوئی بھی نام لے، چاہے وہ تکبیر ہو یا تعظیم کا کوئی کلمہ (۲) آیت میں ہے وربک فکبر (ب) (آیت ۳ سورۃ المدثر ۷۴) اس آیت سے بھی معلوم ہو کہ اصل مقصود اللہ کی تعظیم کرنا ہے چاہے کوئی بھی کلمہ ہو (۳) حدیث میں ہے عن ابی سعید خدری قال کان رسول اللہ ﷺ اذا قام الی الصلوۃ باللیل کبر (ج) (ترمذی شریف، باب مایقول عند افتتاح الصلوۃ ص ۵۷ نمبر ۲۴۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تحریمہ کے وقت تکبیر کہے۔اس لئے کسی بھی کلمات سے تعظیم کرنا کافی ہوگا۔

فائدہ امام ابو یوسف اور امام شافعیؒ کے نزدیک خاص طور پر اللہ اکبر اور اللہ الاکبر اور اللہ الکبیر کہنا ضروری ہوگا۔اس لئے کہ یہی کلمات حدیث میں تکبیر تحریمہ کے لئے آئے ہیں۔سمعت ابا حمید الساعدی یقول کان رسول اللہ ﷺ اذا قام الی الصلوۃ استقبل القبلۃ ورفع یدیہ وقال اللہ اکبر (د) (ابن ماجہ شریف، باب افتتاح الصلوۃ، ص ۱۱۴، نمبر ۸۰۳، ابواب اقامۃ الصلوۃ/ترمذی شریف، باب ماجاء فی وصف الصلوۃ، باب منہ ص ۶۶ نمبر ۳۰۴) اس حدیث میں خاص اللہ اکبر کا ذکر ہے۔اس لئے اس کلمہ کے ساتھ تکبیر تحریمہ ہوگا۔اللہ الاکبر میں اور اللہ الکبیر میں زیادہ مبالغہ ہے اس لئے ان دونوں کلمے سے بھی تحریمہ ادا ہو جائے گا۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ جب نماز میں کھڑے ہوتے تو دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے یہاں تک کہ ہو جاتے مونڈھوں کے قریب۔اور ایسا ہی کرتے جس وقت رکوع کے لئے تکبیر کہتے۔اور ایسا ہی کرتے جب رکوع سے سر اٹھاتے۔اور سمع اللہ لمن حمدہ کہتے اور رفع یدین سجدہ میں نہیں کرتے (ب) اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے (ج) آپؐ جب نماز کے لئے رات میں کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے (د) حضورؐ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو قبلہ کا استقبال کرتے اور دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے اور اللہ اکبر کہتے۔

اللہ اکبر واللہ الاکبر واللہ الکبیر[۱۸۱] (۱۱) ویعتمد بیدہ الیمنی علی الیسری

[۱۸۱](۱۱)اور پکڑے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پراور دونوں ہاتھوں کوناف کے نیچے رکھے۔

تشریح حدیث میں یہ بھی ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھے۔اور یہ بھی ہے کہ دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑ لے۔اس لئے حنفیہ کے نزدیک سنت طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور چھوٹی انگلی سے بائیں ہاتھ کی کلائی کو پکڑ لے اور باقی تین انگلیوں کو بائیں ہاتھ کی کلائی پر رکھے۔تاکہ دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے۔

وجہ (۱)**عن وائل بن حجر انه رأى النبی ﷺ ... ثم وضع يده اليمنى على اليسرى** (الف) (مسلم شریف، باب وضع یدہ الیمنی علی الیسری ص ۱۷۳ نمبر ۴۰۱ /ابوداؤد شریف، باب وضع الیمنی علی الیسری ص ۱۱۷ نمبر ۷۵۵ /بخاری شریف، باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلوۃ نمبر ۷۴۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھے(۲)**قبیضة بن هلب عن ابيه قال كان رسول الله ﷺ يؤمنا فيأخذ شماله بيمينه** (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی وضع الیمین علی الشمال فی الصلوۃ ص ۵۹ نمبر ۲۵۲ /نسائی شریف، باب وضع الیمین علی الشمال فی الصلوۃ، ص ۱۲۳، نمبر ۸۰۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑنا چاہئے۔اس لئے حنفیہ نے دونوں حدیثوں پر عمل کیا۔اور ناف کے نیچے رکھنے کی حدیث یہ ہے (۳)**عن علیؓ قال ان من السنة فی الصلوة وضع الكف على الكف فی الصلوة تحت السرة** (ج) (ابوداؤد شریف باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلوۃ ص ۱۱۷ نمبر ۷۵۶ /دار قطنی، باب فی اخذ الشمال بالیمین فی الصلوۃ ج اول ص ۲۸۹ نمبر ۱۰۸۹ /سنن للبیھقی، باب وضع الیدین علی الصدر فی الصلوۃ من السنۃ ج ثانی ص ۴۸، نمبر ۲۳۴۱) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ہاتھ ناف کے نیچے رکھنا چاہئے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک ہاتھ سینے پر رکھنا سنت ہے۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن وائل انه رأى النبی ﷺ وضع يمينه على شماله ثم وضعها على صدره** (د) (ابوداؤد شریف، باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلوۃ، ص ۱۱۷، ۷۵۹ /سنن للبیھقی، باب وضع الیدین علی الصدر فی الصلوۃ من السنۃ ض ثانی ص ۴۶، نمبر ۲۳۳۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہاتھ سینے پر رکھنا چاہئے۔

نوٹ امام ترمذیؒ نے بہترین فیصلہ فرمایا ہے کہ دونوں کی گنجائش ہے۔**ورأى بعضهم ان يضعها فوق السرة ورأى بعضهم ان يضعها تحت السرة وكل ذلك واسع عندهم** (ہ) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی وضع الیمین علی الشمال فی الصلوۃ ص ۵۹ نمبر ۲۵۲)

نوٹ قیام میں جہاں جہاں ذکر مسنون ہے وہاں وہاں ہاتھ باندھنا بہتر ہے۔اور جہاں جہاں ذکر مسنون نہیں ہے وہاں وہاں ہاتھ چھوڑنا

حاشیہ : (الف) وائل بن حجر نے حضور کو دیکھا... پھر اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا (ب) آپؐ ہماری امامت کرتے تو بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ سے پکڑتے (ج) حضرت علیؓ نے فرمایا کہ نماز میں سنت یہ ہے کہ ہتھیلی کو ہتھیلی پر رکھے ناف کے نیچے (د) حضورؐ نے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا پھر ان دونوں کو اپنے سینے پر رکھا (ہ) بعض علماء کی رائے ہے کہ دونوں ہاتھوں کو ناف کے اوپر رکھے اور بعض کی رائے ہے کہ ان دونوں کو ناف کے نیچے رکھے۔اور علماء کے نزدیک ان میں سے ہر ایک کی گنجائش ہے۔

ویضعھا تحت السرۃ [۱۸۲](۱۲) ثم یقول سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالی جدک ولا الہ غیرک[۱۸۳] (۱۳) ویستعیذ باللہ من الشیطان الرجیم

مسنون ہے۔

لغت یعتمد : پکڑیگا، السرۃ : ناف۔

[۱۸۲](۱۲) تحریمہ باندھنے کے بعد پڑھے **سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالی جدک ولا الہ غیرک**

تشریح تحریمہ باندھنے کے بعد اور بھی بہت سی دعائیں منقول ہیں۔لیکن حنفیہ کے نزدیک **سبحانک اللھم الخ** پڑھنا زیادہ بہتر ہے

وجہ یہ حدیث ہے **عن ابی سعید الخدری قال کان رسول اللہ ﷺ اذا قام الی الصلوۃ باللیل کبر ثم یقول سبحانک اللھم الخ** (الف) (ترمذی شریف، باب مایقول عند افتتاح الصلوۃ ص ۵۷ نمبر ۲۴۲ / ابوداؤد شریف، باب من رأی الاستفتاح بسبحانک ص ۱۱۹ نمبر ۷۷۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سبحانک اللھم الخ پڑھنا چاہئے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک **اللھم وجھت وجھی الخ** پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔اس کا ثبوت یہ حدیث ہے **عن علی بن ابی طالب قال کان رسول اللہ اذا قام الی الصلوۃ کبر ثم قال وجھت وجھی الخ** (ب) (ابوداؤد شریف، باب ما یستفتح بہ الصلوۃ من الدعاء ص ۱۱۷ نمبر ۷۶۰) امام ابو یوسف ان دونوں احادیث کی وجہ سے دونوں دعاؤں کے ملانے کے قائل ہیں۔

[۱۸۳](۱۳) اور اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے۔

وجہ آیت میں ہے **فاذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ من الشیطان الرجیم** (ج) (آیت ۹۸ سورۃ النحل ۱۶) اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرأت قرآن سے پہلے اعوذ باللہ الخ پڑھے۔**عن ابی سعید الخدری قال کان رسول اللہ ﷺ اذا قام الی الصلوۃ ثم یقول اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم** (ترمذی شریف، باب مایقول عند افتتاح الصلوۃ ص ۵۷ نمبر ۲۴۲) اسی لئے حنفیہ کے نزدیک اعوذ باللہ قرأت قرآن کی سنت ہے۔ثنا کی سنت نہیں ہے اس لئے ہر رکعت میں قرأت قرآن سے اعوذ باللہ الخ اور بسم اللہ الخ پڑھے جائیں گے۔بسم اللہ الخ پڑھنے کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابن عباس قال کان النبی ﷺ یفتتح صلواتہ ببسم اللہ الرحمن الرحیم** (د) (ترمذی شریف، باب من رأی الجھر ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم ص ۵۷ نمبر ۲۴۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرأت سے پہلے بسم اللہ پڑھنا چاہئے۔لیکن اسمیں یہ تذکرہ نہیں ہے کہ زور سے پڑھنا چاہئے۔ہوسکتا ہے کہ حضورؐ بسم اللہ تو پڑھتے ہوں لیکن آہستہ پڑھتے ہوں۔اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن عبد اللہ بن مغفل قال سمعنی ابی وانا فی الصلوۃ اقول بسم اللہ الرحمن الرحیم فقال لی ای بنی محدث ایاک والحدث ... وقال وقد صلیت مع النبی ﷺ و مع ابی بکر وعمر ومع عثمان فلم**

حاشیہ : (الف) آپؐ جب رات میں نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے پھر سبحانک اللھم الخ کہتے (ب) آپؐ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے پھر وجھت وجھی الخ پڑھتے (ج) جب قرآن پڑھو تو اعوذ باللہ پڑھو (د) آپؐ اپنی نماز کو بسم اللہ سے شروع فرماتے۔

ویقرأ بسم اللہ الرحمن الرحیم ویسر بهما[۱۸۴](۱۴) ثم یقرأ فاتحة الکتاب

اسمع احدا منهم یقولها فلا تقلها ،اذا انت صلیت فقل الحمد لله رب العالمین (الف) (ترمذی شریف، باب ما جاء فی ترک الجهر ببسم اللہ الرحمان الرحیم ص ۵۷ نمبر ۲۴۴ ر بخاری شریف، باب مایقول بعد التکبیر ص ۱۰۳ نمبر ۷۴۳ رمسلم شریف، باب حجۃ من قال لا یجھر بالبسملۃ ص ۱۷۲ نمبر ۳۹۹) اس سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ بسم اللہ آہستہ پڑھتے تھے۔

نوٹ یہ بھی معلوم ہوا کہ بسم اللہ الحمد للہ یا دوسری سورتوں کا جز نہیں ہے ورنہ بسم اللہ زور سے پڑھتے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک بسم اللہ زور سے پڑھی جائے گی۔ کیوں کہ وہ بسم اللہ کو الحمد کا جز مانتے ہیں اور سورت کا بھی جز مانتے ہیں۔ ان کی دلیل کی حدیث اوپر گزری (۲) **عن انس بن مالک قال بینا رسول الله ذات یوم بین اظهرنا اذا غفی اغفاء ة ثم رفع رأسه متبسما فقلنا ما اضحکک یا رسول الله قال انزلت علی انفا سورة فقرء بسم الله ارحمن الرحیم انا اعطیناک الکوثر الخ** (ب) (مسلم شریف، باب حجۃ من قال البسملۃ آیۃ من اول کل سورۃ سوی برائۃ ص ۱۷۲ نمبر ۴۰۰ رابوداؤد شریف، باب ما جاء من جھر بسم اللہ ص ۱۲۱ نمبر ۷۸۴) اس سے معلوم ہوا کہ بسم اللہ سورۃ کا جز ہے۔ اس لئے اس کو جہری نماز میں جہر سے پڑھنا چاہئے۔ اس سے بھی واضح دلیل دار قطنی میں ہے **عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ کان یجهر ببسم الله الرحمن الرحیم** (ج) (دار قطنی، باب وجوب قراءۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ج اول ص ۳۰۸ نمبر ۱۱۴۷) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ بسم اللہ کو جہری نماز میں جہری پڑھنا چاہئے۔

نوٹ بسم اللہ ہر سورۃ سے پہلے آہستہ سے پڑھ لے تو بہتر ہے تا کہ اختلاف سے بچ جائے اور احتیاط پر عمل ہو جائے۔

[۱۸۴] (۱۴) پھر سورۂ فاتحہ پڑھے۔

تشریح حنفیہ کے نزدیک قرآن کی کسی جگہ سے ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتیں پڑھنا فرض ہے۔ اگر اتنا بھی نہیں پڑھیگا تو نماز نہیں ہوگی۔ البتہ اس پر سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ اگر نہیں پڑھے گا تو کمی رہ جائے گی اور سجدۂ سہو کرنا پڑے گا۔

وجہ (۱) کہیں سے بھی قرآن پڑھنے کی فرضیت کی دلیل یہ آیت ہے **فاقرء ما تیسر من القرآن** (آیت ۲۰ سورۃ المزمل ۷۳) (۲) حدیث میں ہے **عن ابن سعید قال امرنا ان تقرء بفاتحة الکتاب وما تیسر** (د) (ابوداؤد شریف، باب من ترک القراءۃ (الفاتحۃ) فی صلوتہ بفاتحۃ الکتاب، ص ۱۲۵ نمبر ۸۱۸ رنسائی شریف، باب ایجاب قراءۃ فاتحۃ الکتاب فی الصلوۃ ص ۱۰۵ نمبر ۹۱۲) (۳) بخاری شریف میں ہے آپؐ نے اس دیہاتی سے فرمایا جس نے جلدی جلدی نماز پڑھی **ثم اقرء ما تیسر معک من القرآن** (ہ) (بخاری

حاشیہ : (الف) عبد اللہ بن مغفلؓ فرماتے ہیں کہ میرے باپ نے سنا کہ میں نماز میں بسم اللہ پڑھ رہا ہوں تو میرے باپ نے کہا کہ اے میرے پیارے بیٹے یہ نئی چیز ہے۔ نئی ایجاد کرنے سے بچو... اور فرمایا میں نے حضورؐ، ابو بکر، عمر اور عثمان کے ساتھ نماز پڑھی۔ کسی سے نہیں سنا کہ وہ بسم اللہ زور سے کہتے ہوں۔ اس لئے اس کو مت کہا کرو۔ جب تم نماز پڑھو تو الحمد للہ الخ کہو (ب) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہمارے درمیان حضورؐ تھے۔ اچانک آپ پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی۔ پھر مسکراتے ہوئے سر اٹھایا۔ ہم نے کہا یا رسول اللہ! آپ کو کس چیز نے ہنسایا؟ آپؐ نے فرمایا ابھی مجھ پر ایک سورۃ نازل ہوئی ہے۔ پھر آپؐ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ انا اعطینا کا لکوثر پڑھی (ج) آپؐ بسم اللہ کو زور سے پڑھتے تھے (د) ابو سعید سے روایت ہے کہ آپؐ نے ہم کو حکم دیا کہ فاتحہ پڑھیں اور قرآن میں جو آسان ہو وہ پڑھیں (ہ) پھر پڑھو جو تمہارے پاس قرآن میں سے آسان ہو۔

[۱۸۵](۱۵) وسورة معها او ثلاث آيات من ای سورة شاء[۱۸۶](۱۶) واذا قال الامام

شریف، باب وجوب القرأة للامام والماموم فی الصلوۃ کلھا ص ۱۰۵ نمبر ۷۵۷ رمسلم شریف، باب وجوب قرأۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ ص ۱۷۰ نمبر ۳۹۷) اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن میں سے جو آسان ہو اس کا پڑھنا فرض ہے۔ چاہے سورۂ فاتحہ کے علاوہ ہو۔

سورۂ فاتحہ واجب ہونے کی دلیل (۴) عن عبادۃ بن صامت ان رسول اللہ ﷺ قال لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب (الف) (بخاری شریف، باب وجوب القراءۃ للامام والماموم فی الصلوۃ کلھا ص ۱۰۴ نمبر ۷۵۶ رمسلم شریف، باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ ص ۱۶۹ نمبر ۳۹۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ نہیں پڑھیں گے تو کمی رہ جائے گی۔ حدیث میں ہے (۵) عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قال من صلی صلوۃ لم یقرأ فیھا بام القرآن فھی خداج ثلاثا غیر تمام (ب) (مسلم شریف، باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ ص ۱۶۹ نمبر ۳۹۵ رابوداؤد شریف، باب من ترک القراءۃ فی صلوتہ ص ۱۲۵ نمبر ۸۲۱) فھی خداج کا مطلب یہ ہے کہ فاتحہ چھوڑنے سے نماز میں کمی رہ جائے گی اور اس کا اتمام سجدۂ سہو سے کرنا پڑے گا۔

فائدہ امام شافعی اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے۔ ان کی دلیل اوپر کی احادیث ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ قرآن کی آیت اور اس مسئلہ کی حدیث نمبر ۲ اور ۳ کو ملائیں تو یہی نتیجہ نکلے گا کہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ جس کے قائل ہم بھی ہیں۔

[۱۸۵](۱۵) اور سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورۃ ملائے یا تین آیتیں جس سورۃ سے بھی ہو۔

تشریح سورۂ فاتحہ کے ساتھ کوئی چھوٹی سورت یا کسی سورت کی تین آیتیں ملانا واجب ہے۔

وجہ حدیث میں ہے عن ابی سعید قال قال رسول اللہ ﷺ ... ولا صلوۃ لمن لم یقرأ بالحمد و سورۃ فی فریضۃ او غیرھا (ج) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی تحریم الصلوۃ وتحلیلھا ص ۵۵ نمبر ۲۳۸) اس حدیث میں وسورۃ فی فریضۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ فاتحہ کی طرح سورۃ ملانا بھی واجب ہے۔ (۲) ابوداؤد شریف وغیرہ میں نماز ظہر، عصر، مغرب اور فجر میں کون کون سی سورۃ پڑھتے تھے اس کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ سورۃ کا ملانا واجب ہے۔ تفصیل ابوداؤد، باب قدر القراءۃ فی صلوۃ الظھر والعصر، باب قدر القراءۃ فی المغرب ص ۱۲۳ نمبر ۷۹۸ رترمذی شریف، باب ماجاء فی القراءۃ فی الصبح ص ۶۷ نمبر ۳۰۶)

[۱۸۶](۱۶) اور جب امام کہے ولا الضالین تو وہ آمین کہے اور مقتدی بھی آمین کہے اور اس کو آہستہ کہے۔

تشریح امام سورۂ فاتحہ پڑھ کر آمین کہے اور مقتدی بھی آمین کہے۔ لیکن دونوں آمین آہستہ کہے۔

وجہ (۱) عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ اذا امن الامام فامنوا فانہ من وافق تأمینہ تأمین الملائکۃ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ وقال ابن شھاب وکان رسول اللہ ﷺ یقول آمین (د) (بخاری شریف، باب جھر الامام بالتأمین ص ۱۰۷ نمبر ۷۸۰ رمسلم

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا ان کی نماز ہی نہیں ہوئی جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی (ب) آپؐ نے فرمایا جس نے نماز پڑھی اور اس میں ام القرآن یعنی سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی تو وہ ناقص ہے۔ تین مرتبہ یہ مکمل نہیں ہے (ج) آپؐ نے فرمایا اس کی نماز نہیں ہوگی جس نے الحمد نہیں پڑھی اور سورۃ نہیں ملائی فرض نماز میں ہو یا اس کے علاوہ میں ہو (د) آپؐ نے فرمایا جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو۔ اس لئے کہ جس کی آمین فرشتے کی آمین کے موافق ہو جائے گی اس (باقی اگلے صفحہ پر)

ولا الضالين قال آمين ويقولها المأتم ويخفيها[۱۸۷](۱۷) ثم يكبر ويركع [۱۸۸](۱۸) ويعتمد بيديه على ركبتيه ويفرج اصابعه ويبسط ظهره ولا يرفع رأسه ولا

شریف، باب التسمیع والتحمید والتأمین ص ۱۷٦ نمبر ۴۱۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آمین کہے۔ اور آہستہ آمین کہنے کی دلیل یہ حدیث ہے (۱) حضرت امام اعظم کی نگاہ اس بات کی طرف گئی کہ آمین دعا ہے اور نماز میں قرأت کے علاوہ جتنی دعائیں کی جاتی ہیں سب آہستہ ہیں۔ اس لئے آمین بھی آہستہ ہونی چاہئے۔ چنانچہ حضرت نے آہستہ والی حدیث پر عمل کیا۔ آداب دعا یہ ہیں کہ گڑگڑا کر آہستہ کی جائے۔ آیت یہ ہے **ادعوا ربكم تضرعا و خفية انه لا يحب المعتدين** (الف) (آیت ۵۵ سورۃ الاعراف ۷) (۲) حدیث میں بھی ہے **عن علقمة بن وائل عن ابيه ان النبى ﷺ قرء غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقال آمين و خفض بها صوته** (ب) (ترمذی شریف، باب ما جاء فی التأمین ص ۵۸ نمبر ۲۴۸، دار قطنی، باب التأمین فی الصلوۃ بعد فاتحۃ الکتاب والجہر بہا، ج اول ص ۳۲۸ نمبر ۱۲۵٦) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آمین آہستہ کہنا چاہئے۔ بخاری، مسلم وغیرہ میں زور سے آمین کہنے کی باضابطہ حدیث نہیں ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کی نزدیک آمین زور سے کہنا بہتر ہے۔ ان کی دلیل (۱) اوپر کی حدیث سے امام بخاری اور امام مسلم نے استدلال کیا ہے کہ زور سے آمین کہے (اگر چہ اس میں زور کا لفظ نہیں ہے) (۲) **عن ابى هريرة قال ترك الناس التأمين وكان رسول الله اذا قال غير المغضوب عليهم ولا الضالين قال آمين حتى يسمعها اهل الصف الاول فيرتج بها المسجد** (ج) (ابن ماجہ شریف، باب الجہر بآمین ص ۱۲۱، نمبر ۸۵۳، دار قطنی، باب التأمین فی الصلوۃ ج اول ص ۳۲۸ نمبر ۱۲۵۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آمین زور سے کہنا چاہئے۔ لیکن خود ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ صحابہ نے زور سے آمین کہنا چھوڑ دیا تھا۔

نوٹ یہ استحباب کا اختلاف ہے۔ کوئی زور سے آمین کہتا ہو تو اس پر نکیر نہیں کرنا چاہئے۔

[۱۸۷] (۱۷) پھر تکبیر کہے اور رکوع کرے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ آپؐ رکوع اور سجدے میں تکبیر کہتے **سمع ابا هريرة يقول كان رسول الله ﷺ اذا اقام الى الصلوة يكبر حين يقوم ثم يكبر حين يركع** (د) (بخاری شریف، باب التکبیر اذا قام من السجود ص ۱۰۹ نمبر ۷۸۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رکوع میں جاتے ہوئے تکبیر کہے۔

[۱۸۸] (۱۸) دونوں ہاتھوں سے دونوں گھٹنے پر ٹیکے اور انگلیوں کو کشادہ کرے اور پیٹھ کو برابر کرے، سر کو نہ اٹھائے نہ زیادہ جھکائے۔

تشریح رکوع میں ہاتھ سے گھٹنوں کو اس طرح پکڑے جیسے اس پر ٹیک لگائے ہوئے ہو۔ اور انگلیوں کو گھٹنے پر پھیلائے ہوئے رکھے۔ پیٹھ کو

حاشیہ: (پچھلے صفحہ سے آگے) کے لئے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ ابن شہاب کہتے ہیں کہ حضورؐ آمین کہا کرتے تھے (الف) اپنے رب کو گڑگڑا کر آہستہ سے پکارو۔ وہ حد سے زیادہ تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے (ب) آپؐ نے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھا اور آمین کہا اور اس کے ساتھ آواز آہستہ کی (ج) آپؐ جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہتے تو آمین کہتے۔ پہلی صف والے اس کو سنتے اور مسجد گونج اٹھتی (د) آپؐ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے جب کھڑے ہوتے۔ پھر تکبیر کہتے جب رکوع میں جاتے۔

ینکسہ [۱۸۹] (۱۹) ویقول فی رکوعہ سبحان ربی العظیم ثلثا و ذلک ادناہ [۱۹۰] (۲۰) ثم یرفع رأسہ ویقول سمع اللہ لمن حمدہ ویقول المؤتم ربنا لک الحمد

سرین کے برابر رکھے۔ سرکو نہ زیادہ جھکائے اور نہ پیٹھ سے اٹھا کر رکھے۔ بلکہ پیٹھ کے برابر رکھے۔

وجہ (۱) یہ حدیث ہے **فذکروا صلوۃ رسول اللہ ﷺ فقال ابو حمید انا اعلمکم بصلوۃ رسول اللہ ﷺ ان رسول اللہ ﷺ رکع فوضع یدیہ علی رکبتیہ کانہ قابض علیھما و وتر یدیہ فنحاھما عن جنبیہ** (الف) (ترمذی شریف، باب ما جاء یجافی یدیہ عن جنبیہ فی الرکوع ص ۶۰ نمبر ۲۶۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہاتھ سے گھٹنوں کو اس طرح پکڑے کہ کمان کی رسی کی طرح معلوم ہو (۲) حدیث میں ہے **عن ابی حمید الساعدی قال کان النبی ﷺ اذا رکع اعتدل فلم ینصب رأسہ ولم یقنعہ ووضع یدیہ علی رکبتیہ** (ب) (نسائی شریف، باب الاعتدال فی الرکوع ص ۱۱۸ نمبر ۱۰۴۰ / ابوداؤد شریف، باب صلوۃ من لا یقیم صلبہ فی الرکوع والسجود ص ۱۳۲ نمبر ۸۶۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رکوع میں نہ سرکو سرین کے برابر رکھے نہ جھکائے اور نہ زیادہ اٹھائے۔

لغت لاینکسہ : نہ زیادہ جھکائے۔

[۱۸۹] (۱۹) اور رکوع میں سبحان ربی العظیم تین مرتبہ کہے اور یہ اس کا ادنی درجہ ہے۔

تشریح کم سے کم تین مرتبہ سبحان ربی العظیم کہنا سنت ہے۔ اس سے زیادہ بھی کہہ سکتا ہے۔ لیکن طاق مرتبہ کہنا افضل ہے۔

وجہ **عن ابن مسعود ان النبی ﷺ قال اذا رکع احدکم فقال رکوعہ سبحان ربی العظیم ثلث مرات فقد تم رکوعہ وذلک ادناہ** (ج) (ترمذی شریف، باب ما جاء فی التسبیح فی الرکوع والسجود ص ۶۰ نمبر ۲۶۱ / ابوداؤد شریف، باب مایقول الرجل فی رکوعہ و سجودہ ص ۱۳۴ نمبر ۸۷۰)

[۱۹۰] (۲۰) پھر اپنے سرکو اٹھائے اور کہے سمع اللہ لمن حمدہ اور مقتدی کہے ربنا لک الحمد۔

تشریح امام ابوحنیفہ کے نزدیک امام صرف سمع اللہ لمن حمدہ کہے اور مقتدی صرف ربنا لک الحمد کہے۔

وجہ حدیث میں ہے **عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال اذا قال الامام سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا اللھم ربنا لک الحمد** (د) (بخاری شریف، باب فضل اللھم ربنا لک الحمد ص ۱۰۹ نمبر ۷۹۶ / ترمذی شریف، باب آخر و باب مایقول الرجل اذا رفع رأسہ ص ۶۱ نمبر ۲۶۷) اس سے معلوم ہوا کہ امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے اور مقتدی ربنا لک الحمد کہے۔ البتہ منفرد ہو تو چونکہ وہ امام اور مقتدی دونوں ہے اس لئے وہ دونوں کہے گا۔

حاشیہ : (الف) کچھ صحابہ نے حضورؐ کی نماز کا تذکرہ کیا تو ابو حمید ساعدی نے فرمایا میں آپ کو حضورؐ کی نماز بتاتا ہوں۔ حضورؐ جب رکوع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں پر رکھتے گویا کہ ان کو پکڑے ہوئے ہیں۔ اور دونوں ہاتھوں کو کمان کی رسی کی طرح بناتے۔ اور دونوں ہاتھوں کو پہلو سے الگ رکھتے (ب) حضورؐ جب رکوع کرتے تو سرکو برابر رکھتے نہ سرکو اونچا اٹھاتے اور نہ نیچے جھکاتے اور دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں پر رکھتے (ج) نبیؐ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی رکوع کرے تو رکوع میں سبحان ربی العظیم تین مرتبہ کہے تو اس کا رکوع پورا ہو گیا اور یہ ادنی درجہ ہے (د) آپؐ نے فرمایا جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم لوگ اللھم ربنا لک الحمد کہو۔

[۱۹۱](۲۱) فاذا استوی قائما کبر و سجد[۱۹۲] (۲۲) واعتمد بیدیه علی الارض و

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک امام دونوں کلمے کہے گا۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابی ھریرۃ قال کان النبی ﷺ اذا قال سمع اللہ لمن حمدہ قال اللھم لک الحمد** (الف) (بخاری شریف، باب ما یقول الامام ومن خلفه اذا رفع رأسه من الرکوع ص ۱۰۹ نمبر ۷۹۵ رترمذی شریف، باب ما یقول الرجل اذا رفع رأسه من الرکوع، ص ۶۱ نمبر ۲۶۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام تسمیع اور تحمید دونوں کہے گا۔ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ جب تنہا نماز پڑھ رہا ہو تو دونوں کہے گا۔

نوٹ دونوں حدیثوں کو دیکھتے ہوئے صاحبین فرماتے ہیں کہ امام تسمیع اور تحمید دونوں کہے۔

[۱۹۱] (۲۱) پس جب کہ سیدھا کھڑا ہو جائے تو تکبیر کہے اور سجدہ کرے۔

تشریح امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اطمینان سے کھڑا ہونا جس کو تعدیل ارکان کہتے ہیں واجب ہے۔

وجہ حدیث میں ہے **عن ابی مسعود الانصاری قال قال رسول اللہ ﷺ لا تجزئ صلوۃ لا یقیم الرجل فیھا صلبه فی الرکوع و فی السجود** (ب) (ترمذی شریف، باب ما جاء فی من لا یقیم صلبه فی الرکوع والسجود ص ۶۱ نمبر ۲۶۵ رابوداؤد شریف، باب صلوۃ من لا یقیم صلبه فی الرکوع والسجود ص ۱۳۱ نمبر ۸۵۵ ربخاری شریف، باب امر النبی ﷺ الذی لا یتم رکوعه بالاعادۃ ص ۱۰۹ نمبر ۷۹۳) ان احادیث سے امام ابوحنیفہ تعدیل الارکان کو واجب کہتے قرار دیتے ہیں۔کیونکہ اس کے بغیر نماز کافی نہیں ہوگی۔کیونکہ تعدیل ارکان نہ کرنے کی وجہ سے حضورؐ نے نماز لوٹانے کا حکم دیا۔

فائدہ امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فرض ہے۔ان کی دلیل یہی اوپر کی حدیث ہے۔

نوٹ امام شافعیؒ کے یہاں فرض کے بعد سیدھا سنت کا درجہ ہے درمیان میں واجب کا درجہ نہیں ہے۔اس لئے جب کسی حدیث میں تاکید ہوتی ہے تو سیدھا وہ اس کی فرضیت کی طرف جاتے ہیں۔اور امام ابوحنیفہ کے یہاں فرض اور سنت کے درمیان واجب کا درجہ ہے اس لئے بہت زیادہ تاکید ہوتی ہے تو فرض ہوتا ہے۔اس سے کم تاکید ہوتی ہے تو واجب ہوتا ہے۔اور اس سے کم تاکید ہوتی ہے تو سنت ہوتا ہے۔اسی اصولی فرق کی بنا پر امام ابوحنیفہ اور شافعیؒ کے درمیان اختلاف ہوا ہے۔

نوٹ ایک روایت ہے کہ تعدیل ارکان اور قومہ سنت ہیں۔

[۱۹۲] (۲۲) سجدہ میں دونوں ہاتھوں کو زمین پر ٹیکے اور اپنے چہرے کو دونوں ہتھیلیوں کے درمیان رکھے۔

تشریح سجدہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پیشانی اور ناک زمین پر رکھے اور دونوں ہاتھوں کو بھی زمین پر رکھے اس طرح کہ چہرہ دونوں ہاتھوں کے درمیان ہو۔

وجہ (۱) حدیث میں ہے۔**قلت للبراء بن عازب این کان النبی ﷺ یضع وجھه اذا سجد بین کفیه فقال بین کفیه**

حاشیہ : (الف) آپؐ جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو اللھم ربنا لک الحمد بھی کہتے (ب) آپؐ نے فرمایا نماز کافی نہیں ہوگی جب تک کہ آدمی رکوع اور سجدے میں ریڑھ کی ہڈی سیدھی نہ کرے (یعنی اطمینان سے پورے طور پر رکوع اور سجدہ نہ کرے۔

وضع وجھہ بین کفیہ [۱۹۳](۲۳) وسجد علی انفہ وجبھتہ فان اقتصر علی احدھما جاز عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی وقالا لا یجوز الاقتصار علی الانف الا من عذر

(ترمذی شریف، باب ماجاء این وضع الرجل وجہہ اذا سجد ص۶۲ نمبر ۲۷۱) فی ابوداؤد **عن عبد الجبار بن وائل عن ابیہ عن النبی ﷺ فلما سجد وضع جبھتہ بین کفیہ وجافی عن ابطیہ** (الف) (ابوداؤد شریف، باب افتتاح الصلوۃ ص۱۱۴ نمبر ۷۳۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدہ کے وقت چہرہ ہتھیلی کے درمیان رکھے اور ہتھیلی کو زمین پر رکھ کر دونوں کہنیوں کو زمین سے اونچی رکھیں اور بغل سے علیحدہ رکھیں۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن البراء قال قال رسول اللہ ﷺ اذا سجدت فضع کفیک وارفع مرفقیک وفی حدیث آخر اذا صلی فرج بین یدیہ حتی یبدو بیاض ابطیہ** (ب) (مسلم شریف، باب الاعتدال فی السجود ووضع الکفین علی الارض ص۱۹۴ نمبر ۴۹۵ ربخاری شریف، باب یبدی ضبعیہ ویجافی فی السجود نمبر ۸۰۷)

[۱۹۳] (۲۳) اور سجدہ کرے اپنی ناک پر اور پیشانی پر۔ پس اگر دونوں میں سے ایک پر اکتفا کر لیا تو جائز ہے ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا نہیں جائز ہے اکتفا کرنا ناک پر مگر عذر کی بنا پر

تشریح ناک اور پیشانی دونوں پر سجدہ کرنا چاہئے۔ لیکن اگر دونوں میں سے کسی ایک پر یعنی صرف ناک پر یا صرف پیشانی پر اکتفا کیا تب بھی سجدہ ادا ہو جائے گا۔ البتہ کمی رہ جائے گی۔ لیکن امام صاحبین کے نزدیک پیشانی اصل ہے اس لئے صرف پیشانی پر سجدہ کر لیا تو سجدہ ہو جائیگا۔ اور اگر صرف ناک پر سجدہ کیا اور پیشانی پر کوئی عذر نہیں ہے تو سجدہ ادا نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے اصل پر سجدہ نہیں کیا۔ ابوحنیفہ کی۔

وجہ (۱) وہ فرماتے ہیں کہ چہرے کو رکھ دینے سے سجدہ ادا ہو جائے گا چاہے پیشانی ٹیکے یا ناک ٹیکے سر کا زمین پر رکھنا پایا گیا (۲) چنانچہ حدیث میں پیشانی اور ناک دونوں کے رکھنے کا تذکرہ موجود ہے۔ حدیث میں ہے **عن ابن عباس قال قال النبی ﷺ امرت ان اسجد علی سبعۃ اعظم علی الجبھۃ واشار بیدہ علی انفہ والیدین والرکبتین واطراف القدمین** (ج) (بخاری شریف، باب السجود علی الانف ص۱۱۲ نمبر ۸۱۲ رمسلم شریف، باب اعضاء السجود والنھی عن کفی الشعر ص۱۹۳ نمبر ۴۹۰ رترمذی شریف، باب ماجاء فی السجود علی الجبھۃ والانف ص۶۱ نمبر ۲۷۰) اس لئے دونوں میں سے ایک پر اکتفا کرنا بھی کافی ہوگا۔

وجہ صاحبین فرماتے ہیں کہ سجدہ میں اصل پیشانی ہے۔ ناک فرع ہے اس لئے بغیر عذر کے پیشانی پر نہیں ٹکایا تو سجدہ ادا نہیں ہوگا (۲) بعض حدیث میں صرف پیشانی کا تذکرہ ہے۔ **عن ابن عباس قال امر النبی ﷺ ان یسجد علی سبعۃ اعضاء ولا یکف شعرا ولا ثوبا، الجبھۃ والیدین والرکبتین والرجلین** (د) (بخاری شریف، باب السجود علی سبعۃ اعظم ص۱۱۲ نمبر ۸۰۹ رمسلم شریف، باب

حاشیہ : (الف) وائل بن حجر نے بیان فرمایا کہ حضورؐ جب سجدہ کرتے تو اپنی پیشانی کو دونوں ہتھیلیوں کے درمیان رکھتے اور ہاتھوں کو دونوں پہلوؤں سے الگ رکھتے (ب) آپؐ نے فرمایا جب سجدہ کرو تو اپنی ہتھیلی کو رکھو اور دونوں کہنیوں کو اٹھاؤ۔ فی حدیث آخر جب نماز پڑھتے تو دونوں ہاتھوں کو بغل سے الگ رکھتے یہاں تک کہ بغل کی سفیدی نظر آتی (ج) آپؐ نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سات ہڈیوں پر سجدہ کروں۔ پیشانی پر۔ اور اپنے ہاتھ سے ناک کی طرف اشارہ کیا۔ اور دونوں ہاتھوں پر۔ دونوں گھٹنوں پر اور دونوں قدموں پر (د) نبیؐ کو حکم دیا گیا کہ سات اعضاء پر سجدہ کریں اور نہ بال کو سمیٹیں اور نہ کپڑے کو سمیٹیں۔ اور (باقی اگلے صفحہ پر)

[۱۹۴](۲۴) فان سجد علی کور عمامته او علی فاضل ثوبه جاز [۱۹۵](۲۵) ویبدی ضبعیه ویجافی بطنه عن فخذیه [۱۹۶] (۲۶) ویوجه اصابع رجلیه نحو القبلة [۲۹۷]

اعضاء السجود والنھی عن کف الشعر ص ۱۹۳ نمبر ۴۹۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پیشانی اصل ہے اس لئے بغیر عذر کے پیشانی پر سجدہ نہ کرنے سے سجدہ ادا نہ ہوگا۔ اس میں پیشانی کا خاص تذکرہ ہے۔

[۱۹۴] (۲۴) اگر پگڑی کے کنارے پر یا زائد کپڑے پر سجدہ کیا تو جائز ہے۔

وجہ حدیث میں ہے **عن انس بن مالک قال کنا نصلی مع النبی ﷺ فیضع احدنا طرف الثوب من شدة الحر فی مکان السجود** (الف) (بخاری شریف باب السجود علی الثوب فی شدة الحر ص ۵۶ نمبر ۳۸۵ / نسائی شریف، باب السجود علی الثیاب ص ۱۲۵ نمبر ۱۱۱۷ / ابو داؤد شریف، باب الرجل یسجد علی ثوبہ ص ۱۰۳ نمبر ۶۶۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عمامہ کے کنارے پر سجدہ کرنے سے سجدہ ادا ہو جائے گا۔

لغت کور : عمامہ کا پیچ، کنارہ

[۱۹۵] (۲۵) دونوں بغلوں کو کشادہ رکھیں اور پیٹ کو رانوں سے الگ رکھے۔

تشریح مرد اس طرح سجدہ کرے کہ بغل پیٹ سے دور رہے۔ اور ران بھی پیٹ سے الگ رہے۔

وجہ حدیث میں اس کا ثبوت ہے **عن مالک ابن بحینة ان رسول اللہ ﷺ کان اذا صلی فرج بین یدیه حتی یبدو بیاض ابطیه** (ب) (بخاری شریف، باب یبدی ضبعیہ ویجافی جنبیہ فی السجود ص ۵۶ نمبر ۸۰۷ / مسلم شریف، باب الاعتدال فی السجود ووضع الکفین علی الارض ص ۱۹۴ نمبر ۴۹۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغل کو ران سے اور پیٹ سے اتنا الگ رکھے کہ آدمی پیچھے سے اس کی بغل کی سفیدی دیکھ سکے۔

نوٹ عورت سکڑ کر سجدہ کرے گی۔ یہ اس کے ستر کے لئے بہتر ہے۔

لغت ضبع : ضبع تثنیہ کا صیغہ ہے بغل، یجافی : دور رکھے۔

[۱۹۶] (۲۶) (سجدہ کی حالت میں) دونوں پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف متوجہ رہیں۔

وجہ حدیث میں ہے **یستقبل باطراف رجلیه القبلة قال ابو حمید عن النبی ﷺ** (ج) (بخاری شریف، باب یستقبل باطراف رجلیہ القبلۃ ص ۱۱۲) **فقال ابو حمید الساعدیؓ انا کنت احفظکم لصلوة رسول اللہ ﷺ فذکر الحدیث وفیه واذا سجد وضع یدیه غیر مفترش ولا قابضهما واستقبل باطراف اصابع رجلیه القبلة** (د) (بخاری شریف، باب سنۃ

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) پیشانی اور دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں پر سجدہ کریں (الف) ہم حضور کے ساتھ نماز پڑھتے تو ہم میں سے ایک گرمی کی شدت کی وجہ سے کپڑے کے کنارے کو سجدہ کی جگہ پر رکھتے (ب) آپؐ جب نماز پڑھتے تو دونوں ہاتھوں کو پہلو سے کشادہ رکھتے یہاں تک کہ بغل کی سفیدی نظر آتی (ج) ابو حمید ساعدی نے حضورؐ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ دونوں پاؤں کی انگلیوں سے قبلہ کا استقبال کرے (د) ابو حمید نے فرمایا میں حضورؐ (باقی اگلے صفحہ پر)

(۲۷) ویقول فی سجودہ سبحان ربی الاعلی ثلثا وذلک ادناہ[۱۹۸] (۲۸) ثم یرفع رأسہ ویکبر[۱۹۹] (۲۹) واذا اطمئن جالسا کبر و سجد.

الجلوس فی التشھد ص۱۱۴ نمبر ۸۲۸ رسنن للبیھقی ، باب ینصب قدمیہ ویستقبل باطراف اصابعھما القبلۃ ،ج ثانی ،ص ۱۶۷،نمبر ۲۷۱۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدہ کی حالت میں پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف رکھنا چاہئے۔

[۱۹۷] (۲۷) سجدے میں سبحان ربی الاعلی تین مرتبہ کہے اور یہ ادنی درجہ ہے۔

وجہ **عن ابن مسعود ان النبی ﷺ قال ...اذا سجد فقال فی سجودہ سبحان ربی الاعلی ثلث مرات فقد تم سجودہ وذلک ادناہ** (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی التسبیح فی الرکوع والسجود ص ۶۰ نمبر ۲۶۱ رابوداؤد شریف، باب مایقول الرجل فی رکوعہ وسجودہ ص ۱۳۳ نمبر ۸۷۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین مرتبہ سبحان ربی الاعلی کہنا چاہئے۔اور یہ ادنی مرتبہ ہے اس سے زیادہ کہے تو بہتر ہے

نوٹ فرض سجدہ صرف سرزمین پر ٹیک دینے سے ادا ہو جائے گا باقی سب سنتیں ہیں۔

[۱۹۸] (۲۸) پھر سر اٹھائے اور تکبیر کہے۔

تشریح تکبیر کہتے ہوئے جلسہ میں پورے اطمینان سے بیٹھے۔

وجہ **عن انس ... کان رسول اللہ ﷺ اذا قال سمع لمن حمدہ قام حتی نقول قد اوھم ثم یسجد و یقعد بین السجدتین حتی نقول قد اوھم** (ب) (مسلم شریف، باب اعتدال ارکان الصلوۃ وتخفیفھا فی تمام ص ۱۸۹ نمبر ۴۷۳) یعنی آپ دونوں سجدوں کے درمیان اتنی دیر تک بیٹھتے کہ لوگوں کو خیال ہوتا کہ شاید آپ بھول گئے ہیں۔جس سے معلوم ہوا کہ قومہ میں اطمینان سے بیٹھنا چاہئے۔ان ہی احادیث کی وجہ سے بعض ائمہ کے نزدیک تعدیل ارکان واجب ہے۔

نوٹ اتنا سر اٹھایا کہ بیٹھنے کے قریب ہو گیا تو پہلا سجدہ ادا ہو جائے گا۔

[۱۹۹] (۲۹) اور جب اطمینان سے بیٹھ جائے تو تکبیر کہے اور سجدہ کرے۔

وجہ دوسرے سجدے کی دلیل بہت سی احادیث میں ہے مثلا **عن ابی ھریرۃ ان النبی ﷺ دخل المسجد فدخل رجل فصلی ... ثم اسجد حتی تطمئن ساجدا ثم ارفع حتی تطمئن جالسا ثم اسجد حتی تطمئن ساجدا ثم افعل ذلک فی صلوتک کلھا** (الف) (بخاری شریف، باب امر النبی ﷺ الذی لا یتم رکوعہ بالاعادۃ ص ۱۰۹ نمبر ۷۹۳) اس حدیث میں غلطی کرنے

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) کی نماز تم سے زیادہ یاد کئے ہوئے ہوں۔پھر لمبی حدیث ذکر کی اور اس میں ذکر کیا کہ جب آپ سجدہ کرتے تو دونوں ہاتھوں کو رکھتے نہ بچھاتے ہوئے اور نہ سکیڑے ہوئے۔اور پاؤں کی انگلیوں کے کنارے سے قبلہ کا استقبال کرتے (الف) آپؐ نے فرمایا جب سجدہ کرے تو سجدے میں تین مرتبہ سبحان ربی الاعلی کہے تو اس کا سجدہ پورا ہو گیا اور یہ ادنی مرتبہ ہے (ب) حضور سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو کھڑے رہتے یہاں تک کہ ہم کہتے شاید آپ کو وہم ہو گیا۔پھر سجدہ کرتے اور دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھتے یہاں تک کہ ہم کہتے آپ کو وہم ہو گیا (یعنی آپؐ اتنی دیر تک قومہ میں کھڑے رہتے اور جلسہ میں بیٹھتے) (الف) آپ مسجد میں داخل ہوئے۔پھر ایک آدمی داخل ہوا اور نماز پڑھی...پھر سجدہ کرو یہاں تک کہ اطمینان سے سجدہ کرو پھر سر اٹھاؤ یہاں تک کہ اطمینان سے بیٹھو (باقی اگلے صفحہ پر)

[۲۰۰] (۳۰) فاذا اطمئن ساجدا کبر واستوی قائما علی صدور قدمیه ولا یقعد ولا یعتمد بیدیه علی الارض. [۲۰۱] (۳۱) ویفعل فی الرکعة الثانیة مثل ما فعل فی الاولی

والے صحابی کو دوسرا سجدہ کرنے کی بھی تلقین کی ہے۔اس لئے دوسرا سجدہ بھی فرض ہے جس طرح پہلا سجدہ فرض ہے۔

[۲۰۰] (۳۰) پس جب اطمینان سے سجدہ کر لے تو تکبیر کہے اور دونوں قدموں کے سینے کے بل سیدھا کھڑا ہو جائے۔اور بیٹھے نہیں اور نہ دونوں ہاتھوں سے زمین کا سہارا لے۔

تشریح سجدہ سے کھڑے ہوتے وقت درمیان میں جلسۂ استراحت نہ کرے اور نہ زمین کا سہارا لے کر کھڑا ہو بلکہ دونوں ہاتھوں سے گھٹنے کا سہارا لے اور سیدھا کھڑا ہو جائے۔

وجہ حدیث میں ہے **عن ابی هریرة قال کان النبی ﷺ ینهض فی الصلوة عن صدور قدمیه** (الف) (ترمذی شریف، باب منه ایضا (کیف النهوض من السجود) ص ۶۴ نمبر ۲۸۸ رسنن للبیهقی، باب من قال یرجع علی صدور قدمیه، ج ثانی، ص ۱۷۹، نمبر ۲۷۶۳) اس سے معلوم ہوا کہ آپؐ بیٹھتے نہیں بلکہ پاؤں کے بل کھڑے ہو جاتے (۲) **عن محمد بن حجادة اذا نهض علی رکبتیه واعتمد علی فخذیه** (ب) (ابوداؤد شریف، باب افتتاح الصلوة ص ۱۱۴ نمبر ۷۳۶) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ آپؐ سیدھے کھڑے ہو جاتے تھے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے یہاں سجدۂ اخیرہ کے بعد جلسۂ استراحت ہے۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے **اخبرنی مالک بن الحویرث اللیثی انه رأی النبی ﷺ یصلی فاذا کان فی وتر من صلوته لم ینهض حتی یستوی قاعدا** (ج) (بخاری شریف، من استوی قاعدا فی وتر من صلوته ثم نهض ص ۱۱۳ نمبر ۸۲۳ رترمذی شریف، باب کیف النهوض من السجود ص ۶۴ نمبر ۲۸۷) (۲) **جاء نا مالک بن الحویرث ... واذا رفع رأسه عن السجدة الثانیة جلس واعتمد علی الارض ثم قام** (د) (بخاری شریف، باب کیف یعتمد علی الارض اذا قام من الرکعة ص ۱۱۴ نمبر ۸۲۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جلسۂ استراحت سنت ہے۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ یہ بڑھاپے کے وقت کیا ہے۔تاہم کوئی جلسۂ استراحت کرے گا تو سجدۂ سہو لازم نہیں ہوگا کیونکہ احادیث سے ثابت ہے۔

لغت صدور قدمیہ : قدم کے اوپر کا حصہ جس کے بل پر آدمی کھڑا ہوتا ہے۔

[۲۰۱] (۳۱) دوسری رکعت میں وہی کرے جو پہلی رکعت میں کیا جاتا ہے مگر یہ کہ ثنا نہ پڑھے اور اعوذ باللہ نہ پڑھے۔

وجہ ثنا صرف پہلی رکعت میں پڑھی جاتی ہے۔اسی طرح اعوذ باللہ بھی پہلی رکعت میں پڑھی جاتی ہے۔اس لئے دوسری رکعت میں یہ دونوں نہ پڑھے۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) پھر سجدہ کرو یہاں تک کہ اطمینان سے سجدہ کرو۔پھر ایسا ہی تمام نمازوں میں کرو (الف) آپؐ نماز میں کھڑے ہوتے دونوں قدموں کے سینے پر (یعنی سیدھے کھڑے ہو جاتے) (ب) محمد بن حجادہ سے روایت ہے کہ آپؐ جب کھڑے ہوتے تو دونوں گھٹنوں کے بل کھڑے ہوتے اور دونوں رانوں پر ٹیک لگاتے (ج) آپ کو دیکھا کہ جب نماز کی طاق رکعت ہوتی تو نہیں کھڑے ہوتے یہاں تک کہ ٹھیک سے بیٹھ جاتے (د) جب دوسرے سجدے سے سر اٹھاتے تو بیٹھ جاتے اور زمین پر ٹیک لگاتے پھر کھڑے ہوتے۔

الا انہ لا یستفتح ولا یتعوذ [۲۰۲](۳۲)ولا یرفع یدیہ الا فی التکبیرۃ الاولی [۲۰۳]

(۳۳) فاذا رفع رأسہ من السجدۃ الثانیۃ فی الرکعۃ الثانیۃ افترش رجلہ الیسری فجلس

نوٹ دوسری رکعت میں بسم اللہ آہستہ سے پڑھے گا۔ کیونکہ قرأت سے پہلے بسم اللہ آہستہ سے پڑھنا مسنون ہے۔حدیث میں ہے عن ابن عباس قال کان النبی ﷺ یفتتح صلوتہ ببسم اللہ الرحمن الرحیم (ترمذی شریف، باب من رأی الجھر ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم ص نمبر ۲۴۵) اس سے معلوم ہوا کہ ہر رکعت کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کرنا چاہئے (دار قطنی نمبر ۱۱۴۳ میں بھی ہے)

[۲۰۲](۳۲) ہاتھ نہیں اٹھائے گا مگر تکبیر اولی کے وقت۔

تشریح حنفیہ کے نزدیک تکبیر اولی کے علاوہ میں ہاتھ اٹھانا مسنون نہیں ہے۔نہ رکوع سے اٹھتے وقت اور نہ دوسری رکعت شروع کرتے وقت ۔اس کی دلیل مسئلہ نمبر ۹ میں نوٹ کے تحت گزر چکی ہے۔دلیل یہ بھی یاد رکھیں کہ حدیث میں ہے۔عن جابر بن سمرۃ قال خرج علینا رسول اللہ ﷺ فقال مالی اراکم رفعی ایدیکم کانھا اذ ناب خیل شمس؟ اسکنوا فی الصلوۃ (الف)(مسلم شریف، باب الامر بالسکون فی الصلوۃ والنھی عن الاشارۃ بالید ص ۱۸۱ نمبر ۴۳۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں سکون اور اطمینان مطلوب ہے۔اور بار بار ہاتھ اٹھانے میں سکون نہیں ہے۔اس لئے بھی رفع یدین نہیں ہونا چاہئے (۲) عن علقمۃ عن عبد اللہ قال صلیت مع النبی ﷺ ومع ابی بکر و مع عمر فلم یرفع ایدیھم الا عند التکبیرۃ الاولی فی افتتاح الصلوۃ (ب)(دار قطنی، باب ذکر التکبیر ورفع الیدین الخ ص ۲۹۶ نمبر ۱۱۲۰ / ترمذی شریف، باب ماجاء ان النبی ﷺ لم یرفع الا فی اول مرۃ ص ۵۰ نمبر ۲۵۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تکبیر اولی کے علاوہ کسی وقت بھی رفع یدین نہیں کرنا چاہئے۔

فائدہ امام شافعیؒ دوسری رکعت کے شروع میں بھی رفع یدین کے قائل ہیں۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن نافع ان ابن عمر کان اذا دخل فی الصلوۃ ... واذا قام من الرکعتین رفع یدیہ و رفع ذلک ابن عمر الی النبی ﷺ (ج)(بخاری شریف، باب رفع الیدین اذا قام من الرکعتین ص ۱۰۲) اس لئے امام شافعیؒ کے نزدیک دوسری رکعت شروع کرتے وقت بھی رفع یدین ہے۔

[۲۰۳](۳۳) پس جبکہ سر دوسری رکعت میں دوسرے سجدے سے اٹھائے تو اپنے بائیں پاؤں کو بچھائے اور اس پر بیٹھے اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھے **تشریح** حنفیہ کے نزدیک دونوں تشہد میں دائیں پاؤں کو کھڑا کرے گا اور بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھے گا۔

وجہ فقال ابو حمید الساعدی فاذا جلس فی الرکعتین جلس علی رجلہ الیسری و نصب الیمنی واذا جلس فی الرکعۃ الآخرۃ قدم رجلہ الیسری ونصب الاخری وقعد علی مقعدتہ (د)(بخاری شریف، باب سنۃ الجلوس فی التشھد ص ۱۱۴،

حاشیہ : (الف) جابر بن سمرۃ فرماتے ہیں کہ حضور ہمارے سامنے آئے اور فرمایا کہ کیا بات ہے کہ اپنے ہاتھوں کو اٹھائے ہوئے ہوں۔گویا کہ دوڑنے والے گھوڑے کی دم ہوں۔نماز میں سکون سے رہو (ب) فرمایا میں نے نماز پڑھی نبی اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ساتھ، پس انہوں نے ہاتھ نہیں اٹھائے مگر صرف تکبیر اولی کے وقت نماز کے شروع میں (ج) ابن عمر جب نماز میں داخل ہوتے ... جب دونوں رکعتوں سے کھڑے ہوتے تو ہاتھ اٹھاتے۔ابن عمر نے اس حدیث کو حضورؐ تک مرفوع کیا (د) ابو حمید ساعدی نے فرمایا... پس جب دو رکعتوں پر بیٹھے تو بائیں پاؤں پر بیٹھے اور دائیں پاؤں کو کھڑا کرے۔پس جب آخری رکعت (باقی اگلے صفحہ پر)

علیھا و نصب الیمنی نصبا[۲۰۴](۳۴)ووجّہ اصابعہ نحو القبلۃ و وضع یدیہ علی

نمبر ۸۲۸/ مسلم شریف، باب ما یجمع صفۃ الصلوۃ وما یفتتح بہ ص ۱۹۴ نمبر ۴۹۸)(۲) **عن وائل بن حجر قال قدمت المدینۃ قلت لانظرن الی صلوۃ رسول اللہ ﷺ فلما جلس یعنی للتشھد افترش رجلہ الیسری ووضع یدہ الیسری یعنی علی فخذہ الیسری ونصب رجلہ الیمنی** (الف) (ترمذی شریف، باب کیف الجلوس فی التشھد ص ۶۵ نمبر ۲۹۲) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ تشہد میں دائیں پاؤں کو کھڑا رکھنا چاہئے اور بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھنا چاہئے۔ اور دوسری حدیث میں قعدۂ اولی اور قعدۂ اخیرہ کی بھی قید نہیں ہے۔ اس لئے دونوں قعدہ میں حنفیہ کے نزدیک ایک طرح بیٹھنا مسنون ہے۔

فائدہ امام مالکؒ کے نزدیک آخری تشہد میں تورک مسنون ہے۔ تورک کا مطلب یہ ہے کہ دونوں پاؤں پیچھے کردے اور مقعد پر بیٹھے۔ ان کی دلیل بخاری والی اوپر کی حدیث ہے (بخاری شریف، نمبر ۸۲۸) (۲) حدیث میں ہے **حتی اذا کانت السجدۃ التی فیھا التسلیم اخر رجلہ الیسری وقعد متورکا علی شقہ الایسر** (ب) (مسلم شریف، باب صفۃ الجلوس فی الصلوۃ وکیفیۃ وضع الیدین علی الفخذین (۲۱۶ نمبر ۵۷۹/ ابوداؤد شریف، باب من ذکر التورک فی الرابعۃ ص ۱۴۵ نمبر ۹۶۳) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قعدۂ اخیرہ میں تورک مسنون ہے۔

[۲۰۴] (۳۴) پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف متوجہ کرے اور دونوں ہاتھوں کو دونوں رانوں پر رکھے اور ہاتھوں کی انگلیوں کو کشادہ رکھے۔

وجہ پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف متوجہ کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے **عن عبد اللہ بن عمر قال من سنۃ الصلوۃ ان تنصب القدم الیمنی استقبالہ باصابعھا القبلۃ والجلوس علی الیسری** (ج) (نسائی شریف، باب الاستقبال باطراف اصابع القدم القبلۃ عند القعود للتشھد، ص ۱۶۱، نمبر ۱۱۵۹) (۲) **واقبل بصدرۃ الیمنی علی قبلتہ** (ابوداؤد شریف، باب من ذکر التورک فی الرابعۃ، نمبر ۹۶۷ اس باب کی آخری حدیث ہے) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تشہد میں بیٹھتے وقت پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف ہونی چاہئے۔

ہاتھوں کی انگلیوں کو رانوں پر رکھنے کی دلیل اور دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے حلقہ بنا کر اشارہ کرنے کی دلیل اس حدیث میں ہے۔ **عن وائل بن حجر قال ... ثم جلس فافترش رجلہ الیسری ووضع یدہ الیسری علی فخذہ الیسری وحد مرفقہ الایمن علی فخذہ الیمنی وقبض ثنتین و حلق حلقۃ ورأیتہ یقول ھکذا وحلق بشر الابھام والوسطی واشار بالسبابۃ** (د) (ابوداؤد شریف، باب کیف الجلوس فی التشھد ص ۱۴۵ نمبر ۹۵۷) **عاصم بن کلیب الجرمی عن ابیہ عن جدہ قال دخلت علی النبی**

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) پر بیٹھے تو بایاں پاؤں آگے کرے اور دائیں پاؤں کو کھڑا کرے اور اپنی مقعد پر بیٹھے (یعنی تورک کرے) (الف) وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ میں مدینہ آیا تا کہ حضور کی نماز دیکھوں۔ پس جب کہ تشہد کے لئے بیٹھے تو بائیں پاؤں کو بچھایا اور اس پر بائیں ہاتھ کو رکھا یعنی بائیں ران پر اور دائیں پاؤں کو کھڑا کیا (ب) یہاں تک کہ جب وہ سجدہ ہوا جس میں سلام کرنا ہے تو بائیں پاؤں کو پیچھے کیا اور بائیں جانب میں تورک کر کے بیٹھے (ج) عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ نماز کی سنت میں سے یہ ہے کہ دائیں قدم کو کھڑا کرے اور اپنی انگلیوں سے قبلے کا استقبال کرے اور بائیں پاؤں پر بیٹھے (د) وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ... پھر بیٹھے اور اپنا بایاں پاؤں بچھایا اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھا اور دائیں کہنی کو حد کی طرح بنایا اور خنصر اور چھوٹی انگلیوں کو موڑا اور پورا حلقہ بنایا اور میں نے دیکھا کہ وہ اس طرح کر رہے تھے۔ راوی بشر نے انگوٹھے اور درمیان کی انگلیوں سے حلقہ بنایا اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا۔

فخذیہ ویبسط اصابعہ[۲۰۵] (۳۵) ثم یتشھد والتشھد ان یقول التحیات للہ والصلوات والطیبات السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا و علی

وھو یصلی وقد وضع یدہ الیسری علی فخذہ الیسری ووضع یدہ الیمنی علی فخذہ الیمنی وقبض اصابعہ وبسط السبابۃ (الف) (ترمذی شریف، باب ابواب الدعاء ج ثانی ص۱۹۹ نمبر۳۵۸۷ ابواب المناقب سے دو صفحے پہلے ہے/نسائی شریف، باب قبض الثنتین من اصابع الید الیمنی وعقد الوسطی ص۱۴۲ نمبر۱۲۶۹) اس باب میں بہت سی احادیث نقل کی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہاتھ کو ران پر رکھ کر دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے حلقہ بنائے اور شہادت کی انگلی سے لا الہ الا اللہ کے وقت اشارہ کرے۔

[۲۰۵] (۳۵) پھر تشہد پڑھے اور تشہد یہ ہے کہ کہے التحیات للہ الخ۔

وجہ یہ عبد اللہ بن مسعودؓ کا تشہد ہے اور حنفیہ کے نزدیک اس کا پڑھنا افضل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود کو اس تشہد کو پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ **قال عبد اللہ بن مسعود کنا اذا صلینا خلف النبی ﷺ قلنا السلام علی جبرائیل ومکائیل السلام علی فلان وفلان فالتفت الینا رسول اللہ ﷺ فقال ان اللہ ھو السلام فاذا صلی احدکم فلیقل التحیات للہ الخ** (ب) (بخاری شریف، باب التشہد فی الآخرۃ ص۱۱۵ نمبر۸۳۱/مسلم شریف، باب التشہد فی الصلوۃ ص۱۷۳ نمبر۴۰۲) اس حدیث میں فلیقل امر کا صیغہ ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے اس لئے عبد اللہ ابن مسعود کا تشہد ہمارے یہاں زیادہ بہتر ہے (۲) مسلم کی حدیث میں یہ بھی ہے **سمعت ابن مسعود یقول علمنی رسول اللہ ﷺ التشھد کفی بین کفیہ کما علمنی السورۃ من القرآن** (ج) (مسلم شریف، باب التشہد فی الصلوۃ ص۱۷۴ نمبر۴۰۲/ترمذی شریف، باب ماجاء فی التشہد ص۶۵ نمبر۲۸۹/نسائی شریف، باب تعلیم التشہد کتعلیم السورۃ، ص۱۷۸، نمبر۱۲۷۹) اس حدیث سے اور زیادہ اہمیت ہوگئی۔ کیونکہ جس طرح قرآن سکھاتے تھے اس طرح عبد اللہ بن مسعود کو حضورؐ نے تشہد سکھایا۔ اس لئے ہمارے یہاں یہی تشہد بہتر ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے یہاں عبد اللہ بن عباس کا تشہد بہتر ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابن عباس انہ قال کان رسول اللہ ﷺ یعلمنا التشھد کما یعلمنا السورۃ من القرآن فکان یقول التحیات المبارکات الخ** (د) (مسلم شریف، باب التشہد فی الصلوۃ ص۱۷۴ نمبر۴۰۳/ترمذی شریف، باب منہ، باب ماجاء فی التشہد ص۶۵ نمبر۲۹۰) اس حدیث سے ان کے یہاں عبد اللہ بن عباس والا

حاشیہ : (الف) میں آپؐ پر داخل ہوا۔ آپ نماز پڑھ رہے تھے اور حال یہ تھا کہ بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھے ہوئے تھے اور دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر رکھے ہوئے تھے۔ اور انگلیوں کو موڑے ہوئے تھے۔ اور شہادت کی انگلی کو کھولے ہوئے تھے (ب) عبد اللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ ہم جب حضور کے پیچھے نماز پڑھتے تو ہم کہتے السلام علی جبرائیل ومیکائیل السلام علی فلان وفلان تو ہماری طرف حضورؐ متوجہ ہوئے اور فرمایا اللہ وہ سلام ہے۔ پس جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو کہنا چاہئے التحیات للہ الخ (ج) ابن مسعود فرماتے ہیں کہ مجھ کو حضورؐ نے تشہد سکھلایا اس حال میں کہ میرا ہاتھ ان کے ہاتھ میں تھا جیسا کہ قرآن کی سورۃ سکھلاتے تھے۔ (د) عبد اللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ ہم کو تشہد سکھلاتے تھے جیسا کہ قرآن کی سورۃ سکھلاتے تھے۔ پس کہا کرتے تھے التحیات المبارکات الخ۔

عباد اللہ الصالحین اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ[۲۰۶] (۳۶) ولا یزید علی ھذا فی القعدۃ الاولی[۲۰۷] (۳۷) ویقرأ فی الرکعتین الاخیرتین بفاتحۃ

تشہد مسنون ہے۔

نوٹ تشہد پڑھنا واجب ہے چاہے کوئی بھی تشہد ہو۔ کیونکہ اوپر کی حدیث میں امر کا صیغہ ہے جس سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔ اور سورۃ کی طرح سکھانے سے بھی تاکید ہوتی ہے۔

[۲۰۶] (۳۶) تشہد پر قعدۂ اولی میں زیادہ نہ کرے۔

تشریح قعدۂ اولی میں تشہد سے زیادہ نہ پڑھے۔ اتنا ہی پڑھ کر تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے۔

وجہ **عن عبد اللہ بن مسعود قال کان النبی ﷺ فی الرکعتین کانہ علی الرضف قلت حتی یقوم قال ذلک یرید** (الف) (نسائی شریف، باب التخفیف فی التشہد الاول، ص ۱۶۴، نمبر ۱۱۷۷/ابو داؤد شریف، باب فی تخفیف القعود ص ۱۵۰ نمبر ۹۹۵) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ قعدۂ اولی میں اتنی جلدی اٹھتے تھے جیسے آپ گرم پتھر پر ہوں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قعدۂ اولی میں تشہد سے زیادہ نہ پڑھے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک عقدۂ اولی میں بھی تشہد کے بعد درود پڑھے گا۔ ان کی دلیل وہ احادیث ہے جن میں تشہد کے بعد درود کی فضیلت آئی ہے۔

[۲۰۷] (۳۷) اور دوسری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھے گا خاص طور پر۔

تشریح ظہر اور عصر کی دوسری دو رکعتوں میں قرأت فرض نہیں ہے اس لئے سورۂ فاتحہ پڑھے تو یہ بہتر ہے۔ اور تسبیح پڑھے وہ بھی ٹھیک ہے۔

وجہ **عن عبد اللہ بن ابی قتادۃ عن ابیہ ان النبی ﷺ کان یقرأ فی الظھر فی الاولیین بام الکتاب وسورتین و فی الرکعتین الاخریین بام الکتاب ویسمعنا الآیۃ و یطول فی الرکعۃ الاولی ما لا یطیل فی الرکعۃ الثانیۃ وھکذا فی العصر** (ب) (بخاری شریف، باب یقرأ فی الآخرین بفاتحۃ الکتاب ص ۱۰۷ نمبر ۷۷۶/مسلم شریف، باب القرأۃ فی الظھر والعصر ص ۱۸۵ نمبر ۴۵۱) (۲) **جابر بن سمرۃ قال قال عمر لسعد لقد شکوک فی کل شیء حتی الصلوۃ قال اما انا فامد فی الاولیین واحذف فی الآخرین ولا آتو ما اقتدیت بہ من صلوۃ رسول اللہ قال صدقت ذاک الظن بک** (ج) (بخاری شریف

حاشیہ : (الف) حضورؐ پہلی دو رکعت کے تشہد میں ایسے ہوتے جیسے گرم پتھر پر ہوں۔ میں نے کہا کہ کھڑے ہونے کے لئے کہا یہی مراد ہے (ب) حضورؐ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور دو سورتیں پڑھتے اور دوسری دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ پڑھتے اور ہمیں کبھی کبھی آیت سناتے۔ پہلی رکعت لمبی کرتے جتنی دوسری رکعت لمبی نہ کرتے۔ اور ایسا ہی عصر میں کرتے (ج) حضرت عمرؓ نے حضرت سعد سے فرمایا آپ کی ہر چیز میں شکایت کی۔ یہاں تک کہ نماز میں بھی۔ حضرت سعد نے فرمایا میں پہلی دو رکعت لمبی کرتا ہوں اور دوسری میں مختصر کرتا ہوں۔ اور میں کوتاہی نہیں کرتا اس چیز میں جس بارے میں حضور کی نماز میں اقتدا کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا آپ نے سچ کہا۔ آپ کے ساتھ میرا یہی گمان تھا۔

الکتاب خاصة[۲۰۸](۳۸) فاذا جلس فی آخر الصلوة جلس کما جلس فی الاولی وتشهد[۲۰۹](۳۹) وصلی علی النبی صلی الله علیه وسلم[۲۱۰] (۴۰) ودعا بما شاء

، باب یطول فی الاولیین ویحذف فی الآخرین ص ۱۰۶ نمبر ۷۷۰/ مسلم شریف، باب القرأة فی الظہر والعصر ص ۱۸۶ نمبر ۴۵۳) پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا کافی ہے۔ اور دوسری حدیث میں بھی اس کا اشارہ موجود ہے کہ دوسری دو رکعتوں میں اختصار کرتے تھے جس کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ صرف سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے۔ اس لئے دوسری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنا حنفیہ کے نزدیک بعض روایت میں واجب ہے اور بعض روایت میں مستحب ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک دوسری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہے (۱) اوپر کی حدیث کی بنا پر (۲) لاصلوة الا بفاتحة الکتاب کی حدیث کی بنا پر حوالہ گزر چکا ہے۔

[۲۰۸] (۳۸) پس جبکہ نماز کے اخیر میں بیٹھے تو ایسے ہی بیٹھے جیسے قعدۂ اولی میں بیٹھا تھا اور تشہد پڑھے۔

تشریح قعدۂ اولی میں بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھتے ہیں اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھتے ہیں اسی طرح قعدۂ اخیرہ میں بھی بیٹھے گا۔ تورک نہیں کرے گا۔ اور تشہد پڑھنے کی دلیل مسئلہ نمبر ۳۴ میں گزر چکی ہے۔

[۲۰۹] (۳۹) اور حضورؐ پر درود پڑھے۔

تشریح قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد حضورؐ پر درد پڑھے۔ درود پڑھنا سنت ہے اس کو پڑھنا چاہئے لیکن اگر نہیں پڑھے گا تب بھی سجدۂ سہو لازم نہیں ہوگا۔

وجہ نماز میں درود سنت ہونے کی دلیل یہ آیت ہے **ان الله و ملئکته یصلون علی النبی یا ایها الذین آمنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما** (الف) (آیت ۵۶ سورة الاحزاب ۳۳) اس آیت سے زندگی میں ایک مرتبہ درود پڑھنا فرض ہے اور نماز میں پڑھنا سنت ہے (۲) حدیث میں ہے **عن کعب بن عجرة ... فقلنا قد عرفنا کیف نسلم علیک فکیف نصلی علیک؟ قال قولوا اللهم صلی علی محمد الخ** (ب) (مسلم شریف، باب الصلوة علی النبی بعد التشہد ص ۱۷۵ نمبر ۴۰۶/ ابوداؤد شریف، باب الصلوة علی النبی بعد التشہد ص ۱۴۷ نمبر ۹۷۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تشہد کے بعد حضورؐ پر درود پڑھنا چاہئے (۳) **عن سهل بن سعد ان النبی ﷺ قال لا صلوة لمن یصل علی نبیه ﷺ** (ج) (دار قطنی، باب ذکر وجوب الصلوة علی النبی فی التشہد ص ۳۴۷ نمبر ۱۳۲۷) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ حضورؐ پر درود پڑھنا چاہئے۔

[۲۱۰] (۴۰) اور دعا کرے جو چاہے ایسی دعا جو الفاظ قرآن کے مشابہ ہو اور حدیث میں منقول دعائیں ہوں اور نہ دعا کرے ایسی جو کلام الناس کے مشابہ ہو۔

حاشیہ : (الف) اللہ اور فرشتے حضورؐ پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی حضورؐ پر درود اور سلام بھیجو (ب) ہم نے کہا ہم جان گئے کہ آپؐ پر سلام کیسے کریں لیکن آپ پر درود کیسے بھیجیں؟ آپؐ نے فرمایا اللھم صلی علی محمد الخ کہو (ج) آپؐ نے فرمایا کہ اس کی نماز نہیں ہوگی جس نے اپنے نبی پر درود نہیں پڑھا۔

مم يشبه الفاظ القرآن والادعية الماثورة ولا يدعو بما يشبه كلام الناس [۲۱۱] (۴۱) ثم يسلم عن يمينه ويقول السلام عليكم ورحمة الله ويسلم عن يساره مثل ذلك.

تشریح درود کے بعد وہ دعا کرے جو قرآن میں ہو یا احادیث میں منقول ہو۔

وجہ انسانی کلام کی دعا کرے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اس لئے ایسی دعا نہ کرے جو انسانی کلام کے مشابہ ہو (۲) حدیث میں ہے **عن عبد الله قال اذا كنا مع النبي ﷺ فی الصلوة ... ثم ليتخير من الدعاء اعجبه اليه فيدعو به** (الف) (بخاری شریف، باب ما یتخیر من الدعاء بعد التشہد ولیس بواجب ص ۱۱۵ نمبر ۸۳۵ / ابوداؤد شریف، باب التشہد ص ۱۴۶ نمبر ۹۶۸) **عن عائشة زوج النبي ﷺ اخبرته ان رسول الله ﷺ كان يدعو في الصلوة اللهم انی اعوذبک الخ** (ب) (بخاری شریف، باب الدعاء قبل السلام ص ۱۱۵ نمبر ۸۳۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلام سے پہلے دعا کرنی چاہئے۔ لیکن یہ مسنون ہے واجب نہیں ہے۔

لغت الماثورۃ : جو احادیث میں منقول ہوں

[۲۱۱] (۴۱) پھر سلام کرے دائیں جانب اور کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ اور سلام کرے بائیں جانب اسی طرح۔

وجہ حدیث میں ہے (۱) **عن عبد الله ان النبي ﷺ كان يسلم عن يمينه وعن شماله حتى يرى بياض خده السلام عليكم ورحمة الله ،السلام عليكم ورحمة الله** (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی السلام ص ۱۵۰ نمبر ۹۹۶ / بخاری شریف، باب التسلیم ص ۱۱۶ نمبر ۸۳۷ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی التسلیم فی الصلوۃ ص ۶۵ نمبر ۲۹۵) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سلام پھیرنا چاہئے اس طرح کہ کنارے والوں کو گال نظر آنے لگے (۲) **عن ابی سعيد قال قال رسول الله ﷺ مفتاح الصلوة الطهور وتحريمها التكبير وتحليلها التسليم** (د) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی تحریم الصلوۃ وتحلیلھا ص ۵۵ نمبر ۲۳۸ / ابوداؤد شریف نمبر ۶۱۸) اس حدیث کی بنا پر حنفیہ کے نزدیک سلام کر کے نماز سے نکلنا واجب ہے۔ اگر بغیر سلام کے نکلا تو سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ البتہ فرض نہیں ہے۔ کیونکہ پہلے گزر چکا ہے کہ آپؐ نے تشہد کے بارے میں فرمایا **اذا قلت هذا او قضيت هذا فقد قضيت صلوتک الخ** (ہ) (ابوداؤد شریف، باب التشہد ص ۱۴۶ نمبر ۹۷۰ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی وصف الصلوۃ ص ۶۶ نمبر ۳۰۲) تشہد کی مقدار بیٹھ گیا تو نماز پوری ہوگئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آگے سلام فرض نہیں ہے۔ اسی طرح طحاوی میں ہے **عن عمر بن العاص ان رسول الله ﷺ قال اذا قضى الامام الصلوة فقعد فاحدث هو واحد ممن اتم الصلوة معه قبل ان يسلم الامام فقدتمت صلاته فلايعود فيها** (و) (طحاوی شریف، باب السلام فی الصلوۃ ھل ھو من فروضھا او من سننھا ص ۱۹۴ / سنن للبیہقی، باب تحلیل الصلوۃ بالتسلیم ج ثانی ص ۲۵۰، نمبر

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا دعا میں سے جو اچھی لگے وہ پسند کرے اور اس کے ذریعہ سے دعا کرے (ب) آپؐ نماز میں دعا کرتے تھے اللھم انی اعوذ بک الخ (ج) آپؐ سلام کرتے تھے دائیں جانب اور بائیں جانب یہاں تک کہ آپؐ کے گال کی سفیدی نظر آتی السلام علیکم ورحمۃ اللہ (د) آپؐ نے فرمایا نماز کے شروع کرنے کے لئے پاکی ہے، اور اس کا تحریمہ باندھنا تکبیر ہے اور اس کا کھولنا سلام کرنا ہے (ہ) جب تشہد کہہ لیا یا اس کو پورا کر لیا تو گویا کہ آپ نے نماز پوری کر لی (و) جب امام نے نماز پوری کی پھر بیٹھا پھر حدث کیا امام نے یا جس نے اس کے ساتھ نماز پوری کی امام کے سلام کرنے سے پہلے تو اس کی نماز پوری ہوگئی۔

[۲۱۲](۴۲) ویجھر بالقراء ۃ فی الفجر وفی الرکعتین الاولیین من المغرب والعشاء ان

۲۹۷۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قعدۂ اخیرہ میں بیٹھ گیا اور حدث ہوگیا تو نماز پوری ہوگئی۔ چاہے سلام کرے یا نہ کرے تو معلوم ہوا کہ سلام کرنا فرض نہیں ہے۔ اگر سلام کرنا فرض ہوتا تو اس کی نماز پوری کیسے ہوتی۔ عن ابن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال اذا قضی الامام الصلوۃ وقعد فاحدث قبل ان یتکلم فقد تمت صلوتہ ومن کان خلفہ ممن اتم الصلوۃ (ابوداؤد شریف، باب الامام یحدث بعد ما یرفع رأسہ ص ۹۸ نمبر ۶۱۷) اس سے معلوم ہوا کہ سلام فرض نہیں ہے ورنہ حدث سے نماز کیسے پوری ہوجاتی۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک تحلیلھا التسلیم حدیث کی وجہ سے سلام کرکے نکلنا فرض ہے۔

[۲۱۲](۴۲) جہری قرأت کرے فجر میں، مغرب کی پہلی دو رکعتوں میں اور عشا کی پہلی دونوں رکعتوں میں اگر امام ہو۔ اور قرأت پوشیدہ کرے گا پہلی دو کے بعد میں۔

تشریح فجر کی دونوں رکعتوں میں، مغرب کی پہلی دو رکعتوں میں اور عشا کی پہلی دو رکعتوں میں قرأت زور سے پڑھے گا۔ اور مغرب کی تیسری رکعت میں اور عشاء کی دوسری دو رکعتوں میں قرأت آہستہ پڑھے گا۔

وجہ حدیث میں عن ابن عباس قال انطلق النبی ﷺ... وھو یصلی باصحابہ صلوۃ الفجر فلما سمعوا القرآن استمعوا لہ (الف) (بخاری شریف، باب الجھر بقراءۃ صلوۃ الصبح ص ۱۰۶ نمبر ۷۷۳ رمسلم شریف، باب الجھر بالقراءۃ فی الصبح والقراءۃ علی الجن ص ۱۸۴ نمبر ۴۴۹) اس باب میں جنات کے سامنے فجر کی نماز میں جہری قرأت کرنے کی کئی حدیثیں ذکر کی گئی ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی نماز میں جہری قرأت ہے اگر خود امام ہو تو۔ مغرب میں جہری قرأت کی دلیل یہ ہے جبیر بن مطعم عن ابیہ قال سمعت رسول اللہ ﷺ قرء فی المغرب بالطور (ب) (بخاری شریف، باب الجھر فی المغرب ص ۱۰۵ نمبر ۷۶۵) سمعت کے لفظ سے پتہ چلا کہ آپؐ نے قرأت جہری کی ہے تب ہی تو راوی نے سورۂ طور سنی۔ عشا کی نماز میں جہری قرأت کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے سمعت البراء ان النبی ﷺ کان فی سفر فقرء فی العشاء فی احدی الرکعتین بالتین والزیتون (ج) (بخاری شریف، باب الجھر فی العشاء ص ۱۰۵ نمبر ۷۶۷ رمسلم شریف، باب القراءۃ فی العشاء ص ۱۸۷ نمبر ۴۶۴) یہاں بھی سمعت کے لفظ سے معلوم ہوا کہ آپ نے عشا کی نماز میں قرأت جہری کی ہے۔

عشا کی دوسری دو رکعتوں میں جہری قرأت نہ کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے قال عمر لسعد شکوک فی کل شیء حتی الصلوۃ قال اما انا فامد فی الاولیین واحذف فی الآخریین (د) (بخاری شریف، باب یطول فی الاولیین ویحذف فی الاخریین ص ۱۰۶ نمبر

حاشیہ : (الف) ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضورؐ گئے... آپ نے اپنے ساتھیوں کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ پس جب جنا توں نے قرآن سنا تو کان لگا کر سننے لگے (ب) میں نے حضورؐ سے سنا کہ مغرب میں سورۂ طور پڑھ رہے تھے (ج) آپؐ سفر میں تھے تو عشا میں پہلی دو رکعتوں میں سے ایک میں والتین والزیتون پڑھی (د) حضرت عمر نے حضرت سعد سے کہا آپ کی شکایت کی ہر چیز ہیں یہاں تک کہ نماز میں بھی۔ سعدؓ نے فرمایا بہرحال میں تو پہلی دو رکعت لمبی کرتا ہوں اور دوسری دو رکعتوں میں قرأت حذف کر دیتا ہوں یعنی چھوڑ دیتا ہوں۔

کان اماما ویخفی القراء ۃ فیما بعد الاولیین[۲۱۳] (۴۳) وان کان منفردا فھو مخیر ان شاء جھر واسمع نفسہ وان شاء خافت [۲۱۴](۴۴)و یخفی الامام القراء ۃ فی الظھر والعصر.

۷۷)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوسری دو رکعتوں میں قرأت نہ کرتے تھے یا آہستہ کرتے تھے۔ کیونکہ حذف کے ایک ہی معنی ہے قرأت چھوڑ دینا۔ اس لئے قرأت ہی نہیں کرتے تھے یا آہستہ کرتے تھے۔اسی پر مغرب کی تیسری رکعت کو قیاس کرنا چاہئے۔اور اس میں بھی یا قرأت نہیں ہے جیسا کہ پہلے گزرا یا قرأت آہستہ کرتے تھے۔

[۲۱۳] (۴۳)اور اگر تنہا نماز پڑھ رہا ہے تو اس کو اختیار ہے اگر چاہے تو زور سے پڑھے اور اپنے آپ کو سنائے اور اگر چاہے تو آہستہ پڑھے

تشریح اگر تنہا نماز پڑھ رہا ہے تو وہ اپنے لئے امام بھی ہے اس لئے جہری نماز میں زور سے پڑھ سکتا ہے اور اپنے آپ کو سنا سکتا ہے۔لیکن اس کے پیچھے کوئی نہیں ہے جس کو سنائے اس لئے وہ آہستہ بھی پڑھ سکتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تھوڑا زور سے پڑھے تا کہ ہیئت جماعت پر نماز ادا ہو جائے **وجہ** اس کی دلیل یہ اثر ہے **عن نافع ان عبد اللہ بن عمر کان اذا فاتہ شیء من الصلوۃ مع الامام فیما جھر فیہ الامام بالقراءۃ انہ اذا سلم الامام قام عبد اللہ فقرء لنفسہ فیما یقضی و جھر** (الف)(مؤطا امام مالک، باب العمل فی القراءۃ ص۶۴)اس اثر سے معلوم ہوا کہ جہری نماز اکیلے پڑھتا ہو تو زور سے قرأت پڑھ سکتا ہے۔ کیونکہ عبد اللہ بن عمر زور سے پڑھتے تھے۔

[۲۱۴] (۴۴)امام قرأت آہستہ پڑھے ظہر اور عصر میں۔

وجہ **عن ابی قتادۃ قال کان النبی ﷺ یقرأ فی الرکعتین من الظھر والعصر بفاتحۃ الکتاب وسورۃ سورۃ ویسمعنا الآیۃ احیانا** (ب)(بخاری شریف، باب القراءۃ فی الظھر والعصر ص۱۰۵ نمبر ۷۶۲ رمسلم شریف، باب القراءۃ فی الظھر والعصر ص۱۸۵ نمبر ۴۵۱)یسمعنا الآیۃ احیانا سے معلوم ہوا کہ آپ پہلی دونوں رکعتوں میں قرأت آہستہ کرتے تھے۔لیکن کبھی کبھار ایک دو آیت سنا بھی دیتے تھے۔اسی حدیث کے یقرأ فی الرکعتین سے معلوم ہوا کہ دوسری دو رکعتوں میں قرأت پڑھنا ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ آپ پہلی دو رکعتوں ہی میں قرأت کرتے تھے(۲)**عن الزھری قال عن رسول اللہ ﷺ ان یجھر بالقراء ۃ فی الفجر فی الرکعتین وفی الاولیین من المغرب والعشاء ویسر فیما عدا ذلک** (ج)(اخرجہ ابوداؤد فی مراسلہ درایۃ ص۹۱ راعلاء السنن ج رابع ص۶ رمصنف ابن ابی شیبۃ ،۱۳۹ فی قراءۃ النہار کیف ھی فی الصلوۃ، ج اول، ص۳۰۲، نمبر ۳۶۶۱) اس سے بھی معلوم ہوا کہ ظہر اور عصر میں قرأت سری ہونی چاہئے۔

حاشیہ : (الف)عبد اللہ بن عمرؓ کا معاملہ یہ تھا کہ جب ان سے کوئی رکعت امام کی نماز میں سے چھوٹ جاتی تو جس میں امام جہری قرأت کرتے ہوں تو جب امام سلام کرتے تو عبد اللہ بن عمر کھڑے ہوتے اور اپنے لئے پڑھتے وہ نماز جس کی قضا کرتے اور قرأت زور سے پڑھتے (یعنی فوت شدہ رکعت میں جہری قرأت فرماتے (ب)حضورؐ ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھتے اور سورۃ سورۃ ملاتے اور کبھی کبھار ہمیں سنا بھی دیتے (ج) زہریؒ کی مرسل حدیث ہے کہ آپ فجر میں ،مغرب اور عشا کی پہلی دو رکعتوں میں زور سے قرأت پڑھتے اور ان کے علاوہ میں آہستہ پڑھتے۔

[۲۱۵](۴۵) والوتر ثلث رکعاتلا یفصل بینھن بسلام.

﴿ وتر کا بیان ﴾

[۲۱۵](۴۵)وتر تین رکعت ہے۔اس کے درمیان سلام سے فصل نہ کرے۔

تشریح امام ابوحنیفہ کے نزدیک وتر کی نماز واجب ہے۔اور تین رکعتیں ایک ساتھ ہیں۔دو رکعت کے بعد سلام کر کے تیسری رکعت ایک سلام کے ساتھ نہ پڑھے۔بلکہ تینوں رکعتیں ایک ہی سلام کے ساتھ پڑھے۔

وجہ (۱)وتر کی تاکید بہت سی احادیث میں ہے۔اور جب تاکید ہوتی ہے تو سنت سے اوپر اٹھا کر واجب میں لے جاتے ہیں۔لیکن چونکہ آیت سے ثابت نہیں ہے اور نہ اتنی تاکید ہے کہ فرض میں لے جایا جا سکے۔ورنہ تو پانچ کے بجائے چھ نمازیں فرض ہو جائیں گی۔اس لئے وتر کو واجب میں رکھا۔

نوٹ امام شافعیؒ کے نزدیک سنت کے بعد فرض کا درجہ ہے۔واجب کا درجہ نہیں ہے اس لئے وتر ان کے یہاں بھی مؤکد ہے۔لیکن سنت میں داخل ہے۔کیونکہ آگے واجب کا درجہ ان کے یہاں نہیں ہے(۲)واجب ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے **قال ابو الولید العدوی قال خرج علینا رسول اللہ ﷺ فقال ان اللہ تعالی قد امدکم بصلۃ وھی خیرلکم من حمر النعم وھی الوتر فجعلھا لکم فیما بین العشاء الی طلوع الفجر** (الف)(ابوداؤد شریف،باب استحباب الوتر،باب تفریع ابواب الوتر ص ۲۰۸ نمبر ۱۴۱۸ رترمذی شریف،باب ما جاء فی فضل الوتر ص ۱۰۳ نمبر ۴۵۲ رابن ماجہ شریف،باب ماجاء فی الوتر ص ۱۶۴،نمبر ۱۱۶۸)فرض نمازوں پر زیادہ کرنے کا مطلب یہی ہوسکتا ہے کہ وہ بھی فرض کی طرح ہی اہم ہے لیکن ہم فرض تو نہیں کرتے اس لئے واجب قرار دیتے ہیں(۳)**عن عبد اللہ بن بریدۃ عن ابیہ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا،الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا ، الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا** (ب)(ابوداؤد شریف،باب فی من لم یوتر ص ۲۰۸ نمبر ۱۴۱۹ رسنن للبیھقی،باب تاکید صلوۃ الوتر ج ثانی ص ۶۵۹،نمبر ۴۴۶۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وتر حق ہے یعنی واجب ہے(۴)**عن علی قال قال رسول اللہ ﷺ یا اھل القرآن اوتروا فان اللہ وتر یحب الوتر** (ج)(ابوداؤد شریف،باب استحباب الوتر ص ۲۰۷ نمبر ۱۴۱۶ رترمذی شریف،باب ماجاء ان الوتر لیس بحتم ص ۱۰۳ نمبر ۴۵۳)اس حدیث میں امر کا صیغہ ہے جو وجوب کے لئے آتا ہے۔اس سے بھی وتر کے واجب ہونے کا ثبوت ملتا ہے

فائدہ امام شافعیؒ اور صاحبین کے نزدیک وتر سنت ہے۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن علی قال الوتر لیس بحتم کھیئۃ الصلوۃ المکتوبۃ ولکن سنۃ سنھا رسول اللہ ﷺ**

حاشیہ : (الف)ہمارے سامنے حضورؐ تشریف لائے پھر فرمایا اللہ نے تم پر ایک نماز زیادہ کی ہے اور وہ تمہارے لئے سرخ اونٹ سے بہتر ہے اور وہ وتر ہے۔تو اس کو تمہارے لئے عشاء اور طلوع فجر کے درمیان کیا(ب)حضورؐ سے کہتے سنا ہے کہ وتر حق ہے،جس نے وتر نہیں پڑھی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔وتر حق ہے،جس نے وتر نہیں پڑھی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔وتر حق ہے،جس نے وتر نہیں پڑھی وہ ہم میں سے نہیں ہے(ج)آپؐ نے فرمایا اے اہل قرآن!وتر پڑھو،اللہ وتر ہے،وتر کو پسند کرتے ہیں۔

(الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء ان الوتر لیس بحتم ص ۱۰۳ نمبر ۴۵۴ رنسائی شریف، باب الامر بالوتر ص ۱۸۹ نمبر ۱۶۷۷) حضرت علی کے قول سے معلوم ہوا کہ وتر واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ فرض کی طرح تو ہم بھی وتر کو فرض نہیں مانتے۔ ہم تو صرف واجب مانتے ہیں۔ (۲) **عن عبد الله عن النبی ﷺ قال ان الله وتر یحب الوتر فاوتروا یا اهل القرأن** (ب) (ابن ماجہ شریف، باب ماجاء فی الوتر ص ۱۶۴، نمبر ۱۱۷۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ وتر کو پسند کرتے ہیں یہ سنت کی دلیل ہے۔

وتر ایک سلام کے ساتھ تین رکعتیں ہیں اس کی دلیل۔

وجہ (۱) حدیث میں ہے **عن علی قال کان رسول الله ﷺ یوتر بثلاث یقرأ فیهن بتسع سور من المفصل یقرأ فی کل رکعة بثلاث سور آخرهن قل هو الله احد** (ج) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الوتر بثلاث ص ۱۰۶ نمبر ۴۵۹) (۲) **عن ابی بن کعب ان رسول الله ﷺ کان یوتر بثلث رکعات کان یقرأ فی الاولی بسبح اسم ربک الاعلی وفی الثانیة بقل یا ایها الکافرون وفی الثالثة بقل هو الله احد ولا یسلم الا فی آخرهن** (د) (نسائی شریف، باب ذکر اختلاف الفاظ الناقلین بخبر ابی بن کعب فی الوتر ص ۱۹۱ نمبر ۱۷۰۰ رترمذی شریف، باب ماجاء مایقرأ فی الوتر ص ۱۰۶ نمبر ۴۶۳ رابوداؤد شریف، باب مایقرأ فی الوتر ص ۲۰۸ نمبر ۱۴۲۳) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ آپؐ تین رکعتیں وتر پڑھتے تھے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک سلام کے ساتھ پڑھتے تھے۔ کیونکہ ابی بن کعب کی حدیث میں ہے ولا یسلم الا فی آخرهن (۳) مسلم شریف میں حضرت عائشہؓ کی ایک لمبی حدیث ہے جس میں حضورؐ کی تہجد کی نماز کا ذکر ہے۔ اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ آپؐ وتر تین رکعت پڑھتے تھے **انه سأل عائشة کیف کانت صلوة رسول الله ﷺ؟ ... ثم یصلی اربعا فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم یصلی ثلاثا** (ہ) (مسلم شریف، باب صلوۃ اللیل وعدد رکعات النبیؐ فی اللیل ص ۲۵۴ نمبر ۷۳۸) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ آپؐ وتر تین رکعت پڑھتے تھے۔

فائدہ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک تین رکعت وتر دو سلام کے ساتھ ہے۔ یعنی دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے پھر ایک رکعت وتر پڑھے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے **فقال رسول الله ﷺ صلوة اللیل مثنی مثنی فاذا خشی احدکم الصبح صلی رکعة واحدة توتر له ما قد صلی** (و) (بخاری شریف، باب ماجاء فی الوتر ص ۱۳۵ نمبر ۹۹۰ رمسلم شریف، باب صلوۃ اللیل وعدد رکعات النبی ﷺ فی اللیل وان الوتر رکعة وان الرکعة صلوۃ صحیحة ص ۲۵۴ نمبر ۷۳۶) ان احادیث سے اور مسلم کی بہت سی احادیث کی بنا پر ان کے یہاں ایک رکعت وتر ہے۔ مسلم شریف کے اوپر کے باب ہی میں ہے **عن ابن عمر قال قال رسول الله الوتر رکعة من آخر اللیل** (ز)

حاشیہ : (الف) علیؓ نے فرمایا وتر ضروری نہیں ہے فرض نماز کی ہیئت کی طرح۔ لیکن سنت ہے۔ حضورؐ نے اس کو سنت قرار دیا ہے (ب) آپؐ نے فرمایا اللہ وتر ہے، وتر کو پسند کرتا ہے۔ اے اہل قرآن وتر پڑھو (ج) آپؐ تین رکعتیں وتر پڑھتے تھے۔ اور اس میں مفصل میں سے نو سورتیں پڑھتے تھے، ہر رکعت میں تین سورتیں۔ اور اس کی آخری رکعت میں قل ھو اللہ احد پڑھتے تھے۔ (د) آپؐ وتر تین رکعت پڑھتے تھے۔ پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلی، دوسری رکعت میں قل یا ایھا الکافرون اور تیسری رکعت میں قل ھو اللہ احد پڑھتے تھے۔ اور نہیں سلام کرتے مگر آخری رکعت میں (ہ) حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ حضور کی نماز کیسی تھی...پھر نماز پڑھتے چار رکعت، مت پوچھو اس کے حسن کی اور اس کی لمبائی کی حالت۔ پھر نماز پڑھتے تین رکعتیں (وتر کی) (و) آپؐ نے فرمایا رات کی نماز دو دو رکعتیں ہیں۔ پس اگر تم میں سے ایک صبح ہونے سے ڈرے تو ایک رکعت پڑھ لے۔ جو کچھ تہجد پڑھا ہے اس کو وتر بنا دے (ز) آپؐ نے فرمایا وتر ایک رکعت ہے آخری رات میں۔

[۲۱۶](۴۶) ويقنت في الثالثة قبل الركوع في جميع السنة.

(مسلم شریف ص ۲۵۷ نمبر ۱۷۵۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وتر ایک رکعت ہے۔

نوٹ تہجد اور صلوۃ اللیل کو بھی وتر کہتے ہیں جیسا کہ حدیث کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے۔خود امام ترمذی نے فرمایا **قال اسحق ابن ابراهيم معنى ماروى ان النبى ﷺ كان يوتر بثلاث عشرة ،قال انما معناه انه كان يصلى من الليل ثلاث عشرة ركعة مع الوتر فنسبت صلوة الليل الى الوتر** (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الوتر بسبع ص ۱۰۳ نمبر ۴۵۷) اس سے معلوم ہوا کہ تہجد کی نماز کو بھی شامل کر کے وتر کہتے تھے۔اس لئے جہاں پانچ رکعت یا ایک رکعت وتر ہے وہ تہجد کی نماز کے ساتھ ہے۔ وہ وتر نہیں ہے جو حنفیہ کے نزدیک تین رکعتیں ہیں۔

[۲۱۶](۴۶) قنوت پڑھی جائے گی تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے پورے سال میں۔

تشریح وتر کی تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھیں گے۔

وجہ حدیث میں ہے۔ **عن ابى بن كعب ان رسول الله ﷺ قنت فى الوتر قبل الركوع** (ب) (ابوداؤد شریف، باب القنوت فی الوتر ص ۲۰۹ نمبر ۱۴۲۷ر نسائی شریف، باب ذکر اختلاف الفاظ الناقلین بخبر ابی بن کعب فی الوتر ص ۱۹۱ نمبر ۱۷۰۰ر ابن ماجہ شریف، باب ماجاء فی القنوت قبل الرکوع و بعدہ ص ۱۶، نمبر ۱۱۸۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وتر میں دعاء قنوت تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے پڑھی جائے گی۔اور جس حدیث سے رکوع کے بعد ہے یا فجر کی نماز میں قنوت پڑھنے کا ثبوت ہے وہ قنوت نازلہ ہے جو کسی مصیبت کے وقت پڑھی جاتی ہے۔اسکا ثبوت یہ حدیث ہے **عن ابن عباس قال قنت رسول الله شهرا متتابعا فى الظهر والعصر والمغرب والعشاء وصلوة الصبح فى دبر كل صلوة اذا قال سمع الله لمن حمده من الركعة الآخرة يدعو على احياء من بنى سليم على رعل و ذكوان و عصية و يؤمن خلفه** (ج) (ابوداؤد شریف، باب القنوت فی الصلوات ص ۲۱۱ نمبر ۱۴۴۳ر بخاری شریف، باب القنوت قبل الرکوع و بعدہ ص ۱۳۶ نمبر ۱۰۰۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رکوع کے بعد قنوت نازلہ مصیبت کے وقت تھا۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک قنوت رکوع کے بعد ہے۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے **انس بن مالك اقنت النبى ﷺ فى الصبح قال نعم قيل اوقنت قبل الركوع؟ قال بعد الركوع يسيرا** (د) (بخاری شریف، باب القنوت قبل الرکوع و بعدہ ص ۱۳۶ نمبر ۱۰۰۱ر ابو داؤد شریف، باب القنوت فی الصلوۃ، ص ۲۰۹ نمبر ۱۴۴۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رکوع کے بعد قنوت پڑھنا چاہئے۔ہم کہتے ہیں کہ صبح کی نماز مین جو ثبوت ہے وہ قنوت نازلہ ہے نہ کہ دعائے قنوت۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ سے جو روایت ہے کہ وتر تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے اس کے معنی یہ ہے کہ آپؐ رات کی تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے وتر کے ساتھ۔تو رات کی نماز کو وتر کی طرف منسوب کر دیا ہے (ب) آپؐ نے وتر میں دعائے قنوت رکوع سے پہلے پڑھی (ج) آپؐ نے مسلسل ایک ماہ تک قنوت پڑھی۔ظہر،عصر،مغرب،عشاء اور صبح کی نماز میں۔ہر نماز کے بعد جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے آخری رکعت میں۔تو بنی سلیم ،رعل،زکوان،عصیہ پر بددعا کرتے اور پیچھے کے لوگ آمین کہتے (د) انس بن مالکؓ سے پوچھا گیا کیا حضورؐ نے صبح کی نماز میں قنوت پڑھی؟ کہا ہاں کہا گیا کیا رکوع سے پہلے پڑھی؟ فرمایا رکوع کے تھوڑی دیر بعد۔

[۲۱۷](۴۷) ویقرأ فی کل رکعة من الوتر فاتحة الکتاب وسورة معها[۲۱۸](۴۸) فاذا

پورے سال میں قنوت پڑھنے کی دلیل یہ حدیث ہے قال ابو هریرة او صانی رسول الله ﷺ بالوتر قبل النوم (الف)(بخاری شریف، باب ساعات الوتر ص ۱۳۵ نمبر ۹۹۵ / ابوداؤد شریف، باب فی الوتر قبل النوم ص ۲۱۰ نمبر ۱۴۳۲) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ پورے سال وتر پڑھنا ہے۔ اس لئے پورے سال دعائے قنوت بھی اس میں پڑھنا واجب ہوگا۔ کیونکہ ابی بن کعب کی حدیث میں گزری کہ قنت فی الوتر قبل الرکوع کہ وتر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھا کرتے تھے اس لئے پورا سال قنوت پڑھی جائے گی (۲) اثر میں ہے۔ عن ابراهیم قال : لاوتر الا بقنوت (مصنف ابن ابی شیبة، ۵۹۳ من قال لاوتر الا بقنوت، ج ثانی، ص ۱۰۲، نمبر ۶۹۵۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ وتر میں قنوت پڑھنا لازمی ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک صرف رمضان کے نصف آخر میں قنوت پڑھی جائے گی۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے ان ابی بن کعب امهم یعنی فی رمضان وکان یقنت فی النصف الاخیر من رمضان (ب)(ابوداؤد شریف، باب القنوت فی الوتر ص ۲۰۹ نمبر ۱۴۲۸) اس سے معلوم ہوا کہ ابی بن کعب کا عمل یہ تھا کہ وہ صرف رمضان کے نصف اخیر میں قنوت پڑھا کرتے تھے۔ لیکن ہم نے ثابت کیا کہ حضورؐ رکوع سے پہلے ہمیشہ قنوت پڑھا کرتے تھے (۲) یہ اثر ان کی دلیل ہے۔ عن ابی هریرةؓ قال نزلت علیه عشر سنین فما رأیته قنت فی وتره (مصنف ابن ابی شیبة، ۵۸۸ من کان لایقنت فی الوتر، ج ثانی، ص ۱۰۰، نمبر ۶۹۴۳)

[۲۱۷](۴۷) وتر کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ سورۃ ملائے گا۔

وجہ (۱) فاقرء ما تیسر من القرآن آیت کی وجہ سے قرأت تو فرض ہے لیکن وتر مکمل فرض کی طرح نہیں ہے کہ تیسری رکعت میں سورۃ نہ ملائی جائے۔ بلکہ من وجہ سنت کی طرح ہے۔ اس لئے اس کی تیسری رکعت میں بھی سورت ملائی جائے گی (۲) مسئلہ نمبر ۴۵ میں ابی بن کعبؓ کی حدیث گزری کہ حضورؐ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سبح اسم ربک الاعلی، دوسری رکعت میں قل یا ایها الکافرون اور تیسری رکعت میں قل هو الله احد پڑھا کرتے تھے۔ اس لئے ان احادیث کی بنا پر تینوں رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۃ ملائی جائے گی (ابوداؤد شریف، نمبر ۱۴۲۳ / ترمذی شریف، نمبر ۴۶۳)

[۲۱۸](۴۸) پس جبکہ دعائے قنوت کا ارادہ کرے تو تکبیر کہے اور ہاتھ اٹھائے پھر قنوت پڑھے۔

وجہ قرأت سے دعا کی طرف منتقل ہو رہا ہے اور پہلے گزر چکا ہے کہ ایک عمل سے دوسرے عمل کی طرف منتقل ہو تو تکبیر کہے۔ اور ہاتھ اٹھانے کا ثبوت اس اثر میں ہے عن عبد اللہ (بن مسعود) انه کان یقرأ فی آخر رکعة من الوتر قل هو الله احد ثم رفع یدیه فیقنت قبل الرکعة (ج)(جزء رفع ایدین للامام البخاری ص ۲۸، مصنف ابن ابی شیبة، ۵۹۱ فی رفع الیدین فی القنوت ج ثانی ص ۱۰۱، نمبر ۶۹۵۳) عبد

حاشیہ : (الف) ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ حضور نے مجھے سونے سے پہلے وتر پڑھنے کی وصیت فرمائی (ب) حضرت ابی بن کعبؓ نے لوگوں کی امامت کی یعنی رمضان میں تو رمضان کے نصف کے بعد آخر میں قنوت پڑھا کرتے تھے (ج) عبد اللہ بن مسعودؓ وتر کی آخری رکعت میں قل ھو اللہ احد پڑھا کرتے تھے۔ پھر دونوں ہاتھ اٹھاتے، پھر رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے۔

اراد ان یقنت کبر ورفع یدیه ثم قنت[۲۱۹] (۴۹) ولا یقنت فی صلوة غیرها [۲۲۰] (۵۰) ولیس فی شیء من الصلوة قراءة سورة بعینها لایجوز غیرها [۲۲۱](۵۱) ویکره

الرحمن بن الاسود عن ابیه قال کان ابن مسعود یرفع یدیه فی القنوت الی ثدییه (سنن للبیہقی ،باب رفع الیدین فی القنوت ،ج ثالث،ص ۵۹،نمبر ۴۸۶۷)اس اثر سے معلوم ہوا کہ قنوت پڑھنے سے پہلے ہاتھ اٹھائے گا۔

[۲۱۹] (۴۹)اور قنوت نہ پڑھے وتر کے علاوہ میں۔

تشریح اوپر کی حدیث مسئلہ نمبر ۴۴ میں گزری کہ آپؐ نے ایک ماہ تک صبح کی نماز میں قنوت پڑھی جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کے بعد یہ قنوت منسوخ ہوگئی۔اس لئے دوسری نمازوں میں اب قنوت نہ پڑھے۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن انس بن مالک ان النبیؐ و قنت شهرا ثم ترکه** (الف)(ابوداؤد شریف،باب القنوت فی الصلواۃ ص ۲۱۱ نمبر ۱۴۴۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک ماہ کے بعد آپ نے قنوت نازلہ چھوڑ دی۔کیونکہ منسوخ ہوگئی۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک ابھی بھی صبح کی نماز میں قنوت نازلہ مسنون ہے۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن البراء ان النبی ﷺ کان یقنت فی صلوة الصبح زادابن معاذ وصلوة المغرب** (ب)(ابوداؤد شریف،باب القنوت فی الصلوۃ ص ۲۱۱ نمبر ۱۴۴۱)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صبح کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھنا مسنون ہے۔

نوٹ ابھی حنفیہ کے یہاں بھی اس پر عمل ہے کہ مصیبت کے وقت صبح کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھتے ہیں۔

[۲۲۰] (۵۰) کسی نماز میں کوئی معین سورۃ نہیں ہے کہ اس کے علاوہ جائز نہ ہو۔

تشریح کسی نماز کے لئے کوئی متعین سورۃ نہیں ہے کہ وہی پڑھنا ضروری ہو،اس کے پڑھے بغیر نماز نہ ہوتی ہو۔

وجہ **فاقرء وا ما تیسر من القرآن** (آیت ۲۰ سورۃ المزمل ۷۳)اس آیت میں ہے کہ قرآن میں سے جو آسان ہو اس کو پڑھو۔اس لئے کسی ایک آیت کی تعیین اس کے خلاف ہوگی۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوگی۔ان کی دلیل **لا صلوۃ الا بفاتحة الکتاب** حدیث ہے۔ہمارے یہاں یہ حدیث وجوب کے لئے ہے کہ اگر فاتحہ نہیں پڑھا تو نماز میں کمی رہ جائے گی لیکن نماز ہوجائے گی۔

[۲۲۱] (۵۱)اور مکروہ ہے کہ کسی نماز کے لئے کسی متعین سورۃ کو خاص کرے کہ اس میں اس کے علاوہ پڑھے ہی نہیں یہ مکروہ ہے۔

وجہ اس کی وجہ سے دوسری سورۃ کی اہمیت کم ہو جائے گی۔حالانکہ تمام سورتوں کی اہمیت برابر ہے۔اس لئے کسی نماز کے لئے کسی سورۃ کو ہمیشہ کے لئے متعین کر لینا مکروہ ہے۔البتہ فضیلت حاصل کرنے کے لئے کسی سورۃ کو کسی نماز میں اکثر و بیشتر پڑھے تو جائز ہے۔بشرطیکہ کبھی کبھار دوسری سورتوں کو بھی پڑھ لے۔جیسے حضورؐ وتر میں اکثر سبح اسم ،قل یاایھا الکافرون اور قل ھواللہ احد پڑھا کرتے تھے۔اس طرح سنت پر عمل

حاشیہ : (الف) آپؐ نے ایک ماہ قنوت پڑھا پھر چھوڑ دیا(ب) آپ صبح کی نماز میں قنوت پڑھا کرتے تھے۔ابن معاذ نے صلوۃ مغرب کا بھی اضافہ کیا ہے(کہ مغرب میں بھی قنوت پڑھا کرتے تھے۔

ان یتخذ قراءۃ سورۃ بعینہا للصلوۃ لایقرأ فیہا غیرہا[۲۲۲] (۵۲) وادنی ما یجزی من القراءۃ فی الصلوۃ ما یتناولہ اسم القرآن عند ابی حنیفۃؒ وقال ابو یوسف و محمد رحمہما اللہ لا یجوز اقل من ثلث آیات قصار او آیۃ طویلۃ.

کرنے کے لئے یا برکت کے لئے کسی سورۃ کو اکثر و بیشتر پڑھے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

[۲۲۲] (۵۲) کم سے کم قرأت جو نماز میں کافی ہے اتنا ہے جس کو قرآن کا نام شامل ہو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ تین چھوٹی آیتیں یا ایک لمبی آیت اس سے کم جائز نہیں ہے۔

تشریح امام ابو حنیفہ کے نزدیک اتنا پڑھنے سے نماز ہو جائے گی جس کو قرآن کہتے ہیں۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ ایک آیت کی اہمیت ہے اور اس کو قرآن کہتے ہیں اس لئے ایک آیت نماز میں پڑھ دے تو چاہے وہ چھوٹی ہی آیت ہو نماز ہو جائے گی۔

وجہ کیونکہ فاقرء وا ما تیسر من القرآن کہا ہے۔ تو کم سے کم جتنی آیت کو قرآن کہا جاتا ہے اتنا پڑھنا کافی ہوگا۔ اور وہ ایک آیت ہے۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ ایک چھوٹی آیت مثلا صرف الرحمن یا صرف علم القرآن آیت تو ہے لیکن اس کے پڑھنے والے کو قرآن کا پڑھنے والا نہیں کہتے۔ اس لئے ایک آیت لمبی ہو یا تین آیتیں چھوٹی ہوں جس کے پڑھنے والے کو قرآن کا پڑھنے والا کہتے ہیں اس کے پڑھنے سے نماز ہوگی۔ اس سے کم پڑھے گا تو قرأت نہیں ہوگی اور اس کی وجہ سے نماز بھی نہیں ہوگی۔

نوٹ آیتوں کی قرأت کی پانچ قسمیں ہیں (۱) فرض، جس سے جواز متعلق ہے وہ امام صاحب کے نزدیک ایک آیت تامہ ہے۔ اب اگر وہ دو کلموں پر مشتمل ہو جیسے ثم نظر تب تو جائز ہے، اور اگر صرف ایک کلمہ ہو جیسے مد ھامتان یا صرف ایک حرف ہو جیسے صٓ، نٓ، قٓ تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ اصح عدم جواز ہے (۲) واجب، قرأت فاتحہ اور قرأت سورۃ واجب ہیں (۳) مسنون، وہ فجر اور ظہر میں طوال مفصل ہے۔ یعنی سورۂ حجرات سے سورۂ بروج تک، عصر اور عشاء میں اوساط مفصل یعنی سورۂ بروج سے سورۂ لم یکن تک، مغرب میں قصار مفصل یعنی سورۂ زلزال سے آخر قرآن تک (۴) مستحب، وہ فجر کی پہلی رکعت میں تیس آیتوں سے چالیس آیتوں تک اور دوسری رکعت میں بیس سے تیس آیتوں تک سورۂ فاتحہ کے علاوہ (۵) مکرو، وہ یہ ہے کہ صرف سورۂ فاتحہ پڑھے یا فاتحہ کے ساتھ ایک آدھ آیت ملائے یا سورۃ پڑھے اور فاتحہ نہ پڑھے یا پہلی رکعت میں ایک سورۃ پڑھے اور دوسری رکعت میں اس سے اوپر کی سورۃ پڑھے۔ یہ سب صورتیں مکروہ کی ہیں۔

[۲۲۳] (۵۳) لا یقرأ المؤتم خلف الامام

﴿ قرأت خلف الامام ﴾

[۲۲۳] (۵۳) مقتدی امام کے پیچھے نہ پڑھے۔

تشریح حنفیہ کے نزدیک مقتدی کو قرأت کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ امام کی قرأت مقتدی کے لئے کافی ہے۔ ان کا کام ہے مقتدی کی قرأت سننا اور خاموش رہنا۔ حضرت امام ابوحنیفہ کی نظر آیت اور نص قطعی کی طرف گئی ہے۔

وجہ (۱) آیت میں ہے **و اذا قرئ القرآن فاستمعوا له و انصتو لعلكم ترحمون** (الف) (آیت ۲۰۴ سورۃ الاعراف ۷) آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو اور چپ رہو۔ اس لئے امام جب قرأت کرے گا تو مقتدی کا کام اس کو کان لگا کر سننا ہے اور سنائی نہ بھی دے تو چپ رہنا ہے۔ اس لئے قرأت خلف الامام صحیح نہیں ہے (۲) حدیث میں بھی ہے کہ امام قرأت کرے تو مقتدی کو چپ رہنا چاہئے **عن ابی هریرة قال قال رسول الله انما جعل الامام لیوتم به فاذا کبر فکبرو و اذا قرأ فانصتوا** (ب) (ابن ماجہ شریف، باب اذا قرء الامام فانصتوا ص ۱۲۰، نمبر ۸۴۶ / نسائی شریف تاویل قولہ عز وجل و اذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ ص ۱۰۷ نمبر ۹۲۲ / دار قطنی، باب ذکر قولہ ﷺ من کان لہ امام فقراءۃ الامام قراءۃ ص ۳۲۳ نمبر ۱۲۲۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرأت کے وقت مقتدی کو چپ رہنا چاہئے (۳) بلکہ قرأت کرنے والوں کو آپؐ نے منع فرمایا **عن عمران بن حصین ان رسول الله ﷺ صلی الظهر فجعل رجل یقرء خلفه سبح اسم ربک الاعلی فلما انصرف قال ایکم قرء او ایکم القاری؟ قال رجل انا فقال قد ظننت ان بعضکم خالجنیها** (ج) (مسلم شریف، باب نھی الماموم عن جھرہ بالقراءۃ خلف الامام ص ۱۷۲ نمبر ۳۹۸) ابو داؤد شریف کی حدیث میں ہے **مالی انازع القرآن قال فانتهی الناس عن القراءة مع رسول الله ﷺ فیما جهر فیه** (د) (ابو داؤد شریف، باب من رأی القراءۃ اذا لم یجہر، ص ۱۲۷، نمبر ۸۲۶ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی ترک القراءۃ خلف الامام اذا جہر الامام بالقرائۃ ص ۷۱ نمبر ۳۱۲ / دار قطنی، باب ذکر قولہ من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ ص ۳۲۱ نمبر ۱۲۲۲) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ قرأت خلف الامام مناسب نہیں ہے۔ آپؐ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے (۴) مقتدیوں کو قرأت کرنے کی ضرورت اس لئے بھی نہیں ہے کہ امام مقتدیوں کی جانب سے قرأت کر رہا ہے۔ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے۔ حدیث میں اس کا باضابطہ ذکر ہے۔ **عن جابر قال قال رسول الله ﷺ من کان له امام فقراءة الامام له قراءة** (ہ) ابن ماجہ شریف، باب اذا قرء الامام فانصتوا ص ۱۲۰، نمبر ۸۵۰ / دار قطنی، باب ذکر قولہ من کان لہ

حاشیہ : (الف) قرآن پڑھا جائے تو کان لگا کر اس کو سنو اور چپ رہو شاید کہ رحم کئے جاؤ (ب) آپؐ نے فرمایا امام صرف اس لئے بنایا گیا ہے تاکہ تم اس کی اقتدا کرو۔ پس جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرأت پڑھے تو چپ رہو (ج) آپؐ نے ظہر کی نماز پڑھائی تو ایک آدمی آپ کے پیچھے سبح اسم ربک الاعلی پڑھنے لگا۔ پس جب آپ فارغ ہوئے تو پوچھا تم میں سے کس نے قرأت کی؟ یا تم میں سے کون قاری ہے؟ ایک آدمی نے کہا میں، تو آپؐ نے فرمایا کہ میں نے گمان کیا تم میں سے بعض مجھ سے لڑ رہے ہیں (د) آپؐ نے فرمایا، کیا بات ہے کہ مجھ سے قرآن میں جھگڑ رہے ہو۔ راوی نے فرمایا کہ لوگ جہری نماز میں حضور کے ساتھ قرأت کرنے سے رک گئے (ہ) جن کا امام ہو تو امام کی قرأت ان کی قرأت ہے۔

[۲۲۴](۵۴) ومن اراد الدخول فی صلوۃ غیرہ یحتاج الی نیتین نیۃ الصلوۃ و نیۃ

امام ص۳۲۱ نمبر ۱۲۲۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام نے فاتحہ پڑھ لی تو گویا کہ مقتدی نے بھی پڑھ لی وہ بغیر فاتحہ کے نہ رہے (۵) عن ابی درداء سمعہ یقول سئل رسول اللہ ﷺ افی کل صلوۃ قراءۃ ؟قال نعم قال رجل من الانصار وجبت ھذہ؟ فالتفت الی و کنت اقرب القوم منہ فقال ما اری الامام اذا ام القوم الا قد کفا ھم (الف) (نسائی شریف، باب اکتفاء الماموم بقراءۃ الامام ص۱۰۷ نمبر ۹۲۴ / دار قطنی ص۳۲۶ نمبر ۱۲۴۸) اس سے بھی معلوم ہوا کہ مقتدیوں کو امام کی قرأت کافی ہے (۶) مؤطا امام مالک میں ہے کان عبد اللہ بن عمر لا یقرأ خلف الامام (ب) (مؤطا امام مالک، باب ترک القراءۃ خلف الامام فیما جھر ص۶۸) (۷) مقتدی رکوع میں امام کے ساتھ ملے تو مقتدی کو وہ رکعت مل گئی۔ لیکن فاتحہ پڑھنے کا موقع نہیں ملا تو گویا کہ امام شافعیؒ کے نزدیک بھی اس صورت میں امام کا پڑھا ہوا فاتحہ مقتدی کے لئے کافی ہو گیا تو آخر ایک صورت میں وہ بھی حنفیوں کے ساتھ ہو گئے۔

فائدہ امام شافعیؒ، امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھے گا۔ چاہے قرأت جہری کر رہا ہو یا سری۔ اور ایک روایت ہے کہ سری قرأت کر رہا ہو تو قرأت فاتحہ کرے گا اور جہری کر رہا ہو تو نہیں کرے گا۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن عبادۃ بن صامت ان رسول اللہ ﷺ قال لا صلوۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب (ج) (بخاری شریف، باب وجوب القراءۃ للامام والماموم فی الصلوات کلھا فی الحضر والسفر وما یجھر فیھا وما یخافت ص۱۰۴ نمبر ۷۵۶ / مسلم شریف، باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ ص۱۶۹ نمبر ۳۹۴ / ابو داؤد شریف نمبر ۸۲۳) اس حدیث سے ثابت کرتے ہیں کہ مقتدی کے لئے بھی فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔ جواب: حنفیہ بھی فاتحہ واجب کرتے ہیں لیکن مقتدی کی جانب سے امام نے پڑھ لیا اس لئے مقتدی کی جانب سے کافی ہو گیا۔ جیسے کہ پہلے احادیث سے ثابت کیا گیا۔

نوٹ امام محمد سے روایت ہے کہ احادیث کی بنا پر سری نماز میں احتیاطا فاتحہ پڑھ لے (ہدایہ اولین، فصل فی القراءۃ ص۱۰۱)

[۲۲۴] (۵۴) جس نے دوسرے کی نماز میں داخل ہونے کا ارادہ کیا وہ محتاج ہے دو نیتوں کا، نماز کی نیت کا اور اتباع کی نیت کا۔

تشریح کوئی آدمی دوسرے کی اقتدا کر رہا ہو تو اس کو دو قسموں کی نیت کرنی ہوگی۔ ایک اصل نماز پڑھنے کی نیت اور دوسری امام کی اقتدا کرنے کی نیت۔

وجہ (۱) کیونکہ امام مقتدی کی نماز کا ضامن ہے اصلاح اور فساد میں۔ اس لئے اس کی اقتدا کرنے کی بھی نیت کرنی ہوگی۔ اگر اس کی اقتدا کرنے کی نیت نہیں کی اور صف میں کھڑے ہو کر اصل نماز کی نیت کی تو اقتدا نہیں ہوگی (۲) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ الامام ضامن والمؤذن مؤتمن (د) (ترمذی شریف، باب ماجاء ان الامام ضامن والمؤذن مؤتمن ص۵۱ نمبر ۲۰۷) اس سے معلوم ہوا

حاشیہ : (الف) آپؐ سے پوچھا گیا کیا ہر نماز میں قرأت ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں! انصار کے ایک آدمی نے کہا یہ قرأت واجب ہو گئی تو حضورؐ میری طرف متوجہ ہوئے اور میں آپؐ سے قوم میں سے زیادہ قریب میں تھا۔ آپؐ نے فرمایا میں نہیں سمجھتا ہوں مگر یہ کہ امام نے قوم کی امامت کی تو ان کی قرأت ان کو کافی ہوگی (ب) عبد اللہ بن عمرؓ امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے (ج) آپؐ نے فرمایا اس کی نماز ہی نہیں جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی (ب) آپؐ نے فرمایا امام ضامن ہے اور مؤذن امانت دار ہے

المتابعة[۲۲۵](۵۵) والجماعة سنة مؤكدة [۲۲۶](۵۶) واولی الناس بالامامة اعلمهم

کہ امام مقتدی کی نماز کا ضامن ہے اس لئے مقتدی کو امام کی نیت کرنے کی ضرورت ہوگی (۲) **عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال انما جعل الامام ليوتم به فلا تختلفوا عليه** (الف) (مسلم شریف، باب ائتمام الماموم بالامام ص ۱۷۶ نمبر ۴۱۴) اس حدیث سے بھی متابعت کی نیت کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔

﴿ جماعت کا بیان ﴾

[۲۲۵] (۵۵) جماعت سنت مؤکدہ ہے۔

وجہ (۱) **عن ابی هريرة ان رسول الله قال والذی نفسی بيده لقد هممت ان امر ليحطب يحطب ثم امر بالصلوة فيوذن لها ثم امر رجلا فيؤم الناس ثم اخالف الی رجال فاحرق عليهم بيوتهم والذی نفسی بيده لو يعلم احدهم انه يجد عرقا سمينا او مرماتين حسنتين لشهد العشاء** (ب) (بخاری شریف، باب وجوب صلوۃ الجماعۃ ص ۸۹ نمبر ۶۴۴ / ابوداؤد شریف، باب فی التشدید فی ترک الصلوۃ ص ۸۸ نمبر ۵۴۸) آپ نے جماعت چھوڑنے پر گھروں کو جلا دینے کا ارادہ فرمایا جو جماعت کے وجوب کی دلیل ہے۔ تاہم وہ سنت مؤکدہ ہے (۲) **عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ من سمع المنادی فلم يمنعه من اتباعه عذر قالوا وما العذر؟ قال خوف او مرض لم تقبل منه الصلوة التی صلی** (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی التشدید فی ترک الجماعۃ ص ۸۸ نمبر ۵۵۱) اس سے بھی معلوم ہوا کہ جماعت سنت مؤکدہ ہے۔ کیونکہ بغیر عذر کے اس کے چھوڑنے سے نماز قبول نہیں ہوگی۔

[۲۲۶] (۵۶) لوگوں میں سے امامت کا زیادہ حقدار جو ان میں سے سنت کو زیادہ جاننے والا ہو۔ پس اگر (سنت کے جاننے والوں میں) سب برابر ہوں تو ان میں سے اچھی قرأت کرنے والا، اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو سب سے زیادہ پرہیزگار، اور اس میں بھی برابر ہوں تو جو عمر میں بڑا ہو۔

تشریح سنت سے مراد احکام نماز ہے۔ اس لئے جو موجودہ لوگوں میں سے احکام نماز اور مسائل سے زیادہ واقف ہوں ان کو امام بنایا جائے بشرطیکہ اتنی قرأت جانتا ہو جس سے نماز درست ہو جاتی ہو۔ پھر اگر سبھی مسائل کے جاننے میں برابر ہوں تو جس کی قرأت بہت اچھی ہو ان کو امام بنایا جائے۔ اور اگر قرأت بھی سبھی کی ہی اچھی ہو تو جو زیادہ پرہیزگار ہو ان کو امام بنایا جائے۔ اور سب پرہیزگار بھی برابر درجے کے ہوں تو جو عمر میں بڑے ہوں ان کو امامت کا حق ہے۔

نوٹ یہ اس وقت ہے کہ پہلے سے امام متعین نہ ہو۔ اور اگر پہلے سے امام متعین ہو تو ان کو امامت کا زیادہ حق ہے۔

حاشیہ: (الف) آپ نے فرمایا کہ امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے اس لئے اس سے اختلاف نہ کرو (ب) آپ نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ میں ارادہ کرتا ہوں کہ لکڑی لانے کا حکم دوں تا کہ لکڑی جمع کی جائے، پھر نماز کا حکم دوں پس اس کے لئے اذان دی جائے، پھر ایک آدمی کو حکم دوں وہ لوگوں کی امامت کرائے، پھر میں لوگوں کے پاس جاؤں اور ان کے گھروں کو جلا دوں۔ قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر ان میں سے ایک جان لے کہ وہ موٹی سی ہڈی یا دو اچھی کھر پائے گا تو عشا میں ضرور حاضر ہو جائیں (ج) آپ نے فرمایا جس نے اذان سنی اور کوئی عذر اس کی اتباع کرنے سے نہ روکے، لوگوں نے پوچھا عذر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا خوف یا مرض تو اس کی وہ نماز قبول نہیں ہوگی جو اس نے پڑھی۔

بالسنة فان تساووا فاقرأهم وان تساووا فاورعهم وان تساووا فاسنهم.

وجہ (۱) مسئلہ زیادہ جاننے والے کوسب سے مقدم اس لئے کریں گے کہ اس کی ضرورت زیادہ پڑتی ہے کہ کہاں سجدۂ سہو ہوگا اور کہاں نہیں ہوگا۔اسی طرح کون سارکن فرض ہے کون سا واجب اور کون سا سنت، اوراس کی رعایت کتنی کرنی چاہئے (۲) یوں بھی زیادہ جاننے والے کا رعب زیادہ پڑتا ہے۔اوراس کی وجہ سے جماعت کا معاملہ قابو میں رہتا ہے (۳) دور صحابہ میں اونچے قاری ابی بن کعبؓ تھے لیکن آپ نے آخر وقت میں اپنے مصلے پر حضرت ابوبکرؓ کوتا کید کر کے کھڑا کیا جو اعلم بالسنۃ تھے۔جس سے معلوم ہوا کہ اعلم بالسنۃ کو امامت کا حق زیادہ ہے۔**عن ابی موسی قال مرض النبی ﷺ فاشتد مرضة فقال مروا ابا بکر فلیصل بالناس** (الف) (بخاری شریف، باب اہل العلم والفضل احق بالامامۃ ص ۹۳ نمبر ۶۷۸ رمسلم شریف، باب استخلاف الامام اذا عرض لہ عذر ص ۱۷۸ نمبر ۴۱۸) (۴) **عن ابن مسعود قال قال رسول الله ﷺ لیلنی منکم اولوا الاحلام والنهی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم** (ب) (مسلم شریف، باب تسویۃ الصفوف واقامتہا وفضل الاول فالاول ص ۱۸۱ نمبر ۴۳۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عقل اور سمجھ رکھنے والے کوامام کے قریب رہنا چاہئے تاکہ ضرورت پر امامت کے کام آئے۔ یہ نہیں کہا کہ قاری کو حضورؐ کے قریب ہونا چاہئے (۵) حدیث میں ہے **عن عقبة بن عمرو قال قال رسول الله ﷺ یوم الناس اقدمهم هجرة وان کانوا فی الهجرة سواء فافقههم فی الدین وان کانوا فی الدین سواء فاقرؤهم للقرآن** (ج) (دار قطنی، باب من احق بالامامۃ ص ۲۸۴ نمبر ۱۰۷۲) اس میں بھی افقہ کو زیادہ حق امامت دیا گیا ہے۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ جو اچھا قاری ہو ان کو امامت کا زیادہ حق ہے۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابی مسعود الانصاری قال قال رسول الله ﷺ یؤم القوم اقرؤهم لکتاب الله فان کانوا فی القراءة سواء فاعلمهم بالسنة فان کانوا فی السنة سواء فاقدمهم هجرة. وفی حدیث آخر فان کانوا فی الهجرة سواء فلیؤمهم اکبرهم سنا** (د) (مسلم شریف، باب من احق بالامامۃ ص ۲۳۶ نمبر ۶۷۳ رابو داؤد شریف، باب من احق بالامامۃ ص ۹۴ نمبر ۵۸۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو زیادہ قاری ہو وہ امامت کا زیادہ حقدار ہے۔ہم کہتے ہیں کہ حضورؐ کے دور میں جو زیادہ قرآن پڑھنے والا ہوتا تھا وہ مسائل کو بھی زیادہ جاننے والا ہوتا تھا اس لئے اقرء بالقرآن فرمایا۔زیادہ عمر والے کوامامت کا حق ہوگا اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن مالک بن الحویرث قال قدمنا علی النبی ﷺ ... قال ...فاذا حضرت الصلوة فلیؤذن لکم احدکم ولیؤمکم اکبرکم** (ہ) بخاری شریف، باب اذا استووا فی القراءۃ فلیؤمہم اکبرہم ص ۹۴ نمبر ۶۸۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سبھی ہجرت اور قرأت میں برابر ہوں تو عمر کے اعتبار سے جو

حاشیہ : (الف) حضورؐ بیمار ہوئے پھران کا مرض بڑھ گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے (ب) آپؐ نے فرمایا میرے قریب تمہارے بالغ اور عقل والے رہا کریں۔پھر جوان سے کم درجہ کے ہوں، پھر جوان سے کم درجہ کے ہوں (ج) آپؐ نے فرمایا لوگوں کی امامت وہ کریں جوان میں سے ہجرت کے اعتبار سے قدیم ہوں۔اور اگر ہجرت میں برابر ہوں تو دین کے اعتبار سے جو زیادہ فقیہ ہوں۔اور اگر دین میں برابر ہوں تو جو قرآن کا زیادہ قاری ہوں (د) آپ نے فرمایا قوم کی امامت وہ کریں جو اللہ کی کتاب کو زیادہ پڑھنے والا ہو۔پس اگر وہ قرأت میں برابر ہوں تو جوان میں سے سنت کو زیادہ جاننے والا ہو۔پس اگر سنت میں برابر ہوں تو جوان میں سے ہجرت کے اعتبار سے قدیم ہو۔دوسری حدیث میں ہے جو ہجرت کے اعتبار سے برابر ہوں تو ان کی امامت کرے جو عمر کے اعتبار سے بڑا ہو (ہ) آپؐ نے فرمایا جب نماز کا وقت آئے تو تمہارے لئے کوئی اذان دے اور تم میں سے بڑا تمہاری امامت کرے۔

[۲۲۷] (۵۷) ویکرہ تقدیم العبد والاعرابی والفاسق والاعمی وولد الزنا فان تقدموا

زیادہ ہواس کوامامت کا حق ہے۔

لغت اورع : جوزیادہ پرہیزگار ہو۔

[۲۲۷] (۵۷) مکروہ ہے غلام کوامامت کے لئے آگے کرنا اور دیہاتی کو، فاسق کو، نابینا کو اور ولدالزنا کو آگے کرنا۔ پس اگر آگے کر دیا تو جائز ہے۔

وجہ (۱) ان لوگوں میں عموما جہل ہوتا ہے۔ اور لوگ اس کی امامت سے نفرت کرتے ہیں۔ اس لئے ان لوگوں کی امامت مکروہ ہے۔ لیکن اگر ان لوگوں میں علم ہو اور لوگ ان کی امامت سے خوش ہوں تو ان کی امامت مکروہ نہیں ہے۔ نابینا میں ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ ناپاکی سے بچ نہیں سکتا ہے۔ اگر وہ ناپاکی سے بچ سکتا ہو تو مکروہ نہیں ہوگا (۲) حدیث میں ہے۔ **عن عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ ﷺ کان یقول ثلاثة لا یقبل اللہ منھم صلوۃ من تقدم قوما وھم لہ کارھون** (الف) (ابوداؤد شریف، باب الرجل یؤم القوم وھم لہ کارھون ص ۹۵ نمبر ۵۹۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قوم جن لوگوں کی امامت سے کراہیت کرے ان کی امامت مکروہ ہے۔ اور اوپر کے لوگوں کی امامت سے قوم کراہیت کرتی ہے اس لئے ان کی امامت مکروہ ہے۔ تاہم امامت جائز ہو جائے گی۔ غلام کی امامت جائز ہونے کی دلیل یہ اثر ہے **وکانت عائشة یؤمھا عبدھا ذکوان من المصحف** (ب) (بخاری شریف، باب امامۃ العبد والمولی ص ۹۶ نمبر ۶۹۲) فاسق کی امامت جائز ہے لیکن مکروہ ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن عبید اللہ بن عدی بن خیار انہ دخل علی عثمان بن عفان وھو محصور فقال انک امام عامة ونزل بک ما تری و یصلی لنا امام فتنة و نتحرج فقال الصلوۃ احسن ما یعمل الناس فاذا احسن الناس فاحسن معھم واذا اساء فاجتنب اساتھم** (ج) (بخاری شریف، باب امامۃ المفتون والمبتدع ص ۹۶ نمبر ۶۹۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ فاسق کے پیچھے نماز پڑھی جا سکتی ہے اگرچہ مکروہ ہے۔ **وقال الزھری لا نری ان یصلی خلف المخنث الا من ضرورة لا بد منھا** (د) (بخاری شریف، باب امامۃ المفتون والمبتدع ص ۹۶ نمبر ۶۹۵) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ ضرورت پڑنے پر فاسق کے پیچھے نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ **عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال صلوا خلف کل بر و فاجر و صلوا علی کل بر و فاجر** (سنن للبیھقی، باب الصلوۃ علی من قتل فی نفسہ غیر مستحل لقتلھا ج رابع، کتاب الجنائز، ص ۲۹، نمبر ۶۸۳۲) نابینا کی امامت کے بارے میں یہ حدیث ہے۔ **عن انس ان النبی ﷺ استخلف ابن ام مکتوم یؤم الناس وھو اعمی** (ہ) (ابوداؤد شریف، باب

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا اللہ تین آدمیوں کی نماز قبول نہیں کرتے جو کسی قوم کی امامت کے لئے آگے بڑھے حالانکہ وہ ناپسند کرتے ہوں (ب) حضرت عائشہؓ کی امامت اس کے غلام ذکوان کرتے تھے قرآن سے (ج) عبید اللہ بن عدی، عثمان بن عفانؓ پر داخل ہوئے اس حال میں کہ وہ محبوس تھے۔ عبید اللہ نے کہا کہ آپ عوام کے امام ہیں اور آپ پر وہ مصیبت نازل ہوئی ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ اور ہمیں فتنہ کے امام نماز پڑھا رہے ہیں۔ اور ہم حرج محسوس کرتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا نماز اچھی چیز ہے جو لوگ عمل کرتے ہیں۔ پس اگر لوگ اچھا کریں تو تم بھی ان کے ساتھ اچھا معاملہ کرو اور اگر برا معاملہ کریں تو تم ان کی برائی سے بچو (د) امام زہری نے فرمایا کہ مخنث کے پیچھے نماز پڑھنا اچھا نہیں سمجھتا مگر ضرورت کی بنا پر۔ (ہ) حضورؐ نے عبد اللہ بن مکتوم کو مدینہ کا خلیفہ بنایا۔ وہ لوگوں کی امامت کرتے تھے حالانکہ وہ نابینا تھے۔

جاز[۲۲۸] (۵۸) وینبغی للامام ان لا یطول بھم الصلوۃ[۲۲۹](۵۹) ویکرہ للنساء ان

امامۃ الاعمی ص۹۵ نمبر ۵۹۵) اس سے معلوم ہوا کہ نابینا پاکی ناپاکی کا احتیاط رکھتا ہو اور قوم میں باعزت ہو تو ان کو امام بنایا جا سکتا ہے۔ مکروہ نہیں ہے۔

[۲۲۸] (۵۸) امام کے لئے مناسب ہے کہ مقتدیوں کے ساتھ نماز بہت لمبی نہ کرے۔

وجہ (۱) نماز بہت زیادہ لمبی کرنے میں کمزور اور بوڑھے لوگ پریشان ہونگے جو جائز نہیں ہے۔ اس لئے مستحبات سے زیادہ قرأت لمبی نہیں کرنی چاہئے۔ ہاں! اگر تنہا نماز پڑھ رہا ہو تو جتنی لمبی کرنا چاہے کر سکتا ہے (۲) حدیث میں ہے **اخبرنی ابو مسعود ان رجلا قال واللہ یا رسول اللہ انی لاتأخر عن صلوۃ الغداۃ من اجل فلان مما یطیل بنا فما رأیت رسول اللہ ﷺ فی موعظۃ اشد غضبا منہ یومئذ ثم قال ان منکم منفرین فایکم ما صلی بالناس فلیتجوز فان فیھم الضعیف والکبیر وذا الحاجۃ** (الف) (بخاری شریف، باب تخفیف الامام فی القیام واتمام الرکوع والسجود ص ۹۷ نمبر ۷۰۲ رمسلم شریف، باب تخفیف الصلوۃ، نمبر ۴۶۶) اس کے آگے حدیث میں یہ جملہ بھی ہے واذا صلی احدکم لنفسہ فلیطول ماشاء (بخاری شریف، نمبر ۷۰۳ رمسلم شریف، نمبر ۴۶۶) اس سے معلوم ہوا کہ امام ہو تو نماز زیادہ لمبی نہ کرے۔ اور اکیلا ہو تو جتنی لمبی کرنا چاہے کر سکتا ہے۔

[۲۲۹] (۵۹) عورتوں کے لئے مکروہ ہے کہ تنہا عورتیں جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں، پس اگر جماعت کی تو امام ان کے درمیان میں کھڑی ہوگی جیسے ننگے کھڑے ہوتے ہیں۔

تشریح صرف عورتیں نماز پڑھیں تو الگ الگ نماز پڑھیں گے۔ کیونکہ وہاں مرد نہیں ہے اس لئے عورت ہی کو امامت کرنی ہوگی۔ اور عورت کی امامت جائز تو ہے لیکن مکروہ ہے۔ اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھی اور عورت نے امامت کرائی تو امام عورت عورتوں کے درمیان کھڑی ہوگی۔ مرد کی طرح آگے کھڑی نہیں ہوگی۔

وجہ اس لئے کہ یہ عورتوں کے ستر کے خلاف ہے۔ اس لئے امام عورت درمیان میں کھڑی ہوگی جیسے تمام ننگے آدمیوں کا امام درمیان میں کھڑا ہوتا ہے (۲) **عن ریطۃ الحنفیۃ قالت امتنا عائشۃ فقامت بینھن فی الصلوۃ المکتوبۃ فی حدیث آخر امتنا ام سلمۃ فی صلوۃ العصر فقامت بیننا** (ب) (دار قطنی، باب صلوۃ النساء جماعۃ وموقف امامھن ص ۳۸۸ نمبر ۱۴۹۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عورت امام کو درمیان میں کھڑی ہونی چاہئے۔

حاشیہ : (الف) ابو مسعود نے فرمایا کہ ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ! خدا کی قسم میں دوپہر کی نماز سے فلاں آدمی کی وجہ سے پیچھے رہتا ہوں۔ اس لئے کہ وہ لمبی نماز ہمیں پڑھاتا ہے۔ تو میں نے حضور کو کسی نصیحت میں اس دن کی طرح اتنا غصہ ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ پھر آپ نے فرمایا تم میں سے کچھ لوگ نفرت دلانے والے ہیں۔ تم میں سے کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے تو مختصر پڑھائے۔ اس لئے کہ اس میں کمزور ہوتے ہیں۔ بوڑھے ہوتے ہیں اور ضرورت مند ہوتے ہیں (ب) ریطہ حنفیہ کہتی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ہماری امامت کی تو وہ فرض نماز میں عورتوں کے درمیان میں کھڑی ہوئی۔ دوسری حدیث میں ہے ام سلمہؓ نے عصر کی نماز میں ہماری امامت کی تو ہمارے درمیان کھڑی ہوئی۔

یصلین وحدھن بجماعة فان فعلن وقفت الامامة وسطھن کالعراۃ [۲۳۰](۶۰) ومن صلی مع واحد اقامه عن یمینه[۲۳۱](۶۱) وان کانا اثنین تقدمھما.

عورت کی امامت مکروہ ہونے کی وجہ یہ حدیث ہے **عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ خیر صفوف الرجال اولھا وشرھا آخرھا و خیر صفوف النساء آخرھا و شرھا اولھا** (الف)(مسلم شریف، باب تسویۃ الصفوف واقامتھا وفضل الاول الخ ص ۱۸۲ نمبر ۴۴۰/ابوداؤد شریف، باب صف النساء والتأخر عن الصف الاول، ص ۱۰۶ نمبر ۶۷۸) جب عورت کو اگلی صف میں جانا مکروہ ہے تو امامت کرنا بھی مکروہ ہوگا کیونکہ اس میں آگے جانا ہوتا ہے۔عورت کی امامت مکروہ ہے اس کی دلیل یہ اثر بھی ہے۔**عن علیؓ قال لاتؤم المرأۃ** (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۷۳ من کرہ ان تؤم المرأۃ النساء، ج اول، ص ۴۳۰، نمبر ۴۹۵۷)

لغت العراۃ : عاری کی جمع ہے ننگے۔

نوٹ ننگے لوگوں کا امام درمیان میں کھڑا ہوگا اس کی دلیل یہ اثر ہے **عن قتادۃ قال اذا خرج ناس من البحر عراۃ فامھم احدھم صلوا قعودا وکان امامھم معھم فی النصف ویأمون ایماء** (مصنف عبد الرزاق، باب صلوۃ العریان ج ثانی ص ۵۸۳، نمبر ۴۵۶۴)

[۲۳۰](۶۰) اگر ایک آدمی کے ساتھ نماز پڑھے اس کو اپنی دائیں جانب کھڑا کرے۔

وجہ (۱) دائیں جانب افضل ہے اس لئے ایک آدمی مقتدی ہو تو امام اس کو اپنی دائیں جانب میں کھڑا کرے (۲) حدیث میں ہے **عن ابن عباس قال صلیت مع النبی ﷺ ذات لیلة فقمت عن یسارہ فاخذ رسول اللہ ﷺ برأسی من ورائی فجعلنی عن یمینه فصلی** (ب)(بخاری شریف، باب اذا قام الرجل عن یسار الامام وحوله الامام خلفه الی یمینه تمت صلوته ص ۱۰۰ نمبر ۷۲۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک مقتدی ہو تو اس کو دائیں جانب کھڑا کرنا چاہئے۔لیکن امام سے تھوڑا پیچھے کھڑا ہوگا۔

[۲۳۱](۶۱) اور اگر دو مقتدی ہوں تو امام دونوں سے آگے کھڑا ہوگا۔

وجہ **عن انس بن مالک قال صلیت انا یتیم فی بیتنا خلف النبی وامی خلفنا ام سلیم** (ج)(بخاری شریف، باب المرأۃ وحدھا تکون صفا ص ۱۰۱ نمبر ۷۲۷/ابوداؤد شریف، باب اذا کانوا ثلثة کیف یقومون ص ۹۷ نمبر ۶۱۲) اس حدیث میں انس اور یتیم دو آدمی تھے تو حضورؐ کے پیچھے کھڑے ہوئے۔اس سے معلوم ہوا کہ دو مقتدی ہوں تو امام آگے کھڑا ہوگا اور دونوں مقتدی پیچھے کھڑے ہونگے۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک امام دونوں مقتدیوں کے بیچ میں کھڑا ہوگا۔ان کا استدلال اس اثر سے ہے **استأذن علقمة والاسود**

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا مردوں کی بہترین صف پہلی صف ہے اور بری صف آخری صف ہے۔اور عورتوں کی بہترین صف آخری صف ہے اور بری صف پہلی صف ہے (ب) عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ کے ساتھ ایک رات نماز پڑھی تو میں آپؐ کی بائیں جانب کھڑا ہوگیا۔آپ نے میرے سر کو پیچھے سے پکڑا اور مجھ کو اپنی دائیں جانب کر دیا (الف) انس بن مالک فرماتے ہیں کہ میں اور یتیم نے حضورؐ کے پیچھے میرے گھر میں نماز پڑھی اور میری ماں ام سلیم میرے پیچھے تھی۔

[۲۳۲](۶۲) ولا یجوز للرجال ان یقتدوا بامرأة او صبی.

علی عبد الله (بن مسعود) وقد کنا اطلنا القعود علی بابه فخرجت الجاریة فاستأذنت لهما فاذن لهما ثم قام فصلی بینی وبینه ثم قال ھکذا رأیت رسول الله ﷺ فعل (الف)(ابوداؤد شریف، باب اذا کانوا ثلثۃ کیف یقومون ص۹۷ نمبر ۶۱۳)اس حدیث میں عبداللہ بن مسعود علقمہ اور اسود کے درمیان کھڑے ہوئے ہیں۔اس لئے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ بہتر ہے۔امام اعظم کے نزدیک یہ بھی جائز ہے لیکن آگے کھڑا ہونا بہتر ہے۔

[۲۳۲](۶۲)نہیں جائز ہے مرد کے لئے کہ اقتدا کرے عورت کی یا بچے کی۔

تشریح مرد مقتدی ہو اور اس کا امام عورت ہو یا بچہ ہو تو جائز نہیں ہے۔

وجہ مسئلہ نمبر ۵۷ میں (مسلم شریف نمبر ۴۴۰/ ابوداؤد شریف نمبر ۶۷۸) حدیث گزری ہے جس میں تھا کہ عورت کی اگلی صف بری ہے اور پچھلی صف اچھی ہے۔اور امامت کرنے کی وجہ سے وہ مرد سے بھی آگے ہوگی اس لئے مرد کے لئے اس کی امامت درست نہیں ہے۔مسئلہ نمبر ۵۷ میں جو عورت کی امامت کا مسئلہ گزرا وہ یہ تھا کہ عورت عورت کی امامت کر سکتی ہے نہ کہ مرد کی (۲) حدیث میں ہے عن جابر بن عبد الله قال سمعت رسول الله علی منبره یقول فذکر الحدیث وفیه الا ولا تؤمن امرأة رجلا (ب)(سنن للبیھقی، باب لا یأتم رجل بامرأۃ ج ثالث ص ۱۲۸، نمبر ۵۱۳۱)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت مرد کی امامت نہ کرے۔

نوٹ ابوداؤد شریف میں عورتوں کی امامت کے سلسلے میں ایک حدیث نقل کی ہے عن ام ورقة بنت عبد الله بن حارث بهذا الحدیث قال کان رسول الله یزورها فی بیتها و جعل لها مؤذنا یؤذن لها وامرها ان تؤم اهل دارها (ج)(ابوداؤد شریف، باب امامۃ النساء ص ۹۵ نمبر ۵۹۲)اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت امامت کر سکتی ہے۔لیکن اس میں اس کا ثبوت نہیں ہے کہ وہ مرد کی امامت کرتی تھی۔سنن للبیھقی اور دیگر احادیث کو ملانے سے یہی مترشح ہوتا ہے کہ وہ اپنے گھر کی عورتوں کی امامت کرتی تھی مرد کی نہیں۔

اور بچے کی اقتدا اس لئے جائز نہیں کہ اس کی نماز ہی نہیں ہے۔وہ نماز توڑ دے تو اس پر قضا نہیں ہے۔اور امام مقتدی کی نماز کا ضامن ہوتا ہے اب امام کی نماز کمزور ہے تو مضبوط نماز کی ضامن وہ کیسے بن سکتی ہے۔اس لئے بالغ مرد یا عورت کے لئے بچے کی اقتدا کرنا درست نہیں ہے۔ عن الشعبی قال لایأم الغلام حتی یحتلم (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۲۲ فی امامۃ الغلام قبل ان یحتلم، ج اول، ص ۳۰۶، نمبر ۳۵۰۵) عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ لا یتقدم الصف الاول اعرابی ولا عجمی ولا غلام لم یحتلم (دار قطنی، باب من

حاشیہ : (الف)علقمہ اور اسود نے عبداللہ ابن مسعود کے پاس آنے کی اجازت مانگی، اور ان کے دروازے پر بیٹھتے ہوئے بہت دیر ہو چکی تھی۔پھر ایک باندی نکلی اور دونوں کے لئے اجازت لی اور عبداللہ نے اجازت دیدی۔پھر کھڑے ہوئے اور میرے اور ان کے درمیان نماز پڑھی۔پھر فرمایا کہ میں نے اسی طرح حضور کو کرتے ہوئے دیکھا ہے(ب)حضور کو منبر پر کہتے ہوئے سنا ہے پھر لمبی حدیث ذکر کی اس میں یہ بھی تھا کہ سن لو! عورت مرد کی امامت نہ کرے(ج) آپؐ ام ورقہ کی ان کے گھر میں زیارت کے لئے جاتے۔ان کے لئے ایک مؤذن متعین کیا جو اذان دیتا تھا اور ام ورقہ کو حکم دیا تھا کہ اپنے گھر والوں کی امامت کرے۔

[۲۳۳](۶۳) ویصف الرجال ثم الصبیان ثم الخنثی ثم النساء[۲۳۴] (۶۴) فان قامت امرأۃ الی جنب رجل وھما مشترکان فی صلوۃ واحدۃ فسدت صلوتہ.

یصلح ان یقوم خلف الامام۔ج اول،ص ۲۸۵،نمبر ۱۰۷۶)

فائدہ بعض ائمہ کے نزدیک سنن اورنوافل میں بچے کی اقتدا کرنا جائز قرار دیا ہے۔اورانہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے عن عمرو بن سلمہ کنا بحاضر ... فکنت اؤمھم وانا ابن سبع او ثمان سنین (الف)(ابوداؤد شریف،باب من احق بالامامۃ ص ۹۳ نمبر ۵۸۵)اس حدیث میں عمر بن سلمہ سات یا آٹھ سال کے بچے تھے۔اورانہوں نے اچھے قاری ہونے کی وجہ سے صحابہ کی امامت کرائی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ بچے کی اقتدا جائز ہے۔جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں حضور کو معلوم نہیں ہے کہ لوگوں نے بچوں کو امام بنا لیا ہے۔کیونکہ یہ حدیث ولیلنی منکم اولو الاحلام والنھی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم (ب)(مسلم شریف،باب تسویۃ الصفوف واقامتہا،ص ۱۸۱ نمبر ۴۳۲)کے خلاف ہے۔

[۲۳۳](۶۳)صف بنائی جائے گی مردوں کی پھر بچوں کی پھر خنثی کی پھر عورتوں کی۔

وجہ حدیث میں اسی طرح صف بنانے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔حدیث میں ہے عن انس بن مالک قال صلیت انا ویتیم فی بیتنا خلف النبی ﷺ وامی ام سلیم خلفنا ام سلیم (ج)(بخاری شریف،باب المرأۃ وحدھا تکون صفا ص ۱۰۱ نمبر ۷۲۷/ابوداؤد شریف، باب اذا کانوا ثلثۃ کیف یقومون ص ۹۷ نمبر ۶۱۲)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرد پہلے صف میں کھڑے ہونگے۔بچے دوسری صف میں اور خنثی چونکہ مرد اور عورت کے درمیان ہے اس لئے وہ عورت سے آگے اور بچوں سے پیچھے کھڑے ہونگے۔اور آخری صف میں عورت کھڑی ہوگی (۲)مسلم کی حدیث گزر چکی ہے عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ خیر صفوف الرجال اولھا وشرھا آخرھا وخیر صفوف النساء آخرھا و شرھا اولھا (د)(مسلم شریف،باب تسویۃ الصفوف واقامتھا وفضل الاول فالاول ص ۱۸۲ نمبر ۴۴۰) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ مرد کو آگے کھڑا ہونا چاہئے اور عورتوں کو پیچھے صف میں کھڑا ہونا چاہئے۔

[۲۳۴](۶۴)پس اگر کوئی عورت کسی مرد کی بغل میں کھڑی ہوگئی اور وہ دونوں ایک ہی نماز میں مشترک ہیں تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی

تشریح عورت مرد کی بغل میں کھڑی ہو جائے اس سے مرد کی نماز فاسد ہو جائے یہ خلاف قیاس ہے۔اس لئے فاسد ہونے کے لئے چند شرطیں ہیں (۱)دونوں کی نماز ایک ہو (۲)بغیر پردہ کے عورت کھڑی ہو (۳)رکوع اور سجدہ والی نماز ہو (۴)عورت اہل شہوت ہو (۵)اور امام نے اس کی امامت کی نیت کی ہو تب مرد کی نماز فاسد ہوگی۔

حاشیہ : (الف)عمر بن سلمہ فرماتے ہیں کہ میں قوم میں حاضر تھا...میں ان کی امامت کرتا تھا۔حال یہ تھا کہ میں سات سال یا آٹھ سال کا لڑکا تھا (ب)میرے قریب تم میں سے بالغ اور عقلمند آدمی ہونا چاہئے۔پھر جو اس کے بعد ہو پھر جو اس کے بعد ہو (ج)انس بن مالک فرماتے ہیں کہ میں نے اور یتیم نے میرے گھر میں نماز پڑھی حضورؐ کے پیچھے اور میری ماں ام سلیم میرے پیچھے تھی (د)آپؐ نے فرمایا مرد کی بہترین صف پہلی صف ہے اور اس کی بری صف آخری ص ہے۔اور عورت کی بہترین صف آخری صف ہے اور بری صف پہلی صف ہے۔

[۲۳۵](۶۵) ویکرہ للنساء حضور الجماعۃ.

وجہ (۱) مرد کا کام تھا کہ عورت کو نصیحت کر کے اس کو پیچھے کرتے لیکن اس نے ایسا نہیں کیا اس لئے اس کی نماز فاسد ہوگی (۲) مسئلہ نمبر ۶۳ میں مسلم شریف کی حدیث گزری ہے کہ آخری صف عورت کے لئے بہتر ہے لیکن وہ صف میں آ گئی اس لئے اس نے خلاف سنت کام کیا اس لئے نماز فاسد ہوگی (۳) **عن الحارث بن معاویۃ انہ رکب الی عمر بن الخطاب یسأله عن ثلاث خلال، قال فقدم المدینۃ فسأله عمر ما اقدمک ؟ قال لاسئلک عن ثلاث خلال، قال وماھی قال ربما کنت والمرأۃ فی بناء ضیق فتحضر الصلوۃ فان صلیت انا وھی کانت بحذائی فان صلت خلفی خرجت من البناء قال تستر بینک و بینھا بثوب ثم تصلی بحذائک ان شئت** (الف) (بمعناہ مصنف عبد الرزاق، باب الرجل والمرأۃ یصلیان احدھما بحذاء الآخر ج ثانی ص ۳۶، نمبر ۲۳۹۱ / مجمع الزوائد ج اول ص ۶۷ / اعلاء السنن، باب فساد صلوۃ الرجال بمحاذاۃ النساء ج رابع ص ۲۵۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عورت اور مرد کے درمیان پردہ ہو تو نماز فاسد نہیں ہوگی (۴) **اخبرنا ابو حنیفۃ عن حماد عن ابرھیم قال اذا صلت المرأۃ الی جانب الرجل و کانا فی صلوۃ واحدۃ فسدت صلوتہ. قال محمد و بہ ناخذ وھو قول ابی حنیفۃ** (ب) (کتاب الآثار لامام محمد، باب ما یقطع الصلوۃ، ص ۲۷، نمبر ۱۳۷) اس اثر سے معلوم ہو کہ حضرت ابراہیم کا فتوی یہ تھا کہ بغیر پردہ کے مرد اور عورت ایک ساتھ کھڑے ہو جائیں تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ عورت کا مرد کے ساتھ کھڑا ہونا مکروہ تو ہے لیکن نماز فاسد نہیں ہوگی۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن عائشۃ زوج النبی ﷺ انھا قالت کنت انام بین یدی رسول اللہ ﷺ ورجلائی فی قبلتہ فاذا سجد غمزنی فقبضت رجلی فاذا قام بسطتھا** (ج) (بخاری شریف، باب التطوع خلف المرأۃ ص ۷۳، نمبر ۵۱۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت محاذات میں آ جائے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ کیوں کہ حضورؐ نماز کے درمیان حضرت عائشہؓ کو چھوتے تھے پھر بھی نماز بحال رہتی تھی۔

[۲۳۵] (۶۵) عورتوں کے لئے جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے۔

وجہ (۱) عورتوں کو مسجد کی جماعت میں شامل ہونا جائز ہے۔ کیونکہ حضورؐ نے اجازت دی ہے۔ لیکن جوان عورتوں کے لئے مکروہ ہے۔ کیونکہ مردوں کے ساتھ اختلاط سے فتنہ کا خطرہ ہے (۲) **سمعت عائشۃ زوج النبی ﷺ تقول لو ان رسول اللہ ﷺ رأی ما احدث**

حاشیہ : (الف) حارث بن معاویہ عمر کے پاس تین باتیں پوچھنے کے لئے آئے۔ مدینہ آئے تو حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا کہ کیوں آئے ہو، حارث نے کہا تین باتیں پوچھنے کے لئے آیا ہوں۔ عمر نے کہا وہ کیا ہیں؟ حارث نے کہا کبھی میں اور میری بیوی تنگ گھر میں ہوتے ہیں تو نماز کا وقت آ جاتا ہے۔ پس اگر میں اور میری بیوی نماز پڑھے تو وہ میرے محاذات میں ہوتی ہے اور اگر وہ میرے پیچھے نماز پڑھے تو وہ مکان سے باہر ہو جائے گی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تمہارے درمیان اور اس کے درمیان کپڑے کا ستر کر لو۔ پھر وہ تمہارے محاذات میں نماز پڑھے اگر تم چاہو (ب) امام ابو حنیفہ نے حماد سے اور انہوں نے ابراہیم سے خبر دی ہے کہ کہا جب عورت مرد کے پہلو میں نماز پڑھے اور دونوں ایک ہی نماز میں ہوں تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم اسی پر عمل کرتے ہیں یہ ابو حنیفہ کا قول ہے (ج) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں حضورؐ کے سامنے سوتی تھی اور میرے دونوں پاؤں قبلہ کی طرف ہوتے تھے۔ پس جب وہ سجدہ فرماتے تو مجھ کو ٹٹولتے تو میں دونوں پاؤں سکیڑ لیتی۔ پس جب آپ کھڑے ہوتے تو میں ان کو پھیلا دیتی۔

[۲۳۶] (۶۶) ولا بأس بان تخرج العجوز فی الفجر والمغرب والعشاء عند ابی حنیفة رحمہ اللہ وقال ابو یوسف و محمد یجوز خروج العجوز فی سائر الصلوة

النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بنی اسرائیل (الف)(مسلم شریف، باب خروج النساء الی المساجد اذا لم یترتب علیہ فتنۃ ص۱۸۳ نمبر۴۴۵/ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی خروج النساء الی المسجد ص۹۱ نمبر۵۶۹)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کی عورتوں کو حضور منع فرماتے تو آج کل کی عورتوں کو کیوں نہ روکا جائے (۳)عن عبد اللہ عن النبی ﷺ قال صلوة المرأة فی بیتها افضل من صلوتها فی حجرتها وصلوتها فی مخدعها افضل من صلوتها فی بیتها (ب)(ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی خروج النساء الی المسجد ص۹۱ نمبر۵۷۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں پڑھنا جائز ہے۔لیکن گھر میں پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔اور یہی مسجد میں جانے کے مکروہ ہونے کی دلیل ہے۔مسجد جانے کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن ابی هریرةؓ ان رسول اللہ ﷺ قال : لا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ ولکن لیخرجن وهن تفلات (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی خروج النساء الی المساجد ص۹۱، نمبر۵۶۵/مسلم شریف، باب خروج النساء الی المساجد اذا لم یترتب علیہ فتنۃ، ص۱۸۳، نمبر۴۴۲)

[۲۳۶](۶۶)کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ بوڑھی عورتیں فجر، مغرب اور عشا میں مسجد کے لئے نکلیں امام ابوحنیفہ کے نزدیک۔اور صاحبین نے فرمایا کہ تمام نمازوں میں بوڑھی عورتوں کا نکلنا جائز ہے۔

وجہ بوڑھی عورتوں میں رغبت کم ہوتی ہے اور خاص طور پر فجر، مغرب اور عشا میں شریر لوگ سوئے ہوتے ہیں اس لئے بوڑھیوں کے لئے جائز ہے کہ وہ مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے جائیں۔اور صاحبین فرماتے ہیں کہ بوڑھیوں میں رغبت کم ہونے کی وجہ سے تمام ہی نمازوں میں جاسکتی ہیں۔دلیل یہ حدیث ہے قال رسول اللہ ﷺ ایما امرأة اصابت بخورا فلا تشهد معنا العشاء الآخرة (ج)(مسلم شریف، باب خروج النساء الی المساجد ص۱۸۳ نمبر۴۴۴)اس سے معلوم ہوا کہ ایسی عورت جس میں رغبت ہو وہ مسجد میں حاضر نہ ہوں۔دوسرا اثر یہ ہے عن عبد اللہ ابن مسعود قال والذی لا الہ غیرہ ما صلت امرأة صلوة خیر لها من صلوة تصلیها فی بیتها الا ان یکون مسجد الحرام او مسجد الرسول ﷺ الا عجوزا فی منقلها (د)(سنن للبیهقی، باب خیر مساجد النساء قعر بیوتهن ج ثالث ص۱۸۸، نمبر۵۳۶۴)اس اثر سے معلوم ہوا کہ بوڑھی عورت وہ بھی بغیر عطر اور بھڑکیلے کپڑے کے مسجد میں جاسکتی ہے۔

فائدہ جن حضرات نے عورتوں کو مسجد جانے کی اجازت دی وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں عبد اللہ بن عمر قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لا تمنعوا نسائکم المساجد اذا استأذنکم الیها فقال بلال بن عبد اللہ واللہ لنمنعهن (ہ)

حاشیہ : (الف)اگر حضورؐ دیکھ لیتے جو آج کل عورتوں نے پیدا کیا ہے تو ان کو مسجدوں سے روک دیتے۔جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئیں (ب) آپؐ نے فرمایا عورت کی نماز گھر میں زیادہ بہتر ہے اس کی نماز سے جو کمرے میں ہو۔اور اس کی نماز چھوٹی سی کوٹھری میں ہو تو زیادہ بہتر ہے جو گھر میں ہو (ج) آپؐ نے فرمایا کوئی عورت عطر لگائے تو وہ ہمارے ساتھ عشا کی نماز میں نہ آئے (د) عبد اللہ ابن مسعودؓ نے فرمایا اللہ کی قسم نہیں پڑھی عورت نے کوئی بہتر نماز جو اس نے گھر میں پڑھی ہو۔مگر یہ کہ مسجد حرام میں یا مسجد رسولؐ میں پڑھی ہو۔مگر یہ کہ بوڑھی ہو جو بغیر نعل کے موزے میں آئی ہو (ہ) آپؐ نے فرمایا تم لوگ اپنی عورتوں کو (باقی اگلے صفحہ پر)

[۲۳۷](۶۷)ولا یصلی الطاھر خلف من بہ سلسل البول ولا الطاھرات خلف المستحاضۃ [۲۳۸](۶۸) ولا القارئ خلف الامی ولا المکتسی خلف العریان[۲۳۹] (۶۹) ویجوز ان یؤم المتیمم المتوضئین والماسح علی الخفین الغاسلین.

(مسلم شریف، باب خروج النساء الی المساجد ص۱۸۳ نمبر۴۴۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتیں مسجد میں جانا چاہیں تو اس کو منع نہیں کرنا چاہئے۔لیکن خود اس حدیث میں ہے کہ راوی کے بیٹے بلال نے فرمایا کہ میں تو روکونگا تاکہ وہ اس کو دھوکا کی چیز نہ بنالیں۔رات میں عورتیں جماعت میں حاضر ہوں ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال ائذنوا للنساء باللیل الی المساجد** (بخاری شریف، باب ھل علی من لا یشھد الجمعۃ غسل من النساء والصبیان ص۱۲۳، ابواب الجمعۃ نمبر۸۹۹)

[۲۳۷](۶۷) پاک آدمی اس کی اقتدا میں نماز نہ پڑھے جس کو سلسل البول ہے اور نہ پاک عورتیں مستحاضہ عورت کے پیچھے۔

وجہ قاعدہ ہے کہ امام اعلی درجہ کا ہو یا مقتدی سے برابر درجہ کا ہو یا امام مقتدی سے تھوڑا سا کم ہو تو اقتدا جائز ہے۔اور اگر امام مقتدی سے بہت کم درجہ کا ہو تو ایسے امام کی اقتدا جائز نہیں ہے۔اب اس اصول پر بہت سے مسائل متفرع ہیں۔اب سلسل البول والا جس کو مسلسل پیشاب آتا ہو پاک آدمی سے بہت کم درجہ کا ہے۔کیونکہ سلسل البول والا معذور ہے اور پاک معذور نہیں ہے۔اس لئے پاک آدمی کے لئے سلسل البول کی اقتدا کرنا جائز نہیں ہے (۲) **عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ الامام ضامن والمؤذن مؤتمن** (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء ان الامام ضامن والمؤذن مؤتمن ص۵۱ نمبر۲۰۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام ضامن ہے۔اس لئے ضامن کو مضبوط ہونا چاہئے اور اعلی درجہ کا ہونا چاہئے یا کم از کم برابر درجہ کا ہونا چاہئے۔اور سلسل البول یا مستحاضہ پاک آدمی سے نیچے درجے کے ہیں۔اس لئے اقتدا جائز نہیں ہے **اصول** (۱) امام ضامن ہے (۲) امام کو اعلی یا برابر درجہ کا ہونا چاہئے

[۲۳۸](۶۸) اور نہیں جائز ہے اقتدا پڑھنے والے کی امی کے پیچھے اور نہ کپڑے پہننے والے کی ننگے کے پیچھے۔

تشریح جو آدمی اتنا قرآن شریف جانتا ہے جس سے نماز جائز ہو سکے وہ ایسے آدمی کی اقتدا کرے جو کچھ بھی آیت قرآنی نہیں جانتا ہے تو اس کی اقتدا درست نہیں ہے۔کیونکہ امی معذور ہے اور قاری معذور نہیں ہے۔اس لئے اصل اور صحیح کی اقتدا معذور کے پیچھے جائز نہیں ہے۔اسی طرح جس کے پاس ستر ڈھکنے کا کپڑا ہے وہ ایسے آدمی کی اقتدا کرے جو بالکل ننگا ہے تو اس کی اقتدا درست نہیں ہے۔کیونکہ ننگا معذور ہے اور کپڑے والا صحیح اور اصل ہے۔

قاعدہ مسئلہ نمبر ۶۵ میں گزر چکا ہے کہ امام ضامن ہے۔

[۲۳۹](۶۹) جائز ہے کہ تیمّم کرنے والا وضو کرنے والے کی امامت کرے اور موزے پر مسح کرنے والا پاؤں کو دھونے والے کی امامت

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) مسجد میں آنے سے مت روکو اگر وہ تم سے اجازت چاہیں۔عبد اللہ کے بیٹے بلال نے کہا کہ ہم تو عورتوں کو مسجد میں جانے سے روکیں گے (الف) آپؐ نے فرمایا امام ضامن ہے اور مؤذن امانت دار ہے۔

[۲۴۰](۷۰) ویصلی القائم خلف القاعد.

کرے۔

وجہ (۱) تیمّم کرنے والا پانی نہ ہونے کے وقت وضو کرنے والے کے حکم میں ہے۔ اس لئے دونوں برابر درجے کے ہوگئے۔ اسی طرح موزے پر مسح کرنے والا پاؤں دھونے والے کی طرح ہے۔ اس لئے دونوں برابر درجے کے ہوگئے۔ اس لئے وضو کرنے والے تیمّم کرنے والے، اور پاؤں دھونے والے موزے پر مسح کرنے والے کی اقتدا کرسکتے ہیں (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے **عن عمرو بن العاص قال احتملت فی لیلة باردة فی غزوة ذات السلاسل فاشفقت ان اغتسل فاهلک فتیممت ثم صلیت باصحابی الصبح** (الف) (ابوداؤد شریف، باب اذا خاف الجنب البرد أیتیمم ص ۵۴ نمبر ۳۳۴ ر بخاری شریف، باب اذا خاف الجنب علی نفسه المرض او الموت ص ۴۹ نمبر ۳۴۵) اس حدیث میں حضرت عمرو نے جنابت کا تیمّم کرکے ساتھیوں کو نماز پڑھائی ہے۔ جب کہ ساتھی وضو اور غسل والے تھے۔ اور آپؐ نے اس پر کچھ نہیں کہا جس کا مطلب یہ ہے کہ تیمّم کرنے والے کے پیچھے وضو کرنے والوں کی اقتدا درست ہے۔ موزے پر مسح کرکے تو آپؐ نے بار بار وضو کرنے والوں کی امامت کرائی ہے۔ اس لئے یہ مسئلہ تو عام ہے۔

[۲۴۰](۷۰) کھڑا ہونے والا بیٹھنے والے کے پیچھے نماز پڑھے گا۔

تشریح امام کو کوئی عذر ہو جس سے وہ بیٹھ کر نماز پڑھا رہا ہو اور مقتدی کو کوئی عذر نہ ہو اس لئے وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھ رہا ہو تو بیٹھنے والے امام کی اقتدا کرنا جائز ہے۔ کیونکہ بیٹھنے والا تقریبا کھڑا ہونے والے کے قریب قریب ہے۔ لیکن مقتدی بیٹھنے والے امام کے پیچھے بیٹھے گا نہیں بلکہ کھڑا رہے گا۔

وجہ حدیث میں ہے۔ یہ ایک لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے **دخلت علی عائشة فقلت الا تحدثینی عن مرض رسول الله ﷺ ... فجعل ابو بکر یصلی وهو قائم بصلوة النبی ﷺ والناس بصلوة ابی بکر والنبی قاعد** (ب) (بخاری شریف، باب انما جعل الامام لیوتم بہ ص ۹۵ نمبر ۶۸۷) مسلم شریف اور ابن ماجہ شریف کی حدیث میں تصریح ہے **وقام ابو بکر وکان ابو بکر یأتم بالنبی ﷺ والناس یأتمون بابی بکر قال ابن عباس واخذ رسول الله ﷺ من القراءة من حیث کان بلغ ابو بکر** (ج) (ابن ماجہ شریف، باب ما جاء فی صلوة رسول الله ﷺ فی مرضه ص ۱۷۴، نمبر ۱۲۳۵ ر مسلم شریف، باب استخلاف الامام اذا عرض له عذر الخ ص ۱۷۸ نمبر ۴۱۸) ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ بیٹھنے والے امام کے پیچھے مقتدی کھڑے ہو کر نماز پڑھیں گے۔ چنانچہ امام بخاری نے فیصلہ دیا ہے کہ **ثم صلی بعد ذلک النبی ﷺ جالسا والناس خلفه قیام لم یأمر هم بالقعود وانما یوخذ بالآخر فالآخر**

حاشیہ : (الف) عمرو بن عاص فرماتے ہیں غزوۂ سلاسل میں ایک ٹھنڈی رات میں احتلام والا ہو گیا تو میں ڈرا کہ اگر میں غسل کروں گا تو ہلاک ہو جاؤں گا تو میں نے تیمّم کیا اور ساتھیوں کو صبح کی نماز پڑھائی (ب) راوی کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہؓ کے پاس آیا اور کہا کہ کیا حضورؐ کے مرض کے بارے میں بیان نہیں کریں گے؟ ... تو ابوبکر نماز پڑھا رہے تھے۔ وہ حضور کی اقتدا کرتے تھے اور لوگ ابوبکر کی اقتدا کرتے تھے۔ اور حضورؐ بیٹھے ہوئے تھے (ج) ابوبکر کھڑے تھے اور ابوبکر حضور کی اقتدا کرتے تھے اور لوگ ابوبکر کی۔ ابن عباسؓ نے کہا حضورؐ نے وہاں سے قرأت شروع کی جہاں ابوبکر پہنچے۔

[۲۴۱](۷۱) ولا يصلی الذی يركع و يسجد خلف المؤمی[۲۴۲](۷۲)ولا يصلی المفترض خلف المتنفل.

من فعل النبی ﷺ (الف) (بخاری شریف، باب انما جعل الامام لیوتم بہ ص ۹۶ نمبر ۶۸۹) اس سے بھی معلوم ہوا کہ بخاریؒ فرماتے ہیں مقتدی کھڑے ہوکر نماز پڑھیں گے۔ کیونکہ قیام فرض ہے بغیر عذر کے ساقط نہیں ہوتا۔

فائدہ بعض حضرات کی رائے ہے کہ امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو مقتدی کو بھی بیٹھ کر نماز پڑھنی چاہئے۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن عائشة ام المؤمنين انها قالت رسول الله صلى الله عليه وسلم في بيته وهو شاک فصلى جالسا وصلى ورائه قوم قياما فاشار اليهم ان اجلسوا فلما انصرف قال انما جعل الامام ليؤتم به فاذا ركع فاركعوا واذا رفع فارفعوا واذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا ربنا ولک الحمد واذا صلى جالسا فصلوا جلوسا اجمعون** (ب) (بخاری شریف، باب انما جعل الامام لیوتم بہ ص ۹۵ نمبر ۶۸۹ /ابوداؤد شریف، باب الامام یصلی من قعود ص ۹۶ نمبر ۶۰۱) اس حدیث میں آپؐ نے بیٹھے ہوئے امام کے پیچھے بیٹھنے کا حکم دیا ہے۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ خود بخاریؒ فرماتے ہیں کہ پہلا عمل منسوخ ہے۔

[۲۴۱] (۷۱) جو آدمی رکوع اور سجدہ کرتا ہو وہ اشارہ کرنے والے کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔

تشریح جو آدمی عذر کی بنا پر اشارہ کر کے نماز پڑھتا ہو، رکوع اور سجدہ نہ کر سکتا ہو وہ معذور ہے۔اس لئے اس کے پیچھے رکوع سجدہ کرنے والا جو گویا کہ تندرست ہے کا اقتدا کرنا صحیح نہیں ہے۔ دلیل مسئلہ نمبر ۶۷ میں گزر گئی ہے۔

[۲۴۲] (۷۲) فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔

وجہ پہلے مسئلہ نمبر ۶۷ میں گزر چکا ہے کہ امام ضامن ہے اس لئے اس کو اعلی درجہ کا ہونا چاہئے۔ یا کم سے کم برابر درجہ کا ہونا چاہئے۔اور فرض پڑھنے والا اعلی ہے اور نفل پڑھنے والا ادنی ہے اس لئے فرض پڑھنے والے کو نفل پڑھنے والے کی اقتدا کرنا درست نہیں ہے (۲) اس حدیث سے بھی اس کا اشارہ ملتا ہے **عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال انما جعل الامام ليوتم به فلاتختلفوا عليه** (ج) (مسلم شریف، باب ائتمام الماموم بالامام ص ۱۷۷ نمبر ۴۱۴) اس حدیث میں ہے کہ امام اقتدا کرنے کے لئے ہے اس لئے اس سے اختلاف نہ کرو۔ اور یہاں اعلی کا ادنی درجہ سے اختلاف ہو جاتا ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک فرض پڑھنے والا کا نفل پڑھنے والی کی اقتدا کرنا جائز ہے۔

حاشیہ : (الف) پھر حضورؐ نے اس کے بعد بیٹھ کر نماز پڑھی اور لوگ ان کے پیچھے کھڑے تھے۔ان کو بیٹھنے کا حکم نہیں دیا۔ آپ کے فعل کا اخیر معاملہ لیا جائے گا (ب) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضورؐ اپنے گھر میں بیمار تھے۔ پس بیٹھ کر نماز پڑھی اور ان کے پیچھے قوم نے کھڑے ہوکر نماز پڑھی۔ تو آپؐ نے ان کی طرف اشارہ کیا کہ بیٹھ جاؤ۔ پس جب فارغ ہوئے تو آپؐ نے فرمایا کہ امام اس لئے بنایا گیا تا کہ اس کی اقتدا کی جائے۔ پس جب وہ رکوع کرے تو رکوع کرو۔ جب سر اٹھائے تو تم سر اٹھاؤ۔ اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو ربنا ولک الحمد کہو۔ اور جب بیٹھ کر نماز پڑھائے تو بیٹھ کر نماز پڑھو (ج) آپؐ نے فرمایا امام اس لئے بنایا گیا ہے تا کہ اس کی اقتدا کی جائے۔ اس لئے اس کے خلاف نہ کرو۔

[۲۴۳] (۷۳) ولا یصلی فرضا خلف من یصلی فرضا آخر [۲۴۴] (۷۴) ویصلی المتنفل

وجہ ان کے نزدیک امامت کا مطلب ضامن ہونا نہیں ہے بلکہ ایک جگہ مل کر نماز پڑھ لینا ہے۔اس لئے فرض اور نفل کے اختلاف سے فرق نہیں پڑتا (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے **ان معاذبن جبل کان یصلی مع رسول اللہ العشاء ثم یاتی قومه فیصلی بھم تلک الصلوۃ** (الف) (ابوداؤد شریف، باب امامة من صلی بقوم وقد صلی تلک الصلوۃ ص ۹۵ نمبر ۵۹۹) **ان معاذا کا یصلی مع النبی ﷺ العشاء ثم ینصرف الی قومه فیصلی بھم ھی له تطوع ولھم فریضة** (دارقطنی، باب ذکر صلوۃ المفترض خلف المتنفل ج اول ص ۲۸۱ نمبر ۱۰۶۳) اس حدیث میں ہے کہ حضرت معاذؓ حضورؐ کے ساتھ عشا کی نماز پڑھ کر آتے تھے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ فرض پڑھ کر آتے تھے اور قوم کو جب پڑھاتے تو نفل کی نیت کر کے پڑھاتے تھے۔اور خود قوم کی نماز فرض ہوتی تھی۔اس سے پتہ چلا کہ فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔جواب یہ ہے کہ حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ حضرت معاذؓ حضورؐ کے ساتھ فرض کی نیت کر کے عشا کی نماز پڑھتے تھے اور قوم کو نفل کی نیت کر کے پڑھاتے تھے۔بلکہ ایسا بہت ممکن ہے کہ حضورؐ کے ساتھ برکت کے لئے نفل کی نیت کر کے پڑھتے ہوں اور قوم کو فرض کی نیت کر کے پڑھاتے ہوں۔

[۲۴۳] (۷۳) اور نہیں جائز ہے اقتدا کرنا اس کی جو نماز پڑھتا ہو فرض، اس کے پیچھے جو دوسرے فرض پڑھتا ہو۔

تشریح کوئی آدمی مثلا ظہر کا فرض پڑھ رہا ہے وہ ایسے آدمی کی اقتدا نہیں کر سکتا جو عصر کا فرض پڑھ رہا ہے۔

وجہ پہلے گزر چکا ہے کہ امام ضامن ہوتا ہے۔اس لئے دونوں کی نیت متحد ہونی چاہئے (۲) اسی طرح مسئلہ نمبر ۲۷ میں حدیث گزری **فلا تختلفوا علیه** کہ امام اور مقتدی کے درمیان اختلاف نہیں ہونا چاہئے۔نماز کا اتحاد ضروری ہے۔اس لئے ایک فرض پڑھنے والا دوسرے فرض پڑھنے والے کی اقتدا نہیں کر سکتا۔تفصیلی دلائل گزر چکے ہیں۔

[۲۴۴] (۷۴) نماز پڑھ سکتا ہے نفل پڑھنے والا فرض پڑھنے والے پیچھے۔

وجہ (۱) فرض پڑھنے والا اعلی درجہ کا ہوتا ہے اور نفل پڑھنے والا ادنی درجہ کا، اس لئے نفل پڑھنے والا فرض پڑھنے والے کی اقتدا کر سکتا ہے (۲) حدیث میں ہے **عن جابر بن یزید انه صلی مع رسول اللہ ﷺ وھو غلام شاب فلما صلی اذا رجلان لم یصلیا فی ناحیة المسجد فدعا بھما فجیئ بھما ترعد فرائصھما فقال ما منعکما ان تصلیا معنا؟ قالا قد صلینا فی رحالنا قال لا تفعلوا اذا صلی احدکم فی رحله ثم ادرک الامام ولم یصل فلیصل معه فانھا له نافلة** (ب) (ابوداؤد شریف، باب

حاشیہ : (الف) حضرت معاذ بن جبلؓ حضورؐ کے ساتھ عشا کی نماز پڑھتے پھر اپنی قوم کے پاس آتے پھر ان کو وہی نماز پڑھاتے (ب) جابر بن یزید سے روایت ہے کہ انہوں نے حضورؐ کے ساتھ نماز پڑھی، حضرت جابرؓ جوان تھے۔جب نماز پوری ہوگئی تو دو آدمی مسجد کے کنارے میں تھے۔جنہوں نے نماز نہیں پڑھی تھی۔دونوں کو بلایا۔دونوں لائے گئے اس حال میں کہ دونوں کے مونڈھے کانپ رہے تھے۔آپؐ نے فرمایا کہ ہمارے ساتھ نماز پڑھنے سے تم دونوں کو کس نے روکا؟ دونوں نے کہا کہ ہم نے اپنے کجاوے میں نماز پڑھ لی ہے۔آپؐ نے فرمایا ایسا مت کرو۔جب تم میں سے کوئی ایک کجاوے میں نماز پڑھ لے پھر امام کو پائے کہ انہوں نے نماز نہیں پڑھی ہے تو ان کے ساتھ نماز پڑھ لے، یہ نفل ہو جائے گی۔

خلف المفترض[۲۴۵] (۷۵)ومن اقتدی بامام ثم علم انه علی غیر طھارۃ اعاد الصلوۃ

فیمن صلی فی منزلہ ثم ادرک الجماعۃ یصلی معھم ص۹۲ نمبر ۵۷۵ر ترمذی شریف، باب ما جاء فی الرجل یصلی وحدہ ثم یدرک الجماعۃ ص۵۲ نمبر ۲۱۹) اس حدیث میں آپؐ نے ترغیب دیدی کہ اگر تم نے پہلے فرض پڑھ لیا ہے پھر بھی اگر فرض کی جماعت ہو رہی ہو تو دوبارہ ان کے ساتھ شریک ہو جاؤ۔ تاکہ یہ تمہارے لئے نفل ہو جائے۔ تو معلوم ہوا کہ نفل پڑھنے والا فرض پڑھنے والے کی اقتدا کر سکتا ہے۔

نوٹ حنفیہ کے نزدیک فجر، عصر، مغرب میں فرض پڑھ چکا ہو تو دوبارہ نفل کی نیت کر کے اقتدا نہیں کرے گا۔ کیونکہ فجر اور عصر کے بعد کوئی نفل نہیں ہے۔ اور مغرب کے بعد نفل ہے لیکن تین رکعت نفل نہیں ہے۔ اور مغرب کے فرض والوں کی اقتدا کرے گا تو تین رکعت نفل پڑھنا ہوگا۔ اس لئے ان میں فرض پڑھنے والوں کی اقتدا نہ کرے۔ البتہ ظہر اور عشا کی نماز پڑھ چکا ہو پھر فرض کی جماعت ہو رہی ہو تو دوبارہ نفل کی نیت کر کے فرض والوں کی اقتدا کر سکتا ہے۔ (۱) اس کی دلیل یہ اثر ہے **ان عبد اللہ بن عمر کان یقول من صلی المغرب او الصبح ثم ادرکھما مع الامام فلا یعد لھما** (الف) (مؤطا امام مالک، باب العمل فی صلوۃ الجماعۃ، کتاب الصلوۃ ص ۱۱۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مغرب اور صبح کی نماز پڑھ چکا ہو تو دوبارہ اس کی جماعت میں شامل نہیں ہوگا (۲) **عن ابن عباس ان النبی ﷺ نھی عن الصلوۃ بعد الصبح حتی تشرق الشمس و بعد العصر حتی تغرب** (ب) (بخاری شریف، باب الصلوۃ بعد الفجر حتی ترتفع الشمس ص ۸۲ نمبر ۵۸۱) اس سے بھی معلوم ہوا کہ صبح اور عصر کے فرض پڑھنے کے بعد ان کی جماعت ہوتی ہو تو ان میں نفل کی نیت کر کے شریک نہ ہو۔

[۲۴۵] (۷۵) اگر کسی نے امام کی اقتدا کی پھر علم ہوا کہ وہ طہارت پر نہیں تھا تو مقتدی بھی نماز لوٹائیں۔

تشریح امام نے جنابت کی حالت میں یا بغیر وضو کے نماز پڑھا دی تو امام کو بھی نماز لوٹانا ہوگی۔ کیونکہ اس نے بغیر طہارت کے نماز پڑھائی۔ لیکن ساتھ مقتدی کو بھی نماز دہرانی ہوگی۔

وجہ (۱) کیونکہ مقتدی کی نماز امام کے ساتھ اصلاح اور فساد میں متضمن ہے جیسا کہ پہلے قاعدہ اور دلائل کے ساتھ گزر چکا ہے۔ اس لئے امام کی نماز فاسد ہونے کی وجہ سے مقتدی کی نماز بھی فاسد ہوگی۔ اور قابل اعادہ ہوگی (۲) حدیث میں ہے **عن ابی ھریرۃ قال اقیمت الصلوۃ فسوی الناس صفوفھم فخرج رسول اللہ ﷺ فتقدم وھو جنب ثم قال علی مکانکم فرجع فاغتسل ثم خرج ورأسہ یقطر ماء فصلی بھم** (ج) (بخاری شریف، باب اذا قال الامام مکانکم حتی یرجع انتظروہ، ص ۸۹ نمبر ۶۴۰) اس حدیث سے اتنا معلوم ہوا کہ امام اگر جنبی ہو تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔ اور دوسرے اثر میں ہے **عن علی انہ صلی بالقوم وھو جنب فاعاد ثم امرھم فاعادوا** (د) (سنن للبیھقی، باب امامۃ الجنب ج ثانی ص ۵۶۰، نمبر ۴۰۷۸ر دار قطنی، باب صلوۃ الامام وھو جنب او محدث ج اول

حاشیہ : (الف) عبداللہ بن عمر فرمایا کرتے تھے کہ جس نے مغرب یا صبح کی نماز پڑھی پھر دونوں نمازوں کو امام کے ساتھ پایا تو اس کو نہ لوٹائے (ب) آپؐ نے نماز سے روکا صبح کے بعد یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے اور عصر کے بعد یہاں تک کہ غروب ہو جائے (ج) ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ نماز کھڑی ہوگئی اور لوگوں نے صف کو سیدھی کی تو حضورؐ نکلے اس حال میں کہ وہ جنبی تھے۔ پھر آپؐ نے فرمایا اپنی جگہ پر رہیں۔ پھر واپس گئے پھر غسل کیا پھر نکلے اس حال میں کہ سر سے پانی ٹپک رہا تھا۔ پھر ان کو نماز پڑھائی (د) حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے جنبی ہونے کی حالت میں قوم کو نماز پڑھائی تو خود انہوں نے نماز لوٹائی اور قوم کو (باقی اگلے صفحہ پر)

[۲۴۶] (۷۶)ویکرہ للمصلی ان یعبث بثوبہ او بجسدہ[۲۴۷](۷۷)ولا یقلب الحصی

ص۳۵۴نمبر۱۳۵۵)عن سعید بن مسیب ان رسول اللہ ﷺ صلی بالناس وھو جنب فاعاد واعادوا (الف)(دار قطنی، باب صلوۃ الامام وھو جنب اومحدث ج اول ص ۳۵۴ نمبر ۱۳۵۴)اس اثر اور حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ مقتدی بھی نماز لوٹائیں گے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مقتدی پاک ہیں اس لئے ان کی نماز پوری ہوگئی۔صرف امام کو نماز لوٹانا ہوگی۔کیونکہ اس نے بغیر طہارت کے نماز پڑھائی ہے۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن النبی ﷺ ایما امام سھی فصلی بالقوم وھو جنب فقد مضت صلوتھم ثم لیغتسل ھو ثم لیعد صلوتہ وان صلی بغیر وضوء فمثل ذلک (ب)(دار قطنی، باب صلوا الامام وھو جنب او محدث ص۳۵۴ نمبر ۱۳۵۳)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مقتدی طہارت پر ہیں اس لئے ان کی نماز ہو جائے گی اور امام کو نماز لوٹانا ہوگی (۲) امام شافعیؒ کے نزدیک جماعت کا مطلب یہ ہے کہ سب ایک ساتھ نماز پڑھ رہے ہیں۔لیکن امام مقتدیوں کا مکمل ذمہ دار نہیں ہے۔اس لئے امام کے فساد سے مقتدیوں کی نماز کا فساد لازم نہیں آئیگا۔

﴿ مکروہات کا بیان ﴾

[۲۴۶] (۷۶) مکروہ ہے نماز پڑھنے والے کے لئے کہ وہ اپنے کپڑے یا اپنے جسم سے کھیلے۔

وجہ (۱) نماز میں خشوع وخضوع ہونا چاہئے۔آیت میں ہے قوموا للہ قانتین نماز میں عاجزی سے اور ادب سے اللہ کے سامنے کھڑے رہو۔ اس لئے جسم اور کپڑے سے کھیلنا مکروہ ہے (۲) حدیث میں بھی ہے عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال امرت ان اسجد علی سبعۃ اعظم لا اکف شعرا ولا ثوبا (ج)(بخاری شریف، باب لا یکف ثوبہ فی الصلوۃ ص۱۱۳ نمبر ۸۱۶ر مسلم شریف، باب اعضاء السجود والنھی عن کف الشعر والثوب ص۱۹۳ نمبر ۴۹۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کپڑے کو بلا وجہ بار بار سمیٹنا مکروہ ہے تو اس سے کھیلنا بھی مکروہ ہوگا (۳) حدیث میں ہے قال ابو ذر قال رسول اللہ ﷺ لا یزال اللہ عز وجل مقبلا علی العبد وھو فی صلوتہ مالم یلتفت فاذا التفت انصرف عنہ (د)(ابو داؤد شریف، باب الالتفات فی الصلوۃ ص۱۳۸ نمبر ۹۰۹) کھیلنے میں نماز سے دوسری طرف متوجہ ہونا ہوتا ہے اس لئے مکروہ ہے۔اس سے نماز تو فاسد نہیں ہوگی البتہ اچھا نہیں ہے۔

[۲۴۷] (۷۷) کنکری کو الٹ پلٹ نہ کرے مگر یہ کہ اس پر سجدہ کرنا ممکن نہ ہو تو ایک مرتبہ کنکری کو برابر کر دے۔

وجہ (۱) کنکری کو بار بار ادھر ادھر کرنا کھیلنا ہے۔جس کو مسئلہ نمبر ۳۷ میں منع کیا گیا ہے (۲) حدیث میں ہے عن معیقیب قال سألت

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) بھی حکم دیا کہ وہ نماز لوٹائیں (الف) آپؐ نے جنابت کی حالت میں لوگوں کو نماز پڑھائی تو آپ نے بھی نماز لوٹائی اور لوگوں نے بھی نماز لوٹائی (ب) آپؐ سے روایت ہے کہ جو امام بھی بھول گیا اور قوم کو جنابت کی حالت میں نماز پڑھائی تو قوم کی نماز ہا گئی پھر امام کو غسل کرنا چاہئے پھر اپنی نماز لوٹانا چاہئے۔اور اگر بغیر وضو کے نماز پڑھائی تو اس کا حکم بھی اسی کے مثل ہے (ج) آپ نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سات عضو پر سجدہ کروں اور نہ بال کو سمیٹوں نہ کپڑے کو سمیٹوں (د) آپ نے فرمایا کہ اللہ ہمیشہ متوجہ رہتے ہیں بندے پر جب تک وہ نماز میں ہوتے ہیں۔اور ادھر ادھر متوجہ نہیں ہوتے۔پھر جب ادھر ادھر توجہ کرتا ہے تو اللہ بھی رحمت کی توجہ پھیر لیتے ہیں۔

الا ان لا يمكنه السجود عليه فيسويه مرة واحدة [٢٤٨](٧٨)ولا يفرقع اصابعة ولا يتخصر [٢٤٩](٧٩)ولا يسدل ثوبه [٢٥٠](٨٠)ولا يعقص شعره.

رسول الله عن مسح الحصى فى الصلوة فقال ان كنت لا بد فاعلا فمرة واحدة . و فى حديث آخر عن ابى ذر عن النبى ﷺ قال اذا قام احدكم الى الصلوة فلا يمسح الحصى فان الرحمة تواجهه (الف)(ترمذی شریف، باب ما جاء فی کراهیة مسح الحصى فی الصلوة ص ۸۷ نمبر ۳۷۹/ابوداؤد شریف، باب مسح فی مسح الحصى فی الصلوة ص ۱۴۳ نمبر ۹۴۶/۹۴۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کنکری کو بار بار ہٹانا مکروہ ہے۔البتہ ضرورت پڑے اور کنکری پر سجدہ کرنا ناممکن ہو تو نماز میں ایک بار اس کو درست کر لے۔

[۲۴۸](۷۸)نہ انگلیاں چٹخائے اور نہ کوکھے پر ہاتھ رکھے۔

تشریح انگلیاں چٹخانا جس کی وجہ سے انگلیوں سے آواز نکلتی ہے نماز میں مکروہ ہے۔اسی طرح نماز میں کوکھے پر ہاتھ رکھنا یا کمر پر ہاتھ رکھنا مکروہ ہے۔

وجہ عن علی ان رسول الله ﷺ قال لا تفقع اصابعک وانت فی الصلوة (ب)(ابن ماجہ شریف، باب ما یکرہ فی الصلوۃ ص ۱۳۶، نمبر ۹۶۴/سنن للبیھقی ، باب کراہیۃ تفقیع الاصابع فی الصلوۃ ج ثانی ص ۴۱۰، نمبر ۳۵۷۴)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں انگلیاں چٹخانا مکروہ ہے۔کوکھ پر یا کوکھے پر ہاتھ رکھنا مکروہ ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابی هريرة عن النبی ﷺ انه نهى ان يصلى الرجل مختصرا (ج)(مسلم شریف، باب کراہیۃ الاختصار فی الصلوۃ ص ۲۰۶ نمبر ۵۴۵/ابوداؤد شریف، باب التخصر والاقعاء ص ۱۳۷ نمبر ۹۰۳)

[۲۴۹](۷۹)نہ کپڑا لٹکائے۔

تشریح کندھے پر کپڑا ڈال کر دونوں کناروں کو لٹکا ہوا چھوڑ دینا سدل ہے اور یہ مکروہ ہے۔

وجہ حدیث میں ہے عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ نهى عن السدل فى الصلوة وان يغطى الرجل فاه (د)(ابوداؤد شریف، باب ما جاء فی السدل فی الصلوۃ ص ۱۰۱ نمبر ۶۴۳/ترمذی شریف، باب ما جاء فی کراہیۃ السدل فی الصلوۃ ص ۸۷ نمبر ۳۷۸)

نوٹ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ایک ہی کپڑا جسم پر ہے اور اس طرح لٹکا ہوا ہو تو چونکہ ستر کھلنے کا خطرہ ہے اس لئے مکروہ ہے۔اور اگر ازار یا قمیص ہے اور اس پر سدل کر دیا تو مکروہ نہیں (کما قال فی الترمذی فی الباب المذکور) ورنہ تو یہود کا طرز یہی تھا۔اس کے ساتھ تشابہ کی وجہ سے مکروہ ہے۔

[۲۵۰](۸۰)اور بالوں کو نہ گوندھے۔

حاشیہ : (الف)میں نے حضورؐ سے نماز میں کنکری پونچھنے کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا اگر ضروری ہو تو ایک مرتبہ ٹھیک کر لو،دوسری حدیث میں آپؐ نے فرمایا تم میں سے کوئی ایک نماز کے لئے کھڑا ہو تو کنکری نہ پونچھے۔اس لئے کہ رحمت اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے(ب) آپؐ نے فرمایا انگلیاں مت چٹخاؤ جب کہ تم نماز میں ہو(ج) آپؐ نے روکا کہ آدمی کوکھ پر ہاتھ رکھ کر نماز پڑھے(د) آپؐ نے روکا نماز میں کپڑا لٹکانے سے اور یہ کہ آدمی اپنے منہ کو نماز میں ڈھانکے۔

[۲۵۱] (۸۱)ولا یکف ثوبہ[۲۵۲] (۸۲)ولا یلتفت یمینا و شمالا[۲۵۳] (۸۳)ولا

تشریح عورتوں کی طرح بال گوندھ کر سر پر لپیٹ لے یہ مکروہ ہے۔کیونکہ عورت کی مشابہت ہے۔

وجہ حدیث میں ہے **انہ رأی ابا رافع مولی النبی ﷺ ... انی سمعت رسول اللہ ذلک کفل الشیطان یعنی مغرز ضفرہ** (الف)(ابوداؤد شریف، باب الرجل یصلی عاقصا شعرہ ص ۱۰۱ نمبر ۶۴۶)اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کی طرح مرد کے لئے بال کا جوڑا بنا کر سر پر گھما کر باندھنا مکروہ ہے۔

[۲۵۱] (۸۱) کپڑا نہ سمیٹے۔

تشریح بار بار کپڑا سمیٹنا مکروہ ہے۔

وجہ حدیث میں ہے **عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال امرت ان اسجد علی سبعۃ لا اکف شعرا ولا ثوبا** (ب)(بخاری شریف، باب لا یکف ثوبہ فی الصلوۃ ص ۱۱۳ نمبر ۸۱۶/مسلم شریف، باب اعضاء السجود والنھی عن کف الشعر والثوب وعقص الرأس فی الصلوۃ ص ۱۹۳ نمبر ۴۹۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بار بار کپڑا اسمیٹنا مکروہ ہے۔

[۲۵۲] (۸۲) نماز میں دائیں بائیں جانب متوجہ نہ ہو۔

تشریح اگر صرف نظریں پھرائیں تو مکروہ ہے۔اور چہرہ پھرایا تو مکروہ تحریمی ہے۔اور سینہ بھی پھر گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

وجہ حدیث میں ہے **عن عائشۃ قالت سألت رسول اللہ ﷺ عن الالتفات فی الصلوۃ فقال ھو اختلاس یختلسہ الشیطان من صلوۃ العبد** (ج)(بخاری شریف، باب الالتفات فی الصلوۃ ص ۱۰۴ نمبر ۷۵۱/ابوداؤد شریف، باب الالتفات فی الصلوۃ ص ۱۳۸ نمبر ۹۱۰)اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں ادھر ادھر دیکنا مکروہ ہے۔البتہ بہت ضرورت کے موقع پر نظر پھیرنے کی گنجائش ہے۔اس کی دلیل یہ حدیث ہے **قال سھل التفت ابو بکر فرأی النبی ﷺ وفی حدیث آخر عن ابن عمر انہ قال رأی رسول اللہ ﷺ نخامۃ فی قبلۃ المسجد و ھو یصلی بین یدی الناس فحتھا** (د)(بخاری شریف، باب ھل یلتفت لامر ینزل بہ ص ۱۰۴ نمبر ۷۵۳/ابوداؤد شریف، باب الرخصۃ (النظر فی الصلوۃ) ص ۱۳۹ نمبر ۹۱۶)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے موقع پر نظریں پھرا کر دیکھنے کی کراہیت نہیں ہے۔پھر بھی خشوع وخضوع میں خلل آ سکتا ہے اس لئے بلا ضرورت نہیں دیکھنا چاہئے۔

[۲۵۳] (۸۳) کتے کی طرح نہ بیٹھے۔

حاشیہ : (الف)حضورؐ کے آزاد کردہ غلام ابو رافع نے حسن بن علی کو دیکھا کہ وہ مینڈھیا بنائے ہوئے تھے...فرمایا میں نے حضورؐ سے سنا ہے کہ یہ شیطان کا حصہ ہے یعنی بال گوندھ کر مینڈھیاں بنانا(ب) آپؐ نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سات اعضاء پر سجدہ کروں اور بال کو نہ سمیٹوں اور کپڑے کو نہ سمیٹوں (ج) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حضورؐ سے نماز میں ادھر ادھر متوجہ ہونے کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ جھپٹنا ہے کہ شیطان بندہ کی نماز سے جھپٹ لیتا ہے (د) حضورؐ کے مرض وفات کے موقع پر ابو بکرؓ کے نماز پڑھانے کی لمبی حدیث اس میں سہل کی یہ عبارت ہے کہ ابو بکرؓ متوجہ ہوئے اور حضور کو دیکھا۔دوسری حدیث میں ابن عمر نے فرمایا کہ حضورؐ نے مسجد کی قبلہ کی جانب رینٹ دیکھا اس حال میں کہ آپؐ لوگوں کے سامنے نماز پڑھ رہے تھے۔پھر آپؐ نے اس کو کھرچا۔

یقعی کاقعاء الکلب[۲۵۴] (۸۴)ولا یرد السلام بلسانه و یده.

تشریح سرین زمین پر رکھ دے اور دونوں گھٹنے سینے سے لگائے اور دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک دے۔ اس انداز سے کتا عموما بیٹھتا ہے اس لئے نماز میں اس انداز سے بیٹھنا مکروہ ہے۔

وجہ **عن سمرة بن جندب قال نهی رسول الله عن الاقعاء فی الصلوة** (الف) (سنن للبیہقی، باب الاقعاء المکرّوہ فی الصلوۃ ج ثانی ص ۱۷۳، نمبر ۲۷۳۹) اس سے معلوم ہوا کہ کتے کی طرح بیٹھنا مکروہ ہے۔ حضرت وبوعبید نے بیہقی، نمبر ۲۷۴۳ کے اسی باب میں یہی تفسیر کی ہے۔

نوٹ سجدوں کے درمیان دونوں ایڑیوں کو کھڑی کر کے اس پر سرین رکھ کر بیٹھنے کی گنجائش ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے **سمع طاؤسا یقول قلنا لابن عباس فی الاقعاء علی القدمین فقال هی السنة فقلنا له انا لنراه جفاء بالرجل فقال ابن عباس بل هی سنة نبیک ﷺ** (ب) (مسلم شریف، باب جواز الاقعاء علی العقبین ص ۲۰۲ نمبر ۵۳۶ / سنن للبیہقی، باب القعود علی العقبین بین السجدتین ج ثانی ص ۱۷۱، نمبر ۲۷۳۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایڑیوں پر بیٹھنے کی گنجائش ہے۔

لغت الاقعاء: کتے کی طرح بیٹھنا۔

[۲۵۴] (۸۴) سلام کا جواب زبان سے بھی نہ دے اور ہاتھ کے اشارے سے بھی نہ دے۔

وجہ حدیث میں دونوں طرف کے جواب دینے سے منع فرمایا ہے **عن زید ابن ارقم قال کنا نتکلم فی الصلوة یکلم الرجل صاحبه وهو الی جنبه فی الصلوة حتی نزلت و قوموا لله قانتین فامرنا بالسکوت ونهینا عن الکلام** (ج) (مسلم شریف، باب تحریم الکلام فی الصلوۃ ونسخ ما کان من اباحتہ ص ۲۰۴ نمبر ۵۳۹ / ابا داؤد شریف، باب النہی عن الکلام فی الصلوۃ ص ۱۴۴ / ترمذی شریف، باب فی نسخ الکلام فی الصلوۃ ص ۹۲، نمبر ۴۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں زبان سے کلام کرنا جائز نہیں ہے۔ حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ کہ بھول سے بھی کلام کلام کرے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک بھول کر یا نماز کی اصلاح کے لئے کلام کرے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ ان کی دلیل یہ لمبی حدیث ہے جس کا ایک ٹکڑا یہاں نقل کرتا ہوں۔ **عن عبد الله قال صلی رسول الله ﷺ فزاد او نقص قال ابراهیم الوهم منی فقیل یا رسول الله انه ازید فی الصلوة شیء ؟ فقال انما انا بشر مثلکم انسی کما تنسون فاذا نسی احدکم فلیسجد سجدتین وهو جالس ثم تحول رسول الله فسجد سجدتین** (ج) (مسلم شریف، فصل من صلی خمسا اونحوہ فلیسجد سجدتین وکلام الناس للصلوۃ والذی

حاشیہ: (الف) آپؐ نے نماز میں کتے کی طرح بیٹھنے سے روکا (ب) حضرت طاؤس فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عباس سے دونوں قدموں پر بیٹھنے کے بارے میں پوچھا۔ فرمایا وہ نبی کی سنت ہے۔ میں نے کہا کہ ہم لوگ پاؤں پر بوجھ محسوس کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا بلکہ وہ تیرے نبی کی سنت ہے (ج) زید بن ارقم فرماتے ہیں کہ ہم نماز میں بات کیا کرتے تھے۔ آدمی اپنے ساتھی سے بات کرتا اس حال میں کہ وہ نماز میں اس کے پہلو میں ہوتا یہاں تک کہ قوموا للہ قانتین آیت نازل ہوئی تو ہم کو چپ رہنے کا حکم دیا۔ اور بات کرنے سے روک دیا گیا (ج) عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے نماز پڑھائی تو زیادہ کر دیا (باقی اگلے صفحہ پر)

[۲۶۵](۸۵)ولا یتربع الا من عذر.

یظن انہ لیس فیھا لا یبطلھا ص۲۱۳نمبر۲۷۵/ترمذی شریف، باب ما جاء فی سجدتی السھو بعد السلام والکلام ص۹۰نمبر۳۹۳)اس حدیث میں اصلاح نماز کے لئے یا بھول کر آپ نے کلام کیا ہے پھر سجدۂ سہو کر کے نماز پوری کی ہے اس لئے امام شافعی فرماتے ہیں کہ بھول کر یا اصلاح نماز کے لئے کلام کیا ہو تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ہم کہتے ہیں کہ خود ترمذی اور مسلم نے باب باندھ کر بتایا ہے کہ کلام کرنا اب منسوخ ہو چکا ہے چاہے جیسا بھی ہو۔اشارے سے سلام کا جواب دینے کی ممانعت اس حدیث میں ہے۔ **عن جابر بن سمرة قال کنا اذا صلینا مع رسول اللہ ﷺ قلنا السلام علیکم ورحمة اللہ ،السلام علیکم ورحمة اللہ واشار بیدہ الی الجانبین فقال رسول اللہ ﷺ علام تؤمون بایدیکم کانھا اذناب خیل شمس انما یکفی احدکم ای یضع یدہ علی فخذہ ثم یسلم علی اخیہ من علی یمینہ و شمالہ** (الف)(مسلم شریف، باب الامر بالسکون فی الصلوۃ والنھی عن الاشارۃ بیدہ الخ ص۱۸۱نمبر۴۳۱/ابوداؤد شریف، باب رد السلام فی الصلوۃ ص۱۴۰نمبر۹۲۳)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہاتھ کے اشارے سے بھی سلام کا جواب نہیں دینا چاہئے

فائدہ بعض ائمہ کے نزدیک تھوڑے سے اشارے سے سلام کا جواب دینا جائز ہے۔وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں **عن صھیب قال مررت برسول اللہ ﷺ وھو یصلی فسلمت علیہ فرد الی اشارة وقال لا اعلم الا انہ قال اشارة باصبعہ** (ب)(ترمذی شریف، باب ما جاء فی الاشارۃ فی الصلوۃ ص۸۵نمبر۳۶۷/ابوداؤد شریف، باب رد السلام فی الصلوۃ ص۱۴۰نمبر۹۲۵/ابوداؤد شریف، باب الاشارۃ فی الصلوۃ ص۱۴۳نمبر۹۴۳/مسلم شریف، باب تحریم الکلام فی الصلوۃ نمبر۵۴۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں ہاتھ کے اشارے سے سلام کا جواب دینا جائز ہے۔ہم کہتے ہیں کہ یہ پہلی احادیث کی وجہ سے منسوخ ہے۔اس لئے مکروہ ہے۔البتہ چونکہ نہ یہ کلام ہے اور نہ عمل کثیر ہے اس لئے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

[۲۵۵](۸۵)پالتی مار کر نہ بیٹھے مگر عذر سے۔

وجہ نماز میں پالتی مار کر بیٹھنا سنت کے خلاف ہے۔اس لئے یہ مکروہ ہے۔کیونکہ حدیث سے ثابت کیا کہ نماز میں افتراش سے بیٹھنا سنت ہے۔حدیث میں ہے فقال **ابو حمید الساعدی ... فاذا جلس فی الرکعتین جلس علی رجلہ الیسری و نصب الیمنی فاذا جلس فی الرکعة الآخرة قدم رجلہ الیسری و نصب الاخری وقعد علی مقعدتہ** (ج)(بخاری شریف، باب سنة

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) یا کم کیا، ابراہیم نے کہا کہ یہ وہم میری جانب سے ہے۔تو آپؐ سے کہا گیا یا رسول اللہ کیا نماز میں زیادتی ہوگئی ہے؟ تو آپ نے فرمایا میں تمہارے جیسا انسان ہوں۔میں بھولتا ہوں جیسے تم بھولتے ہو۔پس جب تم میں سے کوئی بھول جائے تو دو سجدۂ سہو کرنا چاہئے بیٹھے بیٹھے۔پھر حضورؐ پھرے اور دو سجدے کئے (الف) ہم حضورؐ کے ساتھ نماز پڑھتے اور کہتے السلام علیکم ورحمۃ اللہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ اور دونوں جانب ہاتھ سے اشارہ کرتے تو آپؐ نے فرمایا اپنے ہاتھ سے کیوں اشارہ کرتے ہو۔جیسے کے بھاگنے والے گھوڑے کی دم ہو۔تم میں سے کسی کے لئے اتنا کافی ہے کہ اپنے ہاتھ کو ران پر رکھے پھر اپنے بھائی پر دائیں جانب اور بائیں جانب سلام کرے (ب) حضرت صہیبؓ فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کے قریب سے گزرا اس حال میں کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے۔میں نے آپؐ پر سلام کیا تو آپؐ نے مجھ کو اشارے سے جواب دیا۔راوی کہتے ہیں میرا گمان یہ ہے کہ آپ نے انگلیوں سے اشارہ کیا (ج) ابو حمید ساعدی نے فرمایا... پس جب کہ دو رکعت میں بیٹھے تو بائیں پاؤں پر بیٹھے اور دائیں پاؤں کو کھڑا کیا۔پس جب کہ آخری رکعت میں بیٹھے تو بائیں پاؤں کو آگے کیا اور دوسرے پاؤں کو (باقی اگلے صفحہ پر)

[۲۵۶] (۸۶)ولا يأكل ولا يشرب[۲۵۷](۸۷)فان سبقه الحدث انصرف وتوضأ وبنى على صلوته ان لم يكن اماما.

الجلوس فی التشہد ص۱۱۴ نمبر ۸۲۸/مسلم شریف، باب ما یجمع صفۃ الصلوۃ وما یفتتح بہ ص۱۹۴ نمبر ۴۹۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ افتراش بیٹھنا سنت ہے یا تورک بیٹھنا سنت ہے۔اس لئے نماز میں پالتی مار کر بیٹھنا مکروہ ہے قال عبد الله (بن مسعود) لان اجلس علی رضفین خیر من ان اجلس فی الصلوۃ متربعا (الف)(مصنف عبدالرزاق، باب الاقعاء فی الصلوۃ ج ثانی ص۱۹۶ نمبر ۳۰۵۲)

نوٹ کبھی کبھار حضورؐ اور صحابہ پالتی مار کر بیٹھتے تھے اس لئے یہ مکروہ تحریمی نہیں ہے۔عذر ہو تو ایسا بھی بیٹھنا جائز ہے۔

[۲۶۶](۸۶)اور نہ کھائے اور نہ پیئے۔

وجہ جب نماز میں ادھر ادھر متوجہ ہونے سے منع فرمایا ہے تو کھانا پینا بدرجۂ اولی مکروہ ہوگا۔اور چنے کی مقدار سے زیادہ کھایا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

[۲۵۷](۸۷)اگر خود بخود حدث ہو جائے تو واپس لوٹے گا اور وضو کرے گا اور پہلی نماز پر بنا کرے گا اگر امام نہ ہو۔

تشریح کسی کو خود بخود حدث ہو گیا ہو تو واپس جا کر وضو کرے گا اور واپس آکر پہلی نماز پر بنا کرے گا۔اگر پہلے مثلا ظہر کی دو رکعت پڑھ چکا ہے تو وضو سے واپس آکر دو رکعت اور پڑھ کر چار رکعت پوری کرے گا۔لیکن اس کے لئے چار شرطیں ہیں (۱) اس درمیان دوبارہ جان کر حدث نہ کیا ہو (۲) بات نہ کی ہو (۳) نماز ٹوٹنے کا اور کوئی کام نہ کیا ہو (۴) اور ضرورت سے زیادہ نہ ٹھہرا ہے۔تو بنا کر سکتا ہے۔اور اگر ان میں سے کوئی ایک کام کر لیا تو شروع سے نماز پڑھے گا۔اور یہ جو آیا گیا، قبلہ سے سینہ پھرا یہ معاف ہے۔کیونکہ حدیث میں ہے اس لئے خلاف قیاس اس کو جائز قرار دیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ جو حدث بار بار ہو سکتا ہے اسی میں بنا کر سکتا ہے۔لیکن جو حدث کبھی کبھار ہوتا ہے جیسے احتلام ہوتا تو اس میں بنا نہیں کرے گا بلکہ شروع سے نماز پڑھے گا۔

وجہ عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ من اصابه قيء او رعاف او قلس او مذى فلينصرف فليتوضأ ثم ليبن على صلوته وهو فى ذلك لا يتكلم (ب)(ابن ماجہ شریف، باب ما جاء فی البناء علی الصلوۃ ص۱۷۱، نمبر ۱۲۲۱/دار قطنی، باب فی الوضوء من الخارج من البدن کالرعاف الخ ص۱۶۰ نمبر ۵۵۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بنا کر سکتا ہے۔لیکن شروع سے نماز پڑھے تو بہتر ہے۔کیونکہ یہ مسئلہ خلاف قیاس ہے۔حدیث میں ہے عن على بن طلق قال قال رسول الله ﷺ اذا فساء احدكم فى الصلوة فلينصرف فليتوضأ وليعد الصلوة (ج)(ابو داؤد شریف، باب اذا احدث فی الصلوۃ ص۱۵۱ نمبر ۲۰۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز شروع سے پڑھنی چاہئے۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) کو کھڑا کیا اور اپنے مقعد پر بیٹھے (الف) دو انگارے پر بیٹھوں یہ بہتر ہے کہ نماز میں پالتی مار کر بیٹھوں (ب) آپؐ نے فرمایا کسی کو کوئی قے ہوئی ہو یا نکسیر پھوٹی ہو یا پانی کی قے ہوئی ہو یا مذی نکلی ہو تو واپس لوٹنا چاہئے اور وضو کرنا چاہئے پھر اپنی نماز پر بنا کرنا چاہئے، بشرطیکہ اس نے اس درمیان بات نہ کی ہو (ج) آپؐ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز میں حدث کر دے تو پھر جانا چاہئے اور وضو کرے اور اپنی نماز کو لوٹائے۔

[۲۵۸](۸۸)فان کان اماما استخلف وتوضأ وبنی علی صلوته مالم یتکلم والاستیناف افضل[۲۵۹] (۸۹)وان نام فاحتلم او جن او اغمی علیه او قهقه استأنف الوضوء والصلوة[۲۶۰](۹۰)وان تکلم فی صلوته ساهیا او عامدا بطلت صلوته.

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حدث ہونے کی صورت میں شروع سے نماز پڑھے اور ان کی دلیل یہی ابو داؤد شریف والی حدیث ہے۔ ہمارے نزدیک دونوں احادیث جمع کرنے کے بعد ابوداؤد کی حدیث افضل ہونے پر محمول ہے۔

[۲۵۸](۸۸)اور اگر امام ہے تو خلیفہ بنائے گا اور وضو کرے گا اور بنا کرے گا اپنی نماز پر جب تک بات نہ کی ہو اور شروع سے نماز پڑھنا بہتر ہے۔

وجہ امام ہے تو ظاہر ہے کہ اس کو اپنا خلیفہ بنانا پڑے گا تا کہ خلیفہ مقتدیوں کو نماز پڑھائے۔ اور اصلی امام وضو کر کے نماز پر بنا کرے گا۔ خلیفہ بنانے کے لئے یہ حدیث ہے **دخلت علی عائشة فقلت لها الا تحدثینی عن مرض رسول الله ﷺ ... وکان ابو بکر یصلی وهو قائم بصلوة النبی ﷺ والناس یصلون بصلوة ابی بکر** (الف)(مسلم شریف، باب استخلاف الامام اذا عرض له عذر ص ۱۷۷ نمبر ۴۱۸ / بخاری شریف، باب انما جعل الامام لیؤتم بہ ص ۹۵ نمبر ۶۸۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے موقع پر امام خلیفہ بنائے گا۔ کیونکہ ابو بکر کی جگہ پر حضورؐ نے نماز پڑھائی۔

نوٹ جب تک بات نہ کرنے کی شرط حدیث میں گزر گئی اور اسی سے معلوم ہوا کہ جان بوجھ کر کوئی حدث کیا ہو تو بنا نہیں کرے گا۔ شروع سے نماز پڑھے گا۔

[۲۵۹](۸۹)اور اگر سو گیا اور احتلام ہوا یا جنون ہوا یا بے ہوشی طاری ہوئی یا قہقہہ مار کر ہنسا تو وضو دوبارہ کرے گا اور نماز بھی دوبارہ پڑھے گا

وجہ یہ سب امور کبھی کبھار پیش آتے ہیں اس لئے حدیث کی بنا پر اس میں بنا نہیں کرے گا۔ کیونکہ حدیث میں ان چیزوں میں بنا کرنے کا جواز ہے جو بار بار پیش آتے ہوں لغت اغمی : بے ہوشی طاری ہونا۔

نوٹ سویا اور احتلام ہوا کی قید اس لئے لگائی کہ تھوڑا سویا اور احتلام ہوا تو شروع سے کرے گا اور اگر بہت سویا تو خود سونا بھی ناقض وضو ہے۔

[۲۶۰](۹۰)اگر نماز میں بھول کر بات کی یا جان کر بات کی تو نماز باطل ہو جائے گی۔

وجہ حدیث میں ہے **عن زید بن ارقم قال کنا نتکلم فی الصلوة ،یکلم الرجل صاحبه وهو الی جنبه فی الصلوة حتی نزلت وقوموا لله قانتین فامرنا بالسکوت ونهینا عن الکلام** (ب)(مسلم شریف، باب تحریم الکلام فی الصلوۃ ونسخ ما کان من

حاشیہ : (الف) میں حضرت عائشہؓ کے پاس آیا اور کہا حضورؐ کے مرض الوفات کے سلسلے میں آپ بیان کریں گے؟...ابو بکرؓ کھڑے ہو کر حضور کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے تھے۔ اور لوگ ابو بکر کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے تھے (ب) زید بن ارقم فرماتے ہیں کہ ہم نماز میں بات کرتے تھے۔ آدمی نماز میں اپنے بغل والے ساتھی سے بات کرتا تھا یہاں تک کہ قوموا للہ قانتین آیت نازل ہوئی تو ہم کو چپ رہنے کا حکم دیا اور بات کرنے سے روک دیا گیا۔

[۲۶۱] (۹۱) وان سبقه الحدث بعد ما قعد قدر التشهد توضأ وسلم [۲۶۲] (۹۲) وان تعمد الحدث فی هذه الحالة او تكلم او عمل عملا ینافی الصلوة تمت صلوته.

اباحتہ ص۲۰۴ نمبر ۹۳۹ / ابو داؤد شریف، باب النہی عن الکلام فی الصلوۃ ص ۱۴۴ نمبر ۹۴۹ / ترمذی شریف، باب فی نسخ الکلام فی الصلوۃ ص ۹۲ نمبر ۴۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں کلام کرنا جائز نہیں ہے۔ اور چونکہ نماز کی حالت نماز کو یاد کرنے کی حالت ہے اس لئے اس میں بھول کر کلام کرنا بھی نماز کو فاسد کرے گا۔ چنانچہ دوسری حدیث میں اس کا اشارہ موجود ہے عن معاویة بن حکم السلمی قال بینا انا اصلی مع رسول الله ﷺ ... ثم قال ان هذه الصلوة لا یصلح فیها شیء من کلام الناس انما هو التسبیح والتکبیر وقراءة القرآن (الف) (مسلم شریف، باب تحریم الکلام فی الصلوۃ ونسخ ما کان من اباحتہ ص ۲۰۳ نمبر ۵۳۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز لوگوں کے کلام کی کچھ بھی صلاحیت نہیں رکھتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بھول کر بولنا بھی نماز کو فاسد کرے گا۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک بھول کر کلام کرنے سے اور امام مالکؒ کے نزدیک اصلاح نماز کے لئے کلام کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے۔

وجہ ان کی دلیل ذوالیدین والی مشہور حدیث ہے۔ جو مسئلہ نمبر ۸۴ میں گزر گئی۔ اور اس کا جواب یہ ہے کہ اب کلام کرنا منسوخ ہو گیا جیسا کہ مسلم نے اور امام ترمذی نے خود اپنی کتاب میں نسخ الکلام اور تحریم الکلام باب باندھ کر بتایا کہ بعد میں ہر قسم کا کلام منسوخ ہو گیا۔ اس لئے اب بھول کر بھی کلام کرے گا تو چونکہ نماز یاد دلانے والی حالت ہے اس لئے وہ فاسد ہو جائے گی۔

[۲۶۱] (۹۱) اور اگر حدث لاحق ہو گیا تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد تو وضو کرے گا اور سلام کرے گا۔

وجہ تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد خود بخود حدث ہو گیا تو تشہد کی مقدار بیٹھنا آخری فرض تھا جو پورا ہو گیا لیکن ابھی سلام کرنا جو واجب ہے وہ باقی ہے اس لئے اس کو دوبارہ وضو کر کے نماز پر بنا کرنا چاہئے اور سلام کرنا چاہئے۔

[۲۶۲] (۹۲) اور اگر جان بوجھ کر حدث کیا اس حالت میں یا بات کی یا ایسا عمل کیا جو نماز کے منافی ہے تو اس کی نماز پوری ہو گئی۔

وجہ تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد جان بوجھ کر حدث کرنے سے اس کے ذمہ کوئی فرض باقی نہیں رہا تھا صرف سلام کرنا واجب باقی رہا تھا۔ اس لئے نماز ایک حیثیت سے پوری ہو گئی تھی لیکن سلام چھوڑا اس لئے اچھا نہیں کیا تھا اور بنا اس لئے نہیں کر سکتا کہ جان بوجھ کر قاطع اور مانع لے آیا اس لئے نماز پر بنا بھی نہیں کر سکتا۔ اس لئے یہی کہا جائے گا کہ نماز پوری ہو گئی لیکن واجب کی کمی کے ساتھ (۲) نماز پوری ہونے کی دلیل حدیث میں ہے عن عبد الله بن عمر ان رسول الله ﷺ قال اذا قضی الامام الصلوة وقعد فاحدث قبل ان یتکلم فقد تمت صلوته ومن کان خلفه ممن اتم الصلوة (ب) (ابو داؤد شریف، باب الامام یحدث بعد یا یرفع رأسہ ص ۹۸ نمبر ۶۱۷ / دار قطنی، باب من احدث قبل التسلیم فی آخر صلوتہ او احدث قبل تسلیم الامام فقد تمت صلوتہ ص ۳۶۸ نمبر ۱۴۰۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تشہد کی

حاشیہ : (الف) ہم حضورؐ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے... پھر آپؐ نے فرمایا یہ نماز صلاحیت نہیں رکھتی ہے اس میں لوگوں کے کلام کی۔ وہ صرف تسبیح، تکبیر اور قرأت قرآن ہے (ب) آپؐ نے فرمایا اگر امام نماز پوری کر دے اور بیٹھ جائے پھر حدث کرے بات کرنے سے پہلے (یعنی سلام کرنے سے پہلے) تو اس کی نماز پوری ہو گئی۔ اور جو لوگ ان کے پیچھے ہیں ان میں سے ہوں گے جنہوں نے نماز پوری کر لی۔ یعنی ان کی بھی نماز پوری ہو گئی۔

[۲۶۳] (۹۳)وان رأی المتیمم الماء فی صلوتہ بطلت صلوتہ[۲۶۴](۹۴)وان راٗہ بعد

مقدار بیٹھنے کے بعد حدث کر دیا تو نماز پوری ہوگئی۔ بلکہ کوئی آدمی امام کے پیچھے ہو اور امام کے سلام کرنے سے پہلے اس نے جان بوجھ کر حدث کر دیا تو اس کی آدمی کی نماز پوری ہو جائے گی۔ اور چہ اس پر سلام کا واجب باقی رہا۔ حدیث میں ہے **عن عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال اذا جلس الامام فی آخر رکعۃ ثم احدث رجل من خلفہ قبل ان یسلم الامام فقد تمت صلوتہ** (الف) (دار قطنی، باب من احدث قبل التسلیم ص ۳۶۸ نمبر ۱۴۰۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مقتدی بھی مقدار تشہد بیٹھنے کے بعد حدث کر دے تو اس کی نماز پوری ہو جائے گی۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک سلام فرض ہے اس لئے تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد حدث کر دیا تو چونکہ فرض باقی رہ گیا اس لئے نماز فاسد ہو جائے گی۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن علی عن النبی ﷺ قال مفتاح الصلوۃ الطھور وتحریمھا التکبیر وتحلیلھا التسلیم** (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء مفتاح الصلوۃ الطھور ص ۵ نمبر ۳ / ابوداؤد شریف، باب الامام یحدث بعد ما یرفع رأسہ من آخر رکعتہ ص ۹۸ نمبر ۶۱۸) اس حدیث کی وجہ سے جس طرح طہارت اور تکبیر تحریمہ فرض ہیں اسی طرح ان کے یہاں سلام بھی فرض ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ طہارت اور تکبیر تحریمہ فرض ہونے کی وجہ دوسری آیتیں ہیں صرف یہ حدیث نہیں ہے۔

[۲۶۳] (۹۳) اگر تیمّم کرنے والے نے نماز کے درمیان پانی دیکھا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

وجہ (۱) تیمّم کرنے سے پہلے اس نے جان کر حدث کیا تھا پھر تیمّم کرنا حدث کے لئے چھپانے کی چیز بن گئی لیکن تشہد سے پہلے پانی پر قدرت ہوئی تو جان کر حدث کیا ہوا واپس آ گیا۔ کیونکہ خلیفہ کے بجائے اصل پر قدرت ہوگئی اور ابھی فرض باقی ہے اس لئے نماز فاسد ہو جائے گی شروع سے نماز پڑھے۔ (۲) اثر میں ہے **عن الحسن انہ قال فی متیمم مر بماء غیر محتاج الی الوضوء فجاوزہ فحضرت الصلوۃ ولیس معہ ماء قال یعید التیمم لان قدرتہ علی الماء تنقض تیممہ الاول** (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۳۲ فی متیمم مر بماء جاوزہ، ج اول، ص ۱۶۷، نمبر ۲۰۲۶) وضو کر کے بنا اس لئے نہیں کر سکتا ہے کہ (۱) تیمّم سے پہلے جان کر حدث کیا تھا اور پہلے گزر چکا ہے کہ جان کر حدث کرے گا تو بنا نہیں کر سکے گا۔ کیونکہ قاطع اور مانع درمیان میں آ گیا۔ بنا اس لئے بھی نہیں کر سکتا کہ یہ معاملہ کبھی کبھار پیش آتا ہے۔

[۲۶۴] (۹۴) اور اگر پانی دیکھا تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد (تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک نماز باطل ہوگئی اور صاحبین کے نزدیک نماز پوری ہو گئی)

وجہ (۱) امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد پانی پر قدرت ہوئی تو فرائض اگر چہ پورے ہو چکے ہیں لیکن ابھی بھی تین کام باقی ہیں، درود شریف، دعا اور سلام تو گویا کہ نماز باقی ہے اس لئے درمیان نماز میں خلیفہ کے بجائے اصل پر قادر ہو گیا اور اصل کی بنا کمزور پر

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا امام آخری رکعت میں بیٹھ جائے پھر امام کے سلام کرنے سے پہلے پیچھے والا کوئی آدمی حدث کر دے تو اس آدمی کی نماز پوری ہو جائے گی (ب) آپؐ نے فرمایا نماز کا شروع پاکی ہے، اس کا تحریمہ باندھنا تکبیر کہنا ہے اور اس سے نکلنا سلام کرنا ہے۔

ما قعد قدر التشهد [۲۶۵](۹۵)او کان ماسحا فانقضت مدة مسحه او خلع خفيه بعمل قليل او کان اميا فتعلم سورة اوعريانا فوجد ثوبا.

نہیں ہوسکتی اس لئے نماز باطل ہوجائے گی اور شروع سے نماز پڑھنا ہوگا۔

وجہ صاحبین فرماتے ہیں کہ فرائض تو سارے پورے ہو چکے ہیں اب صرف واجب یا سنن باقی ہیں۔اور پہلے مسئلہ نمبر ۹۲ میں گزر چکا ہے کہ تشہد کے بعد حدث کر دے تو نماز پوری ہوجاتی ہے۔تو یہاں گویا کہ تشہد کے بعد حدث کیا اس لئے نماز پوری ہوجائے گی (۲) مسئلہ نمبر ۹۲ کی حدیث کے علاوہ اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں۔عبداللہ بن مسعود کی حدیث ہے **ان رسول اللہ ﷺ اخذ بید عبد اللہ فعلمہ التشهد فی الصلوة فذکر مثل دعاء حدیث الاعمش اذا قلت هذا او قضیت هذا فقد قضیت صلوتک ان شئت ان تقوم فقم وان شئت ان تقعد فاقعد** (الف) (ابوداؤد شریف، باب التشہد ص ۱۴۶) اس حدیث نمبر ۹۷۰ میں فرمایا گیا کہ تشہد کی مقدار بیٹھنے یا پڑھنے کے بعد نماز پوری ہوگئی۔اب چاہے تو بیٹھے رہے اور دعا پڑھے اور سلام کرے اور چاہے تو کھڑا ہوجائے۔اس لئے تشہد کے بعد پانی پر قدرت ہوئی تو اس سے پہلے نماز پوری ہوچکی ہے۔اس لئے تشہد کے بعد پانی دیکھنے سے تیمم کرنے والے کی نماز پوری ہوجائے گی۔

نوٹ یہی قاعدہ اور اصول اور اختلاف اگلے گیارہ مسئلوں میں ہیں۔

اصول امام ابوحنیفہ: سلام کرنے سے پہلے نماز میں خلیفہ کے بجائے اصل پر قدرت ہوگئی تو نماز فاسد ہوجائے گی کیونکہ ابھی نماز باقی ہے۔

اصول صاحبین : تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد خلیفہ کے بجائے اصل پر قدرت ہوگئی تو چونکہ تمام فرائض پورے ہو چکے ہیں اس لئے نماز پوری ہوگئی کمی کے ساتھ۔

[۲۶۵](۹۵) یا موزے پر مسح کرنے والا تھا اور موزے کی مدت ختم ہوگئی یا دونوں موزے عمل قلیل سے کھل گئے یا امی تھا سورۃ سیکھ لی یا ننگا تھا اور کپڑے پالئے۔

تشریح موزے پر مسح کرنے والا تھا اور تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد مسح کی مدت ختم ہوگئی اور گویا کہ وضو ٹوٹ گیا یا دونوں موزے عمل قلیل سے کھل گئے۔کیونکہ عمل کثیر سے کھلے تو خود عمل کثیر سے نماز فاسد ہوجائے گی۔موزہ کھلنے کی بات تو بعد کی ہے۔اس لئے عمل قلیل سے کھلنے کی قید لگائی تا کہ یہ مسئلہ بن سکے کہ موزہ کھلنے کی وجہ سے اس کا وضو تشہد کے بعد ٹوٹ گیا۔یا ایک آیت بھی یاد نہیں تھی کہ قرأت کی وجہ سے نماز ہو سکے۔تشہد کے بعد اس نے تین آیتیں سیکھ لی اور اصل پر قدرت ہوگئی۔یا ننگا تھا اور تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد اتنا کپڑا مل گیا جس سے نماز جائز ہوسکتی تھی۔اس میں بھی اصل پر قدرت ہوگئی تو امام اعظم کے نزدیک پچھلے دلائل کی وجہ سے نماز باطل ہوگی اور صاحبین کے نزدیک ان تمام صورتوں میں نماز پوری ہوجائے گی۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے عبداللہ بن مسعود کا ہاتھ پکڑا اور ان کو نماز میں پڑھنے کا تشہد سکھلایا۔پھر اعمش کی حدیث کی دعا کی طرح راوی نے ذکر کیا۔آپؐ نے فرمایا جب کہ تم یہ تشہد کرلو یا اس کو پوری کرلو تو تمہاری نماز پوری ہوگئی اگر کھڑا ہونا چاہو تو کھڑے ہوجاؤ اور اگر بیٹھے رہنا چاہو تو بیٹھے رہو (اور دعا پڑھو)

[۲۶۶](۹۶)او مومیا فقدر علی الرکوع والسجود او تذکر ان علیه صلوۃ قبل هذه [۲۶۷](۹۷)او احدث الامام القارئ فاستخلف امیا [۲۶۸] (۹۸)او طلعت الشمس فی صلوۃ الفجر[۲۶۹](۹۹)او دخل وقت العصر فی الجمعة.

لغت خلع : موزہ کھل گیا، امی : جو پڑھنا نہ جانتا ہو،ایک آیت بھی یاد نہ ہو، عریانا : ننگا۔

[۲۶۶](۹۶)یا اشارہ کرنے والا تھا اور رکوع سجدہ پر قدرت ہوگئی یا یاد آ گئی کہ اس پر اس سے پہلے کی نماز قضا تھی۔

تشریح آدمی صاحب ترتیب تھا اور اس پر پانچ نمازوں سے کم قضا تھی اور وقت میں گنجائش بھی تھی اور تشہد کے بعد اس کو یاد آ گیا کہ اس پر اس سے پہلے کی نماز قضا ہے تو گویا کہ اس کا وضو ٹوٹ گیا۔اس لئے امام اعظم کے نزدیک نماز باطل ہو جائے گی اور صاحبین کے نزدیک نماز پوری ہو جائے گی۔

لغت مومیا : جو اشارہ کر کے رکوع سجدہ کرتا ہو۔

[۲۶۷](۹۷)یا قاری امام نے حدث کیا اور امی کو خلیفہ بنایا۔

تشریح امام کو اتنی آیتیں یاد تھیں جس سے نماز جائز ہو سکے تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد اس کو حدث ہوا اور امی کو خلیفہ بنایا تو چونکہ امی قرأت پر قادر نہیں ہے تو گویا کہ عاجز کو خلیفہ بنایا ہے اس لئے نماز فاسد ہوگی۔

نوٹ فخر الاسلامؒ نے فرمایا کہ تشہد کے وقت قرأت کی ضرورت ہی نہیں ہے اس لئے امی کو خلیفہ بنانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔اس لئے اکثر کی رائے یہ ہے کہ اس وقت امی کو خلیفہ بنانے سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

[۲۶۸](۹۸)یا فجر کی نماز میں سورج طلوع ہو گیا۔

تشریح تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد سورج طلوع ہوا تو امام اعظم کے نزدیک نماز فاسد ہوگی۔

وجہ حدیث میں ہے **عن ابی هریرة قال نهی رسول الله ﷺ عن صلوتین بعد الفجر حتی تطلع الشمس وبعد العصر حتی تغرب الشمس** (الف) (بخاری شریف، باب لاتحری الصلوۃ قبل غروب الشمس ص ۸۳ نمبر ۵۸۸ رمسلم شریف، باب الاوقات التی نھی عن الصلوۃ فیھا ص ۲۷۵ نمبر ۸۲۵) (۲) **ابو سعید الخدری یقول سمعت رسول الله ﷺ یقول لا صلوۃ بعد الصبح حتی ترتفع الشمس ولا صلوۃ بعد العصر حتی تغیب الشمس** (ب) (بخاری شریف، باب لاتحری الصلوۃ قبل الغروب ص ۸۲ نمبر ۵۸۶ رمسلم شریف، باب الاوقات التی نھی عن الصلوۃ فیھا ص ۲۷۵ نمبر ۸۲۷) ان دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ طلوع آفتاب کے وقت نماز نہیں پڑھنی چاہئے اس لئے اگر تشہد کے بعد آفتاب نکل گیا تو امام اعظم کی رائے ہے کہ نماز فاسد ہو جائے گی۔

[۲۶۹](۹۹)یا عصر کا وقت جمعہ میں داخل ہو گیا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے روکا دو نمازوں سے۔فجر کے بعد یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے اور عصر کے بعد یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے (ب) آپؐ کہا کرتے تھے نہیں نماز ہے صبح کے بعد یہاں تک کہ سورج بلند ہو جائے اور نہیں نماز ہے عصر کے بعد یہاں تک کہ سورج غائب ہو جائے۔

[۲۷۰](۱۰۰) او كان ماسحا على الجبيرة فسقطت عن برء[۲۷۱] (۱۰۱) او كانت مستحاضة فبرأت بطلت صلوتهم فى قول ابى حنيفة وقال ابو يوسف و محمد تمت صلوتهم فى هذا المسائل كلها.

تشریح جمعہ پڑھ رہا تھا۔تشہد کی مقدار بیٹھا تھا کہ عصر کا وقت داخل ہو گیا۔

وجہ چونکہ عصر کا وقت داخل ہونے کی وجہ سے قضا ہو گی۔اس لئے قضا کی بنا ادا پر ہوئی۔اس لئے امام اعظم کے نزدیک نماز فاسد ہو گی۔

[۲۷۰] (۱۰۰) یا کھپچی پر مسح کرنے والا تھا وہ ٹھیک ہو کر گر گئی۔

تشریح ایک آدمی نے زخم پر پٹی باندھی تھی اور وہ اسی پر مسح کر کے نماز پڑھ رہا تھا۔تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد زخم مکمل ٹھیک ہو کر پٹی گر گئی۔ چونکہ زخم ٹھیک ہو کر پٹی گری ہے اس لئے وضو ٹوٹ گیا۔کیونکہ وہ مسح جو نقل ہے اس کے بجائے اصل پر قادر ہو گیا۔اس لئے امام اعظم کے نزدیک نماز باطل ہو گئی۔

لغت الجبیرۃ : زخم پر بندھی ہوئی پٹی، کھپچی، برء : زخم اچھا ہونا۔

[۲۷۱] (۱۰۱) یا مستحاضہ تھی اور اچھی ہو گئی تو امام ابو حنیفہ کے قول میں نماز باطل ہو جائے گی۔اور صاحبین نے فرمایا ان تمام مسائل میں ان کی نماز پوری ہو جائے گی۔

وجہ دلیل گزر گئی ہے کہ تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد کوئی فرض باقی نہیں رہا صرف درود اور دعا سنت ہیں اور سلام واجب ہے جو باقی رہیں۔ اور احادیث سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد کوئی حدث پیش آئے تو اس کی نماز پوری ہو جائے گی۔اس لئے ان بارہ مسئلوں میں سب کی نماز پوری ہو جائے گی۔اور امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر چہ سنن اور واجب ہی باقی ہیں لیکن نماز ابھی بحال ہے۔اور نماز کے دوران اصل کے بجائے خلیفہ یا خلیفہ کے بجائے اصل پیش آیا جس کی وجہ سے ماقبل پر بنا نہیں کر سکتے۔اس لئے نماز فاسد ہو گی۔امام ابو حنیفہ ان مسائل میں احتیاط کی طرف گئے ہیں۔کیونکہ ان مسائل میں اضعف کی بنا اقوی پر یا اقوی کی بنا اضعف پر ہے (۲) امام شافعیؒ کے نزدیک سلام فرض ہے اس لئے ان کی بھی رعایت کی گئی ہے (۳) نماز کے اتمام کا حکم خلاف قیاس حدیث کی بنا پر کیا گیا ہے۔اس لئے جو حدث بار بار پیش آتے ہیں اور حدیث میں بھی ان کی تصریح ہے تو ان کے بارے میں حکم ہو گا کہ اس پر بنا کر لیا جائے یا نماز پوری ہو گئی۔لیکن جو مسائل بار بار پیش نہیں آتے اور حدیث میں بھی ان کی تصریح نہیں ہے ان میں احتیاط کا تقاضا ہے کہ نماز فاسد کر دی جائے اور شروع سے دوبارہ نماز پڑھے۔اور صاحبین اس بات کی طرف گئے ہیں کہ حدیث کی بنا پر جب نماز پوری ہو گئی تو دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

﴿باب قضاء الفوائت﴾

[۲۷۲](۱) ومن فاتته صلوۃ قضاھا اذا ذکرھا[۲۷۳] (۲) وقدمھا علی صلوۃ الوقت الا

﴿ باب قضاء الفوائت ﴾

ضروری نوٹ قضاء الفوائت : جو نماز فوت ہو جائے اور چھوٹ جائے اس کو فوائت کہتے ہیں۔ اور اس کے پڑھنے کو قضا کہتے ہیں۔ نماز قضا کرنا فرض ہے۔ کیونکہ نماز کو وقت پر پڑھنا فرض تھا جب وقت پر نہ پڑھ سکا تو اب قضا کرنا فرض ہوگا۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن انس بن مالک عن النبی ﷺ قال من نسی صلوۃ فلیصل اذا ذکر لا کفارۃ لھا، الا ذلک و اقم الصلوۃ لذکری (الف)** ، آیت ۱۴ سورۃ طٰہٰ ۲۰ (بخاری شریف، باب من نسی صلوۃ فلیصل اذا ذکر ص ۸۴ نمبر ۵۹۷ / ابوداؤد شریف، باب فی من نام عن صلوۃ او نسیھا ص ۷۰ نمبر ۴۳۵) اس حدیث اور آیت سے معلوم ہوا کہ فوت نماز پڑھنا فرض ہے۔

[۲۷۲](۱) جس کی نماز فوت ہوگئی اس کو قضا کرے گا جب یاد آئے۔

وجہ نماز فرض تھی اس کو چھوڑ دی ہے اس لئے اس کو قضا کرنا فرض ہوگا۔ بلکہ جیسے ہی یاد آئے اس کو فوراً ادا کرے۔ کیونکہ اوپر کی حدیث بخاری میں ہے' **فلیصل اذا ذکر لا کفارۃ لھا الا ذلک**' اس لئے یاد آتے ہی نماز قضا کرے بشرطیکہ وقت مکروہ نہ ہو۔ کیونکہ مکروہ وقت میں نماز قضا کرنا جائز نہیں ہے۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

[۲۷۳](۲) اور فائتہ نماز کو مقدم کرے وقتیہ نماز پر، مگر یہ کہ وقتیہ نماز فوت ہونے کا خوف ہو تو مقدم کی جائے گی وقتیہ نماز کو فائتہ نماز پر پھر فائتہ نماز کی قضا کی جائے گی۔

تشریح تین شرطیں پائی جائیں تو فائتہ نماز وقتیہ سے پہلے پڑھی جائے گی (۱) وقت میں اتنی گنجائش ہو کہ فائتہ اور وقتیہ دونوں پڑھ سکیں۔ کیونکہ دونوں نمازیں پڑھنے کی گنجائش نہ ہو اور فائتہ پڑھنے لگ جائے گا تو وقتیہ بھی فوت ہو جائے گی تو فائدہ کیا ہوا (۲) یاد ہو کہ مجھ پر فائتہ نماز ہے۔ کیونکہ اگر فائتہ نماز یاد نہ ہو اور وقتیہ پڑھ لی تو ترتیب ساقط ہو جائے گی۔ کیونکہ یاد نہ ہونے کی وجہ سے وہ مجبور ہے (۳) چھ نمازوں سے زیادہ قضا نہ ہوں۔ کیونکہ چھ نمازوں سے زیادہ قضا ہو تو ان چھ نمازوں کو قضا کرتے کرتے ہی وقتیہ نماز فوت ہو جائے گی۔ اور وقتیہ پڑھنے کا وقت نکل جائے گا۔ اس لئے یہ تین شرطیں ہوں تو فائتہ اور وقتیہ کے درمیان ترتیب واجب ہے ورنہ نہیں۔

وجہ (۱) اوپر کی حدیث بخاری کے الفاظ ' **فلیصل اذا ذکر**' سے معلوم ہوا کہ فائتہ کا وقت یاد آتے ہی قضا واجب ہوا۔ اور وقتیہ کا وقت اس کے بعد ہوگا۔ اس لئے پہلے فائتہ ادا کی جائے گی بعد میں وقتیہ۔ حدیث کی اس تاکید سے ترتیب واجب ہوتی ہے (۲) **عن عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال من نسی صلوۃ فلم یذکرھا الا وھو مع الامام فلیصل مع الامام فاذا فرغ من صلوتہ فلیعد الصلوۃ التی نسی ثم لیعد الصلوۃ التی صلی مع الامام (ب)** (سنن للبیھقی، باب من ذکر صلوۃ وھو فی اخری ج ثانی

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جو نماز بھول گیا تو نماز پڑھنا چاہئے جب یاد آئے۔ نہیں کفارہ ہے مگر یہی۔ پھر راوی نے دلیل کے طور پر آیت اقم الصلوۃ لذکری پڑھی (ب) آپؐ نے فرمایا جو نماز بھول جائے۔ پس یاد آئے اس حال میں کہ وہ امام کے ساتھ ہے تو وہ نماز پوری کرنا چاہئے پھر قضا کرے وہ (باقی اگلے صفحہ پر)

ان یخاف فوت صلو ۃ الوقت فیقدم صلوۃ الوقت علی الفائتۃ ثم یقضیھا [۲۷۴](۳) ومن فاتتہ صلوات رتبھا فی القضاء کما وجبت فی الاصل الا ان تزید الفوائت علی خمس

ص۳۱۳،نمبر۳۱۹۳)اس حدیث میں ہے کہ امام کے ساتھ بھی وقتیہ نماز پڑھی ہے تو فائتہ قضا کرے۔ترتیب برقرار رکھنے کے لئے وقتیہ کو لوٹائے۔اس سے معلوم ہوا کہ فائتہ اور وقتیہ کے درمیان ترتیب واجب ہے(۳) فائتہ اور وقتیہ کے درمیان ترتیب برقرار رکھنے کی حدیث بخاری میں ہے **عن جابر قال جعل عمر یوم الخندق یسب کفارھم وقال یا رسول اللہؐ! ما کدت اصلی العصر حتی غربت الشمس قال فنزلنا بطحان فصلی رسول اللہ ﷺ بعد ما غربت الشمس ثم صلی المغرب** (الف)(بخاری شریف، باب قضاء الصلوات الاول فالاولی ص۸۴نمبر۵۹۸رترمذی شریف، باب ماجاء فی الرجل تفوتہ الصلوات بایتھن یبدأ ص۴۳نمبر ۱۷۹/۱۸۰)اس حدیث میں عصر کی فائتہ پہلے پڑھی پھر مغرب کی وقتیہ پڑھی۔جس سے معلوم ہوا کہ فائتہ اور وقتیہ کے درمیان ترتیب ضروری ہے۔ورنہ تو مغرب کو مؤخر نہ کرتے۔

فائدہ امام شافعیؒ اور دیگر ائمہ کے نزدیک فائتہ اور وقتیہ کے درمیان اسی طرح بہت سی فائتہ کے درمیان ترتیب سنت ہے۔وہ بھی اوپر کی احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔اور ایک حدیث یہ بھی ہے جو سنت پر دلالت کرتی ہے **عن علی بن طالب انہ قال شغل رسول اللہ ﷺ یوم الاحزاب عن صلوۃ العصر حتی صلی ما بین المغرب والعشاء فقال شغلونا عن الصلوۃ الوسطی صلوۃ العصر ملأ اللہ قبورھم وبیوتھم نار** (ب)(سنن للبیھقی، باب من قال بترک الترتیب فی قضائھن وھو قول طاؤس والحسن ج ثانی ص۳۱۲،نمبر۳۱۸۹)اس حدیث میں آپؐ نے عصر کی نماز مغرب کے بعد پڑھی ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ فائتہ اور وقتیہ کے درمیان ترتیب واجب نہیں سنت ہے۔

[۲۷۴](۳)جس کی بہت سی نمازیں فوت ہوگئیں ان کو ترتیب وار قضا کرے گا۔جس طرح اصل میں واجب ہوئی تھیں۔مگر یہ کہ فوائت پانچ نمازوں سے زیادہ ہوجائیں تو ان میں ترتیب ساقط ہوجائے گی۔

تشریح جس طرح فائتہ اور وقتیہ میں ترتیب ضروری ہے اسی طرح بہت سے فوائت ہوجائیں تو ان کے درمیان میں بھی ترتیب ضروری ہے۔مثلا پہلے ظہر پھر عصر پھر مغرب پھر عشا پڑھے گا۔جس ترتیب سے اصل میں وقتیہ نماز واجب ہوئی تھی۔اس کی دلیل یہ حدیث ہے **قال عبد اللہ ان المشرکین شغلوا رسول اللہ عن اربع صلوات یوم الخندق حتی ذھب من اللیل ما شاء اللہ فامر بلالا فاذن**

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے)نماز جو بھولا ہے۔پھر لوٹائے وہ نماز جو امام کے ساتھ پڑھی ہے(الف) حضرت عمرؓ جنگ خندق کے دن ان کے کفار کو برا بھلا کہنے لگے۔پھر کہا کہ میں نے اب تک عصر کی نماز نہیں پڑھی۔یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا۔فرمایا ہم مقام بطحان میں اترے۔پس ان لوگوں نے اور حضورؐ نے سورج کے غروب ہونے کے بعد عصر کی نماز پڑھی۔پھر مغرب کی نماز پڑھی(ب) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ جنگ احزاب کے دن عصر کی نماز سے مشغول کر دیئے گئے۔یہاں تک کہ اس کو مغرب اور عشا کے درمیان پڑھی۔پھر آپؐ نے فرمایا مجھے صلوۃ الوسطی صلوۃ عصر سے روک دیا گیا۔اللہ ان کی قبروں اور گھروں کو آگ سے بھر دے۔

صلوات فیسقط الترتیب فیھا.

ثم اقام فصلی الظھر ثم اقام فصلی العصر ثم اقام فصلی المغرب ثم اقام فصلی العشاء (الف)(ترمذی شریف، باب ماجاء فی الرجل تفوتہ الصلوات بایتھن یبدأ ص۴۳، نمبر ۱۷۹ر نسائی شریف، باب کیف یقضی الفوائت من الصلوۃ، ص ۸۵، نمبر ۶۲۳) اس حدیث میں ترتیب کے ساتھ نماز پڑھی گئی ہے۔ پہلے ظہر پھر عصر پھر مغرب پھر عشا پڑھی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ترتیب ضروری ہے۔ لیکن اگر چھ نمازیں قضا ہو جائیں تو چونکہ اب ان کو قضا کرتے کرتے وقتیہ بھی فوت ہو جائے گی۔ اس لئے اب ترتیب ساقط ہو جائے گی۔ تاہم وقت ملے تو ترتیب برقرار رکھے۔

حاشیہ : (الف) عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ مشرکین نے حضور کو جنگ خندق کے دن چار نمازوں سے مشغول کر دیا۔ یہاں تک کہ جتنا اللہ چاہے رات چلی گئی۔ پس حضرت بلال کو حکم دیا، پس اذان دی، پھر اقامت کہی۔ پس ظہر کی نماز پڑھی۔ پھر اقامت کہی پس عصر کی نماز پڑھی۔ پھر اقامت کہی پس مغرب کی نماز پڑھی۔ پھر اقامت کہی گئی پس عشا کی نماز پڑھی۔

﴿باب الاوقات التی تکرہ فیھا الصلوۃ﴾

[۲۷۵](۱)لا یجوز الصلوۃ عند طلوع الشمس ولا عند غروبھا الا عصر یومہ ولا عند

﴿ باب الاوقت التی تکرہ فیھا الصلوۃ ﴾

ضروری نوٹ جن اوقات میں نماز پڑھنا مکروہ ہے اس کا بیان ہے۔اس کی دلیل یہ حدیث ہے سمعت عقبۃ بن عامر الجھنی یقول ثلاث ساعات کان رسول اللہ ﷺ ینھانا ان نصلی فیھن او ان نقبر فیھن موتانا حین تطلع الشمس بازغۃ حتی ترتفع وحین یقوم قائم الظھیرۃ حتی تمیل الشمس و حین تضیف الشمس للغروب حتی تغرب (الف)(مسلم شریف، باب الاوقات التی نھی عن الصلوۃ فیھا ص ۲۷۶ نمبر ۱۸۳۱/ نسائی شریف، باب الساعات التی نہی عن الصلوۃ فیھا ص ۶۵ نمبر ۵۶۱)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان تین اوقات میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

نوٹ تین قسم کے مکروہات ہیں (۱) طلوع آفتاب،غروب آفتاب اور دوپہر کے وقت میں کراہیت شدید ہے۔اس میں کوئی فرض یا نفل نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے (۲) اور عصر کے فرض اور فجر کے فرض کے بعد کراہیت اس میں کم ہے۔اس میں نوافل پڑھنا مکروہ ہے البتہ فرائض اور واجبات پڑھ سکتا ہے (۳) فجر طلوع ہونے کے بعد فجر کی دوسنتوں کے علاوہ کسی بھی نوافل کا پڑھنا مکروہ ہے۔اس میں بھی کراہیت کم ہے۔

[۲۷۵](۱) نہیں جائز ہے نماز سورج طلوع ہوتے وقت اور نہ اس کے غروب ہوتے وقت مگر اس دن کی عصر اور نہ ٹھیک دوپہر کے وقت۔

وجہ (۱)ان تین اوقات میں غیر مسلم سورج کی عبادت کرتے ہیں اس لئے ان تین اوقات میں نماز پڑھنے سے روکا۔ قال عمر بن عنسۃ السلمی ... اخبرنی عن الصلوۃ؟ قال رسول اللہ ﷺ صل صلوۃ الصبح ثم اقصر عن الصلوۃ حتی تطلع الشمس حتی ترتفع فانھا تطلع حین تطلع بین قرنی شیطان و حینئذ یسجد لھاالکفار ثم صل فان الصلوۃ مشھودۃ محضورۃ حتی یستقل الظل بالرمح ثم اقصر عن الصلوۃ فان حینئذ تسجر جھنم فاذا اقبل الفیئ فصل فان الصلوۃ مشھودۃ محضورۃ حتی تصلی العصر ثم اقصر عن الصلوۃ حتی تغرب الشمس فانھا تغرب بین قرنی شیطان و حینئذ یسجد لھا الکفار (ب)(مسلم شریف، باب الاوقات التی نہی عن الصلوۃ فیھا ص ۲۷۶ نمبر ۱۸۳۲/ نسائی شریف، باب النہی عن الصلوۃ بعد العصر

حاشیہ : (الف) عقبہ بن عامر فرماتے ہیں کہ تین اوقات میں حضور ہم کو نماز پڑھنے اور اس میں اپنے مردوں کو قبر میں داخل کرنے (یعنی نماز جنازہ پڑھنے) سے روکا کرتے تھے۔ایک جب سورج چمکتا ہوئے نکل رہا ہو جب تک کہ بلند نہ ہو جائے۔دوم جس وقت کہ بالکل دوپہر ہو رہی ہو جب تک کہ ڈھل نہ جائے۔اور سوم جب سورج ڈوبنے کے لئے مائل ہوا ہو جب تک کہ ڈوب نہ جائے (ب) آپؐ نے فرمایا صبح کی نماز پڑھو پھر نماز سے رک جاؤ یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے یا کہا کہ سورج بلند ہو جائے۔اس لئے کہ جب طلوع ہوتا ہے تو شیطان کے دوسینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے۔اور اس وقت کفار اس کو سجدہ کرتے ہیں۔پھر نماز پڑھتے رہو اس لئے کہ نماز حاضر کی گئی ہے (یعنی نماز سے اللہ کے سامنے حاضری نصیب ہوتی ہے یا فرشتے اس وقت حاضر ہوتے ہیں) یہاں تک کہ ایک نیزہ کے برابر سایہ کم ہو جائے۔پھر نماز سے رک جاؤ۔اس لئے کہ اس وقت جہنم گرم کی جاتی ہے۔پس جب سایہ شروع ہو جائے تو نماز پڑھو۔اس لئے کہ نماز حاضر کی گئی ہے۔یہاں تک عصر پڑھو۔پھر نماز سے رک جاؤ یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے۔اس لئے کہ سورج شیطان کی دوسینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے۔اور اس (باقی اگلے صفحہ پر)

قیامها فی الظهیرۃ۔

٦٦ نمبر٣ ٥٧) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان تین اوقات میں نماز عصر پڑھنا مکروہ ہے (٢) اوپر کی ضروری نوٹ میں بھی مسلم کی حدیث گزری (٣) **عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ قال لا تتحروا بصلوتکم طلوع الشمس ولا غروبها (فانها تطلع بین قرنی الشیطان)** (الف) (بخاری شریف، باب الصلوۃ بعد الفجر حتی ترتفع الشمس ص ٨٢ نمبر ٥٨٢ رمسلم شریف، باب الاوقات التی نهی عن الصلوۃ فیها ص ٢٧٥ نمبر ٨٢٨ رنسائی شریف، باب نهی عن الصلوۃ بعد العصر ص ٦٦ نمبر ٥٧١) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ان تین اوقات میں نماز پڑھنا مکروہ ہے (٤) **عن ابن عمر قال قال رسول الله اذا بدا حاجب الشمس فأخروا الصلوۃ حتی تبرز واذا غاب حاجب الشمس فأخروا الصلوۃ حتی تغیب** (ب) (مسلم شریف، باب الاوقات التی نهی عن الصلوۃ فیها ص ٢٧٥ نمبر ٨٢٩)

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک بیت اللہ کے اردگرد اوقات مکروہ میں بھی نماز پڑھنا جائز ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن جبیر بن مطعم ان النبی ﷺ قال یا بنی عبد مناف لا تمنعوا احدا طاف بهذا البیت وصلی ایة ساعة شاء من لیل او نها** (ج) (نسائی شریف، باب اباحۃ الصلوۃ فی الساعات کلها بمکۃ ص ٦٨ نمبر ٥٨٦) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مکہ میں اوقات مکروہ میں بھی نماز پڑھنا جائز ہے۔

اس دن کی عصر غروب آفتاب کے وقت پڑھنے کی وجہ یہ ہے (١) **عن ابی هریرۃ ان رسول الله ﷺ قال من ادرک من الصبح رکعة قبل ان تطلع الشمس فقد ادرک الصبح ومن ادرک رکعة من العصر قبل ان تغرب الشمس فقد ادرک العصر** (د) (بخاری شریف، باب من ادرک من الفجر رکعۃ ص ٨٢ نمبر ٥٧٩ رمسلم شریف، باب من ادرک رکعۃ من الصلوۃ فقد ادرک تلک الصلوۃ ص ٢٢١ نمبر ٦٠٨ رترمذی شریف، باب ماجاء فیمن ادرک رکعۃ من العصر قبل ان تغرب الشمس ص ٤٥ نمبر ١٨٦) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورج کے غروب ہونے سے پہلے عصر کی نماز مل گئی تو گویا کہ وہ نماز مل گئی۔ چونکہ عصر کا آخری وقت مکروہ ہے اور وہی وقت اس کی نماز کے لئے سبب بنا اس لئے سورج کے غروب ہونے کی کراہیت درمیان نماز میں آگئی پھر بھی نماز ہو جائے گی۔ اس حدیث کو حنفیہ کے نزدیک صرف عصر کی نماز پر محمول کرتے ہیں۔ اور فجر کا پورا وقت کامل ہے اس لئے اس کے درمیان میں سورج نکل گیا تو نماز فاسد ہوگی۔ گویا کہ اوقات مکروہ میں نماز پڑھنے کی ممانعت والی حدیث کو فجر کے وقت پر محمول کرتے ہیں۔

فائدہ دوسرے ائمہ کے نزدیک ان اوقات میں نماز پڑھنا مکروہ ہے لیکن پڑھ لیا تو فاسد نہیں ہوگی۔

لغت الظهیرۃ : ٹھیک دوپہر۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) وقت کفار اس کو سجدہ کرتے ہیں (الف) آپؐ نے فرمایا اپنی نماز کے لئے سورج کے طلوع ہونے اور اس کے غروب ہونے کا انتظار کرو۔ اس لئے کہ وہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے (ب) آپؐ نے فرمایا جب سورج کا کنارہ ظاہر ہو تو نماز کو مؤخر کرو۔ یہاں تک کہ وہ بالکل نکل جائے۔ اور جب سورج کا کنارہ ڈوبنے لگ جائے تو نماز کو مؤخر کرو یہاں تک کہ ڈوب جائے (ج) آپؐ نے فرمایا اے عبد مناف کے لوگو! اس بیت اللہ کے طواف اور نماز پڑھنے سے کسی کو مت روکو رات اور دن کی جس گھڑی میں چاہیں (د) آپؐ نے فرمایا جس نے صبح کی ایک رکعت پالی سورج طلوع ہونے سے پہلے تو گویا کہ صبح کی نماز پالی۔ اور جس نے عصر کی ایک رکعت پالی سورج کے غروب ہونے سے پہلے تو گویا کہ عصر کی نماز پالی۔

[۲۷۶] (۲) ولا یصلی علی جنازۃ ولا یسجد للتلاوۃ[۲۷۷] (۳) ویکرہ ان یتنفل بعد صلوۃ الفجر حتی تطلع الشمس وبعد صلوۃ العصر حتی تغرب الشمس.

---

[۲۷۶] (۲) اوران اوقات مکروہ میں جنازہ پرنماز نہ پڑھے اور نہ سجدۂ تلاوت کرے۔

وجہ (۱) نماز جنازہ نماز ہے اوراوقات مکروہ میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔اس لئے اوقات مکروہ میں نماز جنازہ بھی نہ پڑھے (۲) ضروری نوٹ میں مسلم شریف کی حدیث آئی تھی جس کا ایک ٹکڑا تھا **او ان نقبر فیھن موتانا حین تطلع الشمس** (الف) (مسلم شریف، باب الاوقات التی نہی عن الصلوۃ فیھا ص ۲۷۶ نمبر ۸۳۱) جس کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ ہم ان اوقات میں اپنے مردوں کو دفن نہ کریں۔لیکن مردوں کو دفن کرنے کے کوئی معنی نہیں ہیں اس لئے اس کا طلب یہی ہوگا کہ جنازہ کی نماز ان اوقات میں نہ پڑھیں۔اور سجدۂ تلاوت میں بھی سجدہ کرنا نماز کا حصہ ہے اس لئے ان اوقات میں سجدۂ تلاوت بھی نہ کرے۔اثر میں ہے **حدثنا ابو تمیمۃ الھجیمی قال لما بعثنا الرکب قال ابو داؤد یعنی المدینۃ قال کنت اقص بعد صلوۃ الصبح فاسجدفیھا فنھانی ابن عمر فلم انتہ ثلاث مرات ثم عاد فقال انی صلیت خلف رسول اللہ ﷺ ومع ابی بکر و عمر و عثمان فلم یسجدوا حتی تطلع الشمس** (ب) (ابوداؤد شریف، باب من یقرأ السجدۃ بعد الصبح ص ۲۰۷ نمبر ۱۴۱۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اوقات مکروہ میں سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔

نوٹ اگراسی اوقات مکروہ ہی میں جنازہ سامنے آیا یا اسی اوقات مکروہ ہی میں آیت سجدہ پڑھی تو چونکہ وقت مکروہ میں یہ اسبب پیش آیا تو مکروہ اوقات ان کے سبب بنے۔اس لئے ایسی صورت میں ان مکروہ اوقات میں نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے اور سجدۂ تلاوت بھی کرسکتا ہے۔

اصول نماز جنازہ جلدی پڑھنے کی تاکید ہے تاکہ مردہ پھول پھٹ نہ جائے اس لئے اوقات مکروہ میں جنازہ آیا تو اس وقت بھی پڑھ سکتا ہے۔

اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن علی بن ابی طالب ان رسول اللہ ﷺ قال لا تؤخرواالجنازۃ اذا حضرت** (ابن ماجہ شریف، باب ماجاء فی الجنازۃ لاتؤخروااذا حضرت ص ۲۱۲، نمبر ۱۴۸۶)

[۲۷۷] (۳) مکروہ ہے کہ نفل پڑھے فجر کی نماز کے بعد یہاں تک کہ سورج طلوع ہوجائے اور عصر کی نماز کے بعد یہاں تک کہ سورج غروب ہوجائے۔

تشریح فجر کے فرض کے بعد طلوع آفتاب تک کوئی نفل نہ پڑھے اسی طرح عصر کے فرض کے بعد غروب آفتاب تک کوئی نفل نہ پڑھے۔

وجہ (۱) گویا کہ یہ فرض نماز ہی میں مشغول ہے اس کی فضیلت زیادہ ہوئی۔اب نفل میں مشغول ہونا گویا کہ کم درجہ میں مشغول ہونا ہے اس لئے نفل نماز نہ پڑھے (۲) حدیث میں بھی نفل پڑھنے سے منع فرمایا ہے **عن ابن عباس ان النبی ﷺ نھی عن الصلوۃ بعد الصبح**

حاشیہ : (الف) یا ہم اپنے مردوں کو دفن کریں (یعنی نماز جنازہ پڑھیں) جس وقت سورج طلوع ہو (الف) ابوتمیم ہجیمی فرماتے ہیں کہ جب قافلہ مدینہ روانہ کیا تو میں صبح کی نماز کے بعد تلاوت کیا کرتا تھا تو حضرت عمرؓ نے تین مرتبہ مجھے روکا تا ہم میں نہیں رکا تو فرمایا کہ میں نے حضورؐ اور ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی وہ لوگ سورج طلوع ہونے تک سجدہ نہیں کیا کرتے تھے۔

[۲۷۸](۴) ولا بأس بان یصلی فی ھذین الوقتین الفوائت[۲۷۹](۵) ویکرہ ان یتنفل بعد طلوع الفجر باکثر من رکعتی الفجر۔

حتی تشرق الشمس و بعد العصر حتی تغرب (الف)(بخاری شریف، باب الصلوۃ بعد الفجر حتی ترتفع الشمس ص۸۲ نمبر۵۸۱ر مسلم شریف، باب الاوقات التی نہی عن الصلوۃ فیھا ص۲۷۵ نمبر ۸۲۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز فجر کے بعد سے آفتاب طلوع ہونے تک اور نماز عصر کے بعد سے آفتاب غروب ہونے تک نفل نماز نہیں پڑھنا چاہئے مکروہ ہے۔

[۲۷۸](۴) اور کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ دونوں وقتوں میں فائتہ پڑھے اور سجدۂ تلاوت کرے اور جنازہ کی نماز پڑھے۔

وجہ (۱) فائتہ نماز جو واجب ہے وہ نفل سے افضل ہے اس لئے فرض نماز میں تقدیری طور پر مشغول رہنا یہ کم درجہ ہے اور حقیقی طور پر مشغول رہنا یہ اعلی درجہ ہے۔ اس لئے واجب میں حقیقی طور پر مشغول ہونا زیادہ بہتر ہوگا اور پڑھ سکتا ہے۔ اسی طرح نماز جنازہ اور سجدۂ تلاوت واجب ہے اس لئے ان کو بھی فجر کے فرض کے بعد اور عصر کے فرض کے بعد ادا کر سکتے ہیں (۲) حدیث میں ہے **عن ام سلمۃ صلی النبی ﷺ بعد العصر رکعتین وقال شغلنی ناس من عبد القیس عن الرکعتین بعد الظھر** (ب)(بخاری شریف، باب ما یصلی بعد العصر من الفوائت ص۸۳ نمبر ۵۹۰ر مسلم شریف، باب الاوقات التی نہی عن الصلوۃ فیھا ص۲۷۷ نمبر ۸۳۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فائتہ نماز عصر اور فجر کے بعد پڑھ سکتا ہے۔ کیونکہ ظہر کی جو سنت رہ گئی تھی وہ قضا کے طور پر آپؐ نے پڑھی تھی۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک عصر کے فرض کے بعد سنت بھی پڑھ سکتا ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن عائشۃ قالت رکعتان لم یکن رسول اللہ ﷺ یدعھما سرا ولا علانیۃ رکعتان قبل الصبح ورکعتان بعد العصر** (ج)(بخاری شریف، باب ما یصلی بعد العصر من الفوائت ونحوھا ص۸۳ نمبر ۵۹۲ر مسلم شریف، باب الاوقات التی نہی عن الصلوۃ فیھا ص۲۷۷ نمبر ۸۳۵ر ۱۹۳۵) اسی باب کی حدیث میں حضرت عائشہؓ سے یہ بھی مروی ہے **ما کان النبی ﷺ یأتینی فی یوم بعد العصر الا صلی رکعتین** (د)(بخاری شریف نمبر ۵۹۳ر مسلم شریف نمبر ۸۳۵ ماقبل کا باب) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ عصر کے بعد مسلسل یہ دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

[۲۷۹](۵) مکروہ ہے کہ نفل پڑھے فجر کے طلوع ہونے کے بعد فجر کی دو سنتوں سے زیادہ۔

تشریح صبح صادق کے بعد فجر کی دو سنتیں پڑھے اور دو فرض پڑھے۔ اس سے زیادہ سنت پڑھنا مکروہ ہے۔

وجہ حدیث میں ہے **عن حفصۃ قالت کان رسول اللہ ﷺ اذا طلع الفجر لا یصلی الا رکعتین خفیفتین** (ہ)(مسلم شریف، باب استحباب رکعتی سنۃ الفجر ص۲۵۰ نمبر ۷۲۳) اور ترمذی میں ہے **عن ابن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال لا صلوۃ بعد**

حاشیہ : (الف) آپؐ نے صبح کے بعد نماز سے روکا یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے اور عصر کے بعد یہاں تک کہ غروب ہو جائے (ب) ام سلمہ سے روایت ہے کہ آپؐ نے عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھی اور آپؐ نے فرمایا عبد القیس کے کچھ لوگوں نے ظہر کے بعد کی دو رکعتوں سے مشغول کر دیا (ج) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ دو رکعتیں حضورؐ نے کبھی بھی ان کو نہیں چھوڑا۔ نہ سر میں نہ اور نہ علانیہ میں، دو رکعتیں صبح کی فرض سے پہلے اور دو رکعتیں عصر کے بعد (د) کوئی دن ایسا نہیں ہوا کہ حضورؐ میرے پاس آئے ہوں اور عصر کے بعد دو رکعتیں نہ پڑھی ہوں (ہ) جب فجر طلوع ہوتی تو حضور نہیں پڑھتے تھے مگر دو ہلکی رکعتیں۔

[۲۸۰] (٦) ولا یتنفل قبل المغرب .

الفجر الا سجدتین (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء لاصلوۃ بعد طلوع الفجر الا رکعتین ص ۹٦ نمبر ۴۱۹) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ طلوع فجر کے بعد صرف دو رکعتیں سنت پڑھنا چاہئے (۲) حضور کو نماز پر حرص کے باوجود دو رکعتوں کے علاوہ نہیں پڑھتے تھے۔اس لئے بھی نہیں پڑھنا چاہئے۔

[۲۸۰] (٦) مغرب کے فرض سے پہلے نفل نہ پڑھے۔

وجہ مغرب کی اذان کے بعد فرض سے پہلے دو رکعت نفل پڑھنا ثابت ہے لیکن حنفیہ فرماتے ہیں کہ نہ پڑھے تو اچھا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ فرض پڑھنے میں تاخیر ہوگی اور حدیث جبرئیل میں گزرا کہ دونوں دنوں میں مغرب کی نماز جلدی پڑھی۔اس لئے مغرب کا فرض جلدی پڑھنا چاہئے (۲) **سئل ابن عمر عن الرکعتین قبل المغرب فقال ما رأیت احدا علی عھد رسول اللہ یصلیھما** (ب) (ابوداؤد شریف، باب الصلوۃ قبل المغرب ص ۱۸۹ نمبر ۱۲۸۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کے زمانے میں مغرب کے فرض سے پہلے دو رکعت سنتوں کا خاص رواج نہیں تھا (۳) **حدثنا عبد اللہ بن بریدۃ عن ابیہ قال قال رسول اللہ ﷺ ان عند کل اذانین رکعتین ماخلا صلوۃ المغرب** (ج) (دار قطنی، باب الحث علی الرکوع بین الاذانین ج اول ص ۲۷۲ نمبر ۱۰۲۸) اس سے بھی معلوم ہوا کہ مغرب کے فرض سے پہلے سنت نہیں ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک مغرب کے فرض سے پہلے دو رکعت سنت ہے۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن عبد اللہ المزنی قال قال رسول اللہ ﷺ صلوا قبل المغرب رکعتین ثم قال صلوا قبل المغرب رکعتین لمن شاء خشیۃ ان یتخذھا الناس سنۃ** (د) (ابوداؤد شریف، باب الصلوۃ قبل المغرب ص ۱۸۹ نمبر ۱۲۸۱ / بخاری شریف، باب الصلوۃ قبل المغرب ص ۱۵۷ نمبر ۱۱۸۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مغرب کے فرض سے پہلے سنت ہے۔

نوٹ اس حدیث کی بنا پر حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر کوئی سنت پڑھ لے تو مکروہ نہیں ہے۔طریقۂ حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سنت نہیں ہے نفل ہے۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے فرمایا کہ فجر کے بعد نہیں ہے کوئی نماز مگر دو رکعتیں (ب) حضرت ابن عمرؓ سے مغرب سے پہلے دو رکعتوں کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ حضورؐ کے زمانے میں کسی کو نہیں دیکھا کہ ان دو رکعتوں کو پڑھتے ہوں (ج) آپؐ نے فرمایا ہر دو اذانوں یعنی اذان اور اقامت کے درمیان دو رکعتیں ہیں سوائے مغرب کے (د) آپؐ نے فرمایا مغرب سے پہلے دو رکعتیں نماز پڑھو۔پھر کہا کہ مغرب سے پہلے دو رکعتیں نماز پڑھو جو چاہے۔لمن شاء اس ڈر سے کہا کہ لوگ ان کو سنت نہ بنالیں۔

﴿باب النوافل﴾

[۲۸۱](۱)السنۃ فی الصلوۃ ان یصلی رکعتین بعد طلوع الفجر[۲۸۲](۲) واربعا قبل

﴿ باب النوافل ﴾

ضروری نوٹ النوافل سے مراد فرض کے علاوہ نماز ہے۔ یہاں نوافل میں سنت اور نوافل دونوں شامل ہیں۔دلیل یہ حدیث ہے **سألت عائشة عن صلوة رسول الله ﷺ عن تطوعه؟ فقالت كان يصلي في بيتي قبل الظهر اربعا ثم يخرج فيصلي بالناس ثم يدخل فيصلي ركعتين و كان يصلي بالناس المغرب ثم يدخل فيصلي ركعتين ويصلي بالناس العشاء و يدخل بيتي فيصلي ركعتين ... وكان اذا طلع الفجر صلى ركعتين (الف)** (مسلم شریف، باب جواز النافلة قائما وقاعدا ص ۲۵۲ نمبر ۱۷۳۰/ابوداؤد شریف، ابواب التطوع ورکعات السنۃ ص ۱۸۵ نمبر ۱۲۵۱/ترمذی شریف، باب ما جاء فی من صلی فی یوم ولیلۃ ثنتی عشرۃ رکعۃ من السنۃ مالہ من الفضل ص ۹۴ نمبر ۴۱۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فرض نماز سے پہلے اور فرض نماز کے بعد پورے دن اور رات میں سنت مؤکدہ ہیں اور وہ بارہ رکعتیں ہیں۔ان کی تاکید آئی ہے۔

[۲۸۱](۱) سنت نماز میں یہ ہے کہ دو رکعتیں طلوع فجر کے بعد پڑھے۔

وجہ حدیث میں ہے **عن عائشة قالت لم يكن النبي ﷺ على شيء من النوافل اشد تعاهدا منه على ركعتي الفجر** (ب) (بخاری شریف، باب تعاهد رکعتی الفجر ص ۱۵۶ نمبر ۱۱۶۹/مسلم شریف، باب استحباب رکعتی سنۃ الفجر ص ۲۵۰ نمبر ۱۶۸۶/۷۲۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سنت فجر سنت مؤکدہ ہے۔کیونکہ آپؐ اس کی بہت تاکید فرماتے تھے۔

[۲۸۲](۲) ظہر سے پہلے چار رکعتیں اور ظہر کے بعد دو رکعتیں سنت ہیں۔

وجہ **عن عائشة ان النبي ﷺ كان لا يدع اربعا قبل الظهر و ركعتين قبل الغداة** (بخاری شریف نمبر ۱۱۸۲) دوسری حدیث میں ہے **عن ابن عمر قال حفظت من النبي ﷺ عشر ركعات، ركتين قبل الظهر و ركعتين بعدها و ركعتين بعد المغرب في بيته و ركعتين بعد العشاء في بيته و ركعتين قبل صلوة الصبح** (ج) (بخاری شریف، باب رکعتین قبل الظہر ص ۱۵۷ نمبر ۱۱۸۰/ابوداؤد شریف، باب الاربع قبل الظہر وبعدہا ص ۱۸۷ نمبر ۱۲۶۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ظہر سے پہلے چار اور اس کے بعد دو

حاشیہ : (الف) حضرت عائشہؓ سے حضورؐ کے نفل کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ آپؐ میرے گھر میں ظہر سے پہلے چار رکعت پڑھتے پھر نکلتے اور لوگوں کو نماز پڑھاتے۔پھر گھر میں داخل ہوتے تو دو رکعت نماز پڑھتے۔اور لوگوں کو مغرب کی نماز پڑھاتے پھر داخل ہوتے اور دو رکعت نماز پڑھتے۔اور عشا کی نماز لوگوں کو پڑھاتے اور میرے گھر میں داخل ہوتے تو دو رکعت نماز پڑھتے...جب فجر طلوع ہوتی تو دو رکعت پڑھتے (ب) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ نوافل میں سے کسی پر اتنی تاکید نہیں فرماتے جتنی فجر کی دو رکعتوں پر فرماتے (ج) آپؐ چار رکعت ظہر سے پہلے اور دو رکعت فجر سے پہلے نہیں چھوڑتے۔دوسری حدیث میں ہے کہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ سے دس رکعتیں یاد کی ہیں۔دو رکعت ظہر سے پہلے، دو اس کے بعد، دو مغرب کے بعد ان کے گھر میں، دو عشا کے بعد ان کے گھر میں اور دو رکعتیں صبح کی نماز سے پہلے۔

الظهر ورکعتین بعدها [۲۸۳](۳) واربعا قبل العصر وان شاء رکعتین [۲۸۴](۴) ورکعتین بعد المغرب [۲۸۵](۵) واربعا قبل العشاء و بعدها اربعا وان شاء رکعتین.

رکعتیں سنت ہیں۔اور ایک حدیث میں ظہر کے بعد بھی چار رکعت سنت کی حدیث ہے۔ **قالت ام حبیبة قال رسول الله ﷺ من حافظ علی اربع رکعات قبل الظهر واربع بعدها حرم علی النار** (الف)(ابوداؤد شریف، باب الاربع قبل الظہر وبعدھا ص ۱۸۷ نمبر ۱۲۶۹ رترمذی شریف، باب آخر (باب ماجاء فی الرکعتین بعد الظہر ص ۹۸ نمبر ۴۲۷) اس حدیث کی بنا پر اور اوپر کی حدیث کی بنا پر ظہر کے بعد چار رکعتیں سنت ہیں۔اسی لئے یہ عمل ہے کہ دو رکعت سنت کی نیت سے پڑھتے ہیں۔پھر دو رکعت نفل کی نیت سے پڑھتے ہیں۔

[۲۸۳](۳) عصر سے پہلے چار رکعت اور چاہے تو دو رکعتیں پڑھے۔

وجہ **عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ رحم الله امرء صلی قبل العصر اربعا** (ب)(ابوداؤد شریف، باب الصلوۃ قبل العصر ص ۱۸۷ نمبر ۱۲۷۱ رترمذی شریف، باب ماجاء فی الاربع قبل العصر ص ۹۸ نمبر ۴۳۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عصر سے پہلے چار رکعت سنت ہیں۔لیکن دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دو رکعتیں سنت ہیں۔حدیث میں ہے **عن علی ان النبی ﷺ کان یصلی قبل العصر رکعتین** (ج)(ابوداؤد شریف، باب الصلوۃ قبل العصر ص ۱۸۷ نمبر ۱۲۷۲ رترمذی شریف، باب ماجاء فی الاربع قبل العصر ص ۹۸ نمبر ۴۲۹) اس حدیث کی بنا پر صاحب کتاب نے فرمایا کہ عصر کی سنت دو رکعت بھی پڑھ سکتا ہے۔

[۲۸۴](۴) مغرب کے بعد دو رکعتیں ہیں۔

وجہ اس کی وجہ کئی حدیث میں اوپر گزر گئی ہے (مسلم شریف، باب جواز النافلۃ قائما ص ۲۵۲ نمبر ۷۳۰)

[۲۸۵](۵) اور عشا سے پہلے چار رکعت اور اس کے بعد چار رکعت اور چاہے تو دو رکعت سنت پڑھے۔

وجہ عشا کے بعد دو رکعت کی تو کئی حدیثیں گزر گئی ہیں۔اور عشا کے بعد چار رکعت سنت پڑھنے کی حدیث یہ ہے **عن عائشة قال سألتها عن صلوة رسول الله ﷺ فقالت ما صلی رسول الله العشاء قط فدخل علی الا صلی اربع رکعات او ست رکعات** (د)(ابوداؤد شریف، باب الصلوۃ بعد العشاء ص ۱۹۲ نمبر ۱۳۰۳ رسنن للبیھقی، باب من جعل بعد العشاء اربع رکعات او اکثر ج ثانی ص ۶۷۱، نمبر ۴۵۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عشا کے بعد چار رکعت سنت ہے۔اور ضروری نوٹ کے تحت لمبی حدیث گزری جس میں تھا کہ **ویصلی بالناس العشاء و یدخل بیتی فیصلی رکعتین** (ہ)(مسلم شریف، باب جواز النافلۃ قائما وقاعدا ص ۲۵۲، نمبر ۷۳۰ رابوداؤد شریف، ابواب التطوع ورکعات السنۃ ص ۱۸۵، نمبر ۱۲۵۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عشا کے بعد دو رکعت سنت ہے۔اس لئے دونوں

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جس نے چار رکعتیں ظہر سے پہلے اور چار ان کے بعد پر محافظت کی وہ آگ پر حرام کر دیا جائے گا (ب) آپؐ نے فرمایا اللہ اس آدمی پر رحم کرے جس نے عصر سے پہلے چار رکعت پڑھی (ج) آپ عصر سے پہلے دو رکعت پڑھتے تھے (د) حضرت عائشہ کو حضور کی نماز کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ حضورؐ عشا کی نماز پڑھ کر میرے پاس آئے ہوں مگر یہ کہ انہوں نے چار رکعت نماز پڑھی یا چھ رکعت نماز پڑھی (ہ) آپؐ عشا کی نماز پڑھا کر میرے گھر میں داخل ہوتے۔پس دو رکعت نماز پڑھتے۔

[۲۸۶] (۶) فان صلی باللیل صلی ثمانی رکعات [۲۸۷](۷) ونوافل النهار ان شاء صلی رکعتین بتسلیمة واحدة وان شاء اربعا ویکره الزیادة علی ذلک.

حدیثوں کی بنا پر حنفیوں کا عمل یہ ہے کہ دو رکعت سنت کی نیت سے پڑھتے ہیں اور اس کے بعد دو رکعت نفل کی نیت سے عشا کے بعد پڑھتے ہیں۔

چونکہ عشا کی پہلی چار رکعت پڑھنے کی دلیل حدیث مشہورہ میں نہیں ہے اس لئے عشا سے پہلے چار رکعت مندوب ہے۔ اور چونکہ منع نہیں فرمایا اور حدیث میں ہے **عن عبد الله بن مغفل قال قال النبی ﷺ بین کل اذانین صلوۃ بین کل اذا نین صلوۃ ثم قال فی الثالثة لم شاء** (الف) (بخاری شریف، باب بین کل اذانین صلوۃ ص ۸۷ باب الاذان نمبر ۶۲۷) اس اعتبار سے عشا کی اذان اور اقامت کے درمیان کچھ رکعتیں ہونی چاہئے۔ اسلئے عشا سے پہلے چار رکعت مندوب ہے، مستحب ہے۔

[۲۸۶] (۶) اگر رات میں نفل پڑھے تو ایک سلام کے ساتھ آٹھ رکعتیں پڑھ سکتا ہے۔

وجہ اس لئے کہ حضورؐ نے ایک سلام کے ساتھ آٹھ رکعتوں سے زیادہ نماز نہیں پڑھی ہے۔ اس لئے زیادہ سے زیادہ ایک سلام کے ساتھ آٹھ رکعت نماز پڑھ سکتا ہے۔ اس حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن عائشة قالت کان رسول الله یصلی من اللیل ثلاث عشرة رکعة یوتر من ذلک بخمس لا یجلس فی شیء الا فی آخرها** (ب) (مسلم شریف، باب صلوۃ اللیل وعدد رکعات النبی فی اللیل ص ۲۵۴ نمبر ۷۳۷) اس حدیث میں ہے کہ تیرہ رکعتیں پڑھی اور پانچ رکعت وتر ہے اور صرف اخیر میں بیٹھے ہیں تو معلوم ہوا کہ آٹھ رکعت ایک سلام کے ساتھ رات میں پڑھی ہے۔ اس لئے ایک سلام کے ساتھ رات میں آٹھ رکعت پڑھنا جائز ہے۔ اس سے زیادہ کا ثبوت نہیں اس لئے ایک سلام کے ساتھ اس سے زیادہ پڑھنا اچھا نہیں ہے۔

نوٹ یہ سب اختلاف استحباب میں ہے۔

[۲۸۷] (۷) دن کے نفل چاہے تو ایک سلام کے ساتھ دو دو رکعتیں پڑھے اور چاہے تو چار پڑھے۔ اس سے زیادہ کرنا مکروہ ہے۔

وجہ ظہر اور فجر کی سنتوں کا ثبوت دو دو رکعت کا ہے۔ اس لئے دو دو رکعت بھی نفل پڑھ سکتا ہے۔ اور چار چار رکعت بھی ظہر اور عصر کی سنتیں ہیں۔ اس لئے چار رکعت بھی پڑھ سکتا ہے۔ حدیث میں ہے **قالت ام حبیبة زوج النبی ﷺ قال رسول الله ﷺ من حافظ علی اربع رکعات قبل الظهر واربع بعدها حرم علی النار** (ج) (ابوداؤد شریف، باب الاربع قبل الظہر و بعدھا ص ۱۸۷ نمبر ۱۲۶۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دن کی سنت چار رکعتیں ہیں تو نفل بھی اسی کے مشابہ ہو کر چار رکعت ایک سلام کے ساتھ پڑھ سکتا ہے۔ اس سے زیادہ ایک سلام کے ساتھ ثبوت نہیں ہے اس لئے مکروہ ہوگا۔ لیکن کراہیت تنزیہی ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا دو اذانوں کے درمیان نماز ہے۔ دو اذانوں کے درمیان نماز ہے (یعنی اذان اور اقامت کے درمیان) پھر تیسری مرتبہ فرمایا 'جو چاہے' (ب) آپؐ رات میں تیرہ رکعتیں پڑھتے۔ ان میں سے پانچ رکعتیں وتر کی پڑھتے۔ ان میں سے صرف اخیر میں بیٹھتے (ج) آپؐ نے فرمایا جو شخص ظہر سے پہلے چار رکعتوں پر اور اس کے بعد چار رکعتوں پر محافظت کرے وہ آگ پر حرام کر دیا جائے گا۔

[۲۸۸](۸) فاما نوافل اللیل فقال ابو حنیفة رحمه الله تعالی ان صلی ثمانی رکعات بتسلیمة واحدة جاز ویکره الزیادة علی ذلک[۲۸۹] (۹) وقال ابو یوسف و محمد رحمهما الله تعالی لا یزید باللیل علی رکعتین بتسلیمة واحدة [۲۹۰](۱۰) والقراءة

[۲۸۸](۸) بہرحال رات کے نوافل تو ابوحنیفہؒ نے فرمایا اگر آٹھ رکعت ایک سلام کے ساتھ پڑھے تو جائز ہے اور اس سے زیادہ پڑھنا مکروہ ہے۔

وجہ اس کی دلیل مسئلہ نمبر ۶ میں گزر گئی۔

[۲۸۹](۹) اور صاحبینؒ نے فرمایا رات میں ایک سلام کے ساتھ دو رکعت پر زیادہ نہ کرے۔

تشریح صاحبین فرماتے ہیں کہ دن میں تو ایک سلام کے ساتھ چار رکعتیں بھی پڑھ سکتا ہے کیونکہ اس کا ثبوت ہے۔لیکن رات میں ایک سلام کے ساتھ دو دو رکعتیں پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔

وجہ حدیث میں ہے **عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال صلوة اللیل مثنی مثنی** (الف) (ترمذی شریف، باب ما جاء ان صلوۃ اللیل مثنی مثنی ص ۹۸ نمبر ۴۳۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رات میں نفل نماز دو دو رکعتیں ہیں۔لیکن چونکہ دن کے بارے میں چار کا ثبوت ہے اس لئے دن میں تو چار کے قائل ہو گئے لیکن رات کے بارے میں فرمایا کہ دو دو رکعتیں ہی افضل ہیں۔

فائدہ امام شافعیؒ حدیث کی بنا پر فرماتے ہیں کہ رات اور دن دونوں میں دو دو رکعتیں پڑھنا افضل ہے۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال صلوة اللیل والنهار مثنی مثنی ان تشهد فی کل رکعتین** (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی صلوۃ النہار ص ۱۹۰ نمبر ۱۲۹۵) (۲) حدیث میں ہے **عن عائشة قالت کان رسول الله ﷺ یصلی فیما بین ان یفرغ من صلوة العشاء وهی التی یدعو الناس العتمة الی الفجر احدی عشر رکعت یسلم بین کل رکعتین** (ج) (مسلم شریف، باب صلوۃ اللیل وعدد رکعات النبی ﷺ فی اللیل ص ۲۵۴ نمبر ۱۷۳۶) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ رات کی نماز دو دو رکعت پڑھنی چاہئے۔اور دن کے بارے میں یہ حدیث ہے **عن ام هانی بنت ابی طالب ان رسول الله ﷺ یوم الفتح صلی سبحة الضحی ثمانی رکعات یسلم من کل رکعتین** (د) (ابوداؤد شریف، باب صلوۃ الضحی ص ۱۹۰ نمبر ۱۲۹۰) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دن کی نماز دو دو رکعتیں پڑھنی چاہئے۔ان احادیث کی بنا پر شافعیؒ رات اور دن میں دو دو رکعت نفل پڑھنے کے قائل ہیں۔

﴿ فصل فی القرأۃ ﴾

[۲۹۰](۱۰) قرأت واجب ہے فرض کی پہلی دو رکعتوں میں اور اس کو اختیار ہے دوسری دو رکعتوں میں۔اگر چاہے تو سورۂ فاتحہ پڑھے اور اگر

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا رات کی نماز دو دو رکعتیں ہیں (ب) آپؐ نے فرمایا رات اور دن کی نماز میں دو دو رکعتیں ہیں (ج) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ نماز پڑھتے تھے اس درمیان کہ فارغ ہوتے تھے نماز عشا سے جس کو لوگ عتمہ کہتے ہیں فجر تک میں گیارہ رکعتیں۔ہر دو رکعت کے درمیان سلام کرتے تھے (د) آپؐ نے فتح مکہ کے دن چاشت کی نماز آٹھ رکعتیں پڑھی۔ہر دو رکعت پر سلام فرماتے تھے۔

واجبة فی الرکعتین الاولیین وهو مخیر فی الاخریین ان شاء قرء الفاتحةوان شاء سکت

چاہے تو چپ رہے اور اگر چاہے تو تسبیح پڑھے۔

تشریح فرض کی جو نماز چار رکعت والی ہے مثلا ظہر، عصر اور عشا یا تین رکعت والی ہے مثلا مغرب تو ان کی پہلی دو رکعتوں میں قرأت کرنا فرض ہے۔ اگر ایک آیت بڑی بھی قرأت نہیں کی تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ سورۂ فاتحہ پڑھنا اور سورۃ ملانا دونوں واجب ہیں۔ دلائل گزر چکے ہیں۔

وجہ (۱) اصل میں فرض میں پہلی دو رکعتیں اصل ہیں اور دوسری دو رکعتیں انکے تابع ہیں۔ اس لئے پہلی دو رکعتوں میں قرأت کرنا فرض ہوگا (۲) حدیث میں ہے **عن عبد اللہ بن ابی قتادة عن ابیه ان النبی ﷺ کان یقرأ فی الظهر فی الاولیین بام الکتاب و سورتین وفی الرکعتین الاخریین بام الکتاب ویسمعنا الآیة و یطول فی الرکعة الاولی ما لا یطیل فی الرکعة الثانیة وهکذا فی العصر** (الف) (بخاری شریف، باب یقرأ فی الاخریین بفاتحۃ الکتاب ص ۱۰۷ نمبر ۷۷۶ رمسلم شریف، باب القراءۃ فی الظہر والعصر ص ۱۸۵ نمبر ۴۵۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوسری رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔ لیکن یہ ہمارے یہاں بطور سنت کے ہے وجوب کے نہیں (۳) **جابر بن سمرة قال قال عمر لسعد لقد شکوک فی کل شیء حتی الصلوة قال اما انا فامد فی الاولیین واحذف فی الاخریین ولا آلو ما اقتدیت به من صلوة رسول الله ﷺ قال صدقت ذلک الظن بک او ظنی بک** (ب) (بخاری شریف، باب یطول فی الاولیین ویحذف فی الاخریین ص ۱۰۶ نمبر ۷۷۰ رمسلم شریف، باب القراءۃ فی الظہر والعصر ص ۱۸۶ نمبر ۴۵۳) احذف فی الاخریین کے دو ترجمے کر سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ بالکل قرأت نہیں کرتا ہوں۔ یہ ترجمہ حنفیہ کے مطابق ہوگا کہ دوسری دو رکعتوں میں قرأت نہیں ہے۔ اور دوسرا ترجمہ یہ ہے کہ مختصر قرأت کرتا ہوں یعنی سورۂ فاتحہ پڑھتا ہوں۔ اس ترجمہ سے سورۂ فاتحہ کا ثبوت ہوگا جو حنفیہ کے نزدیک فرض کی دوسری دو رکعتوں میں سنت ہے (۴) **عن عبد الله بن ابی رافع قال کان یعنی علیا یقرأ فی الاولیین من الظهر والعصر بام القرآن و سورة ولا یقرأ فی الاخریین** (ج) (مصنف عبد الرزاق، باب کیف القراءۃ فی الصلوۃ ج ثانی ص ۱۰۰، نمبر ۲۶۵۶ رمصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۴۶ من کان یقول یسبح فی الاخریین ولا یقرأ، ج اول، ص ۳۲۷، نمبر ۳۷۴۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ دوسری دو رکعتوں میں قرأت کوئی ضروری نہیں ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک دوسری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔

وجہ (۱) ان کے نزدیک ہر رکعت مستقل نماز ہے۔ اور نماز بغیر قرأت کے نہیں ہوتی اس لئے دوسری دو رکعتوں بھی سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری

حاشیہ : (الف) آپ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور دو سورتیں پڑھتے اور دوسری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھتے۔ اور کبھی کبھی ہمیں آیت سناتے۔ اور جتنی لمبی پہلی رکعت میں کرتے اتنی لمبی دوسری رکعت میں نہیں کرتے۔ اور ایسا ہی عصر میں کرتے (ب) حضرت عمر نے حضرت سعد سے فرمایا آپ کی ہر چیز میں شکایت کی ہے۔ یہاں تک کہ نماز میں بھی۔ حضرت سعد نے فرمایا بہر حال میں تو پہلی دو رکعتوں میں لمبی کرتا ہوں اور دوسری رکعتوں میں مختصر کرتا ہوں۔ اور حضور کی نماز کی جس طرح اقتدا کی ہے اس میں کمی نہیں کرتا ہوں۔ حضرت عمر نے فرمایا آپ نے سچ کہا۔ میرا آپ کے ساتھ یہی گمان تھا (ج) حضرت علیؓ ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور سورۃ پڑھتے تھے۔ اور دوسری دو رکعتوں میں کچھ نہیں پڑھتے تھے۔

وان شاء سبح [۲۹۱](۱۱) والقراءۃ واجبۃ فی جمیع رکعات النفل و فی جمیع الوتر[۲۹۲](۱۲) ومن دخل فی صلوۃ النفل ثم افسدھا قضاھا.

ہے(۲) اسی مسئلہ میں بخاری کی حدیث گزری جس میں تھا کہ حضورؐ دوسری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے جس کا مطلب یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے(۳) پیچھے حدیث گزری **لاصلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب** (بخاری شریف نمبر ۷۵۶/ مسلم شریف نمبر ۳۹۴) اس حدیث کی وجہ سے بھی فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔

[۲۹۱](۱۱) قرأت واجب ہے نفل کی تمام رکعتوں میں اور وتر کی تمام رکعتوں میں۔

وجہ نفل کی ہر دو رکعت ایک شفعہ ہے اور شفعہ مستقل نماز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چار رکعت کی نیت باندھی تو دو رکعت ہی لازم ہوگی۔ چار رکعت لازم نہیں ہوگی۔ ہر دو رکعت الگ الگ شفعہ ہے اس کا اشارہ حدیث میں ہے **عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال صلوۃ اللیل والنھار مثنی مثنی** (ابوداؤد شریف، باب فی صلوۃ النھار ص ۱۹۰ نمبر ۱۲۹۵) اس لئے ہر شفعہ میں قرأت کرنا لازم ہے۔ اور ہر شفعہ کی ہر رکعت میں قرأت کرنا ضروری ہے(۲) وتر بھی من وجہ نفل ہے اس لئے اس کی تیسری رکعت میں قرأت کرے گا۔ احتیاط کا بھی تقاضا یہی ہے(۳) وتر کی تیسری رکعت میں قرأت کرنے کا ثبوت حدیث میں ہے **سألت عائشۃ بای شیء کان یوتر رسول اللہ؟ قالت کان یقرأ فی الاولی بسبح اسم ربک الاعلی و فی الثانیۃ بقل یا ایھا الکافرون وفی الثالثۃ بقل ھو اللہ احد والمعوذتین** (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء مایقرأ فی الوتر ص ۱۰۶ نمبر ۴۶۳/ ابوداؤد شریف، باب مایقرأ فی الوتر ص ۲۰۸ نمبر ۱۴۲۳) اس حدیث میں ہے کہ وتر کی تیسری رکعت میں قل ھو اللہ احد پڑھی۔ جس سے ثابت ہوتا ہے وتر کی تیسری رکعت میں سورۃ ملانا واجب ہے۔ اور جب وتر کی تیسری رکعت میں قرأت کی جائے گی تو نفل کی تیسری رکعت میں بدرجہ اولی قرأت کی جائے گی۔

[۲۹۲](۱۲) جو نفل نماز میں داخل ہو پھر اس کو فاسد کر دے تو اس کو قضا کرے گا۔

تشریح اگر کسی نے نفل کی نیت باندھی اور تحریمہ کے بعد اس کو توڑ دیا تو دو رکعت کی قضا لازم ہوگی۔

وجہ نفل جب تک شروع نہ کرے وہ نفل ہے، تبرع ہے۔ لیکن شروع کرنے کے بعد وہ ایک قسم کی عملا نذر کی طرح ہو جاتی ہے اور نذر کو پوری کرنا ضروری ہے۔ اس لئے نفل شروع کرنے کے بعد توڑ دے تو اس کو قضا کرنا واجب ہوگا۔ نذر پوری کرنے کی دلیل یہ آیت ہے۔ **ثم لیقضوا تفثھم ولیوفوا نذورھم** (ب) (آیت ۲۹ سورۃ الحج ۲۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ نذر پوری کرنا چاہئے۔ دوسری آیت میں ہے کہ عمل کو باطل نہیں کرنا چاہئے اس لئے نفل کی جب نیت باندھ لی تو وہ ایک عمل بن گیا۔ اس لئے اس کو باطل نہیں کیا جائے گا۔ اور توڑ دیا تو اس کی قضا لازم ہوگی۔ آیت میں ہے **یا ایھا الذین آمنوا اطیعو اللہ واطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم** (ج) (آیت ۳۳

حاشیہ : (الف) حضرت عائشہ سے میں نے پوچھا کہ حضور کن کن سورتوں سے وتر پڑھتے تھے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا پہلی رکعت میں سبح اسم اور دوسری رکعت میں قل یا ایھا الکافرون اور تیسری رکعت میں قل ھو اللہ احد اور قل اعوذ برب الناس اور قل اعوذ برب الفلق پڑھا کرتے تھے (ب) پھر بال وغیرہ کی گندگی ختم کرنا چاہئے اور اپنی نذر کو پوری کرنا چاہئے (ج) اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو باطل نہ کرو۔

[۲۹۳](۱۳) فان صلی اربع رکعات وقعد فی الاولیین ثم افسد الاخریین قضی رکعتین [۲۹۴](۱۴) و یصلی النافلة قاعدا مع القدرة علی القیام[۲۹۵] (۱۵) وان افتتحها

سورۂ محمد ۴۷)اس آیت سے معلوم ہوا کہ اعمال کو باطل نہیں کرنا چاہئے اور باطل کر دیا تو اس کی قضا کرے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے یہاں نفل شروع کرنے کے بعد توڑ دے تب بھی وہ نفل ہی رہتی ہے۔اس کی قضا کرنا واجب نہیں۔ان کی دلیل یہ آیت ہے **ما علی المحسنین من سبیل واللہ غفور رحیم** (الف) (آیت ۹۱ سورۂ توبہ ۹)اس آیت میں ہے کہ احسان کرنے والے اور نفل کام کرنے والے پر کوئی راستہ نہیں ہے۔یعنی واجب نہیں ہے۔اس لئے نفل نماز شروع کرنے کے بعد توڑ دے تو قضا واجب نہیں ہے۔

[۲۹۳] (۱۳) اگر چار رکعت نماز پڑھی اور دو رکعت میں بیٹھ گیا پھر دوسری دو رکعت فاسد کر دی تو دو رکعت ہی قضا کرے۔

تشریح چار رکعت نفل نماز کی نیت باندھی۔پھر دو رکعت پڑھ کر تشہد میں بیٹھا پھر دوسری دو رکعت کو فاسد کر دیا تو دوسری دو رکعت ہی قضا کرے۔پہلی دو رکعت پوری ہوگئی۔

وجہ یہ مسئلہ دو اصول پر مبنی ہے۔ایک یہ کہ ہر دو رکعت الگ الگ شفعہ ہے۔ایک کے فساد سے دوسرے میں کوئی اثر نہیں پڑے گا۔دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ پہلی دو رکعت کے بعد تشہد میں بیٹھ گیا تو وہ دونوں رکعتیں پوری ہوگئیں۔اب صرف سلام باقی ہے۔اس لئے دوسری دو رکعتوں کو فاسد کیا تو اس کو قضا کرے گا۔البتہ پہلی دو رکعتیں پوری ہوگئیں۔اس پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

اصول (۱)نفل میں دو رکعت الگ الگ شفعہ ہیں (۲) ایک کے فساد سے دوسرے پر اثر نہیں پڑے گا۔حدیث **صلوۃ اللیل والنهار مثنی مثنی** (ابوداؤد شریف نمبر ۱۲۹۵) سے استدلال کر سکتے ہیں۔

[۲۹۴] (۱۴) نفل نماز بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے کھڑے ہونے پر قدرت کے باوجود۔

تشریح نفل نماز کھڑے ہو کر پڑھنے کی قدرت ہے لیکن پھر بھی بیٹھ کر پڑھنا چاہتا ہے تو پڑھ سکتا ہے۔البتہ اس کو ثواب آدھا ملے گا۔اور فرض نماز میں کھڑے ہونے کی قدرت ہو پھر بھی بیٹھ کر نماز پڑھیگا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔کیونکہ فرض نماز میں قیام فرض ہے۔

وجہ حدیث میں ہے **عن عمران بن حصین قال سألت النبی ﷺ عن صلوۃ الرجل وهو قاعد فقال من صلی قائما فهو افضل ومن صلی قاعدا فله نصف اجر القائم ومن صلی نائما فله نصف الاجر القاعد** (ب) (بخاری شریف، باب صلوۃ القاعد ص ۱۵۰، ابواب تقصیر الصلوۃ نمبر ۱۱۱۶/ترمذی شریف، باب ماجاء ان صلوۃ القاعد علی النصف من صلوۃ القائم ص ۸۵ نمبر ۳۷۱)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفل نماز قدرت کے باوجود بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے۔البتہ اس کو ثواب کھڑے ہونے والے سے آدھا ملے گا۔

[۲۹۵] (۱۵) اگر کھڑے ہو کر نفل شروع کی پھر بیٹھ گیا تو جائز ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین فرماتے ہیں کہ جائز نہیں ہے مگر عذر ہو تو

حاشیہ : (الف) محسنین پر کوئی الزام نہیں ہے (ب) میں نے حضور کو آدمی کی نماز کے بارے میں پوچھا جب کہ وہ بیٹھ کر پڑھے۔آپؐ نے فرمایا جس نے کھڑے ہو کر پڑھی وہ افضل ہے۔اور جس نے بیٹھ کر پڑھی اس کے لئے کھڑے ہونے والے کا آدھا ثواب ہے۔اور جس نے سو کر نماز پڑھی اس کو بیٹھنے والے کا آدھا ثواب ہے۔

قائما ثم قعد جاز عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی و قالا لا یجوز الا من عذر[۲۹۶] (۱۶) ومن کان خارج المصر یتنفل علی دابته الی ای جهة توجهت یأمی ایماء.

وجہ (۱) وجہ امام ابوحنیفہ : پہلے گزر چکا ہے کہ نفل میں کھڑا ہونا لازم نہیں ہے۔اس لئے جتنی دیر تک کھڑا رہا کھڑا رہا اور آگے کے کھڑے ہونے کو لازم نہیں کیا ہے۔اس لئے وہ بیٹھ سکتا ہے (۲) حدیث میں ہے **عن عائشة ان رسول الله ﷺ کان یصلی جالسا فیقرأ وهو جالس فاذا بقی من قرأته نحو من ثلثین آیة او اربعین آیة قام فقرأها وهو قائم ثم رکع ثم سجد یفعل فی الرکعة الثانیة مثل ذلک** (الف) (بخاری شریف، باب اذا صلی قاعدا ثم صح او وجد خفة تمم ما بقی، ص ۱۵۰ نمبر ۱۱۱۹ رمسلم شریف، باب جواز النافلة قائما وقاعدا ص ۲۵۲ نمبر ۱۳۱۷ رترمذی شریف، باب من تطوع جالسا ص ۸۵ نمبر ۳۷۴) اس حدیث میں آپ نے بیٹھ کر بھی نماز پڑھی اور کھڑے ہو کر بھی جس کا مطلب یہ ہے کہ کھڑے ہو کر شروع کیا تو بیٹھ کر پوری کر سکتا ہے۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ کھڑے ہو کر نفل شروع کیا تو گویا کہ اس نے اپنے اوپر کھڑے ہونے کو لازم کیا تو گویا کہ یہ عملا نذر ہوگئی۔اس لئے بغیر عذر کے بیٹھنا جائز نہیں ہے۔قیاس کا تقاضا بھی یہی ہی۔حدیث میں ہے۔**سألنا عائشةعن صلوة رسول الله ﷺ فقالت کان رسول الله یکثر الصلوة قائما وقاعدا فاذا افتتح الصلوة قائما رکع قائما واذا افتتح الصلوة قاعدا رکع قاعدا** (مسلم شریف، باب جواز النافلة قائما وقاعدا ص ۲۵۲ نمبر ۷۳۰) اس حدیث میں ہے کہ کھڑے ہو کر نماز شروع کرے تو کھڑے ہو کر ہی رکوع سجدہ کرتے تھے۔تاہم حدیث کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ کھڑا تھا اور بیٹھ کر نماز پڑھی تو جائز ہوگی۔

[۲۹۶] (۱۶) جو شہر سے باہر ہو وہ نفل پڑھ سکتا ہے سواری پر جس جانب بھی متوجہ ہو اشارہ کر کے۔

تشریح شہر سے باہر ہو تو نفل نماز سواری پر بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے۔اور سواری قبلہ کی طرف متوجہ نہ ہو تو ظاہر ہے کہ قبلہ کی جانب رخ نہیں کر سکے گا اس لئے قبلہ کی خلاف جانب رخ کر کے بھی نفل نماز پڑھ سکتا ہے۔نیز سواری پر رکوع وسجدہ بھی پورے طور پر نہیں کر سکے گا تو اشارہ سے رکوع اور سجدہ کرے گا۔اس کی بھی گنجائش ہے۔

وجہ (۱) نفل نماز ہر وقت پڑھ سکتا ہے اس کو زیادہ سے زیادہ پڑھے اس لئے یہ تمام سہولتیں شریعت نے دی ہے کہ خلاف قبلہ ہو، رکوع اور سجدہ کا اشارہ ہو۔سواری پر ہو تب بھی نفل نماز پڑھ سکتا ہے۔فرض کے لئے قدرت ہو تو سواری سے اترے گا (۲) حدیث میں ہے **جابر بن عبد الله اخبره ان النبی ﷺ کان یصلی التطوع وهو راکب فی غیر القبلة** (ب) (بخاری شریف، باب صلوۃ التطوع علی الدواب حیثما توجهت به ص ۱۴۸ نمبر ۱۰۹۴ رمسلم شریف، باب جواز صلوۃ النافلة علی الدابة فی السفر حیث توجهت ص ۲۴۴ نمبر ۷۰۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قبلہ کے رخ کے خلاف نفل نماز پڑھ لے تب بھی جائز ہوگی (۲) **عامر بن ربیعة اخبره قال رأیت النبی ﷺ وهو**

حاشیہ : (الف) آپ بیٹھ کر نماز پڑھتے تو قرأت کرتے بیٹھے ہونے کی حالت میں، پس جب کہ قرأت میں سے تقریبا تیس یا چالیس آیتیں باقی رہتی تو کھڑے ہوتے اور اس کو کھڑے ہونے کی حالت میں پڑھتے۔پھر رکوع پھر سجدہ کرتے، دوسری رکعت میں بھی ایسا ہی کرتے (ب) آپ نفل نماز پڑھتے اس حال میں کہ سوار ہوتے قبلہ کے علاوہ کی جانب۔

علی الراحلة یسبح یؤمی برأسه قبل الی ای وجه توجه ولم یکن رسول الله ﷺ یصنع ذلک فی الصلوة المکتوبة (الف) (بخاری شریف، باب ینزل للمکتوبۃ ص ۱۴۸ نمبر ۱۰۹۷ ر مسلم شریف، باب جواز صلوۃ النافلۃ علی الدابۃ فی السفر حیث توجھت ص ۲۴۴ نمبر ۷۰۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفل نماز میں سواری پر رکوع سجدے کا اشارہ کرے گا۔ اور فرض نماز میں اتر کر نماز پڑھنا ہوگی۔

شہر سے باہر کی قید اس لئے لگائی کہ بعض حدیث میں ہے کہ آپؐ نے شہر سے باہر نفل کی نماز سواری پر پڑھی تو قبلہ کے خلاف رخ پر پڑھی ہے۔ اس لئے حنفیہ نے قید لگائی کہ شہر سے باہر ایسا کر سکتا ہے۔ شہر میں سواری سے اتر کر نماز پڑھنی ہوگی۔ حدیث میں ہے **کان عبد الله بن عمر یصلی فی السفر علی راحلته اینما توجهت به یؤمی وذکر عبد الله ان النبی ﷺ کان یفعله** (ب) (بخاری شریف، باب الایماء علی الدابۃ ص ۱۴۸ ابواب تقصیر الصلوۃ نمبر ۱۰۹۶ ر مسلم شریف، باب جواز صلوۃ النافلۃ علی الدابۃ فی السفر ص ۲۴۴ نمبر ۷۰۰ / ۱۶۱۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر سفر میں قبلہ کے خلاف رخ پر نماز پڑھتے تھے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ شہر میں ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اوپر کی بہت سے احادیث میں سفر کی قید اور شہر سے باہر کی قید نہیں ہے اس لئے شہر کے اندر سواری پر سوار ہو تو وہاں بھی خلاف قبلہ نماز پڑھ سکتا ہے۔

حاشیہ : (الف) میں نے حضور کو دیکھا کہ آپؐ سواری پر نفل پڑھ رہے تھے اور سر سے اس جانب اشارہ کر رہے تھے جس جانب متوجہ تھے۔ اور حضورؐ یہ فرض نماز میں نہیں کرتے (ب) حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سفر میں سواری پر نماز پڑھتے جس طرف سواری متوجہ ہوتی اور اشارہ کرتے۔ اور عبد اللہ بن عمر ذکر کرتے ہیں کہ حضورؐ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

﴿باب سجود السهو﴾

[۲۹۷](۱) سجود السهو واجب فی الزیادة والنقصان بعد السلام یسجد سجدتین ثم

﴿ باب سجود السہو ﴾

ضروری نوٹ سجود السہو : کوئی واجب بھول جائے یا واجب کی زیادتی ہوجائے یا فرائض مکرر ادا ہوجائیں تو اس کو گویا کہ پورا کرنے کے لئے سجدۂ سہو واجب ہے۔ سنت کے چھوڑنے سے سجدۂ سہو نہیں ہے۔ فرض چھوٹ جائے تو نماز فاسد ہوجاتی ہے۔ دلیل یہ حدیث ہے **عن عمران بن حصین قال سلم رسول الله ﷺ فی ثلاث رکعات من العصر ثم قام فدخل الحجرة فقام رجل بسیط الیدین فقال اقصرت الصلوة یا رسول الله فخرج مغضبا فصلی الرکعة التی کان ترک ثم سلم ثم سجد سجدتی السهو ثم سلم (الف)** (مسلم شریف، باب فصل من ترک الرکعتین اونحوھما فلیتم مابقی ویسجد سجدتین بعد التسلیم ،ص ۲۱۴، نمبر ۱۲۹۴/۵۷۴/ بخاری شریف، باب ھل یأخذ الامام اذا شک بقول الناس ،ص ۹۹، نمبر ۷۱۴/ ترمذی شریف، باب ما جاء فی الامام ینھض فی الرکعتین ناسیا ،ص ۸۳ نمبر ۳۶۴/ ابوداؤد شریف، باب السھو فی السجدتین ،ص ۱۵۳، نمبر ۱۰۱۸ اس باب کی آخری حدیث ہے) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی واجب بھول جائے تو سلام کرے پھر سجدۂ سہو کرے پھر سلام پھیرے۔

[۲۹۷](۱) سجدۂ سہو واجب ہے۔ واجبات کے زیادہ کردینے میں یا کم کردینے میں۔ سلام کے بعد دو سجدے کرے پھر تشہد پڑھے اور سلام کرے۔

تشریح نماز میں واجب کی کمی رہ جائے یا زیادتی ہوجائے یا خلاف ترتیب ہوجائے تو اس کو پورا کرنے کے لئے سجدۂ سہو کرے گا۔ اور سلام پھیرے گا۔ حنفیہ کے نزدیک تشہد پڑھ کر دائیں جانب ایک سلام کرے پھر دو سجدۂ سہو کرے پھر دوبارہ تشہد پڑھے، درود پڑھے، دعا پڑھے اور دوبارہ دونوں جانب سلام کرے۔

وجہ (۱) اوپر کی حدیث میں اس کا ثبوت ہے کہ آپ ؐ نے کمی زیادتی میں سلام کیا ہے پھر سجدۂ سہو کیا ہے اور پھر دوبارہ سلام کیا ہے۔ زیادہ ہونے پر سجدۂ سہو کیا ہو اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن عبد الله قال صلی النبی ﷺ الظهر خمسا فقالوا ازید فی الصلوة؟ قال وما ذاک قالوا صلیت خمسا قال فثنی رجله وسجد سجدتین (ب)** (بخاری شریف، باب ما جاء فی القبلة ومن یرالا عادة علی من سھی ص ۵۸ نمبر ۴۰۴/ مسلم شریف، باب من صلی خمسا اونحوہ ص ۲۱۲ نمبر ۵۷۲) اس حدیث میں پانچ رکعت پڑھنے پر آپ ؐ نے سجدۂ سہو کیا ہے جو زیادہ کرنے پر سجدۂ سہو ہوا۔ کمی پر سجدۂ سہو کی دلیل یہ حدیث ہے **عن عبد الله بن بحینة انه قال صلی لنا رسول الله ﷺ رکعتین**

حاشیہ : (الف) حضور ؐ نے عصر کی تین رکعت میں سلام کرلیا۔ پھر کھڑے ہوگئے اور کمرے میں داخل ہوئے۔ پھر ایک آدمی کھڑا ہوا جسکے ہاتھ لمبے تھے تو پوچھا یا رسول اللہ کیا نماز میں کمی ہوگئی؟ تو آپ ؐ غصہ میں نکلے اور وہ رکعت پڑھائی جو چھوٹ گئی تھی پھر سلام کیا پھر سجدۂ سہو کیا پھر سلام کیا (ب) آپ ؐ نے ظہر کی پانچ رکعت پڑھائی تو لوگوں نے کہا کیا نماز میں زیادتی ہوگئی؟ تو آپ ؐ نے فرمایا یہ کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا آپ ؐ نے پانچ رکعتیں پڑھی ہیں۔ راوی کہتے ہیں آپ ؐ نے پاؤں موڑا اور دو سجدے کئے۔

يتشهد ويسلم [۲۹۸](۲) ويلزمه سجود السهو اذا زاد فی صلوته فعلا من جنسها ليس

ثم قام فلم يجلس فقام الناس معه فلما قضى صلوته وانتظر نا التسليم كبر فسجد سجدتين وهو جالس قبل التسليم ثم سلم صلى الله عليه وسلم (الف) (ابوداؤد شریف، باب من قام من ثنتین ولم یتشهد ص ۱۵۵ نمبر ۱۰۳۴ ر ترمذی شریف، باب ماجاء فی الامام ینھض فی الرکعتین ناسیا، ص ۸۳، نمبر ۳۶۴ ر نسائی شریف، باب ما یفعل من قام من اثنتین ناسیا ولم یتشھد ص ۱۳۷ نمبر ۱۲۲۳) اس حدیث میں کمی ہونے پر سجدہ کیا، قعدۂ اولی نہ کرنے اور تشہد نہ پڑھنے پر سجدہ کیا۔ یہ بھی پتہ چلا کہ قعدۂ اولے اور تشہد کا پڑھنا واجب ہے تو واجب کے چھوڑنے پر سجدۂ سہو کیا۔ دوسلاموں کے درمیان دوبارہ تشہد پڑھے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن عمران بن حصين ان النبی ﷺ صلى بهم فسها فسجد سجدتين ثم تشهد ثم سلم (ب)** (ابوداؤد شریف، باب سجدتی السہو فیھما تشھد وتسلیم ص ۱۵۶ نمبر ۱۰۳۹ ر ترمذی شریف، باب ماجاء فی التشہد فی سجدتی السہو ص ۹۰ نمبر ۳۹۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دونوں سلاموں کے درمیان تشہد دوبارہ پڑھے گا۔ اور تشہد پڑھے گا تو اخیر میں درود شریف اور دعا بھی پڑھے۔ پہلا سلام نماز پوری ہونے کے لئے ہے اور دوسرا سلام اس لئے ہے کہ سجدۂ سہو نماز کے اندر ہو جائے تاکہ سجدۂ سہو کے اندر کوئی کمی بیشی ہو جائے تو اس کو سجدہ کے ذریعہ پوری کی جاسکے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک سلام سے پہلے سجدۂ سہو کرے گا۔ ان کی دلیل اوپر والی ابوداؤد کی حدیث ہے جس میں ہے۔ **فسجد سجدتين وهو جالس قبل التسليم ثم سلم** (ابوداؤد شریف، باب من قام من ثنتین ولم یتشھد ص ۱۵۵ نمبر ۱۰۳۴) اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ نماز میں کمی ہوئی ہو تو سلام سے پہلے سجدۂ سہو کریگا اور زیادتی ہوئی ہو تو سلام کے بعد سجدۂ سہو کرے گا۔ انہوں نے دیکھا کہ سلام سے پہلے اور سلام کے بعد دونوں طرح سجدۂ سہو ثابت ہے اس لئے انہوں نے یہ مسلک اختیار کیا۔

[۲۹۸](۲) مصلی کو سجدۂ سہو لازم ہوگا اگر زیادہ کردے نماز میں ایسا فعل جو نماز کی جنس سے ہو لیکن نماز میں سے نہ ہو یا کوئی فعل مسنون چھوڑ دے **تشریح** مثلا رکوع یا سجدہ نماز کے فعل میں سے ہیں لیکن ایک ہی رکعت میں دومرتبہ رکوع کردے یا تین مرتبہ سجدہ کردے تو دوسری مرتبہ کا رکوع یا تیسرا سجدہ نماز میں سے نہیں ہے اگرچہ نماز کی جنس سے ہیں۔ اس لئے سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ اور فعل مسنون سے مراد فعل واجب ہے جو سنت نبوی سے ثابت ہے۔ کیونکہ سنت کو چھوڑ دیا تو نماز پوری ہو جائے گی اس کے لئے سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں ہے۔

وجہ حدیث میں ہے **عن عبدالله قال صلينا مع رسول الله ﷺ فاما زاد او نقص قال ابراهيم وايم الله ما جاء ذاك الا من قبلى قال قلنا يا رسول الله ﷺ احدث فى الصلوة شیء؟ فقال لا قال فقلنا له الذى صنع فقال اذا زاد الرجل او نقص فليسجد سجدتين قال ثم سجد سجدتين (ج)** (مسلم شریف، باب من ترک الرکعتین اونحوھما فلیتم مابقی ویسجد سجدتین بعد

حاشیہ : (الف) فرمایا آپؐ نے ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی پھر کھڑے ہوئے اور نہیں بیٹھے تو لوگ بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ پس جب آپؐ نے نماز پوری کی اور ہم نے سلام کا انتظار کیا تو آپؐ نے تکبیر کہی اور دو سجدے کئے اس حال میں کہ آپؐ بیٹھے ہوئے تھے سلام سے پہلے۔ پھر آپ نے سلام پھیرا (ب) آپؐ نے لوگوں کو نماز پڑھائی پس آپؐ بھول گئے پس آپؐ نے دو سجدے کئے پھر تشہد پڑھی پھر سلام کیا (ج) آپؐ نے فرمایا نماز میں زیادتی ہو جائے یا کمی ہو جائے، ابراہیم راوی نے کہا کہ خدا کی قسم یہ وہم میری جانب سے ہے، راوی نے فرمایا ہم نے کہا یا رسول اللہ نماز میں کوئی تبدیلی ہوگئی ہے؟ آپؐ نے فرمایا نہیں (باقی اگلے صفحہ پر)

منها او ترک فعلا مسنونا [۲۹۹](۳) او ترک قراءة فاتحة الکتاب او القنوت او التشهد او تکبیرات العیدین او جهر الامام فیما یخافت او خافت فیما یجهر [۳۰۰](۴) وسهو الامام یوجب علی المؤتم السجود فان لم یسجد الامام لم یسجد المؤتم

التسلیم ص۲۱۳نمبر۱۲۸۱/۵۷۲/ابوداؤدشریف، باب من قال یتم علی اکثر ظنہ ص۱۵۴نمبر۱۰۲۹)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں زیادتی ہوجائے یا کچھ واجب چھوٹ جائے تو سجدۂ سہو کرے۔

[۲۹۹](۳) یا سورۂ فاتحہ کی قرأت چھوڑ دی، یا دعائے قنوت چھوڑ دی یا تشہد چھوڑ دی، یا تکبیرات عیدین چھوڑ دی، یا امام نے قرأت جہری کردی جس میں سری کرنا چاہئے، یا سری کردی جس میں جہری کرنا چاہئے۔

تشریح تشہد چھوڑ دی کا مطلب یہ ہے کہ تشہد کی مقدار بیٹھنا چھوڑ دیا، یا تشہد پڑھنا چھوڑ دیا تو چونکہ دونوں واجب ہیں اس لئے سجدۂ سہو واجب ہوگا۔اس کی دلیل مسئلہ نمبر۱ میں ابوداؤد شریف کی حدیث (نمبر۱۰۳۴) گزر گئی ہے **'قام فلم یجلس'** کہ آپؐ دو رکعت کے بعد کھڑے ہوگئے اور قعدۂ اولی میں نہیں بیٹھے تو سجدۂ سہو کیا۔اسی پر باقی واجبات کو قیاس کرلیں۔کوئی واجب بھول جائے تو اس پر سجدۂ سہو واجب ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔**قال صلی بنا علقمة الظهر خمسا ... فاذا نسی احدکم فلیسجد سجدتین** (الف)(مسلم شریف، باب من صلی خمسا اونحوه الخ ص۲۱۳نمبر۱۲۸۵/۵۷۲)اس حدیث میں ہے کہ اگر بھول جاؤ تو سجدہ کرو۔جہری قرأت میں سری کردی اور سری قرأت میں جہری کردی تو سجدۂ سہو لازم ہے۔اس کی دلیل یہ اثر ہے **عبد الرزاق عن الثوری قال اذا قمت فیما یجلس فیه او جلست فیما یقام فیه او جهرت فیما یخافت فیه او خافت فیما یجهر فیه ناسیا سجدت سجدتی السهو** (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب اذا قام فیما یقعد فیہ اوقعد فیما یقام اوسلم فی ثنی ج ثانی ص۳۱۳، ابواب السہو نمبر۳۴۹۵)اس اثر سے معلوم ہوا کہ جہری نماز میں سری قرأت کردی اور سری نماز میں جہری قرأت کی تو سجدۂ سہو کرے گا۔

فائدہ بعض ائمہ کے نزدیک سری کو جہری اور جہری کو سری کرنے سے سجدۂ سہو لازم نہیں ہوگا۔ان کا استدلال اس حدیث سے ہے **عن قتادة کان النبی ﷺ یقرأ فی الرکعتین من الظهر والعصر بفاتحة الکتاب وسورة وسورة یسمعنا الآیة احیانا** (بخاری شریف، باب القراءة فی العصر ص۱۰۵نمبر۷۶۲)

[۳۰۰](۴) امام کے سہو سے مقتدی پر سجدہ واجب ہوگا۔پس اگر امام سجدہ نہ کرے تو مقتدی بھی سجدہ نہ کرے۔

وجہ امام ضامن ہے اس لئے امام پر سجدۂ سہو لازم ہوا اور اس نے سجدۂ سہو کیا تو چاہے مقتدی پر سجدۂ سہو لازم نہ ہوا ہو پھر بھی مقتدی پر سجدہ لازم

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) ہم نے آپؐ سے وہ بات کہی جو آپؐ نے کی تھی۔آپؐ نے فرمایا اگر آدمی زیادہ کردے یا کمی کردے تو دو سجدے کرنا چاہئے۔راوی فرماتے ہیں کہ پھر آپؐ نے دو سجدۂ سہو کئے (الف) آپؐ نے فرمایا تم میں سے کوئی بھول جائے تو دو سجدۂ سہو کرنا چاہئے (ب) حضرت ثوری نے فرمایا اگر جہاں بیٹھنا ہو وہاں کھڑا ہوجائے یا تم بیٹھ گئے جس میں کھڑا ہونا تھا یا جہری قرأت کردی جس میں سری قرأت کرنی تھی یا سری ورأت کردی جس میں جہری قرأت کرنی تھی بھول کر دو سجدۂ سہو کرے گا۔

[۳۰۱](۵) فان سهی المؤتم لم یلزم الامام السجود[۳۰۲] (۶) ومن سهی عن القعدة الاولی ثم تذکر وهو الی حال القعود اقرب عاد فجلس وتشهد وان کان الی حال القیام

ہوگا(۲)اس کی دلیل حدیث میں ہے **عن عبد اللہ بن لجینة انه قال صلی لنا رسول الله رکعتین ثم قام فلم یجلس فقام الناس معه فلما قضی صلوته وانتظرنا التسلیم کبر فسجد سجدتین وهو جالس قبل التسلیم ثم سلم صلی الله علیه وسلم** (الف)(ابوداؤدشریف، باب من قام من ثنتین ولم یتشهد ص ۱۵۵ نمبر ۱۰۳۴ رترمذی شریف، باب ماجاء فی الامام ینہض فی الرکعتین ناسیا ص ۸۳ نمبر ۳۶۵ رمسلم شریف، باب اذا نسی الجلوس فی الرکعتین فلیسجد سجدتین قبل ای یسلم ص ۲۱۱ نمبر ۵۷۰)اس حدیث میں امام پر سجدۂ سہو تھا تو مقتدیوں کو بھی اس کی اقتدا میں کرنا پڑا۔اس سے معلوم ہوا کہ امام کی وجہ سے مقتدی پر بھی سجدۂ سہو لازم ہوگا۔

[۳۰۱](۵)پس اگر مقتدی بھول جائے تو امام کو سجدۂ سہو لازم نہیں ہوگا اور نہ مقتدی کو سجدۂ سہو لازم ہوگا۔

وجہ (۱) مقتدی تابع ہے اس لئے امام کے خلاف ہو کر سجدۂ سہو نہیں کر سکتا اور نہ تابع کی وجہ سے اصل پر لازم ہوگا(۲) حدیث میں ہے **عن عمر عن النبی ﷺ قال لیس علی من خلف الامام سهو فان سها الامام فعلیه وعلی من خلفه السهو وان سها من خلف الامام فلیس علیه سهو والامام کافیه** (ب)(دار قطنی، باب لیس علی المقتدی سہو وعلیہ سہو الامام ض اول ص ۳۶۵ نمبر ۱۳۹۸)اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مقتدی کے سہو سے امام پر سجدۂ سہو لازم نہیں ہوگا اور امام کے سہو سے مقتدی پر لازم ہوگا(۳)اس قسم کا اثر مصنف عبد الرزاق، باب ھل علی من خلف الامام سہو ج ثانی ص ۳۱۵ نمبر ۳۵۰۶)میں موجود ہے۔

[۳۰۲](۶)جو قعدۂ اولی بھول جائے پھر یاد آئے اس حال میں کہ بیٹھنے کے زیادہ قریب ہو تو لوٹ جائے اور بیٹھے اور تشہد پڑھے، اور اگر کھڑے ہونے کے زیادہ قریب ہو تو نہ لوٹے اور سجدۂ سہو کرے۔

تشریح قعدۂ اولی واجب ہے لیکن اس کو بھول کر کھڑا ہو گیا تو اور کھڑے ہونے کے قریب ہو گیا تب یاد آیا تو اب دوبارہ نہ بیٹھے بلکہ کھڑے ہو کر آگے والے اعمال کرے۔کیونکہ اب بیٹھنے میں قیام کی تاخیر ہوگی۔اور بیٹھنے کے قریب تھا کہ یاد آیا تو ابھی کھڑا نہیں ہوا ہے اس لئے بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔اور سجدۂ سہو بھی لازم نہیں ہوگا۔

وجہ حدیث میں ہے **عن مغیرة بن شعبة قال قال رسول الله ﷺ اذا قام الامام فی الرکعتین فان ذکر قبل ان یستوی قائما فلیجلس فان استوی قائما فلا یجلس ویسجد سجدتی السهو** (ج)(ابوداؤد شریف، باب من نسی ان یتشہد وھو جالس

حاشیہ : (الف) آپؐ نے ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی پھر کھڑے ہوئے اور نہیں بیٹھے تو لوگ بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے پس جب آپ نے نماز پوری کی اور ہم نے سلام پھیرنے کا انتظار کیا تو آپؐ نے تکبیر کہی اور دو سجدے کئے اس حال میں کہ بیٹھے ہوئے تھے سلام سے پہلے پھر سلام پھیرا(ب) آپؐ نے فرمایا جو امام کے پیچھے ہو اس پر سجدۂ سہو نہیں ہے۔پس اگر امام بھول جائے تو اس پر سجدۂ سہو ہے اور جو اس کے پیچھے ہیں اس پر بھی سجدۂ سہو ہے۔اور اگر جو امام کی پیچھے ہے وہ بھول گیا تو اس پر سجدۂ سہو نہیں ہے۔امام اس کو کافی ہے(ج) آپؐ نے فرمایا جب امام دو رکعت پر کھڑا ہو جائے، پس اگر مکمل کھڑا ہونے سے پہلے یاد آجائے تو بیٹھ جانا چاہئے۔پس اگر مکمل کھڑا ہو چکا ہو تو نہ بیٹھے اور دو سجدۂ سہو کرے۔

اقرب لم یعد ویسجد للسهو [۳۰۳](۷) وان سهی عن القعدة الاخیرة فقام الی الخامسة رجع الی القعدة ما لم یسجد والغی الخامسة وسجد للسهو[۳۰۴] (۸) وان قید الخامسة بسجدة بطل فرضه وتحولت صلوته نفلا وکان علیه ان یضم الیها رکعة سادسة [۳۰۵](۹) وان قعد فی الرابعة ثم قام ولم یسلم یظنها القعدة الاولی عاد الی القعود مالم

ص ۲۵۵ نمبر ۱۰۳۶/دار قطنی، باب الرجوع الی القعود قبل استتمام القیام ج اول ص ۳۶۷ نمبر ۱۴۰۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کھڑے ہونے کے قریب ہو تو نہ بیٹھے اور سجدۂ سہو کرے۔

[۳۰۳] (۷) اگر قعدۂ اخیرہ بھول گیا اور پانچویں رکعت کی طرف کھڑا ہو گیا تو قعدۂ اخیرہ کی طرف لوٹے گا جب تک سجدہ نہ کیا ہو اور پانچویں رکعت کو لغو کرے اور سجدۂ سہو کرے۔

وجہ (۱) باب صفۃ الصلوۃ کے مسئلہ نمبر ۶ میں گزر گیا ہے کہ قعدۂ اخیرہ فرض ہے اب اس کو چھوڑ کر پانچویں رکعت کی طرف گیا جو گویا کہ نفل ہوگی اس لئے جب تک پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو اور اس کو مضبوط نہ کیا ہو اس کو چھوڑ کر قعدۂ اخیرہ کی طرف آئے اور قعدۂ اخیرہ کر کے سلام پھیرے اور سجدۂ سہو کرے (۲) پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا تو اب جو قعدہ کرے گا وہ نفل نماز کا قعدہ ہوگا اور فرض نماز کا قعدۂ اخیرہ چھوٹ گیا اور قاعدہ ہے کہ فرض چھوڑ دے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اس لئے فرض فاسد ہو جائے گا اور نفل بن جائے گا۔ اس لئے اس نماز کو دوبارہ پڑھے (۳) اثر میں ہے **عن حماد قال اذا صلی الرجل خمسا ولم یجلس فی الرابعة فانه یزید السادسة ثم یسلم ثم یستأنف صلوته** (مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یصلی الظهر او العصر خمسا ج ثانی ص ۳۰۳ نمبر ۳۴۶۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ چھٹی رکعت ملا لے تا کہ چھ رکعتیں نفل بن جائیں اور فاسد شدہ فرض دوبارہ پڑھے۔

اصول فرض چھوڑنے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔

لغت الغی : لغو کر دے۔

[۳۰۴] (۸) اور اگر پانچویں رکعت کو سجدہ سے مقید کر دیا تو اس کا فرض باطل ہو جائے گا۔ اور اس کی فرض نماز نفل میں تبدیل ہو جائے گی اور اس پر یہ ہے کہ پانچویں رکعت کے ساتھ چھٹی رکعت ملا لے۔

تشریح فرض نماز تھی اور قعدۂ اخیرہ کئے بغیر پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا اور پانچویں رکعت کا سجدہ بھی کر لیا اس لئے پانچویں رکعت جو نفل ہے فرض کے ساتھ مل گئی اور فرض کا قعدۂ اخیرہ جو فرض تھا چھوٹ گیا اس لئے نماز فاسد ہونی چاہئے لیکن نفل میں بدل جائے گی۔ کیونکہ نفل کا قعدۂ اخیرہ بعد میں کر سکتا ہے۔ اب اس کے لئے بہتر ہے کہ چھٹی رکعت ملا لے تا کہ چھ رکعتیں نفل ہو جائیں اور پانچویں رکعت جو حقیقت میں ایک نفل ہے جو نماز بتیرہ ہے اس سے بچ جائے۔ دلیل مسئلہ نمبر ۷ میں گزر چکی ہے (مصنف عبد الرزاق، نمبر ۳۴۶۱)

[۳۰۵] (۹) اور اگر چوتھی رکعت میں بیٹھا پھر کھڑا ہوا اور سلام نہیں پھیرا، اس نے اس کو گمان کیا کہ یہ قعدۂ اولی ہے تو لوٹے گا قعدہ کی طرف

یسجد للخامسة وسلم وسجد للسهو[۳۰۶](۱۰) وان قید الخامسة بسجدة ضم الیها رکعة اخریٰ وقد تمت صلوته والرکعتان نافلة [۳۰۷](۱۱) ومن شک فی صلوته فلم

جب تک پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کرے اور سلام کرے اور سجدۂ سہو کرے۔

وجہ قعدۂ اخیرہ کر چکا ہے اس لئے فرض تو مکمل ہو گیا ہے اب صرف سلام باقی ہے جو واجب ہے۔ اس لئے پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے پہلے قعدہ کی طرف لوٹ آئے اور سلام کر کے سجدۂ سہو کرے پھر تشہد پڑھ کر سلام پھیرے۔ چونکہ پانچویں رکعت کے سجدہ سے پہلے ہے اس لئے ایک رکعت مکمل نہیں ہوئی اس لئے اس کو چھوڑ سکتا ہے۔ ادھر چار رکعت فرض مکمل ہو جائے گی۔

[۳۰۶](۱۰) اور اگر پانچویں رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید کر دیا تو اس کے ساتھ چھٹی رکعت ملائے گا اور اس کی نماز پوری ہو جائے گی۔ اور یہ دو رکعت نفل ہوں گی۔

تشریح چونکہ قعدۂ اخیرہ کر چکا ہے اس لئے چار رکعت فرض پورے ہو جائیں گے۔ البتہ پانچویں رکعت نفل کی نماز بتیراء ہے جس سے منع کیا گیا ہے اس لئے چھٹی رکعت ملالے تاکہ دو رکعت نفل ہو جائے (۲) اثر میں ہے **عن قتادۃ فی رجل صلی الظهر خمسا قال یزید الیها رکعة فتکون صلوۃ الظهر ورکعتین بعدها ... تطوعا** (مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یصلی الظہر او العصر خمسا ج ثانی ص ۳۰۳ نمبر ۳۴۶۰) اس اثر میں گویا کہ چار رکعت پر بیٹھا ہے اس لئے چار رکعت ظہر پوری ہوگئی اور باقی دو رکعتیں نفل ہو جائیں گی۔

اصول فرائض پورے ہو گئے ہوں اس کے بعد نوافل کو ملایا تو فرض فاسد نہیں ہوگا۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ ہے کہ پانچویں رکعت ملالی تو چار رکعت فرض مکمل ہو جائے گا۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن عبد الله قال صلی بنا رسول الله ﷺ خمسا فقلنا یا رسول الله ازید فی الصلوۃ؟ قال وما ذاک؟ قالوا صلیت خمسا قال انما انا بشر مثلکم اذکر کما تذکرون وانسی کما تنسون ثم سجد سجدتی السهو** (الف) (مسلم شریف، باب من صلی خمسا او نحوہ فلیسجد سجدتین ص ۲۱۳ نمبر ۵۷۲ / ابو داؤد شریف، باب اذا صلی خمسا ص ۱۵۳ نمبر ۱۰۱۹) اس حدیث میں اس کا ثبوت نہیں ہے کہ آپؐ چوتھی رکعت کے بعد قعدۂ اخیرہ کر کے پانچویں رکعت کے لئے کھڑے ہوئے تھے یا بغیر قعدۂ اخیرہ کئے ہوئے کھڑے ہوئے تھے۔ اور آپؐ نے دو سجدۂ سہو کر کے چار رکعت فرض پوری کی ہے۔ اس لئے قعدۂ اخیرہ میں بیٹھے یا نہ بیٹھے ہر حال میں سجدۂ سہو کرے گا تو چار رکعت فرض پورا ہو جائے گا۔

[۳۰۷](۱۱) جس کو شک ہو گیا نماز میں، پس نہیں جانتا ہے کہ تین رکعت پڑھی یا چار رکعت اور یہ پہلی مرتبہ اس کو پیش آیا ہے تو شروع سے نماز پڑھے گا۔

وجہ اثر میں ہے **عن ابن عمر فی الذی لایدری ثلاثا صلی او اربعا قال یعید حتی یحفظ** (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۲۳۹

حاشیہ : (الف) آپؐ نے ہمیں پانچ رکعت نماز پڑھائی۔ ہم نے کہا یا رسول اللہ کیا نماز میں زیادتی ہوگئی ؟ آپؐ نے فرمایا کیا ہوا؟ لوگوں نے کہا آپؐ نے پانچ رکعت نماز پڑھی۔ آپؐ نے فرمایا میں تمہاری طرح انسان ہوں۔ یاد کرتا ہوں جیسا تم یاد کرتے ہو اور بھولتا ہوں جیسا تم بھولتے ہو۔ پھر دو سجدۂ سہو فرمائے (ب) حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے اس شخص کے بارے میں جو نہیں جانتا ہے کہ تین رکعت پڑھی یا چار۔ فرمایا نماز لوٹائے گا یہاں تک کہ یاد ہو جائے۔

يدر اصلى ثلثا ام اربعا وذلک اول ما عرض له استأنف الصلوة [٣٠٨](١٢) فان كان يعرض له كثيرا بنى على غالب ظنه ان كان له ظن وان لم يكن له ظن بنى على اليقين.

باب من قال اذا شک فلم یدر کم صلی اعاد، ج اول، ص ۳۸۵، نمبر ۴۴۲۲) اس اثر کو ہم اس پر حمل کرتے ہیں کہ پہلی مرتبہ شک ہوا ہو تو شروع سے نماز پڑھے، اور بار بار شک ہوتا ہو تو ظن غالب پر عمل کرے اور یقین پر عمل کرے۔

لغت استأنف : شروع سے پڑھے۔

[۳۰۸] (۱۲) اور اگر اس کو بار بار شک پیش آتا ہو تو غالب گمان پر بنا کرے گا۔

تشریح مثلا تین رکعت اور چار رکعت میں شک ہو اور غالب گمان ہو کہ چار رکعت پڑھی ہے تو غالب گمان چار رکعت پر عمل کرے گا اور سلام پھیر دے گا۔ اور کسی طرف ظن غالب نہ ہو تو تین رکعت یقینی ہے اس لئے تین کو بنیاد بنا کر ایک رکعت ملائے گا۔ تا کہ چار رکعت ہو جائے۔ اور سجدۂ سہو بھی کرے گا۔

وجہ حدیث میں اس کا ثبوت ہے **عن ابی سعید الخدری قال قال رسول الله ﷺ اذا شک احدکم فی صلوته فلم یدر کم صلی؟ ثلاثا ام اربعا؟ فلیطرح الشک ولیبن علی ما استیقن ثم یسجد سجدتین قبل ان یسلم** (الف) (مسلم شریف، باب السہو فی الصلوۃ والسجود ص ۲۱۱ نمبر ۵۷۱/ ابو داؤد شریف، باب اذا شک فی الثنتین والثلاث ص ۱۵۴ نمبر ۱۰۲۴/ بمعناہ ترمذی شریف، باب فیمن یشک فی الزیادۃ والنقصان ص ۹۱ نمبر ۳۹۸) اس حدیث میں ہے کہ ظن غالب نہ ہو بلکہ دونوں طرف شک ہو تو یقین پر بنا کرے، دوسری حدیث میں ہے کہ ظن غالب پر عمل کر سکتا ہے **قال عبد الله صلی رسول الله ... واذا شک احدکم فی صلوته فلیتحر الصواب فلیتم علیه ثم یسجد سجدتین**۔ دوسری حدیث میں ہے **فلینظر احری ذلک للصواب** (ب) (مسلم شریف، باب من شک فی صلوته فلم یدر کم صلی فلیطرح الشک الخ ص ۲۱۱ نمبر ۵۷۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غور کرنا چاہئے کہ کتنی رکعت پڑھی ہے تا کہ جس طرف ظن غالب ہو اس پر عمل کیا جا سکے۔

حاشیہ : (الف) آپ ؐ نے فرمایا اگر تم میں سے کسی ایک کو نماز میں شک ہو اور نہیں جانتا ہو کہ تین پڑھی ہے یا چار رکعت تو شک کو چھوڑ دے اور یقین پر بنا کرے پھر سجدے کرے دو سجدے اس سے پہلے کہ سلام کرے (ب) عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا کہ حضور نے نماز پڑھی... اور فرمایا اگر تم میں سے کسی ایک کو اپنی نماز میں شک ہو تو صحیح کی تحری کرنی چاہئے اور اس پر نماز پوری کرنی چاہئے پھر دو سجدے کرے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ دیکھنا چاہئے کہ درستگی کے قریب کون سی بات ہے۔

﴿باب صلوة المريض﴾

[۳۰۹](۱) اذا تعذر على المريض القيام صلى قاعدا يركع ويسجد فان لم يستطع الركوع والسجود اومئ ايماء وجعل السجود اخفض من الركوع[۳۱۰] (۲)ولا يرفع

﴿ باب صلوة المریض ﴾

ضروری نوٹ مریض کو اللہ نے گنجائش دی ہے کہ جتنی طاقت ہو اتنا کام کرے۔اس سے زیادہ کا مکلّف نہیں ہے۔چنانچہ کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھے اور بیٹھ کر نہ پڑھ سکتا ہو تو لیٹ کر اشارہ سے پڑھے۔البتہ جب تک ہوش وحواس ہے اور اشارہ کر کے نماز پڑھ سکتا ہے تو نماز ساقط نہیں ہوگی۔دلیل یہ آیت ہے **ليس على الاعمى حرج ولا على الاعرج حرج ولا على المريض حرج** (الف) (آیت ۱۷ سورۃ الفتح ۴۸) اس آیت سے ثابت ہوا کہ قدرت کے مطابق آدمی کام کرتا رہے **لايكلف الله نفسا الا وسعها** (آیت ۲۸۶ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت سے ثابت ہوا کہ وسعت سے زیادہ اللہ تعالی مکلّف نہیں بناتے۔

[۳۰۹](۱) بیمار پر کھڑا ہونا متعذر ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھے گا، رکوع اور سجدہ کرے گا، پس اگر رکوع اور سجدہ نہ کر سکتا ہو تو اشارہ کرے گا اور سجدہ زیادہ جھکائے گا رکوع سے۔

تشریح جو آدمی کھڑا نہ ہو سکتا ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھے گا۔اور بیٹھ کر رکوع اور سجدہ کرے گا۔اور رکوع اور سجدہ بھی نہ کر سکتا ہو تو رکوع اور سجدہ کا اشارہ کرے گا۔اور سجدہ کے لئے سر کو زیادہ جھکائے گا وجہ حدیث میں ہے **عن عمران بن حصين قال كانت بى بواسير فسألت رسول الله** ﷺ **عن الصلوة فقال صل قائما فان لم تستطع فقاعدا فان لم تستطع فعلى جنب** (ب) (بخاری شریف، باب اذا لم یطق قاعدا صلی علی جنب ص ۱۵۰ نمبر ۱۱۱۷/ ترمذی شریف، باب ماجاء ان صلوۃ القاعد علی النصف من صلوۃ القائم ص ۸۵ نمبر ۳۷۲/ ابو داؤد شریف، باب فی صلوۃ القاعد ص ۱۴۴ نمبر ۹۵۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر بیٹھ نہ سکتا ہو تو پہلو کے بل لیٹ کر نماز پڑھے۔رکوع اور سجدہ کے لئے اشارہ کرے۔اور سجدہ کے لئے رکوع سے زیادہ سر جھکائے اس کی دلیل یہ ہے **قال على كل حال مستلقيا ومنحرفا فاذا استقبل القبلة وكان لايستطيع الا ذلك فيومئ ايماء ويجعل سجوده اخفض من ركوعه** (ج) (مصنف عبد الرزاق ، باب صلوۃ المریض ج ثانی ص ۴۷۵ نمبر ۴۱۳۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ سجدہ کے لئے سر زیادہ جھکائے۔

لغت اومئ : اشارہ کرے۔

[۳۱۰](۲) اور اپنے چہرے کی طرف کوئی چیز نہ اٹھائے جس پر سجدہ کرے۔

حاشیہ : (الف) اندھے پر کوئی حرج نہیں، لنگڑے پر کوئی حرج نہیں اور مریض پر کوئی حرج نہیں ہے (ب) عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ مجھے بواسیر کا مرض تھا میں نے حضورؐ سے نماز کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔پس اگر طاقت نہ رکھتے ہو تو بیٹھ کر کے، پس اگر طاقت نہ رکھتے ہو تو پہلو کے بل نماز پڑھو (ج) حضرت قتادۃؓ سے روایت ہے ہر حال میں کہ چت لیٹ کر کے یا قبلہ سے علاوہ کی حالت میں ہو، پس جب کہ قبلے کا استقبال کر واور نہ طاقت رکھتا ہو مگر اسی کی تو اشارہ کرے اشارہ کرنا۔اور سجدہ کو زیادہ جھکائے رکوع سے۔

الی وجھہ شیئا یسجد علیہ[۳۱۱] (۳) فان لم یستطع القعود استلقی علی قفاہ وجعل رجلیہ الی القبلۃ واومئ بالرکوع والسجود [۳۱۲](۴) وان اضطجع علی جنبہ ووجھہ

وجہ اوپر اثر میں آیا کہ رکوع اور سجدہ کا اشارہ کرے گا اس لئے لکڑی وغیرہ کوئی چیز چہرے کی طرف نہ اٹھائے کہ اس پر سجدہ کرے۔اس کو منع فرمایا گیا ہے۔اثر میں ہے **ان ابن عمر کان یقول اذا کان احدکم مریضا فلم یستطع سجودا علی الارض فلا یرفع الی وجھہ شیئا ولیجعل سجودہ رکوعا ولیومئ برأسہ** (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب المریض ج ثانی ص ۴۷۵ نمبر ۴۱۳۷) سنن للبیہقی، باب الایماء بالرکوع والسجو داذا عجز عنہما ج ثنی، ص ۴۳۵، نمبر ۳۶۷۲، ابواب المریض) اس حدیث میں ہے **اجعل سجودک اخفض من رکوعک** ۔اس حدیث اور اثر سے معلوم ہوا کہ چہرے کی طرف کوئی چیز نہ اٹھائے بلکہ سر کے اشارہ سے نماز پڑھے۔اور رکوع میں کم جھکائے اور سجدہ میں زیادہ جھکائے۔

[۳۱۱] (۳) اگر بیٹھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو گدی کے بل چت لیٹے اور دونوں پاؤں کو قبلہ کی طرف کرے اور رکوع اور سجدہ کا اشارہ کرے۔

تشریح چت لیٹ کر پاؤں کو قبلہ کی طرف کرے گا تو اس میں ایک فائدہ یہ ہے کہ قبلہ رخ ہوگا۔جو نمازی کے لئے صحت کی حالت میں فرض ہے۔اگر چہ ایک کراہیت بھی ہے کہ پاؤں قبلہ کی طرف ہوئے۔حضرت مصنف نے قبلہ رخ کی وجہ سے اس طریق کو افضل قرار دیا ہے۔اثر میں ہے **عن ابن عمر قال یصلی المریض مستلقیا علی قفاہ تلی قدماہ القبلۃ** (ب) سنن للبیہقی، باب روی فی کیفیۃ الصلوۃ علی الجنب او الاستلقاء وفیہ نظر ج ثانی، ص ۴۳۶، نمبر ۳۶۷۹)

[۳۱۲] (۴) اور اگر پہلو کے بل لیٹا اور اس کا چہرہ قبلہ کی طرف ہو اور اشارہ کرے تب بھی جائز ہے۔

وجہ مسئلہ نمبر ۱ میں بخاری کی حدیث گزری **فان لم یستطع فعلی جنب** کہ بیٹھنے کی قدرت نہ ہو تو پہلو کے بل لیٹ کر نماز پڑھے (۲) **علی بن ابی طالب عن النبی** ﷺ **قال یصلی المریض قائما ان استطاع فان لم یستطع صلی قاعدا فان لم یستطع ان یسجد أومأ وجعل سجودہ اخفض من رکوعہ فان لم یستطع ان یصلی قاعدا صلی علی جنبہ الایمن مستقبل القبلۃ فان لم یستطع ان یصلی علی جنبہ الایمن صلی مستلقیا رجلہ مما یلی القبلۃ** (ج) (سنن للبیہقی، باب ما روی فی کیفیۃ الصلوۃ علی الجنب او الاستلقاء، ج ثانی، ص ۳۰۶، نمبر ۳۶۷۸/دار قطنی، باب صلوۃ المریض ومن رعف فی صلوتہ الخ، ج ثانی ص ۳۱ نمبر ۱۶۹۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دائیں پہلو کے بل لیٹ کر نماز پڑھے۔اگر اس پر نماز نہ پڑھ سکتا ہو تب چت لیٹ کر قبلہ کی طرف

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عمر کہا کرتے تھے تم میں سے کوئی ایک مریض ہو اور زمین پر سجدہ کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنے چہرے کی طرف کوئی چیز نہ اٹھائے اور سجدہ کو رکوع کی طرح کرے اور سر سے اشارہ کرے (ب) آپؐ نے فرمایا بیمار گدی کے بل چت لیٹ کر نماز پڑھے گا۔اس کے دونوں قدم قبلہ کی طرف ہوں گے۔

حاشیہ : (ج) آپؐ نے فرمایا مریض اگر طاقت رکھے تو کھڑے ہو کر نماز پڑھے گا۔پس اگر طاقت نہ رکھے تو بیٹھ کر کے، پس اگر طاقت نہ رکھتا ہو کہ سجدہ کرے تو اشارہ کرے گا۔اور سجدہ رکوع سے زیادہ جھکائے گا۔پس اگر طاقت نہ رکھتا ہو کہ نماز پڑھے بیٹھ کر تو نماز پڑھے گا دائیں پہلو کے بل قبلے کا استقبال کرتے ہوئے۔پس اگر دائیں پہلو پر نماز نہ پڑھ سکتا ہو نماز پڑھے گا چت لیٹ کر، اس کا پاؤں قبلہ کی جانب ہو۔

الی القبلة واومئ جاز[۳۱۳] (۵) فان لم یستطع الایماء برأسه اخر الصلوة ولا یومئ بعینیه ولا بقلبه ولا بحاجبیه [۳۱۴](٦) فان قدر علی القیام ولم یقدر علی الرکوع والسجود لم یلزمه القیام وجاز ان یصلی قاعدا یومئ ایماء [۳۱۵](۷) فان صلی الصحیح بعض صلوته قائما ثم حدث به مرض اتمها قاعدا یرکع ویسجد ویومئ ایماء ان

پاؤں کرے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک یہی ہے کہ دائیں پہلو کے بل لیٹ کر نماز پڑھے اور وہ نہ کرسکتا ہو تو لیٹ کر قبلہ رخ پاؤں کرے۔ان کی دلیل یہی دونوں احادیث ہیں۔ لغت استلقی : چت لیٹا، قفا : گدی۔

[۳۱۳](۵) پس اگر سر سے اشارہ کرنے کی طاقت نہ ہو تو نماز مؤخر ہو جائے گی ،اور نہ اشارہ کرے اپنی آنکھوں سے اور نہ دل سے اور نہ بھوؤں سے **تشریح** اگر سر سے بھی اشارہ کرنے کی طاقت نہ ہو تو نماز مؤخر ہوگی۔ چونکہ عقل دماغ موجود ہے اس لئے شریعت کا خطاب اس پر موجود ہے اس لئے نماز لازم ہوگی۔البتہ مؤخر کر کے نماز پڑھے گا۔

وجہ مسئلہ نمبر ۴ کی حدیث سے معلوم ہوا کہ سر سے اشارہ کرے گا۔اور سر سے اشارہ نہ کر سکے تو نماز مؤخر ہو جائے گی۔

لغت بحاجبیہ : دونوں بھوؤں سے۔

[۳۱۴](٦) اگر کھڑے ہونے پر قدرت رکھتا ہو لیکن رکوع اور سجدے پر قدرت نہ رکھتا ہو تو اس کو کھڑا ہونا لازم نہیں ہے۔اور اس کے لئے جائز ہے کہ بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھے۔

تشریح ایک آدمی کھڑا تو ہوسکتا ہے لیکن پیٹھ میں درد کی وجہ سے رکوع سجدہ نہیں کرسکتا تو اس کے لئے کھڑا ہونا ضروری نہیں ہے۔وہ بیٹھ کر رکوع اور سجدے کا اشارہ کر کے نماز پڑھے۔

وجہ اس کی وجہ یہ ہے کہ کھڑا ہونا اس لئے تھا تا کہ صحیح طور پر رکوع اور سجدہ کر سکے۔لیکن جب رکوع اور سجدہ ہی نہیں کر سکا تو کھڑا ہونا جو فرض تھا اس سے ساقط ہو جائے گا۔اب چاہے تو کھڑا ہو چاہے تو بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھے۔

[۳۱۵](۷) پس اگر تندرست آدمی نے بعض نماز کھڑے ہو کر پڑھی پھر اس کو مرض پیدا ہوا تو اس کو پوری کرے گا بیٹھ کر کے،رکوع کریگا اور سجدہ کریگا،اور اشارہ کرے گا اگر رکوع اور سجدے پر طاقت نہ رکھتا ہو۔ یا چت لیٹے گا اگر بیٹھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔

وجہ مسئلہ نمبر ا میں بخاری کی حدیث گزر چکی ہے کہ کھڑے ہونے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو پہلو کے بل لیٹ کر نماز پڑھے۔اور یہ بھی گزرا کہ رکوع اور سجدہ نہ کرسکتا ہو تو اشارہ سے نماز پڑھے گا (۲) آیت میں گزرا کہ مریض پر کوئی حرج نہیں ہے۔ جتنے پر قدرت ہوگی اتنا ہی کرے گا۔اس لئے کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہا تھا اور درمیان میں زیادہ بیمار ہو گیا اور بیٹھ گیا تو ادنی کو اعلی پر بنا کیا اس لئے جائز ہے۔اور رکوع سجدہ نہ کرسکا تو اشارہ سے نماز پڑھے گا۔

لم يستطع الركوع والسجود او مستلقيا ان لم يستطع القعود[٣١٦] (٨) ومن صلى قاعدا يركع و يسجد لمرض ثم صح بنى على صلوته قائما[٣١٧] (٩) فان صلى بعض صلوته بايماء ثم قدر على الركوع والسجود استأنف الصلوة [٣١٨](١٠) ولمن اغمى

[۳۱۶] (۸) جس نے بیٹھ کرنماز پڑھی رکوع اور سجدہ کرتے ہوئے مرض کی بنا پر پھر تندرست ہوگیا تو کھڑے ہوکر اپنی نماز پر بنا کرے گا۔

وجہ (۱) بیٹھنا آدھا کھڑا ہونا ہے اس لئے اگر بیٹھا ہوا رکوع وسجدہ کر رہا تھا اور کھڑے ہونے پر قدرت ہوگئی تو اسی پر بنا کرے گا اور باقی نماز کھڑے ہوکر پوری کرے گا (۲) کھڑے ہونے والے بیٹھنے والے کی اقتدا کر سکتے ہیں لیکن لیٹنے والے کی اقتدا نہیں کر سکتے اس سے بھی معلوم ہوا کہ بیٹھنا آدھا کھڑا ہونا ہے۔ اس لئے اسی پر بنا کرے گا۔ شروع نماز سے پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے (۳) حدیث میں اس کا ثبوت ہے عن عائشة ان رسول الله كان يصلي جالسا فيقرأ وهو جالس فاذا بقي من قرأته قدر ما يكون ثلثين او اربعين آية قام فقرأ وهو قائم ثم ركع ثم سجد ثم يفعل في الثانية مثل ذلک (الف) (مسلم شریف، باب جواز النافلۃ قائما وقاعدا ص۲۵۲ نمبر ۱۷۳۱) اس حدیث میں آپؐ نے بیٹھ کرنماز پڑھی ہے پھر آخر میں کھڑے ہوکر اس پر بنا کیا ہے۔ یہ حدیث اگر چہ نوافل کے بارے میں ہے لیکن اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیماری کی صورت میں فرائض میں بھی بیٹھنے پر کھڑا ہونے کو بنا کر سکتا ہے۔

[۳۱۷] (۹) پس اگر بعض نماز اشارہ سے پڑھی پھر رکوع اور سجدہ پر قدرت ہوگئی تو نماز شروع سے پڑھے گا۔

وجہ اشارہ کرنا بہت ہی کمزور حالت ہے۔ اس پر اعلی کی بنا نہیں کر سکتے (۲) یہی وجہ ہے کہ لیٹنے والے یا اشارہ کرنے والے کی اقتدا بیٹھنے والے یا کھڑے ہونے والے نہیں کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ایک بہت اعلی حالت ہے اور دوسری بہت ادنی حالت ہے۔ اس لئے اشارہ کرکے نماز پڑھ رہا تھا اور درمیان میں رکوع اور سجدہ پر قدرت ہوگئی تو اس پر بنا نہیں کرے گا بلکہ شروع سے نماز پڑھے گا (۳) اوپر کی حدیث سے ثابت ہوا کہ بیٹھنے پر کھڑے ہونے کو بنا آپؐ نے کیا ہے۔ لیکن اشارہ کرنے پر بنا کرنے کی حدیث نہیں ہے۔ اس لئے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اشارہ کرنے پر رکوع وسجدہ کرنے کو بنا نہ کیا جائے۔

[۳۱۸] (۱۰) جس پر پانچ نمازیں یا اس سے کم کی بیہوشی طاری ہوئی تو ان کو قضا کرے گا جب تندرست ہوگا۔ اور اگر فوت ہوگئی ہے بیہوشی کی وجہ سے پانچ نمازوں سے زیادہ تو قضا نہیں کرے گا۔

تشریح بیہوشی کی وجہ سے پانچ نماز یا اس سے کم قضا ہوئی ہو تو اس کو قضا کرے گا۔ اور اس سے زیادہ قضا ہوگئی ہو تو اس کو قضا نہیں کرے گا۔ معاف ہے۔

وجہ (۱) بیہوشی طاری ہوئی تو عقل گویا کہ ختم ہوگئی اس لئے شریعت کا خطاب اس سے اٹھ گیا۔ لیکن ایک دن ایک رات سے کم بیہوشی رہی تو وہ

حاشیہ : (الف) آپؐ نماز پڑھتے تھے بیٹھ کر تو قرأت کرتے اس حال میں کہ بیٹھے ہوتے، پس جب کہ آپؐ کی قرأت میں سے تیس یا چالیس آیتیں باقی رہتی تو کھڑے ہوتے پھر قرأت کرتے کھڑے ہوکر، پھر رکوع کرتے پھر سجدہ کرتے، پھر ایسا ہی دوسری رکعت میں کرتے۔

علیه خمس صلوات فما دونها قضاها اذا صح و ان فاتته بالاغماء اکثر من ذلک لم یقض

نیند کے درجہ میں ہے۔اس لئے اس کی نماز قضا کرے گا۔اور ایک دن ایک رات سے زیادہ بیہوشی رہی تو اس سے خطاب اٹھا ہوا ہے۔اس لئے اب اس کی نماز قضا نہیں کرے گا (۲) اس طرح قضا کروائیں تو حرج لازم ہوگا تو جس طرح حائضہ سے نماز معاف ہے اسی طرح اس سے بھی نماز معاف ہوگی۔(۳) آثار میں ہے **عن عبد الله بن عمر عن نافع قال اغمی علی ابن عمر یوما ولیلة فلم یقض ما فاته ... وفی حدیث آخر ... ان ابن عمر اغمی علیه شهرا فلم یقض ما فاته وصلی یومه الذی افاق فیه (الف)** (مصنف عبدالرزاق، باب صلوۃ المریض علی الدابۃ وصلوۃ المغمی علیہ ج ثانی ص ۴۷۹ نمبر ۴۱۵۲/۴۱۵۳) ان دونوں آثار سے معلوم ہوا کہ ایک دن ایک رات کی نماز سے قضا ہوئی ہو تو قضا کرے گا اور زیادہ ہوئی ہو تو قضا نہیں کرے گا۔معاف ہے ورنہ حرج لازم ہوگا۔

حاشیہ : (الف) عبداللہ ابن عمر پر ایک دن ایک رات بیہوشی طاری ہوئی تو جو نمازیں فوت ہوئی اس کی قضا نہیں کی۔دوسری حدیث میں ہے کہ ابن عمر پر ایک ماہ تک بیہوشی طاری ہوئی تو جو نمازیں فوت ہوئیں ان کی قضا نہیں کی۔اور اس دن کی نماز پڑھی جس دن افاقہ ہوا۔

﴿باب سجود التلاوۃ﴾

[۳۱۹](۱) فی القرآن اربعة عشر سجدة فی آخر الاعراف وفی الرعد وفی النحل وفی بنی اسرائیل ومریم والاولی فی الحج والفرقان والنمل والانشقاق والعلق[۳۲۰](۲)

﴿ باب سجود التلاوۃ ﴾

ضروری نوٹ قرآن کریم میں چودہ آیتیں ہیں جن کے پڑھنے سے سجدہ کرنا واجب ہوتا ہے۔ان کو سجدۂ تلاوت کہتے ہیں۔سجدۂ تلاوت واجب ہونے کی یہ دلیل ہے **عن ابن عباس ان النبی ﷺ سجد بالنجم وسجد معه المسلمون والمشرکون والجن والانس** (الف)(بخاری شریف، باب سجدۃ النجم ص ۱۴۶ نمبر ۱۰۷۱ رمسلم شریف، باب سجود التلاوۃ ص ۲۱۵ نمبر ۵۷۶)اس حدیث سے ثابت ہوا کہ آیت سجدہ پڑھنے سے سجدہ کرنا چاہئے۔اور جو لوگ سنے ان کو بھی سجدہ کرنا چاہئے۔

[۳۱۹](۱) قرآن کریم میں چودہ آیتوں پر سجدے ہیں (۱) سورۂ اعراف کے اخیر میں (۲) الرعد (۳) النحل (۴) بنی اسرائیل (۵) مریم (۶) سورۂ حج میں پہلا سجدہ (۷) الفرقان (۸) النمل (۹) الم تنزیل (۱۰) ص (۱۱) حم السجدۃ (۱۲) النجم (۱۳) الانشاق (۱۴) العلق۔ یہ چودہ آیتیں ہیں جن کے پڑھنے سے پڑھنے والے پر سجدہ واجب ہوتا ہے۔حنفیہ کے نزدیک سورۂ حج میں جو پہلا سجدہ ہے اس کے پڑھنے سے سجدہ واجب ہوتا ہے **وجہ** اس کی وجہ یہ اثر ہے **عن سعید بن المسیب والحسن قالا فی الحج سجدة واحدة الاولی منها** (ب)(مصنف بن ابی شیبۃ، باب ۲۱۵ من قال ھی واحدۃ وھی الاولی، ج اول، ص ۳۷۳ نمبر ۴۳۰۰)(۲) **عن ابن عباس قال فی سورة الحج الاولی عزیمة والآخرة تعلیم وکان لایسجد فیها** (ج)(مصنف عبدالرزاق، باب کم فی القرآن من سجدۃ ص ۳۴۲ نمبر ۵۸۹۲)ان دونوں آثار سے معلوم ہوا کہ سورۂ حج میں پہلی آیت پر سجدہ ہے دوسری آیت تعلیم کے لئے ہے۔

فائدہ امام مالکؒ کے نزدیک دونوں جگہ سجدے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے **ان عقبة بن عامر حدثه قال قلت لرسول الله ﷺ فی سورة الحج سجدتان قال نعم ومن لم یسجد هما فلا یقرأهما** (د)(ابوداؤد شریف، باب کم سجدۃ فی القرآن ص ۲۰۶ نمبر ۱۴۰۲ رباب تفریع ابواب السجو درترمذی شریف، باب فی السجدۃ فی الحج ص ۱۲۸ نمبر ۵۷۸)اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سورۂ حج میں دو سجدے ہیں۔اس اعتبار سے کل سجدے پندرہ ہو جائیں گے۔یہی امام مالکؒ کا قول ہے۔

[۳۲۰](۲) سجدہ واجب ہے ان جگہوں میں پڑھنے والے پر اور سننے والے پر چاہے قرآن سننے کا ارادہ کیا ہو یا ارادہ نہ کیا ہو۔

تشریح ان آیتوں کے پڑھنے سے پڑھنے والے اور سننے والے دونوں پر سجدہ واجب ہوتا ہے۔چاہے سننے کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔

وجہ واجب ہونے کی دلیل یہ اثر ہے **عن ابن عباس قال صٓ لیس من عزائم السجود وقد رأیت النبی ﷺ یسجد فیها**

حاشیہ : (الف) آپؐ نے سجدہ کیا سورۂ نجم میں اور آپ کے ساتھ مسلمان، مشرکین، جنات اور انسان نے بھی سجدہ کیا (ب) سعید بن مسیّب اور حسن نے فرمایا کہ سورۂ حج میں ایک سجدہ ہے۔ان میں سے پہلا سجدہ (ج) ابن عباس نے فرمایا سورۂ حج میں پہلا سجدہ تاکیدی ہے اور دوسرا سجدہ تعلیم کے لئے ہے۔اور اس میں سجدہ نہیں کیا کرتے تھے (د) میں نے حضورؐ سے کہا کہ سورۂ حج میں دو سجدے ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا ہاں! اور جس نے دو سجدے نہیں کئے تو گویا کہ ان کو پڑھا ہی نہیں۔

والسجود واجب فی ھذہ المواضع علی التالی والسامع سواء قصد سماع القرآن او لم

(الف) (بخاری شریف، باب سجدۃ ص ۔ص ۱۴۶ نمبر ۱۰۶۹ ابوداؤد شریف باب السجود فی ص ۔ص ۲۰۷ نمبر ۱۴۰۹ ترمذی شریف، باب ما جاء فی السجدۃ فی ص ۔ص ۱۲۷ نمبر ۵۷۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورۂ ص میں سجدہ تاکیدی نہیں ہے۔اس کا مفہوم مخالف یہ ہوگا کہ دوسری آیتوں کا سجدہ تاکیدی ہےاوراسی کا نام وجوب ہے۔اس لئے سجدۂ تلاوت واجب ہے۔ایک اور حدیث سے اس کا اشارہ ملتا ہے **عن ابن عمر قال کان النبی ﷺ یقرأ السجدۃ ونحن عندہ فیسجد ونسجد معہ فنزدحم حتی مایجد احدنا لجبھتہ موضعا یسجد علیہ** (ب) (بخاری شریف، باب ازدحام الناس اذا قرأ الامام السجدۃ ص ۱۴۶ نمبر ۱۰۷۶ باب ما جاء فی سجود القرآن مسلم شریف، باب سجود التلاوۃ ص ۲۱۵ نمبر ۵۷۵) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ واجب ہے اور سننے والوں پر بھی واجب ہے۔اسی لئے تو سننے کے بعد تمام لوگ سجدہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ سجدہ کے لئے جگہ باقی نہیں رہتی تھی۔اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آیت سجدہ سننے کا ارادہ نہ بھی رکھتا ہو تو بھی سننے سے سجدہ واجب ہوگا۔ کیونکہ اس میں بہت سے لوگ وہ بھی ہوں گے جو سننے کا ارادہ نہ رکھتے ہوں گے پھر بھی انہوں نے سجدہ کیا (۲) اس اثر سے اس کی تائید ہوتی ہے **عن ابن عمر قال انما السجدۃ علی من سمعھا،سعید بن جبیر قال من سمع السجدۃ فعلیہ ان یسجد** (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۲۰۷، باب من قال السجدۃ علی من جلس لھا و من سمعہ، ج اول ص ۳۶۷، نمبر ۴۲۲۵/۴۲۲۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جو بھی آیت سجدہ سنے گا اس پر سجدہ کرنا واجب ہوگا چاہے سننے کا ارادہ کرے یا نہ کرے

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک سجدۂ تلاوت سنت ہے۔ان کی دلیل یہ اثر ہے **عن عمر بن الخطاب قرأ یوم الجمعۃ علی المنبر بسورۃ النحل حتی اذا جاء السجدۃ نزل فسجد و سجد الناس حتی اذا کانت الجمعۃ القابلۃ قرأ بھا حتی اذا جاء السجدۃ قال ایھا الناس انما نمر بالسجود فمن سجد فقد اصاب و من لم یسجد فلا اثم علیہ ولم یسجد عمر** (د) (بخاری شریف، باب من رأی ان اللہ عز وجل لم یوجب السجود ص ۱۴۷ نمبر ۱۰۷۷ ابوداؤد شریف، باب السجود فی ص ،ص ۲۰۷ نمبر ۱۴۱۰ ترمذی شریف، باب ما جاء من لم یسجد فیہ ص ۱۲۷ نمبر ۵۷۶) اس حدیث واثر سے معلوم ہوا کہ سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہے سنت ہے۔سجدہ کرے گا تو ثواب ملے گا اور نہیں کرے گا تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔بعض حضرات کا مذہب یہ بھی ہے کہ سننے کے ارادے سے سنے تو سجدہ کرے گا اور اگر بغیر ارادہ کے سن لیا تو اس پر ضروری نہیں ہے۔ان کی دلیل یہ اثر ہے **قال سلمان ما لھذا غدونا وقال عثمان انما السجدۃ علی من استمعھا** (ہ) (بخاری شریف، باب من رأی ان اللہ عز وجل یاجب السجود ص ۱۴۶ نمبر ۱۰۷۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ سننے کے

حاشیہ : (الف) ابن عباس نے فرمایا کہ سورۂ ص میں تاکیدی سجدہ نہیں ہے پھر بھی حضور کو دیکھا کہ اس میں سجدہ کیا کرتے تھے (ب) حضور آیت سجدہ پڑھتے اور ہم ان کے پاس ہوتے تو آپ سجدہ کرتے اور ہم لوگ بھی آپؐ کے ساتھ سجدہ کرتے تو ہم لوگ بھیڑ کر دیتے۔ یہاں تک کہ ہم میں سے بعض پیشانی رکھنے کی جگہ نہیں پاتے کہ اس پر سجدہ کرے (ج) سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ جو آیت سجدہ سنے اس پر یہ ہے کہ سجدہ کرے (د) عمر ابن خطاب نے جمعہ کے دن منبر پر سورۃ النحل پڑھی یہاں تک کہ جب آیت سجدہ آئی تو نیچے اترے اور سجدہ کیا۔اور لوگوں نے بھی سجدہ کیا یہاں تک کہ جب اگلا جمعہ آیا تو اس کو پڑھا یہاں تک کہ جب آیت سجدہ آئی تو کہا اے لوگو! ہم سجدہ پر گزرتے ہیں تو جس نے سجدہ کیا اس نے ٹھیک کیا اور جس نے سجدہ نہیں کیا اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔اور حضرت عمر نے سجدہ نہیں کیا (ہ) حضرت سلمان نے فرمایا ہم اس سجدہ کے لئے نہیں آتے ہیں ،حضرت عثمان نے فرمایا سجدہ اس پر ہے جو سجدہ کو کان لگا کر سنے۔

یقصد [۳۲۱](۳) فاذا تلا الامام آیة السجدة سجدها و سجد المامو م معه [۳۲۲](۴) فان تلا المامو م لم یلزم الامام ولا المامو م السجو د[۳۲۳] (۵) وان سمعوا وهم فی الصلوة آیة سجدة من رجل لیس معهم فی الصلوة لم یسجدوها فی الصلوة فان سجدوها فی الصلوة لم تجز لهم ولم تفسد صلوتهم.

ارادے سے سنے تو سجدہ ضروری ہے ورنہ نہیں۔

[۳۲۱] (۳) پس اگر امام نے آیت سجدہ پڑھی تو اس کا سجدہ کرے گا اور مقتدی بھی اس کے ساتھ سجدہ کرے گا۔

وجہ (۱) پہلے گزر چکا ہے کہ امام ضامن ہے اس لئے امام پر سجدۂ تلاوت واجب ہوگا تو مقتدی پر بھی واجب ہو جائے گا (۲) اس کے لئے دلیل یہ بھی ہے کہ مسئلہ نمبر ۲ میں ہے **کان النبی ﷺ یقرأ السجدة و نحن عنده فیسجد ونسجد معه** (الف) (بخاری شریف، باب ازدحام الناس ص ۱۴۶ نمبر ۱۰۷۶) اس حدیث میں ہے کہ حضور ؐسجدہ کرتے تھے اور ہم لوگ بھی ان کی اقتدا میں سجدہ کرتے تھے۔

[۳۲۲] (۴) پس اگر مقتدی نے آیت سجدہ پڑھی تو نہ امام کو لازم ہوگا اور نہ مقتدی کو سجدہ لازم ہوگا۔

وجہ مقتدی امام کے تابع ہے اس لئے اگر مقتدی نے آیت سجدہ پڑھی تو اس کی وجہ سے امام پر سجدہ لازم نہیں ہوگا۔ اور مقتدی امام کے خلاف کر کے سجدہ نہیں کر سکتا ورنہ امام کی مخالفت لازم ہوگی اس لئے نہ امام پر سجدہ لازم ہوگا اور نہ مقتدی پر لازم ہوگا (۲) امام ابو حنیفہ کے اعتبار سے مقتدی کو قرأت ہی نہیں کرنی چاہئے۔ اس نے جو قرأت کی ہے یہی خلاف قاعدہ کی ہے۔ اس لئے کسی پر سجدہ لازم نہیں ہوگا۔

[۳۲۳] (۵) اگر لوگ نماز میں ہوں اور انہوں نے آیت سجدہ ایسے آدمی سے سنی جو ان کے ساتھ نماز میں نہ ہو تو لوگ نماز میں اس کا سجدہ نہ کرے، اور اگر نماز ہی میں سجدہ کر لیا تو ان کو کافی نہ ہوگا، لیکن ان کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

تشریح کچھ لوگ نماز پڑھ رہے تھے۔ ایک آدمی اس نماز میں نہیں تھا اس نے آیت سجدہ پڑھی اور نمازی لوگوں نے اس کو سنی تو نمازی لوگوں کو چاہئے کہ ابھی اس کا سجدہ نہ کرے بلکہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس کا سجدہ کرے۔ لیکن اگر انہوں نے نماز ہی میں سجدہ کر لیا تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

وجہ یہ سجدہ نماز کے اعمال میں سے نہیں ہے۔ اس کا سبب نماز کے باہر سے آیا ہے۔ اس لئے اس کو نماز میں ادا نہیں کرنا چاہئے۔ نماز سے باہر ادا کرنا چاہئے۔ تاہم کر دیا تو چونکہ خلاف نماز کام نہیں ہے اس لئے نماز فاسد نہیں ہوگی (۲) اس اثر سے اس کی تائید ہوتی ہے **عن طاؤس فی الرجل سمع السجدة وهو فی الصلوة قال لا یسجد** (ب) (مصنف ابن ابی شیبة ۲۱۶ باب یسمع السجدة قرأت وهو فی الصلوة من قال لا یسجد، ج اول، ص ۳۷۴، نمبر ۴۳۰۳ اس باب میں کئی اثر ہیں / مصنف عبد الرزاق، باب اذا سمعت السجدة وانت تصلی ج ثالث ص

حاشیہ : (الف) آپ ؐآیت سجدہ پڑھتے اور ہم ان کے پاس ہوتے تو وہ بھی سجدہ کرتے اور ہم بھی ان کے ساتھ سجدہ کرتے (ب) حضرت طاؤس سے اس آدمی کے بارے میں روایت ہے جس نے آیت سجدہ سنی اس حال میں کہ وہ نماز میں ہے تو فرمایا کہ وہ ابھی سجدہ نہ کرے۔

[۳۲۴] (٦) ومن تلا آیة سجدة خارج الصلوة ولم یسجدها حتی دخل فی الصلوة فتلاها وسجد لهما اجزأته السجدة عن التلاوتین [۳۲۵] (۷) فان تلاها فی غیر الصلوة فسجدها ثم دخل فی الصلوة فتلاها سجدها ثانیا ولم تجزه السجدة الاولی [۳۲٦] (٨) ومن کرر تلاوة سجدة واحدة فی مجلس واحد اجزأته سجدة واحدة.

---

۳۵۱ نمبر ۵۹۴۱)

[۳۲۴] (٦) کسی نے نماز سے باہر سجدہ کی آیت پڑھی، اس کا ابھی سجدہ نہیں کیا کہ نماز شروع کر دی اور نماز میں دوبارہ اسی آیت کو پڑھی تو دونوں کے لئے نماز والا ایک ہی سجدہ کافی ہے بشرطیکہ مجلس نہ بدلی ہو۔

وجہ (۱) نماز کا سجدہ اعلی ہے اس لئے ادنی کے لئے کافی ہے۔ اور چونکہ مجلس ایک ہے اسلئے نماز والا ایک ہی سجدہ کافی ہوگا (۲) ایک ہی سجدہ کافی ہونے کے لئے یہ اثر ہے **عن مجاهد قال اذا قرأت السجدة اجزأک ان تسجد بها مرة ، عن ابراهیم فی الرجل یقرأ السجدة ثم یعید قرأتها قالا تجزیها السجدة الاولی** (الف) (مصنف بن ابی شیبة ۲۰۴، باب الرجل یقرأ السجدة ثم یعید قرأتها کیف یصنع ج اول ص ۳٦۵، نمبر ۴۲۰۰/۴۱۹۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کئی مرتبہ آیت سجدہ پڑھنے سے اگر مجلس ایک ہو تو ایک ہی سجدہ کافی ہے۔

[۳۲۵] (۷) پس اگر آیت سجدہ تلاوت کی نماز سے باہر اور اس کا سجدہ کر لیا پھر نماز میں داخل ہوا پھر اسی آیت کی تلاوت کی تو دوسری مرتبہ اس کا سجدہ کرے، اور اس کے لئے پہلا سجدہ کافی نہیں ہوگا۔

وجہ نماز سے باہر والا سجدہ ادنی ہے اور نماز کے اندر کا سجدہ اعلی ہے۔ اس لئے ادنی والا سجدہ اعلی کے لئے کافی نہیں ہوگا۔ اس لئے نماز سے باہر جو سجدہ کر چکا ہے وہ نماز کے اندر والے کے لئے کافی نہیں ہوگا۔ نماز کے اندر آیت سجدہ پڑھنے کی وجہ سے دوبارہ سجدہ کرنا ہوگا۔

[۳۲٦] (٨) کسی نے ایک ہی آیت سجدہ کو ایک ہی مجلس میں مکرر تلاوت کی تو اس کو ایک ہی سجدہ کافی ہے۔

وجہ قیاس کے اعتبار سے ہر آیت پڑھنے کے لئے الگ الگ سجدہ واجب ہونا چاہئے۔ لیکن حرج کے لئے تداخل کر دیا جائے گا۔ لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ مجلس ایک ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ ادنی اعلی میں داخل ہوگا لیکن اعلی ادنی میں داخل نہیں ہوگا۔ اب اوپر کی صورت میں ایک ہی آیت کئی مرتبہ پڑھی ہے تو اگر مجلس ایک ہے تو تداخل ہو کر ایک ہی سجدہ لازم ہوگا۔ اور مجلس بدل گئی تو کئی سجدے لازم ہونگے۔ (۲) اثر میں موجود ہے **عن ابی عبد الرحمن انه کان یقرأ السجدة فیسجد ثم یعیدها فی مجلسه ذلک مرارا لا یسجد** (الف) مصنف ابن ابی شیبة ۲۰۴، باب الرجل یقرأ السجدة ثم یعید قرأتها کیف یصنع، ج اول، ص ۳٦٦، نمبر ۴۲۰۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ایک مجلس

حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیم سے فتوی ہے کہ آدمی آیت سجدہ پڑھے پھر اس کی قرأت کو لوٹائے۔ فرمایا اس کو پہلا ہی سجدہ کافی ہے (ب) ابو عبد الرحمن آیت سجدہ پڑھتے تھے اور سجدہ کرتے تھے۔ پھر اسی مجلس میں کئی مرتبہ لوٹاتے اور دوبارہ سجدہ نہیں کرتے۔

[۳۲۷](۹) ومن اراد السجود کبر ولا یرفع یدیہ و سجد ثم کبر ورفع رأسہ ولا تشھد علیہ ولا سلام.

میں کئی مرتبہ آیت سجدہ پڑھا تو تداخل ہوگا اور ایک ہی سجدہ لازم ہوگا۔

[۳۲۷](۹) جس نے سجدۂ تلاوت کا ارادہ کیا تو تکبیر کہے اور ہاتھ نہ اٹھائے اور سجدہ کرے، پھر تکبیر کہے اور اپنے سر کو اٹھائے۔ اس پر تشہد نہ پڑھے اور نہ سلام کرے۔

وجہ اثر میں ہے **عن عبد اللہ بن مسلم قال کان ابی اذا قرأ السجدۃ قال اللہ اکبر ثم سجد** (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۰۲، باب من قال اذا قرأت السجدۃ فکبر وسجد ج اول ص ۳۶۴، نمبر ۴۱۸۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ صرف تکبیر کہہ کر سجدہ میں جائے گا۔ تشہد نہیں پڑھے گا اس کے لئے یہ اثر دلیل ہے **عن سعید بن جبیر انہ کان یقرأ السجدۃ فیرفع رأسہ ولا یسلم، قال کان الحسن یقرأ بنا سجود القرآن ولا یسلم** (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۰۱، باب من کان لا یسلم من السجدۃ ج اول ص ۳۶۴، نمبر ۴۱۸۴/۴۱۸۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ سجدۂ تلاوت میں تشہد اور سلام نہیں ہیں۔ صرف تکبیر کہہ کر سجدہ کرے پھر تکبیر کہہ کر سر اٹھائے بس اتنا ہی کافی ہے۔

نوٹ سجدۂ تلاوت نماز کا حصہ ہے اس لئے اس کے لئے وضو ضروری ہے۔ اس کے لئے اثر ہے **عن ابراھیم قال اذا سمعہ وھو علی غیر وضوء فلیتوضأ ثم لیقرأ فلیسجد** (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۲۰، باب فی الرجل یسجد السجدۃ وھو علی غیر وضوء ج اول ص ۴۶۷)

حاشیہ : (الف) عبد اللہ بن مسلم کہتے ہیں کہ میرے والد جب آیت سجدہ پڑھتے تو کہتے اللہ اکبر پھر سجدہ کرتے (ب) سعید بن جبیر آیت سجدہ پڑھتے پھر سر اٹھاتے اور سلام نہیں کرتے، حسن ہمیں سجدۂ قرآن پڑھاتے اور سلام نہیں کرتے (ج) ابراہیم نے کہا جب آیت سجدہ سنے اور وہ وضو پر نہ ہو تو وضو کرے پھر پڑھے پھر سجدہ کرے۔

﴿باب صلوة المسافر﴾

[٣٢٨](١) السفر الذى يتغير به الاحكام ان يقصد الانسان موضعا بينه و بين المقصد

﴿ باب صلوۃ المسافر ﴾

ضروری نوٹ آدمی سفر میں چلا جائے تو اس کو مسافر کہتے ہیں۔سفر کی حالت میں آدمی آدھی نماز پڑھے اس کی دلیل یہ حدیث ہے **سمع ابن عمر یقول صحبت رسول الله فكان لا يزيد فى السفر على ركعتين و ابا بكر و عمر و عثمان كذلك** (الف) (بخاری شریف، باب من لم یتطوع فی السفر دبر الصلوات ص ۱۴۹ نمبر ۱۱۰۲ / مسلم شریف، باب صلوۃ المسافرین وقصرھا ص ۲۴۲ نمبر ۶۸۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ اور صحابہ نے سفر میں دو رکعت سے زیادہ نماز نہیں پڑھی۔

[٣٢٨] (١) جس سفر سے احکام بدل جاتے ہیں یہ ہے کہ انسان ایسی جگہ کا ارادہ کرے کہ اس کے درمیان اور اس کے مقصد کے درمیان تین دن کا سفر ہو اونٹ کی چال سے یا قدم کی چال سے اور نہیں اعتبار ہے اس میں پانی میں چلنے کا۔

تشریح جس مقام سے جس مقام تک جانا ہے وہاں کا سفر تین دن کا راستہ ہو۔درمیانی چال سے کہ صبح سے زوال تک چلے۔اور اونٹ کی چال اور انسان کی پیدل چال کا اعتبار ہے۔کیونکہ انسان عام طور پر اسی رفتار سے چلتا ہے۔اس لئے شریعت نے اسی کی چال کا اعتبار کیا ہے۔اس سے تیز رفتار کی چال کا اعتبار نہیں کیا۔کیونکہ شریعت انسان کی عمومی حالت کا اعتبار کرتی ہے۔

نوٹ آدمی عموما ایک دن میں اوسط چال سے صبح سے دو پہر تک میں سولہ (۱۶) میل چل سکتا ہے۔اس اعتبار سے تین دن میں اڑتالیس (۴۸) میل ہوتے ہیں۔اور حنفیوں کے یہاں اڑتالیس میل اسی حساب سے مشہور ہے۔

وجہ تین دن کے سفر کا اعتبار اس حدیث سے ہے **عن ابى سعيد الخدرى قال قال رسول الله لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر ان تسافر سفرا يكون ثلاثه ايام فصاعدا الا و معها ابوها او ابنها او زوجها او اخوها او ذومحرم منها** (ب) (مسلم شریف، باب سفر المرأۃ مع محرم الی حج وغیرہ ص ۴۳۴ ابواب الحج نمبر ۱۳۴۰ / بخاری شریف، باب کم اقام النبی فی حجتہ ص ۱۴۷، ابواب تقصیر الصلوۃ نمبر ۱۰۸۸) اس حدیث میں جس مسافت کو سفر قرار دیا ہے وہ تین دن کی مسافت ہے۔اس لئے تین دن کی مسافت پر نماز کے قصر کا حکم لگایا جائے گا (۲) موزے پر مسح میں بھی تین دن کے سفر کو سفر قرار دینے کا اشارہ ملتا ہے۔حدیث یہ ہے **قال اتيت عائشة اسألها عن المسح على الخفين ... فقال جعل رسول الله ﷺ ثلاثة ايام ولياليهن للمسافر ويوما وليلة للمقيم** (ج) (مسلم شریف، باب التوقیت فی المسح علی الخفین ص ۱۳۵ نمبر ۲۷۶ / ابو داؤد شریف، باب التوقیت فی المسح ص ۲۳ نمبر ۱۵۷) اس حدیث سے

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کے ساتھ رہا وہ سفر میں دو رکعت سے زیادہ نہیں کرتے۔اور ابو بکر، عمر اور حضرت عثمان بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے (ب) آپؐ نے فرمایا کسی عورت کے لئے حلال نہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو کہ وہ سفر کرے ایسا سفر جو تین دن یا اس سے زیادہ کا ہو مگر اس کے ساتھ اس کا باپ، یا اس کا بیٹا یا اس کا شوہر یا اس کا بھائی یا اس کا ذی محرم ہو (ج) میں حضرت عائشہ کے پاس آیا مسح علی الخفین کے بارے میں پوچھنے کے لئے... حضرت علی نے فرمایا کہ حضورؐ نے تین دن تین راتیں مسافر کے لئے اور ایک دن اور ایک رات مقیم کے لئے متعین کیا۔

مسیرۃ ثلثۃ ایام بسیر الابل و مشی الاقدام ولا معتبر فی ذلک بالسیر فی الماء.

معلوم ہوتا کہ سفر کی مدت تین دن ہونی چاہئے۔اسی کو سفر شرعی کہیں گے(۳)اس اثر سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے **کان ابن عمر و ابن عباس یقصران ویفطران فی اربعۃ برد وھو ستۃ عشر فرسخا** (الف) (بخاری شریف، باب فی کم یقصر الصلوۃ ص ۱۴۷ نمبر ۱۰۸۶) ایک فرسخ تین میل شرعی کا ہوتا ہے اس اعتبار سے سولہ فرسخ اڑتالیس میل ہوئے۔اور انگریزی میل چھوٹا ہوتا ہے اس لئے وہ ساڑھے چون میل انگریزی ہوئے۔ایک دن میں وسط چال کے ساتھ عموما سولہ میل سفر طے کر پاتے ہیں۔اس لئے تین دن میں اڑتالیس میل ہوئے

نوٹ اصل تین دن کا سفر ہے۔میل کو متعین کرنا سہولت کے لئے ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک ایک دن ایک رات کی مسافت ہو تب بھی قصر کر سکتا ہے۔ان کی دلیل یہ قول ہے **سمی النبی ﷺ السفر یوما و لیلۃ سفرا وفیہ عن ابی ھریرۃ قال قال النبی ﷺ لا یحل لامرأۃ تؤمن باللہ والیوم الآخر ان تسافر یوم ولیلۃ لیس معھا حرمۃ** (ب) (بخاری شریف، باب فی کم تقصیر الصلوۃ ص ۱۴۸ نمبر ۱۰۸۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک دن اور ایک رات کے سفر کو بھی سفر کہتے ہیں۔اس لئے اس پر بھی قصر ہو سکتا ہے۔امام ابو حنیفہؒ دلائل کی روشنی میں احتیاط کی طرف گئے ہیں۔

لغت مقصد : جانے کی جگہ، قصد کرنے کی جگہ، مسیر : سیر سے مشتق ہے، سفر۔

﴿ فرسخ، میل اور کیلومیٹر کا حساب ﴾

پچھلے زمانے میں عرب میں برد، فرسخ اور غلوہ رائج تھے، بعد میں میل شرعی آیا اور ابھی دنیا میں انگریزی میل اور کیلومیٹر کا حساب رائج ہے۔اس لئے ان کی تفصیل یہ ہے۔

ایک برد چار فرسخ کا ہوتا ہے۔اور ایک فرسخ تین شرعی میل کا ہوتا۔اور ایک شرعی میل چار ہزار ہاتھ یعنی دو ہزار گز کا ہوتا ہے۔اس طرح ایک برد بارہ شرعی میل کا ہوا۔ایک برد چار فرسخ کا ہوتا ہے اس کا ذکر عبد اللہ بن عباسؓ کے اثر میں گزرا۔کان ابن عمر وابن عباس یقصران ویفطران فی اربعۃ برد وھو ستۃ عشر فرسخا (بخاری شریف، باب فی کم یقصر الصلوۃ، ص ۱۴۷، نمبر ۱۰۸۶) اس اثر میں ہے کہ چار برد سولہ فرسخ کا ہوتا تھا۔یعنی ایک برد چار فرسخ کا۔اور چار برد سولہ فرسخ کا ہوا جس پر عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن عباس سفر کا حکم لگاتے تھے۔

اور ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے۔اور ایک میل شرعی چار ہزار ہاتھ کا۔جس کا مطلب یہ ہوا کہ دو ہزار گز کا میل ہوا۔اس کی دلیل درمختار کی یہ عبارت ہے۔الفرسخ : ثلاثۃ امیال والمیل : اربعۃ آلاف ذراع (رد المحتار علی در المختار، باب صلوۃ المسافر، ج ثانی، ص ۷۲۵) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ فرسخ تین میل کا ہوتا ہے۔اور ایک میل شرعی دو ہزار گز کا ہوتا ہے۔اب بارہ فرسخ کو تین میل سے ضرب دیں تو 48 میل شرعی ہوئے۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس نماز قصر کرتے اور روزے کا افطار کرتے چار برد کے سفر میں جو سولہ فرسخ ہوتے (ب) حضورؐ نے سفر ایک دن ایک رات کو قرار دیا ہے۔چنانچہ آپؐ نے فرمایا کسی عورت کے لئے حلال نہیں ہے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو کہ ایک دن اور ایک رات کی مسافت پر سفر کرے کہ اس کے ساتھ محرم نہ ہو۔

(میل شرعی، میل انگریزی اور کیلومیٹر میں فرق)

میل انگریزی میل شرعی سے 1.1363 چھوٹا ہوتا ہے۔ کیونکہ میل انگریزی 1760 گز کا ہوتا ہے۔ اور کیلومیٹر شرعی میل سے 1.828 چھوٹا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ کیلومیٹر صرف 1093.69 گز کا ہوتا ہے۔ اور کیلومیٹر انگریزی میل سے 1.6092 فیصد چھوٹا ہوتا ہے۔ اس حساب سے 48 میل شرعی 54.545 میل انگریزی ہوگا۔ اور 87.782 کیلومیٹر ہوگا۔ جس پر قصر نماز کا حکم لگایا جا سکے گا۔ کلکیو لیٹر سے حساب کر لیں۔

(برد، فرسخ، کیلومیٹر اور میل کا حساب ایک نظر میں)

کون	کتنا	کتنا چھوٹا
ایک میل شرعی	2000 گز	
ایک میل انگریزی	1760 گز	1.1363
ایک کیلومیٹر	1093.69 گز	1.8288
ایک کیلومیٹر	انگرزی میل سے چھوٹا ہوتا ہے	1.6092
ایک فرسخ	3	میل شرعی
ایک فرسخ	3.409	میل زنگریزی
ایک فرسخ	5.486	کیلومیٹر
ایک برد	4	فرسخ
ایک برد	12	میل شرعی
ایک برد	13.635	میل انگریزی
ایک برد	21.936	کیلومیٹر
16 فرسخ	48	میل شرعی
16 فرسخ	54.545	میل انگریزی
16 فرسخ	87.782	کیلومیٹر

[۳۲۹](۲)وفرض المسافر عندنا فی کل صلوة رباعیة رکعتان ولا یجوز له الزیادة

[۳۲۹] (۲) مسافر کا فرض ہمارے نزدیک ہر چار رکعت والی نماز دو رکعت ہو جاتی ہے۔اوران دونوں پر زیادتی کرنا جائز نہیں ہے۔

وجہ (۱) کئی احادیث سے ثابت ہے کہ آپؐ نے اور صحابہ نے سفر میں چار رکعت والی نماز دو رکعت ہی پڑھی ہے۔اس لئے سفر کی نماز دو رکعت ہی ہے اس سے زیادہ پڑھنا جائز نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے **عن ابن عباس قال ان الله فرض الصلوة علی لسان نبیکم علی المسافر رکعتین و علی المقیم اربعا** (الف) (مسلم شریف، کتاب صلوۃ المسافرین وقصرھا ص۲۴۱ نمبر ۶۸۷ / ابوداؤد شریف، باب صلوۃ المسافر ص ۱۷۶ نمبر ۱۱۹۸ / بخاری شریف نمبر ۱۱۰۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سفر میں فرض نماز دو رکعت ہی ہے۔اس لئے اس سے زیادہ پڑھنا جائز نہیں ہے (۳) **سمعت انسا یقول خرجنا مع النبی ﷺ من المدینة الی مکة فکان یصلی رکعتین رکعتین حتی رجعنا الی المدینة قلت اقمتم بمکة شیئا قال اقمنا بها عشرا** (ب) (بخاری شریف، باب ماجاء فی التقصیر وکم یقیم حتی یقصر ص ۱۴۷ نمبر ۱۰۸۱) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ حضورؐ سفر میں دو رکعت ہی نماز پڑھا کرتے تھے۔اور نوٹ میں ایک حدیث گزری **سمع ابن عمر یقول صحبت رسول الله فکان لایزید فی السفر علی رکعتین وابا بکر و عمر و عثمان کذلک** (ج) (بخاری شریف، باب من یتطوع فی السفر دبر الصلوات ص۱۴۹ نمبر ۱۱۰۲) مسلم شریف میں ہے **یا ابن اخی انی صحبت رسول الله ﷺ فی السفر فلم یزد علی رکعتین حتی قبضه الله وصحبت ابا بکر فلم یزد علی رکعتین حتی قبضه الله وصحبت عمر فلم یزد علی رکعتین حتی قبضه الله ثم صحبت عثمان فلم یزد علی رکعتین حتی قبضه الله وقد قال الله تعالی لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة** (مسلم شریف، کتاب صلوۃ المسافرین وقصرھا ص۲۴۲ نمبر ۶۸۹) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ حضورؐ دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے۔اس لئے سفر میں دو رکعت ہی نماز ہوگی۔اس سے زیادہ کرنا جائز نہیں ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک دو رکعت پڑھنا رخصت ہے یعنی اگر پڑھ لیا تو جائز ہے لیکن چار رکعت پڑھنا عزیمت اور افضل ہے۔انکی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں صحابہ نے سفر میں چار رکعت نماز پڑھی ہے۔مثلا **عن عبد الله قال صلیت مع النبی ﷺ بمنی رکعتین وابی بکر وعمر و مع عثمان صدرا من امارته ثم اتمها** (د) (بخاری شریف، باب ماجاء فی التقصیر ص ۱۴۷ نمبر ۱۰۸۲) اس حدیث میں حضرت عثمانؓ نے سفر میں اتمام فرمایا ہے۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اتمام کرنا بھی جائز ہے۔آیت میں بھی اس کا اشارہ موجود ہے **واذا**

حاشیہ : (الف) اللہ نے نماز فرض کی نبی کی زبان پر مسافر پر دو رکعت اور مقیم پر چار رکعت (ب) حضرت انسؓ سے سنا وہ کہا کرتے تھے ہم حضورؐ کے ساتھ مدینہ سے مکہ کے لئے نکلے تو دو دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔یہاں تک مدینہ واپس آئے۔میں نے پوچھا کہ کیا مکہ میں کچھ ٹھہرے؟ حضرت انسؓ نے فرمایا ہم وہاں دس دن ٹھہرے (ج) حضرت ابن عمرؓ کہا کرتے تھے میں حضورؐ کے ساتھ رہا تو وہ سفر میں نہیں زیادہ کرتے تھے دو رکعت پر، اور ابوبکر، عمر اور حضرت عثمانؓ بھی ایسا ہی کرتے تھے (د) حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ کے ساتھ منی میں نماز پڑھی دو رکعت اور ابوبکر اور عمر اور عثمان کی شروع امارت کے زمانے میں بھی۔پھر انہوں نے اتمام کیا یعنی منی میں چار رکعت نماز پڑھی۔

علیھما[۳۳۰] (۳) فان صلی اربعا وقد قعد فی الثانیة مقدار التشھد اجزأته الرکعتان عن فرضه وکانت الاخریان له نافلة[۳۳۱] (۴) وان لم یقعد فی الثانیة مقدار التشھد فی الرکعتین الاولیین بطلت صلوته [۳۳۲](۵) ومن خرج مسافرا صلی رکعتین اذا فارق

ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوۃ (الف)(آیت ۱۰۱ سورۃ النساء۴) نماز میں قصر کرو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قصر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن اتمام کرے تو بہتر ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ دوسری دو رکعت کو چھوڑ دے تو ان کے یہاں بھی اس کی قضا نہیں ہے اور نہ اس کے چھوڑنے پر گناہ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ دوسری دو رکعت سفر میں نفل کی طرح ہو جاتی ہے۔ اور نفل کو فرض کے ساتھ ملا کر پڑھنا اچھا نہیں ہے۔ اس لئے دوسری دو رکعت ملا کر نہیں پڑھی جائے گی۔

[۳۳۰] (۳) پس اگر مسافر نے چار رکعت پڑھ لی اور دوسری رکعت میں تشہد کی مقدار بیٹھا تو اس کو دو رکعت فرض سے کافی ہوگی اور دوسری دو اس کے لئے نفل ہوگی۔

تشریح مسافر کو دو ہی رکعت پڑھنی چاہئے تھی لیکن اس نے چار رکعت پڑھ لی تو گویا کہ دو رکعت فرض کے ساتھ دو رکعت نفل کو بھی ملا لیا، پس اگر دو رکعت کے بعد تشہد میں بیٹھا ہے تو گویا کہ تمام فرائض پورے ہو گئے اور فرائض پورے ہونے کے بعد اس نے نوافل کو ملایا۔ اس لئے پہلی دو رکعتیں فرض ہوں گی اور دوسری دو رکعتیں نفل ہوں گی۔ اور کراہیت کے ساتھ نماز ہو جائے گی۔ کیوں کہ فرض کا سلام باقی تھا اور اس کی تاخیر کی ہے۔

اصول فرائض پورے ہونے کے بعد نوافل کو فرض کے ساتھ ملایا تو فرض کراہیت کے ساتھ ادا جائے گا۔

[۳۳۱] (۴) اور اگر دوسری رکعت میں نہیں بیٹھا تشہد کی مقدار پہلی دو رکعتوں کے بعد تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

تشریح دو رکعت کے بعد قعدۂ اخیرہ جو مسافر پر فرض تھا کرنا چاہئے تھا اور اس نے نہیں کیا اور دوسری رکعتوں کو ملا دیا جو نفل ہیں تو پہلی دو رکعت فرض فاسد ہو کر نفل ہو جائے گی۔

وجہ (۱) کیونکہ قعدۂ اخیرہ فرض تھا اس کو چھوڑ دیا اور نفل کو اس کے ساتھ ملا دیا (۲) اثر میں اس کا ثبوت موجود ہے **ان ابن مسعود قال من صلی فی السفر اربعا اعاد الصلوۃ** (ب)(مصنف بن عبد الرزاق، باب من اتم فی السفر ج ثانی ص ۵۶۲ نمبر ۴۴۶۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مسافر نے چار رکعت نماز پڑھ لی تو نماز لوٹائے گا (اگر تشہد میں نہ بیٹھا تو)

[۳۳۲] (۵) جو مسافر بن کر نکلے تو اس وقت دو رکعت نماز پڑھنا شروع کرے گا جب شہر کے گھروں سے جدا ہو جائے۔

تشریح سفر کی نیت سے گھر سے نکل چکا ہے لیکن جب تک شہر اور فنائے شہر میں ہے تو گویا کہ گھر میں ہے اس لئے ابھی قصر نہ کرے بلکہ جب شہر کے گھروں سے نکل کر جدا ہو جائے اور نماز پڑھنے کی ضرورت پڑے تو قصر کرے۔

حاشیہ : (الف) جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ نماز میں قصر کرو (ب) حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا جس نے سفر میں چار رکعت نماز پڑھی تو نماز کو لوٹائے۔

بیوت المصر[۳۳۳] (٦) ولا یزال علی حکم المسافر حتی ینوی الاقامۃ فی بلدۃ خمسۃ

وجہ حدیث میں ہے عن انس بن مالک قال صلیت الظھر مع رسول اللہ ﷺ بالمدینۃ اربعا والعصر بذی الحلیفۃ رکعتین (الف) (بخاری شریف، باب یقصر اذا خرج من موضعہ ص ۱۴۸ نمبر ۱۰۸۹) اس حدیث میں جب تک مدینہ میں رہے اس وقت تک چار رکعت نماز پڑھی اور مدینہ سے باہر مقام ذو الحلیفۃ چلے گئے تو چونکہ شہر سے نکل گئے تو دو رکعت نماز پڑھی (۲) اثر میں ہے ان علیا لما خرج الی البصرۃ رأی خصا فقال لو لا ھذا الخص لصلینا رکعتین فقلت ما خصا ؟ قال بیت من قصب (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب المسافر متی یقصر اذا خرج مسافرا ج ثانی ص ۵۲۹ نمبر ۴۳۱۹) کوفہ کے باہر بانس کے جھونپڑے تھے اس لئے حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ان جھونپڑوں سے آگے بڑھتے تو دو رکعت نماز پڑھتے لیکن ان جھونپڑوں کے پاس ہیں اس لئے چار رکعت نماز پڑھیں گے۔ کیونکہ فنائے شہر میں ابھی موجود ہیں۔

[۳۳۳] (٦) ہمیشہ مسافرت کے حکم پر رہے گا۔ یہاں تک کہ کسی شہر میں پندرہ دن کی اقامت کی نیت کرے یا زیادہ کی۔ پس اس کو اتمام لازم ہوگا۔ اور اگر اس سے کم اقامت کی نیت کی تو اتمام نہیں کرے گا۔

تشریح کسی ایک شہر میں پندرہ دن تک ٹھہرنے کی نیت کرے گا تو وہ وطن اقامت ہو جائے گا اس لئے اب وہ دو رکعت نماز کے بجائے چار رکعت نماز پڑھے گا اور اتمام کرے گا۔ اور اگر کسی شہر میں پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت کی تو وہ قصر ہی کرے گا اتمام نہیں کرے گا۔ کیونکہ حنفیہ کے نزدیک پندرہ دن سے کم وطن اقامت نہیں ہے۔

وجہ حدیث میں ہے عن ابن عباس قال اقام النبی ﷺ تسعۃ عشر یقصر فنحن اذا سافرنا تسعۃ عشر قصرنا وان زدنا اتممنا (ج) (بخاری شریف، باب ما جاء فی التقصیر کم یقیم حتی یقصر ص ۱۴۷ نمبر ۱۰۸۰/ ابوداؤد شریف، باب متی یتم المسافر ص ۱۸۰ نمبر ۱۲۲۹) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مکہ مکرمہ میں انیس روز رہے ہیں۔ ابوداؤد کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اٹھارہ روز رہے ہیں۔ اور ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سترہ روز رہے ہیں اور پھر بھی قصر کرتے رہے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سترہ دن یا انیس دن سے کم اقامت کرے تو قصر کرے گا۔ اور بخاری شریف، مسلم شریف اور ابوداؤد شریف کی دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ مکہ میں دس دن ٹھہرے تھے۔ سمعت انسا یقول خرجنا مع النبی ﷺ من المدینۃ الی مکۃ فکان یصلی رکعتین رکعتین حتی رجعنا الی المدینۃ قلت اقمتم بمکۃ شیئا؟ قال اقمنا عشرا (د) (بخاری شریف، باب ما جاء فی التقصیر وکم یقیم حتی یقصر ص ۱۴۷ نمبر ۱۰۸۱

حاشیہ : (الف) انس بن مالک فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ کے ساتھ ظہر کی نماز مدینہ میں چار رکعت پڑھی اور عصر کی نماز ذو الحلیفۃ میں دو رکعت پڑھی (ب) حضرت علیؓ جب بصرہ کی طرف نکلے تو بانس کا گھر دیکھا تو فرمایا اگر یہ بانس کا گھر نہ ہوتا تو میں دو رکعت نماز پڑھتا۔ میں نے کہا خص کیا چیز ہے؟ کہا بانس کا گھر (ج) ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ انیس دن ٹھہرے اور قصر کرتے رہے۔ پس اگر ہم سفر کریں اور انیس دن ٹھہریں تو قصر کریں اور اگر زیادہ کریں تو اتمام کریں (د) حضرت انسؓ نے فرمایا کہ ہم حضورؐ کے ساتھ مدینہ سے مکہ کے لئے نکلے تو آپؐ دو دو رکعت نماز پڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ مدینہ واپس آئے۔ میں نے کہا کہ مکہ میں کچھ ٹھہرے؟ کہا کہ ہم دس دن ٹھہرے۔

عشر یوما فصاعدا فیلزمه الاتمام فان نوی الاقامۃ اقل من ذلک لم یتم [۳۳۴](۷) ومن دخل ولم ینو ان یقیم فیه خمسة عشر یوما وانما یقول غدا اخرج او بعد غد اخرج حتی

/مسلم شریف، فصل الی منی یقصر اذا اقام ببلدہ ص۲۴۳ نمبر۶۹۳ /ابو داؤد شریف، باب متی یتم المسافر ص۱۸۰ نمبر۱۲۳۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دس دن سے زائد کی اقامت کی نیت کرے گا تو اتمام کرے گا۔لیکن حنفیہ نے دونوں کے درمیان کو لیا ہے جو اوسط ہے۔یعنی پندرہ دن کی اقامت کی نیت کرے گا تو اتمام کرے گا۔اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ (۱) **عن ابن عباس قال اقام رسول الله بمکة عام الفتح خمس عشرة یقصر الصلوة** (الف) (ابو داؤد شریف، باب متی یتم المسافر ص۱۸۰ نمبر۱۲۳۱/ترمذی شریف، باب ما جاء فی کم تقصر الصلوۃ ص۱۲۲ نمبر ۵۴۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پندرہ دن تک ٹھہرنے کی نیت کرے تو اتمام کرے گا (۲) اس کی تائید میں یہ اثر بھی ہے **قال کان ابن عمر اذا اجمع علی اقامة خمس عشرة سرح ظهره وصلی اربعا** (ب) مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۱۷ باب من قال اذا اجمع علی اقامۃ خمسۃ عشرۃ اتم ج ثانی ص۲۱۱، نمبر۸۲۱۷/مصنف بن عبد الرزاق، باب الرجل یخرج فی وقت الصلوۃ ج ثانی ص۵۳۴ نمبر۴۳۴۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ وطن اقامت بننے میں پندرہ دن کا اعتبار ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک اگر چار دن ٹھہرنے کا ارادہ کرے تو اتمام کرے گا۔

وجہ اوپر حدیث گزری کہ حضورؐ حج کے موقع پر مکہ میں دس دن ٹھہرے تھے لیکن ایک ساتھ صرف مکہ میں تین دن ٹھہرے ہیں۔پانچواں، چھٹا اور ساتواں ذی الحجہ کو اور باقی دن منی، مزدلفہ اور عرفات میں ٹھہرے ہیں۔جس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر ایک ساتھ مکہ میں چار دن ٹھہرے تو اتمام کرے (۲) ان کی دلیل یہ اثر ہے **عن ابن المسیب قال اذا اقمت بارض اربعا فصل اربعا** (ج) (ترمذی شریف، باب ما جاء فی کم تقصیر الصلوۃ ص۱۲۲ نمبر ۵۴۸/مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یخرج فی وقت الصلوۃ ج ثانی ص۵۳۴ نمبر ۴۳۴۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ چار دن ٹھہرنے کی نیت کرے تو چار رکعت نماز پڑھے گا۔

[۳۳۴] (۷) اگر کوئی شہر میں داخل ہوا اور اس میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہیں کی صرف کہتا رہا کہ کل نکلونگا یا پرسوں نکلونگا یہاں تک کہ اسی پر کئی سال باقی رہا تو دو رکعت نماز پڑھے گا۔

وجہ (۱) جب تک کہ کسی ایک شہر میں پندرہ دن ٹھہرنے کا پختہ ارادہ نہ کرے اس وقت تک قصر کرتا رہے گا۔اگر یہ کہے کہ آج جاؤں گا یا کل جاؤں گا۔اس طرح کرتے کرتے کئی سال ٹھہر گیا تب بھی وہ مسافر ہی ہے۔قصر کرتا رہے گا (۲) اس کا ثبوت مسئلہ نمبر۶ کے اثر میں ہے **قال ابن عمر اذا اجمع علی اقامة خمس عشر سرح ظهره وصلی اربعا** (د) (مصنب ابن ابی شیبۃ ص۳۴۳) اس میں کہا گیا ہے کہ پندرہ رہنے کا پختہ ارادہ کرے تو اتمام کرے گا۔اور اگر پختہ ارادہ نہ کرے تو قصر کرے گا (۳) حضورؐ فتح مکہ کے موقع پر مکہ تشریف لائے

حاشیہ : (الف) ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور مکہ میں فتح مکہ کے دن پندرہ دن ٹھہرے اور نماز قصر کرتے رہے (ب) حضرت ابن عمرؓ کہا کرتے تھے جب کہ پندرہ دن کے ٹھہرنے کا پختہ ارادہ کرے اور اپنی پیٹھ کو ہلکا کردے تو چار رکعت نماز پڑھے (ج) ابن مسیّب نے فرمایا اگر کسی زمین میں چار روز ٹھہرے تو چار چار رکعت نماز پڑھے (د) ابن عمرؓ فرماتے تھے جب پندرہ دن ٹھہرنے کا پختہ ارادہ کرے اور پیٹھ ہلکی کرے تو چار رکعت نماز پڑھے۔

بقى على ذلك سنين صلى ركعتين [۳۳۵](۸) واذا دخل العسكر ارض الحرب فنووا الاقامة خمسة عشر يوما لم يتموا الصلوة [۳۳۶](۹) واذا دخل المسافر فى صلوة المقيم مع بقاء الوقت اتم الصلوة [۳۳۷](۱۰) وان دخل معه فى فائتة لم تجز صلوته

اور پندرہ دن ٹھہرنے کا پختہ ارادہ نہیں کیا تھا اس لئے انیس دن تک رہے اور قصر ہی کرتے رہیں (۴) عن جابر بن عبد الله قال اقام رسول الله ﷺ بتبوک عشرین یوما یقصر الصلوة (الف) (ابوداؤد شریف، باب اذا اقام بارض العدو یقصر ص ۱۸۱ نمبر ۱۲۳۵) فی حدیث آخر ان ابن عمر اقام بآذر بیجان ستة اشهر یقصر الصلوة و کان یقول اذا ازمعت اقامة فاتم (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یخرج فی وقت الصلوة ج ثانی ص ۵۳۲ نمبر ۴۳۳۹) اس اثر سے پتہ چلا کہ جب تک پختہ ارادہ نہ ہو پندرہ دن ٹھہرنے کا قصر کرتا رہے گا۔ کیونکہ صحابہ آذر بیجان میں چھ ماہ ٹھہرے رہے اور ٹھہرنے کا پختہ ارادہ نہیں کیا تو قصر کرتے رہے۔

[۳۳۵](۸) جب لشکر کے لوگ دار الحرب کی زمین میں داخل ہوں اور پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کی تب بھی اتمام نہیں کریں گے۔

وجہ دار الحرب میں لشکر ہے تو یہ یقینی بات ہے کہ کسی وقت شکست ہوگی اور بھاگنا پڑے گا۔ اس لئے پندرہ دن کی نیت بھی کی ہے تو پختہ ارادہ نہیں ہو سکتا اس لئے پندرہ دن کی نیت کا اعتبار نہیں رہا۔ اس لئے وہ قصر ہی کرتا رہے گا (۲) مسئلہ نمبر ۷ میں ابوداؤد شریف نمبر ۱۲۳۵ کی حدیث گزری جس میں حضورؐ تبوک میں تھے اور قصر کرتے رہے۔ حضرت ابن عمرؓ آذر بیجان دار الحرب میں چھ ماہ تھے اور قصر کرتے رہے۔

[۳۳۶](۹) مسافر مقیم کی نماز میں داخل ہو وقت کے باقی رہنے کے ساتھ تو نماز پوری پڑھے گا۔

وجہ (۱) چونکہ وقت سبب ہے اور وہ باقی ہے اس لئے مسافر کی نماز مقیم امام کی وجہ سے تبدیل ہو کر چار رکعت ہو جائے گی۔ کیونکہ اس کی اقتدا میں امام کی مخالفت نہیں کر سکتا اور پہلے سلام نہیں پھیر سکتا ہے۔ اس لئے اگر وقت باقی ہو اور مقیم امام کی اقتدا کر لے تو چار رکعت پڑھے گا (۲) اس کے لئے اثر موجود ہے ان عبد الله بن عمر کان یصلی وراء الامام بمنی اربعا فاذا صلی لنفسه صلی رکعتین (ج) (مؤطا امام مالک، باب صلوة المسافر اذا کان اماما او کان وراء امام ص ۱۳۳ / مصنف عبد الرزاق، باب المسافر یدخل فی صلوة المقیمین ج ثانی نمبر ۴۳۸۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ وقت کے اندر مقیم کی اقتدا میں مسافر کی نماز چار رکعت ہو جاتی ہے۔

[۳۳۷](۱۰) اور اگر مسافر مقیم کی اقتدا میں فائتہ نماز میں داخل ہوا تو مسافر کی نماز مقیم کے پیچھے جائز نہیں ہے۔

تشریح وقت ختم ہو چکا ہے اور نماز فوت ہو چکی ہے۔ اس کی قضا کرتے وقت مسافر مقیم کی اقتدا کرے تو اقتدا ہی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ مسافر پر اب دو رکعت ہی لازم ہے۔ اس کی تبدیلی ہو کر عصر، ظہر اور عشا کی نماز چار رکعت نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اب مقیم امام کی اقتدا میں نماز نہیں پڑھے گا۔ کیونکہ یا تو دو رکعت پر سلام پھیرے گا اس صورت میں امام کی مخالفت لازم آئے گی، یا چار رکعت پڑھے گا تو فرض کے ساتھ دو رکعت

حاشیہ : (الف) حضورؐ تبوک میں بیس دن ٹھہرے نماز کو قصر کرتے رہے (اس لئے کہ ٹھہرنے کا پختہ ارادہ نہیں کیا تھا) (ب) حضرت ابن عمرؓ آذر بیجان میں چھ ماہ تک ٹھہرے رہے اور قصر کرتے رہے۔ اور کہا کرتے تھے جب اقامت کا پختہ ارادہ کرو تو اتمام کرو (ج) عبد اللہ ابن عمر منی میں امام کے پیچھے چار رکعت پڑھتے۔ پس جب اپنے طور پر پڑھتے تو دو رکعت پڑھتے۔

خلفه [۳۳۸](۱۱) واذا صلی المسافر بالمقیمین صلی رکعتین وسلم ثم اتم المقیمون صلوتهم ویستحب له اذا سلم ان یقول لهم اتموا صلوتکم فانا قوم سفر[۳۳۹](۱۲) واذا دخل المسافر مصره اتم الصلوة وان لم ینو الاقامة فیه.

مزید نفل ملائے گا جو جائز نہیں۔ کیونکہ اس پر فرض دو رکعت ہی لازمی طور پر ہے۔ جو چار رکعت میں تبدیل نہیں ہوگی۔

اصول وقت گزرنے کے بعد مسافر کی نماز کی رکعتوں میں تبدیلی نہیں ہوگی۔

نوٹ اوپر کے مسئلہ میں وقت کے اندر تبدیلی ہوئی تھی۔

[۳۳۸](۱۱) اگر مسافر امام مقیم کو نماز پڑھائے تو دو رکعت نماز پڑھے اور سلام پھیر دے، پھر مقیم اپنی نماز پوری کرے۔ اور امام کے لئے مستحب ہے کہ جب سلام پھیرے تو مقتدیوں سے یوں کہے 'تم لوگ اپنی نماز پوری کرلو کیونکہ ہم مسافر لوگ ہیں'۔

وجہ مسافر پر دو رکعت ہی نماز ہے۔ اس لئے وہ دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیں گے۔ اور مقتدی مقیم ہے اس لئے اس پر چار رکعت ہیں۔ اس لئے وہ باقی دو رکعت بعد میں پوری کریں گے۔ مقتدی بعض مرتبہ بھول جاتے ہیں اس لئے وہ سلام پھیر دیتے ہیں۔ اس لئے امام اپنی مسافرت کا اعلان کر دیں گے تو ان کو یاد آجائے گا۔ اس لئے مستحب ہے کہ کہے 'ہم مسافر لوگ ہیں آپ اپنی اپنی نمازیں پوری کرلیں' (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے **عن عمران بن حصین قال غزوت مع رسول الله ﷺ وشهدت معه الفتح فاقام بمکة ثمانی عشرة لیلة یصلی الا رکعتین ویقول یا اهل البلد صلوا اربعا فانا قوم سفر** (الف) (ابوداؤد شریف، باب متی یتم المسافر ص ۱۸۰ نمبر ۱۲۲۹ رمصنف عبد الرزاق، باب مسافر ام مقیمین ج ثانی ص ۵۴۰ نمبر ۴۳۶۹) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ امام دو رکعت پوری کر کے سلام پھیرے گا اور کہے گا میں مسافر ہوں مقیم اپنی اپنی نماز پوری کرلیں۔

[۳۳۹](۱۲) مسافر اپنے شہر میں داخل ہو گیا تو نماز پوری پڑھے گا اگرچہ اس میں اقامت کی نیت نہ کی ہو۔

تشریح مثلا مسافر اپنے وطن اصلی میں واپس آیا اور چند دن کے بعد ہی پھر سفر پر جانا ہے تب بھی شہر یا فنائے شہر میں داخل ہوتے ہی پوری نماز پڑھے گا۔ کیونکہ فورا وہ مقیم ہو گیا۔

وجہ حدیث میں ہے **سمعت انسا یقول خرجنا مع النبی ﷺ من المدینة الی مکة فکان یصلی رکعتین رکعتین حتی رجعنا الی المدینة** (ب) (بخاری شریف، باب ما جاء فی التقصیر وکم یقیم حتی یقصر ص ۱۴۷ نمبر ۱۰۸۱ رمسلم شریف، فصل الی متی یقصر اذا اقام ببلدہ ص ۲۴۳ نمبر ۶۹۳) اس حدیث میں ہے کہ مدینہ داخل ہوئے تو چار رکعت نماز پڑھی (چاہے وہاں اقامت کی نیت کرے یا نہ کرے)

حاشیہ : (الف) عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ میں نے حضور کے ساتھ غزوہ کیا۔ اور میں ان کے ساتھ فتح مکہ میں موجود تھا۔ تو مکہ میں اٹھارہ دن ٹھہرے۔ نہیں نماز پڑھتے تھے مگر دو رکعت اور فرماتے اے شہر والو تم لوگ چار رکعتیں پڑھ لو، ہم مسافر ہیں (ب) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضور کے ساتھ مدینہ سے مکہ کے لئے نکلے تو دو رکعت نماز پڑھتے تھے یہاں تک کہ مدینہ واپس آئے۔

[۳۴۰](۱۳) ومن كان له وطن فانتقل عنه واستوطن غيره ثم سافر فدخل وطنه الاول لم يتم الصلوة [۳۴۱](۱۴) واذا نوى المسافر ان يقيم بمكة و منى خمسة عشر يوما لم يتم الصلوة[۳۴۲] (۱۵) والجمع بين الصلوتين للمسافر يجوز فعلا ولا يجوز وقتا

[۳۴۰](۱۳) جس کا وطن ہو اور اس سے منتقل ہو گیا اور دوسری جگہ کو وطن بنایا پھر سفر کیا اور پہلے وطن میں داخل ہوا تو نماز پوری نہیں پڑھے گا۔

وجہ (۱) پہلا وطن اب وطن نہیں رہا وہ اجنبی شہر بن گیا کیونکہ پہلے وطن کو چھوڑ کر دوسری جگہ کو وطن بنا لیا ہے اس لئے پہلے وطن میں داخل ہوگا تو پوری نماز پڑھے گا (۲) حدیث میں ہے کہ حضورؐ جب مکہ سے ہجرت کر گئے تو جب دوبارہ مکہ آئے تو قصر نماز پڑھی۔ حدیث مسئلہ نمبر۱۲ میں گزر گئی۔

اصول دوسری جگہ وطن اصلی بنانے سے پہلا وطن اصلی باطل ہو جائے گا۔

[۳۴۱](۱۴) اگر مسافر نے مکہ اور منی میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کی پھر بھی نماز پوری نہیں پڑھے گا۔

وجہ (۱) ایک شہر میں پندرہ دن ٹھہرنے اور رات گزارنے کی نیت کی ہو تب اتمام کرے گا۔ یہاں دو جگہ یعنی مکہ اور منی میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کی ہے کسی ایک جگہ پر پندرہ دن مکمل نہیں ہوئے اس لئے اتمام نہیں کرے گا (۲) اثر میں موجود ہے **كان ابن عمر اذا قدم مكة فاراد ان يقيم خمس عشرة ليلة سرح ظهره فاتم الصلوة** (الف) (مصنف بن عبد الرزاق، باب الرجل یخرج فی وقت الصلوۃ ص۵۳۴ نمبر۴۳۴۳) اس اثر میں صرف مکہ میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کی ہے تب اتمام کیا ہے (۳) **عن ابن عمر انه كان يقيم بمكة فاذا خرج الى منى قصر** (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۷۷ باب فی اہل مکۃ یقصرون الی منی ج ثانی ص۲۰۸، نمبر۸۱۸۳) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ دو جگہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کی ہو تو اتمام نہیں کرے گا قصر ہی کرتا رہے گا۔ کیونکہ ایک جگہ پندرہ دن نہیں ہوئے۔ اس حدیث میں بھی اس کا اشارہ ہے **عن عبد الله بن عمر قال صليت مع النبي ﷺ بمنى ركعتين وابى بكر و عمر و مع عثمان صدرا من امارته ثم اتمها** (ج) (بخاری شریف، باب الصلوۃ بمنی ص۱۴۷ نمبر۱۰۸۲ رمسلم شریف نمبر۶۹۴)

[۳۴۲](۱۵) مسافر کے لئے دو نمازوں کے درمیان جمع کرنا جائز ہے فعلا اور جائز نہیں ہے وقت کے اعتبار سے۔

تشریح ظہر کو مؤخر کرے اور اس کو اخیر وقت میں پڑھے اور عصر کو مقدم کرے اور اس کو عصر کے اول وقت میں پڑھے، اس کو جمع صوری کہتے ہیں۔ مصنفؒ نے اسی کو فعلا جمع کہا ہے جو جائز ہے۔ اور حدیث سے ثابت ہے۔ اور عصر کو ظہر کے وقت میں یا ظہر کو عصر کے وقت میں جمع وقتی اور حقیقی کر کے پڑھنا یہ جمع وقتی ہے جو حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

وجہ (۱) آیت میں ہے **ان الصلوة كانت على المؤمنين كتابا موقوتا** (د) (آیت ۱۰۳ سورۃ النساء۴) اس آیت میں تاکید کی گئی

حاشیہ: (الف) حضرت ابن عمرؓ جب مکہ آتے اور پندرہ راتیں ٹھہرنے کا ارادہ کرتے تو اپنی پیٹھ ہلکی کرتے اور نماز پوری پڑھتے (ب) حضرت ابن عمرؓ مکہ میں ٹھہرتے۔ پس جب منی کے لئے نکلتے تو قصر کرتے (ج) میں نے حضور کے ساتھ منی میں دو رکعت نماز پڑھی، اور ابو بکر، عمر اور عثمانؓ کے ساتھ بھی ان کی شروع خلافت میں، پھر انہوں نے اتمام کرنا شروع کیا (کیونکہ مکہ میں شادی کر کے مقیم ہو گئے تھے) (د) یقیناً نماز مومنین پر فرض ہے وقت کے ساتھ۔

[۳۴۳](۱۶) وتجوز الصلوة فی سفينة قاعدا على كل حال عند ابى حنيفة و عندهما لا

ہے کہ نماز وقت متعین کے ساتھ مومنین پر فرض کی گئی ہے۔اس لئے وقت سے مقدم یا مؤخر کرنا جائز نہیں ہوگا۔حضرت امام اعظم کی نظر اسی آیت کی طرف گئی ہے اور احتیاط کی طرف گئے ہیں (۲) حدیث سے جمع صوری کی تائید ہوتی ہے عن انس عن النبی ﷺ اذا عجل عليه السفر يؤخر الظهر الى اول وقت العصر فيجمع بينهما ويؤخر المغرب حتى يجمع بينها و بين العشاء حين يغيب الشفق (الف) (مسلم شریف، باب جواز الجمع بین الصلوتین فی السفر ص ۲۴۵ نمبر ۱۶۲۷/۷۰۴) بخاری شریف میں ہے عن انس بن مالک قال كان رسول الله ﷺ اذا ارتحل قبل ان تزيغ الشمس اخر الظهر الى وقت العصر ثم نزل فجمع بينهما فاذا زاغت الشمس قبل ان يرتحل صلى الظهر ثم ركب (ب) (بخاری شریف، باب اذا ارتحل بعد ما زاغت الشمس صلی الظہر ثم رکب ص ۱۵۰ نمبر ۱۱۱۲) ان دونوں حدیثوں میں ہے کہ ظہر کو عصر کے وقت کے قریب مؤخر کر کے پڑھتے۔جس کا مطلب یہ ہوا کہ ظہر کو اپنے ہی وقت میں پڑھی۔البتہ سفر کی وجہ سے اول وقت کی فضیلت چھوڑ کر مؤخر کر کے پڑھی اور اس کے بعد عصر کو اسی کے وقت میں اول وقت میں پڑھی۔یہی جمع صوری ہے۔اسی بخاری کی حدیث میں ہے کہ ظہر کو اول وقت میں پڑھی تو صرف ظہر پڑھ کر آپ سوار ہو گئے اور عصر کو نہیں پڑھی تا کہ جمع حقیقی نہ ہو (۳) حضرت عبد اللہ بن عمر کا عمل بھی جمع صوری کا رہا جس کی تفصیل ابو داؤد شریف، باب الجمع بین الصلوتین ص ۱۷۸ نمبر ۱۲۱۲ پر موجود ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ اور دوسرے ائمہ سفر میں جمع حقیقی کے قائل ہیں۔ان کی دلیل اوپر کی احادیث جمع حقیقی پر محمول کرتے ہیں (۲) اور حدیث میں ہے عن ابن عباس قال كان رسول الله يجمع بين صلوة الظهر والعصر اذا كان على ظهر سير ويجمع بين المغرب والعشاء (ج) (بخاری شریف، باب الجمع فی السفر بین المغرب والعشاء ص ۱۴۹ نمبر ۱۱۰۷ / مسلم شریف، باب جواز الجمع بین الصلوتین فی السفر ص ۲۴۵ نمبر ۷۰۴ / ابو داؤد شریف، باب باب الجمع بین الصلوتین ص ۱۷۸ نمبر ۱۲۰۸) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ظہر اور عصر کو ایک ساتھ اور مغرب وعشا کو ایک ساتھ سفر میں پڑھنا جائز ہے۔

[۳۴۳] (۱۶) جائز ہے نماز کشتی میں بیٹھ کر ہر حال میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبین کے نزدیک جائز نہیں ہے مگر عذر کی بنا پر۔

تشریح امام ابو حنیفہؒ کے زمانے میں کشتی اتنی اچھی نہیں ہوتی تھی۔تیز حرکت کی وجہ سے مسافر کے سر میں چکر رہتا تھا۔اس لئے گویا کہ ہر وقت سر چکرانے کا ڈر ہے۔اس لئے انہوں نے فرمایا کہ عذر نہ بھی ہو تب بھی کشتی میں بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے۔ان کی دلیل یہ اثر ہے صلى بنا انس بن مالک فی السفينة قعودا على بساط وقصر الصلوة (د) (مصنف عبد الرزاق، باب ھل یصلی الرجل وھو یسوق دابتہ ص

حاشیہ : (الف) حضورؐ سے روایت ہے کہ جب سفر کی جلدی ہوتی تو ظہر کو عصر کے اول وقت تک مؤخر کرتے پھر دونوں کو جمع کرتے، اور مغرب کو مؤخر کرتے یہاں تک کہ اس کے درمیان اور عشا کے درمیان جمع کرتے جب شفق غائب ہو جاتا (ب) آپؐ جب سورج ڈھلنے سے پہلے سفر کرتے تو ظہر کو عصر تک مؤخر کرتے پھر اترتے اور دونوں کو جمع کرتے۔اور اگر سفر کرنے سے پہلے سورج ڈھل چکا ہوتا تو ظہر کی نماز پڑھتے پھر سوار ہوتے (ج) حضورؐ ظہر اور عصر کی نمازوں کو جمع کرتے جب سفر پر ہوتے۔اور مغرب اور عشا کے درمیان جمع کرتے (د) انس بن مالک نے ہم کو کشتی میں چٹائی پر بیٹھ کر نماز پڑھائی اور نماز قصر کی۔

تجوز الا بعذر [۳۴۴](۱۷) ومن فاتته صلوة فی السفر قضاها هی الحضر رکعتین و من فاتته صلوة فی الحضر قضاها فی السفر اربعا[۳۴۵](۱۸) والعاصی والمطیع فی السفر فی الرخصة سواء.

---

۵۸۰ نمبر ۴۵۴۶ رمصنف ابن ابی شیبۃ ۵۴۲ باب من قال صلی فی السفینۃ جالساج ثانی ص ۶۹، نمبر ۶۵۵۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عذر نہ بھی ہوتب بھی کشتی میں بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے۔

فائدہ صاحبین کے نزدیک عذر ہوتب ہی بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے۔ ورنہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے گا۔ ان کی دلیل یہ اثر ہے **عن ابراهیم قال تصلی فی السفینة قائما فان لم تستطع فقاعدا تتبع القبلة حیث مالت (الف)** (مصنف عبد الرزاق، باب الصلوۃ فی السفینۃ ج ثانی ص ۵۸۱ نمبر ۴۵۵۲ رمصنف ابن ابی شیبۃ ۵۴۳ من قال صلی فیہا قائما ج ثانی ص ۶۹، نمبر ۶۵۷۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ آدمی کو عذر نہ ہو تو کشتی میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا چاہئے۔ اور سر چکرانے کا خوف ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھے۔ آج کل کشتی اور جہاز میں سر کا چکر نہیں ہوتا اس لئے کھڑے ہو کر نماز پڑھے گا۔ تاکہ قیام جو فرض ہے فوت نہ ہو۔

[۳۴۴] (۱۷) جس کی نماز فوت ہوگئی سفر میں قضا کرے گا اس کو حضر میں دو رکعت، اور جس کی فوت ہو جائے نماز حضر میں قضا کرے گا اس کو چار رکعت **تشریح** سفر میں قضا ہوئی تھی تو وہ دو رکعت ہی تھی اس لئے اس کو اقامت کی حالت میں اور حضر میں قضا کرے گا تو دو ہی رکعت قضا کرے گا۔ اور حضر کی نماز چار رکعت واجب ہوئی تھی اس لئے سفر کی حالت میں ان کو قضا کرے گا تو چار رکعت ہی قضا کرے گا۔

وجہ وقت کے بعد رکعت میں تبدیلی نہیں ہوتی ہے۔ اس لئے جیسی لازم ہوئی تھی ویسی ہی ادا کرنا ہوگا (۲) اس اثر سے اس کی تائید ہوتی ہے **عن الثوری قال من نسی صلوة فی الحضر فذکر فی السفر صلی اربعا وان نسی صلوة فی السفر ذکر فی الحضر صلی رکعتین (ب)** (مصنف عبد الرزاق، باب من نسی صلوۃ الحضر ج ثانی ص ۵۴۳ نمبر ۴۳۸۸) اس اثر سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ حضر کی نماز سفر میں چار رکعت اور سفر کی نماز حضر میں دو رکعت نماز پڑھی جائے گی۔

[۳۴۵] (۱۸) نافرمان اور فرماں بردار سفر میں رخصت کے سلسلے میں برابر ہیں۔

تشریح جو رخصت اور سہولت فرماں بردار کو ملے گی وہی رخصت اور سہولت نافرمان کو بھی ملے گی۔

وجہ احادیث میں سہولت کے بارے میں فرماں بردار اور نافرمان کا فرق نہیں ہے۔ اس لئے دونوں کو برابر سہولت ملے گی۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک نافرمان مسافر کو سہولت نہیں ملے گی۔ مثلا چوری کرنے جا رہا ہے تو اس کو دو رکعت نماز پڑھنے اور روزہ افطار کرنے کی سہولت نہیں ہوگی۔

وجہ ان کے یہاں معصیت نعمت کا سبب نہیں بن سکتی ہے۔ اور چونکہ سفر معصیت کا ہے اس لئے سہولت کا سبب نہیں بنے گا۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیم نے فرمایا نماز پڑھے کشتی میں کھڑے ہو کر۔ پس اگر طاقت نہ رکھتا ہو تو بیٹھ کر جدھر کشتی گھومے ویسے ہی قبلہ کی طرف متوجہ ہوتا جائے (ب) حضرت ثوری نے فرمایا جو حضر میں نماز بھول جائے اور سفر میں یاد آئے تو چار رکعت نماز پڑھے۔ اور اگر سفر میں نماز بھول جائے اور حضر میں یاد آئے تو دو رکعت نماز پڑھے۔

﴿باب صلوۃ الجمعۃ﴾

[۳۴۶](۱) لا تصح الجمعۃ الا فی مصر جامع او فی مصلی المصر ولا تجوز فی القری

﴿ باب صلوۃ الجمعۃ ﴾

ضروری نوٹ جمعہ اہل شہر پر واجب ہے اور پہلی مرتبہ اس کو مدینہ میں قائم کیا تھا۔ اس کا ثبوت اس آیت سے ہے **یا ایھا الذین آمنوا اذا نودی للصلوۃ یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع** (الف) (آیت ۹ سورۃ الجمعۃ ۶۲) اس آیت سے جمعہ کا ثبوت ہوتا ہے۔

[۳۴۶](۱) جمعہ صحیح نہیں ہے مگر شہر کی جامع مسجد میں یا شہر کی عید گاہ میں۔ اور نہیں جائز ہے گاؤں میں۔

تشریح جمعہ جمعیت سے مشتق ہے اس لئے اس کے لئے یہ شرط یہ ہے شہر کی جامع مسجد ہو یا فناء شہر ہو۔ مصلی سے عید گاہ یا فناء شہر مراد ہے۔ مصر جامع کا دوسرا ترجمہ ہے بڑے شہر میں، گاؤں میں نہیں۔ اور حنفیہ کے نزدیک گاؤں میں جمعہ جائز نہیں ہے۔

وجہ (۱) حضرت علی سے اثر ہے **عن علی قال لا جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع ،وکان یعد الامصار البصرۃ والکوفۃ والمدینۃ والبحرین** (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب القری الصغار ج ثالث ص ۱۶۷ نمبر ۵۱۷۵ / مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۳۱ من قال لا جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع، ج اول، ص ۴۳۹، نمبر ۵۰۵۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بڑے شہر میں جمعہ جائز ہے (۲) اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ مدینہ کے قرب و جوار میں بہت سے گاؤں تھے جس کو عوالی کہتے ہیں وہاں جمعہ نہیں پڑھتے تھے۔ بلکہ وہاں کے لوگ مدینہ آتے اور مسجد نبوی میں نماز پڑھتے تھے۔ اور اگر گاؤں میں جمعہ جائز ہوتا تو عوالی میں کیوں جمعہ نہیں پڑھتے تھے۔ کیوں دھوپ اور گرمی میں مشقت برداشت کر کے لوگ مدینہ طیبہ آتے۔ حدیث میں ہے **عن عائشۃ زوج النبی ﷺ قالت کان الناس ینتابون الجمعۃ من منازلھم والعوالی فیأتون فی الغبار فیصبھم الغبار والعرق** (ج) (بخاری شریف، باب من این توتی الجمعۃ وعلی من تجب ص ۱۲۳ نمبر ۹۰۲ / ابو داؤد شریف، باب من تجب علیہ الجمعۃ ص ۱۵۸ نمبر ۱۰۵۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عوالی کے گاؤں میں جمعہ نہیں ہوتا تھا۔ صرف مدینہ جیسے شہر میں جمعہ ہوتا تھا (۳) مدینہ طیبہ کے بعد پہلی مرتبہ جواثی جیسے قلعہ میں نماز جمعہ ہوئی ہے۔ حدیث میں ہے **عن ابن عباس قال ان اول جمعۃ جمعت بعد جمعۃ فی مسجد رسول اللہ ﷺ فی مسجد عبد القیس بجواثی من البحرین** (د) (بخاری شریف، باب الجمعۃ فی القری والمدن ص ۱۲۲ نمبر ۸۹۲ / ابو داؤد شریف، باب الجمعۃ فی القری ص ۱۶۰ نمبر ۱۰۶۸) اس اثر میں ہے کہ مسجد عبد القیس میں مدینہ کے بعد پہلی مرتبہ جمعہ ہوا ہے جو بحرین میں تھی۔ اگر گاؤں میں جمعہ جائز ہوتا تو بحرین کے فتح سے پہلے کتنے گاؤں

حاشیہ : (الف) اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو (ب) حضرت علی نے فرمایا جمعہ اور تشریق نہیں ہے مگر جامع شہر میں (ج) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ لوگ جمعہ پڑھنے اپنے گھروں سے اور عوالی سے باری باری آتے تو وہ غبار میں آتے تو ان کو غبار اور پسینہ لگتا (د) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ مسجد رسول کے جمعہ کے بعد سب سے پہلے جو جمعہ پڑھا گیا وہ جواثی کی مسجد عبد القیس میں پڑھا گیا جو بحرین میں تھی۔

[۳۴۷] (۲) ولا تجوز اقامتها الا للسلطان او لمن امرہ السطان.

فتح ہو گئے تھے ان میں جمعہ کیوں نہیں ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شہر میں جمعہ جائز ہے گاؤں میں جائز نہیں ہے۔

نوٹ جواثی کے بارے میں منقول ہے کہ وہ ایک قلعہ کا نام ہے اور وہاں شہر تھا۔

فائدہ امام شافعیؒ اور دیگر ائمہ کے نزدیک گاؤں میں جمعہ جائز ہے جہاں چالیس آدمی نماز پڑھنے والے ہوں۔ ان کی دلیل ابوداؤد کی یہ حدیث ہے **عن ابن عباس قال ان اول جمعة جمعت فی الاسلام بعد جمعة جمعت فی مسجد رسول الله ﷺ بالمدینة لجمعة جمعت بجواثی قریة من قری البحرین قال عثمان قریة من قری عبد القیس** (الف) (ابوداؤد شریف، باب الجمعۃ فی القری ص ۱۶۰ نمبر ۱۰۶۸) اس حدیث میں ہے کہ جواثی بحرین کے گاؤں کا نام ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ بعض مرتبہ شہر کو بھی قری کہتے ہیں۔ جیسے مکہ مکرمہ کو قرآن نے قریہ کہا ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ام عبد الله الدوسیة قالت سمعت رسول الله ﷺ یقول الجمعة واجبة علی اهل کل قریة وان لم یکونوا الا ثلاثة ورابعهم امامهم** (ب) (دارقطنی، باب الجمعۃ علی اہل القریۃ ج ثانی ص ۷ نمبر ۱۵۷۸) اس حدیث میں ہے کہ گاؤں میں جمعہ واجب ہے (۲) **عن ابی امامة ان النبی ﷺ قال علی الخمیس جمعة لیس فیما دون ذلک** (دارقطنی، ذکر العدد فی الجمعۃ ج ثانی ص ۴ نمبر ۱۵۶۴ / ابوداؤد شریف، باب الجمعۃ فی القری ص ۱۶۰ نمبر ۱۰۶۹)

مصر جامع کس کو کہتے ہیں اس کی تعریف اس اثر میں ہے **قلت لعطاء ماالقریة الجامعة قال ذات الجماعة والامیر والقصاص والدور المجتمعة غیر المفترقة الآخذ بعضها ببعض کهیئة جده** (ج) (مصنف عبدالرزاق ج ثالث ص ۱۶۸ نمبر ۵۱۷۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بڑی بستی اس کو کہتے ہیں جس میں امیر ہو، قصاص اور حدود نافذ کئے جاتے ہوں اور گھر قریب قریب ہوں، خیمہ زنوں کی طرح دور دور گھر نہ ہوں۔ شہر کی دوسری تعریف یہ ہے **سمعت عمر بن دینار یقول اذا کان المسجد یجمع فیه الصلوة فلتصل فیه الجمعة** (د) مصنف عبدالرزاق، باب القری الصغار ج ثالث ص ۱۷۰ نمبر ۵۱۸۴) اس سے معلوم ہوا کہ اگر تمام آدمی جمع ہو کر ایک مسجد میں نماز پڑھتے ہوں تو اس میں جمعہ جائز ہے۔

نوٹ آج کل بڑی بستی میں جمعہ جائز ہونے کا فتوی دیتے ہیں۔

[۳۴۷] (۲) اور نہیں جائز ہے جمعہ قائم کرنا مگر بادشاہ کے لئے یا جس کو بادشاہ نے حکم دیا ہو۔

وجہ چونکہ جمعہ میں بہت لوگ ہوتے ہیں، ان کو سنبھالنا سب کا کام نہیں ہے اس لئے بادشاہ یا بادشاہ کا مامور جمعہ قائم کرے گا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے **سأل عبد الله بن عمر بن خطاب عن القری التی بین مکة والمدینة ماتری فی الجمعة قال نعم اذا کان**

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ سب سے پہلا جمعہ جو اسلام میں پڑھا گیا مدینہ میں مسجد رسول کے جمعہ کے بعد وہ جواثی میں تھا جو بحرین کے گاؤں میں سے ایک گاؤں ہے۔ اور حضرت عثمان نے فرمایا کہ عبد القیس کے گاؤں میں سے ایک گاؤں ہے (ب) حضورؐ کہا کرتے تھے کہ جمعہ واجب ہے ہر گاؤں والوں پر، اگر چہ نہ ہوں مگر تین آدمی اور چوتھا ان کا امام (ج) میں نے عطاء سے پوچھا کہ قریہ جامعہ کیا ہے؟ فرمایا جماعت والے ہوں، وہاں امیر ہو، قصاص جاری کرتے ہوں، قریب قریب گھر ہوں متفرق نہ ہوں، بعض کے گھر بعض کے ساتھ ملے ہوئے ہوں جدہ شہر کی طرح (د) عمر بن دینار کہا کرتے تھے ایسی مسجد جس میں جماعت کی نماز ہوتی ہو اس میں جمعہ پڑھ سکتے ہیں۔

[۳۴۸](۳) ومن شرائطها الوقت فتصح فی وقت الظهر ولا تصح بعده [۳۴۹](۴) ومن شرائطهاالخطبة قبل الصلوة یخطب الامام خطبتین یفصل بینهما بقعدة.

علیهم امیر فلیجمع (الف)(سنن للبیھقی، باب العدد الذین اذ کانوا فی قریۃ وجبت علیھم الجمعۃ، ج ثالث، ص ۲۵۴، نمبر ۵۶۱۳)عن عمر بن العزیز ... قال لهم حین فرغ من صلوته ان الامام یجمع حیث کان (ب)(مصنف عبد الرزاق، باب الامام تجمع حیث کان ج ثالث ص ۱۶۱ نمبر ۵۱۴۷/ مصنف ابن ابی شیبۃ، ۳۹۰ باب الامام یکون مسافرا فیمر بالموضع ج ثانی ص ۴۶۷، نمبر ۵۴۹۹/) بخاری میں یہ جملہ ہے حدثنا ابو خلدة صلی بنا امیر الجمعة (بخاری شریف، باب اذا اشتد الحر یوم الجمعۃ ص ۱۲۴ نمبر ۹۰۶) ان آثار سے معلوم ہوا کہ امیر اور بادشاہ جمعہ قائم کرے۔

نوٹ جہاں امیر اور بادشاہ نہیں ہے وہاں مسلمان جمع ہو کر جس کو امیر چن لے وہ قائم کرائے گا۔

[۳۴۸](۳) جمعہ کی شرط میں سے وقت ہونا ہے۔اس لئے صحیح ہے ظہر کے وقت میں، اور نہیں صحیح ہے وقت کے بعد۔

تشریح ظہر کے وقت میں جمعہ صحیح ہے۔اس کے بعد صحیح نہیں ہے۔

وجہ حدیث میں ہے عن انس بن مالک ان رسول الله ﷺ کان یصلی الجمعة حین تمیل الشمس (ج)(بخاری شریف، باب وقت الجمعۃ اذا زالت الشمس ص ۱۲۳ نمبر ۹۰۴/ مسلم شریف، باب فی وقت صلوۃ الجمعۃ ص ۲۸۳ نمبر ۸۶۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زوال کے بعد جمعہ کی نماز پڑھا کرتے تھے۔اور یہ وقت ظہر کا ہے اس لئے ظہر کے وقت میں پڑھا جائے گا۔ظہر کا وقت نکل جائے تو پھر جمعہ نہیں پڑھے گا بلکہ ظہر کی قضا پڑھے گا۔اثر میں ہے کان الحجاج یؤخر الجمعة فکنت انا اصلی وابراهیم و سعید بن جبیر فصلیا الظهر ثم نتحدث وهو یخطب ثم نصلی معهم ثم نجعلها نافلة (د)(مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۳۸۷ الجمعۃ یؤخرھا الامام حتی یذھب وقتھا، ج اول، ص ۴۷۴، نمبر ۵۴۸۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ظہر کا وقت ختم ہو جائے تو اب جمعہ نہیں پڑھے گا بلکہ ظہر کی نماز قضا پڑھے گا۔

[۳۴۹](۴) جمعہ کی شرائط میں سے نماز سے پہلے خطبہ ہے، امام خطبہ دے گا دو خطبے، دونوں کے درمیان فصل کرے گا بیٹھ کر۔

وجہ (۱) ظہر کی نماز چار رکعتیں ہیں اور جمعہ کی نماز دو رکعتیں ہیں اس لئے دو رکعت کے بدلے میں دو خطبے ہیں۔اس لئے خطبہ جمعہ کی شرط ہے (۲) حدیث میں ہے عن ابن عمر قال کان النبی ﷺ یخطب قائماثم یقعد ثم یقوم کما یفعلون الآن (ہ)(بخاری

حاشیہ : (الف) عبد اللہ بن عمر سے پوچھا گیا ان گاؤں کے بارے میں جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہیں کہ جمعہ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا ہاں! اگر ان پر امیر ہوں تو جمعہ قائم کرے (ب) جب نماز سے فارغ ہوئے تو عمر بن عبد العزیز نے ان لوگوں سے کہا امام جمعہ قائم کر سکتے ہیں جہاں بھی ہوں (ج) حضورؐ جمعہ پڑھا کرتے تھے جب سورج ڈھل جاتا تھا (د) حجاج بن یوسف جمعہ کو مؤخر کرتا تو میں، ابراہیم اور سعید بن جبیر تھا تو ان دونوں نے ظہر کی نماز پڑھ لی تھی پھر ہم بات کرتے رہے۔اس حال میں کہ حجاج خطبہ دے رہا تھا۔پھر ہم نے اس کے ساتھ نماز پڑھی اور اس کو ہم نے نفل کر لیا (ہ) حضور کھڑے ہو کر خطبہ دیتے پھر بیٹھتے پھر کھڑے ہوتے جیسا آج لوگ کرتے ہیں۔

[۳۵۰](۵) ویخطب قائما علی الطھارۃ فان اقتصر علی ذکر اللہ تعالی جاز عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ وقالا لا بد من ذکر طویل یسمہ خطبۃ[۳۵۱](۶) فان خطب قاعدا او

شریف، باب الخطبۃ قائما ص۱۲۵ نمبر ۹۲۰ / مسلم شریف، فصل یخطب الخطبتین قائما ص۲۸۳ کتاب الجمعۃ نمبر ۸۶۱ / ابو داؤد شریف، باب الخطبۃ قائما ص۱۶۳ نمبر ۱۰۹۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دو خطبے دیں گے اور دونوں کے درمیان امام بیٹھیں گے۔ اگر خطبہ نہیں پڑھا تو ظہر کی نماز پڑھے گا اس کا ثبوت اس اثر میں ہے **عن مصعب بن عمیر قال و بلغنا انہ لا جمعۃ الا بخطبۃ فمن لم یخطب صلی اربعا** (الف) (سنن للبیھقی، باب وجوب الخطبۃ وانہ اذا لم یخطب صلی ظہرا اربعا، ج ثالث، ص ۲۷۸، نمبر ۵۷۰۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اگر خطبہ نہیں پڑھا تو ظہر کی چار رکعت پڑھے گا۔

[۳۵۰] (۵) خطبہ دے گا کھڑے ہو کر طہارت پر، پس اگر صرف ذکر اللہ پر اکتفا کیا تو ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے اور صاحبین نے فرمایا لمبا ذکر ضروری ہے جس کو خطبہ کہہ سکے۔

وجہ خطبہ کھڑے ہو کر دینے کی دلیل اوپر گزر گئی ہے۔ یہ حدیث بھی ہے **عن جابر بن سمرۃ ان رسول اللہ کان یخطب قائما ثم یجلس ثم یقوم فیخطب قائما ممن حدثک انہ کان یخطب جالسا فقد کذب** (ب) (ابو داؤد شریف، باب الخطبۃ قائما ص ۱۶۳ نمبر ۱۰۹۳) اس سے معلوم ہوا کہ خطبہ کھڑے ہو کر دینا چاہئے۔ خطبہ کے لئے غسل بہتر ہے۔ کیونکہ حدیث میں غسل کی تاکید ہے تاہم وضو ضروری ہے۔ کیونکہ خطبہ دو رکعت نماز کے بدلے میں ہے اور اس کے بعد فورا نماز پڑھنا ہے اس لئے خطبہ کے لئے وضو ضروری ہے۔ ابو حنیفہ کے نزدیک مختصر سا خطبہ بھی کافی ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے **حدثنا شعیب بن رزیق الطائفی ... فقام** (رسول اللہ ﷺ) **متوکئا علی عصا او قوس فحمد اللہ واثنی علیہ کلمات خفیفات طیبات مبارکات** (ج) (ابو داؤد شریف، باب الرجل یخطب علی قوس ص ۱۶۳ نمبر ۱۰۹۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ کا خطبہ بہت مختصر ہوتا تھا (۲) اثر میں ہے۔ **عن الشعبی قال یخطب یوم الجمعۃ ما قل او کثر** (د) (مصنف عبد الرزاق، باب وجوب الخطبۃ ج ثالث ص ۲۲۲ نمبر ۵۴۱۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کم خطبہ ہو تب بھی کافی ہو جائے گا۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ اتنا لمبا خطبہ ہو جس کو خطبہ کہہ سکیں۔ اس لئے کہ حضورؐ نے عموما اتنا لمبا خطبہ دیا ہے جس کو خطبہ کہہ سکتے ہیں۔

[۳۵۱] (۶) پس اگر بیٹھ کر خطبہ دیا یا بغیر طہورت کے دیا تو جائز ہے لیکن مکروہ ہے۔

وجہ پچھلی احادیث سے معلوم ہوا کہ خطبہ کھڑے ہو کر دینا چاہئے لیکن بیٹھ کر خطبہ دے دیا تو خطبہ ہو جائے گا لیکن بغیر عذر کے ایسا کرنا مکروہ

حاشیہ: (الف) مصعب بن عمیر فرماتے ہیں کہ ہم کو یہ بات پہنچی ہے کہ جمعہ نہیں ہے مگر خطبہ کے ساتھ۔ پس اگر خطبہ نہیں دیا تو چار رکعت ظہر پڑھے (ب) آپؐ خطبہ دیتے کھڑے ہو کر پھر بیٹھتے پھر کھڑے ہوتے، پس کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تو جس نے بیان کیا کہ آپ بیٹھ کر خطبہ دیتے تھے وہ جھوٹ بولا (ج) آپ لکڑی پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے یا کمان پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے۔ پھر اللہ کی تعریف کی اور چند ہلکے، اچھے اور مبارک کلمے کہے (د) آپؐ جمعہ کے دن تھوڑا اور زیادہ خطبہ دیا کرتے۔

علی غیر طھارۃ جاز ویکرہ [۳۵۲](۷) ومن شرائطھا الجماعۃ واقلھم عند ابی حنیفۃ ثلثۃ سوی الامام وقالا اثنان سوی الامام[۳۵۳] (۸) ویجھر الامام بقرائتہ فی الرکعتین ولیس فیھما قراءۃ سورۃ بعینھا [۳۵۴](۹) ولا تجب الجمعۃ علی مسافر ولا امرأۃ ولا

ہے اس لئے کہ اصل خطبہ ذکر ہے اور وہ ہو گیا چاہے کھڑے ہو کر ہو یا بیٹھ کر ہو۔ بیٹھ کر خطبہ دینے کا ثبوت اثر میں ہے **فلما کان معاویۃ استأذن الناس فی الجلوس فی احدی الخطبتین وقال انی قد کبرت وقد اردت اجلس احدی الخطبتین فجلس فی الخطبۃ الاولی** (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب الخطبۃ قائما ج ثالث ص ۱۸۸ نمبر ۵۲۶۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اگر خطبہ بیٹھ کر دے تو خطبہ ہو جائے گا۔

اسی طرح چونکہ خطبہ حقیقت میں نماز نہیں ہے بلکہ ذکر ہے اس لئے بغیر وضو کے خطبہ دے دیا تو خطبہ ہو جائے گا۔ البتہ مکروہ ہوگا۔ کیونکہ ذکر بغیر وضو کے جائز ہے۔ پہلے احادیث سے ثابت کیا جا چکا ہے۔

[۳۵۲] (۷) جمعہ کے شرائط میں سے جماعت ہے اور کم سے کم ابو حنیفہ کے نزدیک تین آدمی ہوں امام کے علاوہ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ دو آدمی ہوں امام کے علاوہ۔

وجہ امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ام عبد اللہ الدوسیۃ قالت سمعت رسول اللہ ﷺ یقول الجمعۃ واجبۃ علی اھل کل قریۃ وان لم یکونوا الا ثلثۃ ورابعھم امامھم** (ب) (دار قطنی، باب الجمعۃ علی اہل قریۃ ج ثانی ص ۷ نمبر ۱۵۷۸) اس حدیث سے معلوم ہو کہ امام کے علاوہ تین آدمی ہوں تب جمعہ ہوگا۔

فائدہ صاحبین نے دو آدمی اس لئے کہا کہ دو آدمی بھی جماعت ہوتے ہیں اور تیسرا امام ہے اس لئے جماعت تو ہوگی۔

[۳۵۳] (۸) امام دونوں رکعتوں میں قرأت زور سے پڑھے گا۔ البتہ اس میں کسی متعین سورۃ کا پڑھنا ضروری نہیں۔

وجہ حدیث میں ہے **قال استخلف مروان ابا ھریرۃ علی المدینۃ ... قال ابو ھریرۃ انی سمعت رسول اللہ یقرأ بھما یوم الجمعۃ یعنی سورۃ الجمعۃ واذا جائک المنافقون** (ج) (مسلم شریف، فصل فی قراءۃ سورۃ الجمعۃ ...فی صلوۃ الجمعۃ ص ۲۸۷ نمبر ۸۷۷ / ابو داؤد شریف، باب مایقرأ بہ فی الجمعۃ، ص ۱۶۷، نمبر ۱۱۲۴) اس حدیث میں ہے کہ میں نے جمعہ کی نماز میں ان دونوں سورتوں کو سنا جس کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ کی دونوں رکعتوں میں قرأت آپؐ جہری کرتے تھے۔ البتہ جن سورتوں کو حضورؐ نے پڑھا انہیں سورتوں کا جمعہ کی نماز میں پڑھنا ضروری نہیں ہے، صرف مستحب ہے۔

[۳۵۴] (۹) جمعہ واجب نہیں ہے مسافر پر، نہ عورت پر، نہ مریض پر، نہ بچے پر، نہ غلام پر، نہ اندھے پر۔

حاشیہ : (الف) جب حضرت معاویہؓ نے لوگوں سے دو خطبوں میں سے ایک میں بیٹھنے کے بارے میں اجازت مانگی اور کہا میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میں نے ارادہ کیا ہے کہ دو خطبوں میں سے ایک میں بیٹھوں، تو پہلے خطبہ میں بیٹھے (ب) حضور فرمایا کرتے تھے کہ جمعہ واجب ہے ہر گاؤں والوں پر چاہے نہ ہو وہاں مگر تین آدمی اور چوتھا ان کا امام (ج) ابو ہریرۃ نے فرمایا کہ میں نے سنا کہ حضورؐ سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقون کو جمعہ کے دن پڑھا کرتے تھے۔

مریض ولا صبی ولا عبد ولا اعمی[۳۵۵] (۱۰) فان حضروا و صلوا مع الناس اجزاهم عن فرض الوقت [۳۵۶](۱۱) ویجوز للعبد والمسافر والمریض ان یؤموا فی الجمعة [۳۵۷](۱۲) ومن صلی الظهر فی منزله یام الجمعة قبل صلوة الامام ولا عذر له کره له

وجہ حدیث میں ہے عن طارق بن شهاب عن النبی ﷺ قال الجمعة حق واجب علی کل مسلم فی جماعة الا اربعة عبد مملوک او امرأة او صبی او مریض (الف)(ابوداؤد شریف، باب الجمعۃ للمملوک والمرأۃ ص۱۶۰ نمبر ۱۰۶۷) دار قطنی میں او مسافر کا لفظ بھی ہے (دار قطنی، باب من تجب علیہ الجمعۃ ج ثانی ص۳ نمبر ۱۵۶۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مذکورہ لوگوں پر جمعہ واجب نہیں ہے۔ کیونکہ جمعہ کے لئے بعض مرتبہ دور جانا پڑتا ہے جس کے لئے مذکورہ لوگوں کو جانے میں حرج ہوتا ہے۔ نابینا کو بھی جانے میں حرج ہے اس لئے اس پر بھی جمعہ واجب نہیں ہے۔

[۳۵۵](۱۰) اگر یہ لوگ حاضر ہوئے اور لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی تو ان کو وقتی فرض سے کافی ہو جائے گا۔

تشریح ان لوگوں پر جمعہ واجب نہیں ہے لیکن اگر ان لوگوں نے جمعہ پڑھ لیا تو ظہر ان سے ساقط ہو جائے گی۔

وجہ کیونکہ جمعہ اگر چہ واجب نہیں ہے لیکن ظہر اور جمعہ میں سے ایک ان پر واجب ہے۔ اس لئے اگر جمعہ پڑھ لیا تو ظہر کے بدلے میں ادا ہو جائے گا۔ یہ اثر ان کی دلیل ہے عن الحسن قال ان جمعن مع الامام اجزأهن من صلوة الامام (ب)(مصنف ابن ابی شیبة ۳۴۰ المرأۃ تشهد الجمعۃ اتجزیٔها صلوۃ الامام، ص۴۴۶، نمبر ۵۵۶۱) عن الزهری قال سألته عن المسافر یمر بقریة فینزل فیها یوم الجمعة قال اذا سمع الاذان فلیشهد الجمعة (ج)(مصنف عبد الرزاق، باب من تجب علیہ الجمعۃ ص۱۷۴ نمبر ۵۲۰۵/ ۵۱۷۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ جمعہ میں حاضر ہو جائے تو ظہر کی ادائیگی ہو جائے گی۔

[۳۵۶](۱۱) غلام، مسافر اور مریض کے لئے جائز ہے کہ وہ جمعہ میں امامت کرے۔

وجہ یہ لوگ عاقل بالغ ہیں اور امامت کے قابل ہیں۔ البتہ ان لوگوں کی سہولت کے لئے ان لوگوں پر جمعہ واجب نہیں کیا گیا ہے۔ لیکن مشقت برداشت کر کے جمعہ میں آ گئے اور جمعہ کی امامت بھی کر لی تو امامت صحیح ہو جائے گی۔ البتہ عورت اور بچہ عام نمازوں میں امامت کے قابل نہیں ہیں اس لئے جمعہ کی بھی امامت نہیں کر سکتے۔

[۳۵۷](۱۲) اگر کسی نے جمعہ کے دن امام کی نماز سے پہلے گھر میں ظہر کی نماز پڑھ لی حالانکہ اس کو کوئی عذر نہیں تھا تو یہ اس کے لئے مکروہ ہے۔ لیکن ظہر کی نماز جائز ہو جائے گی۔

وجہ مکروہ ہونے کی وجہ یہ حدیث ہے عن طارق بن شهاب عن النبی ﷺ قال الجمعة حق واجب علی کل مسلم فی

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جمعہ ہر مسلمان پر واجب ہے جماعت میں مگر چار آدمی پر غلام، عورت، بچہ اور بیمار پر (ب) حسن نے فرمایا اگر عورتیں امام کے ساتھ جمعہ پڑھ لیں تو ان کو کافی ہو جائے گا امام کی نماز کے ساتھ (ج) زہری سے منقول ہے کہ میں نے مسافر کے بارے میں پوچھا جو کسی گاؤں سے گزرے اور اس میں جمعہ کے دن اترے تو فرمایا جب مسافر اذان سنے تو جمعہ میں حاضر ہو جائے۔

ذلک وجازت صلوتہ [۳۵۸](۱۳) فان بدا له ان يحضر الجمعة فتوجه اليها بطلت صلوة الظهر عند ابی حنيفة رحمه الله بالسعی اليها وقال ابو يوسف و محمد لا تبطل حتی يدخل مع الامام [۳۵۹](۱۴) ويكره ان يصلی المعذور الظهر بجماعة يوم الجمعة

جماعة (الف)(ابوداؤد شریف، باب الجمعة للمملوک والمرأة ص۱۶۰ نمبر ۱۰۶۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ ہر مسلمان پر بشرط مذکورہ واجب ہے۔اس لئے بغیر عذر کے ظہر کی نماز امام کی نماز سے پہلے پڑھی تو مکروہ ہے(۲) دوسری حدیث ہے عن ابی الجعد الضمری وکانت له صحبة ان رسول الله ﷺ قال من ترک ثلاث جمع تهاونا بها طبع الله علی قلبه (ب)(ابوداؤد شریف، باب التشدید فی ترک الجمعة ص۱۵۸ نمبر ۱۰۵۲) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ کوئی تین جمعہ بغیر عذر کے چھوڑ دے تو اللہ اس کے دل پر مہر لگا دیتے ہیں۔اس لئے بغیر عذر کے ظہر کی نماز امام سے پہلے پڑھ لی تو مکروہ ہے(۳) فاسعوا الی ذکر الله میں فاسعوا امر وجوب کے لئے ہے۔اورانہوں نے بغیر عذر کے امر کو چھوڑا اس لئے مکروہ ہے۔البتہ چونکہ اصل مین ظہر ہی ہے اس لئے ظہر کی ادائیگی ہو جائے گی۔

[۳۵۸](۱۳) پس اگر اس کا خیال ہوا کہ جمعہ میں حاضر ہو جائے۔پس اس کی طرف متوجہ ہوا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک جمعہ کی طرف سعی کرتے ہی ظہر کی نماز باطل ہو جائے گی۔اور صاحبین نے فرمایا نہیں باطل ہوگی یہاں تک کہ امام کے ساتھ داخل ہو جائے۔

تشریح ایک شخص نے امام کی نماز سے پہلے ظہر کی نماز پڑھ لی پھر جمعہ کا خیال ہوا کہ تو جمعہ کے لئے چل پڑا۔امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ گھر سے نکلتے ہی ظہر باطل ہو جائے گی۔اس لئے اگر جمعہ میں شریک ہو گیا تو جمعہ پڑھے گا اور شریک نہ ہو سکا تو دوبارہ ظہر پڑھنا ہوگا۔اور صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر امام کے ساتھ جمعہ کی نماز میں شریک ہوا تب ظہر کی نماز باطل ہوگی اور اگر نہ ہو سکا تو ظہر کی نماز صحیح رہے گی۔اور دوبارہ ظہر کی نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

وجہ صاحبین فرماتے ہیں کہ اس پر اصل جمعہ تھا اور اس پر مکمل طور پر قادر ہو گیا اس لئے اصل پر قدرت کے وقت فرع باطل ہو جائے گی۔اور اگر اصل پر قدرت نہیں ہوئی تو فرع بحال رہے گی۔امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کی طرف سعی کرنا گویا کہ جمعہ پالینا ہے۔اس لئے گویا کہ اصل پر قدرت ہوگئی اس لئے ظہر باطل ہوگی۔

نوٹ یہ مسئلہ الگ الگ اصول پر مبنی ہے۔باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آیت فاسعوا الی ذکر الله کی وجہ سے اس پر جمعہ کی طرف سعی کرنا واجب تھا اور وہ نہیں کیا اس لئے جب سعی کیا تو ظہر باطل ہو کر نفل ہو گیا۔

[۳۵۹](۱۴) مکروہ ہے کہ معذور آدمی ظہر کی نماز جمعہ کے دن جماعت کے ساتھ پڑھے۔ایسے ہی قیدی لوگ جماعت کے ساتھ پڑھے۔

وجہ معذور آدمی جماعت کے ساتھ ظہر پڑھے گا تو جمعہ کی جماعت میں کمی واقع ہوگی۔کیونکہ غلام، مسافر، عورت، بچے، مریض اور نابینا کو بھی کوشش کر کے جمعہ میں جانا چاہئے۔اس لئے یہ معذور لوگ شہر میں ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ نہ پڑھے۔البتہ دیہات والوں پر جمعہ واجب

حاشیہ : (الف) جمعہ حق واجب ہے ہر مسلمان پر جماعت میں (ب) آپؐ نے فرمایا جس نے تین جمعہ سستی سے چھوڑ دیئے اللہ اس کے دل پر مہر لگا دیتے ہیں۔

وکذلک اھل السجن [۳۶۰](۱۵) ومن ادرک الامام یوم الجمعة صلی معه ما ادرک وبنی علها الجمعة [۳۶۱](۱۶) وان ادرکه فی التشھد او فی سجود السھو بنی علها

نہیں ہے اور نہ وہاں کوئی جمعہ کی جماعت ہے اس لئے وہ لوگ ظہر کی نماز جماعت سے پڑھ سکتے ہیں (۲) اثر میں ہے عن الحسن انه کان یکرہ اذا لم یدرک قوم الجمعة ان یصلوا الجماعة (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب القوم یأتون المسجد یوم الجمعۃ بعد انصراف الناس، ج ثالث ص ۲۳۲ نمبر ۵۴۵۷) اور مصنف ابن ابی شیبۃ میں ہے قال علی لا جماعة یوم الجمعة الا مع الامام (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۷ ۳ فی القوم یجمعون یوم الجمعۃ اذا لم یشھدوھا، ج ثانی، ص ۴۶۶، نمبر ۵۳۹۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن معذورین کو جماعت کے ساتھ ظہر نہیں پڑھنا چاہئے۔

فائدہ کچھ حضرات کے یہاں کراہیت نہیں ہے۔ ان کی دلیل یہ اثر ہے۔ فذکر زرو التیمی فی یوم جمعة ثم صلوا الجمعة اربعا فی مکانھم وکانوا خائفین (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۷ ۳ فی القوم یجمعون یوم الجمعۃ اذا لم یشھدوھا ج ثانی ص ۴۶۶، نمبر ۵۳۹۵ / مصنف عبد الرزاق، باب القوم یأتون المسجد یوم الجمعۃ بعد انصراف الناس، ج ثالث ص ۲۳۱ نمبر ۵۴۵۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ معذورین جماعت کے ساتھ ظہر پڑھے تو اتنی کراہیت نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے حق میں جمعہ ساقط ہے۔

لغت سجن : قیدی

[۳۶۰] (۱۵) جس نے امام کو جمعہ کے دن پایا تو ان کے ساتھ نماز پڑھے گا جتنا پایا اور اس پر جمعہ کا بنا کرے گا۔

وجہ حدیث میں ہے عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قال اذا سمعتم الاقامة فامشوا الی الصلوة وعلیکم السکینة والوقار ولا تسرعوا فما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا (ج) (بخاری شریف، باب لا یسعی الی الصلوۃ ولیأتھا بالسکینۃ والوقار، ص ۸۸، نمبر ۶۳۶) اس حدیث میں ہے وما فاتکم فاتموا کہ جو فوت ہو جائے تو اس کو پورا کرو یعنی پہلی نماز پر بنا کر لو۔ تو جمعہ کی نماز میں بھی یہی ہوگا۔ امام کے ساتھ جتنا پایا وہ ٹھیک ہے اور جتنا باقی رہا اس کو جمعہ ہی کے طور پر پورا کرے گا (۲) حدیث میں ہے عن ابی ھریرۃ ان رسول الله قال من ادرک من الجمعة رکعة فلیضف الیھا اخری (د) (دار قطنی باب فیمن یدرک من الجمعۃ رکعۃ او لم یدرکھا ج ثانی ص ۸ نمبر ۱۵۷۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام کے ساتھ جتنی پائے وہ ٹھیک ہے باقی اسی پر بنا کر کے پوری کرے گا۔

[۳۶۱] (۱۶) اگر امام کو تشہد میں پایا یا سجدۂ سہو میں پایا تو اس پر جمعہ کا بنا کرے گا امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اور امام محمد نے فرمایا کہ اگر امام کے ساتھ دوسری رکعت کا اکثر پایا تو اس پر جمعہ کا بنا کرے گا اور اگر امام کے ساتھ کم پایا تو اس پر ظہر کا بنا کرے گا۔

تشریح شیخین کے نزدیک یہ ہے کہ سلام پھیرنے سے پہلے امام کے ساتھ مل گیا تو امام کی اتباع میں جمعہ ہی پڑھے گا ظہر نہیں پڑھے گا۔ اور

حاشیہ : (الف) حضرت حسن سے منقول ہے کہ وہ ناپسند کرتے تھے کہ جب قوم جمعہ نہ پڑھتے تو جماعت کے ساتھ نماز پڑھے (ب) حضرت علیؓ نے فرمایا جماعت نہیں ہے جمعہ کے دن مگر امام کے ساتھ (ج) آپ ؐ نے فرمایا جب تم اقامت سنو تو نماز کی طرف چلتے آؤ اور تم پر سکونت اور وقار ہو۔ اور تیزی سے مت چلو، جو پاؤ اس کو پڑھو اور جو فوت ہو جائے اس کو پورا کرے (د) آپ ؐ نے فرمایا جو جمعہ میں ایک رکعت پائے اس کے ساتھ دوسری ملالے۔

الجمعة عند ابی حنیفة و ابی یوسف وقال محمد ان ادرک معه اکثر الرکعة الثانیة بنی علیها الجمعة و ان ادرک معه اقلها بنی علیها الظهر[۳۶۲] (۱۷)واذا خرج الامام یوم

امام محمد کے نزدیک یہ ہے کہ دوسری رکعت کا اکثر حصہ امام کے ساتھ ملا ہے تب تو جمعہ پڑھے گا اور اگر اکثر نہیں ملا ہے تو چونکہ جمعہ کے لئے جماعت شرط ہے اور اکثر حصہ میں جماعت نہیں ملی اس لئے اب جمعہ نہیں پڑھے گا بلکہ ظہر کی چار رکعت پڑھے گا۔

وجہ شیخین کی دلیل مسئلہ نمبر ۱۵ والی بخاری کی حدیث ہے کہ جتنا ملا وہ امام کے ساتھ پڑھو اور جتنا فوت ہو گیا اس کو اسی پر بنا کرلو، تو امام کے ساتھ سلام سے پہلے ملا تو اتنا امام کے ساتھ پڑھے گا اور باقی کا اسی پر بنا کرے گا۔ چاہے دوسری رکعت کا اکثر ملا ہو یا اقل ملا ہو (۲) سلام سے پہلے بھی امام کے ساتھ ملا ہو اس کی اتباع میں وہی نماز پڑھنی چاہئے جو انہوں نے پڑھی ہے یعنی جمعہ (۳) ایک حدیث میں ہے **عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ من ادرک الامام جالسا قبل ان یسلم فقد ادرک الصلوة** (الف) (دار قطنی، باب فیمن یدرک من الجمعة رکعة اولم یدرکھا ج ثانی ص ۱۰ نمبر ۱۵۸۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلام سے پہلے بھی امام کے ساتھ مل جائے تو گویا کہ اس نے جمعہ پالیا۔ اس لئے اب دو رکعت جمعہ ہی پڑھے گا۔

وجہ امام محمد کی دلیل مسئلہ نمبر ۱۵ کی دار قطنی کی حدیث ہے جس میں کہا گیا کہ جس نے جمعہ کی ایک رکعت پائی وہ دوسری رکعت جمعہ کی ملائے۔ تو اکثر رکعت ایک رکعت کے قائم مقام ہے اس لئے اکثر رکعت پائی تو جمعہ پڑھے گا ورنہ ظہر پڑھے گا۔ ان کی دلیل یہ حدیث بھی ہے **عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ من ادرک رکعة من الصلوة فقد ادرک الصلوة** (ب) (ابوداؤد شریف، باب من ادرک من الجمعة رکعة ص ۱۶۶ نمبر ۱۱۲۱) اس حدیث میں ایک رکعت پانے کا تذکرہ ہے تب ہی جمعہ پڑھے گا۔

[۳۶۲] (۱۷) جب امام جمعہ کے دن خطبہ کے لئے نکلے تو لوگ نماز اور کلام کو چھوڑ دیں یہاں تک کہ امام اپنے خطبہ سے فارغ ہو جائے اور صاحبین نے فرمایا کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ بات کرے جب تک امام خطبہ نہ شروع کرے۔

تشریح منبر پر خطبہ کے لئے امام چڑھ جائے تو لوگ باتیں کرنا بھی بند کر دیں اور نماز پڑھنا بھی بند کر دیں۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ امام خطبہ شروع کر دیں تب بات کرنا اور نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اس سے پہلے بات کر لی تو حرج کی بات نہیں ہے تاہم نہیں کرنی چاہئے۔ کلام کی ممانعت کی دلیل یہ حدیث ہے **ان ابا هریرة اخبره ان رسول الله ﷺ قال اذا قلت لصحبک یوم الجمعة انصت والامام یخطب فقد لغوت** (ج) (بخاری شریف، باب الانصات یوم الجمعة والامام یخطب ص ۱۲۷ نمبر ۹۳۴ مسلم شریف، فصل فی عدم ثواب من تکلم والامام یخطب ص ۲۸۱ کتاب الجمعة نمبر ۸۵۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنا ساتھی بات کر رہا ہو تو اس کو چپ رہو کہنا بھی غلط ہے۔ اس کو اشارہ سے چپ رہنے کے لئے کہنا چاہئے۔ اور والامام یخطب کے لفظ سے صاحبین نے استدلال کیا ہے کہ امام خطبہ دے رہا ہو اس وقت کلام کرنا مکروہ ہے اس لئے پہلے بات کرنے کی گنجائش ہے۔ اور امام اعظم کے نزدیک منبر پر بیٹھنا بھی خطبہ کا حصہ ہے اس لئے منبر پر بیٹھتے ہی

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جس نے امام کو بیٹھے ہوئے پایا سلام سے پہلے تو گویا کہ نماز پالیا (ب) آپؐ نے فرمایا جس نے نماز میں سے ایک رکعت پائی تو گویا کہ نماز پالی (ج) آپؐ نے فرمایا جمعہ کے دن اپنے ساتھی سے کہا چپ رہو اور امام خطبہ دے رہا ہو تو یہ بھی لغو بات ہے۔

الجمعة ترک الناس الصلوة والكلام حتى يفرغ من خطبته وقالا لا بأس بان يتكلم مالم

کلام کی ممانعت ہو جائے گی۔

نوٹ خود امام کو بولنے کی ضرورت ہو تو وہ امر و نہی وغیرہ کے لئے بول سکتے ہیں۔اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن جابر قال لما استوى رسول الله ﷺ يوم الجمعة قال اجلسوا فسمع ذلک ابن مسعود فجلس على باب المسجد فرآه رسول الله ﷺ فقال تعال يا عبد الله بن مسعود** (الف) (ابو داؤد شریف، باب الامام یکلم الرجل فی خطبته ص ۱۶۳ نمبر ۱۰۹۱) اس حدیث میں آپؐ نے خطبہ کے دوران عبد اللہ بن مسعود سے بات کی ہے اور آگے آنے کے لئے کہا ہے۔اس لئے ضرورت کے موقع پر امام بات کر سکتے ہیں۔

خطبہ کے وقت نماز نہ پڑھنے کی دلیل (۱) یہ آیت ہے **اذ قرء القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون** (ب) (آیت ۲۰ سورۃ الاعراف ۷) اس آیت میں قرآن پڑھتے وقت چپ رہنے اور کان لگا کر سننے کے لئے کہا ہے اور خطبہ میں قرآن پڑھا جائے گا، اب لوگ نماز پڑھیں گے تو وہ خود قرآن پڑھیں گے اور چپ نہیں رہیں گے اس لئے نماز پڑھنے کی بھی ممانعت ہوگی (۲) **عن ابن عباس وابن عمر انهما كانا يكرهان الصلوة والكلام يوم الجمعة بعد خروج الامام** (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۶۰، فی الکلام اذا صعد الامام المنبر وخطب ج ثانی ص ۴۵، نمبر ۵۲۹۷) (۳) **سألت قتادة عن الرجل يأتي والامام تخطب يوم الجمعة ولم يكن صلى ا يصلي؟ فقال اما انا فكنت جالسا** (د) (مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یجیئ والامام یخطب، ج ثالث، ص ۲۴۵، نمبر ۵۵۱۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ خطبہ کے وقت نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک خطبہ کے وقت دو رکعت مختصر سی نماز پڑھ لینے کی گنجائش ہے۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے **سمع جابر قال دخل رجل يوم الجمعة والنبي ﷺ يخطب فقال اصليت؟ قال لا! قال ثم فصل ركعتين** (ہ) (بخاری شریف، باب من جاء والامام یخطب صلی رکعتین خفیفتین ص ۱۲۷ نمبر ۹۳۱) مسلم شریف اور ابو داؤد کی روایت میں اس طرح حدیث ہے **سمعت جابر بن عبد الله ان النبي ﷺ خطب فقال اذا جاء احدكم يوم الجمعة وقد خرج الامام فليصل ركعتين** (و) (مسلم شریف، فصل من دخل المسجد والامام تخطب فلیصل رکعتین ص ۲۸۷ نمبر ۲۰۲۲/۸۷۵ / ابو داؤد شریف، باب اذا دخل والامام یخطب ص ۱۶۶ نمبر ۱۱۱۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام خطبہ دے رہا ہو اور ابھی تک تحیۃ المسجد یا سنت جمعہ نہ پڑھی ہو تو دو رکعت پڑھ لینے کی گنجائش ہے۔تاہم ہمیشہ ایسی عادت

حاشیہ : (الف) حضرت جابر فرماتے ہیں کہ جب حضورؐ جمعہ کے دن منبر پر بیٹھ گئے تو آپؐ نے فرمایا بیٹھ جاؤ تو یہ بات عبد اللہ بن مسعود نے سنی تو وہ مسجد کے دروازے پر بیٹھ گئے تو حضورؐ نے ان کو دیکھا تو فرمایا عبد اللہ بن مسعود ادھر آؤ (ب) جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو سنو اور چپ رہو شاید کہ تم رحم کئے جاؤ گے (ج) عبد اللہ بن عباس اور عبد اللہ بن عمر جمعہ کے دن امام کے خطبہ کے لئے نکلنے کے بعد نماز اور کلام مکروہ سمجھا کرتے تھے (د) میں نے حضرت قتادہ سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا جو جمعہ کے دن امام کے خطبہ کے وقت آیا ہو اور ابھی نماز نہ پڑھی ہو۔کیا وہ نماز پڑھے؟ فرمایا بہر حال میں تو بیٹھ جاؤں گا (یعنی نماز نہیں پڑھوں گا) (ہ) ایک آدمی جمعہ کے دن مسجد میں داخل ہوا اور حضورؐ خطبہ دے رہے تھے تو آپ نے پوچھا کیا تم نے نماز پڑھی؟ انہوں نے کہا نہیں، آپؐ نے کہا کھڑے ہو اور دو رکعت نماز پڑھو (و) آپؐ خطبہ دے رہے تھے اور فرمایا تم میں سے کوئی جمعہ کے دن آئے اور امام خطبہ کے لئے نکل چکا ہو تو دو رکعت نماز پڑھنی چاہئے۔

یبدأ بالخطبة. [۳۶۳](۱۸) واذا اذن المؤذنون یوم الجمعة الاذان الاول ترک الناس البیع والشراء و توجهوا الی الجمعة[۳۶۴] (۱۹) فاذا صعد الامام المنبر جلس واذن المؤذنون بین یدی المنبر ثم یخطب الامام.

نہیں بنالینی چاہئے۔

[۳۶۳](۱۸) جب مؤذن جمعہ کے دن پہلی اذان دے تو لوگ خرید وفروخت چھوڑ دے اور جمعہ کی طرف متوجہ ہو جائے۔

وجہ خود آیت میں ہے **اذا نودی للصلوة من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر الله وذروا البیع** (الف) (آیت ۹ سورة الجمعة ۶۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ اذان دی جائے تو خرید وفروخت چھوڑ کر جمعہ کی طرف چل پڑنا چاہئے۔ البتہ حضور کے زمانے میں دوسری اذان ہوتی تھی اور حضرت عثمان نے دیکھا کہ لوگوں کی بھیڑ زیادہ ہے تو ایک اذان کا اضافہ کر دیا جس کو پہلی اذان کہتے ہیں۔ اس کا ثبوت اس حدیث سے ہے **عن السائب بن یزید قال کان النداء یوم الجمعة اوله اذا جلس الامام علی المنبر علی عهد النبی ﷺ وابی بکر و عمر فلما کان عثمان و کثر الناس زاد النداء الثالث علی الزوراء قال ابو عبدالله الزوراء موضع بالسرق بالمدینة** (ب) (بخاری شریف، باب الاذان یوم الجمعة ص ۱۲۴ نمبر ۹۱۲ / ابوداؤد شریف، باب النداء یوم الجمعة ص ۱۶۲ نمبر ۱۰۸۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پہلی اذان حضرت عثمان نے اضافہ کیا ہے۔ اور اس وقت بھی جمعہ کے لئے اذان دی جاتی ہے اس لئے اب اسی وقت جمعہ کے لئے سعی کرنا ہوگا۔ اس کی تائید میں یہ اثر ہے **قال لی مسلم بن یسار اذا علمت ان النهار قد انتصفت یوم الجمعة فلا تبتاعوا شیئا** (ج) (مصنف ابن ابی شیبة ۲۷۲، الساعة التی یکرہ فیها الشراء والبیع ج ثانی ص ۴۶۵، نمبر ۵۳۸۳) (۲) **قلت للزهری متی یحرم البیع والشراء یوم الجمعة فقال کان الاذان عند خروج الامام فاحدث امیر المؤمنین عثمان التأذینة الثالثة فاذن علی الزوراء لیجتمع الناس فاری ان یترک الشراء والبیع عند التأذینة** (د) (مصنف ابن ابی شیبة ۲۷۲، الساعة التی یکرہ فیها الشراء والبیع ج ثانی ص ۵۳۸۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اذان اول کے پاس پاس ہی خرید وفروخت چھوڑ دینا چاہئے۔ کیونکہ وہی ندا ہے۔

[۳۶۴](۱۹) جب امام منبر پر چڑھ جائے تو منبر پر بیٹھے اور مؤذن منبر کے سامنے اذان دے پھر امام خطبہ دے۔

وجہ اس سب کی دلیل یہ حدیث ہے **عن سائب بن یزید قال کان یؤذن بین یدی رسول الله ﷺ اذا جلس علی المنبر**

حاشیہ : (الف) جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ و اور بیع چھوڑ دو (ب) سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن پہلی اذان تھی جب امام منبر پر بیٹھتے تھے۔ حضورؐ، ابوبکر اور عمر کے زمانے میں۔ پس جب عثمان کا زمانہ آیا اور لوگ زیادہ ہو گئے تو مقام زوراء پر تیسری اذان کی زیادتی کی۔ ابو عبداللہ فرماتے ہیں کہ زوراء مدینہ میں ایک بازار کا نام ہے (ج) مسلم بن یسار نے کہا کہ جب جان لو کہ جمعہ کے دن دوپہر ہو گئی تو خرید فروخت چھوڑ دو (د) میں نے زہری سے پوچھا جمعہ کے دن خرید وفروخت کب حرام ہوتے ہیں؟ تو فرمایا اذان امام کے نکلتے وقت ہوتی تھی تو حضرت عثمان نے تیسری اذان شروع کی تو مقام زوراء پر اذان دلوائی تا کہ لوگ جمع ہو جائیں۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ اذان کے وقت خرید وفروخت چھوڑ دے۔

[۳٦۵](۲۰) واذا فرغ من خطبته اقاموا الصلوۃ.

یوم الجمعة علی باب المسجد وابی بکر و عمر (الف)(ابوداؤد شریف، باب النداء یوم الجمعۃ ص۱٦۲ نمبر ۱۰۸۸/بخاری شریف ، باب التأذین عند الخطبۃ ص۱۲۴ نمبر ۹۱٦) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام منبر پر بیٹھے گا اس وقت اس کے سامنے اذان ثانی دی جائے گی۔اس کے بعد امام خطبہ دے گا۔

[۳٦۵](۲۰) جب امام خطبہ سے فارغ ہونگے تو لوگ جمعہ کی نماز کھڑی کریں گے۔

وجہ پہلے خطبہ دے پھر نماز کھڑی کرے اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن انس قال رأیت رسول اللہ ﷺ ینزل من المنبر فیعرض له الرجل فی الحاجة فیقوم معه حتی یقضی حاجته ثم یقوم فیصلی** (ب)(ابوداؤد شریف، باب الامام یتکلم بعد ما ینزل من المنبر ص۱٦٦ نمبر ۱۱۲۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خطبہ کے بعد نماز جمعہ قائم کرے گا۔

حاشیہ : (الف) سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ حضور کے سامنے اذان دی جاتی تھی جب آپؐ جمعہ کے دن منبر پر بیٹھتے مسجد کے دروازے پر اور ابوبکرؓ اور عمرؓ کے زمانے میں بھی (ب) میں نے حضور کو دیکھا کہ منبر سے اترتے تو آپ کے لئے کوئی آدمی ضرورت پیش کرتا تو آپؐ اس کے ساتھ کھڑے ہوتے یہاں تک کہ آپ ان کی ضرورت پوری کرتے پھر کھڑے ہوتے اور نماز پڑھتے۔

﴿باب صلوۃ العدین﴾

[۳۶۶](۱) یستحب یوم الفطر ان یطعم الانسان شیئا قبل الخروج الی المصلی[۳۶۷]

﴿ باب صلوۃ العیدین ﴾

ضروری نوٹ عید کی نماز واجب ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں لوگ عید مناتے تھے۔ بعد میں اسلام میں بھی اس کو برقرار رکھا۔ اس کا ثبوت اس آیت سے ہے **ولتکملوا العدۃ ولتکبروا اللہ علی ما ھداکم ولعلکم تشکرون** (الف) (آیت ۱۸۵ سورۃ البقرۃ ۲) تفسیر طبری میں ہے کہ اس آیت میں عید الفطر میں تکبیر کہنے کا تذکرہ ہے۔ کیونکہ اسی آیت کے شروع میں روزے کا تذکرہ ہے۔ جس سے عید الفطر کا ثبوت ہوتا ہے۔ اور **فصل لربک وانحر** (ب) (آیت ۲ سورۃ الکوثر ۱۰۸) اس آیت میں تذکرہ ہے کہ پہلے عید الاضحیٰ کی نماز پڑھو پھر جانور کی قربانی کرو۔ اس لئے دونوں آیتوں سے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کا ثبوت ہوتا ہے۔

نماز عیدین کے وجوب کی دلیل اس حدیث کی دلالت ہے **عن ابی سعید الخدری قال کان النبی ﷺ یخرج یوم الفطر والاضحی الی المصلی فاول شیء یبدأ بہ الصلوۃ ثم ینصرف فیقوم مقابل الناس والناس جلوس علی صفوفھم فیعظھم ویوصیھم ویأمرھم** (ج) (بخاری شریف، باب الخروج الی المصلی بغیر منبر ص ۱۳۱ نمبر ۹۵۶) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ ہمیشہ ایسا کرتے تھے کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے لئے نکلا کرتے تھے، یہ استمرار اور ہمیشگی وجوب پر دلالت کرتی ہے۔ آپؐ نے کبھی عیدن کی نماز نہیں چھوڑی یہ وجوب کی دلیل ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک چونکہ وجوب کا درجہ نہیں ہے اس لئے ان کے یہاں نماز عیدین سنت مؤکدہ ہیں۔ ان کی دلیل یہ حدیث بھی ہے **عن البراء بن عازب قال قال النبی ﷺ ان اول ما یبدأ فی یومنا ھذا ان نصلی ثم نرجع فننحر فمن فعل ذلک اصاب سنتنا** (د) (بخاری شریف، باب الخطبۃ بعد العید ص ۱۳۱ نمبر ۹۶۵) اس حدیث میں **اصاب سنتنا** ہے جس سے معلوم ہوا کہ عیدین کی نماز سنت ہے۔

[۳۶۶](۱) عید الفطر کے دن مستحب یہ ہے کہ انسان عید گاہ کی طرف نکلنے سے پہلے کچھ کھائے۔

وجہ حدیث میں ہے **عن انس بن مالک قال کان رسول اللہ ﷺ لا یغدو یوم الفطر حتی یأکل تمرات . وفی حدیث آخر ویأکلھم وترا** (ہ) (بخاری شریف، باب الاکل یوم الفطر قبل الخروج ص ۱۳۰ نمبر ۹۵۳) حدیث سے معلوم ہوا کہ عید گاہ جانے سے

حاشیہ : (الف) تاکہ رمضان کے دن پورے کرو اور جو تم کو ہدایت دی اس پر اللہ کی تکبیر کرو اور شاید کہ تم شکریہ ادا کرو (ب) اپنے رب کے لئے نماز پڑھو اور قربانی کرو (ج) حضورؐ نکلا کرتے تھے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن عید گاہ کی طرف، تو سب سے پہلی چیز جو شروع کرتے وہ نماز عید ہوتی، پھر وہاں سے ہٹ کر لوگوں کے سامنے کھڑے ہوتے اور لوگ اپنی صفوں میں بیٹھے ہوتے تو آپؐ ان کو نصیحت کرتے، وصیت کرتے اور حکم دیتے (د) آپؐ نے فرمایا سب سے پہلی چیز جو شروع کریں گے اس دن وہ نماز پڑھیں گے، پھر واپس لوٹیں گے، پس قربانی کریں گے۔ پس جس نے یہ کیا اس نے ہماری سنت کو پایا (ہ) آپؐ عید الفطر کے دن عید گاہ نہیں جاتے یہاں تک کہ چند کھجور کھاتے، دوسری حدیث میں ہے کہ طاق کھجور کھاتے۔

(۲) ویغتسل و یتطیب ویلبس احسن ثیابه[۳۶۸] (۳) ویتوجه الی المصلی ولایکبر فی طریق المصلی عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی ویکبر فی طریق المصلی عند ابی یوسف و

پہلے عید الفطر میں کچھ میٹھی چیز کھانا چاہئے۔ اور عید الاضحیٰ میں نماز کے بعد کھانا مستحب ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن عبد اللہ بن بریدة عن ابیه قال کان رسول الله لا یخرج یوم الفطر حتی یطعم ولا یأکل یوم النحر حتی یذبح** (سنن للبیہقی، باب یترک الاکل یوم النحر حتی یرجع ج ثالث ص ۴۰۱، نمبر ۶۱۵۹)

[۳۶۷] (۲) غسل کرے اور خوشبو لگائے اور اچھے کپڑے پہنے۔

تشریح یہ سب کام عید کے دن کرنا مستحب ہے۔ غسل کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن ابن عمر انه کان یغتسل فی العیدین اغتسالا من الجنابة** (الف) (سنن للبیہقی، باب الاغتسال للاعیاد ج اول ص ۴۴۷، نمبر ۱۴۲۸ رمصنف ابن ابی شیبة، ۴۲۶ فی الغسل یوم العیدین ج ثانی ص ۵۵۰، نمبر ۵۷۷۰) (۲) چونکہ عید بھی جمعہ کی طرح اجتماع ہے اس لئے جو چیزیں جمعہ میں سنت ہوں گی وہی کام عیدین میں سنت ہوں گے۔ اور جمعہ میں یہ کام سنت ہیں حدیث یہ ہیں **عن ابی سعید الخدری و ابی هریرة قالا قال رسول الله ﷺ من اغتسل یوم الجمعة و لبس من احسن ثیابه ومس من طیب ان کان عنده ثم اتی الجمعة** (ب) (ابو داؤد شریف، باب الغسل للجمعة ص ۵۶ نمبر ۳۴۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن غسل کرے۔ اچھے کپڑے پہنے اور خوشبو ملے اور عیدین بھی جمعہ کی طرح اجتماع ہیں اس لئے ان میں بھی یہ کام کرنا سنت ہوگا (۳) عید کے دن اچھے کپڑے پہننے کی حدیث موجود ہے **ان عبد الله بن عمر قال اخذ عمر جبة من استبرق تباع فی السوق فاخذها فاتی بها رسول الله فقال یا رسول الله ابتع هذه تجمل بها للعید و الوفود** (ج) (بخاری شریف، باب ماجاء فی العیدین والتجمل فیهما ص ۱۳۰ نمبر ۹۴۸) اس حدیث میں ہے تجمل بها للعید والوفود جس سے معلوم ہوا کہ عید کے لئے اچھے کپڑے پہننا اور خوبصورت بننا سنت ہے۔

[۳۶۸] (۳) اور عید کی طرف متوجہ ہو۔ اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک راستہ میں تکبیر نہ کہے اور صاحبین کے نزدیک تکبیر کہے گا عید گاہ کے راستہ میں زور سے۔

تشریح امام ابو حنیفہ کے نزدیک عید الفطر میں راستہ میں تکبیر زور سے نہیں پڑھے گا بلکہ آہستہ پڑھے گا اور عید الاضحیٰ کے وقت راستہ میں زور سے تکبیر پڑھے گا۔

وجہ اس کی وجہ یہ ہے کہ تکبیر ایک قسم کی دعا ہے اور دعا کو آہستہ پڑھنا چاہئے اس لئے عید الفطر میں تکبیر آہستہ پڑھے گا۔ ان کا استدلال اس اثر سے ہے **عن شعبة قال کنت اقود ابن عباس یوم العید فیسمع الناس یکبرون فقال ما شأن الناس قلت یکبرون قال**

حاشیہ : (الف) عبد اللہ بن عمر عیدین کے دن جنابت کی طرح غسل کرتے (ب) آپؐ نے فرمایا جس نے جمعہ کے دن غسل کیا، اور اس کے اچھے کپڑوں میں سے کپڑے پہنے اور خوشبو لگائی اگر اس کے پاس ہو پھر جمعہ میں آیا (ج) عبد اللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ حضرت عمر نے ریشم کا جبہ لیا جو بازار میں بک رہا تھا تو اس کو لیکر حضورؐ کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ آپ اس کو خرید لیں اس سے عید اور وفود کے وقت زینت حاصل کریں گے۔

محمد[۳۶۹] (۴) ولا یتنفل فی المصلی قبل صلوۃ العید ویتنفل بعدھا[۳۷۰] (۵) فاذا حلت الصلوۃ بارتفاع الشمس دخل وقتھا الی الزوال فاذا زالت الشمس خرج وقتھا

یکبرون؟ قال یکبر الامام؟ قلت لا قال امجانین الناس (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۱۳ فی التکبیر اذا خرج الی العید ج ثانی ص ۴۸۸، نمبر ۵۶۲۹) اس اثر میں حضرت ابن عباس نے زور سے تکبیر کہنے سے انکار کیا ہے۔ البتہ عید الاضحیٰ میں زور سے تکبیر بہت سی احادیث سے ثابت ہے۔ اس لئے وہاں زور سے تکبیر پڑھے گا۔

فائدہ صاحبین کے نزدیک دونوں میں تکبیر زور سے پڑھے گا۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے **ان عبد اللہ بن عمر اخبرہ ان رسول اللہ ﷺ کان یکبر یوم الفطر من حین یخرج من بیتہ حتی یأتی المصلی** (الف) (دار قطنی، کتاب العیدین ج ثانی ص ۳۴ نمبر ۱۶۹۸ / مستدرک للحاکم، کتاب صلوۃ العیدین، ج اول، ص ۴۳۸، نمبر ۱۱۰۵) (۲) **عن ابن عمر انہ کان یخرج لعیدین من المسجد فیکبر حتی یأتی المصلی ویکبر حتی یأتی الامام** (ب) (دار قطنی، کتاب العیدین ج ثانی ص ۳۳ نمبر ۱۶۹۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ دونوں کے راستے میں تکبیر زور سے کہی جائے گی۔

[۳۶۹] (۴) عیدگاہ میں نماز عید سے پہلے نفل نہیں پڑھی جائے گی۔ اور نفل پڑھی جائے گی نماز عید کے بعد۔

وجہ نفل میں مشغول ہوگا تو عید کی نماز پڑھنے میں دیر ہوگی۔ حالانکہ اس کو سب سے پہلے کرنا ہے (۲) حدیث میں ہے **عن ابن عباس ان النبی ﷺ خرج یوم الفطر فصلی رکعتین لم یصل قبلھا ولا بعدھا ومعہ بلال** (ج) (بخاری شریف، باب الصلوۃ قبل العید وبعدھا ص ۱۳۵ نمبر ۹۸۹ / ابو داؤد شریف، باب الصلوۃ بعد صلوۃ العید ص ۱۷۱ نمبر ۱۱۵۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عید کے پہلے اور بعد میں بھی نماز نفل نہیں پڑھنا چاہئے۔ لیکن دوسرے اثر میں ہے **عن ابن عباس کرہ الصلوۃ قبل العید** (د) (بخاری شریف، باب الصلوۃ قبل العید وبعدھا ص ۱۳۵ نمبر ۹۸۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عید سے پہلے تو نفل مکروہ ہے بعد میں نہیں۔

[۳۷۰] (۵) پس جب نماز حلال ہو جائے سورج کے بلند ہونے سے تو نماز عید کا وقت داخل ہو جائے گا زوال تک، پس جب سورج زائل ہو گیا تو اس کا وقت نکل گیا۔

تشریح نماز عید کا وقت سورج تھوڑا اوپر اٹھنے کے بعد سے زوال تک ہے۔

وجہ **قال خرج عبد اللہ بن بسر صاحب رسول اللہ ﷺ مع الناس فی یوم عید الفطر او اضحی فانکر ابطاء الامام فقال انا کنا قد فرغنا ساعتنا ھذہ وذلک حین التسبیح** (ہ) (ابو داؤد شریف، باب وقت الخروج الی العید ص ۱۶۸ نمبر ۱۱۳۵) اس

حاشیہ : (الف) آپ تکبیر کہتے عید الفطر کے دن جس وقت گھر سے نکلتے یہاں تک کہ عیدگاہ آتے (ب) عبد اللہ بن عمر عیدین کے لئے مسجد سے نکلتے تو تکبیر کہتے یہاں تک کہ عیدگاہ آتے اور تکبیر کہتے رہتے امام کے آنے تک (ج) آپ عید الفطر کے دن نکلے پس دو رکعت نماز پڑھی، اس سے پہلے بھی نہیں پڑھی اور اس کے بعد بھی نہیں پڑھی، اور آپ کے ساتھ حضرت بلالؓ تھے (د) ابن عباسؓ عید سے پہلے نماز ناپسند فرماتے تھے (ہ) عبد اللہ بن بسر نے لوگوں کے ساتھ عید الفطر یا عید الاضحیٰ کی نماز پڑھی تو امام کے دیر کرنے کا انکار کیا پھر فرمایا ہم اس گھڑی فارغ ہو جایا کرتے تھے اور یہ نماز اشراق کا وقت تھا۔

[۳۷۱](٦) ویصلی الامام بالناس رکعتین [۳۷۲](۷) یکبر فی الاولی تکبیر ۃ الاحرام

حدیث سے معلوم ہوا کہ تسبیح یعنی نماز اشراق کے وقت آپ ﷺ نماز عید سے فارغ ہو جایا کرتے تھے۔اس لئے یہی وقت نماز عید کا ہوگا (۲) پہلے ضروری نوٹ میں ایک حدیث بخاری کی گزری جس میں یہ لفظ تھا **عن البراء بن عازب قال قال سمعت النبی ﷺ یخطب فقال ان اول ما نبدأبه فی یومنا هذا ان نصلی ثم نرجع فننحر** (الف)(بخاری شریف، باب سنۃ العیدین لاہل الاسلام ص ۱۲۱ نمبر ۹۵۱) جس سے معلوم ہوا کہ اس دن سورج نکلنے کے بعد پہلی چیز نماز عید پڑھنا ہے۔اس لئے سورج بلند ہونے کے بعد عید کی نماز کا وقت ہوگا۔اور زوال کے بعد وقت ختم ہو جائے گا۔اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن عمومة له من اصحاب النبی ﷺ ان رکبا جاء وا الی النبی ﷺ یشهدون انهم روا الهلال بالامس فامرهم ای یفطروا واذا اصبحوا ان یغدوا الی مصلاهم** (ب)(ابوداؤد شریف ،باب اذا لم یخرج الامام للعید من یومہ یخرج من الغد ص ۱۷۱ نمبر ۱۱۵۷)اس حدیث میں زوال کے بعد چاند دیکھنے کی گواہی دی ہے تو اس دن نماز نہیں پڑھی بلکہ اگلے دن صبح کو نماز عید پڑھنے کے لئے کہا جو اس بات کی دلیل ہے کہ زوال کے بعد عید کا وقت نہیں رہتا۔

[۳۷۱](٦)امام لوگوں کو نماز پڑھائے گا دو رکعت۔

وجہ حدیث میں ہے **عن ابن عباس ان النبی ﷺ خرج یوم الفطر فصلی رکعتین لم یصل قبلها ولا بعدها** (ج)(بخاری شریف، باب الصلوۃ قبل العید وبعدھا ص ۱۳۵ نمبر ۹۸۹)اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے عید کی نماز صرف دو رکعت پڑھائی۔اس لئے عید کی نماز صرف دو رکعت ہوگی۔

[۳۷۲](۷) تکبیر کہے گا پہلی رکعت میں تکبیر احرام اور اس کے بعد تین تکبیریں پھر سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ سورۃ ملائے پھر تکبیر کہے اور رکوع میں جائے۔

تشریح تکبیر احرام کے بعد عیدین میں تین تکبیر زوائد ہیں۔اس کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھے اور اس کے ساتھ سورۃ ملائے گا پھر تکبیر کہتے ہوئے رکوع میں جائے گا۔

وجہ تین تکبیر زوائد کی دلیل یہ حدیث ہے **سأل ابو موسی الاشعری و حذیفة بن الیمان کیف کان رسول الله یکبر فی الاضحی والفطر؟ فقال ابو موسی کان یکبر اربعا تکبیرة علی الجنائز فقال حذیفة صدق** (د)(ابوداؤد شریف، باب التکبیر فی العیدین ص ۱۷۰ نمبر ۱۱۵۳ رسنن للبیھقی ،باب ذکر الخبر الذی روی فی التکبیر اربعاج ثالث ص ۲۸۹ رمصنف عبد الرزاق، باب التکبیر

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا سب سے پہلی چیز جو شروع کریں گے اس دن وہ یہ کہ نماز پڑھیں گے، پھر واپس ہونگے اور قربانی کریں گے (ب) راوی کے چچا نے خبر دی کہ کچھ سوار حضورؐ کے پاس آئے اور گواہی دی کہ انہوں نے کل گذشتہ رات چاند دیکھا ہے تو آپؐ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ افطار کریں اور جب صبح ہو تو عید گاہ آئیں (ج) ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ عید الفطر کے دن نکلے اور دو رکعت نماز پڑھی۔اس کے پہلے بھی نماز نہیں پڑھی اور بعد میں بھی نہیں پڑھی (د) حضرت موسی اشعریؓ نے فرمایا کہ حضور تکبیر کہا کرتے تھے عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں چار جیسے جنازہ پر تکبیر کہتے ہیں۔حضرت حذیفہؓ نے فرمایا سچ کہا۔

وثلثا بعدها ثم یقرأ فاتحة الکتاب وسورة معها ثم یکبر تکبیرة یرکع بها[۳۷۳](۸) ثم یبدئ فی الرکعة الثانیة بالقراءة فاذا فرغ من القراءة کبر ثلث تکبیرات وکبر تکبیرة رابعة یرکع بها[۳۷۴](۹) ویرفع یدیه فی تکبیرات العیدین.

فی الصلوۃ یوم العید ج ثالث ص۲۹۳ نمبر ۵۶۸۶) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ عید کی نماز میں پہلی رکعت میں تکبیر احرام کے بعد تین تکبیر کہی جائے گی۔ تو تکبیر احرام کے ساتھ چار تکبیریں ہوگئیں۔ اس طرح دوسری رکعت میں قرأت کے بعد تین تکبیر زائد کہی جائے گی تو تکبیر رکوع کے ساتھ چار تکبیریں ہو جائیں گی۔ اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد چار تکبیر کہی جائے گی اس کی دلیل یہ اثر ہے **فاسندوا امرھم الی ابن مسعود فقال تکبیر اربعا قبل القراءة ثم تقرأ فاذا فرغت کبرت فرکعت ثم تقوم فی الثانیة فتقرأ فاذا فرغت کبرت اربعا** (الف) (سنن للبیہقی، باب ذکر الخبر الذی روی فی التکبیر اربعا ج ثالث ص۴۰۸، نمبر ۶۱۸۳) اس اثر میں موجود ہے کہ دوسری رکعت میں قرأت کے بعد چار تکبیر کہی جائے گی۔ تین تکبیر زوائد کی اور ایک تکبیر رکوع کی ہوگی۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک پہلی رکعت میں سات تکبیر اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیر کہی جائے گی اور دونوں میں قرأت کے پہلے تکبیر کہی جائے گی۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص قال قال نبی اللہ التکبیر فی الفطر سبع فی الاولی و خمس فی الآخرة والقراءة بعدھما کلیتھم** (ب) (ابوداؤد شریف، باب التکبیر فی العیدین ص۱۷۰ نمبر ۱۱۵۱ / دار قطنی، کتاب العیدین ج ثانی ص۳۶ نمبر ۱۷۱۱) ان احادیث سے ثابت ہوا کہ پہلی رکعت میں سات اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں کہی جائے گی۔ اور قرأت سے پہلے کہی جائے گی۔ یہ اختلاف استحباب کا ہے۔

[۳۷۳](۸) پھر شروع کرے گا دوسری رکعت میں قرأت کے ساتھ، پس جب فارغ ہو جائے قرأت سے تو تکبیر کہے تین تکبیریں اور چوتھی تکبیر کہے اور اس کے ساتھ رکوع میں جائے۔

وجہ پوری تفصیل اور دلیل گزر گئی ہے۔

[۳۷۴](۹) دونوں ہاتھ عیدین کی تکبیر میں اٹھائے گا۔

وجہ **ان عمر بن الخطاب کان یرفع یدیه مع کل تکبیرة فی الجنازة والعیدین وھذا منقطع** (ج) (سنن للبیہقی، باب رفع الیدین فی تکبیر العید ج ثالث ص۴۱۲، نمبر ۶۱۸۹ / مصنف عبد الرزاق، باب التکبیر بالیدین ج ثالث ص۲۹۷ نمبر ۵۶۹۹) اس سے معلوم ہوا کہ تکبیر زوائد کہتے وقت ہاتھ بھی کانوں تک اٹھائے گا۔

حاشیہ : (الف) راوی اپنی سند حضرت عبد اللہ ابن مسعود تک لے گئے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا چار تکبیر کہی جائے گی قرأت سے پہلے پھر قرأت کی جائے گی پس جب قرأت سے فارغ ہو جائیں تو تکبیر کہیں اور رکوع کریں۔ پھر دوسری رکعت میں کھڑے ہوں پس قرأت کریں پس جب قرأت سے فارغ ہو جائیں تو چار تکبیر کہیں (ب) آپؐ نے فرمایا تکبیر عید الفطر میں سات ہیں پہلی رکعت میں اور پانچ دوسری رکعت میں، اور قرأت دونوں ہی کے بعد ہے (ج) حضرت عمر ابن خطابؓ ہاتھ اٹھایا کرتے تھے ہر تکبیر کے ساتھ جنازہ میں اور عیدین میں، یہ حدیث منقطع ہے۔

[۳۷۵] (۱۰) ثم يخطب بعد الصلوة خطبتين يعلم الناس فيهما صدقة الفطر واحكامها [۳۷۶] (۱۱) ومن فاتته صلوة العيد مع الامام لم يقضها [۳۷۷] (۱۲) فان غم الهلال عن الناس وشهدوا عند الامام برؤية الهلال بعد الزوال صلى العيد من الغد [۳۷۸] (۱۳)

---

[۳۷۵] (۱۰) پھر نماز کے بعد خطبہ دیں گے دو خطبے، ان میں لوگوں کو صدقۂ فطر اور اس کے احکام سکھلائیں گے۔

تشریح جس طرح جمعہ میں دو خطبے دیئے جاتے ہیں اسی طرح عیدین میں بھی دو خطبے دیئے جائیں گے۔ اور عید الاضحیٰ کا موقع ہوگا تو قربانی کے مسائل سکھلائے جائیں گے۔ نماز کے بعد خطبہ دینے کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابن عمر قال کان النبی ﷺ وابو بکر و عمر یصلون العیدین قبل الخطبة** (الف) (بخاری شریف، باب الخطبۃ بعد العید ص ۱۳۱ نمبر ۹۶۳) اس سے معلوم ہوا کہ خطبہ نماز کے بعد دیا جائے گا، بخاری شریف، حدیث نمبر ۹۷۵ میں نماز کے بعد خطبہ کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ عبارت یہ ہے۔ **سمعت ابن عباسؓ قال خرجت مع النبی ﷺ یوم فطر او اضحی فصلی العید ثم خطب ثم اتی النساء فوعظهن** (بخاری شریف، باب خروج الصبیان الی المصلی، ص ۱۳۲، نمبر ۹۷۵) اس حدیث میں خطبے کا تذکرہ ہے، اور یہ بھی ہے کہ نماز کے بعد خطبہ دیا۔

[۳۷۶] (۱۱) جس کی عید کی نماز فوت ہو جائے امام کے ساتھ اس کو قضا نہیں کرے گا۔

وجہ (۱) نماز عید اجتماعیت کے ساتھ مشروع ہے اور جس کی نماز عید امام کے ساتھ چھوٹ گئی تو اب اجتماعیت نہیں ہوگی اس لئے اب نماز عید کو قضا نہیں کرے گا۔ البتہ دو رکعت نفل کے طور پر پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے۔ دلیل یہ قول ہے **قال عطاء اذا فاته العید صلی رکعتین** (ب) (بخاری شریف، باب اذا فاتہ العید صلی رکعتین ص ۱۳۴ نمبر ۹۸۷) (۲) **قال عبد اللہ من فاته العید فلیصل اربعا** (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۲۹ الرجل تفوتہ الصلوۃ فی العید کم یصلی ج ثانی ص ۴، نمبر ۵۷۹۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جس کی نماز عید فوت ہو جائے وہ نفلی طور پر چار رکعت پڑھے۔

[۳۷۷] (۱۲) پس اگر لوگوں کو چاند نظر نہ آئے اور امام کے پاس چاند دیکھنے کی گواہی زوال کے بعد دی تو عید کی نماز اگلی صبح کو پڑھے گا۔

وجہ حدیث میں ہے **عن ابی عمیر بن انس عن عمومة له من اصحاب النبی ﷺ ان رکبا جاء وا الی النبی ﷺ یشهدون انهم روا الهلال بالامس فامرهم ان یفطروا واذا اصبحوا ان یغدوا الی مصلا هم** (د) (ابوداؤد شریف، باب اذا لم یخرج الامام للعید من یومہ یخرج من الغد ص ۱۷۱ نمبر ۱۱۵۷ رسنن للبیہقی، باب الشہود یشہدون علی رؤیۃ الہلال آخر النہار ج ثالث ص ۴۴۲، نمبر ۶۲۸۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زوال کے بعد چاند دیکھنے کی گواہی آئے تو اگلے دن نماز عید پڑھی جائے گی۔

[۳۷۸] (۱۳) پس اگر کوئی عذر پیش آ جائے کہ لوگوں کو دوسرے دن بھی نماز سے روک دے تو اس کے بعد نماز عید نہیں پڑھی جائے گی۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ، ابو بکرؓ اور عمرؓ عیدین کی نماز خطبہ سے پہلے پڑھتے (ب) حضرت عطا نے فرمایا اگر عید فوت ہو جائے تو دو رکعت نماز پڑھے (ج) حضرت عبد اللہ نے فرمایا جس کی عید فوت ہو جائے تو وہ چار رکعت نماز پڑھے (د) ابو عمیر بن انس فرماتے ہیں کہ کچھ سوار حضورؐ کے پاس آئے۔ انہوں نے کل چاند دیکھنے کی گواہی دی تو آپؐ نے ان کو حکم دیا کہ افطار کرے اور جب صبح کرے تو عید گاہ کی طرف آئے۔

فان حدث عذر منع الناس من الصلوۃ فی الیوم الثانی لم یصلجھا بعدہ [۳۷۹](۱۴) ویستحب فی یوم الاضحی ان یغتسل ویتطیب ویؤخر الاکل حتی یفرغ من الصلوۃ [۳۸۰](۱۵) و یتوجہ الی مصلی وھو یکبر [۳۸۱] (۱۶) ویصلی الضحی رکعتین کصلوۃ الفطر ویخطب بعدھا خطبتین یعلم الناس فیھا الاضحیۃ وتکبیرات التشریق

تشریح دوسرے دن بھی کسی عذر کی وجہ سے نماز عید نہیں پڑھ سکا تو اب تیسرے دن نماز عید نہیں پڑھی جائے گی۔

وجہ جمعہ کی نماز کی طرح عید کی بھی قضا نہیں ہونی چاہئے لیکن حدیث مذکور کی وجہ سے خلاف قیاس دوسرے دن قضا کروایا۔ لیکن تیسرے دن قضا کرنے کی حدیث نہیں ہے اس لئے تیسرے دن قضا نہیں کرے گا۔

[۳۷۹] (۱۴) عید الاضحیٰ کے دن مستحب ہے کہ غسل کرے، خوشبو لگائے اور کھانا مؤخر کرے یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو جائے۔

وجہ عید الاضحیٰ عید الفطر کی طرح ہے۔ اس لئے اس میں بھی غسل کرے گا اور خوشبو لگائے گا۔ ان دونوں کی دلیل مسئلہ نمبر ۲ میں گزر چکی ہے۔ اور کھانا نماز کے بعد کھانا مستحب ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے **حدثنا عبد اللہ بن بریدۃ عن ابیہ ان النبی ﷺ کان لا یخرج یوم الفطر حتی یطعم و کان لا یأکل یوم النحر شیئا حتی یرجع فیأکل من اضحیتہ** (الف) (دار قطنی، کتاب العیدین ج ثانی ص ۳۴ نمبر ۱۶۹۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قربانی کے موقع پر نماز عید کے بعد کھائے گا (۲) یوں بھی روز کھاتا رہا ہے تو آج تھوڑی دیر کے لئے نہ کھائے تا کہ عبادت ہو جائے۔

[۳۸۰] (۱۵) عید گاہ کی طرف متوجہ ہوگا تکبیر کہتے ہوئے۔

تشریح زور سے تکبیر کہتے ہوئے عید گاہ جائے گا۔

وجہ حدیث مسئلہ نمبر ۳ میں گزر گئی۔ اثر بھی ہے۔ **عن ابن عمرؓ انہ کان غدا یام الاضحی ویوم الفطر یجھر بالتکبیر حتی یاتی المصلی ثم یکبر حتی یاتی الامام** (دار قطنی، کتاب العیدین، ج ثانی، ص ۳۴، نمبر ۱۷۰۰)

[۳۸۱] (۱۶) عید الاضحیٰ کی نماز پڑھے گا دو رکعت عید الفطر کی نماز کی طرح اور اس کے بعد خطبہ دے گا دو خطبے اس میں لوگوں کو قربانی کے احکام اور تکبیر تشریق سکھائیں گے۔

تشریح عید الاضحیٰ کی نماز عید الفطر کی نماز کی طرح ہے۔ اور اس میں عید الفطر کی طرح دو خطبے دیئے جاتے ہیں۔ البتہ اس کے خطبے میں قربانی کے احکام اور تکبیر تشریق کے احکام سکھائے جائیں گے۔ کیونکہ خطبہ احکام سکھانے کے لئے مروج ہے اور یہ موقع قربانی اور تکبیر تشریق کا ہے۔ اس لئے یہی احکام سکھائے جائیں گے (۲) بخاری شریف، باب الاکل یوم النحر ص ۱۳۰ نمبر ۹۵۴ میں آپؐ نے عید الاضحیٰ کے خطبہ کے موقع پر قربانی کے احکامات بیان فرمائے ہیں۔

حاشیہ : (الف) آپؐ عید الفطر میں نہیں نکلتے یہاں تک کہ کھا لیتے اور یوم النحر میں نہیں کھاتے کچھ، یہاں تک کہ واپس لوٹتے اور قربانی کے گوشت میں سے کھاتے۔

[۳۸۲](۱۷) فان حدث عذر منع الناس من الصلوۃ یوم الاضحی صلاھا من الغد و بعد الغد ولا یصلیھا بعد ذلک[۳۸۳] (۱۸) وتکبیر التشریق اولہ عقیب صلوۃ الفجر من یوم عرفۃ وآخرہ عقیب صلوۃ العصر یوم النحر عند ابی حنیفۃ[۳۸۴] (۱۹) وقال ابو یوسف و محمد الی صلوۃ العصر من آخر ایام التشریق [۳۸۵](۲۰) والتکبیر عقیب

---

[۳۸۲] (۱۷) پس اگر کوئی عذر پیش آجائے کہ لوگوں کو عید الاضحیٰ کی نماز سے روک دے تو نماز پڑھے گا کل اور پرسوں اور نہیں پڑھے گا اس کے بعد

تشریح عید الاضحیٰ کی نماز دسویں تاریخ کو پڑھی جائے گی لیکن کوئی عذر پیش آجائے تو گیارہویں کو پڑھے اور اس پر بھی کوئی عذر پیش آجائے تو بارہویں کو پڑھے۔ البتہ تیرہویں کو نہیں پڑھ سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قربانی تین دن مشروع ہے اور یہ عید قربانی کی ہے اس لئے بارہویں تک قربانی مشروع ہے تو بارہویں تک عید کی نماز بھی عذر کی وجہ سے پڑھ سکتا ہے۔

[۳۸۳] (۱۸) تکبیر تشریق اس کی ابتدا یوم عرفہ کی فجر کی نماز کے بعد سے یوم النحر کے عصر کی نماز کے بعد تک ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک۔

تشریح تکبیر تشریق ذی الحجہ کی نویں تاریخ کی فجر کی نماز کے بعد شروع کرے گا اور ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کی عصر کی نماز کے بعد تک یعنی کل آٹھ نمازوں تک کہے گا۔

وجہ ان کی دلیل یہ اثر ہے **عن ابی وائل عن عبد اللہ انہ کان یکبر من صلوۃ الفجر یوم عرفۃ الی صلوۃ العصر من یوم النحر** (الف) مصنف بن ابی شیبۃ ۱۴ التکبیر من ای یوم ھوالی ای ساعۃ ج اول، ص ۴۸۸ نمبر ۵۶۳۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ یوم النحر یعنی دسویں ذی الحجہ کی عصر تک تکبیر تشریق کہی جائے گی۔

[۳۸۴] (۱۹) اور صاحبین نے فرمایا (یوم عرفہ کی فجر سے) آخری ایام تشریق کی عصر کی نماز تک۔

تشریح نویں ذی الحجہ کی فجر سے تیرہویں تاریخ کی عصر کے بعد تک تکبیر تشریق صاحبین کے نزدیک کہی جائے گی۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن جابر بن عبد اللہ قال کان رسول اللہ ﷺ یکبر فی صلوۃ الفجر یوم عرفۃ الی صلوۃ العصر من آخر ایام التشریق حین یسلم من المکتوبات** (ب) (دار قطنی، کتاب العیدین ج ثانی ص ۳۷ نمبر ۱۷۱۹ رسنن للبیھقی، باب من استحب ان یبتدئ بالتکبیر خلف صلوۃ الصبح من یوم عرفۃ ج ثالث ص ۴۴۰، نمبر ۶۲۷۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نویں کی صبح سے تیرہویں کی عصر تک تکبیر تشریق ہر فرض نماز کے بعد کہی جائے گی۔ آج کل اسی پر فتوی ہے۔

لغت عقیب : بعد میں

[۳۸۵] (۲۰) تکبیر فرض نماز کے بعد اس طرح ہے اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔

حاشیہ : (الف) عبد اللہ بن مسعود تکبیر تشریق کہتے تویں تاریخ کی فجر کے بعد سے دسویں تاریخ کی عصر تک (ب) آپ تکبیر کہتے تھے نویں تاریخ کی فجر کے بعد سے آخری ایام تشریق کی عصر تک جس وقت فرض نماز کا سلام پھیرتے (نوٹ) آخری ایام تشریق تیرہویں ذی الحجہ تک ہے۔

الصلوات المفروضات الله اكبر الله اكبر لا اله الا الله والله اكبر الله اكبر ولله الحمد.

وجہ فرض نماز کے بعد تکبیر کہنے کی دلیل مسئلہ نمبر ۱۹ کی حدیث ہے حين يسلم من المكتوبات (دار قطنی نمبر ۱۷۱۹)
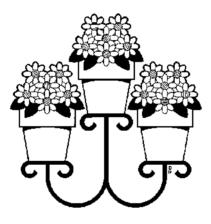
﴿باب صلوۃ الکسوف﴾

[۳۸۶](۱)اذا انکسفت الشمس صلی الامام بالناس رکعتین کھیئۃ النافلۃ فی کل رکعۃ رکوع واحد.

﴿باب صلوۃ الکسوف﴾

ضروری نوٹ سورج گرہن کو کسوف کہتے ہیں۔اس وقت نماز سنت ہے۔اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابی بکرۃ قال کنا عند النبی ﷺ فانکسفت الشمس فقام رسول اللہ یجر رداء ہ حتی دخل المسجد فدخلنا فصلی بنا رکعتین حتی انجلت الشمس فقال النبی ﷺ ان الشمس والقمر لا ینکسفان لموت احد فاذا رأیتموھا فصلوا وادعوا حتی ینکشف ما بکم** (الف)(بخاری شریف، باب الصلوۃ فی کسوف الشمس ص ۱۴۱ نمبر ۱۰۴۰ ابواب الکسوف/ابوداؤد شریف، باب من قال اربع رکعات ص ۱۷۵ نمبر ۱۱۸۵،اس باب کی آخری حدیث ہے)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورج گرہن کے وقت نماز پڑھنی چاہئے۔

[۳۸۶](۱)جب سورج گرہن ہو جائے تو امام لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائے گا نفل کی طرح ہر رکعت میں ایک رکوع۔

تشریح سورج گرہن ہو جائے تو امام جماعت کے ساتھ نماز پڑھائے گا۔اور جس طرح عام نفل پڑھتے ہیں کہ ہر ایک رکعت میں ایک رکوع کرتے ہیں اور قرأت آہستہ کرتے ہیں۔اسی طرح نماز کسوف بھی پڑھائیں گے۔

وجہ اوپر کی حدیث میں تھا کہ دو رکعت نماز پڑھائے گا۔اور اس میں دو رکوع کا ذکر نہیں تھا اس لئے ایک رکعت میں دو رکوع نہیں کریں گے(۲) **عن قبیصۃ الھلالی قال کسفت الشمس علی عھد رسول اللہ فخرج فزعا یجر ثوبہ وانا معہ یومئذ بالمدینۃ فصلی رکعتین فاطال فیھما القیام ثم انصرف وانجلت فقال انما ھذہ الآیات یخوف اللہ عز و جل بھا فاذا رأیتموھا فصلو اکاحدث صلوۃ صلیتموھا من المکتوبۃ** (ب)(ابوداؤد شریف، باب من قال اربع رکعات ص ۱۷۵ نمبر ۱۱۸۵ سنن للبیہقی باب من صلی فی الخسوف رکعتین ج ثالث ص ۴۶۴، نمبر ۶۳۳۳)اس حدیث میں ہے کہ فجر کی نماز میں جس طرح ایک رکوع کے ساتھ نماز پڑھی اسی طرح نماز سورج گرہن کی پڑھی جائیگی۔احدث صلوۃ من المکتوبۃ سے فجر کی نماز مراد ہے۔نیز اس حدیث میں دو مرتبہ رکوع کرنے کا تذکرہ نہیں ہے(۳)سمرۃ بن جندب کی لمبی حدیث ہے۔جس کا ٹکڑا اس طرح ہے **فصلی فقام بنا کاطول ما قام بنا فی صلوۃ قط لا نسمع لہ صوتا قال ثم رکع بنا کاطول ما رکع بنا فی صلوۃ قط لا نسمع لہ صوتا قال ثم سجد بنا**

حاشیہ : (الف)ابی بکرہ فرماتے ہیں کہ ہم حضورؐ کے پاس تھے کہ سورج گرہن ہوا۔تو حضورؐ اپنی چادر کھینچتے ہوئے کھڑے ہوئے۔یہاں تک کہ مسجد میں داخل ہوئے تو ہم لوگ بھی داخل ہوئے تو ہمیں آپؐ نے دو رکعت نماز پڑھائی۔یہاں تک کہ سورج کھل گیا۔پھر آپؐ نے فرمایا کہ سورج اور چاند کسی کے مرنے سے گرہن نہیں ہوتے۔اور جب کہ تم ایسی حالت دیکھو تو نماز پڑھو اور دعا کرو یہاں تک کہ کھل جائے جو ہو رہا ہے(ب)قبیصہ ہلالی فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے زمانے میں سورج گرہن ہوا تو آپ گھبرا کر نکلے کپڑا کھینچتے ہوئے اور میں آپؐ کے ساتھ اس دن مدینہ میں تھا۔تو دو رکعت نماز پڑھائی اور ان دونوں میں لمبا قیام کیا۔پھر واپس لوٹے اور سورج کھل گیا۔پھر فرمایا یہ نشانیاں ہیں،اللہ عز وجل اس سے ڈراتے ہیں۔پس جب اس کو دیکھو تو نماز پڑھو ابھی جو نئی فرض نماز پڑھ چکے ہو یعنی فجر کی نماز کی طرح۔

[۳۸۷](۲) ويطول القراءة فيهما ويخفى عند ابى حنيفة وقال ابو يوسف و محمد

كاطول ما سجد بنا فى صلوة قط لا نسمع له صوتا ثم فعل فى الركعة الاخرى مثل ذلك (الف) (ابوداؤد شریف، باب من قال اربع رکعات ص ۱۷۵ نمبر ۱۱۸۴) اس حدیث میں بھی اس بات کا تذکرہ ہے کہ ایک رکعت میں دو رکوع نہیں کئے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ سورج گرہن کی نماز میں ایک رکعت میں دو رکوع نہیں کریں گے۔ بلکہ ایک رکوع ہی کیا جائے گا (۴) صرف یہی ایک نماز ہے جس میں دو رکوع کا تذکرہ ہے باقی نمازوں میں ایک رکوع ہے۔ اس لئے امام ابوحنیفہ اس طرف گئے ہیں جس میں ایک رکوع کا تذکرہ ہے۔ البتہ کوئی دو رکوع کرے گا تو نماز فاسد نہیں ہوگی بلکہ نماز صحیح ہوگی۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ سورج گرہن کی ہر رکعت میں دو رکوع ہوں۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے **ان عائشة زوج النبى ﷺ اخبرته ان رسول الله ﷺ صلى يوم خسفت الشمس فقام فكبر فقرأ قراءة طويلة ثم ركع ركوعا طويلا ثم رفع رأسه فقال سمع الله لمن حمده وقام كما هو ثم قرأ قراءة طويلةوهى ادنى من القراءة الاولى ثم ركع ركوعا طويلا وهى ادنى من الركعة الاولى ثم سجد سجودا طويلا ثم فعل فى الركعة الآخرة مثل ذلك ثم سلم وقد تجلت الشمس (ب)** (بخاری شریف، باب ھل یقول کسفت الشمس او خسفت ص ۱۴۲ نمبر ۱۰۴۷ رمسلم شریف، کتاب الکسوف ص ۲۹۵ نمبر ۹۰۱) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ہر رکعت میں دو رکوع ہوں۔

[۳۸۷](۲) دونوں رکعتوں میں قرأت لمبی کی جائے گی اور آہستہ کی جائے گی امام ابوحنیفہ کے نزدیک، اور کہا صاحبین نے کہ زور سے پڑھی جائے گی **وجہ** (۱) مسئلہ نمبر ایک میں ابوداؤد شریف کی حدیث گزری جس میں یہ الفاظ تھے **فقام بنا كاطول ماقام بنا فى صلوة قط لا نسمع له صوتا (ج)** (ابوداؤد شریف، باب من قال اربع رکعات ص ۱۷۵ نمبر ۱۱۸۴) اس حدیث میں راوی فرماتے ہیں کہ قیام کی حالت میں بھی آپ کی آواز ہم نہیں سنتے تھے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ قرأت سری کر رہے تھے (۲) اس ابوداؤد شریف کی دوسری حدیث ہے **عن عائشة قالت كسفت الشمس على عهد رسول الله ﷺ فخرج رسول الله فصلى بالناس فقام فحزرت قرأته فرأيت انه قرأ سورة البقرة (د)** (ابوداؤد شریف، باب القراءة فی صلوۃ الکسوف ص ۱۷۵ نمبر ۱۱۸۷) اس حدیث میں ہے کہ میں نے اندازہ لگایا کہ آپ کی قرأت سورۂ بقرہ اتنی لمبی تھی۔ اندازہ لگانے کا مطلب یہ ہوگا کہ آپؐ نے قرأت زور سے نہیں کی۔ ورنہ تو صاف کہتے کہ

(ج) پس آپؐ نے نماز پڑھائی تو ہم کو اتنی لمبی دیر تک لیکر کھڑے ہوئے کہ کبھی بھی اتنی دیر تک لیکر کھڑے نہیں ہوئے۔ آپ کی کوئی آواز ہم نہیں سنتے تھے۔ پھر ہم کو اتنا لمبا رکوع کروایا کہ کسی نماز میں اتنا لمبا رکوع نہیں کروایا۔ ہم آپ کی کوئی آواز نہیں سنتے تھے۔ فرمایا پھر ہم کو اتنا لمبا سجدہ کروایا کہ اتنا لمبا سجدہ کسی نماز میں کبھی نہیں کروایا۔ ہم آپ کی کوئی آواز نہیں سنتے تھے۔ پھر دوسری رکعت میں ایسا ہی کیا (ب) آپؐ نے نماز پڑھی اس دن جب سورج گرہن ہوا۔ پس کھڑے ہوئے اور تکبیر کہی اور لمبی قرأت کی، پھر لمبا رکوع کیا، پھر سر اٹھایا پھر کہا سمع اللہ لمن حمدہ پھر کھڑے ہوئے جیسے تھے پھر لمبی قرأت کی وہ پہلی قرأت سے کم تھی پھر لمبا رکوع کیا وہ پہلے رکوع سے کم تھا پھر لمبا سجدہ کیا پھر دوسری رکعت میں بھی ایسا ہی کیا پھر سلام پھیرا اور سورج کھل چکا تھا (ج) ہم کو بہت لمبی دیر تک لیکر کھڑے ہوئے کسی بھی نماز میں اتنی دیر تک لیکر کھڑے نہیں ہوئے۔ ہم آپ کی آواز نہیں سن رہے تھے (د) حضرت عائشہ نے فرمایا سورج حضورؐ کے زمانے میں گرہن ہوا تو حضورؐ نکلے اور لوگوں کو نماز پڑھائی، پس کھڑے ہوئے تو میں نے آپ کی قرأت کا اندازہ لگایا تو دیکھا کہ آپ نے سورۂ بقرہ کے مطابق پڑھی ہے۔

یجھر [۳۸۸](۳) ثم یدعو بعدھا حتی تنجلی الشمس[۳۸۹] (۴) ویصلی بالناس الامام الذی یصلی بھم الجمعة فان لم یحضر الامام صلّیھاالناس فرادی[۳۹۰] (۵) ولیس فی خسوف القمر جماعة وانما یصلی کل واحد بنفسه[۳۹۱] (۶) ولیس فی الکسوف

آپؐ نے سورۂ بقرہ پڑھی۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوۃ کسوف میں قرأت سری تھی۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ قرأت زور سے پڑھی جائے گی۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن عائشة قالت جھر النبی ﷺ فی صلوۃ الخسوف بقراء ته** (بخاری شریف، باب الجھر بالقراءۃ فی الکسوف ص۱۴۵ نمبر ۱۰۶۵/ابوداؤد شریف، باب القراءۃ فی صلوۃ الکسوف ص۱۷۵ نمبر ۱۱۸۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ نے قرأت جہری کی تھی۔اس لئے سورج گرہن کی نماز میں جہری قرأت سنت ہے۔

[۳۸۸] (۳) پھر دعا کریں گے یہاں تک کہ سورج کھل جائے۔

تشریح سورج گرہن کی نماز لمبی پڑھی جائے گی۔لیکن لمبی نماز پڑھنے کے بعد بھی گرہن ختم نہ ہوتو دعا کرتے رہیں گے۔یہاں تک کہ گرہن ختم ہوجائے۔اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابی ھریرۃ ...... فقال ان الشمس والقمر آیتان من آیت اللہ وانھما لایخسفان لموت احد فاذا کان ذلک فصلوا وادعوا حتی یکشف ما بکم** (الف) (بخاری شریف، باب الصلوۃ فی کسوف القمر ص۱۴۵ نمبر ۱۰۶۳) اس حدیث میں ہے کہ نماز پڑھواور اس وقت تک دعا کرتے رہو جب تک گرہن ختم نہ ہوجائے۔

[۳۸۹] (۴) لوگوں کو وہ امام نماز پڑھائے جو لوگوں کو جمعہ پڑھاتے ہیں، پس اگر امام حاضر نہ ہوتو لوگ تنہا تنہا نماز پڑھیں گے۔

وجہ امام نہیں ہونگے تو لوگ انتشار پھیلائیں گے اور شور کریں گے اس لئے امام ہوتو جماعت کے ساتھ نماز پڑھائے اور امام نہ ہوتو پھر الگ الگ نماز پڑھے (۲) سورج گرہن کے وقت حضورؐ نے نماز پڑھائی اس کا مطلب یہ ہے کہ امام نماز پڑھائیں گے۔

[۳۹۰] (۵) اور چاند گرہن میں جماعت نہیں ہے۔صرف ہر آدمی الگ الگ نماز پڑھے گا۔

وجہ چاند گرہن رات میں ہوتا ہے جس کی وجہ سے اور زیادہ اندھیرا ہوجائے گا۔اس لئے اگر چاند گرہن میں جماعت کا التزام کرے تو لوگوں کو پریشانی ہوگی۔اور انتشار ہوگا۔اس لئے چاند گرہن کے موقع پر لوگ تنہا تنہا نماز پڑھیں گے (۲) ضروری نوٹ میں حدیث بخاری گزری **فاذا کان ذلک فصلوا وادعوا حتی یکشف بکم** (بخاری شریف ص۱۴۵ نمبر ۱۰۴۰) اس میں یہ ترغیب دی کہ اس قسم کی اللہ کی آیتیں ظاہر ہوں تو خود بخود نماز پڑھواور دعا کرو۔اس لئے چاند گرہن میں لاگ الگ الگ نماز پڑھیں گے۔

[۳۹۱] (۶) اور نماز کسوف میں خطبہ نہیں ہے۔

حاشیہ (الف) آپؐ نے فرمایا سورج اور چاند اللہ کی آیتوں میں سے نشانیاں ہیں۔وہ کسی کے مرنے کی وجہ سے گرہن نہیں ہوتے، پس جب ہوتو نماز پڑھواور دعا کرتے رہو یہاں تک کہ یہ کھل جائیں۔

خطبة.

تشریح حضورؐ نے نماز کسوف کے بعد خطبہ دیا ہے لیکن وہ ایک رسم کو دور کرنے کے لئے تھا کہ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ کسی کے مرنے یا زندہ ہونے پر سورج گرہن ہوتا ہے اور اس دن آپ کا صاحبزادہ حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا تھا۔اس لئے آپؐ نے اس کی نفی کے لئے خطبہ دیا لیکن نماز عید اور نماز جمعہ کی طرح باضابطہ خطبہ دینا ضروری نہیں ہے۔خطبہ کے بغیر بھی نماز ہو جائے گی۔ایسے آیۃ من آیات اللہ کے وقت نماز پڑھنا دعا کرنا اور اپنے گناہوں کا استغفار کرنا اصل ہے۔اس کی طرف خود راوی اشارہ فرما رہے ہیں **عن ابی بکرۃ ... فقال (ﷺ) ان الشمس والقمر آیتان من آیات اللہ وانھما لا یخسفان لموت احد واذا کان ذلک فصلوا وادعوا حتی ینکشف ما بکم وذلک ان ابنا للنبی ﷺ مات یقال لہ ابراھیم فقال الناس فی ذلک** (الف)(بخاری شریف، باب الصلوۃ فی کسوف القمر ص۱۴۵ نمبر۱۰۶۳)اس حدیث میں نماز کے بعد فقال: سے اخیر تک خطبہ دیا ہے۔لیکن راوی خود فرماتے ہیں کہ یہ خطبہ اس بنا پر تھا کہ آپؐ کے صاحبزادے ابراہیم کا اس دن انتقال ہوا تھا۔اس لئے لوگوں کے اعتقادات کو ختم کرنے کے لئے خطبہ دیا تھا۔ورنہ اصل تو فصلوا وادعوا ہے۔اور دوسری حدیث میں ہے۔ **فاذا رأیتم شیئا من ذلک فافزعوا الی ذکر اللہ ودعائہ واستغفارہ** (ب)(بخاری شریف، باب الذکر فی الکسوف ص۱۴۵ نمبر۱۰۵۹) کہ ان آیات کے وقت گھبرا کر اللہ کے ذکر اور استغفار کی طرف جاؤ۔کبھی لوگوں کو یہ سب مسائل سمجھانے کی ضرورت پڑے تو سمجھا دیں۔باضابطہ خطبہ ضروری نہیں کہ اس کے بغیر نماز کسوف نہیں ہوگی۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا سورج اور چاند اللہ کی آیتوں میں سے نشانیاں ہیں۔وہ کسی کے مرنے کی وجہ سے گرہن نہیں ہوتے۔پس جب یہ ہو تو نماز پڑھو اور دعا کرتے رہو۔یہاں تک یہ کھل جائیں۔اور یہ اس بنا پر کہا کہ حضورؐ کے صاحبزادے جنکو ابراہیم کہتے تھے کا انتقال ہوا تھا۔تو لوگ اس کے بارے میں بہت سی بات کہتے تھے (ب) پس ان نشانیوں میں کوئی چیز دیکھو تو گھبرا کر دوڑ و اللہ کے ذکر، دعا اور استغفار کی طرف۔

﴿باب صلوۃ الاستسقاء﴾

[۳۹۲](۱) قال ابو حنیفة لیس فی الاستسقاء صلوۃ مسنونة بالجماعةفان صلی الناس وحدانا جاز وانما الاستسقاء الدعاء والاستغفار [۳۹۳](۲) وقال ابو یوسف و محمد

﴿ باب صلوۃ الاستسقاء ﴾

ضروری نوٹ استسقاء کے معنی ہیں بارش طلب کرنا، ملک میں قحط سالی ہو جائے اور بارش نہ ہو تو استسقاء کیا جا سکتا ہے۔امام ابو حنیفہ کے نزدیک نماز پڑھنا کوئی ضروری نہیں ہے۔صرف دعا سے بھی استسقاء ہو سکتا ہے اور نماز بھی پڑھ سکتا ہے۔اور صاحبین کے نزدیک نماز استسقاء مسنون ہے۔دونوں کی دلیلیں نیچے آرہی ہیں۔اس کی دلیل یہ آیت بھی ہے **فقلت استغفروا ربکم انہ کان غفارا o یرسل السماء علیکم مدرارا o** (ب) (آیت ۱۰/۱۱ سورۂ نوح ۷۱) اس آیت میں ہے کہ اپنے اپنے گناہوں سے توبہ کرو تا کہ اللہ تعالی تم پر خوب بارش برسائے۔اور چونکہ نماز استسقاء میں اپنے گناہوں سے توبہ کرنا ہے اس لئے اس آیت سے استسقاء ثابت ہوتا ہے۔

[۳۹۲](۱) امام ابو حنیفہ نے فرمایا استسقاء میں جماعت کے ساتھ نماز مسنون نہیں ہے۔پس اگر تنہا تنہا نماز پڑھے تو جائز ہے، استسقاء صرف دعا اور استغفار کا نام ہے۔

تشریح آپ ؐ نے کبھی نماز استسقاء پڑھی ہے اور کبھی صرف جمعہ کے خطبہ کے وقت ہاتھ اٹھا کر دعا کی ہے۔اس لئے استسقاء دونوں طرح جائز ہے۔صرف نماز ہی پڑھنا مسنون نہیں ہے۔

وجہ آیت اوپر گزری جس میں یہ حکم ہے کہ اپنے گناہوں سے توبہ اور استغفار کرو تو بارش خوب ہوگی۔جس سے معلوم ہوا کہ گناہوں سے توبہ کر کے بارش مانگنا استسقاء ہے (۲) حدیث میں ہے کہ استسقاء کے لئے جمعہ کے خطبہ کے وقت آپ نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی ہے۔اسی سے بارش ہوگئی **عن انس بن مالک ان رجلا دخل المسجد یوم الجمعة ورسول اللہ ﷺ قائما یخطب ... فرفع رسول اللہ یدیہ قال اللھم اغثنا** (الف) (بخاری شریف، باب الاستسقاء فی خطبۃ الجمعۃ غیر مستقبل القبلۃ ص ۱۳۸ نمبر ۱۰۱۴/ مسلم شریف، کتاب الاستسقاء ص ۱۹۳ نمبر ۸۹۷/ ابو داؤد شریف، باب رفع الیدین فی الاستسقاء ص ۱۷۳ نمبر ۱۱۷۵، اس باب کی آخری حدیث ہے) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ ؐ نے اس کے لئے مستقل نماز نہیں پڑھی صرف دعا پر اکتفا کیا۔اس لئے امام ابو حنیفہ کے نزدیک نماز ضروری نہیں، صرف دعا اور استغفار سے بھی استسقاء ہو جائے گا۔اور نماز پڑھ لے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے، کیونکہ وہ بھی حدیث سے ثابت ہے۔

[۳۹۳](۲) امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا امام دو رکعت نماز پڑھائیں گے۔اور اس میں قرأت زور سے پڑھیں گے۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن عباد بن تمیم عن عمہ قال خرج النبی ﷺ یستسقی فتوجہ الی القبلة یدعو وحول**

حاشیہ : (الف) میں نے کہا اپنے رب سے استغفار کرو، وہ بہت معاف کرنے والے ہیں۔تم پر مسلسل بارش برسائے گا (ج) انس بن مالک ؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی جمعہ کے دن مسجد میں داخل ہوا اور حضور کھڑے خطبہ دے رہے تھے...آپ ؐ نے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا اللھم اغثنا۔

رحمهما الله تعالى يصلى الامام ركعتين يجهر فيهما بالقرائة [٣٩٤](٣) ثم يخطب ويستقبل القبلة بالدعاء ويقلب الامام ردائه ولا يقلب القوم اردیتهم [٣٩٥](٤) ولا يحضر اهل الذمة للاستسقاء.

رداءہ ثم صلی رکعتین یجهر فیهما بالقراءۃ (الف) (بخاری شریف، باب الجهر بالقراءۃ فی الاستسقاء ص ١٣٩ نمبر ١٠٢٤ / مسلم شریف، کتاب صلوۃ الاستسقاء ص ٢٩٣ نمبر ٨٩٤ / ابوداؤد شریف، ابواب صلوۃ الاستسقاء ص ١٧١ نمبر ١١٦١) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام دو رکعت نماز پڑھائیں گے۔ اور قرأت جہری کریں گے اور چادر کو بھی نیک فالی کے لئے پلٹیں گے کہ یا اللہ جس طرح چادر پلٹ رہا ہوں اس طرح میری حالت کو بھی پلٹ دے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ دعا کے وقت قبلہ کی طرف استقبال کرے۔

[٣٩٤] (٣) پھر امام خطبہ دے اور دعا کرتے ہوئے قبلہ کا استقبال کرے اور امام اپنی چادر کو پلٹے اور قوم اپنی اپنی چادر نہ پلٹے۔

وجہ باقی باتوں کے دلائل گزر گئے۔ خطبہ دینے کی دلیل یہ حدیث ہے **عن عائشة قالت شكا الناس الى رسول الله ﷺ قحوط المطر فامر بمنبر فوضع له في المصلى ... فقعد على المنبر فكبر وحمد الله عزوجل** الخ (ب) (ابوداؤد شریف، باب رفع الیدین فی الاستسقاء ص ١٧٢ نمبر ١١٧٣) اس حدیث میں اس کا تذکرہ ہے کہ آپؐ کے لئے منبر رکھا گیا اور اس پر آپؐ بیٹھ گئے اور تکبیر وتحمید کی جس میں خطبہ کا اشارہ ہے۔ البتہ ایسا خطبہ نہیں دیا جو عیدین اور جمعہ میں دیا جاتا ہے۔ اسی لئے بعض حدیث میں ہے کہ اس طرح کا خطبہ نہیں دیا کرتے تھے (٢) **عن عبد الله بن زيد قال خرج رسول الله ﷺ يستسقى فخطب الناس فلما اراد ان يدعو اقبل بوجهه الى القبلة حول رداءه** (دارقطنی، کتاب الاستسقاء ج ثانی ص ٥٤ نمبر ١٧٨٦) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ نماز استسقاء میں خطبہ دینا چاہئے۔ اور لوگوں کو استغفار اور توبہ کے بارے میں سمجھانا چاہئے۔

[٣٩٥] (٤) استسقاء میں ذمی حاضر نہ ہوں۔

وجہ ذمی کافر ہیں۔ ان پر اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے اس لئے پانی مانگنے کے موقع پر مغضوب آدمیوں کو حاضر نہیں کرنا چاہئے۔

حاشیہ: (الف) حضورؐ پانی مانگنے کے لئے نکلے، پس قبلہ کی طرف متوجہ ہوئے دعا کرتے ہوئے اور اپنے چادر کو پلٹا۔ پھر دو رکعت نماز پڑھی۔ ان دونوں میں زور سے قرأت پڑھی (ب) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ لوگوں نے حضورؐ کے سامنے بارش نہ ہونے کی شکایت کی۔ پس منبر لانے کا حکم دیا گیا۔ پس آپؐ کے لئے عیدگاہ میں منبر رکھا گیا... آپؐ اس پر تشریف فرما ہوئے پھر تکبیر کہی، اللہ کی تعریف کی (پھر آگے لمبا خطبہ دینے کا ذکر ہے)

﴿باب قیام شھر رمضان﴾

[۳۹۶](۱) یستحب ان یجتمع الناس فی شھر رمضان بعد العشاء فیصلی بھم امامھم

﴿باب قیام شہر رمضان﴾

ضروری نوٹ قیام رمضان سے مراد یہاں تہجد نہیں ہے بلکہ تراویح ہے۔ مسلم شریف میں 'باب الترغیب فی قیام رمضان وھوالتراویح' باب باندھا ہے کہ قیام رمضان وہ تراویح ہے۔

[۳۹۶](۱) مستحب یہ ہے کہ لوگ رمضان کے مہینہ میں عشا کے بعد جمع ہوں اور امام ان کو پانچ ترویحہ پڑھائے۔ اور ہر ترویحہ میں دو سلام ہوں **تشریح** ہر ترویحہ میں دو مرتبہ سلام پھیریں گے۔ دو رکعت اور دو رکعت چار رکعتیں ہوں گی۔ تو گویا کہ ہر ترویحہ میں چار رکعتیں ہوئیں تو پانچ ترویحہ میں بیس رکعتیں ہوئیں۔

وجہ تراویح پڑھنے کی دلیل یہ حدیث ہے (۱) ان عائشۃ اخبرتہ ان رسول اللہ ﷺ **خرج لیلۃ من جوف اللیل فصلی فی المسجد وصلی رجال بصلاتہ فاصبح الناس فتحدثوا فاجتمع اکثر منھم فصلی فصلوا معہ فاصبح الناس فتحدثوا فکثر اھل المسجد من اللیلۃ الثالثۃ فخرج رسول اللہ فصلی بصلوتہ فلما کانت اللیلۃ الرابعۃ عجز المسجد عن اھلہ حتی خرج لصلوۃ الصبح فلما قضی الفجر اقبل علی الناس فتشھد ثم قال اما بعد! فانہ لم یخف علیّ مکانکم لکنی خشیت ان تفرض علیکم فتعجزوا عنھا فتوفی رسول اللہ والامر علی ذلک** (الف) (بخاری شریف، باب فضل من قام رمضان ص ۲۶۹ نمبر ۲۰۱۲ / مسلم شریف، باب الترغیب فی قیام رمضان وھوالتراویح ص ۲۵۹ نمبر ۷۶۱ / ۱۷۸۴ / ابوداؤد شریف، کتاب تفریع ابواب شہر رمضان باب فی قیام شہر رمضان ص ۲۰۲ نمبر ۱۳۷۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور تراویح کے لئے رمضان میں تین راتیں کھڑے ہوئے تھے اور لوگوں کو تراویح پڑھائی تھی۔ البتہ ہمیشہ اس لئے نہیں پڑھائی کہ کہیں فرض نہ ہو جائے۔

بیس رکعت تراویح کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن ابن عباس قال کان النبی ﷺ یصلی فی شھر رمضان فی غیر جماعۃ بعشرین رکعۃ والوتر** (ب) (سنن للبیہقی، باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان ج ثانی ص ۶۸۹، نمبر ۴۶۱۵) (۲) ان **عمر بن خطاب امر رجلا یصلی بھم عشرین رکعۃ** (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۶۷۷ کم یصلی فی رمضان من رکعۃ، ج ثانی، ص

حاشیہ : (الف) حضرت عائشہ نے خبر دی کہ حضورؐ ایک رات درمیان رات میں نکلے تو مسجد میں نماز پڑھائی اور لوگوں نے بھی ان کے ساتھ نماز پڑھی، صبح ہوئی تو لوگ باتیں کرنے لگے تو دوسری رات اس سے زیادہ جمع ہو گئے تو آپؐ نے نماز پڑھی اور لوگوں نے بھی آپؐ کے ساتھ نماز پڑھی۔ صبح ہوئی تو لوگ باتیں کرنے لگے۔ تو مسجد والے تیسری رات زیادہ ہو گئے تو حضورؐ نکلے اور ان کو نماز پڑھائی تو لوگوں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔ پس جب چوتھی رات ہوئی تو مسجد نمازیوں سے ناکافی ہو گئی۔ یہاں تک کہ آپ صبح کی نماز کے لئے نکلے۔ پس جب فجر کی نماز پڑھی تو لوگوں پر متوجہ ہوئے۔ آپؐ نے تشہد پڑھی پھر فرمایا امابعد! تمہارے حرکات مجھ پر پوشیدہ نہیں تھے لیکن میں ڈرتا ہوں کہ تم پر تراویح فرض ہو جائے۔ اور تم اس کے ادا کرنے سے عاجز ہو جاؤ۔ پھر حضور کا انتقال ہوا اور معاملہ ایسا ہی تھا (ب) حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ حضورؐ رمضان کے مہینہ میں بغیر جماعت کے بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے (ج) حضرت عمرؓ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعتیں پڑھائے۔

خمس ترویحات فی کل ترویحة تسلیمتان.[٣٩٧] (٢) ویجلس بین کل ترویحتین

١٦٥،نمبر ٧٦٨١ر مصنف عبدالرزاق، باب قیام رمضان ج رابع ص ٢٦٠ نمبر ٧٧٣٠)اس حدیث اور عمل صحابہ سے معلوم ہوا کہ تراویح کی نماز بیس رکعتیں ہیں۔

نوٹ حضرت عائشہ کی حدیث میں ہے کہ رمضان اور غیر رمضان میں آپ نے گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھی اور اس حدیث کو امام بخاری وغیرہ نے باب قیام رمضان میں لایا ہے۔ یہ حدیث تراویح کی بیس رکعتوں کے خلاف نہیں ہے۔اس لئے کہ قیام اللیل سے مراد اس حدیث میں تہجد کی نماز ہے۔کیونکہ (١) اس حدیث کو مسلم شریف میں اور بخاری شریف میں تہجد اور وتر کے باب میں بھی نقل کیا ہے (٢) اس حدیث میں تذکرہ ہے کہ آپ چار رکعتیں ایک ساتھ پڑھا کرتے تھے جن کے حسن کا کیا کہنا۔اور تراویح کی نماز ایک ساتھ چار رکعت نہیں ہوتی۔ بلکہ دو دو رکعت کر کے ہوتی ہے۔اس لئے وہ حدیث تراویح کے بارے میں نہیں ہے بلکہ تہجد کے بارے میں ہے۔حضرت عائشہ کی حدیث کا ٹکڑا اس طرح ہے **یصلی اربعا فلا تسأل عن حسنهن و طولهن ثم یصلی اربعا فلا تسأل عن حسنهن و طولهن ثم یصلی ثلثا** (الف) (بخاری شریف، باب فضل من قام رمضان ص ٢٦٩ نمبر ٢٠١٣ر مسلم شریف، نمبر ٧٣٨) اس حدیث میں ذکر ہے کہ آپؐ چار رکعت ایک ساتھ پڑھتے تھے اور پھر چار رکعت ایک ساتھ پڑھتے تھے۔اور چار رکعت ایک ساتھ تراویح کی نہیں پڑھتے اس لئے یہ تہجد کے بارے میں ہے (٣) سنن للبیھقی نے دونوں روایتوں کو اس طرح جمع کیا ہے کہ پہلے گیارہ رکعت تہجد پڑھتے ہوں گے۔پھر بیس رکعت تراویح پڑھتے ہوں گے۔ان کا جملہ اس طرح ہے **ویمکن الجمع بین الروایتین فانهم کانوا یقومون باحدی عشرة ثم کانوا یقومون بعشرین ویوترون بثلاث** (ب) (سنن للبیھقی ، باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شهر رمضان ج ثانی ص ٦٩٩،نمبر ٤٦١٨)

[٣٩٧] (٢) ہر دو ترویحہ کے درمیان بیٹھے گا ترویحہ کی مقدار پھر لوگوں کو وتر پڑھائے گا۔اور وتر رمضان کے علاوہ میں جماعت کے ساتھ نہیں پڑھی جائے گی۔

وجہ دو ترویحہ کے درمیان بیٹھنے کے لئے اثر یہ ہے **کان عمر بن خطاب یروحنا فی رمضان یعنی بین الترویحتین قدر ما یذهب الرجل من المسجد الی سلع** (ج) (سنن للبیھقی ، باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شهر رمضان ص ٧٠٠،نمبر ٤٦٢٢) اس عمل سے معلوم ہوا کہ دو ترویحہ کے درمیان تھوڑا آرام بھی کرنا چاہئے تاکہ لوگ پریشان نہ ہو جائیں۔اور رمضان میں نماز وتر جماعت کے ساتھ پڑھائی جائے گی۔اس کے لئے اثر یہ ہے مسئلہ نمبر ایک میں بیہقی کی حدیث گزر چکی ہے کہ وتر بھی تراویح کے ساتھ پڑھا کرتے تھے (٢) یہ اثر ہے **عن علی قال دعا القراء فی رمضان فامرهم منهم رجلا یصلی بالناس عشرین رکعة قال و کان علی**

حاشیہ : (الف) آپؐ چار رکعت نماز پڑھتے تو اس کے حسن اور لمبائی کو مت پوچھو، پھر چار رکعت پڑھتے تو مت پوچھو اس کے حسن اور لمبائی کو، پھر تین رکعت پڑھتے (ب) ممکن ہے دونوں روایتوں کے درمیان اس طرح جمع کرنا کہ وہ لوگ گیارہ رکعت پڑھتے پھر کھڑے ہوتے اور بیس رکعت پڑھتے اور تین رکعت وتر پڑھتے (ج) عمر بن خطاب ہم کو رمضان میں آرام دیتے یعنی دو ترویحہ کے درمیان اتنی مقدار کہ آدمی مسجد سے مقام سلع جا سکے۔

مقدار ترویحة ثم یوتر بھم ولا یصلی الوتر بجماعة فی غیر شھر رمضان.

یوترھم (الف) (سنن للبیھقی، باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان ص ۶۹۹، نمبر ۴۶۲۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ رمضان میں وتر جماعت کے ساتھ پڑھائی جائے گی۔ اور دنوں میں لوگ اپنے اپنے طور پر وتر پڑھیں گے۔

(الف) حضرت علیؓ نے قراء کو بلایا رمضان میں اور ان میں سے ایک آدمی کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت نماز پڑھائے۔ فرمایا کہ حضرت علی ان کو وتر پڑھایا کرتے تھے۔

﴿باب صلوة الخوف﴾

[۳۹۸](۱) اذا اشتد الخوف جعل الامام الناس طائفتين طائفة الى وجه العدو و طائفة خلفه فيصلى بهذه الطائفة ركعة و سجدتين فاذا رفع رأسه من السجدة الثانية مضت هذه

﴿ باب صلوة الخوف ﴾

ضروری نوٹ نماز خوف کی صورت یہ ہے کہ تمام آدمی ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنا چاہتے ہوں تو امام دو جماعتیں بنادیں گے۔اور ہر ایک جماعت کو آدھی آدھی نماز پڑھائیں گے۔لیکن اگر دو امام ہوں تو ہر ایک جماعت الگ الگ امام کے پیچھے پوری پوری نماز پڑھیں گے۔پھر آدھی آدھی نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔بعض ائمہ فرماتے ہیں کہ جب تک حضورؐ حیات رہے تو ہر ایک آدمی اپنی آخری نماز آپؐ کے پیچھے پڑھنا چاہتا تھا اس لئے آپ کی حیات میں نماز خوف تھی۔لیکن آپؐ کے بعد اب اس طرح نماز پڑھنا منسوخ ہے۔اب دو الگ الگ امام ہوں گے اور دونوں جماعتیں الگ الگ امام کے پیچھے نماز پڑھے گی۔ان کا استدلال اس آیت سے ہے جو صلوۃ خوف کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ واذا كنت فيهم قاقمت لهم الصلوة فلتقم طائفة منهم معک و ليأخذوا اسلحتهم فاذا سجدوا فليكونوا من ورائكم ولتأت طائفة اخرى لم يصلوا فليصلوا معک و ليأخذوا حذرهم و اسلحتهم (الف) (آیت ۱۰۲ سورۃ النساء ۴) اس آیت میں حضور کو خطاب ہے کہ آپؐ موجود ہوں تو لوگوں کو نماز خوف پڑھائیں۔جس کا مطلب یہ نکل سکتا ہے کہ آپ کے بعد نماز خوف اس طرح نہیں پڑھی جائے گی۔

فائدہ جمہور ائمہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو موسی اشعری نے لوگوں کو نماز خوف پڑھائی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بعد میں بھی صلوۃ خوف جائز ہے عن ابی العالية قال صلى بنا ابو موسى الاشعرى باصبهان صلوة الخوف (ب) (سنن للبیھقی، باب الدلیل علی ثبوت صلوۃ الخوف وانہا لم تنسخ ج ثالث ص ۳۵۸، نمبر ۶۰۰۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بعد میں بھی نماز خوف پڑھائی جا سکتی ہے۔

نوٹ اوپر کی آیت اور یہ حدیث صلوۃ خوف کے جواز کی دلیل ہے۔

[۳۹۸] (۱) جب خوف سخت ہو جائے تو امام لوگوں کو دو جماعت بنائے گا۔ایک جماعت دشمن کے مقابلہ میں اور دوسر جماعت امام کے پیچھے۔ پس امام پہلی جماعت کو ایک رکعت اور دو سجدے پڑھائے گا، پس جب کہ دوسرے سجدہ سے سر اٹھائے پہلی جماعت چلی جائے گی دشمن کے مقابلہ پر، اور دوسری جماعت آئے گی تو اس کو امام نماز پڑھائے گا ایک رکعت اور دو سجدے۔اور امام تشہد پڑھے گا اور سلام پھیرے گا لیکن دوسری جماعت سلام نہیں پھیرے گی بلکہ چلی جائے گی دشمن کے مقابلہ پر۔اور پہلی جماعت آئے گی اور وہ ایک رکعت اور دو سجدے اکیلے نماز پڑھے گی بغیر قرأت کے (کیونکہ وہ لاحق ہے اور لاحق پر قرأت نہیں ہے اس لئے وہ قرأت نہیں کرے گی) اور تشہد پڑھے گی اور سلام پھیرے

حاشیہ : (الف) جب آپؐ لوگوں میں موجود ہوں تو آپ ان کے لئے نماز قائم کیجئے۔تو ایک جماعت ان میں سے آپؐ کے ساتھ کھڑی ہونی چاہئے اور ان کو اپنے ہتھیار لینے چاہئے۔پس جب وہ سجدہ کرلیں تو وہ آپؐ کے پیچھے ہو جائیں اور دوسری جماعت آئے۔جس نے نماز نہیں پڑھی ہے تو وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھے اور اپنا بچاؤ اختیار کریں اور ہتھیار لیں (ب) ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ ہم کو ابو موسی اشعریؓ نے اصفہان میں نماز خوف پڑھائی۔

الطائفة الی وجه العدو وجائت تلک الطائفة فیصلی بهم الامام رکعة و سجدتین و تشهد وسلم ولم یسلموا وذهبوا الی وجه العدوو جائت الطائفة الاولی فصلوا وحدانا رکعة وسجدتین بغیر قراء ة و تشهدوا وسلموا ومضوا الی وجه العدو وجائت الطائفة الاخری

گی اور چلی جائے گی دشمن کے مقابلہ پر۔اور دوسری جماعت آئے اور وہ ایک رکعت اور دو سجدے نماز پڑھیں قرأت کے ساتھ (اس لئے کہ یہ مسبوق ہیں اور مسبوق اپنی نماز پوری کرتے وقت قرأت کریں گے) اور تشہد پڑھیں اور سلام پھیر دیں۔پس اگر امام مقیم ہو تو پہلی جماعت کو دو رکعت نماز پڑھائے گا اور دوسری جماعت کو دو رکعت۔

وجہ صلوۃ خوف کا جواز اس حدیث سے بھی ہوتا ہے۔**ان عبد اللہ بن عمر قال غزوت مع رسول اللہ ﷺ قبل نجد فوازینا العدو فصاففنا لهم فقام رسول الله یصلی لنا فقامت طائفة معه و اقبلت طائفة علی العدو وفرکع رسول الله ﷺ بمن معه و سجد سجدتین ثم انصرفوا مکان الطائفة التی لم تصل فجاء وا فرکع رسول الله بهم رکعة و سجد سجدتین ثم سلم فقام کل واحد منهم فرکع لنفسه رکعة وسجد سجدتین** (الف) (بخاری شریف،ابواب صلوۃ الخوف ص ۱۲۸ نمبر ۹۴۲ رابوداؤد شریف، باب من قال یصلی بکل طائفۃ رکعۃ ثم یسلم ص ۱۸۴، ابواب صلوۃ الخوف نمبر ۱۲۴۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز خوف میں دو جماعتیں بنائے گا اور امام ہر جماعت کو ایک ایک رکعت پڑھائے گا۔اور باقی ایک رکعت خود اپنے اپنے طور پر پڑھیں گے۔

نماز خوف پڑھنے کا جو طریقہ اوپر ذکر ہوا یہ حنفیہ کے یہاں مستحب ہے۔اگر اس کے خلاف اور طریقے جو حدیث میں منقول ہیں ان کے مطابق نماز پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی۔اس طریقہ کے اختیار کرنے کی وجہ یہ ہیں (۱) امام ابو حنیفہ کی نظر آیت کے اس جملہ کی طرف گئی ہے **فاذا سجدوا فلیکونوا من ورائکم ولتأت طائفة اخری لم یصلوا** (ب) (آیت ۱۰۲ سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ پہلی جماعت ایک رکعت کا سجدہ کرلے تو اس کو پیچھے چلے جانا چاہئے جس میں اشارہ ہے کہ دوسری رکعت اس کو فوراً نہیں پڑھنی چاہئے وہ بعد میں پوری کرے گی (۲) قاعدہ کے اعتبار سے حنفیہ کی بتائی ہوئی صورت میں پہلی جماعت نماز سے پہلے فارغ ہوگی اور دوسری جماعت بعد میں فارغ ہوگی اور قاعدہ کا تقاضا بھی یہی ہے (۳) اس صورت میں امام کو مقتدیوں کا انتظار کرنا پڑتا نہیں ہے اور اگر پہلی جماعت دوسری رکعت فوراً پوری کرے تو امام کو اتنی دیر تک دوسری جماعت کے آنے کا انتظار کرنا ہوگا۔اور یہ امامت کے عہدے کے خلاف ہے۔اس لئے پہلی جماعت

حاشیہ : (الف) عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے حضور کے ساتھ غزوہ کیا نجد کی جانب تو ہم نے دشمن کا سامنا کیا تو ان کے لئے صف بنائی تو حضور کھڑے ہو کر ہمیں نماز پڑھانے لگے تو ایک جماعت ان کے ساتھ کھڑی ہوئی اور دوسری جماعت دشمن کے سامنے ہوئی تو حضورؐ نے ایک رکعت اور دو سجدے ان لوگوں کو پڑھائے جو ان کے ساتھ تھے۔پھر وہ لوگ پھر کر اس جماعت کی جگہ پر گئے جنہوں نے نماز نہیں پڑھی تھی۔پھر وہ لوگ آئے اور حضورؐ نے ان کو ایک رکعت اور دو سجدے پڑھائے۔پھر حضورؐ نے سلام پھیرا پھر ان میں سے ہر ایک کھڑے ہوئے اور اپنی اپنی ایک رکعت اور دو سجدے پورے کئے (ب) پس جب کہ پہلی جماعت سجدہ کرلے تو ان کو پیچھے ہو جانا چاہئے اور دوسری جماعت آئے جس نے نماز نہیں پڑھی۔

وصلوا رکعة و سجدتین بقراء ة وتشهدوا وسلموا فان کان مقیما صلی بالطائفة الاولی رکعتین وبالثانیة رکعتین [۳۹۹](۲) ویصلی بالطائفة الاولی رکعتین من المغرب وبالثانیة رکعة [۴۰۰](۳) ولا یقاتلون فی حال الصلوة فان فعلوا ذلک بطلت صلوتهم

ایک رکعت پڑھ کر دشمن کے سامنے جائے پھر دوسری جماعت ایک رکعت پڑھ کر دشمن کے سامنے جائے اور پہلی جماعت آ کر دوسری رکعت پوری کرے۔اس کے پورا کرنے کے بعد وہ دشمن کے سامنے جائے اور دوسری جماعت بعد میں اپنی پہلی رکعت پوری کرے (۳) محمد قال اخبرنا ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم فی صلوة الخوف قال اذا صلی الامام باصحابه فلتقم طائفة منهم مع الامام وطائفة بازاء العدو فیصلی الامام بالطائفة الذین معه رکعة ثم تنصرف الطائفة الذین صلوا مع الامام من غیر ان یتکلموا حتی یقوموا مقام اصحابهم وتأتی الطائفة الاخری فیصلون مع الامام الرکعة الاخری ثم ینصرفون من غیر ان یتکلموا حتی یقوموا فی مقام اصحابهم و تأتی الطائفة الاولی حتی یصلوا رکعة وحدانا ثم ینصرفون فیقومون مقام اصحابهم و تأتی الطائفة الاخری حتی یقضوا الرکعة التی بقیت علیهم وحدانا (الف) (کتاب الآثار لامام محمد، باب صلوة الخوف ص ۳۹، نمبر ۱۹۴) اس اثر سے حنفیہ کی تائید ہوتی ہے۔

فائدہ امام شافعی اور دیگر ائمہ کے نزدیک ابوداؤد شریف کی حدیث کی وجہ سے یہ ہے کہ پہلی جماعت امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھنے کے بعد دوسری رکعت اسی وقت پوری کر لے اور سلام پھیر دے۔پھر دشمن کے سامنے جائے اور امام اتنی دیر دوسری جماعت کا انتظار کریں گے۔پھر دوسری جماعت آئے اور امام کے ساتھ ایک پڑھ کر امام سلام پھیریں گے اور دوسری جماعت دوسری رکعت پوری کر کے سلام پھیرے گی (ابو داؤد، باب صلوۃ الخوف ص ۱۸۱ نمبر ۱۲۴۰ میں یہ حدیث موجود ہے)

[۳۹۹] (۲) اور نماز پڑھائے گا پہلی جماعت کو مغرب کی دو رکعتیں اور دوسری جماعت کو ایک رکعت۔

وجہ تین رکعت کا آدھا نہیں ہوتا اس لئے پہلی جماعت کو امام صاحب دو رکعتیں نماز پڑھائیں گے۔اور دوسری جماعت کو ایک رکعت نماز پڑھائیں گے۔

[۴۰۰] (۳) اور نماز کی حالت میں قتال نہیں کریں گے۔پس اگر قتال کیا تو ان کی نماز باطل ہو جائے گی۔

وجہ (۱) قتال کرنا عمل کثیر ہے اس لئے قتال کرنے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔اور دوبارہ نماز پڑھنا ہوگی (۲) اس کی دلیل یہ حدیث ہے

حاشیہ : (الف) امام محمد نے فرمایا کہ مجھ کو ابو حنیفہ نے حماد سے اور وہ ابراہیم سے خبر دی نماز خوف کے بارے میں کہا جب امام اپنے ساتھی کو نماز پڑھائے تو ان میں سے ایک جماعت امام کے ساتھ کھڑی ہو۔اور ایک جماعت دشمن کے مقابلہ پر۔تو امام نماز پڑھائے گا اس جماعت کو جو اس کے ساتھ ہے ایک رکعت، پھر وہ جماعت جس نے امام کے ساتھ نماز پڑھی پھر جائے گی بغیر کلام کئے ہوئے یہاں تک کہ اپنے ساتھی کی جگہ پر کھڑی ہو جائے اور دوسری جماعت آئے اور امام کے ساتھ دوسری رکعت پڑھے۔پھر واپس لوٹ جائے بغیر کلام کئے ہوئے یہاں تک کہ اپنے ساتھی کی جگہ پر کھڑی ہو جائے۔اور پہلی جماعت آئے یہاں تک کہ وہ ایک رکعت علیحدہ علیحدہ ہو کر نماز پڑھے۔پھر واپس لوٹیں اپنے ساتھی کی جگہ پر کھڑے ہو جائیں۔اور دوسری جماعت آئے وہ رکعت پوری کرے جو اس پر باقی ہے علیحدہ علیحدہ ہو کر۔

[۴۰۱](۴) وان اشتد الخوف صلوا رکبانا وحدانا یومؤن بالرکوع والسجود الی ای

قال جاء عمر یوم الخندق فجعل یسب کفار قریش ویقول یا رسول اللہ ما صلیت العصر حتی کادت الشمس ان تغیب فقال النبی ﷺ وانا واللہ ما صلیتھا بعد قال فنزل الی بطحان فتوضأ وصلی العصر بعد ما غابت الشمس ثم صلی المغرب بعدھا (الف)(بخاری شریف، باالصلوۃ عند مناھضۃ الحصون ولقاء العدوص ۱۲۹ نمبر ۹۴۵) اس حدیث میں ہے کہ قتال چل رہا تھا اس لئے نماز نہیں پڑھی۔ اسی طرح نماز پڑھ رہا ہو اور قتال شروع ہو گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی (۳) **قال انس بن مالک حضرت عند منا ھضۃ حصن تستر عند اضائۃ الفجر واشتد اشتغال القتال فلم یقدروا علی الصلوۃ فلم نصل الا بعد ارتفاع النھار** (ب)(بخاری شریف، باب الصلوۃ عند مناھضۃ الحصون ولقاء العدوص ۱۲۹ نمبر ۹۴۵) اس اثر سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جنگ اور قتال کے وقت نماز نہیں پڑھی جائے گی۔ بلکہ نماز مؤخر کر دی جائے گی۔

[۴۰۱](۴) اگر خوف زیادہ سخت ہو تو نماز پڑھو سوار ہو کر اکیلا اکیلا، اشارہ کرے گا رکوع کا اور سجدے کا جس جانب چاہے اگر قبلہ کی جانب توجہ کرنے کی قدرت نہ ہو۔

تشریح اگر خوف زیادہ ہو اور سواری سے اتر کر نماز پڑھنے کی گنجائش نہ ہو تو سواری ہی پر نماز پڑھے گا۔ اور رکوع اور سجدے کا اشارہ کرے گا۔ جس طرح نوافل نماز سواری پر پڑھ رہا ہو تو رکوع اور سجدے کا اشارہ کرے گا۔ اور قبلہ کی جانب توجہ نہ کر سکتا ہو تو جس جانب ممکن ہو اسی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھ لے۔

وجہ نفل نماز میں قیام ساقط ہو جاتا ہے اور رکوع اور سجدوں کا اشارہ کرتا ہے اسی طرح یہاں بھی خوف کی مجبوری کی وجہ سے قیام ساقط ہوگا اور رکوع اور سجدے کا اشارہ کرے گا۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ مریض اور معذور لوگوں سے قبلہ کی طرف توجہ کرنا ساقط ہو جاتا ہے۔ یہ بھی معذور ہے اس لئے ان سے بھی خوف کی وجہ سے قبلہ کی طرف توجہ کرنا ساقط ہو جائے گا (۲) اس کی دلیل یہ آیت بھی ہے **فان خفتم فرجالا او رکبانا** (ج)(آیت ۲۳۹ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ خوف ہو تو سواری پر نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اور اس کے مطابق تمام رعایتیں مل جائیں گی (۳) **عن ابن سیرین انہ کان یقول فی صلوۃ المسایفۃ یومی ایماء حیث کان وجھہ** (د)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۶۷ فی لاصلوۃ عند المسایفۃ، ج ثانی، ص ۲۱۵، نمبر ۸۲۶) اس اثر میں موجود ہے کہ جس جانب چہرہ متوجہ ہو اسی جانب اشارہ کر کے نماز پڑھے گا۔ قبلہ کی طرف متوجہ ہونا ضروری نہیں ہے۔ اور باضابطہ رکوع اور سجدہ کرنا بھی ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ وہ شدت خوف کی وجہ سے مجبور

حاشیہ : (الف) حضرت عمرؓ جنگ خندق کے دن آئے۔ پس کفار قریش کو گالی دینے لگے اور کہنے لگے یا رسول اللہ میں نے عصر کی نماز نہیں پڑھی یہاں تک کہ قریب ہے کہ سورج ڈوب جائے۔ تو آپؐ نے فرمایا میں نے بھی خدا کی قسم نماز نہیں پڑھی ہے۔ پس آپ مقام بطحان میں اترے اور وضو کیا اور سورج غروب ہونے کے بعد عصر کی نماز پڑھی، پھر اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی (ب) انسؓ نے فرمایا میں تستر کے قلعہ کی لڑائی کے وقت فجر روشن ہوتے وقت حاضر ہوا اور قتال کا اشتغال سخت ہو گیا تو لوگ نماز پڑھنے پر قدرت نہیں رکھتے تھے۔ تو ہم نے نماز نہیں پڑھی مگر دن بلند ہونے کے بعد (ج) پس اگر تم کو دشمن کا خوف ہو تو پیدل یا سواری پر نماز پڑھو (د) ابن سیرین سے منقول ہے کہ مقابلہ کے وقت نماز میں اشارہ کرے گا جس طرف اس کا چہرہ متوجہ ہو۔

جهة شائوا اذا لم یقدروا علی التوجه الی القبلة.

ہے۔

لغت رکبانا : سوارہوکر، یومون : اشارہ کرتے ہوئے۔

﴿باب الجنائز﴾

[۴۰۲](۱) اذا احتضر الرجل وجه الى القبلة على شقه الايمن[۴۰۳] (۲) ولقن الشهادتين[۴۰۴] (۳) واذا مات شدوا لحييه وغضوا عينيه.

﴿ باب الجنائز ﴾

ضروری نوٹ جنائز جمع ہے جنازۃ کی۔جیم کے فتحہ کے ساتھ۔میت کو جنازہ کہتے ہیں۔نماز جنازہ کا ثبوت اس آیت سے ہوتا ہے **لا تصل على احد منهم مات ابدا ولا تقم على قبره** (الف)(آیت ۸۴ سورۃ التوبۃ)اس آیت میں منافق کی نماز پڑھنے سے منع کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ مومن کی نماز جنازہ پڑھنا چاہئے۔چنانچہ نماز جنازہ پڑھنی فرض کفایہ ہے۔

[۴۰۲](۱)جب آدمی پر موت کا وقت آجائے تو اس کو دائیں جانب قبلہ کی طرف متوجہ کر دیا جائے۔

وجہ قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر سونا مستحب اور سنت ہے اس لئے موت کے وقت بھی قبلہ کی طرف متوجہ ہونا چاہئے (۲) حدیث میں ہے **عن ابى قتادة عن ابيه ... فقالوا توفى و اوصى بثلثه لک يا رسول الله واوصى اى يوجهه الى القبلة لما احتضر فقال رسول الله اصاب الفطرة** (ب)(سنن للبیہقی ،باب مایستحب من توجیہہ نحو القبلۃ ج ثالث ص ۵۳۹،نمبر ۶۶۰۴)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ موت کے وقت میت کو قبلہ کی جانب متوجہ کر دینا چاہئے۔

[۴۰۳](۲)شہادتین کی تلقین کرے۔

تشریح موت کے وقت حاضرین مجلس کو چاہئے کہ دھیمی آواز میں کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھے۔تاکہ میت کو بھی پڑھنے کی توفیق ہو جائے اور ایمان پر خاتمہ ہو۔حدیث میں اس کی ترغیب ہے۔ **عن ابى هريرة قال قال رسول الله لقنوا موتاكم لا اله الا الله** (ج) (مسلم شریف، کتاب الجنائز، فصل فی تلقین المحتضر لا الہ الا اللہ ص ۳۰۰ نمبر ۹۱۷ رابوداؤد شریف، باب فی التلقین ج ثانی ص ۸۸ نمبر ۳۱۱۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میت کو تلقین کرنا چاہئے۔البتہ اس کو پڑھنے کے لئے نہیں کہنا چاہئے کیونکہ انکار کر دیا تو کفر پر خاتمہ ہوگا۔

[۴۰۴](۳)اگر انتقال ہو جائے تو اس کی ڈاڑھی باندھ دی جائے اور اس کی آنکھیں بند کر دی جائیں۔

وجہ انتقال کے وقت منہ کھلا رہ جاتا ہے جس کی وجہ سے دیکھنے والوں کو کراہیت ہوتی ہے اس لئے ڈاڑھی کو سر کے ساتھ لگا کر باندھ دیا جائے گا تو منہ کھلا ہوا نہیں رہے گا اور بدنما معلوم نہیں ہوگا اس لئے ڈاڑھی باندھ دی جائے گی۔اسی طرح موت کے وقت آنکھیں کھلی رہ جاتی ہیں جو بدنما معلوم ہوتی ہیں اس لئے آنکھیں بھی فورا بند کر دی جائیں۔حدیث میں ہے۔ **عن ام سلمة قالت دخل رسول الله على ابى**

حاشیہ : (الف)اگر منافق میں سے کوئی مر گیا ہو ان میں سے کسی ایک پر آپ نماز نہ پڑھیں کبھی بھی اور آپ ان کی قبر پر کھڑے نہ ہوں (ب) قتادہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں ...لوگوں نے کہا کہ براء ابن معرور کا انتقال ہوا اور انہوں نے آپ کے لئے اے اللہ کے رسول تہائی مال کی وصیت کی ،انہوں نے وصیت کی کہ موت کے وقت ان کا چہرہ قبلہ کی طرف کر دیا جائے۔آپ نے فرمایا فطرت کے مناسب بات کہی (ج) آپ نے فرمایا اپنے مردوں کو لا الہ الا اللہ کی تلقین کرو

[۴۰۵](۴) فاذا ارادوا غسلہ وضعوہ علی سریر وجعلوا علی عورتہ خرقۃ ونزعوا ثیابہ[۴۰۶] (۵) ووضؤہ ولا یمضمض ولا یستنشق [۴۰۷](۶) ثم یفیضون الماء علیہ

سلمۃ وقد شق بصرہ فاغمضہ ثم قال ان الروح اذا قبض تبعہ البصر (الف)(مسلم شریف،فصل فی القول الخیر عند المحتضر ص ۳۰۰ کتاب الجنائز نمبر ۹۲۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ موت کے وقت میت کی آنکھیں بند کر دینی چاہئے۔

[۴۰۵](۴) جب میت کے غسل کا ارادہ کرے تو اس کو تخت پر رکھے اور اس کے ستر عورت پر چھوٹا سا کپڑا رکھ دے اور اس کا کپڑا کھول دے۔

وجہ غسل کے وقت تخت پر اس لئے رکھے گا تا کہ پانی نیچے گر جائے اور غسل دینے میں آسانی ہو۔اور اس کے ستر پر چھوٹا سا کپڑا اس لئے رکھے گا تا کہ اس کا ستر نظر نہ آئے۔البتہ غسل دینے میں پریشانی ہوگی اور کپڑا بھیگ جائے گا اس لئے دیگر تمام کپڑے کھول دیئے جائیں گے (۲)اس حدیث میں ہے کہ مردوں کا ستر غلیظہ نہیں دیکھنا چاہئے عن علی ان النبی ﷺ قال لا تبرز فخذک ولا تنظر الی فخذ حتی ولا میت (ب)(ابوداؤد شریف،باب فی ستر المیت عند غسلہ ج ثانی ص ۹۲ نمبر ۳۱۴۰)جس سے معلوم ہوا کہ غسل دیتے وقت میت کا ستر نہیں دیکھنا چاہئے (۳)اثر میں ہے عن ایوب قال رأیتہ یغسل میتا فالقی علی فرجہ خرقۃ و علی وجھہ خرقۃ اخری ووضأہ وضوء الصلوۃ ثم بدأ بمیامنہ (ج)(مصنف عبدالرزاق،باب غسل المیت ج ثالث ص ۳۹۸ نمبر ۶۰۸۱ رمصنف ابن ابی شیبۃ ۱۰،فی المیت یغسل من قال یستر ولا یجرد،ج ۲،ص ۴۴۸،نمبر ۱۰۸۸۳)اس اثر سے معلوم ہوا کہ میت کے ستر پر چھوٹا کپڑا رکھنا چاہئے تا کہ اس کا ستر نظر نہ آئے۔

[۴۰۶](۵)اور میت کو وضو کرائے لیکن کلی نہ کرائے اور نہ ناک میں پانی ڈالے۔

وجہ (۱) کلی کرانا اور ناک میں پانی ڈالنا سنت ہے لیکن میت کے منہ اور ناک سے پانی نکالنا مشکل ہوگا اس لئے روئی کو پانی سے بھگو کر منہ اور ناک میں ڈال دیا جائے تا کہ ایک طرح کی کلی اور ناک میں پانی دالنا ہو جائے۔حیات کی طرح باضابطہ پانی نہ ڈالا جائے۔زندگی میں بھی ناک میں پانی ڈالنا اور کلی کرنا سنت تھا،موت کے وقت اس کا طریقہ تھوڑا بدل جائے گا (۲)اثر میں ہے۔عن سعید بن جبیر قال یوضأ المیت وضوءہ لصلوۃ الا انہ لا یمضمض ولا یستنشق (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۲،ما اول ما یبدأ بہ من غسل المیت،ج ثانی ص ۴۴۹،نمبر ۱۰۸۹۷)

[۴۰۷](۶) پھر میت پر پانی بہائے۔

تشریح غسل دینے کے لئے میت پر طاق مرتبہ پانی بہائے تا کہ ہر عضو دھل جائے۔

وجہ حدیث میں ہے عن ام عطیۃ قالت دخل علینا رسول اللہ ﷺ حین توفیت ابنتہ فقال اغسلنھا ثلاثا او خمسا او

حاشیہ : (الف)حضورؐ ابی سلمہ پر داخل ہوئے اور ان کی نگاہ کھلی ہوئی تھی تو آپؐ نے اس کو بند کر دیا۔پھر فرمایا روح جب مقبوض ہوتی ہے تو نگاہ اس کے پیچھے دیکھتی رہتی ہے (ب) آپؐ نے فرمایا اپنی ران کو نہ کھولو اور نہ کسی زندہ یا مردہ کی ران کو دیکھو (ج) میں نے راوی کو دیکھا کہ مردے کو غسل دے رہے تھے تو اس کی شرمگاہ پر کپڑے کا ٹکڑا ڈالا اور اس کے چہرے پر دوسرا ٹکڑا ڈالا اور نماز کے وضو کی طرح وضو کرایا اور اس کی دائیں جانب سے شروع کی۔

[۴۰۸](۷) ویجمر سریرہ وترا[۴۰۹] (۸) ویغلی الماء بالسدر او بالحرض فان لم یکن فالماء القراح [۴۱۰](۹) ویغسل رأسہ ولحیتہ بالخطمی.

اکثر من ذلک ان رأیتن ذلک بماء وسدر واجعلن فی الآخرۃ کافورا او شیئا من کافور (نمبر۱۲۵۳)و فی حدیث اخری قال ابدأن بمیامنھا و مواضع الوضوء منھا (الف)(بخاری شریف، باب غسل المیت ووضوءہ بالماء والسدر ص ۱۶۷نمبر ۱۲۵۴)اس حدیث سے یہ باتیں معلوم ہوئیں۔غسل طاق مرتبہ دے،غسل میں بیری کے پتے استعمال کرے،اخیر میں میت پر کافور ڈالے تا کہ خوشبو مہکتی رہے اور جلدی کیڑے نہ لگے،غسل دائیں جانب سے شروع کرے۔اسی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ میت پر پورا پانی بہائے جس سے ہر جگہ پانی پہنچ جائے۔

[۴۰۸](۷)تخت کو دھونی دے طاق مرتبہ۔

وجہ تخت کو دھونی دینے سے تخت پر خوشبو ہوگی تا کہ میت کی بدبو محسوس نہ ہو۔اسی طرح کپڑے پر بھی طاق مرتبہ دھونی دے تا کہ خوشبو رہے(۲)اثر میں موجود ہے عن اسماء بنت ابی بکر انھا قالت لاھلھا اجمروا ثیابی اذا انا مت ثم کفنونی ثم حنطونی ولا تذروا علی کفنی حناطا(ب)(مصنف عبد الرزاق، باب المیت لا یتبع بالمجمرۃ ج ثالث ص ۴۱۷نمبر ۶۱۵۲/مصنف ابن ابی شیبۃ،نمبر ۱۱۰۲۰)اس اثر سے معلوم ہوا کہ میت کے کپڑے کو لبان کی دھونی دینی چاہئے۔اور اس کے تخت کو بھی دھونی دینی چاہئے۔البتہ دھونی لیکر میت کے پیچھے نہیں جانا چاہئے۔کیونکہ اس میں آگ کا اثر ہے اور لوگ اس کو بت پرستی کے مشابہ سمجھیں گے۔

[۴۰۹](۸)پانی کو جوش دیا جائے بیری کے پتے یا اشنان گھاس سے،پس اگر یہ نہ ہوں تو خالص پانی سے۔

وجہ بیری کے پتے یا اشنان گھاس سے صفائی زیادہ ہوتی ہے۔اس لئے ان دونوں میں سے ایک کو ڈال کر پانی کو جوش دیا جائے اور اس پانی سے میت کو غسل دیا جائے۔اور اگر وہ نہ ملیں تو خالص پانی سے میت کو غسل دیا جائے(۲)اس کے لئے بخاری شریف کی حدیث (نمبر۱۲۵۳/ مسلم شریف، باب فی غسل المیت ص ۳۰۴نمبر ۹۳۹)مسئلہ نمبر ۶ میں بماء وسدر گزر چکی ہے۔جس کا مطلب یہ تھا کہ بیری کے پتے ڈال کر جوش دیا جائے۔

[۴۱۰](۹)میت کا سر اور اس کی ڈاڑھی خطمی سے دھوئی جائے۔

وجہ اثر میں ہے عن الاسود قال قلت لعائشۃ یغسل رأس المیت بخطمی فقالت لا تعنتوا میتکم (ج)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۴، فی المیت اذا لم یوجد لہ سدر یغسل بغیرہ خطمی او اشنان، ج ثانی ص ۱۴۵،نمبر ۱۰۹۱۷)اس اثر سے معلوم ہوا کہ میت کے سر کو خطمی سے دھونا

حاشیہ : (الف)ام عطیہ فرماتی ہیں کہ جس وقت حضورؐ کی بیٹی کا انتقال ہوا تو آپؐ نے فرمایا ان کو تین مرتبہ غسل دو یا پانچ مرتبہ غسل دو یا اس سے زیادہ اگر تم مناسب سمجھو پانی سے اور بیری کے پتے سے۔اور اخیر میں کافور ڈالو یا کافور میں سے کچھ ڈالو۔دوسری حدیث میں ہے کہ میت کی دائیں جانب سے شروع کرو اور اس کی وضو کی جگہ سے شروع کرو(ب)اسماء بنت ابی بکرؓ نے اپنے گھر والوں سے کہا جب میں مرجاؤں تو میرے کپڑے کو دھونی دینا پھر مجھ کو کفن دینا پھر مجھ کو حنوط دینا اور میرے کفن پر حنوط نہ چھڑکنا(ج)میں نے عائشہؓ سے پوچھا کیا میت کا سر خطمی سے دھویا جائے؟ تو فرمایا میت پر سختی نہ کرنا(جس کا مطلب یہ ہے کہ خطمی اس پر عمل کر سکتے ہو)

[۴۱۱] (۱۰) ثم یضجع علی شقه الایسر فیغسل بالماء والسدر حتی یری ان الماء قد وصل الی ما یلی التحت منه ثم یضجع علی شقه الایمن فیغسل بالماء حتی یری ان الماء قد وصل الی ما یلی التحت منه [۴۱۲] (۱۱) ثم یجلسه ویسند الیه و یمسح بطنه مسحا

مستحب ہے اور بہتر ہے تاکہ صفائی ہو اور خوشبو بھی ہو۔ اور اگر ان چیزوں سے نہیں دھویا تو بھی غسل ہو جائے گا۔

[۴۱۱] (۱۰) پھر بائیں پہلو پر لٹایا جائے گا اور پانی اور بیری کے پتے سے دھویا جائے گا یہاں تک کہ دیکھ لے کہ پانی پہنچ چکا ہے میت کے نیچے تک، پھر لٹایا جائے گا دائیں پہلو پر، پس پانی سے دھویا جائے گا یہاں تک کہ دیکھ لے کہ پانی پہنچ چکا ہے میت کے نیچے تک۔

وجہ (۱) میت کو پہلے بائیں پہلو پر اس لئے لٹایا جائے کہ دایاں پہلو اوپر ہو جائے گا۔ اور دائیں پہلو کو پہلے غسل دیا جائے گا۔ اور مستحب یہی ہے کہ دائیں جانب سے شروع کرے۔ حدیث میں ہے **عن ام عطیة قالت قال رسول الله و فی غسل ابنته ابدأن بمیامنها ومواضع الوضوء منها** (الف) (بخاری شریف، باب یبدأ بمیامن المیت ص ۱۶۷ نمبر ۱۲۵۵ / ابو داؤد شریف، باب کیف غسل المیت ج ثانی ص ۹۲ نمبر ۳۱۴۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میت کی دائیں جانب سے شروع کیا جائے، اسی طرح جب بعد میں دائیں پہلو پر لٹایا جائے گا تو بائیں پہلو بعد میں غسل دیا جائے گا۔ اور نیچے تک پانی پہنچنے کی شرط اس لئے ہے کہ مکمل غسل ہو جائے، کوئی جگہ خشک نہ رہ جائے۔

لغت یضجع : پہلو کے بل لٹایا جائے۔

[۴۱۲] (۱۱) پھر میت کو بٹھائے گا اور اپنی طرف سہارا دیگا اور اس کے پیٹ کو تھوڑا سا پوچھے گا، پس اگر اس سے کوئی چیز نکلے تو اس کو دھوئے گا اور اس کے غسل کو نہیں لوٹائے گا۔

وجہ میت کو اپنی طرف سہارا دے کر اس لئے بٹھائے گا تاکہ اگر پیٹ سے کچھ نکلنا ہو تو نکل جائے، پھر ہلکے انداز میں پیٹ کو پوچھنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ پیشاب پاخانہ کچھ نکلنا ہو تو ابھی نکل جائے بعد میں کپڑے گندے نہ کریں (۲) اثر میں ہے **عن ابراھیم قال یعصر بطن المیت عصرا رقیقا فی الاولی والثانیة** (ب) (مصنف ابن ابی شیبة ۱۷، فی عصر بطن المیت، ج ثانی ص ۴۵۲، نمبر ۱۰۹۳۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ میت کے پیٹ کو تھوڑا سا پوچھا جائے گا۔ اور غسل دینے کے بعد کوئی نجاست نکلے تو دوبارہ غسل کو لوٹایا نہ جائے۔ کیونکہ غاسل کو مشقت ہوگی اور مردہ خراب ہونے کا ڈر ہے (۲) اس کے لئے اثر ہے **قلت لحماد المیت اذا خرج منه الشیء بعد ما یفرغ منه قال یغسل ذلک المکان** (ج) (مصنف ابن ابی شیبة ۱۶، فی المیت یخرج منه الشیء بعد غسله ج ثانی، ص ۴۵۲، نمبر ۱۰۹۳۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ غسل کے بعد کچھ نجاست نکلے تو صرف اس جگہ کو دھویا جائے گا۔ غسل کو نہیں لوٹایا جائے گا۔

نوٹ غسل کے درمیان نجاست نکلے تو بہتر یہ ہے کہ غسل دوبارہ دیدے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا اپنی لڑکی کے غسل کے بارے میں دائیں جانب سے شروع کرنا اور اس کی وضو کی جگہ سے شروع کرنا (ب) حضرت ابراہیم فرماتے ہیں کہ میت کے پیٹ کو آہستہ سے پوچھا جائے گا پہلی مرتبہ اور دوسری مرتبہ (ج) میں حضرت حماد سے پوچھا غسل سے فارغ ہونے کے بعد میت سے کچھ نکلے۔ تو انہوں نے فرمایا صرف وہ جگہ دھوئی جائے گی۔

رفیقا فان خرج منه شیء غسله ولا یعید غسله [۴۱۳](۱۲) ثم ینشفه بثوب ویدرج فی اکفانه[۴۱۴] (۱۳) ویجعل الحنوط علی رأسه و لحیته والکافور علی مساجده[۴۱۵](۱۴) والسنة ان یکفن الرجل فی ثلثة اثواب ازار و قمیص و لفافة فان

---

[۴۱۳](۱۲) پھر کپڑے سے میت کا پانی خشک کیا جائے گا اور اس کو کفن میں لپیٹ دیا جائے گا۔

وجہ کپڑے سے غسل کا پانی اس لئے خشک کیا جائے تاکہ کفن گیلا نہ ہو جائے، اور کفن میں لپیٹنے کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

[۴۱۴](۱۳) حنوط لگایا جائے گا میت کے سر پر، اور اس کی ڈاڑھی پر اور کافور لگایا جائے گا اس کے سجدے کی جگہ پر۔

تشریح کئی چیزوں کو ملا کر حنوط ایک قسم کی خوشبو بناتے ہیں۔ جس کو مردوں پر ملتے ہیں۔ غسل کے بعد اس کو ڈاڑھی اور سر پر ملنا مستحب ہے، اور سجدے کی جگہ مثلا چہرہ، دونوں ہتھیلی، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں جو سجدے کے وقت زمین پر ٹکتے ہیں ان پر ملا جائے تاکہ یہ جگہیں چکنی رہیں اور خوشبودار بھی رہیں۔ اثر میں ہے **عن ابن مسعود قال یوضع الکافور علی موضع سجود المیت ، عن ابراھیم فی حنوط المیت قال یبدأ بمساجده** (الف) مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۳، فی الحنوط کیف یضع بہ واین یجعل ج ثانی ص۴۶۰، نمبر۱۱۰۲۳/۱۱۰۲۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کافور اور حنوط میت کے سجدے کی جگہ پر ملے جائیں گے (۲) حدیث میں گزر چکا ہے کہ **واجعلن فی الآخرة فورا** (بخاری شریف، نمبر ۱۲۵۴) کہ اخیر میں میت کو کافور لگاؤ۔

﴿ کفن کا بیان ﴾

[۴۱۵](۱۴) سنت یہ ہے کہ مرد کو تین کپڑوں میں کفن دیا جائے گا (۱) ازار (۲) قمیص (۳) اور چادر، پس اگر دو کپڑوں پر اکتفا کرے تب بھی جائز ہے۔

وجہ (۱) مرد عموما زندگی میں تین کپڑے پہنتا ہے اس لئے تین کپڑوں میں کفن دینا سنت ہے (۲) حدیث میں ہے **عن عائشة ان رسول الله ﷺ کفن فی ثلثة اثواب یمانیة بیض سحولیة من کرسف لیس فیھن قمیص ولا عمامة** (ب) (بخاری شریف، باب الثیاب البیض للکفن ص ۱۶۹ نمبر ۱۲۶۴/ ابو داؤد شریف، باب فی الکفن ج ثانی ص ۹۳ نمبر ۳۱۵۱/ مسلم شریف، باب الجنائز ص ۳۰۵ نمبر ۹۴۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرد کو تین کپڑوں میں کفن دینا سنت ہے۔ قمیص کے لئے یہ حدیث ہے **ان عبد الله بن ابی لما توفی جاء ابنه الی النبی ﷺ فقال اعطنی قمیصک اکفنه فیه** (ج) (بخاری شریف، باب الکفن فی قمیص الذی یکف ص ۱۶۹ نمبر ۱۲۶۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک ایسا کپڑا بھی کفن میں دیا جائے گا جس کو قمیص کہتے ہیں۔ لیکن اس میں آستین نہیں ہوگی اور نہ دامن اور کلی ہوگی۔ بلکہ درمیان میں پھاڑ کر سر گھسانے کا بنا دیا جائے گا۔ اور اس کو سیا بھی نہیں جائے گا۔ اس طرح تین کپڑے پورے کر دیئے

حاشیہ : (الف) ابن مسعود فرماتے ہیں کہ کافور میت کے سجدے کی جگہ پر رکھا جائے گا، حضرت ابراہیم سے میت کے حنوط کے بارے میں پوچھا تو فرمایا اس کے سجدے کی جگہ سے شروع کیا جائے گا، یعنی پہلے سجدے کی جگہ پر لگایا جائے گا (ب) حضورؐ تین یمنی، سفید سحولیہ کپڑے میں کفن دیئے گئے جو سوت کے تھے۔ ان میں قمیص اور عمامہ نہیں تھا (ج) عبداللہ بن ابی بن سلول جب مرا تو اس کا بیٹا حضورؐ کے پاس آئے اور کہا آپ اپنا قمیص عنایت فرمائیے اس میں اس کو کفن دوں گا۔

اقتصروا علی ثوبین جاز [۴۱۶](۱۵) واذا ارادوا لف اللفافة علیه ابتدأوا بالجانب الایسر فالقوه علیه ثم بالایمن فان خافوا ان ینتشر الکفن عنه عقدوه [۴۱۷](۱۶) وتکفن المرأة فی خمسة اثواب ازار و قمیص و خمار وخرقة تربط بها ثدیاها ولفافة فان

جائیں گے(۲)عن عبد الرحمن بن عمر و بن العاص انه قال المیت یقمص ویوزر و یلف بالثوب الثالث فان لم یکن الا ثوب واحد کفن فیه(الف)(مؤطاامام مالک،ماجاءفی کفن المیت ص۲۰۶)

کپڑے میسر نہ ہوتو دو کپڑوں میں کفن دے۔اوراگر وہ بھی میسر نہ ہوتو جتنا کپڑا ہواتنے میں ہی کفن دیدے۔دو کپڑوں میں کفن دینے کی حدیث یہ ہے عن ابن عباس قال بینما رجل واقف بعرفة اذ وقع عن راحلته فوقصته او قال فاو قصته قال النبی ﷺ اغسلوه بماء و سدر و کفنوه فی ثوبین ولا تحنطوه ولا تخمروا رأسه فانه یبعث یوم القیامة ملبیا (ب)(بخاری شریف ،باب الکفن فی ثوبین ص۱۶۹نمبر۱۲۶۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محرم آدمی کوصرف دو کپڑے دیئے گئے۔اس لئے کفن میں دو کپڑے بھی کافی ہیں۔

لغت ازار : لنگی (یہ ایک کپڑا ہوتا ہے جوسر کے پاس سے پاؤں تک ہوتا ہے)قمیص : یہ کپڑا آدمی کے قد سے دوگنا ہوتا ہےاور درمیان میں پھاڑ کراس میں سر گھسا دیتے ہیں اور گردن سے پاؤں تک ہوتا ہے۔اللفافة : یہ کپڑا لمبی چادر کی طرح ہوتا ہےاور تمام کفن سے اوپر لپیٹا جاتا ہے۔

[۴۱۶](۱۵)جب میت پر لفافہ ڈالنے کاارادہ کرے تو بائیں جانب سے شروع کرے تو لفافہ اس پر ڈال دے،پھر دائیں جانب سے ڈالے، پس اگرخوف ہو کہ کفن کھل جائے گا تو اس پر گرہ لگا دے۔

تشریح کفن دیتے وقت پہلے تخت پر چادر لفافہ پھیلائے گا۔اس کے اوپر ازار،اورازار کے اوپر قمیص پھیلائے گا۔پھر میت کوقمیص پر رکھ کرسر کو قمیص کی چیر میں گھسادے۔اورقمیص کااوپر کا حصہ میت پر ڈال دے،اور پھرقمیص پر ازار لپیٹے اور پھر لفافہ لپیٹے۔پہلے بائیں طرف کو لپیٹے اور پھر دائیں طرف کو لپیٹے تاکہ دایاں کنارہ اوپر ہوجائے اوراخیر میں لپیٹا جائے۔دائیں طرف سے کرنے کی اہمیت پہلے گزر چکی ہے۔

[۴۱۷](۱۶)عورت کو پانچ کپڑوں میں کفن دیا جائے گا (۱) ازار(۲) قمیص (۳) اوڑھنی (۴) کپڑے کاٹکڑا جس سے اس کے پستان باندھے جائے (۵)اور چادر،پس اگر تین کپڑوں پر اکتفا کرے تو جائز ہے۔

وجہ عورت زندگی میں انہیں کپڑوں کواستعمال کرتی ہے کہ ازار،قمیص اور چادر کے ساتھ اوڑھنی اور پستان بند استعمال کرتی ہے۔اس لئے کفن

حاشیہ : (الف)عمرو بن عاص نے فرمایا میت کو پہلے قمیص پہنایا جائے گا،پھر ازار پہنائی جائے گی پھر تیسرے کپڑے سے لپیٹا جائے گا۔پس اگر کپڑے نہ ہوتو ایک ہی کپڑے میں کفن دیا جائے گا(ب)ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی عرفہ میں وقوف کر رہا تھا کہ اپنے کجاوے سے گر گیا۔اوراس کی گردن ٹوٹ گئی۔آپؐ نے فرمایا اس کو پانی اور بیری کے پتے سے غسل دواور دو کپڑوں میں کفن دو۔اورحنوط مت لگاؤ۔اوراس کے سر کومت ڈھانکو۔اس لئے کہ وہ قیامت کے دن تلبیہ پڑھتے ہوئے اٹھایا جائے گا۔

اقتصروا علی ثلاثة اثواب جاز[۴۱۸] (۱۷) ویکون الخمار فوق القمیص تحت اللفافة [۴۱۹](۱۸) ویجعل شعرها علی صدرها ولا یسرح شعر المیت ولا لحیته

میں بھی اتنے ہی کپڑے دیئے جائیں(۲) حدیث میں ہے عن رجل من بنی عروة بن مسعود ... فکان اول ما اعطانا رسول الله علیہ الحقاء ثم الدرع ثم الخمار ثم الملحفة ثم ادرجت بعد فی الثوب الا خر قالت ورسول الله جالس عند الباب معه کفنها یناولناها ثوبا ثوبا (الف)(ابوداؤدشریف، باب فی کفن المرأة ج ثانی ص۹۴ نمبر۳۱۵۷)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے لئے پانچ کپڑے ہیں(۲)اثر میں ہے عن عمر قال تکفن المرأة فی خمسة اثواب فی المنطق و فی الدرع و فی الخمار وفی اللفافة والخرقة التی تشد علیها (ب)(مصنف ابن ابی شیبة ۳۹، ما قالوا فی کم تکفن المرأة، ج ثانی،ص ۴۶۵،نمبر ۱۱۰۸۸)اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے کفن کے لئے پانچ کپڑے ہیں۔تین کپڑے پر اکتفا کرنے کی دلیل یہ اثر ہے عن محمد انه کان یقول کتفن المرأة التی حاضت فی خمسة اثواب او ثلاثة (ج)(مصنف بن ابی شیبة ۳۹، ما قالوا فی کم تکفن المرأة، ج ثانی،ص ۴۶۵،نمبر ۱۱۰۸۵)اس اثر سے معلوم ہوا کہ تین کپڑوں پر اکتفا کرے تو جائز ہے۔ پستان بند سے پستان، پیٹ اور ران تینوں کو ڈھانپا جائے گا۔اور قمیص کے اوپر لپیٹا جائے گا۔اس کی دلیل یہ اثر ہے عن ابن سیرین قال توضع الخرقة علی بطنها و تعصب بها فخذیها (د)(مصنف بن ابی شیبة ۴۰، فی الخرقة این توضع فی المرأة ج ثانی ص ۴۶۵،نمبر ۱۱۰۹۲)

[۴۱۸](۱۷)اور اوڑھنی قمیص کے اوپر ہو اور چادر کے نیچے ہو وجہ زندگی میں جب اوڑھنی سر پر ڈالا کرتی تھی تو قمیص کے اوپر لٹکتی تھی۔اور چادر کے اندر ہوا کرتی تھی۔موت کے بعد بھی اسی کیفیت سے کفن دیا جائے گا۔اس کے لئے یہ اثر ہے سألت ام الحمید ابنة سیرین هل رأیت حفصة اذا غسلت کیف تصنع بخمار المرأة؟ قالت نعم کانت تخمر ها کما تخمر الحیة ثم یفضل من الخمار قدر ذراع فتفرشه فی مؤخرها ثم تعطف تلک الفضلة فتغطی بها وجهها (ه)(مصنف ابن ابی شیبة ۴۳، فی المرأة کیف تخمر ج ثانی،ص ۴۶۶،نمبر ۱۱۱۰۷)اس سے معلوم ہوا کہ زندگی کی طرح اوڑھنی ڈالی جائے گی۔

[۴۱۹](۱۸)عورت کے بال کو اس کے سینے پر ڈال دیا جائے گا۔اور میت کے بال اور اس کی ڈاڑھی میں کنگی نہیں کی جائے گی۔

وجہ عن ام عطیة ... فضفرنا شعرها ثلثة قرون والقیناها خلفها (و)(بخاری شریف، باب یلقی شعر المرأة خلفها،ص ۱۶۸

حاشیہ : (الف)عروہ بن مسعود سے روایت ہے کہ...سب سے پہلے جو ہم کو حضورؐ نے کفن دیا وہ ازار تھی۔پھر قمیص پھر اوڑھنی، پھر چادر، پھر لپیٹ دی گئی دوسرے کپڑے میں۔فرمایا حضورؐ دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے ان کے پاس اس کی بیٹی کا کفن تھا وہ ایک ایک کپڑا دے رہے تھے(ب) حضرت عمرؓ نے فرمایا عورت کو پانچ کپڑوں میں کفن دیا جائے ازار، قمیص، اوڑھنی، چادر اور ایک ٹکڑے میں جو عورت پر باندھا جائے (ج) محمد کہا کرتے تھے کہ عورت جو بالغ ہو چکی ہو اس کو کفن دیا جائے گا پانچ کپڑوں میں یا تین کپڑوں میں (د) ابن سیرین فرماتے ہیں کہ کپڑے کا ٹکڑا رکھا جائے گا عورت کے پیٹ پر اور اس سے اس کی ران لپیٹی جائے گی۔ (ه) کیا تم نے دیکھا تھا جب حضرت حفصہ کو غسل دیا جا رہا تھا تو عورت کی اوڑھنی کے ساتھ کیسا کیا؟ کہا ہاں! اوڑھنی ڈالی گئی جیسے زندوں پر اوڑھنی ڈالی گئی۔پھر اوڑھنی میں سے ایک ہاتھ کی مقدار بچ گیا تو اس کو نیچے بچھا دیا گیا۔پھر اس باقی حصے کو لپیٹ دیا گیا اور اس سے اس کا چہرہ ڈھانک دیا گیا(و) ام عطیہ سے روایت ہے کہ...ہم نے آپ کی بیٹی کے بالوں کے تین جوڑے بنائے اور اس کو اس کے پیچھے ڈال دیا۔

[۴۲۰](۱۹) ولا یقص ظفرہ ولا یعقص شعرہ[۴۲۱] (۲۰) وتجمر الاکفان قبل ان یدرج فیھا وترا فاذا فرغوا منہ صلوا علیہ[۴۲۲] (۲۱) واولی الناس بالامامة علیہ

نمبر۳ ۱۲۶۳/ابوداؤد شریف، باب کیف غسل المیت ج ثانی ص ۹۲ نمبر۳۱۴۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے بال کو تین حصے کر کے اس کے پیچھے ڈال دے۔ بال میں کنگی اس لئے نہیں کی جائے گی کہ یہ انتہائی زینت کی چیز ہے اور میت اب بکھرنے کے لئے تیار ہے۔ اس لئے بال میں نہ کنگی کرنا مستحب ہے۔ اس کی دلیل یہ اثر ہے ان عائشة رأت امرأة یکدون رأسھا فقالت علام لتنصون میتکم (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب شعر المیت واظفارہ ج ثالث ص ۴۳۷ نمبر۶۲۳۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ میت کو کنگی کر کے بال سنوارنے کی اب ضرورت نہیں رہی۔

[۴۲۰] (۱۹) میت کے ناخن نہیں کاٹے جائیں گے اور نہ اس کے بال کاٹے جائیں گے۔

وجہ ناخن اور بال کاٹنا یہ بھی زینت میں سے ہے جس کی اب اس کو ضرورت نہیں رہی۔ اس لئے بال اور ناخن نہیں کاٹے جائیں گے۔ البتہ بہت زیادہ بڑھے ہوئے ہوں کہ دیکھنے میں بدنما معلوم ہوتے ہوں تو کاٹے بھی جاسکتے ہیں (۲) اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ ایک اثر تو حضرت عائشہ کا مسئلہ نمبر ۱۸ میں گزر چکا ہے نمبر۶۲۳۲ (۳) سئل حماد عن تقلیم اظفار المیت قال ارأیت ان کان اقلف اتختنہ وقال الحسن ان کان فاحشا اخذ منہ (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب شعر المیت واظفارہ ج ثالث ص ۴۳۷ نمبر۶۲۳۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ زینت کے طور پر تو کاٹے نہیں جائیں گے لیکن بہت زیادہ بدنما معلوم ہوتے ہوں تو کاٹے بھی جاسکتے ہیں۔

اصول میت کو بہت زیادی زینت نہیں کرائی جائے گی۔

[۴۲۱] (۲۰) کفن میں لپیٹنے سے پہلے طاق مرتبہ دھونی دی جائے گی۔ پس جب اس سے فارغ ہو تو اس پر نماز پڑھی جائے گی۔

تشریح جن کپڑوں میں کفن دینا ہے میت کو اس میں لپیٹنے سے پہلے اس کو لبان سے تین مرتبہ دھونی دے تاکہ کپڑا خوشبودار رہے۔ اور جلدی کیڑے نہ لگے۔

وجہ اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن جابر قال قال رسول اللہ ﷺ اذا اجمر تم المیت فاوتروا وروی اجمروا کفن المیت ثلاثا (ج) (سنن للبیھقی، باب الحنوط للمیت ج ثالث ص ۵۶۸، نمبر۶۷۰۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین مرتبہ کفن کو دھونی دینا چاہئے۔

[۴۲۲] (۲۱) میت پر نماز پڑھانے کا سب سے زیادہ حقدار بادشاہ ہے۔ اگر وہ حاضر نہ ہو تو گاؤں کے امام کو آگے بڑھانا بہتر ہے پھر ولی کو۔

حاشیہ : (الف) حضرت عائشہ نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ میت کے سر کو کنگھی کر رہی ہے تو انہوں نے فرمایا کہ اپنے میت کے بال کو کیوں سنوارتے ہو؟ (ب) حماد کو میت کے ناخن کاٹنے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا تمہاری کیا رائے ہے کہ اگر وہ بغیر ختنہ کے ہو تو ختنہ کروگے؟ (مطلب یہ ہے کہ ختنہ نہیں کروگے تو ناخن بھی نہ کاٹو) حسنؒ نے فرمایا اگر بہت زیادہ بڑھے ہوئے ہو تو کاٹنا چاہئے (ج) آپؐ نے فرمایا اگر تم میت کو دھونی دو تو طاق مرتبہ دو۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ میت کے کفن کو تین مرتبہ دھونی دو۔

السلطان ان حضر فان لم یحضر فیستحب تقدیم امام الحی ثم الولی.

وجہ بادشاہ موجود ہو پھر بھی دوسرا آدمی نماز پڑھائے تو اس میں بادشاہ کی توہین ہے۔اس لئے بادشاہ کو نماز پڑھانے کا زیادہ حق ہے۔وہ نہ ہو تو گاؤں کا امام، کیونکہ کہ زندگی میں اس کو اپنی نماز کا امام مانا ہے تو موت کے بعد بھی اپنی نماز کے لئے اسی پر راضی ہوگا۔اور وہ بھی نہ ہو تو اس کا ولی نماز جنازہ پڑھانے کا زیادہ حقدار ہے۔اور ولی میں بھی وراثت میں ولی عصبہ کی ترتیب ہوگی۔البتہ ولی اگر کسی اور کو نماز پڑھانے کی اجازت دے تو دے سکتا ہے (۲) **عن عمران بن حصین قال قال لنا رسول اللہ ﷺ ان اخاکم النجاشی قد مات فقوموا فصلوا علیہ فقمنا فصففنا کما یصف علی المیت و صلینا علیہ کما یصلی علی المیت** (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی صلوۃ النبی ﷺ علی النجاشی ص ۲۰۱ نمبر ۱۰۳۹ / بخاری شریف، باب الصلوۃ علی الجنائز بالمصلی والمسجد ص ۱۷۷ نمبر ۱۳۲۷) اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ حضورؐ سب کے امیر تھے اس لئے آپ نے نجاشی پر نماز جنازہ پڑھی۔اس لئے آپ سب سے زیادہ حقدار تھے۔اور دوسری بات یہ کہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے۔کیونکہ اس میں امر کا صیغہ **فقوموا فصلوا علیہ** کا لفظ ہے (۲) والی اور امیر نماز جنازہ کا زیادہ حقدار ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے **سمعت ابا حازم یقول انی لشاھد یوم مات الحسن بن علی فرأیت الحسین ابن علی یقول لسعید بن العاص ویطعن فی عنقہ تقدم فلولا انھا سنۃ ما قدمت و کان بینھم شیء** (ب) (سنن للبیہقی، باب من قال الوالی احق بالصلوۃ علی المیت من الولی ج رابع ص ۴۶، نمبر ۶۸۹۴) اس اثر میں حضرت حسینؓ حضرت حسنؓ کے ولی تھے۔لیکن سعید بن عاص کو نماز جنازہ کے لئے آگے بڑھایا۔کیونکہ وہ اس وقت والی اور امیر تھے۔اور حضرت حسینؓ نے فرمایا یہ سنت ہے اس لئے والی اور امیر نماز پڑھانے کا ولی سے زیادہ حقدار ہیں۔اور گاؤں کا امام اس کے بعد حقدار ہے۔اس کی دلیل یہ اثر ہے **عن علی قال الامام احق من صلی جنازۃ،ذھبت مع ابراھیم الی جنازۃ وھو ولیھافارسل الی امام الحی فصلی علیھا** (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۷۳، ما قالوا فی تقدم الامام علی الجنازۃ ج ثانی ص ۴۸۳، نمبر ۱۱۳۰۵ / ۱۱۳۰۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مسجد کا امام نماز کا حقدار ہے۔اس کے بعد ولی نماز جنازہ کا زیادہ حقدار ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے **عن عمر انہ قال الولی احق بالصلوۃ علیھا** (نمبر ۶۳۷۳) وفی اثر آخر **عن الحسن قال اولی الناس بالصلوۃ علی المرأۃ الاب ثم الزوج ثم الابن ثم الاخ** (د) (مصنف عبد الرزاق، باب من احق بالصلوۃ علی المیت ص ۴۷۲ نمبر ۶۳۷۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ امام گاؤں کے بعد ولی زیادہ حقدار ہے اور ولی میں ترتیب یہ ہے کہ باپ پھر شوہر پھر بیٹا

حاشیہ : (الف) آپؐ نے ہم سے فرمایا تمہارے نجاشی بھائی کا انتقال ہو گیا ہے تو کھڑے ہو اور اس پر نماز پڑھو۔تو ہم کھڑے ہوئے اور صف بنائی جیسے میت پر صف بناتے ہیں۔اور ہم نے اس پر نماز پڑھی جیسے میت پر نماز پڑھتے ہیں (ب) میں نے ابو حازم سے کہتے ہوئے سنا کہ میں حاضر تھا جس دن حسن بن علی کا انتقال ہوا ۔میں نے حسین بن علی کو دیکھا کہ وہ سعد بن عاص کو کہہ رہے ہیں اور ان کی گردن میں کچو کے بھی لگا رہے ہیں کہ نماز کے لئے آگے بڑھو۔اگر یہ سنت نہ ہوتی تو میں آپ کو جنازہ نماز کے لئے آگے نہ بڑھاتا۔اور حسین اور حضرت سعید میں کچھ اختلاف تھا (ج) حضرت علی نے فرمایا کہ امام جنازہ پر نماز پڑھانے کا زیادہ حقدار ہے۔ میں ابراہیم کے ساتھ جنازہ کے پاس گیا اور وہ اس جنازہ کے ولی تھے تو انہوں نے گاؤں کے امام کے پاس خبر بھیجی اور انہوں نے اس پر نماز پڑھائی (د) حضرت عمرؓ نے فرمایا ولی جنازہ پر نماز پڑھانے کا زیادہ حقدار ہے۔دوسرے اثر میں ہے کہ حسن نے فرمایا عورت پر نماز پڑھانے کا زیادہ حقدار باپ ہے، پھر شوہر پھر بیٹا پھر بھائی۔

[۴۲۳](۲۲) فان صلی علیہ غیر الولی والسلطان اعادالولی وان صلی علیه الولی لم یجز ان یصلی احد بعده [۴۲۴](۲۳) فان دفن ولم یصل علیه صلی علی قبره الی ثلثة

پھر بھائی نماز پڑھانے کا حقدار ہے۔

[۴۲۳](۲۲) اگر میت پر ولی اور بادشاہ کے علاوہ نے نماز پڑھی تو ولی دوبارہ نماز لوٹا سکتا ہے۔اور اگر اس پر ولی نے نماز پڑھ لی تو کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کے بعد کوئی اس پر نماز پڑھے۔

تشریح امام اور ولی نماز پڑھانے کے حقدار تھے اس لئے اگر انہوں نے ابھی تک نماز نہیں پڑھی اور دوسروں نے پڑھ لی تو اگر ولی دوبارہ نماز پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے۔اور اگر ولی نے پڑھ لی تو اب کسی کے لئے گنجائش نہیں ہے کہ وہ اب نماز پڑھے۔

وجہ (۱) حضورؐ کی لوگ نماز پڑھتے رہے۔اخر میں امیر المؤمنین حضرت ابوبکرؓ نے نماز پڑھی۔اب اس کے بعد کوئی بھی آدمی حضور کی نماز جناز نہیں پڑھ رہا ہے۔حالانکہ آپ قبر میں زندہ ہیں۔جس سے معلوم ہوا کہ ولی اور امیر کے نماز جنازہ پڑھنے کے بعد کوئی نماز نہ پڑھے۔امیر اور ولی نے نماز نہ پڑھی ہوں تو نماز پڑھ سکتے ہیں۔اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابی هریرۃ ان اسود رجلا او امرأۃ کان یقیم المسجد فمات ولم یعلم النبی** ﷺ **بموته فذکره ذات یوم فقال ما فعل ذلک الانسان قالوا مات یا رسول الله قال افلا اذنتمونی فقالوا انه کان کذا کذا قصته قال فحقروا شانه قال فدلونی علی قبره قال فاتی قبره فصلی علیه** (الف) (بخاری شریف، باب الصلوۃ علی القبر بعد ما یدفن ص ۱۷۸ نمبر ۱۳۳۷/ابو داؤد شریف، باب الصلوۃ علی القبر ج ثانی ص ۱۰۱ نمبر ۳۲۰۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور سب کے امیر تھے اور اس کالی عورت پر نماز نہیں پڑھی تھی تو آپ نے نماز کو دوبارہ پڑھی۔

[۴۲۴](۲۳) پس اگر دفن کر دیا اور اس پر نماز نہیں پڑھی تو اس کی قبر پر نماز پڑھی جائے گی تین دن تک اور نہیں پڑھی جائے گی اس کے بعد۔

تشریح جب تک میت پھول نہ گئی ہو اس وقت تک اس پر نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے۔اور عموما میت تین دن میں پھول پھٹ جاتی ہے۔اس لئے تین دن کے بعد نماز جنازہ نہ پڑھے۔قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کی دلیل مسئلہ نمبر ۲۲ کی حدیث بخاری ہے کہ کالی عورت پر دفن کے بعد آپؐ نے نماز پڑھی۔تین دن کی دلیل یہ اثر ہے **توفی عاصم بن عمر وابن عمر غائب فقدم بعد ذلک قال ایوب احسبه قال بثلاث قال فقال ارونی قبر اخی فاروه فصلی علیه** (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۶۲، فی المیت یصلی علیہ بعد دفن من فعلہ ج ثالث ص ۴۴، نمبر ۱۱۹۳/سنن للبیہقی، باب الصلوۃ علی القبر بعد ما یدفن المیت ج رابع ص ۸۱، نمبر ۷۰۰۳/۷۰۲۵) اس اثر میں تین دن کا اشارہ ہے۔اسی سے ہمارا استدلال ہے۔

حاشیہ : (الف) ایک کالا مرد یا عورت مسجد میں جھاڑو دیا کرتا تھا۔ان کا انتقال ہوا اور حضور کو اس کی موت کی خبر نہیں ہوئی تو ایک دن اس کا تذکرہ کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ اس انسان کا کیا ہوا؟ لوگوں نے کہا کہ انتقال ہو گیا یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟ لوگوں نے بتایا وہ ایسے ایسے تھے۔گویا کہ اس کی شان کو حقیر سمجھا تو آپ نے فرمایا اس کی قبر بتاؤ۔راوی فرماتے ہیں کہ آپؐ اس کی قبر پر آئے اور اس پر نماز پڑھی (ب) عاصم بن عمر کا انتقال ہوا اور حضرت ابن عمر غائب تھے۔اس کے بعد وہ آئے۔ایوب فرماتے ہیں کہ تین دن کے بعد آئے۔فرمایا میرے بھائی کی قبر بتاؤ تو ان کو قبر دکھلائی تو ابن عمر نے اس پر نماز پڑھی۔

ایام ولا یصلی بعد ذلک [۴۲۵](۲۴) ویقوم المصلی بحذاء صدر المیت[۴۲۶] (۲۵) والصلوۃ ان یکبر تکبیرۃ یحمد اللہ تعالی عقیبھا ثم یکبر تکبیرۃ و یصلی علی

فائدہ بعض لوگوں نے فرمایا کہ ایک ماہ تک نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے۔ان کا استدلال اس حدیث سے ہے **ان البراء بن معرور توفی فی صفر قبل قدوم رسول اللہ ﷺ المدینۃ بشھر فلما قدم صلی علیہ** (الف)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۶۲، فی المیت یصلی علیہ بعد ما دفن من فعلہ ج ثالث ص ۴۳، نمبر ۱۱۹۳۲ رسنن للبیہقی، نمبر ۷۰۲۱) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ایک ماہ بعد نماز جنازہ قبر پر پڑھی۔اوراس کے بعد اس لئے نہیں پڑھی جائے کہ کتنے رسول اور صحابہ اب تک گزرے، کسی پر بھی ابھی نماز نہیں پڑھی جاتی ہے۔اگر بعد میں بھی پڑھنا جائز ہوتا تو لوگ ضرور پڑھتے۔چنانچہ اس کی ممانعت کے لئے اثر موجود ہے۔ **عن ابراھیم قال لا یصلی علی المیت مرتین** (ب)مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۶۳، من کان لا یری الصلوۃ علیھا اذا دفنت وقد صلی علیھا ج ثالث ص ۴۵، نمبر ۱۱۹۴۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ نماز پڑھی گئی ہو اور ولی پڑھ چکا ہو تو دوبارہ اس پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔اسی پر امام ابو حنیفہ کا عمل ہے۔

﴿ نماز جنازہ کا بیان ﴾

[۴۲۵](۲۴) نماز پڑھانے والا میت کے سینے کے پاس کھڑا ہوگا۔

وجہ سینہ کے پاس کھڑے ہونے کی دلیل یہ اثر ہے **عن عطاء قال اذا صلی الرجل علی الجنازۃ قام عند الصدر** ((ج)(مصنف بن ابی شیبۃ ۱۰۲، فی المرأۃ این یقام منھا فی الصلوۃ والرجل علی الجنازۃ این یقام منہ ج ثالث ص ۶، نمبر ۱۱۵۵۱ رمصنف عبد الرزاق، باب این یقوم الامام من الجنازۃ ج ثالث ص ۴۶۹ نمبر ۶۳۵۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ میت کے سینہ کے پاس کھڑا ہونا چاہئے (۲) اس لئے بھی کہ سینہ میں نور ایمان ہے تو وہاں کھڑے ہو کر گویا کہ نور ایمان کی گواہی دینا ہے۔

فائدہ امام اعظم کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ عورت کے درمیان امام کھڑا ہو۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے **حدثنا سمرۃ بن جندب قال صلیت وراء النبی ﷺ علی امرأۃ ماتت فی نفاسھا فقام علیھا وسطھا** (د)(بخاری شریف، باب این یقوم من المرأۃ والرجل ص ۱۷۷ نمبر ۱۳۳۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے درمیان کھڑا ہو تا کہ عورت کے لئے امام ستر ہو جائے۔

[۴۲۶](۲۵) اور نماز کا طریقہ یہ ہے کہ پہلی تکبیر کہے اس کے بعد اللہ کی حمد بیان کرے (یعنی ثنا پڑھے) پھر تکبیر کہے اور نبی ﷺ پر درود شریف پڑھے، تیسری تکبیر کہے اور اس میں اپنے لئے اور میت کے لئے اور مسلمانوں کے لئے دعا پڑھے، پھر چوتھی تکبیر کہے اور سلام پھیر دے۔

تشریح نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہی جاتی ہیں۔پہلی کے بعد ثنا پڑھے، دوسری کے بعد نبی ﷺ پر درود شریف پڑھے، تیسری کے بعد دعائے

حاشیہ : (الف) براء بن معرور کا صفر میں انتقال ہوا حضورؐ کے مدینہ آنے سے ایک مہینہ پہلے۔پس جب وہ آئے تو ان پر نماز پڑھی (ب) حضرت ابراہیم فرماتے ہیں کہ میت پر دو مرتبہ نماز نہ پڑھی جائے (ج) عطاء نے فرمایا جب آدمی جنازہ پر نماز پڑھے تو سینہ کے پاس کھڑا ہو (د) سمرہ بن جندب فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ کے پیچھے ایک عورت پر نماز پڑھی جس کا نفاس میں انتقال ہوا تھا۔تو آپ عورت کے درمیان کھڑے ہوئے۔

النبی علیه السلام ثم یکبر تکبیرة ثالثة یدعو فیها لنفسه وللمیت وللمسلمین ثم یکبر تکبیرة رابعة ویسلم.

جنازہ پڑھے اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیر دے۔

وجہ چار تکبیر کہنے کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ نعی النجاشی فی الیوم الذی مات فیه وخرج بهم الی المصلی فصف بهم وکبر علیه اربع تکبیرات** (الف) (بخاری شریف، باب التکبیر علی الجنازة اربعاص ۱۷۸ نمبر ۱۳۳۳ / ابوداؤد شریف، باب الصلوة علی المسلم یموت فی بلاد المشرک ص ۱۰۱ نمبر ۳۲۰۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں چار تکبیر کہی جائے گی۔ ہر تکبیر کے بعد کیا پڑھے گا اس کی تفصیل اس اثر میں ہے **سأل ابا هریرة کیف تصلی علی الجنازة فقال ابو هریرة انا لعمر الله اخبرک اتبعها من اهلها فاذا وضعت کبرت وحمدت الله و صلیت علی نبیه ثم اقول اللهم عبدک وابن عبدک الخ** (ب) (مؤطا امام مالک، باب مایقول المصلی علی الجنازة ص ۲۰۹) اس اثر میں ہے کہ پہلی تکبیر کے بعد ثنا، دوسری تکبیر کے بعد درود اور تیسری تکبیر کے بعد میت کے لئے دعا پڑھے۔ اگر سورۂ فاتحہ ثنا کے طور پر پڑھے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ البتہ قرأت کے طور پر پڑھے تو حنفیہ کے نزدیک ٹھیک نہیں ہے۔

وجہ نماز جنازہ ایک قسم کی دعا ہے۔ اس لئے اس میں قرأت نہیں ہوگی (۲) اثر میں اس کی ممانعت موجود ہے۔ **ان عبد الله بن عمر کان لا یقرأ فی الصلوة علی الجنازة** (ج) (مؤطا امام مالک، باب مایقول المصلی علی الجنازة ص ۲۰۱ / مصنف عبد الرزاق، باب القراءة والدعاء فی الصلوة علی المیت ص ۴۹۱ نمبر ۶۴۳۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ پہلی تکبیر کے بعد سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی جائے گی۔

فائدہ امام شافعی اور دیگر ائمہ کے نزدیک پہلی تکبیر کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھے۔ ان کی دلیل یہ اثر ہے۔ **عن طلحة بن عبد الله بن عوف قال صلیت خلف ابن عباس علی جنازة فقرأ بفاتحة الکتاب وقال لیتعلموا انها السنة** (د) (بخاری شریف، باب قراءة فاتحة الکتاب علی الجنازة ص ۱۷۸ نمبر ۱۳۳۵ / ابوداؤد شریف، باب مایقرأ علی الجنازة ج ثانی ص ۱۰۰ نمبر ۳۱۹۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھے۔

حنفیہ کے نزدیک عموماً بڑوں کے لئے یہ دعا پڑھتے ہیں۔ **عن ابی هریرة قال صلی رسول الله ﷺ علی جنازة فقال اللهم اغفر لحینا ومیتنا الخ** (ہ) (ابوداؤد شریف، باب الدعاء للمیت ج ثانی ص ۱۰۰ نمبر ۳۲۰۱ / ترمذی شریف، باب مایقول فی الصلوة علی المیت، ص

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے نجاشی کی موت کی خبر اس دن دی جس دن وہ انتقال کر گئے اور لوگوں کو لیکر عیدگاہ کی طرف گئے پس لوگوں کے ساتھ صف بنائی اور ان پر چار تکبیریں کہی (ب) حضرت ابو ہریرہ سے پوچھا کہ جنازہ پر نماز کیسے پڑھتے ہیں تو انہوں نے فرمایا اللہ کی قسم میں تم کو خبر دوں گا اور اہل جنازہ کے پیچھے میں چلوں گا۔ پس جب جنازہ رکھو تو تکبیر کہتا ہوں، ثنا پڑھتا ہوں، نبی پر درود پڑھتا ہوں اور کہتا ہوں اللهم عبدک وابن عبدک الخ پوری دعا پڑھتا ہوں (ج) عبد اللہ بن عمر جنازہ کی نماز میں قرأت نہیں کیا کرتے تھے (د) میں نے حضرت ابن عباسؓ کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے سورۂ فاتحہ پڑھی اور کہا کہ تم جان لو کہ یہ سنت ہے (ہ) حضورؐ نے جنازہ پر نماز پڑھی۔ پس کہا اللهم اغفر لحینا ومیتنا الخ۔

[۴۲۷] (۲۶) ولا یصلی علی میت فی مسجد جماعۃ[۴۲۸] (۲۷) فاذا حملوہ علی

۱۹۸نمبر۱۰۲۴)

[۴۲۷](۲۶)اور نہ نماز پڑھے میت پر جماعت والی مسجد میں۔

وجہ (۱)میت مسجد میں رکھی جائے تو ممکن ہے کہ مسجد کے تلویث ہونے کا خطرہ ہو۔اس لئے مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے۔البتہ پڑھ لیا تو ہو جائے گی (۲) حدیث میں ہے۔**عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ من صلی علی جنازۃ فی المسجد فلا شیء لہ** (الف) (ابوداؤد شریف، باب الصلوۃ علی الجنازۃ فی المسجد ج ثانی ص ۹۸ نمبر ۳۱۹۱ سنن للبیھقی ، باب الصلوۃ علی الجنازۃ فی المسجد ج رابع ص ۸۶، نمبر ۷۰۴۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں نماز پڑھنے سے ثواب نہیں ملے گا (۳) خود مدینہ طیبہ میں نماز جنازہ کے لئے الگ جگہ تھی۔

فائدہ امام شافعیؒ کے یہاں مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن عائشۃ لما توفی سعد بن ابی وقاص ... فبلغھن ان الناس عابوا ذلک و قالوا ما کانت الجنائز یدخل بھا المسجد فبلغ عائشۃ فقالت ما اسرع الناس الی ان یعیبوا مالا علم لھم بہ ،عابوا علینا ان یمر بجنازۃ فی المسجد وما صلی رسول اللہ علی سھیل بن بیضاء الا فی جوف المسجد** (ب) (مسلم شریف،ابواب الجنائز،فصل فی جواز الصلوۃ علی المیت فی المسجد ص ۳۱۳ نمبر ۹۷۳ ابوداؤد شریف، باب الصلوۃ علی الجنازۃ فی المسجد ج ثانی ص ۹۸ نمبر ۳۱۹۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے۔

نوٹ لیکن حدیث کے انداز ہی سے پتہ چلتا ہے کہ عام صحابہ نے مسجد میں میت لانے سے کراہیت کا اظہار فرمایا تھا۔اور یہی حنفیہ کا مذہب ہے۔

[۴۲۸] (۲۷) پس جب میت کو چار پائی پر اٹھائے تو اس کے چاروں پایوں کو پکڑے اور اس کو تیزی سے لیکر چلے لیکن دوڑے نہیں۔

تشریح میت کو کفن دیکر چار پائی پر لٹائے اور چار پائی کے چاروں پایوں کو پکڑ کر قبرستان کی طرف چلے۔لیکن اس انداز سے کہ تیزی کے ساتھ قبرستان کی طرف جائے لیکن دوڑے نہیں۔کیونکہ یہ میت کی شان کے خلاف ہے۔اور میت کے گرنے کا خطرہ ہے۔

وجہ جلدی کرنے کے لئے یہ حدیث ہے **عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قال اسرعوا بالجنازۃ فان تک صالحۃ فخیر تقدمونھا وان تک سوی ذلک فشر تضعونہ عن رقابکم** (ج) (بخاری شریف، باب السرعۃ بالجنازۃ ص ۱۷۶ نمبر ۱۳۱۵)

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جس نے جنازہ پر نماز مسجد میں پڑھی اس کے لئے کچھ نہیں ہے (ب) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب سعد بن وقاص وفات پائے...حضرت عائشہ کو خبر پہنچی کہ لوگ اس پر عیب لگا رہے ہیں اور لوگ کہہ رہے ہیں کہ جنازہ ایسا نہیں ہے کہ اس کو مسجد میں داخل کیا جائے۔یہ خبر حضرت عائشہ کو پہنچی تو حضرت عائشہ نے فرمایا کتنی جلدی لوگ عیب لگاتے ہیں ایسی چیز کا جس کا ان کو علم نہیں ہے۔وہ ہم پر عیب لگاتے ہیں کہ جنازہ مسجد میں گزرے۔حالانکہ حضورؐ نے سہل بن بیضاء پر مسجد کے اندر ہی نماز پڑھی ہے (ج) حضورؐ نے فرمایا جنازہ کو جلدی لے جاؤ اگر وہ نیک ہے تو اچھی چیز ہے جس کو تم آگے کر رہے ہو۔اور اگر اس کے علاوہ ہے تو بری چیز ہے جس کو تم اپنی گردن سے رکھ دو۔

سریرہ اخذوا بقوائمہ الاربع ویمشون بہ مسرعین دون الخبب [۴۲۹](۲۸) فاذا بلغوا الی قبرہ کرہ للناس ان یجلسوا قبل ان یوضع من اعناق الرجال [۴۳۰](۲۹) ویحفر

وفی ابی داؤد، عن ابن مسعود قال سألنا نبینا ﷺ عن المشی مع الجنازۃ فقال مادون الخبب (الف)(ابوداؤد شریف ،باب الاسراع بالجنازۃ ج ثانی ص ۹۷ نمبر ۳۱۸۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنازہ کو تیزی سے قبرستان کی طرف لے جانا چاہئے۔لیکن دوڑنا نہیں چاہئے۔اور چاروں پائے پکڑنے کے لئے یہ اثر ہے قال عبد اللہ بن مسعود من اتبع جنازۃ فلیحمل بجوانب السریر کلھا فانہ من السنۃ (ب)(ابن ماجہ شریف ،باب ما جاء فی شھود الجنائز ص ۲۱۱ ،نمبر ۱۴۷۸)اور اثر میں ہے رأیت ابن عمر فی جنازۃ فحملوا بجوانب السریر الاربع فبدأ بالمیامن ثم تنحی عنھا (ج)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۶۸ ،بای جوانب السریر یبدأ فی الحمل ،ج ثانی ،ص ۴۸۰ ،نمبر ۱۱۲۷۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ چاروں پایوں کو پکڑنا چاہئے۔اور میت کی دائیں جانب سے پکڑنا شروع کرنا چاہئے۔

لغت الخبب : دوڑنا۔

[۴۲۹](۲۸) پس جب قبر تک پہنچ جائے تو لوگوں کے لئے مکروہ ہے کہ بیٹھے مردوں کے گردنوں سے رکھنے سے پہلے۔

تشریح ابھی میت کو اٹھانے والوں نے اپنے کندھے سے زمین پر رکھا نہیں ہے اس سے پہلے عام لوگ بیٹھ جائیں یہ مکروہ ہے۔

وجہ (۱) یہ میت کی شان کے خلاف ہے (۲) اٹھانے والوں کو ضرورت پڑ سکتی ہے کہ چار پائی کو پکڑے۔اس لئے میت کو رکھنے سے پہلے عام لوگوں کو نہیں بیٹھنا چاہئے۔البتہ مجبوری ہو تو بیٹھ سکتا ہے۔اس کی دلیل یہ اثر ہے عن ابی ھریرۃ انہ لم یکن یقعد حتی یوضع السریر ،و عن ابی سعید قال اذا کنتم فی جنازۃ فلا تجلسوا حتی یوضع السریر (د)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۹۹ ،فی الرجل یکون مع الجنازۃ من قال لا یجلس حتی یوضع ج ثالث ،ص ۳ ،نمبر ۱۱۵۱۰/۱۱۵۱۱) اس سے معلوم ہوا کہ جنازہ کے رکھنے سے پہلے نہیں بیٹھنا چاہئے۔

[۴۳۰](۲۹) قبر کھودی جائے اور لحد بنائی جائے۔

تشریح قبر دو طرح سے کھودی جاتی ہے۔ایک لحد یعنی سیدھی کھود کر پھر دائیں جانب کنارہ کھود کر میت کو رکھنے کی جگہ بنائی جائے اور اس میں میت کو رکھ کر کنارہ پر کچی اینٹ رکھ دی جائے۔اور دوسری شکل شق کی ہے یعنی سیدھی کھودی جائے اور گہرا کر کے اس میں میت کو رکھا جائے اور اوپر سے لکڑی ڈال کر پاٹ دی جائے۔دونوں قسم جائز ہے۔اور مٹی حالت دیکھ کر قبر کھودی جاتی ہے۔البتہ لحد زیادہ بہتر ہے اور اس میں خرچ

حاشیہ : (الف) میں نے حضورؐ کو جنازہ کے ساتھ چلنے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا دوڑنے سے تھوڑا کم (لے کر چلو) (ب) عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا جو جنازہ کے پیچھے چلے تو چار پائی کے چاروں جانب اٹھائے اس لئے کہ وہ سنت ہے (ج) حضرت ابن عمر کو جنازہ میں دیکھا کہ وہ چار پائی کے چاروں جانب اٹھاتے تھے اور دائیں جانب سے شروع کرتے پھر اس سے الگ ہو جاتے (د) ابو ہریرہ سے منقول ہے کہ وہ نہیں بیٹھتے تھے یہاں تک کہ چار پائی رکھی جائے۔اور ابو سعید سے منقول ہے کہ فرمایا کہ جب تم جنازہ میں ہو تو مت بیٹھو جب تک کہ چار پائی نہ رکھی جائے۔

القبر ویلحد[۴۳۱] (۳۰) ویدخل المیت مما یلی القبلة [۴۳۲](۳۱) فاذا وضع فی لحده قال الذی یضعه بسم الله و علی ملة رسول الله [۴۳۳](۳۲) ویوجهه الی

بھی کم ہے۔لحد مسنون ہونے کی وجہ یہ حدیث ہے **ان سعد بن وقاص قال فی مرضه الذی هلک فیه الحدوا لی لحدا وانصبوا علی اللبن نصبا کما صنع برسول الله ﷺ** (الف) (مسلم شریف، کتاب الجنائز، فصل فی استحباب اللحد ص ۳۱۱ نمبر ۹۶۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لحد زیادہ بہتر ہے اور سنت ہے (۲) ترمذی میں ہے **عن ابن عباس قال النبی ﷺ اللحد لنا والشق لغیرنا** (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی قول النبی اللحد لنا والشق لغیرنا ص ۲۰۳ نمبر ۱۰۴۵ ابوداؤد شریف، باب فی اللحد ج ثانی ص ۱۰۲ نمبر ۳۲۰۸) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ لحد مسنون ہے۔

[۴۳۱] (۳۰) میت کو قبلہ کی جانب سے داخل کیا جائے۔

تشریح میت کو قبر میں داخل کرنے کی دو شکلیں ہیں (۱) یہ کہ میت کو قبر کے قبلہ کی جانب رکھی جائے اور وہاں سے قبر میں داخل کرے۔یہی حنفیہ کے یہاں مستحب ہے۔اور دوسری شکل یہ ہے کہ میت کو قبر کی پاتانے کی طرف رکھی جائے اور وہاں سے سرکا کر قبر میں داخل کیا جائے۔

وجہ **عن ابن عباس ان النبی ﷺ دخل قبرا لیلا فاسرج لی سراج فاخذه من قبل القبلة** (ج) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الدفن باللیل ص ۲۰۴ نمبر ۱۰۵۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قبلہ کی جانب سے میت کو قبر میں داخل کیا جائے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک پاتانے کی جانب سے میت کو ڈالا جائے گا۔ان کی دلیل یہ اثر ہے **عن ابی اسحاق قال اوصی الحارث ان یصلی علیه عبد الله بن یزید فصلی علیه ثم ادخله القبر من قبل رجلی القبر وقال هذا من السنة** (د) (ابوداؤد شریف ،باب کیف یدخل المیت قبرہ ص ۱۰۲ نمبر ۳۲۱۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ پاؤں کی جانب سے داخل کیا جائے۔

[۴۳۲] (۳۱) پس جب قبر میں رکھے تو رکھنے والا کہے **بسم الله و علی ملة رسول الله.**

وجہ **عن ابن عمر ان النبی ﷺ اذا ادخل المیت القبر قال مرة بسم الله وبالله و علی ملة رسول الله وقال مرة وباسم الله وعلی سنه رسول الله ﷺ** (ہ) (ترمذی شریف، باب ماجاء مایقول اذا ادخل المیت قبرہ ص ۲۰۲ نمبر ۱۰۴۶ ابوداؤد شریف، باب فی الدعاء للمیت اذا وضع فی قبرہ ج ثانی ص ۱۰۲ نمبر ۳۲۱۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قبر میں رکھنے والا بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ پڑھے۔

[۴۳۳] (۳۲) اور میت کا چہرہ قبلہ کی طرف پھیر دے۔

حاشیہ : (الف) سعد بن وقاص نے فرمایا اس مرض میں جس میں ان کا انتقال ہوا، میرے لئے لحد بناؤ اور میری لحد پر کچی اینٹ رکھ دینا جیسا کہ حضورؐ کے ساتھ کیا گیا (ب) آپؐ نے فرمایا لحد ہمارے لئے ہے اور شق ہمارے علاوہ کے لئے ہے (ج) حضور قبر میں رات میں داخل ہوئے۔آپؐ کے لئے چراغ جلایا گیا تو میت کو قبلہ کی جانب سے لیا (د) حضرت حارث نے وصیت کی کہ ان پر عبد اللہ بن زید نماز پڑھائے۔پس ان پر نماز پڑھائی پھر قبر میں قبر کے پاؤں کی جانب سے داخل کیا اور فرمایا یہ سنت ہے (ہ) آپؐ جب میت کو قبر میں داخل فرماتے تو کبھی بسم اللہ وباللہ وعلی ملۃ رسول اللہ پڑھتے اور کبھی بسم اللہ وباللہ وعلی سنۃ رسول اللہ پڑھتے۔

القبلۃ[۴۳۴](۳۳) ویحل العقدۃ[۴۳۵] (۳۴) و یسوی اللبن علی اللحد[۴۳۶](۳۵) ویکرہ الآجر و الخشب ولا بأس بالقصب.

وجہ زندگی میں قبلہ کی طرف نماز پڑھتا رہا اب موت کے بعد بھی قبلہ ہی کی طرف چہرہ ہو(۲)**ان رجلا سأله فقال یا رسول الله ﷺ ما الکبائر ؟ قال هن تسع فذکر معناه وزاد وعقوق الوالدین المسلمین واستحلال البیت الحرام قبلتکم احیاء و امواتا** (الف)(ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی التشدید فی اکل مال الیتیم ج ثانی ص ۴۱ نمبر ۲۸۷۵ رسنن للبیھقی، باب ماجاء فی استقبال القبلۃ بالموتی ج ثالث ص ۵۷۳، نمبر ۶۷۲۴)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میت کو بھی قبلہ کی طرف لٹایا جائے۔

[۴۳۴](۳۳) گرہ کھول دے۔

تشریح کفن دیتے وقت کھلنے کا خطرہ ہو تو گرہ لگانے کے لئے کہا تھا۔ اب قبر میں میت کو لٹانے کے بعد کفن کے گرہ کھول دے۔ اس کی دلیل یہ اثر ہے۔**عن ابراھیم قال اذا ادخل المیت القبر حل عنه العقد کلها** (ب)(مصنف ابن ابی شیبہ ۱۲۰، ما قالوا فی حل العقد عن لمیت ج ثالث ص ۱۷، نمبر ۱۱۶۶۹)اس اثر سے معلوم ہوا کہ کفن کی گرہ کھول دی جائے۔

[۴۳۵](۳۴) اور لحد میں کچی اینٹ برابر کر کے ڈالی جائے۔

تشریح لحد کے دائیں کنارے میں میت کو رکھ دی جاتی ہے اس لئے لحد کے منہ پر کچی اینٹ برابر کر کے ڈالی جائے جس سے لحد کا منہ بند ہو جائے۔

وجہ اس کی دلیل یہ حدیث ہے **ان سعد بن ابی وقاص قال فی مرضه الذی هلک فیه الحدوا لحدا وانصبوا علی لبنا نصبا کما صنع برسول الله ﷺ** (ج)(مسلم شریف، کتاب الجنائز، فصل فی استحباب اللحد ص ۳۱۱ نمبر ۹۶۶)**عن علی ابن حسین انهم علی قبر رسول الله ﷺ نصبوا اللبن نصبا** (د)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۲۹، فی اللبن ینتصب علی القبر اوبینی بناء ج ثالث ص ۲۳، نمبر ۱۱۷۲۹)اس اثر سے اور حدیث سے معلوم ہوا کہ لحد میں کچی اینٹ ڈالی جائے۔

[۴۳۶](۳۵) مکروہ ہے پکی اینٹ اور تختے، اور کوئی حرج کی بات نہیں ہے بانس ڈالنے میں۔

تشریح قبر بوسیدہ ہونے اور ویران ہونے کے لئے ہے۔ اس لئے اس پر ایسی چیزیں بنانا جو دیرپا ہو اور آگ سے پکی ہو وہ مکروہ ہے۔ اس لئے پکی اینٹیں دینا مکروہ ہے۔ کیونکہ اس میں آگ کا اثر ہے اور دیرپا ہوتی ہے۔ اسی طرح مضبوط قسم کا تختہ دینا مکروہ ہے کیونکہ وہ دیرپا رہتا ہے۔ البتہ بانس چونکہ دیرپا نہیں ہے اس لئے وہ جائز ہے۔

حاشیہ : (الف) ایک آدمی نے پوچھا یا رسول اللہ کبائر کیا ہیں؟ کہا وہ نو ہیں۔ پس اوپر کے معنی کو ذکر کیا اور زیادہ کیا مسلمان والدین کی نافرمانی اور بیت حرام کو حلال کرنا جو تمہارے زندوں اور مردوں کا قبلہ ہے(ب) ابراہیم نے فرمایا جب میت قبر میں داخل کر دیا جائے تو اس کے تمام گرہ کھول دیئے جائیں(ج) سعد بن وقاص نے اس مرض میں کہا جس میں وہ ہلاک ہوئے میرے لئے لحد بنانا اور میرے اوپر کچی اینٹ ڈالنا جیسا کہ حضورؐ کے ساتھ کیا گیا ہے(د) حسین نے فرمایا کہ حضور کی قبر پر کچی اینٹ ڈالی گئی ہے۔

[۴۳۷](۳۶) ثم یھال التراب علیه ویسنم القبر ولا یسطح [۴۳۸](۳۷) ومن استھل

وجہ حدیث میں ہے عن جابر قال نھی رسول اللہ ﷺ ان یجصص القبر وان یقعد علیه وان یبنی علیه (الف) (مسلم شریف، کتاب الجنائز، فصل فی النھی عن تجصیص القبور ص ۳۱۲ نمبر ۹۷۰/ابوداؤد شریف، باب فی البناء علی القبر ج ثانی ص ۱۰۴ نمبر ۳۲۲۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قبر پر پکی اینٹ اور تختہ نہ دیا جائے۔ عن ابراھیم قال کانوا یستحبون اللبن و یکرھون الآجر ویستحبون القصب ویکرھون الخشب (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۳۷، فی تجصیص القبر والآجر یجعل لہ ج ثالث ص ۲۷، نمبر ۱۱۷۶۹) اس اثر سے بھی مسئلہ کی تائید ہوتی ہے۔

لغت الآجر : پکی اینٹ، خشب : لکڑی، القصب : بانس۔

[۴۳۷] (۳۶) پھر قبر میں مٹی ڈال دی جائے اور قبر کو ہان نما بنائی جائے۔

تشریح جس طرح اونٹ کی کوہان ہوتی ہے اسی انداز کی قبر کی شکل بنائی جائے۔ لیکن قبر بہت اونچی نہ کی جائے۔ البتہ چوکور بنا کر زمین کی سطح کے قریب نہ کی جائے کوہان نما اونچی رہے۔

وجہ عن سفیان التمار قال دخلت البیت الذی فیه قبر النبی ﷺ فرأیت قبر النبی ﷺ وقبر ابی بکر و عمر مسنمة (ج) (بخاری شریف، باب ماجاء فی قبر النبی ﷺ وابوبکر وعمر ص ۱۸۶ نمبر ۱۳۹۰/مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۳۰، ما قالوا فی القبر یسنم ص ۲۳، نمبر ۱۱۷۳۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ قبر کو ہان نما بنائی جائے۔ قبر اونچی نہ ہو اس کی دلیل یہ حدیث ہے قال لی علی الا ابعثک علی ما بعثنی علیه رسول اللہ ﷺ ان لا تدع تمثالا الا طمسته ولا قبرا مشرفا الا سویته (د) (مسلم شریف، کتاب الجنائز، فصل فی طمس التمثال وتسویۃ القبر المشرف ص ۳۱۲ نمبر ۹۶۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بہت ابھری ہوئی قبر کو نیچی کی جائے۔

لغت یھال : مٹی ڈالی جائے، یسنم : کوہان نما بنائی جائے۔ یسطح : چوکور، زمین کی سطح سے ملی ہوئی۔

[۴۳۸] (۳۷) ولادت کے بعد جو رویا ہو تو اس کا نام رکھا جائے گا اور غسل دیا جائے گا اور اس پر نماز پڑھی جائے گی۔ اور اگر نہیں رویا تو ایک ٹکڑے میں لپیٹ دیا جائے گا اور دفن کر دیا جائے گا اور اس پر نماز نہیں پڑھی جائے گی۔

وجہ اصل قاعدہ یہ ہے کہ زندہ پیدا ہوا ہو اور بعد میں مرا ہو تو اس پر میت کے سارے احکام جاری ہوں گے۔ اور اگر مردہ پیدا ہوا ہو تو وہ گوشت کے لوتھڑے کی طرح ہے اس پر میت کے احکام جاری نہیں ہونگے رونا زندگی کی علامت ہے، اسی طرح کوئی اور علامت سے زندگی کا پتہ چل جائے تو اس پر میت کے احکام جاری ہونگے ورنہ نہیں۔ اگر زندگی کا پتہ چلا تو اس بچے کا نام رکھا جائے گا۔ اس کو غسل دیا جائے گا اور اس پر نماز

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے منع کیا ہے کہ قبر پر چونا اور گچ ڈالا جائے اور اس پر بیٹھا جائے اور اس پر تعمیر کی جائے (ب) ابراہیم سے روایت ہے کہ وہ قبر پر کچی اینٹ ڈالنا مستحب سمجھتے تھے اور پکی اینٹ ڈالنا مکروہ سمجھتے تھے۔ اور بانس ڈالنا مستحب سمجھتے تھے اور تختہ ڈالنا مکروہ سمجھتے تھے (ج) سفیان فرماتے ہیں کہ میں اس گھر میں داخل ہوا جس میں حضور کی قبر ہے تو حضورؐ، ابوبکرؓ اور عمرؓ کی قبروں کو دیکھا کہ وہ کوہان نما ہیں (د) مجھ سے حضرت علیؓ نے فرمایا، کیا تم کو نہ بھیجوں جس پر مجھ کو رسول اللہ نے بھیجا، یہ کہ کسی مورت کو نہ دیکھوں مگر اس کو مٹا دوں۔ اور نہ اونچی قبر کو دیکھوں مگر اس کو زمین کے برابر کر دوں۔

بعد الولادة سمی و غسل و صلی علیه وان لم یستهل ادرج فی خرقة ودفن ولم یصل علیه.

بھی پڑھی جائے گی۔دلیل یہ حدیث ہے **عن المغیرة بن شعبة انه ذکر ان رسول الله قال الراکب خلف الجنازة والماشی حیث شاء منها والطفل یصلی علیه** (الف)(نسائی شریف، باب الصلوۃ علی الاطفال ص۲۱۴،نمبر۱۹۵۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچے کا انتقال ہوجائے تو اس پر نماز پڑھی جائے گی۔اور طفل اسی وقت کہتے ہیں جب کہ اس میں زندگی ہو ورنہ تو وہ گوشت کا لوتھڑا ہے۔**عن عن جابر بن عبد الله قال قال رسول الله** ﷺ **اذا استهل الصبی صلی علیه وورث** (ب)(ابن ماجہ شریف، باب ماجاء فی الصلوۃ علی الطفل ،ص۲۱۵،نمبر۱۵۰۸ر مصنف عبدالرزاق، باب الصلوۃ علی الصغیر والسقط ومیراثہ ص۵۳۰نمبر۶۵۹۵ر سنن للبیھقی ، باب السقط یغسل ویکفن ویصلی علیہ ان استھل اوعرفت لہ الحیاۃ ج رابع ص۱۳،نمبر۶۷۸۳)اس اثر سے اوپر کے مسئلے کی تائید ہوتی ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا سوار جنازہ کے پیچھے رہے اور پیدل چلنے والا جدھر چاہے چلے،اور بچے پر نماز پڑھی جائے گی (ب) رسول اللہؐ نے فرمایا جب بچہ روئے تو اس پر نماز پڑھی جائے اور وہ وارث ہوگا۔

﴿باب الشهيد﴾

[۴۳۹](۱) الشهيد من قتله المشركون او وجد فى المعركة وبه اثر الجراحة او قتله المسلمون ظلما ولم يجب بقتله دية [۴۴۰](۲) فيكفن و يصلى عليه ولا يغسل

﴿ باب الشہید ﴾

ضروری نوٹ اس شہید کو غسل نہیں دیا جائے گا جو شہدائے احد کی طرح ہو۔یعنی کافروں نے ظلما قتل کیا ہو اور زخم لگنے کے بعد دنیا سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا ہو اور انتقال ہو گیا ہو۔اور اس کے قتل کی وجہ سے دیت ،قصاص یا کوئی معاوضہ بھی نہ لیا جا سکا ہو تا کہ مکمل مظلوم ہو کر مرے۔ایسا شہید کامل شہید ہے۔اس کے یہ احکام ہیں جو آگے آرہے ہیں۔

[۴۳۹](۱) شہید (کامل) وہ ہے (۱) جس کو مشرکین نے قتل کیا ہو (۲) یا میدان جنگ میں پایا گیا ہو اور اس پر زخم کا اثر ہو (۳) یا مسلمان نے ظلما قتل کیا ہو اور اس کے قتل کی وجہ سے کوئی دیت لازم نہ ہوئی ہو۔

تشریح یہاں شہید کی تین تعریفیں ہیں یا تین قسمیں ہیں جو کامل شہید شمار کئے جاتے ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ مشرک نے اس کو قتل کیا ہو۔دوسری شکل یہ ہے کہ مشرک نے مکمل قتل تو نہ کیا ہو لیکن میدان جنگ میں زخمی پایا گیا ہو پھر دنیا سے فائدہ اٹھائے بغیر انتقال ہو گیا ہو۔میدان جنگ میں پایا جانا دلیل ہے کہ اس کو کفار نے قتل کیا ہے۔تیسری شکل یہ ہے کہ قتل تو مسلمان نے ہی کیا ہے لیکن قتل اس انداز سے کیا ہے کہ اس کی وجہ سے دیت اور مال لازم نہیں آتا ہے بلکہ قصاص لازم آتا ہے۔اگر دیت اور مال لازم آتا تو دیت لینے کی وجہ سے ظلم میں کمی واقع ہو گئی اس لئے مکمل مظلوم نہیں رہا اور نہ مکمل شہید ہوا اس لئے اس کو غسل دیا جائے گا۔لیکن اگر دیت لازم نہیں ہوئی ہو تو مال نہ لینے کی وجہ سے مکمل مظلوم ہوا۔اس لئے اب وہ شہدائے احد کے درجہ میں ہوا اس لئے اس کو غسل نہیں جائیگا۔

[۴۴۰](۲) پس کفن دیا جائے گا اور نماز پڑھی جائے گی اور غسل نہیں دیا جائے گا۔

وجہ کفن دیا جائے گا اور غسل نہیں دیا جائے گا اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن جابر قال النبی ﷺ ادفنوهم فى دمائهم يعنى يوم احد ولم يغسلهم** (الف) بخاری شریف، باب من لم یر غسل الشہید ص ۱۷۹ نمبر ۱۳۴۶ ابوداؤد شریف، باب فی الشہید یغسل ج ثانی ص ۹۱ نمبر ۳۱۳۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شہید کو غسل نہیں دیا جائے گا۔اسی کے کپڑے کے ساتھ کفن دیکر دفن کیا جائے۔اور جو زیادہ ہو اس کو نکال لیا جائے۔اور جو کم ہو اس کا اضافہ کیا جائے۔اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابن عباس قال امر رسول الله ﷺ بقتلى احد ان ينزع عنهم الحديد والجلود وان يدفنوا بدمائهم و ثيابهم** (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی الشہید یغسل ج ثانی ص ۹۱ نمبر ۳۱۳۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کفن کے لائق جو کپڑے یا چیزیں نہ ہوں ان کو نکال دیئے جائیں اور جو کپڑے کفن کے لائق ہوں وہ ان

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا شہیدوں کو اس کے خون میں دفن کرو یعنی جنگ احد کے دن اور ان کو غسل نہیں دیا (ب) آپؐ نے احد کے مقتولین کے بارے میں حکم دیا کہ ان سے لوہے کا سامان اور چمڑے کا سامان نکال دو،اور ان کے خون اور ان کے کپڑوں میں دفن کرو۔

[۱۴۴۱](۳) و اذا استشھد الجنب غسل عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ و کذلک الصبی و قال

کے ساتھ ہی رکھے جائیں۔اور کفن میں جو کمی رہ جائے اس کو پوری کی جائے۔

شہید پر نماز پڑھی جائے اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابن عباس قال اتی بھم رسول اللہ ﷺ یوم احد فجعل یصلی علی عشرۃ عشرۃ و حمزۃ ھو کما ھو یرفعون وھو کما ھو موضوع** (الف)(ابن ماجہ شریف، باب ماجاء فی الصلوۃ علی الشھداء و دفنھم ص ۲۱۶، نمبر ۱۵۱۳/سنن للبیھقی، باب من زعم ان النبی ﷺ علی شھداء احد ج رابع ص ۱۸، نمبر ۶۸۰۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شہداء احد پر آپؐ نے نماز پڑھی (۲) نماز ترقی درجات کے لئے اور استغفار کے لئے ہے۔اور یہ بچوں اور نبی کے لئے بھی جائز ہے۔اس لئے شہید کے لئے بھی کیا جائے (۳) خود بخاری میں اس حدیث میں موجود ہے۔**عن عقبۃ بن عامر ان النبی ﷺ خرج یوما فصلی علی اھل احد صلوا تہ علی المیت ثم انصرف الی المنبر** (ب)(بخاری شریف، باب الصلوۃ علی الشہید ص ۱۷۹ نمبر ۱۳۴۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شہید پر نماز پڑھی جاسکتی ہے۔مصنف عبد الرزاق، باب الصلوۃ علی الشہید وغسلہ ج ثالث ص ۵۴۲ نمبر ۶۶۳۶/۶۶۳۷ میں شہید پر نماز پڑھنے کے بارے میں تفصیل موجود ہے. فلیراجع !

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک شہید پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔**عن جابر بن عبد اللہ ... وامر بدفنھم فی دمائھم ولم یغسل ولم یصل علیھم** (ج)(بخاری شریف، باب الصلوۃ علی الشہید ص ۱۷۹ نمبر ۱۳۴۳/ابوداؤد شریف، باب فی الشہید یغسل ج ثانی ص ۹۱ نمبر ۳۱۳۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شہید پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

نوٹ ہمارا عمل پہلی احادیث پر ہے۔

[۱۴۴۱](۳) جنبی اگر شہید ہو جائے تو غسل دیا جائے گا امام ابو حنیفہ کے نزدیک۔ایسے بچے کو بھی اور صاحبین نے فرمایا دونوں کو غسل نہیں دیا جائے گا **وجہ** امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس لئے غسل دیا جائے گا کہ اگر چہ وہ شہید ہے لیکن غسل جنابت واجب ہے اس لئے غسل جنابت دیا جائے گا۔کیونکہ حضرت حنظلہ کو فرشتوں نے غسل دیا تھا۔ان کی بیوی نے بتایا کہ وہ جنبی تھے۔حدیث میں ہے **حدثنی یحیی بن عباد بن عبد اللہ ... حنظلۃ بن ابی عامر قال فقال رسول اللہ ان صاحبکم تغسلہ الملائکۃ فاسئلوا صاحبتہ فقالت خرج وھو جنب لما سمع الھائعۃ فقال رسول اللہ ﷺ لذلک غسلتہ الملائکۃ** (د) سنن للبیھقی، باب الجنب یستشھد فی المعرکۃ ج رابع ص ۲۲، نمبر ۶۸۱۴، کتاب الجنائز) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت حنظلہ جنبی تھے اور فرشتوں نے ان کو غسل دیا اسلئے حنفیہ کے

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا شہداء احد کو حضورؐ کے پاس لائے گئے تو ان پر دس دس آدمیوں کے ساتھ نماز پڑھتے اور حضرت حمزہؓ رکھے ہی رہتے اور باقی شہداء اٹھائے جاتے اور حمزہؓ رکھے ہی رہتے (ب) آپؐ ایک دن نکلے اور شہداء احد پر نماز پڑھی جیسے میت پر نماز پڑھتے ہیں پھر آپ منبر کے پاس آئے (ج) جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ...حضورؐ نے شہداء احد کو ان کے خون میں دفن کرنے کا حکم دیا اور نہ غسل کیا اور نہ ان پر نماز پڑھی (د) آپؐ نے فرمایا تمہارے ساتھی حضرت حنظلہ کو فرشتے غسل دے رہے ہیں۔اس لئے ان کی بیوی سے پوچھو۔تو ان کی بیوی نے کہا وہ نکلے ہیں اس حال میں کہ وہ جنبی تھے جب اعلان سنا۔آپؐ نے فرمایا اسی لئے ان کو فرشتے غسل دے رہے ہیں۔

ابو يوسف و محمد رحمهما الله لا يغسلان[۴۴۲] (۴) ولا يغسل عن الشهيد دمه ولا ينزع عنه ثيابه وينزع عنه الفرو والحشو والخف والسلاح [۴۴۳](۵) ومن ارتث غسل

نزدیک جنبی شہید کو غسل دیا جائے گا۔صاحبین کے نزدیک غسل نہیں دیا جائے گا۔ان کی دلیل اوپر کی وہ تمام احادیث ہے جن میں ہے کہ شہیدوں کو غسل نہ دیا جائے۔بچے چونکہ گناہوں سے معصوم ہیں جس طرح شہید معصوم ہونگے ،اس لئے شہید کو غسل نہیں دیا جائے گا۔اسی پر قیاس کر کے بچے کو بھی صاحبین کے نزدیک غسل نہیں جائے گا۔

[۴۴۲] (۴) شہید سے اس کا خون نہیں دھویا جائے گا،اور اس سے اس کے کپڑے نہیں نکالے جائیں گے،اور پوستین اور زائد کپڑے اور موزے اور ہتھیار نکال دیئے جائیں گے۔

تشریح شہید کے ساتھ جو کپڑے ہیں اس کو ان کے ساتھ ہی دفن کر دیا جائے گا۔البتہ جو چیزیں کفن کے لائق نہیں ہیں جیسے چمڑے کا پوستین،صدری اور کوٹ، چمڑے کے موزے اور ہتھیار ان کو الگ کر دیا جائے گا۔اور اگر کفن میں کمی رہ جائے تو تین کپڑے کفن کے پورے کئے جائیں گے۔

وجہ **عن ابن عباس قال امر رسول الله ﷺ بقتلى احد ان ينزع عنهم الحديد والجلود وان يدفنوا بدمائهم و ثيابهم** (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی الشہید یغسل ج ثانی ص ۹۱ نمبر ۳۱۳۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زائد چیزیں نکال دی جائیں گی۔اور شہید کے کپڑوں کے ساتھ دفن کیا جائے گا۔

لغت الفرو : چمڑے کا لباس، الحشو : ایسا لباس جس میں روئی بھری ہو،کوٹ وغیرہ، السلاح : ہتھیار

[۴۴۳] (۵) جس نے فائدہ اٹھایا اس کو غسل دیا جائے گا اور ارتثاث کی شکلیں یہ ہیں زخم لگنے کے بعد کھائے، پیئے یا دوا کرائے یا زندہ باقی رہے یہاں تک کہ اس پر ایک نماز کا وقت گزر جائے اس حال میں کہ اس کو ہوش ہو یا میدان جنگ سے زندہ منتقل کیا جائے۔

تشریح اصل قاعدہ یہ ہے کہ زخم لگنے کے بعد کچھ دیر تک ہوش کی حالت میں زندہ رہا ہو اور دنیا سے فائدہ اٹھایا تو وہ شہید کامل نہیں رہا اس لئے اس کو غسل دیا جائے گا چاہے اخروی اعتبار سے وہ شہید ہو۔اب ہوش کے عالم میں تھا اور زخم لگنے کے بعد اس پر نماز کا ایک وقت گزر گیا تو گویا کہ وہ نماز اس کے ذمہ قرض ہوگئی اس لئے یہ بھی دنیا سے فائدہ اٹھانا ہوا اس لئے اس کو غسل دیا جائے گا۔ارتثاث والے کو غسل دیا جائے گا اس کی دلیل یہ اثر ہے **عن عمر بن ميمون فى قصة قتل عمر حين طعنه قال فطار العلج بالسكين ذات طرفين لا يمر على احد يمينا و لا شمالا الا طعنه وفى ذلك دلالة على انه قتل بمحدد ثم غسل و كفن وصلى عليه** (الف) (سنن للبیہقی،

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے شہدائے احد کے بارے میں حکم دیا کہ ان سے ہتھیار اور چمڑے کے لباس کھول دیئے جائیں۔اور یہ کہ ان کے خون اور کپڑوں کے ساتھ دفن کئے جائیں (ب) عمر بن میمون سے حضرت عمرؓ کے قتل کے سلسلے میں منقول ہے کہ جس وقت ان کو نیزہ مارا، کہ موٹا کافر دو دھاری چھری لیکر اڑا دائیں بائیں جانب کسی پر بھی نہیں گزرا مگر اس کو نیزہ مارتا چلا گیا۔اس میں دلالت ہے کہ حضرت عمر تیز دھار والی چیز سے قتل کئے گئے ہیں۔پھر غسل دیئے گئے ہیں،کفن دیئے گئے ہیں اور ان پر نماز پڑھی گئی۔

والارتثاث ان یأکل او یشرب او یداوی او یبقی حیا حتی یمضی علیه وقت صلوة وھو یعقل وینقل من المعرکة حیا[۴۴۴] (٦) ومن قتل فی حد او قصاص غسل و صلی علیه [۴۴۵](۷) ومن قتل من البغاة او قطاع الطریق لم یصل علیه.

باب الرتث الخ ج رابع ص۲۵،نمبر۶۸۲۰)اس اثر میں حضرت عمر کو زخم لگنے کے بعد انہوں نے کھایا پیا ہے،اس لئے ان کو غسل دیا گیا۔جس سے معلوم ہوا کہ زخم لگنے کے بعد جس نے دنیا سے فائدہ اٹھایا اس کو غسل دیا جائے گا۔

[۴۴۴] (٦) جو حد قصاص میں قتل کیا گیا اس کو غسل دیا جائے گا اور اس پر نماز پڑھی جائے گی۔

وجہ غسل تو اس لئے دیا جائے گا کہ وہ شہید نہیں ہے بلکہ عام میت کی طرح ہے۔اور نماز اس لئے پڑھی جائے گی کہ یہ مؤمن ہے (۲) حضرت ماعز اسلمی جو حد میں قتل ہوئے تھے ان پر نماز جنازہ پڑھی گئی تھی (ابو داؤد شریف، باب الصلوۃ علی من قتلہ الحدود ج ثانی ص ۹۸ نمبر ۳۱۸۶)(۳) جہینہ کی عورت زنا کی حد میں رجم کی گئی تو آپؐ نے اس پر نماز جنازہ پڑھی **عن عبد اللہ بن بریدۃ عن ابیه فی قصة الغامدیة التی رجمت فی الزنا قال النبی ﷺ فو الذی نفسی بیدہ لقد تابت توبة لو تابھا صاحب مکس لغفر له ثم امر لھا فصلی علیھا و دفنت** (الف)(سنن للبیھقی ،باب الصلوۃ علی من قتلہ الحدود ج رابع ص۲۵،نمبر۶۸۲۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حد میں قتل ہونے پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

[۴۴۵] (۷) اگر باغیوں میں سے قتل کیا گیا ہو یا ڈاکوؤں سے قتل کیا گیا ہو تو اس پر نماز نہیں پڑھی جائے گی۔

وجہ تاکہ لوگوں کو تنبیہ ہو کہ ایسا کرنے سے نماز جنازہ سے بھی محروم ہو جاتے ہیں۔حدیث میں ہے **عن جابر بن سمرۃ قال اتی النبی ﷺ برجل قتل نفسه بمشاقص فلم یصل علیه** (ب)(سنن للبیھقی ،باب الصلوۃ علی من قتل نفسہ غیر مستحل لقتلھا ج رابع ص ۲۹،نمبر۶۸۳۳)اس حدیث میں اپنے کو قتل کرنے والے پر حضورؐ نے نماز نہیں پڑھی تو اسی طرح ڈاکوؤں اور باغیوں پر نماز نہیں پڑھی جائے گی۔

نوٹ چونکہ میت مومن ہے اس لئے اور لوگ نماز پڑھ لیں۔

حاشیہ : (الف) غامدیہ کے سلسلے میں روایت ہے جو زنا کے سلسلے میں رجم کی گئی۔آپؐ نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے ایسی توبہ کی کہ اگر چنگی وصول کرنے والا ایسی توبہ کرے تو اللہ اس کو معاف کر دے۔پھر حکم دیا گیا اور اس پر نماز پڑھی گئی اور دفن کی گئی (ب) حضورؐ کے سامنے ایسا آدمی لایا گیا کہ اس نے اپنے آپ کو چھری سے قتل کیا تھا تو آپؐ نے اس پر نماز نہیں پڑھی۔

﴿باب الصلوة فى الكعبة﴾

[٤٤٦](١) الصلوة فى الكعبة جائزة فرضها ونفلها [٤٤٧](٢) فان صلى الامام فيها بجماعة فجعل بعضهم ظهره الى ظهر الامام جاز [٤٤٨](٣) ومن جعل منهم وجهه الى وجه الامام جاز ويكره[٤٤٩](٤) ومن جعل منهم ظهره الى وجه الامام لم تجز صلوته

﴿ باب الصلوة فی الکعبۃ ﴾

ضروری نوٹ بیت اللہ کے اندر نماز پڑھنا جائز ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ بیت اللہ کا کچھ نہ کچھ حصہ سامنے ہوگا جو قبلہ ہو جائے گا۔اور قبلہ بننے کے لئے اتنا کافی ہے۔باقی دلائل آگے آرہے ہیں۔

[٤٤٦](١) کعبہ میں نماز جائز ہے،فرض بھی اور نفل بھی۔

وجہ حدیث میں ہے عن ابن عمر قال دخل النبی ﷺ البیت واسامة بن زید و عثمان بن طلحه و بلال فاطال ثم خرج وکنت اول الناس دخل علی اثره فسألت بلالا این صلی فقال بین العمودین المقدمین (الف)(بخاری شریف، باب الصلوۃ بین السواری فی غیر جماعۃ،کتاب الصلوۃ،ص۷۲ نمبر۵۰۴)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیت اللہ کے اندر نماز پڑھنا جائز ہے۔

[٤٤٧](٢) اگر امام نے بیت اللہ میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھی اور بعض نے اپنی پیٹھ امام کی پیٹھ کی طرف کی تو نماز جائز ہو جائے گی۔

وجہ مقتدی نے اپنی پیٹھ امام کی پیٹھ کی طرف کر لی تو مقتدی امام کے آگے نہیں ہوا بلکہ امام کی پیچھے ہی رہا،اور مقتدی کے سامنے بھی قبلہ موجود ہے اس لئے نماز ہو جائے گی۔

[٤٤٨](٣) اور جس مقتدی نے اپنا چہرہ امام کے چہرہ کی طرف کیا تو بھی نماز جائز ہوگی لیکن مکروہ ہوگی۔

وجہ اس صورت میں بھی امام کے چہرے کی طرف مقتدی کی پیٹھ نہیں ہوئی اس لئے نماز جائز ہو جائے گی۔لیکن امام کے چہرہ کی طرف چہرہ کرنا اچھا نہیں ہے اس لئے مکروہ ہے۔

[٤٤٩](٤) مقتدی میں سے جس نے اپنی پیٹھ امام کے چہرہ کی طرف کی اس کی نماز جائز نہیں ہوگی۔

وجہ امام کے چہرہ کی طرف مقتدی کی پیٹھ ہوگئی تو مقتدی امام کے بالکل آگے ہو گیا اور پہلے قاعدہ گزر گیا ہے کہ مقتدی امام کے آگے ہو جائے تو مقتدی کی نماز نہیں ہوگی۔یہ مسئلہ قاعدہ پر مستنبط ہے۔

نوٹ اوپر کی چار شکلیں بیت اللہ کے اندر نماز پڑھنے کی ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ بیت اللہ میں داخل ہوئے اور اسامہ بن زید اور عثمان بن طلحہ اور بلال داخل ہوئے پھر نکلے۔تو میں سب سے پہلے ان کے پیچھے داخل ہوا اور حضرت بلال سے پوچھا کہ کہاں نماز پڑھی تو فرمایا کہ اگلے دو ستونوں کے درمیان۔

[۴۵۰](۵) و اذا صلى الامام فی المسجد الحرام تحلق الناس حول الكعبة و صلوا بصلوة الامام فمن كان منهم اقرب الى الكعبة من الامام جازت صلوته اذا لم يكن فی جانب الامام[۴۵۱](٦) ومن صلى على ظهر الكعبة جازت صلوته.

[۴۵۰](۵) اگر مسجد حرام میں نماز پڑھائے اور سب لوگ کعبہ کے اردگرد حلقہ بنائے اور امام کے ساتھ نماز پڑھے تو جو ان میں سے کعبہ سے زیادہ قریب ہوا امام سے بھی تو اس کی نماز جائز ہے جب کہ امام کی جانب نہ ہو۔

تشریح امام کی جانب جو لوگ ہو اور امام سے بھی زیادہ بیت اللہ کے قریب ہو جائے تو امام کی جانب امام سے بھی آگے ہو جائیں گے اس لئے اس آدمی کی نماز جائز نہیں ہوگی۔ اور جو لوگ امام کی جانب نہیں ہیں دوسری جانب ہیں وہ لوگ اگر کعبہ کے زیادہ قریب ہو گئے تو چونکہ وہ امام کی جانب نہیں ہیں اس لئے امام سے آگے نہیں ہوئے اس لئے ان کی نماز ہو جائے گی۔

اصول امام سے آگے مقتدی ہو جائے تو اس کی نماز جائز نہیں ہوگی ورنہ ہو جائے گی۔ نقشہ اس طرح ہے۔

(بیت اللہ کے اردگرد نماز پڑھنے کا نقشہ)
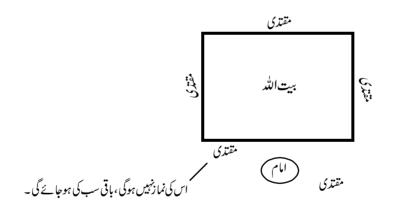
[۴۵۱](٦) جس نے بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھی اس کی نماز جائز ہے۔

وجہ بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ یہ اس کی شان اور عظمت کے خلاف ہے۔ لیکن اگر پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی۔ کیونکہ بیت اللہ کی محاذات کی فضا اس کے سامنے ہوگی جو قبلہ ہو جائے گی۔ قبلہ ہونے کے لئے بیت اللہ کی دیوار سامنے ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ اس کی فضا سامنے ہونا ضروری ہے۔ جیسے کوئی ہوائی جہاز میں نماز پڑھے تو جہاز کی بلندی کی وجہ سے بیت اللہ کی دیوار اس کے سامنے نہیں ہوگی۔ صرف بیت اللہ کے محاذات کی فضا اس کے سامنے ہوگی اور نماز ہو جائے گی۔ بیت اللہ کے اوپر نماز پڑھنا مکروہ ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عمر ان النبی ﷺ نهى ان يصلى فی سبعة مواطن فی المزبلة والمجزرة والمقبرة وقارعة الطريق وفی الحمام

و معاطن الابل و فوق ظهر بیت الله (الف) (ترمذی شریف، باب ما جاء فی کراہیۃ ما یصلی الیہ و فیہ، کتاب الصلوۃ ص ۸۱ نمبر ۳۴۶/ ابن ماجہ شریف، باب المواضع التی تکرۃ فیھا الصلوۃ ص ۱۰۶، نمبر ۷۴۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیت اللہ پر نماز پڑھنا مکروہ ہے، تاہم نماز پڑھے گا تو نماز ہو جائے گی۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک نماز ہوگی ہی نہیں۔ ان کی دلیل اوپر کی حدیث ہے کہ بیت اللہ پر نماز مکروہ ہے۔ تو گویا کہ ہوگی ہی نہیں۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے روکا اس بات سے کہ سات جگہ نماز پڑھے (۱) کوڑا ڈالنے کی جگہ (۲) اونٹ ذبح کرنے کی جگہ میں (۳) قبرستان (۴) راستہ میں (۵) غسل خانہ میں (۶) اونٹ کے بیٹھنے کی جگہ (۷) بیت اللہ کی چھت پر۔

﴿کتاب الزکوۃ﴾

[۴۵۲](۱) الزکوۃ واجبۃ علی الحر المسلم البالغ العاقل اذا ملک نصابا ملکا تاما و

﴿کتاب الزکوۃ﴾

ضروری نوٹ زکوۃ کو نماز کے بعد لائے کیوں کہ تقریبا بر اسی آیتوں میں نماز کے بعد زکوۃ کا ذکر ہے۔اس لئے نماز کے ابحاث ختم ہونے کے بعد زکوۃ کا تذکرہ لائے۔زکوۃ کے معنی پاکی ہیں اور چونکہ زکوۃ دینے سے مال پاک ہوتا ہے اس لئے اس کو زکوۃ کہتے ہیں۔یا زکوۃ کے معنی بڑھنا ہیں اور چونکہ زکوۃ دینے سے مال بڑھتا ہے اس لئے اس کو زکوۃ کہتے ہیں۔اس کا ثبوت بہت سی آیتوں میں ہے۔مثلا **یقیمون الصلوۃ و یؤتون الزکوۃ و یطیعون اللہ ورسولہ** (الف) (آیت ۷۱ سورۂ توبہ) اسی آیت سے زکوۃ دینا فرض ثابت ہوتا ہے۔

[۴۵۲](۱) زکوۃ واجب ہے ہر وہ آزاد پر جو مسلمان ہو، بالغ ہو، عاقل ہو جب کہ نصاب کا پورا مالک ہو، اور اس پر سال گزر گیا ہو، اسی لئے بچے پر، مجنوں پر اور مکاتب پر زکوۃ نہیں ہے۔

تشریح زکوۃ عبادت مالیہ ہے۔اس لئے کافر پر زکوۃ واجب نہیں اس سے جو کچھ لیا جائے گا وہ ٹیکس لیا جائے گا۔چنانچہ زکوۃ واجب ہونے کے کچھ شرطیں ہیں (۱) آزاد ہو، اس لئے غلام اور مکاتب پر زکاۃ واجب نہیں ہے۔کیونکہ یہ مال اس کے مولی کا ہے۔غلام کا نہیں ہے۔چنانچہ حدیث میں ہے **عن جابر قال قال رسول اللہ لیس فی مال المکاتب زکوۃ حتی یعتق** (ب) (دار قطنی ۱۰، باب لیس فی مال المکاتب زکوۃ حتی یعتق ج ثانی ص۹۳ نمبر ۱۹۴۱/ سنن للبیھقی، باب من قال لیس فی مال العبد زکوۃ ج رابع ص۱۸۲، نمبر ۷۳۴۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مکاتب کے مال میں زکوۃ نہیں ہے۔کیونکہ وہ آزاد نہیں ہے، دوسری بات یہ ہے کہ مال کا پورا مالک بننا ضروری ہے اور غلام کا مال نہیں ہے اس کے ہاتھ میں جو کچھ ہے وہ اس کے مولی کا مال ہے۔دوسری شرط مسلمان ہونا ہے اس کی وجہ گزر چکی۔تیسری شرط بالغ ہونا ہے۔چنانچہ بچے کے مال میں زکوۃ نہیں ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن علی عن النبی ﷺ قال رفع القلم عن ثلثۃ عن النائم حتی یستیقظ وعن الصبی حتی یحتلم وعن المجنون حتی یعقل** (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی المجنون یسرق او یصیب حدا ج ثانی ص ۲۵۶ کتاب الحدود، نمبر ۴۴۰۳/ ابن ماجہ شریف، باب طلاق المعتوہ والصغیر والنائم، کتاب الطلاق ص ۱۴۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچے کے اوپر کوئی ذمہ داری نہیں ہے تو زکوۃ بھی اس کے مال میں واجب نہیں ہوگی۔اسی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مجنون وہ آدمی ہے جس کی عقل بالکل ختم ہوگئی ہو اس پر بھی زکوۃ واجب نہیں ہوگی (۲) چنانچہ اثر میں ہے **عن ابراھیم قال لیس فی مال الیتیم زکوۃ حتی یحتلم** (د) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۳، من قال لیس فی مال الیتیم زکوۃ حتی یبلغ ج ثانی، ص ۳۷۹، نمبر ۱۰۱۲۶) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ بچے کے مال میں زکوۃ واجب نہیں ہے۔کذا قال ابن مسعود فی مصنف ابن ابی شیبۃ ص ۱۰۱۲۵۔

حاشیہ : (الف) نماز قائم کرو اور زکوۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو (ب) آپؐ نے فرمایا مکاتب کے مال میں زکوۃ نہیں ہے یہاں تک کہ وہ آزاد ہو جائے (ج) آپؐ نے فرمایا تین آدمیوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے یعنی کچھ واجب نہیں ہے سونے والے سے یہاں تک کہ بیدار ہو جائے، اور بچے سے یہاں تک کہ بالغ ہو جائے اور مجنوں سے یہاں تک کہ عقلمند ہو جائے (د) ابراہیم کا قول ہے: فرمایا یتیم کے مال میں زکوۃ نہیں ہے یہاں تک کہ بالغ ہو جائے۔

حال علیه الحول و لیس علی صبی و لا مجنون و لا مکاتب زکوۃ.

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بچے کے مال میں زکوۃ ہے۔

وجہ اس لئے کہ یہ وجوب مالیہ ہے اور مال میں جس طرح ٹیکس وجب ہوتا ہے اسی طرح زکوۃ بھی واجب ہوگی (۲) حدیث میں ہے **عن عمر بن شعیب عن ابیه عن جده ان النبی ﷺ خطب الناس فقال الا من ولی یتیما له مال فلیتجر فیه و لا یترکه حتی تاکله الصدقة** (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی زکوۃ مال الیتیم ص ۱۳۹ نمبر ۶۴۱ / دار قطنی نمبر ۱۹۵۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یتیم کے مال میں زکوۃ ہے اور یتیم اس کو کہتے ہیں جو نابالغ ہو اس لئے اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ بچے کے مال میں زکوۃ ہے (۲) اثر میں ہے **ان عمر بن خطاب قال ابتغوا بالموال الیتمی لا تأکلها الصدقة** (ب) (دار قطنی ۱۱، باب وجوب الزکوۃ فی مال الصبی والیتیم ج ثانی ص ۹۵ نمبر ۱۹۵۴ / سنن للبیہقی، نمبر ۷۳۴۰) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ بچے کے مال میں زکوۃ ہے۔ زکوۃ واجب ہونے کے لئے چوتھی شرط عقل کی ہے۔ اس کے بارے میں حدیث گزر چکی۔ پانچویں شرط ہے نصاب کا مکمل مالک ہو۔ کیونکہ تھوڑے سے مال کا مالک ہوگا اور اس میں زکوۃ دے گا تو آج زکوۃ دے گا اور کل لوگوں سے زکوۃ مانگے گا۔ اس لئے شرط لگائی کہ نصاب کا مالک ہو۔ اور نصاب یہ ہے کہ سال بھر کھا پی کر دوسو درہم بچے، یا بیس مثقال سونا بچے تو اس میں چالیسواں حصہ زکوۃ ہے یعنی چالیس درہم میں ایک درہم لازم ہوگا۔ اور اونٹ، گائے، بکری اور کاشتکاروں کا نصاب الگ الگ ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ دلیل اس حدیث میں ہے۔ **سمعت ابا سعید الخدری یقول قال رسول الله ﷺ لیس فیما دون خمس ذود صدقة و لیس فیما دون خمس اواق صدقة و لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة** (ج) (ابوداؤد شریف، باب ماتجب فیہ الزکوۃ ص ۲۲۴ نمبر ۱۵۵۸ / بخاری شریف، باب زکوۃ الورق ص ۱۹۴ کتاب الزکوۃ نمبر ۱۴۴۷) ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے تو پانچ اوقیہ دوسو درہم ہوئے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوسو درہم سے کم میں زکوۃ واجب نہیں ہے۔ اسی طرح پانچ اونٹ سے کم میں زکوۃ واجب نہیں ہے۔ اور اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ پانچ وسق سے کم غلہ پیدا ہو تو زکوۃ یعنی عشر نہیں ہے۔ البتہ دوسری حدیث کی وجہ سے حنفیہ کا اس بارے میں اختلاف ہے جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

نوٹ ملک تام کی قید اس لئے لگائی کہ مکاتب چیز کا مالک ہوتا ہے لیکن اس کی ملکیت اس پر تام نہیں ہے اس لئے اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے۔ زکوۃ واجب ہونے کے لئے چھٹی شرط یہ ہے کہ اس مال پر سال گزرے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن علی عن النبی ﷺ ببعض اول الحدیث قال فاذا کانت لک مائتا درهم و حال علیه الحول ففیها خمسة دراهم و لیس علیک شیء یعنی فی الذهب حتی یکون لک عشرون دینارا فاذا کانت لک عشرون دینارا و حال علیه الحول ففیها نصف دینارا فما زاد فبحساب ذلک** (د) (ابوداؤد شریف، باب فی زکوۃ السائمۃ ص ۲۲۸ نمبر ۱۵۷۳، نمبر ۱۵۷۳) **عن ابن عمر قال قال**

حاشیہ : (الف) آپؐ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا سن لو! جو یتیم کی نگہبانی کرے اور یتیم کا مال ہو تو اس میں تجارت کرنی چاہئے۔ اور اس کو اسطرح نہ چھوڑ دو کہ صدقہ اس کو کھا جائے (ب) حضرت عمرؓ نے فرمایا یتیم کے مال کے ذریعہ تجارت تلاش کرو تا کہ صدقہ اس کو کھا نہ جائے (ج) آپؐ نے فرمایا پانچ اونٹ سے کم میں صدقہ یعنی زکوۃ نہیں ہے، اور پانچ اوقیہ چاندی سے کم میں زکوۃ نہیں، اور پانچ وسق غلے سے کم میں صدقہ نہیں ہے (د) آپؐ کی بعض حدیث کا ٹکڑا (باقی اگلے صفحہ پر)

[۴۵۳](۲) ومن کان علیہ دین محیط بمالہ فلا زکوۃ علیہ[۴۵۴] (۳) وان کان مالہ اکثر من الدین زکّی الفاضل اذا بلغ نصابا[۴۵۵](۴) ولیس فی دور السکنی و ثیاب

رسول اللہ ﷺ لا زکو ۃ فی مال امرئ حتی یحول علیہ الحول (الف) (دار قطنی اباب وجوب الزکوۃ بالحول ج ثانی ص ۷۶ نمبر ۱۸۷۰) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ زکوۃ مال نصاب پر سال گزرنے کے بعد واجب ہوتی ہے۔

[۴۵۳] (۲) جس پر ایسا قرض ہو کہ اس کے مال کو گھیرے ہوئے ہو تو اس پر زکوۃ نہیں ہے۔

تشریح مثلا ایک آدمی کے پاس پانچ سو درہم موجود ہیں لیکن اس پر پانچ سو قرض بھی ہے تو اگر قرض ادا کرے گا تو کچھ نہیں بچے گا اس لئے گویا کہ اس کے پاس مال نصاب ہی نہیں ہے اس لئے اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

وجہ اثر میں ہے ان عثمان بن عفان کان یقول ھذا شھر زکوتکم فمن کان علیہ دین فلیؤد دینہ حتی تحصل اموالکم فتؤدون منھا الزکوۃ (ب) (مؤطا امام مالک، الزکوۃ فی الدین ص ۲۸۴ رسنن للبیھقی، باب الدین مع الصدقۃ ج رابع ص ۲۴۹، نمبر ۷۶۰۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ قرض ادا کر کے جو باقی بچے اگر وہ نصاب تک پہنچے اور اس پر سال گزر جائے تو اس باقی ماندہ مال میں زکوۃ ہے ورنہ نہیں۔

[۴۵۴] (۳) اور اگر اس کا مال قرض سے زیادہ ہو تو زیادہ مال کی زکوۃ واجب ہوگی اگر وہ نصاب تک پہنچ جائے۔

وجہ اثر میں ہے عن ابن عباس و ابن عمر فی الرجل یستقرض فینفق علی ثمرتہ و علی اھلہ قال قال ابن عمر یبدأ بما استقرض فیقضیہ و یزکی ما بقی،قال قال ابن عباس یقضی ما انفق علی الثمرۃ ثم یزکی ما بقی (ج) (سنن للبیھقی، باب الدین مع الصدقۃ ج رابع ص ۲۴۹، نمبر ۷۶۰۸، کتاب الزکوۃ) اس اثر سے معلوم ہوا کہ پہلے قرض ادا کرے گا پھر جو بچے گا اگر وہ نصاب تک پہنچ جائے تو اس میں زکوۃ واجب ہوگی۔

[۴۵۵] (۴) زکوۃ واجب نہیں ہے رہنے کے گھر میں، بدن کے کپڑے میں، گھر کے سامان میں، سواری کے جانور میں، خدمت کے غلام میں اور استعمال کے ہتھیار میں۔

تشریح وہ چیزیں جو انسانی زندگی میں ضرورت کے لئے ہیں اور روزمرہ کے استعمال میں آتی ہیں ان میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔ بلکہ ضرورت

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) یہ ہے کہ جب تمہارے پاس دوسو درہم ہو جائیں اور اس پر سال گزر جائے تو اس میں پانچ درہم ہیں۔ اور سونے میں کچھ نہیں ہے یہاں تک کہ بیس دینار ہو جائیں۔ پس جب کہ بیس دینار ہو جائیں اور سال گزر جائے تو اس میں آدھا دینار ہے۔ اور جو زیادہ ہو وہ اسی حساب سے ہے (الف) آپؐ نے فرمایا کسی انسان کے مال میں زکوۃ نہیں ہے یہاں تک کہ اس پر سال گزر جائے (ب) حضرت عثمانؓ کہا کرتے تھے کہ یہ تمہاری زکوۃ کا مہینہ ہے۔ تو جس پر قرض ہو تو وہ اپنا قرض ادا کر دے یہاں تک کہ تمہارا مال خالص ہو جائے اور اس سے تم زکوۃ ادا کر سکو (ج) حضرت ابن عمر سے اس شخص کے بارے میں منقول ہے جو قرض لے اور اپنے پھل یا اہل پر خرچ کر دے تو ابن عمر نے فرمایا جو قرض لیا ہے اس سے شروع کرے اور اس کو ادا کرے پھر جو باقی رہے اس کی زکوۃ دے۔ اور حضرت ابن عباس نے فرمایا جو پھل پر خرچ کیا اس کو ادا کرے پھر جو باقی رہے اس کی زکوۃ دے۔

البدن واثاث المنازل ودواب الركوب و عبيد الخدمة وسلاح الاستعمال زكوة[۴۵۶] (۵) ولا يجوز اداء الزكوة الا بنيته مقارنة للاداء او مقارنة لعزل مقدار الواجب.

اصلیہ سے خارج ہوگی یا اوپر کی چیزیں تجارت کے لئے اور بیچنے خریدنے کے لئے ہوں تو ان کی قیمت میں زکوۃ واجب ہوگی۔

وجہ (۱) حاجت اصلیہ کی چیزوں میں شریعت زکوۃ واجب نہیں کرتی ہے (۲) حدیث میں ہے سمع ابا هريرة عن النبى ﷺ قال خير الصدقة ماكان عن ظهر غنى وابدأ بمن تعول (بخاری شریف، باب لا صدقۃ الا عن ظہر غنی ص ۱۹۲ نمبر ۱۴۲۶) حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت سے زیادہ ہونے کے بعد زکوۃ واجب ہوگی ۳) عن ابى هريرة ان رسول الله ﷺ قال ليس على المسلم فى عبده ولا فى فرسه صدقة (الف) (مسلم شریف، کتاب الزکوۃ، ص ۳۱۶ نمبر ۹۸۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خدمت کے غلام اور سواری کے گھوڑے میں زکوۃ نہیں ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ چیزیں لوگوں کی ضرورت کی چیزیں ہیں۔ انہیں پر اوپر کی تمام ضروریات کی چیزوں کو قیاس کر لیں (۲) حدیث میں ہے عن على قال زهيرا حسبه عن النبى ﷺ ... وفى البقر فى كل ثلاثين تبيع والاربعين مسنّة وليس على العوامل شىء (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی زکوۃ السائمۃ ص ۲۲۸ نمبر ۱۵۷۲) (۳) عن عمر ابن شعيب عن ابيه عن جده عن النبى ﷺ قال ليس فى الابل العوامل صدقة (ج) (دار قطنی ۶ باب لیس فی العوامل صدقۃ ج ثانی ص ۸۸ نمبر ۱۹۲۱) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ وہ جانور جو روزمرہ کے کام آتے ہیں اور ضرورت کی چیز ہے مثلا ہل جوتنا اور سواری کرنا اس میں زکوۃ واجب نہیں ہے۔

اصول حاجت اصلیہ کی چیزوں میں زکوۃ واجب نہیں ہے۔

لغت دور السکنی : وہ گھر جس میں آدمی بسیرا کرتا ہو، اثاث : گھر کا سامان، فرنیچر۔

[۴۵۶] (۵) زکوۃ کی ادائیگی جائز نہیں ہے مگر ایسی نیت کے ساتھ جو ادائیگی کے ساتھ ملی ہوئی ہو یا مقدار واجب کو الگ کرتے وقت ملی ہوئی ہو۔ **تشریح** جس وقت زکوۃ فقیر کے ہاتھ میں دے رہا ہو اس وقت زکوۃ دینے کی نیت ہونی چاہئے تب زکوۃ ادا ہوگی۔ اگر اس وقت مثلا قرض دینے کی نیت ہے اور بعد میں زکوۃ کی نیت کر لی تو زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔ یا اس وقت کچھ نیت نہیں تھی روپیہ دینے کے بعد زکوۃ دینے کی نیت کی تو زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔ یا جس وقت حساب کر کے جتنا روپیہ زکوۃ دیا ہے اس کو اپنے مال سے الگ کیا اس وقت زکوۃ کی نیت ہو تب بھی زکوۃ ادا ہو جائے گی۔ اس صورت میں چاہے زکوۃ فقیر کے ہاتھ میں دیتے وقت زکوۃ کی نیت نہیں کی ہو۔ کیونکہ جس وقت اس مال کو اپنے مال سے الگ کر رہا تھا اس وقت زکوۃ کی نیت کر چکا تھا اور وہی مال اس وقت دے رہا ہے اس لئے پہلی نیت ہی کافی ہو جائے گی۔

وجہ پہلے گزر چکا ہے کہ عبادات اصلیہ اس وقت ادا ہوگی جب عبادات کی نیت کی ہو۔ اور زکوۃ عبادت ہے اس لئے اس کی ادائیگی کے وقت

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا مسلمان پر اس کے غلام اور اس کے گھوڑے میں صدقہ نہیں ہے (ب) حضرت علی سے روایت ہے کہ زہیر نے فرمایا کہ میرا گمان ہے کہ حضورؐ سے منقول ہے... کہ ہر تیس گائے میں ایک سال کا بچھڑا اور چالیس میں دو سال کا بچھڑا، اور کام کرنے والے جانوروں پر کچھ نہیں ہے (ج) حضورؐ نے فرمایا کام کرنے والے اونٹوں میں صدقہ نہیں ہے۔

[۴۵۷] (٦) ومن تصدق بجميع ماله ولا ينوى الزكوة سقط فرضها عنه.

بھی نیت ہونی چاہئے (۲) حدیث میں ہے **انما الاعمال بالنیات** الخ (بخاری شریف، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ ص ۲ نمبر ۱) اس حدیث کی وجہ سے تمام عبادات اصلیہ کی ادائیگی کے لئے عبادت کے ساتھ ہی نیت کرنا ضروری ہے۔

[۴۵۷] (٦) جس نے اپنے تمام مال کو صدقہ کر دیا اور زکوة کی نیت نہیں کی تو اس کا فرض ساقط ہو جائے گا۔

تشریح تمام مال کو صدقہ کی نیت سے دیدیا لیکن اس میں زکوة کی نیت نہیں کی تو جتنا مال زکوة میں دینا تھا اس کی ادائیگی ہوگئی اور فرض ساقط ہو گیا۔

وجہ تمام مال کے صدقۂ نافلہ میں فرض داخل ہو گیا اس لئے الگ سے نیت کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ زکوة کی ادائیگی ہو جائے گی۔
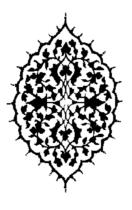
﴿باب زكوة الابل﴾

[۴۵۸](۱)ليس فى اقل من خمس ذود من الابل صدقة فاذا بلغت خمسا سائمة وحال عليها الحول ففيها شاة الى تسع فاذا كانت عشرا ففيها شاتان الى اربع عشرة فاذا كانت خمس عشرة ففيها ثلث شياة الى تسع عشرة فاذا كانت عشرين ففيها اربع شياة الى اربع و عشرين فاذا بلغت خمسا و عشرين ففيها بنت مخاض الى خمس و ثلثين فاذا

﴿ باب زکوۃ الابل ﴾

ضروری نوٹ عرب میں چونکہ اونٹ زیادہ تھے اس لئے مصنف اونٹ کی زکوۃ کے احکام پہلے لا رہے ہیں۔ اور سونا چاندی کم تھے اس لئے ان کے احکام بعد میں لا رہے ہیں۔

نوٹ جانوروں میں زکوۃ اس وقت ہوگی جب کہ وہ سال کا اکثر حصہ چر کر زندگی گزارتے ہوں اور گھر پر کم کھاتے ہوں۔ لیکن اگر جانور کو گھر پر کھلا کر پالا جاتا ہو اور تجارت کے بھی نہ ہوں تو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے۔ حدیث میں ہے **بهز بن حكيم يحدث عن ابيه عن جده قال سمعت رسول الله ﷺ يقول فى كل ابل سائمة من كل اربعين ابنة لبون** (الف) (نسائی شریف، باب سقوط الزکوۃ عن الابل اذا کانت رسلا لاھلھا ولحمولتھم ص ۳۳۸ نمبر ۲۴۵۱ / ابوداؤد شریف، باب فی زکوۃ السائمۃ ص ۲۲۷ نمبر ۱۵۷۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چرنے والے جانور ہو تو اس میں زکوۃ واجب ہے۔ کام کا ہو یا علوفہ ہو تو اس میں زکوۃ واجب نہیں۔ ابوداؤد میں یہ عبارت ہے۔ **وفى سائمة الغنم فذكر نحو حديث سفيان** (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی زکوۃ السائمۃ ص ۲۲۷ نمبر ۱۵۶۷ / بخاری شریف نمبر ۱۴۵۴) یہ جملہ من ثمامۃ بن عبد اللہ بن انس کی حدیث کے درمیان ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ چرنے والے جانور میں زکوۃ ہے علوفہ میں نہیں۔

لغت العلوفہ : وہ جانور جو سال کا اکثر حصہ گھر پر کھا کر پلتا ہو۔

[۴۵۸](۱) پانچ اونٹ سے کم میں زکوۃ نہیں ہے۔ پس جب کہ چرنے والے پانچ اونٹ تک پہنچ جائے اور ان پر سال گزر جائے تو اس میں ایک بکری ہے نو اونٹ تک۔ پس جب دس اونٹ ہو جائے تو اس میں دو بکریاں ہیں چودہ اونٹ تک۔ پس جبکہ پندرہ اونٹ ہو جائیں تو ان میں تین بکریاں ہیں انیس اونٹ تک۔ پس جبکہ بیس اونٹ ہو جائیں تو ان میں چار بکریاں ہیں چوبیس اونٹ تک۔ پس جب کہ پچیس اونٹ ہو جائیں تو ان میں ایک بنت مخاض ہے پینتیس اونٹ تک۔ پس جب کہ پہنچ جائے چھتیس تک تو ان میں ایک بنت لبون ہے پینتالیس تک۔ پس جب کہ چھیالیس پہنچ جائیں تو ان میں ایک حقہ ہے ساٹھ تک۔ پس جب کہ اکسٹھ ہو جائیں تو اس میں ایک جزعہ ہے پچھتر تک پس جب کہ چھہتر اونٹ ہو جائیں تو ان میں دو بنت لبون ہیں نوے اونٹ تک۔ پس جب کہ اکانوے ہو جائیں تو ان میں دو حقے ہیں ایک سو بیس تک۔ پھر

حاشیہ : (الف) آپ فرمایا کرتے تھے کہ چرنے والے اونٹوں میں ہر چالیس میں سے ایک بنت لبون ہوگا (ب) چرنے والی بکری میں، پھر حضرت سفیان کی حدیث کی طرح ذکر کیا۔

بلغت ستا و ثلثین ففیها بنت لبون الی خمس واربعین فاذا بلغت ستا واربعین ففیها حقة الی ستین فاذا بلغت احدی و ستین ففیها جذعه الی خمس و سبعین فاذا بلغت ستا و سبعین ففیها بنتا لبون الی تسعین واذا کانت احدی و تسعین ففیها حقتان الی مائة و عشرین ثم تستانف الفریضة.

فرض شروع سے شروع ہوگا۔

وجہ اس حساب کا ثبوت اس حدیث میں موجود ہے **عن سالم عن ابیه ان رسول الله ﷺ کتب کتاب الصدقة فلم یخرجه الی عماله حتی قبض فقرنه بسیفه فلما قبض عمل به ابو بکر حتی قبض و عمر حتی قبض وکان فیه فی خمس من الابل شاة وفی عشر شاتان و فی خمس عشرة ثلث شیاه و فی عشرین اربع شیاه و فی خمس وعشرین بنت مخاض الی خمس و ثلثین فاذا زادت ففیها بنت لبون الی خمس و اربعین فاذا زادت ففیها حقة الی ستین فاذا زادت ففیها جذعة الی خمس و سبعین فاذا زادت ففیها بنتا لبون الی تسعین فاذا زادت ففیها حقتان الی عشرین و مائة فاذا زادت علی عشرین و مائة ففی کل خمسین حقة وفی کل اربعین ابنة لبون** (الف) (ترمذی شریف، باب ما جاء فی زکوۃ الابل والغنم ص ۱۳۵ نمبر ۶۲۱ / ابوداؤد شریف، باب فی زکوۃ السائمۃ ص ۲۲۵ نمبر ۱۵۷۰ / بخاری شریف، باب زکوۃ الغنم ص ۱۹۵ نمبر ۱۴۵۴) اس حدیث سے اوپر کا پورا حساب ثابت ہوتا ہے کہ کتنے اونٹ میں کتنے جانور دیئے جائیں گے۔ اور کب بکری دیجائے گی اور کب اونٹ کا بچہ دیا جائے گا۔

لغت سائمۃ : چر کر زندگی گزارنے والا جانور۔ بنت مخاض : مخاض کہتے ہیں اس اونٹنی کو جو حاملہ ہو، تو بنت مخاض کے معنی ہوئے حاملہ اونٹنی کی بچی، یہ اس بچے کو کہتے ہیں جس پر ایک سال گزر کر دوسرا سال چڑھ چکا ہو۔ بنت لبون : دودھ دینے والی اونٹنی کا بچہ، یعنی وہ بچہ جس پر دو سال گزر کر تیسرا سال چڑھ چکا ہو۔ حقۃ : وہ بچہ جس پر سوار ہونے کا حق ہو گیا ہو، یعنی تین سال گزر کر چوتھے سال میں قدم رکھا ہو۔ جذعۃ : جس کے اگلے دونوں دانت نکل گئے ہوں، یعنی چار سال گزر کر پانچویں سال میں قدم رکھا ہو۔ ایسے بچے کا دانت نکل کر دوسرا نیا دانت نکل آتا ہے اور بالغ ہو جاتا ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے زکوۃ کے لئے خط لکھوایا اس کو عمال کے لئے ابھی نہیں نکالا تھا کہ آپ کا انتقال ہو گیا۔ اس لئے اس خط کو تلوار کے ساتھ رکھ دیا پس جب آپ کا انتقال ہوا تو اس خط پر حضرت ابو بکر نے عمل کیا یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ اور حضرت عمر نے بھی عمل کیا یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ اس خط میں یہ بات تھی کہ پانچ اونٹ میں ایک بکری، اور دس میں دو بکریاں، اور پندرہ میں تین بکریاں، اور بیس میں چار بکریاں، اور پچیس میں ایک بنت مخاض پینتیس تک، پس جب کہ زیادہ ہو جائے تو اس میں بنت لبون ہے پینتالیس تک، پس چھیالیس میں ایک حقہ اونٹ ہے ساٹھ تک، پس جب کہ زیادہ ہو جائے تو اس میں ایک جذعہ ہے پچھتر تک، پس جب کہ زیادہ ہو جائے تو اس میں دو بنت لبون ہے نوے تک، پس جب کہ زیادہ ہو جائے تو اس میں دو حقے ہیں ایک سو بیس اونٹ تک، پس جب کہ زیادہ ہو جائے ایک سو بیس پر تو ہر پچاس میں ایک حقہ اور ہر چالیس میں ایک بنت لبون ہے

[۴۵۹](۲) فیکون فی الخمس شاۃ مع الحقتین وفی العشر شاتان و فی خمس عشرۃ ثلث شیاہ و فی عشرین اربع شیاہو فی خمس و عشرین بنت مخاض الی مائۃ و خمسین فیکون فیھا ثلث حقاق[۴۶۰](۳) ثم تستانف الفریضۃ ففی الخمس شاۃ و فی العشر شاتان و فی خمس عشرۃ ثلث شیاہ و فی عشرین اربع شیاہ و فی خمس و عشرین بنت

---

[۴۵۹](۲) پس ہوگا پانچ اونٹ میں ایک بکری دوحقہ کے ساتھ اور دس اونٹ میں دو بکریاں اور پندرہ اونٹ میں تین بکریاں اور بیس اونٹ میں چار بکریاں اور پچیس اونٹ میں ایک بنت مخاض ایک سو پچیس تک، پس ایک سو پچاس اونٹ میں تین حقے ہوں گے۔ پھر فرض شروع سے کیا جائے گا۔

تشریح ایک سو بیس کے بعد ہر پانچ اونٹ میں ایک بکری لازم ہوگی۔ اور پچیس اونٹ میں اونٹنی کا بچہ لازم ہوگا جس کو بنت مخاض کہتے ہیں یعنی ایک سال گزر کر دوسرے سال میں قدم رکھا ہو۔ اب اوپر کا ایک سو بیس اور پچیس مل کر ایک سو پینتالیس ہوئے۔ لیکن جوں ہی دونوں ملا کر ڈیڑھ سو ہوں گے تو تین حقے لازم ہو جائیں گے۔ کیونکہ شروع میں چھیالیس پر ایک حقہ لازم ہوا تھا۔ اور اکانوے میں دو حقے تھے تو گویا کہ ہر پچاس میں ایک حقہ لازم ہوا۔ اس اعتبار سے ایک سو پچاس تین مرتبہ پچاس ہوئے تو تین حقے لازم ہوں گے۔

وجہ اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے جو اوپر گزری۔ اس کا آخری جملہ ہے **ففی کل خمسین حقۃ و فی کل اربعین ابنۃ لبون** (حوالہ بالا) اور ابوداؤد شریف میں ہے **فاذا کانت خمسین ومائۃ ففیھا ثلاث حقاق ... فاذا کانت مائتین ففیھا اربع حقاق او خمس بنت لبون** (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی زکوۃ السائمۃ ص ۲۲۷ نمبر ۱۵۷۰، حدیث حدثنا محمد بن العلاء انا ابن المبارک کا ٹکڑا ہے) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ہر پچاس اونٹ میں ایک حقہ لازم ہوگا اور ایک سو پچاس میں تین حقے اور دو سو اونٹ میں چار حقے لازم ہوں گے۔ اور ایک سو بیس کے بعد ہر پانچ اونٹ میں ایک بکری اور پچیس اونٹ میں ایک بنت مخاض لازم ہوگا۔ اس کی دلیل یہ اثر ہے **عن علی قال اذا زادت علی عشرین و مائۃ یستقبل بھا الفریضۃ** (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۱ من قال اذا زادت علی عشرین و مائۃ استقبل بھا الفریضۃ ج ثانی، ص ۳۶۱، نمبر ۹۹۱۱) اس **استقبل بھا الفریضۃ** سے معلوم ہوا کہ ایک سو بیس اونٹ کے بعد پھر شروع سے حساب کیا جائے گا یعنی ہر پانچ اونٹ میں ایک بکری اور پچیس اونٹ میں ایک بنت مخاض لازم ہوگا۔

[۴۶۰](۳) پھر فرض شروع سے کیا جائے گا، پس پانچ اونٹ میں ایک بکری، دس میں دو بکریاں اور پندرہ میں تین بکریاں اور بیس میں چار بکریاں اور پچیس میں ایک بنت مخاض اور چھتیس میں ایک بنت لبون پس جبکہ پہنچ جائے ایک سو چھیانوے تو اس میں چار حقے ہیں دو سو اونٹ تک۔ **تشریح** ایک سو پچاس اونٹ کے بعد پھر شروع سے حساب کیا جائے گا یعنی ہر پانچ اونٹ میں ایک بکری اور پچیس میں ایک بنت مخاض

حاشیہ : (الف) پس جب کہ ایک سو پچاس ہو تو اس میں تین حقے ہیں۔ پس جب کہ دو سو ہوں تو اس میں چار حقے یا پانچ بنت لبون ہوں گے (ب) حضرت علیؓ سے منقول ہے فرمایا جب ایک سو بیس اونٹ پر زیادہ ہو جائے تو حساب شروع سے کیا جائے گا۔

مخاض و فی ست و ثلثین بنت لبون فاذا بلغت مائة و ستا و تسعین ففیها اربع حقاق الی مائتین[۴۶۱] (۴) ثم تستانف الفریضة ابدا کما تستانف فی الخمسین التی بعد المائة والخمسین[۴۶۲] (۵)والبخت والعِراب سواء.

اور چھتیس میں ایک بنت لبون۔ پس ایک سو بچاس اور چھتیس مل کر ایک سو چھاسی ہوئے،تو گویا کہ ایک سو چھیاسی میں تین حقے اور ایک بنت لبون لازم ہوتے ہیں اور ایک سو چھیانوے میں چار حقے لازم ہوئیں۔اور دوسوتک چار حقے ہی لازم ہوتے رہیں گے۔

وجہ دلیل اوپر گزر گئی ہے۔

[۴۶۱](۴) پھر فرض شروع کیا جائے گا جیسا کہ ایک سو پچاس کے بعد پچاس میں شروع کیا گیا تھا۔

تشریح جس طرح ایک سو پچاس کے بعد جو پچاس تھا اس میں ہر پانچ میں ایک بکری لازم ہوئی تھی اور پچیس میں ایک بنت مخاض اور چھتیس میں ایک بنت لبون اور پچاس میں ایک حقہ لازم ہوا تھا اسی طرح دوسو اونٹ کے بعد جو پچاس ہے اس میں کیا جائے گا۔

فائدہ امام مالکؒ کے نزدیک ایک سو بیس کے بعد ہر چالیس میں ایک بنت لبون اور ہر پچاس اونٹ میں ایک حقہ ہے۔اور اس کے درمیان میں کچھ نہیں ہے۔ان کی دلیل مسئلہ نمبر ایک کی حدیث ہے جس کے اخیر میں تھا **فاذا زادت علی عشرین و مائة ففی کل اربعین بنت لبون و فی کل خمسین حقة** (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی زکوۃ السائمۃ ص۲۲۶ نمبر ۱۵۶۷) اس حدیث میں تصریح ہے کہ ایک سو بیس کے بعد ہر چالیس اونٹ میں ایک بنت لبون اور ہر پچاس میں ایک حقہ لازم ہوگا۔اور چونکہ درمیان میں جو پانچ یا دس یا پندرہ یا بیس اونٹ ہیں اس کی زکوۃ کا کوئی تذکرہ نہیں ہے اس لئے اس میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

[۴۶۲](۵) بختی اور عربی اونٹ برابر ہیں۔

تشریح دونوں چونکہ اونٹ ہی ہیں اس لئے دونوں کا مسئلہ ایک ہی ہے۔

(اونٹ کی زکوۃ کے نصاب کا نقشہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کیجئے)

حاشیہ : (الف) پس جب ایک سو بیس پر زیادہ ہو جائے تو ہر چالیس میں ایک بنت لبون اور ہر پچاس میں ایک حقہ لازم ہوگا۔

﴿ اونٹ کی زکوۃ کا نصاب ﴾

							اب مجموعہ اس طرح ہوگا
اونٹ	زکوۃ		اونٹ	زکوۃ		اونٹ	زکوۃ
۵	ایک بکری		۵	ایک بکری		۱۲۵	۲ حقہ اور ایک بکری
۱۰	۲ بکریاں		۱۰	۲ بکریاں		۱۳۰	۲ حقہ اور ۲ بکریاں
۱۵	۳ بکریاں		۱۵	۳ بکریاں		۱۳۵	۲ حقہ اور ۳ بکریاں
۲۰	۴ بکریاں		۲۰	۴ بکریاں		۱۴۰	۲ حقہ اور ۴ بکریاں
۲۵	ایک بنت مخاض		۲۵	ایک بنت مخاض		۱۴۵	۲ حقہ اور ایک بنت مخاض
۳۶	ایک بنت لبون		۳۰	ایک حقہ		۱۵۰	۳ حقہ
۴۶	ایک حقہ		شروع سے				
۶۱	ایک جذعہ		۵	ایک بکری		۱۵۵	۳ حقہ اور ایک بکری
۷۶	۲ بنت لبون		۱۰	۲ بکریاں		۱۶۰	۳ حقہ اور ۲ بکریاں
۹۱	۲ حقہ		۱۵	۳ بکریاں		۱۶۵	۳ حقہ اور ۳ بکریاں
۱۲۰	۲ حقہ		۲۰	۴ بکریاں		۱۷۰	۳ حقہ اور ۴ بکریاں
شروع سے			۲۵	ایک بنت مخاض		۱۷۵	۳ حقہ اور ایک بنت مخاض
			۳۶	ایک بنت لبون		۱۸۶	۳ حقہ اور ایک بنت لبون
			۴۶	ایک حقہ		۱۹۶	۴ حقہ
			۵۰	ایک حقہ		۲۰۰	۴ حقہ

﴿باب صدقة البقر﴾

[۴۶۳](۱)ليس في اقل من ثلثين من البقر صدقة فاذا كانت ثلثين سائمة وحال عليها الحول ففيها تبيع او تبيعة وفي اربعين مسن او مسنة [۴۶۴](۲) فاذا زادت على

﴿باب صدقۃ البقر﴾

ضروری نوٹ اونٹ کے احکام کے بعد گائے کے احکام لائے۔ کیونکہ جسامت کے اعتبار سے اونٹ کے بعد اس کا درجہ ہے۔ اس کا ثبوت احادیث سے ہے جس کا تذکرہ آگے آرہا ہے۔

[۴۶۳](۱) تیس گایوں سے کم میں زکوۃ نہیں ہے۔ پس جب کہ تیس چرنے والی گائیں ہو جائیں اور ان پر سال گزر جائے تو اس میں ایک بچھڑا یا ایک بچھڑی ہے۔ اور چالیس گایوں میں ایک مسن یا مسنہ ہے۔

وجہ اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے **عن عبد الله بن مسعود عن النبی ﷺ قال فی ثلثین من البقر تبیع او تبیعة و فی کل اربعین مسنة** (الف) (ترمذی شریف، باب ما جاء فی زکوۃ البقر ص ۱۳۶ نمبر ۶۲۲) ابوداؤد شریف میں ہے **عن ابی وائل عن معاذ ان النبی ﷺ لما وجه الی الیمن امره ان یاخذ من البقر من کل ثلثین تبیعا او تبیعة و من کل اربعین مسنة** (ابوداؤد شریف، باب فی زکوۃ السائمۃ ص ۲۲۸ نمبر ۱۵۷۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تیس گایوں میں ایک بچھڑا ہے یا بچھڑی ہے۔ جو ایک سال کا ہوتا ہے۔ اور چالیس گایوں میں ایک مسنہ ہے جو دو سال کا ہوتا ہے۔ باقی دلائل پہلے گزر گئے۔

لغت تبیع : ایک سال پورا کر کے دوسرے سال میں قدم رکھا ہوا ایسا بچھڑا یا بچھڑی، مسنۃ : دو سال پورے ہو کر تیسرے سال میں قدم رکھا ہوا ایسا بچھڑا یا بچھڑی۔

[۴۶۴](۲) پس جب کہ زیادہ ہو جائے چالیس پر تو واجب ہے زیادتی میں اس کے حساب سے ساٹھ تک ابو حنیفہ کے نزدیک پس ایک گائے میں مسنہ کا ایک چالیسواں حصہ اور دو گائے میں مسنہ کا دو چالیسواں حصہ اور تین گائے میں تین چالیسواں حصہ۔

تشریح چالیس سے اوپر ساٹھ تک نہ دوسری تیس گائے بنتی ہے اور نہ چالیس گائے بنتی ہے، ساٹھ میں جا کر دو تیس بنتی ہے اس لئے چالیس سے لیکر ساٹھ تک میں امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ ہر گائے میں ایک مسنہ کا چالیسواں حصہ لازم ہوگا۔ اب جتنی گائے ہوتی جائے ہر گائے میں مسنہ کا چالیسواں حصہ لازم ہوتا جائے گا۔ چنانچہ ایک گائے میں ایک چالیسواں حصہ اور دو گائے میں دو چالیسواں حصہ اور تین گائے میں تین چالیسواں حصہ لازم ہونگے۔

وجہ اثر میں ہے **عن مکحول قال ما زاد فبالحساب** (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۵ فی الزیادۃ فی الفریضۃ ج ثانی، ص ۳۶۴، نمبر ۹۹۴۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ چالیس گائے سے جو زیادہ ہو اس کو اس کے حساب سے کیا جائے گا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا تیس گایوں میں ایک بچھڑا یا ایک بچھڑی ہے اور ہر چالیس میں ایک مسنہ ہے (ب) حضرت مکحول سے منقول ہیں کہ چالیس سے جو زیادہ ہو تو اس کے حساب سے ہوگا۔

الاربعین وجب فی الزیادۃ بقدر ذلک الی ستین عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ ففی الواحدۃ ربع عشر مسنۃ و فی الاثنین نصف عشر مسنۃ و فی الثلاثۃ ثلثۃ ارباع عشر مسنۃ [۴۶۵](۳) وقال ابو یوسف و محمد لا شیء فی الزیادۃ حتی تبلغ ستین فیکون فیھا تبیعان او تبیعتان[۴۶۶](۴) وفی سبعین مسنۃ وتبیع[۴۶۷] (۵) وفی ثمانین مسنتان[۴۶۸] (۶) وفی تسعین ثلثۃ اتبعۃ.

لغت ربع عشر : دسویں حصہ کی چوتھائی یعنی چالیسواں حصہ، نصف عشر : دسویں حصہ کا آدھا یعنی بیسواں حصہ،جس کو میں نے دو چالیسواں حصہ کہا، دو چالیسواں حصہ ملا کر بیسواں حصہ بن جاتا ہے۔ ثلثۃ ارباع : تین چالیسواں حصہ۔

[۴۶۵](۳) حضرت امام ابو یوسف اور محمد نے فرمایا زیادتی میں کوئی چیز نہیں ہے یہاں تک کہ ساٹھ تک پہنچ جائے، پس ساٹھ میں دو بچھڑے یا دو بچھڑیاں ہیں۔

تشریح ساٹھ دو مرتبہ تیس تیس ہو جاتے ہیں اور ایک تیس میں بچھڑا ہے اس لئے دو مرتبہ تیس میں دو بچھڑے لازم ہونگے۔

وجہ عن ابن عباس قال لما بعث رسول اللہ معاذا الی الیمن قیل لہ بما امرت قال امرت ان اخذ من البقر من کل ثلاثین تبیعا او تبیعۃ ومن کل اربعین مسنۃ قیل لہ امرت فی الاوقاص بشیء ؟ قال لا وسأسال النبی ﷺ فسالہ فقال لا وھو مابین السنین یعنی لا تأخذ من ذلک شیئا (الف) (دار قطنی ۳ باب لیس فی الکسر شیء ج ثانی ص ۸۰، نمبر ۱۸۸۷ رمصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۵ فی الزیادۃ فی الفریضۃ، ج ثانی، ص ۳۶۴، نمبر ۹۹۴۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وقص میں کوئی زکوۃ نہیں ہے اور چالیس سے لیکر ساٹھ تک وقص ہے اس لئے اس میں بھی کچھ لازم نہیں ہوگا۔

لغت وقص : دو عمروں کے درمیان یا دو عددوں کے درمیان جو عدد ہو اس کو اوقاص کہتے ہیں۔

[۴۶۶](۴) اور ستر میں ایک مسنہ اور ایک تبیعہ ہوں گے۔

وجہ اس لئے کہ ایک تیس اور ایک چالیس کا مجموعہ ستر ہے۔

[۴۶۷](۵) اور اسی (۸۰) میں دو مسنہ ہوں گے۔

وجہ اسی میں دو مرتبہ چالیس چالیس ہوتے ہیں اور چالیس میں ایک مسنہ ہے اس لئے اسی میں دو مسنہ ہوں گے۔

[۴۶۸](۶) اور نوے میں تین بچھڑے ہوں گے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے جب حضرت معاذ کو یمن کی طرف بھیجا تو حضرت معاذ سے پوچھا گیا کہ آپ کو کس چیز کا حکم دیا گیا؟ فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ گائے میں سے ہر تیس میں ایک بچھڑا یا ایک بچھڑی اور چالیس میں سے ایک مسنہ لوں۔ پوچھا گیا کہ اوقاص میں سے کسی چیز کا حکم دیا گیا ہے؟ تو حضرت معاذ نے حضورؐ سے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا اوقاص میں کچھ لازم نہیں ہے۔ اوقاص کہتے ہیں دو عمروں کے درمیان جو جانور ہو یعنی اوقاص میں کچھ مت لو۔

[۴۶۹](۷) وفی مائة تبیعتان و مسنة[۴۷۰] (۸) وعلی ھذا یتغیر الفرض فی کل عشرة من تبیع الی مسنة[۴۷۱](۹) والجوامیس والبقر سواء.

وجہ نوے میں تین مرتبہ تیس تیس ہوتے ہیں اور تیس میں ایک بچھڑا ہے اس لئے نوے میں تین بچھڑے لازم ہوں گے۔

[۴۶۹](۷) اور ایک سو گائے میں دو بچھڑے اور ایک مسنہ لازم ہوں گے۔

وجہ ایک سو دو مرتبہ تیس تیس ہوتے ہیں یعنی ساٹھ اور ایک مرتبہ چالیس ہوتا ہے۔ مجموعہ سو ہوا اس لئے دو بچھڑے اور ایک مسنہ لازم ہوں گے۔

[۴۷۰](۸) اسی طرح حساب بدلتا رہے گا ہر دس میں بچھڑا سے مسنہ کی طرف۔

تشریح تیس اور چالیس کے درمیان دس عدد کا فرق ہے اس لئے ہر دس عدد بڑھنے پر مسنہ لازم ہوتا تھا تو بچھڑا لازم ہو جائے گا۔ اور بچھڑا لازم ہوتا تھا تو مسنہ لازم ہو جائے گا۔ اس طرح ہر دس میں بچھڑا سے مسنہ اور مسنہ سے بچھڑا کی طرف تبدیل ہوتا رہے گا۔

نوٹ تبیع : بچھڑا کو کہتے ہیں۔

[۴۷۱](۹) مسئلہ میں بھینس اور گائے برابر ہیں۔

تشریح جو حساب گائے کی زکوۃ کے بارے میں پیش کیا وہی حساب بھینس کی زکوۃ کے سلسلے میں ہے۔ کیونکہ دونوں کی جنس قریب قریب ہی ہے۔

﴿ گائے اور بھینس کی زکوۃ ایک نظر میں ﴾

گائے	کتنی زکوۃ	مسنہ یا تبیعہ		گائے	کتنی زکوۃ	مسنہ	یا تبیعہ
30	1	تبیعہ		60	2	تبیعہ	
40	1	مسنہ		70	1	مسنہ	ایک تبیعہ
41	1.025	مسنہ		80	2	مسنہ	
42	1.050	مسنہ		90	3	تبیعہ	
43	1.075	مسنہ		100	2	تبیعہ	ایک مسنہ
44	1.1	مسنہ		110	2	مسنہ	ایک تبیعہ
45	1.125	مسنہ		120	3	مسنہ	
46	1.15	مسنہ		130	3	تبیعہ	ایک مسنہ

اسی پر قیاس کرتے جائیں۔

نوٹ ایک گائے میں مسنہ کا چالیسواں حصہ لازم ہوتا ہے اس لئے 40 کو ایک میں تقسیم دیں تو 0.025 نکلے گا۔اسی 0.025 کو ایک گائے ،دو گائے جو چالیس سے زیادہ ہو ضرب دیتے جائیں تو حساب نکلتا جائے گا جو اوپر درج ہے۔یہ حساب کلکیولیٹر سے کیا ہے۔

﴿باب صدقة الغنم﴾

[۴۷۲](۱) لیس فی اقل من اربعین شاة صدقة فاذا کانت اربعین شاة سائمة وحال علیها الحول ففیها شاة الی مائة و عشرین فاذا زادت واحدة ففیها شاتان الی مائتین فاذا زادت واحدة ففیها ثلث شیاة فاذا بلغت اربع مائة ففیها اربع شاة ثم فی کل مائة شاة.

﴿ باب صدقۃ الغنم ﴾

ضروری نوٹ بکری کی زکوۃ کے سلسلہ میں یہ باب ہے۔اس لئے حدیث آگے آرہی ہے۔

[۴۷۲](۱) چالیس بکری سے کم میں کوئی زکوۃ نہیں ہے۔پس جب کہ چالیس چرنے والی بکری ہوجائے اوراس پر سال گزر جائے تو اس میں ایک بکری ہے ایک سوبیس بکری تک۔پس جب کہ اس میں ایک زیادہ ہوجائے (یعنی ایک سو اکیس ہوجائے) تو اس میں دو بکریاں ہیں دو سو تک۔پس جب کہ زیادہ ہوجائے اس میں ایک بکری (یعنی دو سو ایک ہوجائے) تو اس میں تین بکریاں ہیں۔پس جب کہ پہنچ جائے چار سو تو اس میں چار بکریاں ہیں۔پھر ہر ایک سو میں ایک بکری زکوۃ ہے۔

تشریح چالیس سے ایک سوبیس کے درمیان بکریوں میں ایک بکری زکوۃ کی ہے پھر ایک سو اکیس سے دو سو تک میں دو بکریاں ہیں۔اور دو سو ایک سے تین سو ننانوے تک تین بکریاں ہیں۔اور چار سو بکریوں میں چار بکریاں زکوۃ ہیں۔پھر ہر اک سو میں ایک بکری زکوۃ لازم ہوگی۔

وجہ حدیث میں ہے **ان انسا حدثه ان ابا بکر کتب له هذا الکتاب لما وجهه الی البحرین بسم الله الرحمن الرحیم هذه فریضة الصدقة التی فرض رسول الله علی المسلمین والتی امر الله به رسوله ... وفی صدقة الغنم فی سائمتها اذا کانت اربعین الی عشرین و مائة: شاةٌ، فاذا زادت علی عشرین و مائة الی مائتین شاتان، فاذا زادت علی مائتین الی ثلث ماة ففیها ثلاث، فاذا زادت علی ثلث مائة ففی کل مائةٍ شأةٌ،فاذا کانت سائمة الرجل ناقصة من اربعین شاة واحدة فلیس فیها صدقة الا ان یشاء ربها** (الف) (بخاری شریف، باب زکوۃ الغنم ص ۱۹۵/۱۹۶ نمبر ۱۴۵۴/ابوداؤد شریف، باب فی زکوۃ السائمۃ ص ۲۲۶ نمبر ۱۵۶۷)اس حدیث سے اوپر کے حساب کی تائید ہوتی ہے۔البتہ حدیث میں ہے کہ دو سو ایک سے تین سو تک تین بکریاں ہوں گی اور تین سو کے بعد ہر سو میں ایک بکری لازم ہوگی۔اور متن میں تھا کہ چار سو کے بعد ہر سو میں ایک بکری لازم ہوگی۔اس

حاشیہ : (الف) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے یہ خط لکھا جب امیر کو بحرین کی طرف روانہ کیا۔بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ صدقہ کا حساب ہے جس کو حضورؐ نے فرض کیا مسلمانوں پر اور جس کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا... چرنے والی بکریوں کی زکوۃ میں یہ ہے کہ جب کہ چالیس بکریوں سے ایک سوبیس تک ہو تو ایک بکری، پس جب کہ زیادہ ہوا ایک سوبیس بکری پر (یعنی ایک سو اکیس ہوجائے) تو دو سو بکری تک میں دو بکریاں ہیں۔پس جب زیادہ ہوجائے دو سو پر (یعنی دو سو ایک بکری ہو) تو تین سو تک میں تین بکریاں ہیں۔پس جب زیادہ ہو تین سو پر تو ہر ایک سو میں ایک بکری ہے۔پس جب کہ آدمی کی چرنے والی بکریوں میں سے چالیس میں ایک بھی کم ہو تو اس میں زکوۃ نہیں ہے۔مگر یہ کہ بکری کا مالک دینا چاہے۔

[۴۷۳] (۲) والضان والمعز سواء.

تھوڑے سے اختلاف کے بعد مسئلہ ایک جیسا ہی ہو جاتا ہے۔

[۴۷۳] (۲) بھیڑ اور بکری کا مسئلہ برابر ہے۔

وجہ بھیڑ اور بکری تقریبا ایک جنس شمار کئے جاتے ہیں اس لئے دونوں کی زکوۃ کا حساب ایک ہی جیسا ہے۔

لغت الضائن : بھیڑ، المعز : بکری

﴿ بکریوں کی زکوۃ ایک نظر میں ﴾

بکریاں	زکوۃ
40	ایک بکری
121	دو بکریاں
201	تین بکریاں
400	چار بکریاں
500	پانچ بکریاں

﴿باب زکوۃ الخیل﴾

[۴۷۴](۱) اذا کانت الخیل سائمة ذکورا و اناثا و حال علیها الحول فصاحبها بالخیار ان شاء اعطی عن کل فرس دینار او ان شاء قومها فاعطی عن کل مائتی درهم خمسة دراهم[۴۷۵](۲) ولیس فی ذکورها منفردة زکوة عند ابی حنیفة[۴۷۶] (۳) وقال ابو

﴿باب زکوۃ الخیل﴾

ضروری نوٹ گھوڑے کے سلسلہ میں کئی قسم کی احادیث ہیں۔اس لئے علماء میں اختلاف ہے کہ گھوڑے میں زکوۃ واجب ہے یا نہیں۔یہ بات طے ہے کہ جہاد کے گھوڑے میں اور خدمت کے گھوڑے میں زکوۃ نہیں ہے۔اور تجارت کے گھوڑے میں اس کی قیمت میں ہر دوسو درہم میں پانچ درہم لازم ہے۔البتہ جو گھوڑے نسل بڑھانے کے لئے ہیں ان ہی میں اختلاف ہے کہ زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟ اور ہر ایک امام کا مسئلہ اور اس کی دلیل آگے آرہی ہے۔

[۴۷۴](۱) جب کہ گھوڑے چرنے والے ہوں اور نر اور مادہ دونوں ہوں اور ان پر سال گزر چکا ہو تو اس کے مالک کو اختیار ہے (۱) چاہے تو ہر گھوڑے کے بدلہ میں ایک دینار دے (۲) اور چاہے تو اس کی قیمت لگائے اور ہر دوسو درہم کے بدلے پانچ درہم دے۔

تشریح چونکہ یہ گھوڑے جہاد کے نہیں ہیں اور روزمرہ کام آنے والے بھی نہیں ہیں بلکہ چرنے والے ہیں اور نسل بڑھانے کے لئے ہیں اس لئے اس کی زکوۃ دینے کی دو شکلیں ہیں۔ایک یہ ہے کہ ہر گھوڑے کے بدلے ایک دینار دیدے۔اور دوسری شکل یہ ہے کہ گھوڑے کی قیمت لگائے اور جتنی اس کی قیمت ہو اس کے ہر دوسو درہم میں پانچ درہم زکوۃ دیدے۔اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن جابر قال قال رسول الله ﷺ فی الخیل السائمة فی کل فرس دینار تؤدیه (الف) (دار قطنی ۱۸، باب زکوۃ مال التجارۃ وسقوطها عن الخیل والرقیق ج ثانی ص ۱۰۹ نمبر ۲۰۰۰ رسنن للبیہقی، باب من رأی فی الخیل صدقة ج رابع، کتاب الزکوۃ ص ۲۰۲، نمبر ۷۴۱۹) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ چرنے والے گھوڑے کے ہر گھوڑے کے بدلے میں ایک دینار زکوۃ دے۔اور چونکہ دوسو درہم میں پانچ درہم زکوۃ لازم ہے اس لئے مالک کو اختیار ہے کہ قیمت لگا کر ہر دوسو درہم میں پانچ درہم دیدیا کرے۔

[۴۷۵](۲) امام ابوحنیفہ کے نزدیک صرف مذکر گھوڑے میں زکوۃ واجب نہیں ہے۔

تشریح صرف مذکر گھوڑے ہوں تو توالد اور تناسل نہیں ہوگا اور نسل نہیں بڑھے گی اس لئے اس میں زکوۃ واجب نہیں۔اور مذکر اور مؤنث دونوں ہوں تو نسل بڑھے گی تب زکوۃ واجب ہوگی۔

[۴۷۶](۳) صاحبین فرماتے ہیں کہ گھوڑے میں زکوۃ نہیں ہے۔

تشریح نسل بڑھانے والے گھوڑوں میں زکوۃ نہیں ہے۔البتہ اگر تجارت کے لئے گھوڑے ہوں تو اس کی قیمت میں ہر دوسو درہم میں پانچ

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا چرنے والے گھوڑے میں ہر گھوڑے میں ایک دینار ادا کیا جائے گا۔

یوسف و محمد لا زکوۃ فی الخیل[۴۷۷] (۴) ولا شیء فی البغال والحمیر الا ان تکون للتجارۃ[۴۷۸](۵) ولیس فی الفصلان ولاالحملان والعجاجیل زکوۃ عند ابی حنیفۃ و محمد الا ان یکون معھا کبار .

درہم لازم ہوں گے۔ کیونکہ اب یہ تجارت کا مال ہو گیا اور تجارت کے مال میں زکوۃ ہے

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ لیس علی المسلم فی فرسہ و غلامہ صدقۃ** (الف) (بخاری شریف، باب لیس علی المسلم فی فرسہ صدقۃ ص ۱۹۷ نمبر ۱۴۶۳/ ابوداؤد شریف، باب صدقۃ الرقیق ص ۲۳۲ نمبر ۱۵۹۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان کے گھوڑوں میں زکوۃ نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جہاد کے گھوڑے اور روزانہ کام آنے والے گھوڑے کے بارے میں ہے۔

[۴۷۷] (۴) خچر میں اور گدھے میں زکوۃ نہیں ہے مگر یہ کہ تجارت کے لئے ہو۔

تشریح گدھے اور خچر تجارت کے لئے ہوں تب تو وہ مال تجارت ہو گئے اس لئے مال تجارت کے اعتبار سے ان کی قیمت میں ہر دو سو درہم میں پانچ درہم زکوۃ ہے۔ لیکن اگر تجارت کے لئے نہ ہوں بلکہ نسل بڑھانے کے لئے ہوں تو اس میں زکوۃ نہیں ہے **وجہ** اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابی ھریرۃ یقول قال رسول اللہ ﷺ ... قیل یا رسول اللہ ﷺ فالحمر قال ما انزل علی فی الحمر شیء الا ھذہ الآیۃ الفاذۃ الجامعۃ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ** (ب) (مسلم شریف، باب اثم مانع الزکوۃ ص ۳۱۹ نمبر ۹۸۷/ مصنف بن عبدالرزاق، باب الحمرج رابع ص ۳۱ نمبر ۶۸۷۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گدھے میں زکوۃ نہیں ہے اور خچر بھی گدھے کی ایک قسم ہے اس لئے اس میں بھی زکوۃ نہیں ہے۔

[۴۷۸] (۵) اونٹنی کے بچے، بکری کے بچے اور گائے کے بچے میں امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک زکوۃ نہیں ہے مگر یہ کہ ان کے ساتھ بڑے ہوں **تشریح** ان بچوں کے ساتھ بڑے ہوں تو بچوں کو بڑوں کے تابع کر کے زکوۃ واجب ہوگی۔ لیکن اگر بڑے نہ ہوں تو نسل بڑھنے کا امکان نہیں ہے بلکہ بچے بڑے ہوں گے لیکن تعداد کی زیادتی نہیں ہوگی اس لئے اس میں زکوۃ نہیں ہے۔

وجہ ان کی دلیل یہ اثر ہے **عن الحسن قالا لایعتد بالسخلۃ ولا توخذ فی الصدقۃ** (ج) مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۴ السخلۃ تحسب علی صاحب الغنم ج ثانی ص ۳۶۷، نمبر ۹۹۸۲/ سنن للبیہقی، باب یعد علیھم بالسخال التی نتجت ج رابع ص ۱۷۲، نمبر ۷۳۱۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بکری کے چھوٹے زکوۃ میں شمار نہیں ہوں گے۔ اور اسی پر قیاس کر کے اونٹنی کے بچے اور گائے کے بچے پر بھی زکوۃ نہیں ہوگی جب تک کہ اس کے ساتھ بڑے نہ ہوں۔

حاشیہ : (الف) مسلمان پر اس کے گھوڑے اور اس کے غلام میں زکوۃ نہیں ہے (ب) آپ نے فرمایا... پوچھا گیا یا رسول اللہ گدھے میں کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا مجھ پر گدھے کی زکوۃ کے بارے میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا ہے مگر یہ جامع آیت ہے۔ جو ذرہ برابر خیر کا عمل کرے گا اس کو وہ دیکھے گا اور جو ذرہ برابر برا عمل کرے گا وہ اس کو دیکھے گا (ج) حسن سے منقول ہے فرمایا بکری کے چھوٹے بچے کو شمار نہ کیا جائے اور نہ اس کو زکوۃ میں لیا جائے۔

[۴۷۹](٦) وقال ابو یوسف تجب فیھا واحدۃ منھا [۴۸۰](۷) ومن وجب علیہ مسن فلم یوجد اخذ المصدق اعلی منھا ورد الفضل او اخذ دونھا واخذ الفضل.

لغت : الفصلان : فصیل کی جمع ہے اونٹنی کے بچے۔ الحملان : حمل کی جمع ہے بکری کے بچے۔ العجاجیل : عجول کی جمع ہے گائے کے بچے۔

[۴۷۹](٦) امام ابو یوسف نے فرمایا ان میں ایک بچہ لازم ہوگا۔

تشریح یعنی اگر تیس گائے کے بچے ہوں تو ان میں ایک بچہ لازم ہوگا اس سے کم میں نہیں۔ کیونکہ اگر تیس عدد سے کم بڑی گائیں ہوں تب بھی زکوۃ واجب نہیں ہوتی تو چھوٹے بچے تیس سے کم ہوں تو کیسے زکوۃ واجب ہوگی۔ اسی طرح چالیس بکری کے بچے ہوں تو ان میں ایک بچہ لازم ہوگا۔ کیونکہ بڑی بکری کا نصاب یہی ہے۔ اور اگر بکری کے چالیس بچوں سے کم ہوں تو زکوۃ لازم نہیں ہوگی۔ اسی طرح پچیس اونٹنی کے بچے ہوں تو ان میں ایک بچہ لازم ہوگا اس سے کم ہو تو لازم نہیں ہوگا۔

وجہ ان کی دلیل یہ اثر ہے **عن عطاء قال قلت له یعتد بالصغار اولاد الشاة؟ قال نعم** (الف) مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۴ السخلۃ تحسب علی صاحب الغنم۔ ج ثانی، ص ۳٦۸، نمبر ۹۹۸۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بکری کے بچوں کا بھی شمار ہوگا اور اس کی زکوۃ لازم ہوگی۔

[۴۸۰](۷) کسی پر مسنہ واجب تھا اور مالک کے پاس مسنہ نہیں ہے تو زکوۃ لینے والا اس سے اعلی درجہ کا جانور لے اور جو زیادہ لیا اس کے روپے واپس کرے۔ یا مسنہ سے ادنی لے لے اور جو زیادہ ہوا مالک سے وہ لے لے۔

تشریح مثلا ایک سال کی اونٹنی کا بچہ بنت مخاض لازم تھا لیکن مالک کے پاس بنت مخاض نہیں تھا البتہ دو سال کا بچہ بنت لبون تھا جس کی قیمت عموما بنت مخاض سے بیس درہم زیادہ یا دو بکریاں زیادہ ہوتی تھی تو زکوۃ لینے والا مالک سے بنت لبون لے لے اور بنت مخاض سے جو زیادہ بیس درہم آئے اس کو مالک کی طرف واپس کر دے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بنت مخاض سے ادنی مالک لے لے اور بنت مخاض اور اس ادنی کے درمیان جو قیمت کا فرق ہے مثلا بیس درہم یا دو بکریاں وہ بھی مالک سے وصول کرے تا کہ زکوۃ برابر سرابر ہو جائے۔ اور اس طرح قیمت سے زکوۃ وصول کرنا جائز ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے **ان ابا بکر کتب له التی امر الله رسوله ومن بلغت صدقته بنت مخاض ولیست عنده وعنده بنت لبون فانها تقبل منه ویعطیه المصدف عشرین درهما او شاتین فان لم یکن عنده بنت مخاض علی وجهها و عنده ابن لبون فانه یقبل منه ولیس معه شیء** (ب) (بخاری شریف، باب العروض فی الزکوۃ ص ۱۹۴/۱۹۵ نمبر ۱۴۴۸/ ابو داؤد شریف، باب زکوۃ السائمۃ ص ۲۲۵ نمبر ۱۵٦۷، پہلی حدیث میں ہے / بخاری شریف، باب من بلغت عندہ صدقۃ

حاشیہ : (الف) حضرت عطاء نے فرمایا میں نے پوچھا کیا بکری کے چھوٹے بچوں کو شمار کیا جائے گا؟ فرمایا ہاں! (ب) حضرت ابو بکرؓ نے وہ لکھا جس کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا تھا کہ جس کی زکوۃ بنت مخاض کو پہنچی ہو اور اس کے پاس بنت مخاض نہ ہو بلکہ اس کے پاس بنت لبون ہو تو وہ قبول کر لیا جائے گا اور زکوۃ لینے والا مالک کو بیس درہم واپس دے گا یا دو بکریاں دے گا۔ اور اگر اس کے پاس بنت مخاض اس طرح کا نہ ہو بلکہ ابن لبون ہو تو اس کو قبول کر لیا جائے گا اور اس کے ساتھ کچھ نہیں ہوگا۔

[۴۸۱] (۸) ویجوز دفع القیم فی الزکوۃ[۴۸۲] (۹) و لیس فی العوامل والحوامل والعلوفۃ زکوۃ۔

بنت مخاض ولیست عندہ ص ۱۹۵ نمبر ۱۴۵۳)) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مالک پر بنت مخاض لازم ہوا اور اس کے پاس بنت مخاض نہ ہو تو اس سے بنت لبون لے لے اور زکوۃ لینے والا مالک کو بیس درہم دے یا دو بکریاں دیدے تا کہ بنت مخاض گویا کہ ہو جائے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو جانور واجب ہوا ہو اس کے بدلے میں اس کی قیمت بھی دے سکتے ہیں (۲) ایک اثر سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ **قال معاذ لاھل الیمن ائتونی بعرض ثیاب خمیص او لبیس فی الصدقۃ مکان الشعیر والذرۃ اھون علیکم وخیر لاصحاب النبی ﷺ بالمدینۃ** (الف) (بخاری شریف، باب العروض فی الزکوۃ ص ۱۹۴ نمبر ۱۴۴۸) اس اثر میں حضرت معاذ نے جو اور باجرے کے بدلے میں کپڑے لئے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ جو چیز واجب ہو اس کی قیمت لگا کر دوسری چیز یا روپیہ لے سکتے ہیں۔

لغت المصدق : زکوۃ لینے والا، الفضل : جو قیمت زیادہ ہو۔

[۴۸۱] (۸) زکوۃ میں چیز کی قیمت دینا جائز ہے۔

وجہ اس کی دلیل مسئلہ نمبر ۷ میں گزر گئی ہے۔

[۴۸۲] (۹) کام کرنے والے، بوجھ اٹھانے والے اور گھر پر کھانے والے جانوروں میں زکوۃ نہیں ہے۔

وجہ وہ جانور جو گھر میں کام کرنے کے لئے ہوں یا بوجھ اٹھانے کے لئے ہوں ان میں زکوۃ نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن علی قال زھیر احسبہ عن النبی ﷺ ... ولیس علی العوامل شیء** (ب) (ابوداؤد شریف، باب زکوۃ السائمۃ ص ۲۲۸ نمبر ۱۵۷۲/ دار قطنی ۶ لیس فی العوامل صدقۃ ج ثانی ص ۸۸ نمبر ۱۹۲۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کام کرنے والے جانور میں زکوۃ نہیں ہے۔ اور علوفہ یعنی سال کے زیادہ مہینوں میں گھر پر کھا کر زندگی گذارتے ہوں ان پر زکوۃ نہیں ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے **عن ابراھیم قال لیس فی غنم الربائب صدقۃ** (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۳ فی الرجل تکون لہ الغنم فی المصر یحتلبھا ج ثانی، ص ۳۶۷، نمبر ۹۹۸۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جس بکری کو گھر میں کھلا کر پالتے ہوں اس پر زکوۃ نہیں ہے۔ اور اسی پر قیاس کر کے دوسرے جانوروں میں بھی جن کو گھر میں کھلا کر پال رہا ہے اس سے بھی مال بڑھ نہیں رہا ہے بلکہ مالک کا مال جانور میں شامل ہو رہا ہے اس لئے اس میں زکوۃ نہیں ہے۔ زکوۃ والی حدیث میں ہر جگہ سائمہ کا لفظ گزرا اس سے بھی معلوم ہوا کہ چرنے والے جانور میں زکوۃ ہے۔ گھر پر کھانے والے جانور میں زکوۃ نہیں ہے۔ (بخاری شریف، نمبر ۱۴۵۴)

لغت العوامل : جمع ہے عامل کی کام کرنے والے جانور۔ الحوامل : جمع ہے حامل کی بوجھ اٹھانے والے جانور۔ العلوفۃ : جن جانوروں

حاشیہ : (الف) حضرت معاذؓ نے اہل یمن سے کہا کہ مجھے خمیص، کپڑا پہننے والے کپڑے کا سامان دو جو اور باجرے کی جگہ میں۔ یہ تمہارے لئے آسان ہے اور مدینہ میں اصحاب رسول کے لئے بہتر ہے۔ (ب) آپؐ نے فرمایا کام کرنے والے جانور پر کچھ نہیں ہے (ج) حضرت ابراہیم نے فرمایا پالی ہوئی بکریوں میں زکوۃ نہیں ہے۔

[۴۸۳](۱۰) ولا یأخذ المصدق خیار المال ولا رذالته و یأخذ الوسط[۴۸۴](۱۱) ومن کان له نصابا فاستفاد فی اثناء الحول من جنسه ضمه الی ماله وزکاه به.

کو گھر میں کھلا کر پالا جاتا ہو۔

[۴۸۳](۱۰) زکوۃ لینے والا نہ اعلی درجہ کا مال لے گا اور نہ گھٹیا درجے کا بلکہ اوسط درجے کا مال لیگا۔

وجہ (۱) یہ شریعت کا انصاف ہے کہ نہ اعلی درجے کا مال لے اور نہ گھٹیا درجے کا بلکہ اوسط درجے کا مال لے (۲) **ان انسا حدثه ان ابا بکر کتب له التی امر الله رسوله ﷺ ولا یخرج فی الصدقة هرمة ولا ذات عوار ولا تیس الا ماشاء المصدق (الف)** (بخاری شریف، باب لا یوخذ فی الصدقۃ ھرمۃ ولا ذات عوار ولا تیس الا ماشاء المصدق ص ۱۹۶ نمبر ۱۴۵۵ / ابو داؤد شریف، باب زکوۃ السائمۃ ص ۲۲۶ نمبر ۱۵۶۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اعلی اور ادنی مال نہیں لیا جائے گا۔ بلکہ اوسط جانور لیا جائے گا (۲) **عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ لما بعث معاذ علی الیمن ... وتوق کرائم اموال الناس (ب)** (بخاری شریف، باب لاتؤخذ کرائم اموال الناس فی الصدقۃ ص ۱۹۶ نمبر ۱۴۵۸) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ زکوۃ لینے والا اچھا اور اعلی درجہ کا مال نہ لے۔

[۴۸۴](۱۱) جس کے پاس نصاب کا مال ہو پھر سال کے درمیان میں اسی نصاب کی جنس سے فائدہ حاصل کیا تو اس کو مال کے ساتھ ملائے گا اور اس کی زکوۃ دے گا۔

تشریح مثلا چالیس گائے موجود ہیں جو گائے کا نصاب ہے اور درمیان سال میں گائے کے بیس بچھڑے ہوئے اب چالیس گایوں کی زکوۃ نصاب میں دینا تھی لیکن بیس بچھڑوں پر سال پورا نہیں ہوتا صرف چھ ماہ ہوتے ہیں تو ان بیس بچھڑوں کو بھی چالیس گایوں کے ساتھ ملا کر رمضان میں ساٹھ گایوں کی زکوۃ دے۔ چاہے بیس بچھڑوں پر سال نہ گزرا ہو۔

وجہ یہ بیس بچھڑے درمیان سال میں مال مستفاد ہیں۔ اور اس کی جنس بھی وہی ہے جو مال نصاب پہلے سے ہے یعنی گائے اس لئے دونوں کی زکوۃ رمضان میں ادا کرے (۲) اثر میں موجود ہے **عن الزهری انه کان یقول اذا استفاد الرجل ما لا فاراد ان ینفقه قبل مجیء شهر زکوته فلیزکه ثم لینفقه وان کان لایرید ان ینفق فلیزکه مع ماله (ج)** (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۹ من قال یزکیہ اذا استفادہ ج ثانی ص ۳۸۷، نمبر ۱۰۲۲۷ / مصنف عبد الرزاق، باب وجوب الصدقۃ فی الحول ج رابع ص ۳۲ نمبر ۶۸۷۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مال مستفاد میں مال نصاب کے ساتھ زکوۃ واجب ہے۔

نوٹ اگر نصاب کے علاوہ کوئی مال درمیان میں مستفاد ہوا تو اس پر سال گزرنے کے بعد ہی زکوۃ واجب ہوگی۔

حاشیہ : (الف) حضرت انس فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر نے لکھا جس کا اللہ نے اس کے رسول کو حکم دیا ہے کہ زکوۃ میں بوڑھا اور اندھا نہ نکالے اور نہ سانڈ کو نکالے مگر جو زکوۃ لینے والے چاہے (ب) حضورؐ نے جب حضرت معاذ کو یمن روانہ فرمایا تو فرمایا... لوگوں کے اعلی مال سے بچتے رہو (ج) حضرت زہری فرمایا کرتے تھے کہ آدمی مال کا استفادہ کرے پھر ارادہ کرے کہ زکوۃ کا مہینہ آنے سے پہلے خرچ کرے تو اس کی زکوۃ دے پھر خرچ کرے اور اگر خرچ کرنا نہیں چاہتا ہے تو اپنے مال کے ساتھ مستفاد کی بھی زکوۃ دے۔

[۴۸۵] (۱۲) والسائمة هی التی تکتفی بالرعی فی اکثر الحول فان علفها نصف الحول او اکثر فلا زکوة فیها [۴۸۶](۱۳) والزکوة عند ابی حنیفة وابی یوسف فی النصاب

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب تک مال مستفاد پر سال نہ گزر جائے زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ من استفاد مالا فلا زکوة علیه حتی یحول علیه الحول** (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء لا زکوۃ علی المال المستفاد حتی حال علیہ الحول ص ۱۳۷ نمبر ۶۳۱ / دار قطنی ۱، باب وجوب الزکوۃ بالحول ج ثانی ص ۷۷ نمبر ۱۸۷۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب تک خود مال مستفاد پر سال نہ گزر جائے اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے۔

[۴۸۵] (۱۲) سائمہ، چرنے والے جانوران کو کہتے ہیں کہ وہ سال کے اکثر حصہ میں چرنے پر اکتفا کرے، پس اگر جانور کو آدھا سال یا زیادہ چارہ کھلایا تو ان میں زکوۃ نہیں ہے۔

تشریح اوپر جو آیا کہ سائمہ جانور میں زکوۃ ہے تو اب سائمہ جانور کی تشریح فرماتے ہیں۔سائمہ جانور یعنی چرنے والے جانور اس کو کہیں گے جو سال کے آدھے یا آدھے سے زیادہ مہینوں میں گھاس چر کر زندگی گزارتا ہو۔لیکن اگر سال کے آدھے یا آدھے سے زیادہ مہینوں میں گھر کا چارہ کھا کر زندگی گزارتے ہوں تو اس کو علوفہ کہتے ہیں۔اور علوفہ میں زکوۃ واجب نہیں ہے۔دلیل پہلے گزر چکی ہے۔اور یہ دلیل بھی ہے **حدثنی ثمامة ابن عبد الله بن انس ان انسا حدثه ... فاذا کانت سائمة الرجل ناقصة من اربعین شاة واحدة فلیس فیها صدقة** (بخاری شریف، باب زکوۃ الغنم ص ۱۹۵، نمبر ۱۴۵۴ / ابو داؤد شریف نمبر ۱۵۷۰) اس حدیث میں سائمہ کا لفظ ہے اس لئے سائمہ میں زکوۃ واجب ہوگی۔

لغت الرعی : گھاس چرنا۔ علف : گھر کا چارہ کھانا۔

[۴۸۶] (۱۳) زکوۃ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک نصاب میں ہے عفو نہیں ہے اور امام محمد اور زفر نے فرمایا دونوں میں واجب ہے۔

تشریح مثلا دو سو درہم پر زکوۃ واجب ہوتی ہے اور کسی کے پاس دو سو تیس درہم ہیں تو امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ زکوۃ دو سو درہم ہی پر پانچ درہم واجب ہوئی، باقی تیس درہم عفو ہے زیادہ ہے اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی وہ معاف ہے۔چنانچہ سال گزرنے کے بعد تیس درہم ہلاک ہو جائے تو دو سو درہم پر جو پانچ درہم زکوۃ واجب ہوئی تھی اس میں کچھ کم نہیں ہوگی پانچ درہم ہی دینا ہوگی۔اور امام محمد اور امام زفر کے نزدیک عفو پر بھی زکوۃ واجب ہے تو گویا کہ دو سو تیس درہم پر پانچ درہم واجب ہوئی اس لئے تیس درہم ہلاک ہو گئے تو اس حساب سے پانچ درہم زکوۃ میں پینسٹھ (۶۵) پیسے کی کمی آئے گی۔اور چار درہم پینتیس (۳۵) پیسے زکوۃ واجب ہوگی۔

وجہ امام شیخین کی دلیل یہ حدیث ہے **عن معاذ ان رسول الله ﷺ امره حین وجهه الی الیمن ان لاتأخذ من الکسر شیئا اذا کانت الورق مائتی درهم فخذ منها خمسة دراهم ولا تأخذ مما زاد شیئا حتی تبلغ اربعین درهما واذا بلغ**

(ج) آپؐ نے فرمایا کسی نے مال کا استفادہ کیا تو اس پر زکوۃ نہیں ہے یہاں تک کہ اس پر سال گزر جائے۔

دون العفو وقال محمد وزفر تجب فيهما[۴۸۷] (۱۴) واذا هلک المال بعد وجوب الزکوۃ سقطت [۴۸۸](۱۵) وان قدم الزکوۃ علی الحول وهو مالک للنصاب جاز.

اربعین درهما فخذ منه درهما (الف) (دار قطنی ۳ باب لیس فی الکسر شیء ص ۸۰ نمبر ۱۸۸۶) اس حدیث سے پتہ چلا کہ دوسو درہم کے بعد جب تک چالیس درہم نہ ہو جائے تو زکوۃ میں کچھ کمی نہیں ہوگی۔

فائدہ امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ اصل نصاب اور عفو دونوں اللہ کی نعمت ہیں اس لئے زکوۃ دونوں پر لازم ہوئی۔ اس لئے جب عفو ہلاک ہوا تو زکوۃ کا کچھ حصہ اس کے حساب سے ساقط ہوا۔

وجہ حدیث میں ہے۔ **فاذا كانت مائتي دراهم ففيها خمسة دراهم فمازاد فعلى حساب ذلك** (ابوداؤد شریف، باب فی زکوۃ السائمۃ، نمبر ۱۵۷۲ رمصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۵ فی الزیادۃ فی الفریضۃ، ج ثانی، ص ۳۶۴، نمبر ۹۹۴۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو زیادہ ہو زکوۃ میں اس کا بھی حساب ہوگا۔

[۴۸۷] (۱۴) زکوۃ واجب ہونے کے بعد اگر مال ہلاک ہو جائے تو زکوۃ ساقط ہو جائے گی۔

تشریح نصاب پر سال گزر گیا جس کی وجہ سے زکوۃ واجب ہوئی اور ادا کرنے کی بھی قدرت ہوئی لیکن آجکل کرتا رہا اور اس درمیان مال ہلاک ہو گیا تو حنفیہ کے نزدیک زکوۃ ساقط ہو جائے گی۔ اور اگر جان کر مال کو ہلاک کر دیا تو زکوۃ واجب رہے گی۔

وجہ زکوۃ کا محل مال تھا اور اب محل ہی باقی نہیں رہا تو زکوۃ کس پر لازم کریں۔ جیسے جنایت کرنے والا غلام مر جائے تو مولی اب کس کو سپرد کرے گا۔ مولی سے ضمان ساقط ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مال کی ہلاکت کے بعد زکوۃ ساقط ہو جائے گی۔ اور اگر آدھا مال ہلاک ہوا تو آدھی زکوۃ ساقط ہوگی۔ اس کی ایک مثال یہ قول بھی ہے **عن عطا فی الرجل اذا اخرج زکوۃ ماله فضاعت انها تجزی عنه** (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۸۹ ما قالوا فی الرجل اخرج زکوۃ مالہ فضاعت ج ثانی، ص ۴۰۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ زکوۃ کا مال نکال چکا ہو پھر ضائع ہو گیا ہو تو وہ کافی ہوگا تو پورا مال ہی ہلاک ہو گیا ہو تو بدرجۂ اولی زکوۃ ساقط ہو جائے گی۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ زکوۃ واجب ہو چکی تھی اس لئے مال ہلاک ہونے کے بعد بھی واجب ہی رہے گی۔ جس طرح صدقۂ فطر واجب ہونے کے بعد مال ہلاک ہو جائے پھر بھی صدقۃ الفطر واجب ہی رہتا ہے۔

وجہ **عن مغیرۃ عن اصحابه قالوا: اذا اخرج زکوۃ ماله فضاعت فلیزکی مرة اخری** (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۸۹ ما قالوا فی الرجل اخرج زکوۃ مالہ فضاعت، ج ثانی، ص ۴۰۸، نمبر ۱۰۴۸۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ دوبارہ ادا کرے۔

[۴۸۸] (۱۵) اگر سال مکمل ہونے سے پہلے زکوۃ دیدی اور حال یہ ہے کہ وہ نصاب کا مالک ہے تو جائز ہے۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے جب حضرت معاذ کو یمن کی طرف متوجہ کیا تو آپؐ نے ان کو حکم دیا کہ کسر میں کچھ نہ لے۔ جب چاندی دوسو درہم ہو جائے تو اس میں پانچ درہم لو۔ اور جو زیادہ ہو جائے اس میں کچھ نہ لو۔ یہاں تک کہ چالیس درہم کو پہنچ جائے۔ اور جب چالیس درہم پہنچ جائے تو اس سے ایک درہم لو (ب) حضرت عطا سے منقول ہے کہ کوئی آدمی اپنے مال کی زکوۃ نکالے پھر زکوۃ ضائع ہو جائے تو اس سے کافی ہو جائے گی۔

تشریح ایک آدمی نصاب کا مالک ہے لیکن اس نصاب پر سال نہیں گزرا ہے اور وہ ابھی زکوۃ ادا کر دینا چاہتا ہے تو جائز ہے۔ اکوۃ ادا ہو جائیگی۔

وجہ مال نصاب اصل سبب ہے اور وہ پایا گیا تو گویا کہ سبب پایا گیا اس لئے زکوۃ کی ادائیگی ہو جائیگی (۲) حدیث میں ہے **عن علی ان العباس سأل النبی ﷺ فی تعجیل الصدقة قبل ان تحل فرخص له فی ذلک** (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی تعجیل الزکوۃ ص ۲۳۶ نمبر ۱۶۲۴ رترمذی شریف، باب ما جاء فی تعجیل الزکوۃ ص ۱۴۶ نمبر ۶۷۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سال گزرنے سے پہلے زکوۃ ادا کرسکتا ہے کیونکہ حضرت عباسؓ کو اس کی اجازت دی تھی۔

حاشیہ: (الف) حضرت عباسؓ نے حضورؐ سے زکوۃ جلدی دینے کے بارے میں پوچھا وقت آنے سے پہلے تو آپؐ نے اس بارے میں رخصت دیدی۔

﴿باب زكوة الفضة﴾

[۴۸۹](۱)ليس فيما دون مائتی درهم صدقة فاذا كانت مائتی درهم وحال عليها الحول ففيها خمسة دراهم[۴۹۰] (۲) ولا شیء فی الزيادة حتی تبلغ اربعين درهما فيكون فيها درهم ثم فی كل اربعين درهمادرهم عند ابی حنيفة.

﴿ باب زکوۃ الفضۃ ﴾

ضروری نوٹ فضۃ کے معنی چاندی کے ہیں۔ یہاں فضۃ سے مراد درہم، چاندی کا زیور اور چاندی کا برتن مراد ہے۔حنفیہ کے نزدیک ان ساری چیزوں میں زکوۃ ہے۔دلیل یہ حدیث ہے **ان امرأة اتت رسول الله و معها ابنة لها وفی يد ابنتها مسكتان غليظتان من ذهب فقال اتعطين زكوة هذا؟ قالت لا قال ايسرك ان يسورك الله بهما يوم القيامة سوارين من نار؟ قال فخلعتهما والقتهما الى النبی ﷺ وقالت هما لله ورسوله (الف)**(ابوداؤد شریف، باب الکنز ماھو وزکوۃ الحلی ص ۲۲۵ نمبر ۱۵۶۳)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زیور کی بھی زکوۃ لازم ہے۔

[۴۸۹](۱) دوسو درہم سے کم میں زکوۃ نہیں ہے، پس جب کہ دوسو درہم ہو جائے اور اس پر سال گزر جائے تو اس میں پانچ درہم ہے۔

وجہ حدیث میں موجود ہے کہ دوسو درہم سے کم میں زکوۃ نہیں ہے۔**سمعت ابا سعيدالخدری قال قال رسول الله ليس فيما دون خمس زود صدقة من الابل و ليس فيما دون خمس اواق صدقة (ب)**(بخاری شریف، باب زکوۃ الورق ص ۱۹۴ نمبر ۱۴۴۷/ ابوداؤد شریف، نمبر ۱۵۷۲)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوسو درہم سے کم میں زکوۃ نہیں ہے۔اس لئے کہ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے تو پانچ اوقیہ دوسو درہم کے ہوں گے۔

[۴۹۰](۲) پھر دوسو درہم سے زیادہ میں کچھ نہیں ہے یہاں تک کہ چالیس درہم ہو جائے، پس چالیس درہم میں ایک درہم ہے۔ پھر ہر چالیس درہم میں ایک درہم ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک۔

تشریح امام ابوحنیفہ کے نزدیک دوسو درہم کے بعد اس وقت تک کچھ لازم نہیں ہوگا جب تک کہ چالیس درہم نہ ہو جائے، البتہ چالیس درہم ہو جائے تو پھر اس میں ایک درہم لازم ہوگا۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن معاذ ان رسول الله ﷺ امره حين وجهه الى اليمن ان لا تأخذ من الكسر شيئا اذا كانت الورق مائتی درهم فخذ منها خمسة دراهم، ولا تأخذ مما زاد شيئا حتی تبلغ اربعين درهما، واذا بلغ اربعين**

حاشیہ : (الف) ایک عورت آئی رسول اللہؐ کے پاس اور اس کے ساتھ ایک بچی تھی اور اس کی بچی کے ہاتھ پر سونے کے دو موٹے موٹے کنگن تھے تو آپؐ نے فرمایا کیا اس کی زکوۃ ادا کرتی ہو؟ کہنے لگی نہیں۔ آپؐ نے فرمایا کیا یہ تم کو اچھا لگے گا کہ اللہ اس کی وجہ سے دو آگ کے کنگن پہنائے۔ راوی فرماتے ہیں کہ اس عورت نے دونوں کنگنوں کو کھولا اور حضورؐ کے سامنے ڈال دیا اور کہنے لگی یہ کنگن اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہیں (الف) آپؐ نے فرمایا پانچ اونٹ سے کم میں زکوۃ نہیں ہے اور پانچ اوقیہ چاندی سے کم میں زکوۃ نہیں ہے۔

[۴۹۱] (۳) وقال ابو یوسف و محمد مازاد علی المائتین فزکوته بحسابه [۴۹۲](۴) وان کان الغالب علی الورق الفضة فھو فی حکم الفضة[۴۹۳] (۵) واذا کان الغالب

درھما فخذ منھا درھما (الف)(دار قطنی ۳، باب لیس فی الکسر شیء ج ثانی ص ۸۰ نمبر ۱۸۸۶ رسنن للبیھقی، باب ذکر الخبر الذی روی فی وقص الورق ج رابع ص ۲۲۸، نمبر ۷۵۲۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوسو درہم کے بعد جب تک چالیس درہم نہ ہو جائے تو اس کسر میں کچھ لازم نہیں ہے۔ البتہ چالیس درہم ہو جائے تو اس میں ایک درہم ہے۔ ابوداؤد میں ہے۔ **عن علی ... ھاتو اربع العشور من کل اربعین درھما درھم** (ابوداؤد شریف ص ۲۲۷ نمبر ۱۵۷۲)

[۴۹۱] (۳) اور صاحبین نے فرمایا کہ دوسو درہم سے جو کچھ زیادہ ہو تو اس کی زکوۃ اس کے حساب سے ہوگی۔

تشریح مثلا دوسو درہم سے ایک درہم زیادہ ہو گیا تو ایک درہم میں ایک درہم کا چالیسواں حصہ لازم ہوگا۔ اور دس درہم میں ایک درہم کی چوتھائی لازم ہوگی۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن عاصم بن حمزة وعن الحارث الاعور عن علی رضی الله عنه قال زھیر احسبه عن النبی ﷺ قال ھاتو ربع العشور من کل اربعین درھما درھم ولیس علیکم شیء حتی تتم مائتی درھم فاذا کانت مائتی درھم ففیھا خمسة دراھم فمازاد فعلی حساب ذلک** (ب)(ابوداؤد شریف، باب فی زکوۃ السائمة ص ۲۲۷ نمبر ۱۵۷۲ / سنن للبیھقی، باب وجوب ربع العشر فی نصابھا وفیما زاد علیہ وان قلت الزیادۃ ج رابع ص ۲۲۷، نمبر ۷۵۲۱) اس حدیث میں ہے کہ دوسو درہم سے جو کچھ زیادہ ہو اس کی زکوۃ اس کے حساب سے لازم ہوگی۔ اس لئے ہر روپیہ میں اس کے حساب سے چالیسواں حصہ لازم ہوگی۔ کلکیو لیٹر سے چالیسواں حصہ 0.025 ہوگا۔

[۴۹۲] (۴) اگر غالب چاندی ہے تو وہ چاندی کے حکم میں ہے۔

تشریح درہم اور دنانیر بنانے کے لئے خالص چاندی کام نہیں آتی بلکہ اس میں کچھ نہ کچھ کھوٹ ڈالنا پڑتا ہے تا کہ سخت ہو جائے اور درہم یا دنانیر ڈھال سکے اس لئے اصل معیار یہ رکھا گیا ہے کہ زیادہ چاندی یا سونا ہو تو وہ مکمل چاندی اور سونے کے حکم میں ہیں۔ اور اگر زیادہ کھوٹ ہو تو وہ سامان کے حکم میں ہے۔

لغت الورق : چاندی سکہ۔

[۴۹۳] (۵) اور اگر چاندی یا سونے پر غالب کھوٹ ہے تو وہ سامان کے حکم میں ہیں۔ ان میں یہ اعتبار کیا جائے گا کہ اس کی قیمت نصاب تک

حاشیہ : (الف) جب حضرت معاذؓ کو یمن کی طرف بھیجا تو آپؐ نے فرمایا کہ کسر میں کچھ نہ لینا، جب چاندی دوسو درہم ہو جائیں تو ان میں پانچ درہم لو، اور جو زیادہ ہو جائے ان میں سے کچھ مت لو۔ یہاں تک کہ چالیس درہم پہنچ جائے، اور جب چالیس درہم پہنچ جائے تو ان میں ایک درہم لو (ب) آپؐ نے فرمایا لاؤ چالیسواں حصہ، ہر چالیس درہم میں سے ایک درہم، اور تم پر کچھ نہیں ہے یہاں تک کہ دوسو درہم پورے ہو جائیں۔ پس جب کہ دوسو درہم ہوں تو ان میں پانچ درہم ہیں۔ اور جو زیادہ ہو تو اس کی زکوۃ اس کے حساب سے ہوگی۔

عليه الغش فهو فى حكم العروض و يعتبر ان تبلغ قيمتها نصابا.

پہنچ جائے۔

تشریح کھوٹ غالب ہے لیکن اس میں سے چاندی نکالی جائے تو اندازہ ہے کہ دوسودرہم تک کی چاندی نکلے گی اور نصاب تک پہنچ جائے گی تو اس میں زکوۃ واجب ہوگی۔کیونکہ اگر چہ کھوٹ غالب ہونے کی وجہ سے سامان کے حکم میں ہے لیکن اندر کی چاندی نکالی جائے تو وہ نصاب تک پہنچ رہی ہے تو حقیقت کا اعتبار کرتے ہوئے زکوۃ واجب کریں گے۔

نوٹ سونے اور چاندی میں تجارت کی نیت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔بغیر اس کے بھی ان میں زکوۃ واجب ہوتی ہے۔کیونکہ شریعت نے بغیر تجارت کی نیت کے بھی ان کو مال نامی بڑھنے والا مال قرار دیا ہے۔

﴿ باب زكوة الذهب ﴾

[۴۹۴](۱) ليس فيما دون عشرين مثقالا من الذهب صدقة فاذا كانت عشرين مثقالا و حال عليها الحول ففيها نصف مثقال[۴۹۵] (۲) ثم فی كل اربعة مثاقيل قيراطان وليس فيما دون اربعة مثاقيل صدقة عند ابی حنيفة وقالا مازاد على العشرين فزكوته بحسابها[۴۹۶](۳) وفی تبر الذهب والفضة وحليهما والآنية منهما زكوة.

﴿ باب زکوۃ الذہب ﴾

[۴۹۴](۱) بیس مثقال سونے سے کم میں زکوۃ نہیں ہے، پس جب کہ بیس مثقال ہو اور اس پر سال گزر جائے تو اس میں آدھا مثقال زکوۃ ہے

وجہ حدیث میں ہے **عن عاصم بن ضمرة والحارث الاعور عن علی عن النبی ﷺ ... وليس عليك شیء يعنی فی الذهب حتی تكون لك عشرون دينار فاذا كانت لك عشرون دينارا و حال عليها الحول ففيها نصف دينار فمازاد فبحساب ذلك** (الف)(ابوداؤد شریف، باب فی زکوۃ السائمۃ ص ۲۲۸ نمبر ۱۵۷۳ رسنن للبیہقی، باب نصاب الذہب وقدر الواجب فیہ، ج رابع، ص ۲۳۲، نمبر ۷۵۳۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیس مثقال سونا ہو تو اس میں سے آدھا مثقال واجب ہوگا جو چالیسواں حصہ ہوا۔

[۴۹۵](۲) پھر ہر چار مثقال میں دو قیراط زکوۃ ہے اور چار مثقال سے کم میں زکوۃ نہیں ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک، اور صاحبین نے فرمایا بیس مثقال پر جو کچھ زیادہ ہو تو اس کی زکوۃ اس کے حساب سے ہے۔

تشریح اوپر گزر چکا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک بیس مثقال کے بعد جب تک چار مثقال سونا نہ ہو جائے کچھ لازم نہیں ہوگا۔ چار مثقال میں دو قیراط سونا لازم ہوگا۔ اور صاحبین کے نزدیک بیس مثقال سونے سے جتنا بھی زیادہ ہوگا اس میں اسی حساب سے زکوۃ واجب ہوتی چلی جائے گی۔ دونوں کے دلائل باب زکوۃ الفضۃ میں گزر چکے ہیں۔

[۴۹۶](۳) سونے اور چاندی کے ڈلے، ان دونوں کے زیور اور ان دونوں کے برتن میں زکوۃ واجب ہے۔

تشریح سونا اور چاندی کسی حال میں ہو، چاہے دراہم اور دنانیر کی شکل میں ہو، ڈلے کی شکل میں ہو یا برتن اور زیور کی شکل میں ہو ہر حال میں حنفیہ کے نزدیک زکوۃ واجب ہے۔ اس کی دلیل باب زکوۃ الفضۃ کے شروع میں گزر چکی ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے ایک قول میں زیور میں زکوۃ نہیں ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے **ان عائشة زوج النبی ﷺ تلی بنات اخيها يتامی فی حجرها لهن الحلی فلا تخرج منه الزكوة** (الف)(سنن للبیہقی باب من قال لا زکوۃ فی الحلی ج رابع ص

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا... اور تم پر کچھ نہیں ہے یعنی سونے میں یہاں تک کہ تمہارے لئے بیس دینار ہو جائے، پس جب کہ تمہارے لئے بیس دینار ہو جائے اور اس پر سال گزر جائے تو اس میں آدھا دینار ہے۔ پس جو زیادہ ہو تو اس کے حساب سے ہوگا (ب) حضرت عائشہؓ اپنے بھائی کی بیٹیوں کی (باقی اگلے صفحہ پر)

﴿باب زكوة العروض﴾

[۴۹۷](۱)الزكوة واجبة فى عروض التجارة كائنة ما كانت اذا بلغت قيمتها نصابا من الورق او الذهب[۴۹۸] (۲) يقومها بما هو انفع للفقراء والمساكين منها[۴۹۹] (۳) واذا كان النصاب كاملا فى طرفى الحول فنقصانه فيما بين ذلك لا يسقط الزكوة

۲۳۲،نمبر۷۵۳۵)

﴿ باب زکوۃ العروض ﴾

[۴۹۷](۱)زکوۃ واجب ہے تجارت کے سامان میں جو سامان بھی ہو، جب کہ پہنچ جائے چاندی یا سونے کے نصاب کو۔

تشریح تجارت کا کوئی بھی سامان ہو اس کی قیمت لگائی جائے گی، چاہے سونے سے اس کی قیمت لگائے یا چاندی سے اس کی قیمت لگائے۔ اگر یہ قیمت سونے یا چاندی کے نصاب کے برابر ہو جائے اور اس پر سال گزر جائے تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی۔

وجہ حدیث میں ہے عن سمرة بن جندب قال اما بعد ! فان رسول الله ﷺ كان يأمرنا ان نخرج الصدقة من الذى نعد للبيع (الف)(ابوداؤد شریف، باب العروض اذا كانت للتجارة ص ۲۲۵ نمبر ۱۵۶۲)وفى دار قطنى عن سمرة بن جندب ... وكان يأمرنا ان نخرج من الرقيق الذى يعد للبيع (ب)(دار قطنی ۸، باب زکوۃ مال التجارة وسقوطها عن الخيل والرقيق ج ثانی ص ۱۱۱ نمبر ۲۰۰۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مال تجارت میں زکوۃ واجب ہے لیکن جو سامان تجارت کے لئے نہ ہو اس میں زکوۃ واجب نہیں ہے۔

[۴۹۸](۲)سامان تجارت کی قیمت لگائی جائے گی اس چیز سے جو فقراء اور مساکین کے لئے زیادہ نفع بخش ہو۔

تشریح سونا یا چاندی جو فقراء اور مساکین کے لئے زیادہ نفع بخش ہو اس سے سامان تجارت کی قیمت لگائی جائے گی۔ اور وہ قیمت نصاب تک پہنچ جائے تو اس کی زکوۃ واجب ہوگی۔

وجہ کسی چیز کی قیمت لگا کر زکوۃ دینے کی دلیل پہلے گزر چکی ہے۔(بخاری شریف، باب العروض فی الزکوۃ ص ۱۹۴ نمبر ۱۴۴۸/ ابوداؤد شریف، باب زکوۃ السائمة ص ۲۲۵ نمبر ۱۵۶۷/۱۵۷۲)

[۴۹۹](۳)اگر نصاب سال کے دونوں کناروں میں کامل ہو تو سال کے درمیان نقصان ہونا زکوۃ ساقط نہیں کرتا۔

تشریح مثلا رمضان میں کسی مال کا مکمل نصاب ہے اور محرم میں نصاب سے کم ہو گیا پھر رمضان میں نصاب مکمل ہو گیا تو زکوۃ واجب ہوگی۔ ہاں اگر درمیان سال میں مکمل ہی نصاب کا مال ختم ہو گیا تو چونکہ بالکل جڑ سے مال نہیں رہا اس لئے اب جب سے نصاب ہوگا اس وقت سے زکوۃ کا

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے)نگرانی کرتی تھی جو یتیم تھیں اور ان کی گود میں تھیں۔ ان کے پاس زیورات تھے تو حضرت عائشہ اس کی زکوۃ نہیں نکالتی تھی (الف) آپ ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ ہم زکوۃ اس چیز کی نکالیں جو بیع کے لئے تیار کی گئی ہو (ب) سمرہ بن جندب فرماتے ہیں...آپ نے ہم کو حکم دیا کہ ہم اس غلام کی زکوۃ نکالیں جو بیع کے لئے تیار کیا گیا ہو یعنی تجارت کے لئے۔

[۵۰۰](۴) ویضم قیمة العروض الی الذهب والفضة وکذلک یضم الذهب الی الفضة بالقیمة حتی یتم النصاب عند ابی حنیفة [۵۰۱](۵) وقالا لا یضم الذهب الی الفضة بالقیمة ویضم بالاجزاء.

مہینہ شروع ہوگا۔

وجہ شروع میں نصاب ہونا زکوۃ کے انعقاد کے لئے ہے اور اخیر میں نصاب ہونا زکوۃ واجب ہونے کے لئے ہے، اور درمیان میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے اس لئے اس کا اعتبار نہیں کیا گیا۔

[۵۰۰](۴) سامان تجارت کی قیمت سونے کی طرف اور چاندی کی طرف ملائی جائے گی، ایسے ہی سونے کو چاندی کی طرف قیمت کے ساتھ ملایا جائے گا تا کہ نصاب پورا ہو جائے ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔

تشریح سونے کو چاندی کے ساتھ ملانے کے دو طریقے ہیں تا کہ نصاب مکمل ہو جائے۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ سونے کی قیمت لگا کر یا چاندی کی قیمت لگا کر سونے کے ساتھ ملایا جائے۔ اور دوسری شکل یہ ہے کہ وزن کے اعتبار سے ملایا جائے۔ مثلا ایک آدمی کے پاس ایک سو درہم ہے اور نو مثقال سونا ہے تو درہم کا نصاب آدھا ہے لیکن سونے کا نصاب آدھا یعنی دس مثقال سے ایک مثقال کم ہے لیکن نو مثقال کی قیمت ایک سو درہم دے رہا ہے تو قیمت کے اعتبار سے ایک سو درہم اور نو مثقال سونے کی قیمت ایک سو درہم دونوں ملا کر دو سو درہم ہو جاتے ہیں اور نصاب پورا ہو جاتا ہے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک قیمت کے اعتبار سے ملایا جائے گا اور زکوۃ واجب ہوگی۔ چاہے وزن کے اعتبار سے نصاب پورا نہ ہوتا ہو۔

نوٹ سامان تجارت کی بھی قیمت لگائی جائے گی اور اس کو سونے یا نقد چاندی کے ساتھ ملا کر نصاب پورا ہو جائے تو زکوۃ واجب کریں گے۔

[۵۰۱](۵) صاحبین فرماتے ہیں کہ سونے کو چاندی کے ساتھ قیمت کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا۔ اور وزن کے ساتھ ملایا جائے گا۔

تشریح اوپر کی مثال میں ایک سو درہم ہے اور نو مثقال سونا ہے تو وزن کے اعتبار سے سونا آدھے نصاب سے کم ہے چاہے اس کی قیمت ایک سو درہم ہو اس لئے سونا چاندی ملا کر نصاب پورا نہیں ہوا اس لئے زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ اجزاء اور وزن کے اعتبار سے دونوں کو ملا کر بھی نصاب پورا نہیں ہوا، ہاں! اگر سونا دس مثقال ہوتا تو آدھا نصاب اس کا ہوا اور آدھا نصاب چاندی کا ایک سو درہم ہے۔

لغت الاجزاء : جزء کی جمع ہے، جز کے اعتبار سے، جس کا میں نے ترجمہ کیا ہے وزن کے اعتبار سے۔
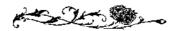
﴿باب زکوۃ الزروع والثمار﴾

[۵۰۲](۱) قال ابو حنیفۃ رحمہ اللہ فی قلیل ما اخرجتہ الارض وکثیرہ العشر واجب سواء سقی سیحا او سقتہ السماء الا الحطب والقصب والحشیش[۵۰۳] (۲) وقال ابو

﴿باب زکوۃ الزروع والثمار﴾

ضروری نوٹ غلہ اور پھل میں زکوۃ ہے۔اس کی دلیل اور مقدار کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

[۵۰۲](۱)امام ابوحنیفہ نے فرمایا، زمین تھوڑا غلہ نکالے یا زیادہ اس میں عشر واجب ہے چاہے پانی سے سیراب کی گئی ہو یا اس کو آسمان نے سیراب کیا ہو،مگر جلانے کی لکڑی اور بانس اور گھاس۔

تشریح زمین سے جتنے غلے یا پھل نکلتے ہیں حنفیہ کے نزدیک اس تمام میں عشر واجب ہے۔چاہے اس کی مقدار پانچ وسق پہنچے یا نہ پہنچے۔اور چاہے وہ سال بھر تک رہ سکتا ہو یا نہ رہ سکتا ہو۔البتہ ایسی چیز جو قابل التفات نہیں سمجھی جاتی اور اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے۔جیسے جلانے کی لکڑی، نرکٹ اور گھاس کہ ان چیزوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور نہ لوگ ان کو قصد و ارادہ کرکے بوتے ہوں۔بلکہ خودرو ہیں۔اور اگر یہ چیزیں باضابطہ بوئیں اور قابل حیثیت ہو تو پھر اس میں زکوۃ واجب ہوگی۔

وجہ **عن سالم بن عبد اللہ بن ابیہ عن النبی ﷺ قال فیما سقت السماء والعیون او کان عشر یاالعشر وما سقی بالنضح نصف العشر** (الف)(بخاری شریف، باب العشر فیما یسقی من ماء السماء والماء الجاری ص ۲۰۱ نمبر ۱۴۸۳ر مسلم شریف، کتاب الزکوۃ ص ۳۱۶ نمبر ۹۸۱ر ابو داؤد شریف، باب صدقۃ الزرع ص ۲۳۲ نمبر ۱۵۹۶)اس حدیث میں کوئی قید نہیں ہے نہ پانچ وسق کی قید ہے اور نہ سال بھر رہنے کی قید ہے، بلکہ مطلق یہ ہے کہ آسمان کی بارش اور نہروں کی سیرابی سے جو کچھ پیدا ہوا ہو اس میں عشر ہے(۲) **کتب عمر بن عبد العزیز ان یوخذ مما انبتت الارض من قلیل او کثیر العشر** (ب)(مصنف عبد الرزاق، باب الخضر ج رابع ص ۱۲۱ نمبر ۷۱۹۶ر مصنف ابن ابی شیبۃ، ۳۰ کل شیء اخرجت الارض زکوۃ، ج ثانی، ص ۳۷۱، نمبر ۱۰۰۲۸)اس اثر میں ہے کہ جو کچھ بھی زمین پیدا کرے اس میں عشر ہے۔

لغت سیحا : بارش سے۔ الحطب : جلانے کی لکڑی۔ القصب : بانس، نرکٹ۔ الحشیش : گھاس۔

[۵۰۳](۲)صاحبین نے فرمایا عشر واجب نہیں ہے مگر پھل میں جو باقی رہتا ہو جب کہ پانچ وسق پہنچ جائے۔

تشریح سبزی وغیرہ جو زیادہ دیر تک باقی نہ رہتے ہوں ان میں صاحبین کے نزدیک عشر نہیں ہے۔اسی طرح جب تک کہ غلے کی مقدار پانچ وسق نہ ہو جائے تو اس میں عشر نہیں ہے۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن معاذ انہ کتب الی النبی ﷺ یسألہ عن الخضروات و**

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا بارش اور چشمے جس چیز کو سیراب کریں یا سیرابی زمین ہو تو ان میں عشر ہے، اور پانی اونٹنی کے ذریعہ پلایا ہو تو بیسواں حصہ لازم ہے (ب) حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے لکھا کہ جو کچھ زمین اگائے تھوڑا ہو یا زیادہ اس سے عشر لیا جائے گا۔

یوسف و محمد رحمهما الله لا یجب العشر الا فیما له ثمرة باقیة اذا بلغت خمسة اوسق [۵۰۴](۳) والوسق ستون صاعا بصاع النبی علیه السلام.

ھی البقول فقال لیس فیها شیء (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی زکوۃ الخضروات ص۱۳۸ نمبر۶۳۸ / سنن للبیھقی ، باب الصدقۃ فیما یزرعہ الآدمیون ج رابع ص ۲۱۶، نمبر۷۴۷۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سبزیوں میں عشر نہیں ہے۔اور پانچ وثق ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابی سعید الخدری عن النبی ﷺ قال لیس فیما اقل من خمسة اوسق صدقة (ب) (بخاری شریف، باب لیس فیما دون خمسۃ اوسق صدقۃ ص ۲۰۱ نمبر ۱۴۸۴/مسلم شریف، باب الزکوۃ ص ۳۱۶ نمبر ۹۷۹/ابوداؤد شریف، باب ماتجب فیہ الزکوۃ ص ۲۲۴ نمبر ۱۵۵۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پانچ وسق سے کم میں زکوۃ نہیں ہے۔یہ حدیث کئی مرتبہ پہلے گزر چکی ہے۔

[۵۰۴](۳) وسق ساٹھ صاع ہے حضورؐ کے صاع سے۔

تشریح ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوا تو پانچ وسق کے تین سو (300) صاع ہوئے۔صاع سے وزن کا طریقہ یہ ہے کہ ایک برتن میں جو یا گیہوں یا ماش ڈال دیں جو ایک صاع کی مقدار ہو اس کو صاع کہتے ہیں۔جیسے آج کل دودھ وغیرہ برتن میں ناپ کر دیتے ہیں۔لیکن اب اس زمانے میں یہ ساری چیزیں کیلو سے وزن کرنے لگے ہیں۔چونکہ گیہوں، جو اور ماش مختلف قسم کے بھاری ہوتے ہیں اس لئے وزن کے اعتبار سے ہر غلہ الگ الگ وزن کا ہوگا۔تاہم ایک صاع جو 3.538 کیلو کا ہوتا ہے۔اور گیہوں 4.498 کیلو اور ماش 4.9726 کیلو ہوتا ہے۔یعنی چار کیلو نو سو بہتر گرام ہوتا ہے۔اس اعتبار سے تین سو صاع جو 1061.40 کیلو ہوگا۔یعنی دس کوینٹل، اکسٹھ کیلو اور چالیس گرام ہوگا۔اور تمام کا لیٹر 2.94 ہوتا ہے۔

وجہ عن ابی سعید قال الوسق ستون صاعا (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۲۸ فی الوسق کم ھو؟، ج ثانی، ص ۳۷۰، نمبر ۱۰۰۱۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔

﴿ جدید اور قدیم اوزان کی تفصیل ﴾

پرانے زمانے میں عرب میں سونا اور چاندی ناپنے کے لئے مثقال، استار اور قیراط رائج تھے۔اور غلوں کو ناپنے کے لئے برتن رائج تھا جس میں ڈال کر لوگ غلہ ناپتے تھے۔اس کو رطل، مد، صاع اور وسق کہتے تھے۔آج کل کی طرح غلوں کو وزن کر کے نہیں ناپتے تھے۔اس لئے جب سے ان غلوں کو کیلو گرام سے وزن کرنے لگے ہیں رطل، مد، صاع اور وسق کو کیلو سے موازنہ کرنے میں مشکلات کا سامنا ہے۔تاہم علماء کے اقوال کی روشنی میں عرب کے پرانے اوزان کو ہندوستانی نئے اوزان میں منتقل کرنے کی کوشش کی گئی ہے تا کہ عوام کو سہولت ہو۔

(درہم کا وزن)

ہندوستان میں سونا اور چاندی کے وزن کے لئے رتی، ماشہ اور تولہ چلتے تھے اس لئے ان کا حساب اس طرح ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت معاذؓ نے حضور کو لکھا اور سبزیوں کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا اس میں کچھ نہیں ہے (ب) آپؐ نے فرمایا پانچ وسق سے کم میں زکوۃ نہیں ہے

8رتی = ایک ماشہ اور 12ماشہ = ایک تولہ، یعنی 96رتی کا ایک تولہ ہوتا ہے۔

ایک درہم کا وزن ایک مثقال سے تھوڑا کم ہے۔دس درہم ملائیں تو سات مثقال ہوتا ہے۔اس کو وزن سبعہ کہتے ہیں۔کلکو لیٹر میں اس طرح لکھتے ہیں (0.70 مثقال) چونکہ 200 درہم میں زکوۃ لازم ہے اس لئے 200 کو 0.70 سے ضرب دیں تو 140 مثقال ہوتے ہیں۔یعنی 140 مثقال چاندی ہوتو زکوۃ لازم ہوگی۔

ایک درہم کا وزن 25.20 رتی ہوتا ہے یا 3.15 ماشہ یا 0.26 تولہ یا 3.061 گرام ہوتا ہے۔

200 درہم جو نصاب زکوۃ ہے اس کا وزن 5040 رتی ہوتا ہے یا 630 ماشہ یا 52.50 تولہ یا 612.36 گرام ہوتا ہے۔

قیراط کے اعتبار سے ایک درہم کا وزن 14 قیراط ہوتا ہے۔اور 200 درہم کا وزن 2800 قیراط ہوگا۔

(دینار کا وزن)

ایک دینار ایک مثقال کا ہوتا ہے اس لئے ایک دینار 36 رتی کا ہوگا یا 4.50 ماشہ یا 0.375 تولہ یا 4.374 گرام وزن کا ہوگا۔

20 مثقال یعنی 20 دینار سونے میں زکوۃ واجب ہوتی ہے اس کا وزن 720 رتی یا 90 ماشہ یا 7.50 تولہ یا 87.48 گرام ہوگا۔

قیراط کے اعتبار سے ایک دینار کا وزن 20 قیراط ہوتا ہے۔اور 20 دینار کا وزن 400 قیراط ہوتا ہے۔

نوٹ 1000 گرام کا ایک کیلوگرام ہوتا ہے۔

(صاع کا وزن)

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایک صاع 8 رطل کا ہوتا ہے۔لیکن یہ رطل چھوٹا ہے، یہ 20 استار کا ہے۔اور صاحبینؒ کے نزدیک 5.33 یعنی پانچ رطل اور ایک تہائی رطل کا ایک صاع ہوتا ہے، لیکن یہ رطل بڑا ہے یعنی 30 استار کا ایک رطل ہے۔اس لئے دونوں کو استار سے ضرب دیں تو حاصل 160 استار ہوتے ہیں۔اس لئے دونوں رطلوں کے صاع میں کوئی فرق نہیں ہے۔

وجہ درمختار میں عبارت یوں ہے۔**فقال الطرفان : ثمانية ارطال بالعراقی وقال الثانی خمسة ارطال وثلث، وقيل لاخلاف لان الثانی قدره برطل المدينة، لانه ثلاثون استار والعراقی عشرون. واذا قابلت ثمانية بالعراقی بخمسة وثلث بالمدينی وجدتهما سواء** (ردالمحتار علی الدر المختار، مطلب فی تحریر الصاع والمد والمن والرطل، ج ثالث ،ص ۳۷۳)اس عبارت میں ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کا عراقی رطل بیس استار کا ہے اور صاحبینؒ کا مدینی رطل تیس استار کا ہے۔اس لئے دونوں کا حاصل ایک قسم کا صاع ہے۔

نوٹ رطل عراقی 442.25 گرام اور رطل مدینی 663.41 گرام کا ہوتا ہے۔

ساٹھ صاع کا ایک وسق ہوتا ہے۔اور صاحبین کے نزدیک پانچ وسق میں عشر یعنی دسواں حصہ لازم ہے۔جس کا حاصل یہ ہے کہ پانچ وسق میں 30 صاع اور بیسواں حصہ ہوتو 15 صاع لازم ہوگا۔

احسن الفتاوی میں ہے کہ ایک صاع 3.538 کیلو اور آدھا صاع 1.769 کیلو ہوگا یعنی ایک کیلو اور 769 گرام ہوگا۔یہی آدھا صاع صدقۃ الفطر میں لازم ہوتا ہے۔اس کو لیٹر سے ناپیں تو 2.94 لیٹر ہوگا۔

ایک وسق یعنی 60 صاع 212.28 کیلو ہوگا۔اور پانچ وسق یعنی 300 صاع 1061.40 کیلو ہوگا۔جس کو دس کوئنٹل اکسٹھ کیلو اور چالیس گرام کہتے ہیں۔(احسن الفتاوی، ج رابع، ص ۴۱۶)

البتہ درمختار میں لکھا ہے کہ ایک صاع 1040 درہم کا ہوتا ہے۔عبارت یہ ہے۔**الصاع المعتبر ما یسع الفا واربعین درھما من ماش وعدس** (ردالمحتار علی الدر المختار، باب صدقۃ الفطر، ج ثالث، ص ۳۷۴)اس سے معلوم ہوا کہ ایک صاع کا وزن ایک ہزار چالیس درہم ہے۔اور ایک درہم کا وزن 3.061 گرام ہے۔اس لئے ایک صاع کا وزن 3183.44=3.061×1040 گرام ہوا۔اور آدھا صاع 1.591 کیلو ہوا۔یعنی آدھا صاع ایک کیلو پانچ سو اکیانوے گرام ہوئے۔

نوٹ احتیاط کے لئے میں نے احسن الفتاوی کا حساب لکھا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

نصاب اور اوزان ایک نظر میں

(فارمولہ)

کتنے	برابر	کتنے کے
8رتی	=	ایک ماشہ
12ماشہ	=	ایک تولہ
11.664 گرام	=	ایک تولہ
0.218 گرام	=	ایک قیراط
4.374 گرام	=	ایک مثقال
442.25 گرام	=	ایک رطل
3538 گرام	=	ایک صاع
1769 گرام	=	آدھا صاع
1000 گرام	=	ایک کیلو
3.061 گرام	=	ایک درہم
612.36 گرام	=	نصاب چاندی
4.374 گرام	=	ایک دینار
87.48 گرام	=	نصاب سونا

(چاندی کا نصاب)

درہم	مثقال	قیراط	تولہ	گرام	کتنی زکوۃ ہوگی
1 درہم	0.7	14	0.262	3.061	-------
200 درہم	140	2800	52.50	612.36	15.309 گرام

(سونے کا نصاب)

دینار	مثقال	قیراط	تولہ	گرام	کتنی زکوۃ ہوگی
1 دینار	1 مثقال	20	0.375	4.375	-------
20 دینار	20 مثقال	400	7.50	87.48	2.189 گرام

(رتی اور ماشہ کا حساب)

درہم	رتی	ماشہ	تولہ	گرام	کتنی زکوۃ ہوگی
1 درہم	25.20	3.15	0.262	3.061	
200 درہم	5040	630	52.50	612.36	1.312 تولہ
1 دینار	36	4.50	0.375	4.374	
20 دینار	720	90	7.50	87.48	0.187 تولہ

نوٹ کسی نصاب کو بھی چالیس سے تقسیم کریں تو کتنا گرام یا کتنا تولہ زکوۃ لازم ہوگی وہ نکل آئے گا۔

(صاع کا نصاب)

صاع	رطل	وسق	کیلو	لیٹر	کتنا واجب ہوگا
1 صاع	8	-----	3.538	5.88	صدقۃ الفطر
آدھا صاع	4	-----	1.769	2.94	1.769 کیلو
60 صاع	-----	1 وسق	212.28	352.80	عشر
300 صاع	-----	5 وسق	1061.40	1764	106.14 کیلو

یعنی پانچ وسق، دس کوینٹل اکسٹھ کیلو چالیس گرام ہوگا۔ جس میں عشر ایک سو چھ کیلو اور چودہ گرام لازم ہوگا۔

 یہ حساب احسن الفتاوی، ج رابع، ص ۴۱۶، باب صدقۃ الفطر سے لیا گیا ہے۔ پوری دنیا میں کیلو اور گرام کا رواج ہے اس لئے تمام

[۵۰۵](۴) ولیس فی الخضروات عندھما عشر [۵۰۶](۵) وما سقی بغرب او دالیة او سانیة ففیه نصف العشر علی القولین [۵۰۷](۶) وقال ابو یوسف فیما لا یوسق کالزعفران والقطن یجب فیه العشر اذا بلغت قیمته قیمة خمسة اوسق من ادنی ما یدخل تحت الوسق.

حسابات کواسی پر سیٹ کیا ہوں۔

نوٹ اگر آٹھ رطل کا ایک صاع ہو تو رطل چھوٹا ہوگا اور 442.25 گرام کا ایک رطل ہوگا۔ اور اگر پانچ رطل اور تہائی رطل کا صاع ہو تو کا صاع ہو تو رطل بڑا ہوگا اور 663.37 گرام کا رطل ہوگا۔ اور دونوں رطلوں کا مجموعی صاع 3.538 کیلو ہوگا۔

[۵۰۵](۴) سبزیوں میں صاحبین کے نزدیک عشر نہیں ہے۔

وجہ اس کی دلیل مسئلہ نمبر ۲ میں گزر چکی ہے (۲) **عن علی قال لیس فی الخضر صدقه البقل، والتفاح والقثاء** (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب الخضر ج رابع ص ۱۲۰ نمبر ۷۱۸۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ سبزیوں میں عشر نہیں ہے۔

[۵۰۶](۵) جس زمین کو بڑے ڈول، رہٹ اور اونٹنی کے ذریعہ سیراب کیا جائے اس میں بیسواں حصہ ہے دونوں قولوں پر۔

تشریح جو زمین قدرتی پانی مثلا بارش، نہر اور چشموں کے ذریعہ سیراب نہ ہوئی ہو بلکہ زیادہ تر اس کو ذاتی آلات کے ذریعہ سیراب کیا ہو مثلا بڑے ڈول یا رہٹ یا اونٹنی یا مشین کے ذریعہ سیراب کیا ہو تو اس زمین کی پیداوار میں بیسواں حصہ لازم ہوگا۔ یعنی بیس کیلو میں ایک کیلو غلہ لازم ہوگا۔

وجہ چونکہ اس میں مشقت اور خرچ زیادہ ہوا ہے اس لئے شریعت نے عشر کم کر کے آدھا کر دیا (۲) **عن عبد اللہ عن ابیه عن النبی ﷺ قال فیما سقت السماء والعیون او کان عثریا العشر وما سقی بالنضح نصف العشر** (ب) (بخاری شریف، باب العشر فیما یسقی من ماء السماء والماء الجاری ص ۲۰۱ نمبر ۱۴۸۳ / ابو داؤد شریف، باب صدقة الزرع ص ۲۳۲ نمبر ۱۵۹۶ / مسلم شریف، کتاب الزکوۃ، باب ما فیه العشر او نصف العشر ص ۳۱۶ نمبر ۹۸۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشین وغیرہ سے زمین کو سیراب کیا ہو تو بیسواں حصہ لازم ہوگا۔ یہ مسئلہ بالاتفاق ہے۔

لغت نصف العشر : دسویں حصہ کا آدھا یعنی بیسواں حصہ۔

[۵۰۷](۶) امام ابو یوسف نے فرمایا ان چیزوں میں جو وسق میں نہ آتی ہوں جیسے زعفران اور روئی کہ ان میں عشر واجب ہوگا جب کہ اس کی قیمت ادنی درجہ کے غلہ کے وسق کی قیمت پہنچ جائے جو وسق میں داخل ہوتا ہو۔

حاشیہ : (الف) حضرت علیؓ نے فرمایا سبزی میں زکوۃ نہیں ہے۔ یعنی سبزی، سیب ککڑی میں (ب) آپؐ نے فرمایا آسمان یا چشمہ سیراب کرے یا سیر بی زمین ہو تو اس میں عشر ہے۔ اور جو اونٹنی کے ذریعہ سیراب کی گئی ہو اس میں بیسواں حصہ ہے۔

[۵۰۸](۷) وقال محمد يجب العشر اذا بلغ الخارج خمسة امثال من اعلى ما يقدر به نوعه فاعتبر فى القطن خمسة احمال وفى الزعفران خمسة امناء[۵۰۹] (۸) وفى العسل العشر اذا اخذ من ارض العشر قل او كثر.

تشریح ادنی درجہ کا غلہ جیسے جوار، باجرہ جنکی قیمت بہت کم ہوتی ہے اور یہ وسق کے ذریعہ ناپے جاتے ہیں۔ اب زعفران اور روئی جو وسق میں نہیں ناپے جاتے کیونکہ زعفران بہت کم پیدا ہوتا ہے اور قیمتی ہوتا ہے۔ پوری کھیت میں دو چار کیلو ہی ہوگا۔ پانچ وسق، دس کوئنٹل تو ہوگا ہی نہیں ،اسی طرح روئی کی گانٹھ بناتے ہیں وسق میں وزن نہیں کرتے۔ لیکن لیکن پیدا شدہ زعفران کی قیمت پانچ وسق جوار یا باجرے کی قیمت کے برابر ہوجائے تو اب زعفران پر عشر لازم ہوگا۔ اسی طرح پیدا شدہ روئی کی قیمت پانچ وسق جوار یا باجرے کی قیمت کے برابر ہوجائے تو اب روئی میں عشر لازم ہوگا۔

وجہ امام ابو یوسفؒ نے معنی اور قیمت کا اعتبار کیا ہے کہ ادنی درجہ کے غلہ کی قیمت کے برابر ہوجائے تو گویا کہ معنوی اعتبار سے پانچ وسق ہوگیا۔ اور اتنا ہی کافی سمجھا گیا۔

[۵۰۸](۷) امام محمد نے فرمایا جب نکلنے والا غلہ پانچ مثل پہنچ جائے اعلی پیمانہ سے جس کے ذریعہ سے اس قسم کا غلہ ناپا جاتا ہے تو اعتبار کیا جائے گا روئی میں پانچ گانٹھ کا اور زعفران میں پانچ من کا۔

تشریح امام محمد کی رائے یہ ہے کہ وہ غلہ جو وسق میں نہیں ناپا جاتا ہو تو یہ دیکھا جائے کہ اس کے ناپنے کا بڑے سے بڑا پیمانہ کیا ہے۔ اس بڑے سے بڑے پیمانے سے پانچ پیمانہ وہ غلہ ہوجائے تو گویا کہ پانچ وسق کی طرح ہوگیا۔ اس لئے اب اس میں عشر لازم ہوگا۔ مثلا زعفران کے ناپنے کا بڑے سے بڑا پیمانہ من ہے جو 795.86 گرام کا ہوتا ہے۔ اس لئے پانچ کیلو زعفران ہوجائے تو گویا کہ پانچ وسق گیہوں کی طرح ہوگیا۔ اس لئے اب اس میں عشر واجب ہے۔ یا روئی کو گانٹھ سے ناپتے ہیں اس کا بڑا پیمانہ وہی ہے اس لئے پانچ گانٹھ روئی ہوجائے تو اس میں عشر واجب ہوگا۔

اصول امام محمد نے ایسے غلے کے بڑے پیمانے کا اعتبار کیا۔

لغت احمال : حمل کی جمع ہے بوجھ، گانٹھ۔ امناء : جمع ہے من کی، ایک وزن ہے جو 795.86 گرام کا ہوتا ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔ **والمن بالدراهم مائتان وستون درهما** (ردالمحتار علی الدر المختار، باصدقۃ الفطر، مطلب فی تحریر الصاع والمد والمن والرطل، ج ثالث، نمبر ۳۷۳) اس عبارت میں دوسو ساٹھ درہم کا ایک من بتایا۔ اور ایک درہم کا وزن 3.061 گرام ہے۔ اس لئے 260 درہم کو 3.061 سے ضرب دیں تو 795.86 گرام من کا وزن ہوگا۔

[۵۰۹](۸) اور شہد میں عشر ہے جب کہ عشری زمین سے حاصل کیا جائے، کم شہد ہو یا زیادہ شہد ہو۔

تشریح امام ابو حنیفہ کے نزدیک کم شہد ہو یا زیادہ شہد ہو ہر حال میں اس میں عشر ہوگا جب کہ عشری زمین سے شہد حاصل کیا جائے، چاہے وہ دس

[۵۱۰](۹) وقال ابو یوسف لا شیء فیہ حتی تبلغ عشرۃ ازقاق [۵۱۱](۱۰) وقال محمد خمسۃ افراق والفرق ستۃ و ثلثون رطلا بالعراقی [۵۱۲](۱۱) ولیس فی الخارج

مشک ہوں یا کم ہو۔

وجہ **قال جاء ھلال احد بنی متعان الی رسول اللہ بعشور نحل لہ وکان سألہ ان یحمی وادیا یقال لہ سبلۃ فحمی رسول اللہ ذلک الوادی فلما ولی عمر ابن الخطاب کتب سفیان بن وھب الی عمر بن خطاب یسألہ عن ذلک فکتب عمر ان ادی الیک ما کان یودی الی رسول اللہ من عشور نحلہ فاحم لہ سلبہ والا فانما ھو ذباب غیث یأکلہ من یشاء** (الف) (ابوداؤد شریف، باب زکوۃ العسل ص ۲۳۳ نمبر ۱۶۰۰ رسنن للبیہقی، باب ماورد فی العسل ج رابع ص ۲۱۲، نمبر ۷۴۶۰) اس حدیث میں شہد کی زکوۃ دینے کا تذکرہ ہے اور مطلق ہے۔ اس میں دس مشک شہد ہونے کی قید نہیں ہے۔ اس لئے جتنا بھی شہد حاصل ہو اس میں دسواں حصہ لازم ہوگا۔

اصول شہد کے بارے میں بھی وہی اصول ہے جو اوپر غلوں کے بارے میں گزرا کہ کم وبیش تمام میں عشر ہے۔

[۵۱۰](۹) امام ابو یوسفؒ نے فرمایا یہاں تک کہ دس مشک پہنچ جائے۔

تشریح یعنی دس مشک یا اس سے زیادہ شہد وصول ہوگا تو اس میں عشر لازم ہوگا اور اس سے کم ہوا تو اس میں عشر نہیں ہے۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ فی العسل فی کل عشرۃ ازقاق زق** (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی زکوۃ العسل ص ۱۳۷ نمبر ۶۲۹ رابوداؤد شریف، باب زکوۃ العسل ص ۲۳۳ نمبر ۱۶۰۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دس مشک ہو تب ایک مشک لازم ہوگا۔

لغت ازقاق : زق کی جمع ہے مشک۔

[۵۱۱](۱۰) امام محمد نے فرمایا یہاں تک کہ شہد پانچ فرق کو پہنچے اور ایک فرق چھتیس رطل کا ہوگا عراقی رطل کے ساتھ۔

تشریح امام محمد فرماتے ہیں کہ شہد کم سے کم پانچ فرق نکلے تو اس میں عشر لازم ہے اور اگر اس سے کم وصول ہو تو عشر لازم نہیں۔ اور ایک فرق چھتیس (63) رطل کا ہوتا ہے۔ اب اگر ایک رطل 442.25 گرام کا لیں تو ایک فرق 15.921 کیلو کا ہوگا۔ اور پانچ فرق 79.605 کیلو کے ہوں گے۔ اور اگر ایک رطل 663.41 گرام کا لیں تو ایک فرق 23.882 کیلو کا ہوگا۔ اور پانچ فرق 119.413 کیلو کے ہوں گے۔

حاشیہ : (الف) بنی متعان کا ایک آدمی ہلال حضورؐ کے پاس وئے شہد کا عشر لے کر اور یہ سوال کیا کہ ایک وادی جس کا نام سلبہ ہے اس کو ان کے لئے محفوظ کر دیا جائے۔ تو حضورؐ نے اس وادی کو ہلال کے لئے محفوظ کر دیا۔ پس جب عمر بن خطاب امیر المؤمنین بنے تو سفیان بن وہب نے ان کو اس بارے میں پوچھنے کے لئے خط لکھا تو حضرت عمر نے جواب دیا کہ شہد کا جتنا عشر حضور کو ادا کیا کرتے تھے اتنا ہی ادا کریں۔ اور حضرت ہلال کے لئے سلبہ وادی محفوظ کر دیں۔ ورنہ تو وہ بارش کا گھاس ہے جو چاہے اس کو کھائے (ب) آپؐ نے فرمایا شہد کے بارے میں کہ ہر دس مشک میں ایک مشک ہے۔

من ارض الخراج عشر.

نوٹ صاع کے وزن میں اختلاف ہے۔آٹھ رطل کا صاع ہوتا ہے جو حنفیہ کے نزدیک مروج ہے۔اور پانچ رطل اور ایک تہائی رطل کا صاع ہوتا ہے جو دوسرے ائمہ کے نزدیک مروج ہے۔

وجہ امام محمد فرماتے ہیں کہ شہد کو ناپنے کا زیادہ سے زیادہ بڑا پیمانہ فرق ہے۔اس لئے پانچ فرق ہو جائے تو عشر لازم ہوگا۔امام محمد اپنے پرانے اصول پر گئے ہیں کہ جس چیز کو وسق سے نہیں ناپتے ہیں اس میں یہ دیکھیں کہ ان کو ناپنے کا بڑا پیمانہ کیا ہے؟ اگر اس بڑے پیمانے سے پانچ پیمانے ہو جائیں تو اس پر عشر لازم ہوگا۔اور شہد کو ناپنے کا بڑا پیمانہ فرق ہے، اس لئے پانچ فرق ہوگا تو عشر لازم ہوگا۔

[۵۱۲](۱۱)اور خراجی زمین کی پیداوار میں عشر نہیں ہے۔

وجہ خراجی زمین میں خراج لازم ہوتا ہے۔اب اس پر عشر لازم کریں تو مؤنت دوگنی ہو جائے گی اور شریعت ایک زمین پر دومرتبہ خراج یا عشر وصول نہیں کرتی۔اس لئے زمین کی پیداوار میں عشر لازم نہیں ہے۔صرف خراج لازم ہوگا۔

﴿باب من یجوز دفع الصدقة الیه و من لایجوز﴾

[۵۱۳](۱) قال اللہ تعالی انما الصدقات للفقراء والمساکین الآیة فهذه ثمانیة اصناف[۵۱۴](۲) فقد سقط منها المؤلفة قلوبهم لان الله تعالی اعز الاسلام واغنی عنهم[۵۱۵] (۳) والفقیر من له ادنی شیء[۵۱۶] (۴) والمسکین من لا شیء له[۵۱۷] (۵)

﴿ باب من یجوز دفع الصدقة الیہ ومن لا یجوز ﴾

ضروری نوٹ کن لوگوں کو زکوۃ دینا جائز ہے جس سے زکوۃ کی ادائیگی ہوگی اس کی پوری تفصیل ہے۔

[۵۱۳](۱) اللہ تعالی نے فرمایا انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیها والمؤلفة قلوبهم و فی الرقاب والغارمین و فی سبیل الله وابن السبیل فریضة من الله والله علیم حکیم (الف)(آیت ۶۰ سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت میں آٹھ قسم کے آدمیوں کو مستحق زکوۃ قرار دیا ہے۔

[۵۱۴](۲) ان میں سے مؤلفت قلوب ساقط ہو گیا اس لئے کہ اللہ تعالی نے اسلام کو عزت دی اور مؤلفت قلوب سے اسلام کو بے نیاز کر دیا

تشریح مؤلفت قلوب اس کو کہتے ہیں کہ کافر کو زکوۃ کا روپیہ دے کر اس کو دین اسلام کی طرف مائل کیا جائے۔ شروع اسلام میں یہ جائز تھا لیکن بعد میں یہ قسم منسوخ ہو گئی۔ اس لئے کہ اب اسلام کو اللہ نے عزت دیدی۔ اب مؤلفت قلوب کو زکوۃ دینا حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں۔

وجہ یہ اثر ہے عن عامر قال انما کانت المؤلفة قلوبهم علی عهد رسول الله ﷺ فلما ولی ابو بکر انقطعت (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۵، ۱۴۵، فی المؤلفۃ قلوبھم یوجدون الیوم او ذھبوا ج ثانی ص ۴۳۵، نمبر ۱۰۷۵۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ابو بکرؓ کے زمانے میں مؤلفت قلوب کا حق ساقط ہو گیا۔

[۵۱۵](۳) فقیر اس کو کہتے ہیں کہ جس کے پاس کوئی چیز نہ ہو۔

تشریح کسی کے پاس کچھ مال ہو لیکن نصاب کے برابر نہ ہو تو اس کو فقیر کہتے ہیں۔

نوٹ اس کے خلاف بھی فقیر کی تفسیر ہے کہ جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو اس کو فقیر کہتے ہیں۔

[۵۱۶](۴) اور مسکین اس کو کہتے ہیں جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔

تشریح جس کے پاس کچھ مال نہ ہو اس کو مسکین کہتے ہیں۔

[۵۱۷](۵) اور عامل کو امام دے گا اگر عمل کیا ہو اس کے عمل کے مطابق۔

حاشیہ : (الف) زکوۃ صرف (۱) فقراء (۲) مساکین (۳) زکوۃ پر کام کرنے والے (۴) مؤلفت قلوب (۵) مکاتب غلام کی گردن چھڑانے (۶) مقروض (۷) جو اللہ کے راستے میں جہاد میں ہو (۸) اور مسافر کے لئے ہے۔ یہ فرض ہے اللہ کی جانب سے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے (ب) حضرت عامر نے فرمایا مؤلفۃ قلوب حضورؐ کے زمانے میں تھا۔ پس جب حضرت ابو بکر والی بنے تو مؤلفۃ قلوب ساقط ہو گئے۔

والعامل يدفع اليه الامام ان عمل بقدر عمله [۵۱۸](۶) وفی الرقاب ان یعان المکاتبون

تشریح جتنا کام کیا ہو اس کے مطابق حاکم کام کرنے والے کو اس کے کام کے مطابق زکوۃ میں سے رقم دے گا۔ اور اس سے بھی زکوۃ کی ادائیگی ہو جائے گی۔

فائدہ آل رسول اور آل رسول کے آزاد کردہ غلام کو زکوۃ کے روپے سے مزدوری دینا اچھا نہیں ہے۔ کیونکہ زکوۃ اور صدقہ انسانوں کا میل ہے اور یہ آل رسول اور اس کے آزاد کردہ غلام کے لئے مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ آزاد کردہ غلام بھی آل رسول کی قوم میں داخل ہے۔

وجہ اس کی دلیل یہ حدیث ہے **حدثنا بهز بن حكيم عن ابيه عن جده قال كان رسول الله اذا اتى بشيء سأل اصدقه هي ام هدية؟ فان قالوا صدقة لم يأكل وان قالوا هدية اكل** (الف) ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ الصدقۃ للنبی واہل بیتہ وموالیہ ص ۱۴۱ نمبر ۶۵۶ / بمعناہ ابو داؤد شریف، باب الصدقۃ علی بنی ہاشم ص ۲۴۰ نمبر ۱۶۵۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل بیت کے لئے صدقہ جائز نہیں ہے۔ اور زکوۃ کے مال سے اجرت لینے کی کراہیت اس حدیث سے معلوم ہوئی۔ اور آل محمد کے آزاد کردہ غلام کے لئے زکوۃ کے مال سے مزدوری لینے کی کراہیت اس حدیث سے معلوم ہوئی **عن ابى رافع ان رسول الله ﷺ بعث رجلا من بنى مخزوم على الصدقة فقال لابى رافع اصحبنى كيما تصيب منها فقال لا حتى اتى رسول الله ﷺ فاسأله فانطلق الى النبى ﷺ فسأله فقال ان الصدقة لا تحل لنا وان مولى القوم من انفسهم** (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ الصدقۃ للنبی ﷺ واہل بیتہ وموالیہ ص ۱۴۲ نمبر ۶۵۷ / ابو داؤد شریف، باب الصدقۃ علی بنی ہاشم ص ۲۴۰ نمبر ۱۶۵۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آزاد کردہ غلام کا شمار بھی اسی قوم میں ہوتا ہے۔ اور ان کو بھی زکوۃ کے مال میں سے مزدوری نہیں لینی چاہئے۔ یہ تقوی کا تقاضا ہے۔ لیکن لے لے تو جائز ہے۔ اس لئے کہ آپ کے آل نے زکوۃ کے مال میں سے مزدوری لی ہے۔ ابو داؤد کی حدیث نمبر ۱۶۵۳ میں ہے۔ **عن كويب مولى ابن عباس عن ابن عباسؓ قال : بعثنى ابى الى النبى ﷺ فيابل اعطاها اياه من الصدقة** (ابو داؤد شریف، باب الصدقۃ علی بنی ہاشم ص ۲۴۰، نمبر ۱۶۵۳) اس حدیث میں ہے کہ صدقہ کا اونٹ ابن عباس کو دیا۔

[۵۱۸] (۶) اور گردن چھڑانے کا مطلب یہ ہے کہ مکاتب غلام کو اس کی گردن چھڑانے میں مدد کی جائے۔

تشریح مکاتب غلام پر مال کتابت واجب ہو تو مال کتابت ادا کرنے کے لئے مکاتب کو زکوۃ کا مال دیا جائے تا کہ وہ مال کتابت ادا کرے۔ کیونکہ یہ بھی غریب ہے اور اسی طرح یہ بھی مستحق زکوۃ ہے۔

لغت فک رقاب : مکاتب کی گردن چھڑوانا۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ کے پاس جب صدقہ لیکر آتے تو آپؐ پوچھتے یہ صدقہ ہے یا ہدیہ ہے؟ اگر کہتے یہ صدقہ ہے تو نہیں کھاتے اور گر کہتے یہ ہدیہ ہے تو اس کو کھاتے (ب) بنی مخزوم کے ایک آدمی کو صدقہ وصول کرنے کے لئے بھیجا تو انہوں نے ابو رافع سے کہا کہ تم میرے ساتھ ہو جاؤ تا کہ تم کو بھی کچھ ملے۔ فرمایا نہیں! یہاں تک کہ میں حضورؐ کے پاس جاؤں اور سوال کروں تو وہ حضورؐ کے پاس گئے اور پوچھا تو فرمایا کہ صدقہ ہمارے لئے حلال نہیں ہے اور قوم کا آزاد کردہ غلام بھی قوم میں سے ہے۔

فی فک رقابھم [۵۱۹](۷) والغارم من لزمه دین[۵۲۰] (۸) وفی سبیل الله منقطع الغزاة[۵۲۱] (۹) وابن السبیل من کان له مال فی وطنه وھو فی مکان آخر لا شیء له فیه فھذه جھات الزکوة[۵۲۲](۱۰) وللمالک ان یدفع الی کل واحد منھم وله ان یقتصر علی صنف واحد[۵۲۳] (۱۱) ولا یجوز ان یدفع الزکوة الی ذمی ولا یبنی بھا مسجد

---

[۵۱۹](۷) غارم، مقروض وہ ہے جس پر دین لازم ہو گیا ہو۔

تشریح جس پر قرض لازم ہوا ہو اور اتنے روپے اس کے پاس نہ ہو جس سے قرض ادا کر کے نصاب کے مطابق بچے، تو چونکہ وہ غریب ہے اس لئے وہ بھی مستحق زکوۃ ہے۔

[۵۲۰](۸) اور اللہ کے راستے میں، کا مطلب یہ ہے کہ غازیوں سے پیچھے رہ گیا ہو۔

تشریح غازیوں اور مجاہدوں کے پیچھے جو لوگ رہ گئے ہوں ان کو منقطع الغزاۃ کہتے ہیں۔ اور ان کو بھی زکوۃ کا مال دیکر امداد کرنا جائز ہے۔

[۵۲۱](۹) ابن السبیل، جس کا مال اس کے وطن میں ہو اور وہ دوسری جگہ میں ہو اور وہاں اس کے لئے کچھ نہ ہو۔

تشریح ابن السبیل : راستے کا بیٹا یعنی مسافر، جس کے گھر میں مال نصاب ہو لیکن اس کے پاس ابھی کچھ نہ ہو تو اس کو زکوۃ کا مال دیا جا سکتا ہے۔ تاکہ وہ گھر تک پہنچ جائے۔

[۵۲۲](۱۰) مالک کے لئے جائز ہے کہ زکوۃ کے ہر صنف والوں کو دے۔ اور اس کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ ایک قسم پر اکتفا کرے۔

تشریح آیت میں آٹھ قسموں کو زکوۃ دینے کا تذکرہ کیا ہے۔ لیکن اگر ایک قسم کو تمام زکوۃ دیدے تب بھی زکوۃ کی ادائیگی ہو جائے گی۔

وجہ اس اثر میں ہے **عن حذیفة قال اذا اعطاھا فی صنف واحد من الاصناف الثمانیة التی سمی الله تعالی اجزأه** (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۸۵، ما قالوا فی الرجل اذا وضع الصدقة فی صنف واحد ج ثانی ص ۴۰۵، نمبر ۱۰۴۴۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ایک قسم کو بھی زکوۃ دی دیگا تو کافی ہو جائیگا۔

فائدہ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ آیت میں جمع کا صیغہ ہے اس لئے کم از کم تین آدمی ہونے چاہئے۔ اور ہر قسموں کو انما کے ذریعہ گھیرا ہے اس لئے تمام قسموں کو زکوۃ دے، اور ہر قسم کے تین تین آدمیوں کو دے۔ ہم کہتے ہیں کہ قرآن نے ان قسموں کو بیان کیا کہ یہ سب مصرف ہیں۔ چاہے سبھی کو دیں چاہے کسی ایک کو بقدر ضرورت دیں۔ البتہ ضرورت سے زائد کسی ایک کو اتنا دیں کہ وہ مالدار بن جائیں یہ مکروہ ہے۔

[۵۲۳](۱۱) نہیں جائز ہے کہ زکوۃ ذمی کو دے، اور نہ اس سے مسجد بنائے، اور نہ اس سے میت کو کفن دے، اور نہ اس سے غلام خریدے جس کو آزاد کیا جائے۔

وجہ (۱) زکوۃ کا کسی غریب مسلمان کو مالک بنانا ضروری ہے۔ کسی کافر کو زکوۃ دینے سے زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔ اسی طرح کسی غریب کو یا

حاشیہ : (الف) حضرت حذیفہؓ سے منقول ہیں کہ اگر آٹھ قسموں میں سے ایک قسم کو دے دیا جس کا اللہ نے نام لیا ہے تو اس کو کافی ہو جائے گا۔

ولا یکفن بھا میت ولا یشتری بھا رقبۃ یعتق [۵۲۴](۱۲)ولا تدفع الی غنی.

مستحق زکوۃ کو مالک نہیں بنایا تو زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔ مذکورہ صورتوں میں کسی غریب کو مالک بنانا نہیں ہوتا ہے اس لئے زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔ مثلا مسجد بنانے میں کسی غریب کو مالک بنانا نہیں پایا گیا۔ اسی طرح میت کو کفن دینے میں میت کو مالک بنانا نہیں ہوگا۔ کیونکہ مرنے کے بعد اس کو مالک بنانا کیسے ہوگا؟ اسی طرح غلام کو خریدنے میں غلام کو مالک بنانا نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کے مالک کو مالک بنانا ہوتا ہے۔ اور مالک مالدار ہے اس لئے غلام خرید کر آزاد کرنے سے زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی (۲) **عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ لمعاذ بن جبل ... ان اللہ قد افترض علیھم صدقۃ توخذ من اغنیائھم فترد علی فقرائھم** (الف) (بخاری شریف، باب اخذ الصدقۃ من الاغنیاء وترد فی الفقراء حیث کانوا ص۲۰۲، ۲۰۳ نمبر ۱۴۹۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان مالداروں سے لیکر اسی کے یعنی مسلمان غرباء پر تقسیم کی جائے گی۔ اس لئے غیر مسلم کو زکوۃ دینا جائز نہیں ہے (۳) اس اثر سے اوپر کے سارے مسئلوں کی تائید ہوتی ہے۔ **عن الثوری قال الرجل لایعطی زکوۃ مالہ من یحبس علی النفقۃ من ذوی ارحامہ ولا یعطیھا فی کفن میت ولا دین میت ولا بناء مسجد ولا شراء مصحف ولا یحج بھا ولا یحج بھا ولا تعطیھا مکاتبک ولا تتباع بھا نسمۃ تحررھا ولا تعطیھا فی الیھود والنصاری ولا تستأجر علیھا منھا یحملھا لیحملھا من مکان الی مکان** (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب لمن الزکوۃ ج رابع ص۱۱۳ نمبر ۷۱۷۰ رمصنف ابن ابی شیبۃ، ۷ ما قالوا فی الصدقۃ یعطی منھا اہل الذمۃ ج ثانی، ص۴۰۲، نمبر ۱۰۴۱۰) اس حدیث سے اوپر کے تمام مسئلوں کی تائید ہوتی ہے (۴) آیت میں انما کے حصر کے ساتھ آٹھ قسموں کا تذکرہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں آٹھ قسموں کو زکوۃ دینے سے ادائیگی ہوگی۔

اصول مسلمان غریب کو مالک بنانا ضروری ہے۔

نوٹ ذمی کو نفل صدقہ دینا جائز ہے۔

وجہ **عن اسماء قالت قدمت علی امی راغبۃ فی عھد قریش وھی راغمۃ مشرکۃ فقلت یا رسول اللہ ان امی قدمت علی وھی راغمۃ مشرکۃ افاصلھا؟ قال نعم فصلی امک** (ج) (ابوداؤد شریف، باب الصدقۃ علی اہل الذمۃ ص۲۴۳ نمبر ۱۶۶۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشرک کے ساتھ صلہ رحمی کرنا نفلی صدقہ دینا جائز ہے۔

[۵۲۴](۱۲) زکوۃ کسی مالدار کو نہ دی جائے۔

حاشیہ : (الف) اللہ نے ان پر زکوۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور ان کے فقراء پر تقسیم کی جائے گی (ب) حضرت ثوری سے منقول ہے کہ کوئی آدمی اپنے ذوی الارحام کے نفقہ کا ذمہ دار ہو اس پر اپنی زکوۃ خرچ نہ کرے۔ اور نہ دے میت کے کفن میں۔ اور نہ میت کے قرض میں۔ اور نہ مسجد کے بنانے میں۔ اور نہ قرآن کے خریدنے میں۔ اور نہ اس سے حج کیا جائے اور اس کو اپنے مکاتب کو دیں۔ اور نہ اس سے کوئی غلام خریدے جس کو آزاد کرے۔ اور نہ یہود اور نصاری کو دے۔ اور نہ زکوۃ ہی سے اجرت پر کسی کو لیا جائے جو اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جائے (ج) حضرت اسماء فرماتی ہیں کہ میرے پاس میری ماں آئی اس حال میں کہ عہد قریش کو چاہتی تھی اور غضبناک تھی کہ مشرکہ تھی۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسول! میری ماں میرے پاس آئی ہے اس حال میں کہ وہ غضبناک ہے، مشرکہ ہے۔ کیا میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کروں؟ آپ نے فرمایا ہاں! اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔

[۵۲۵](۱۳) ولا یدفع المزکی زکوته الی ابیه وجده وان علا ولا الی ولده وولد ولده وان سفل ولا الی امه وجداته وان علت ولا الی امرأته[۵۲۶] (۱۴) ولا تدفع المرأة الی زوجها عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی وقالا تدفع الیه.

وجہ حدیث میں ہے عن ابی سعید قال قال رسول الله لا تحل الصدقة لغنی الا فی سبیل الله او ابن السبیل او جار فقیر یتصدق علیه فیهدی لک او یدعوک (الف) (ابوداؤدشریف، باب من یجوز لہ اخذ الصدقۃ وھوغنی ص ۲۳۸ نمبر ۱۶۳۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مالدار کے لئے عام حالات میں زکوۃ لینا جائز نہیں ہے مگر یہ کہ وہ مجاہد ہو یا مسافر ہو۔

[۵۲۵] (۱۳) زکوہ دینے والا زکوۃ نہ دے اپنے باپ کو، اپنے دادا کو اگر چہ اوپر تک ہو، اپنی اولاد کو نہ اولاد کی اولاد کو اگر چہ نیچے تک ہو، نہ اپنی ماں کو نہ اپنی دادی کو اگر چہ اوپر تک ہو، اور نہ اپنی بیوی کو۔

وجہ (۱) ان لوگوں کے ساتھ اتنا گہرا رابطہ ہوتا ہے کہ ان کا نان ونفقہ بھی اپنے ہی ذمہ ہوتا ہے۔ اس لئے ان لوگوں کو دینا گویا کہ زکوۃ کا مال اپنے ہی پاس رکھ لینا ہے۔ اس لئے زکوۃ کا مال ان لوگوں کو دینے سے زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی (۲) اثر میں ہے کہ جن لوگوں کی کفالت کرتا ہو اور اصول وفروع میں سے ہوں ان کو زکوۃ دینے سے زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی عن ابن عباس قال لا بأس ان تجعل زکوتک فی ذوی قرابتک مالم یکونوا فی عیالک (ب) (مصنف ابی ابی شیبۃ ۹۶ ما قالوا فی الرجل یدفع زکوتہ الی قرابتہ ج ثانی ص ۴۱۲، نمبر ۱۰۵۳۱ مصنف عبد الرزاق، باب لمن الزکوۃ ج رابع ص ۱۱۲ نمبر ۷۱۶۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جو قریب کے رشتہ دار ہوں اور اس کی قدرتی طور پر کفالت بھی کرتا ہو تو اس کو زکوۃ دینے سے زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی نوٹ باپ، دادا، ماں، دادی اصول ہیں اور بیٹا، پوتا فروع ہیں۔

[۵۲۶] (۱۴) اور زکوۃ نہ دے عورت اپنے شوہر کو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ شوہر کو دے۔

وجہ (۱) امام اعظم کی دلیل اوپر کے مسئلہ نمبر ۱۳ کا اثر ہے کہ جو کفالت میں ہو ان کو زکوۃ نہیں دے سکتے۔ اور بیوی شوہر کی کفالت میں ہے اس لئے زکوۃ اس پر ہی لوٹ آئے گی۔ اس لئے اس کو زکوۃ دینے سے زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی (۲) شوہر کو دینے سے نان ونفقہ کے طور پر مال خود بیوی پر لوٹ آئے گا۔ اور بعد میں خود بیوی اس مال سے کھائے گی۔ اس لئے گویا کہ اپنی ہی جیب میں زکوۃ کا رکھنا ہوا۔ اس لئے شوہر کو زکوۃ کا مال دینا جائز نہیں۔ البتہ نفلی صدقہ شوہر کو دے سکتی ہے۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ بیوی اپنی زکوۃ شوہر کو دے سکتی ہے۔

وجہ (۱) شوہر بیوی کے عیال میں نہیں ہے۔ یعنی بیوی پر شوہر کا نان ونفقہ لازم نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے عن ابی سعید الخدری ... قالت یا نبی الله انک امرت الیوم بالصدقة وکان عندی حلی لی فاردت ان اتصدق به فزعم ابن مسعود انه

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا زکوۃ حلال نہیں ہے مالدار کے لئے مگر اللہ کے راستے میں ہو یا مسافر ہو یا فقیر پڑوسی ہو اس پر صدقہ کیا جائے تو وہ آپ کو ہدیہ دے یا آپ کو کھلائے پلائے تو حلال ہے (ب) ابن عباسؓ نے فرمایا ہاں جب کہ وہ رشتہ دار اس کے عیال میں نہ ہوں۔

[۵۲۷](۱۵) ولا یدفع الی مکاتبه ولا مملوکه[۵۲۸] (۱۶) ولا مملوک غنی ولا ولد

وولده احق من تصدقت به علیهم فقال رسول الله صدق ابن مسعود زوجک وولدک احق من تصدقت به علیهم (الف) (بخاری شریف، باب الزکوۃ علی الاقارب ص ۱۹۷ نمبر ۱۴۶۲) اس حدیث میں آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعود کی بیوی سے فرمایا کہ تمہاری اولاد اور تمہارا شوہر تمہارے صدقے کا زیادہ حقدار ہے یعنی زکوۃ کا، اس لئے بیوی شوہر کو زکوۃ دے تو جائز ہے۔ امام اعظم اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ صدقۂ نافلہ کے بارے میں ہے جو ہم بھی جائز کہتے ہیں۔

[۵۲۷] (۱۵) اور زکوۃ نہ دے اپنے مکاتب غلام کو اور اپنے مملوک کو۔

وجہ (۱) مکاتب نے جب تک مال کتابت ادا کیا نہ ہو وہ غلام ہی باقی رہتا ہے۔ اور غلام کا سارا مال بلکہ اس کی جان بھی مولی کی ہوتی ہے۔ اس لئے اپنے مکاتب اور اپنے غلام کو زکوۃ کا مال دینا گویا کہ خود کے پاس رکھ لینا ہے۔ اس لئے اپنے مولی اور اپنے مملوک کو زکوۃ دینے سے زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی (۲) پہلے ایک اثر گزر چکا ہے جس میں یہ تھا عن الثوری قال ولا تعطیها مکاتبک (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب لمن ا؛ زکوۃ ج رابع ص ۱۱۳ نمبر ۷۱۷۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اپنے مکاتب کو زکوۃ مت دو اس لئے کہ وہ اس کا غلام ہے۔ اس لئے اپنے غلام کو زکوۃ دینا جائز نہیں ہوگا۔

[۵۲۸] (۱۶) اور مالدار کے ملوک کو اور مالدار کی اولاد کو زکوۃ نہ دے جب کہ وہ چھوٹے ہوں۔

وجہ پیچھے گزر چکا ہے کہ مملوک کا مال مولی کا مال ہوتا ہے۔ اس لئے مالدار کے مملوک کو زکوۃ دی تو وہ مالدار مولی کے ہاتھ میں پہنچ جائے گی اور مالدار کو زکوۃ دینا جائز نہیں اس لئے مالدار کے مملوک کو بھی زکوۃ دینا جائز نہیں۔ ہاں غریب آدمی کا مملوک ہو تو اس کو دینا جائز ہے۔ کیونکہ وہ غریب مولی کے ہاتھ میں پہنچے گی۔ اسی طرح مالدار آدمی کا چھوٹا بچہ مالدار کی کفالت میں ہوتا ہے اور گویا کہ باپ ہی اس کے مال کا مالک ہوتا ہے اس لئے مالدار کے بچے کے ہاتھ میں زکوۃ دینا گویا کہ مالدار کے ہاتھ میں مال دینا ہے۔ اس لئے مالدار کے چھوٹے بچے کو زکوۃ دینا جائز نہیں ہے (۲) چھوٹا بچہ باپ کی مالداری کی وجہ سے مالدار شمار کیا جاتا ہے اس لئے بھی مالدار کے بچے کو زکوۃ دینا جائز نہیں ہے۔ مالدار کے لئے زکوۃ جائز نہیں ہے اس کے لئے یہ حدیث ہے عن عطاء بن یسار ان رسول الله ﷺ قال لا تحل الصدقة لغنی الا لخمسة (۱) لغاز فی سبیل الله (۲) او لعامل علیها (۳) او لغارم (۴) او لرجل اشتراها بماله (۵) او لرجل کان له جار مسکین فتصدق علی المسکین فاهدها المسکین للغنی (ابوداؤد شریف، باب من یجوز له اخذ الصدقة وهو غنی ص ۲۳۸ نمبر ۱۶۳۵/۱۶۳۴)

نوٹ بڑے بچے باپ کے تحت نہیں ہوتے اس لئے اگر باپ مالدار ہو اور اس کا بڑا بچہ غریب ہو تو اس کو زکوۃ دے سکتے ہیں۔ اس لئے کہ

حاشیہ : (الف) ابوسعید خدری سے روایت ہے ... کہ عبداللہ بن مسعود کی بیوی کہنے لگی اے اللہ کے نبی! آپؐ نے آج صدقے کا حکم دیا۔ اور میرے پاس کچھ زیورات ہیں تو میں چاہتی ہوں کہ اس کو صدقہ کروں۔ عبداللہ بن مسعود کا گمان ہے کہ وہ اور ان کی اولاد زیادہ حقدار ہے کہ میں ان پر صدقہ کروں۔ آپؐ نے فرمایا عبد اللہ بن مسعود صحیح کہتے ہیں۔ تمہارا شوہر اور تمہاری اولاد زیادہ حقدار ہیں آپ ان پر صدقہ کریں (ب) حضرت ثوری نے فرمایا اپنے مکاتب کو زکوۃ مت دو۔

غنی اذا کان صغیرا[۵۲۹] (۱۷) ولا یدفع الی بنی ہاشم وھم آل علی و آل عباس و آل جعفر و آل عقیل و آل الحارث بن عبد المطلب وموالیھم[۵۳۰] (۱۸) وقال ابو حنیفة و

غریب کے ہاتھ میں زکوۃ دی۔

اصول چھوٹا بچہ باپ کے ساتھ شمار کیا جاتا ہے۔

[۵۲۹] (۱۷) اور زکوۃ نہ دے بنی ہاشم کو اور وہ آل علیؓ، آل عباسؓ، آل جعفر، آل عقیل اور آل حارث بن عبد المطلب ہیں اور ان کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

وجہ پہلے حدیث میں گزر چکا ہے کہ آل ہاشم اور ان کے آزاد کردہ غلام کے لئے زکوۃ جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ لوگوں کا میل ہے اور میل آل رسول کے لئے کھانا اچھا نہیں ہے (۲) **عن عبد اللہ بن نوفل الھاشمی ... ثم قال رسول اللہ لنا ان ھذہ الصدقات انما ھی اوساخ الناس وانھا لا تحل لمحمد ولا لآل محمد** (الف) (مسلم شریف، باب تحریم الزکوۃ علی رسول اللہ ﷺ وعلی آلہ وھم بنو ہاشم و بنو عبد المطلب دون غیرھم ص ۳۴۵ نمبر ۲۱۰۷ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ الصدقۃ للنبی ﷺ واہل بیتہ وموالیہ ص ۱۴۲ نمبر ۶۵۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ جس کا تذکرہ اوپر ہوا ان کے لئے زکوۃ جائز نہیں ہے۔

اور ان کے آزاد کردہ غلام کے لئے ناجائز ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابی رافع ان رسول اللہ ﷺ بعث رجلا من بنی مخزوم علی الصدقة ... فقال ان الصدقة لا تحل لنا وان موالی القوم من انفسھم** (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ الصدقۃ للنبی واہل بیتہ وموالیہ ص ۱۴۲ نمبر ۶۵۷) اس سے معلوم ہوا کہ آزاد کردہ غلام کا شمار اسی قوم میں ہوتا ہے۔ اس لئے بنو ہاشم کے آزاد کردہ غلام کے لئے زکوۃ جائز نہیں۔

نوٹ اس زمانے میں حالت ابتر ہوگئی ہے اور کوئی راستہ نہیں ہو تو بنو ہاشم کو زکوۃ دینے کی گنجائش بعض مفتیان کرام نے دی ہے۔ آزاد کردہ غلام باندی کو صدقہ دینے کی یہ حدیث ہے **عن انس ان النبی ﷺ اتی ملحم تصدق به علی بریرة فقال ھو علیھا صدقة وھو لنا ھدیة** (بخاری شریف، باب اذا تحولت الصدقۃ ص ۲۰۲ نمبر ۱۴۹۵)

لغت آل علی : علیؓ کے خاندان کے لوگ۔ موالی : جمع ہے مولی کی آزاد کردہ غلام۔

[۵۳۰] (۱۸) امام ابو حنیفہ اور امام محمد نے فرمایا اگر زکوۃ ایک آدمی کو دے یہ گمان کرتے ہوئے کہ وہ فقیر ہے پھر ظاہر ہوا کہ وہ مالدار ہے، یا ہاشمی ہے، یا کافر ہے، یا اندھیرے میں فقیر کو دیا پھر ظاہر ہوا کہ وہ اس کا باپ ہے، یا اس کا بیٹا ہے تو اس پر زکوۃ کا لوٹانا نہیں ہے۔

تشریح کسی نے فقیر گمان کرتے ہوئے دیا کہ یہ مستحق ہے لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ یہ مستحق نہیں ہے پھر بھی اگر تحقیق کے بعد دیا تھا اور بعد میں خطا ظاہر ہوگئی تو زکوۃ کی ادائیگی ہو جائے گی۔ حنفیہ کے نزدیک دوبارہ دینے کی ضرورت نہیں۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے ہم سے کہا یہ صدقات لوگوں کے میل ہیں وہ محمد اور آل محمد کے لئے حلال نہیں ہے (الف) آپؐ نے بنی مخزوم کے ایک آدمی کو زکوۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا.. تو آپؐ نے فرمایا صدقہ ہمارے لئے حلال نہیں ہے اور یہ کہ قوم کا آزاد کردہ غلام قوم ہی میں سے شمار ہوتا ہے۔

محمد رحمهما الله تعالى اذا دفع الزكوة الى رجل يظنه فقيرا ثم بان انه غنى او هاشمى او كافر او دفع فى ظلمة الى فقير ثم بان انه ابوه او ابنه فلا اعادة عليه [۵۳۱](۱۹) وقال ابو يوسف رحمه الله تعالى وعليه الاعادة[۵۳۲] (۲۰) ولو دفع الى شخص ثم علم انه عبده او مكاتبه لم يجز فى قولهم جميعا.

وجہ ان معن بن يزيد حدثه ... وكان ابى يزيد اخرج دنانير يتصدق بها فوضعها عند رجل فى المسجد فجئت فاخذتها فاتيته بها فقال والله ما اياك اردت فخاصمته الى رسول الله فقال لك مانويت يا يزيد ولك ما اخذت يا معن (الف) (بخاری شریف، باب اذا تصدق علی ابنہ وھو لا یشعر ص ۱۹۱ نمبر ۱۴۲۲) اس حدیث میں باپ کی زکوۃ بھول سے بیٹے کو پہنچ گئی پھر بھی آپؐ نے باپ سے فرمایا کہ تم نے جونیت کی ہے اس کی ادائیگی ہوجائے گی (۲) عن الحسن فى الرجل يعطى زكوته الى فقير ثم يتبين له انه غنى قال اجزى عنه (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۹۷ ما قالوا فی الرجل یعطی زکوتہ لغنی وھو لا یعلم ج ثانی ص ۴۱۳، نمبر ۱۰۵۴۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بھول سے غریب سمجھ کر مالدار کو زکوۃ دے تو زکوۃ کی ادائیگی ہوجائے گی۔

[۵۳۱] (۱۹) امام ابو یوسف نے فرمایا اس پر زکوۃ کو لوٹانا ہے۔

تشریح یعنی بھول کر غیر مستحق کو دی اور بعد میں ظاہر ہوا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوئی، دوبارہ ادا کرنی ہوگی۔

وجہ (۱) غریب کو مالک بنانا ضروری تھا اور وہ نہیں ہوا اور مستحق تک زکوۃ نہیں پہنچی اس لئے زکوۃ دوبارہ ادا کرنی ہوگی (۲) عن ابراهيم فى الرجل يعطى زكوته الغنى وهو لايعلم قال لايجزيه (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۹۵ ما قالوا فی الرجل یعطی زکوتہ لغنی وھو لا یعلم ج ثانی ص ۴۱۳، نمبر ۱۰۵۴۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ زکوۃ بھول کر غیر مستحق کو دیدی تو زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔

اصول زکوۃ مستحق کو نہ پہنچے چاہے بھول کر بھی ہو تو زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔

[۵۳۲] (۲۰) اور اگر زکوۃ کسی شخص کو دی پھر معلوم ہوا کہ وہ اس کا غلام ہے یا اس کا مکاتب ہے تو بالاتفاق جائز نہیں ہوگی۔

وجہ اپنے غلام یا مکاتب کے ہاتھ میں زکوۃ گئی تو گویا کہ اپنے ہی ہاتھ میں رہی کیونکہ غلام کی ملکیت خود اپنی ملکیت ہے۔ اس لئے گویا کہ ایک جیب سے نکال کر دوسری جیب میں رکھی۔ اس لئے زکوۃ کی ادائیگی بالاتفاق نہیں ہوگی۔

اصول غلام کی ملکیت خود مولی کی ملکیت ہے۔

حاشیہ : (الف) معن بن یزید نے بیان کیا... میرے باپ یزید نے کچھ دنانیر صدقہ کے لئے نکالے اور اس کو مسجد میں ایک آدمی کے پاس رکھا تو میں گیا اور اس زکوۃ کو لے لیا۔ اس کو لیکر آیا تو باپ نے کہا خدا کی قسم تم کو دینے کی نیت نہیں تھی۔ تو میں والد صاحب کو حضورؐ کے پاس لے گیا۔ تو آپؐ نے فرمایا اے یزید تم نے جونیت کی وہ مل گئی اور اے معن تم نے جو لیا وہ ٹھیک ہے (ب) ایک آدمی کے بارے میں حضرت حسنؓ سے پوچھا کہ اس کو فقیر سمجھ کر زکوۃ دی پھر پتہ چلا کہ وہ مالدار ہے تو فرمایا کہ کافی ہوجائے گا (ج) حضرت ابراہیم سے پوچھا گیا ایک آدمی کے بارے میں کہ زکوۃ مالدار کو دیدے اور وہ جانتا نہیں ہے، حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ اس کو کافی نہیں ہوگی۔

[۵۳۳](۲۱) ولا یجوز دفع الزکوة الی من یملک نصابا من ای مال کان[۵۳۴] (۲۲) ویجوز دفعها الی من یملک اقل من ذلک وان کان صحیحا مکتسبا[۵۳۵] (۲۳) ویکرہ نقل الزکوة من بلد الی بلد آخر.

---

[۵۳۳](۲۱)زکوۃ کا دینا جائز نہیں ہے اس آدمی کو جو نصاب کا مالک ہو چکا ہے جس مال کا ہو۔

تشریح اپنی حاجت اصلیہ سے زیادہ ہو اور کوئی بھی مال نصاب زکوۃ کے برابر ہو تو اس کو زکوۃ دینے سے زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔

وجہ کیونکہ وہ غنی اور مالدار ہے اور پہلے گزر چکا ہے کہ غنی کو دینے سے زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔**عن عطاء بن یسار ان رسول اللہ ﷺ قال لا تحل الصدقة لغنی الا لخمسة** (ابوداؤد شریف نمبر ۱۶۳۴/۱۶۳۵)

[۵۳۴](۲۲)اور جائز ہے زکوۃ دینا ایسے آدمی کو جو نصاب سے کم کا مالک ہو چکا ہے وہ تندرست ہو اور کمانے والا ہو۔

تشریح جو آدمی نصاب سے کم کا مالک ہو وہ شریعت کی نگاہ میں غنی نہیں ہے بلکہ وہ فقیر ہے اس لئے اس کو زکوۃ دی جا سکتی ہے۔ چاہے وہ تندرست ہو اور کما کر کھا سکتا ہو۔ کیونکہ فی الحال وہ فقیر ہے اور فقیر کے لئے زکوۃ جائز ہے۔

وجہ **سمعت حمادا یقول من لم یکن عندہ مال یبلغ فیه الزکوة اعطی من الزکوة** (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۸۱ من قال لا تحل له الصدقۃ اذا ملک خمسین درھما ج ثانی، ص ۴۰۴، نمبر ۱۰۴۳۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جو نصاب کا مالک نہ ہو اس کو زکوۃ دی جا سکتی ہے

نوٹ البتہ ایک آدمی کو اتنا روپیہ دے کہ وہ خود صاحب نصاب ہو جائے ایسا کرنا مکروہ ہے۔

وجہ اثر میں ہے **عن عامر قال اعط من الزکوة ما دون ان یحل علی من تعطیه الزکوة** (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۸۰ ما قالوا فی الزکوۃ قدر ما یعطی منھا ج ثانی ص ۴۰۳، نمبر ۱۰۴۳۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ایک آدمی کو اتنی زکوۃ نہ دے کہ خود اس پر زکوۃ واجب ہو جائے

لغت مکتسبا : کسب سے اسم فاعل ہے، کام کرنے والا۔

[۵۳۵](۲۳)مکروہ ہے زکوۃ کو ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف منتقل کرنا۔

وجہ (۱) حدیث میں ہے کہ مالداروں سے زکوۃ لو اور انہیں لوگوں کے غرباء پر تقسیم کر دو۔ اس لئے زکوۃ کو پہلے اسی شہر کے غرباء پر تقسیم کی جائے گی۔ وہاں سے بچے تب دوسرے شہر کے غرباء کو دیں۔ البتہ اگر دوسرے شہر کے غرباء اس شہر سے زیادہ محتاج ہوں تو اس شہر کو چھوڑ کر دوسرے شہر کے غرباء پر زکوۃ تقسیم کی جا سکتی ہے (۲) حدیث میں ہے **عن ابن عباس قال قال رسول اللہ لمعاذ بن جبل حین بعثه الی الیمن ... قد افترض علیهم صدقة توخذ من اغنیائهم فترد علی فقرائهم** (ج) (بخاری شریف، باب اخذ الصدقۃ من الاغنیاء وترد فی الفقراء حیث کانوا ص ۲۰۲/۲۰۳ نمبر ۱۴۹۶) اس حدیث میں ہے کہ اس شہر کے مالداروں سے لیں اور انہیں کے غرباء پر تقسیم کر دیں۔

حاشیہ : (الف) حضرت حمادؒ نے فرمایا جس کے پاس اتنا مال نہ ہو جس میں زکوۃ واجب ہو تو اس کو زکوۃ کے مال سے دیا جائے گا (ب) حضرت عامر نے فرمایا کہ زکوۃ کی رقم اتنی کم دو کہ جس کو زکوۃ دی اس پر زکوۃ واجب نہ ہو جائے (ج) آپؐ نے معاذ بن جبل کو یمن روانہ کرتے ہوئے فرمایا... ان لوگوں پر زکوۃ فرض کی گئی ہے۔ ان کے مالداروں سے لی جائے اور انہیں کے فقراء پر تقسیم کر دی جائے۔

[۵۳۶] (۲۴) وانما یفرق صدقة کل قوم فیهم الا ان یحتاج ان ینقلها الانسان الی قرابته او الی قوم هم احوج الیه من اهل بلده.

جس سے معلوم ہوا کہ دوسرے شہر کی طرف زکوۃ منتقل کرنا مکروہ ہے۔

[۵۳۶] (۲۴) ہر قوم کا صدقہ اسی میں تقسیم کیا جائے۔ مگر یہ کہ محتاج ہو کہ انسان اپنے رشتہ داروں کی طرف منتقل کرے، یا ایسی قوم کی طرف منتقل کرے جو اس شہر کے لوگوں سے زیادہ محتاج ہو۔

تشریح بہتر تو یہی ہے کہ جس شہر کے مالداروں سے زکوۃ لی اسی شہر کے غرباء پر تقسیم کردی جائے۔ لیکن اگر دوسرے شہر میں ان کے رشتہ دار ہیں تو دوسرے شہر میں رشتہ داروں کی طرف زکوۃ منتقل کر سکتے ہیں۔ یا دوسرے شہر کے لوگ زیادہ محتاج ہیں تو پھر وہاں منتقل کی جا سکتی ہے۔ **وقال النبی ﷺ له اجران اجر القرابة واجر الصدقة** (الف) (بخاری شریف، باب الزکوۃ علی الاقارب ص ۱۹۶ نمبر ۱۴۶۱ر ترمذی شریف، باب ماجاء فی الصدقۃ علی ذی القرابۃ ص ۱۴۲ نمبر ۶۵۸)

نوٹ دوسرے شہر کے لوگ زیادہ محتاج نہ بھی ہوں اور دے دے تو زکوۃ ادا ہو جائے گی، کیونکہ وہ لوگ فقراء ہیں اور مصرف ہیں البتہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا ان کے لئے دو قسم کے اجر ہیں رشتہ داری کا اجر اور صدقے کا اجر۔

﴿باب صدقة الفطر﴾

[۵۳۷](۱) صدقة الفطر واجبة على الحر المسلم اذا كان مالكا لمقدار النصاب فاضلا

﴿باب صدقۃ الفطر﴾

ضروری نوٹ عید کے دن جو صدقہ دیا جاتا ہے اس کو صدقۃ الفطر کہتے ہیں۔ چونکہ پورے رمضان روزے رکھ کر وہ افطار کا دن ہوتا ہے اس لئے اس کو صدقۃ الفطر کہتے ہیں۔ اس کی دلیل آگے آئے گی۔

[۵۳۷](۱) صدقۃ الفطر واجب ہے ہر آزاد، مسلمان پر جب کہ نصاب کی مقدار کا مالک ہو اور اپنے رہنے کے مکان اور اپنے کپڑے اور اپنے سامان گھوڑے، ہتھیار اور خدمت کے غلام سے زیادہ ہو۔

تشریح حاجت اصلیہ سے زیادہ ہو تب ہی صدقۃ الفطر واجب ہوتا ہے۔ اور اوپر کی ساری چیزیں حاجت اصلیہ کی ہیں۔ مثلا رہنے کے لئے ایک مکان، روزانہ پہننے کے کپڑے، گھر کا فرنیچر، جہاد کے لئے گھوڑے، ہتھیار اور خدمت کے غلام یہ چیزیں انسان کے لئے ضروریات زندگی میں سے ہیں۔ اس لئے ان چیزوں سے فارغ ہو کر اور سال بھر تک کھانے پینے سے فارغ ہو کر مقدار نصاب کے برابر مال کا مالک ہو تب صدقۃ الفطر واجب ہوتا ہے۔

وجہ غنی کی دلیل پہلے گزر چکی ہے **تؤخذ من اغنيائهم وترد على فقرائهم** (الف) (بخاری شریف، باب اخذ الصدقۃ من الاغنیاء وترد فی الفقراء حیث ما کانوا ص ۲۰۳ نمبر ۱۴۹۶) حدیث سے معلوم ہوا کہ زکوۃ یا صدقہ مالداروں سے لیا جائے گا۔ اور مالدار اس کو کہتے ہیں کہ حاجت اصلیہ سے مقدار نصاب مال زیادہ ہو۔ حدیث میں ہے **وقال النبی ﷺ لا صدقة الا عن ظهر غنى** (بخاری شریف، باب تاویل قولہ من بعد وصیۃ یوصی بھا او دین، کتاب الوصایا ص ۳۸۴ نمبر ۲۷۵۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حاجت اصلیہ سے فارغ ہونے کے بعد زکوۃ یا صدقۃ الفطر ادا کرے (۲) حاجت اصلیہ کی تفصیل کا پتہ اس اثر سے ہوتا ہے **عن سعيد بن جبير قال يعطى من الزكوة من له الدار والخادم والفرس** (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۷۵ من لہ دار وخادم یعطی من الزکوۃ ج ثانی ص ۴۰۲، نمبر ۱۰۴۱۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جس کے پاس رہنے کا گھر ہو اور خدمت کا غلام ہو اور جہاد کا گھوڑا ہو وہ غنی نہیں ہے۔ اگر وہ محتاج ہو تو اس کو زکوۃ دی جا سکتی ہے۔ اس لئے کہ یہ سب چیزیں حاجت اصلیہ میں داخل ہیں۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جو آدمی ایک دن رات کے کھانے سے زیادہ مال رکھے وہ صدقۃ الفطر ادا کرے۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابن ابى صعير عن ابيه قال قال رسول الله ادوا صدقةالفطر صاعا من بر او قمح عن كل رأس صغير او كبير حر او عبد ذكر او انثى اما غنيكم فيزكيه الله واما فقيركم فيرد الله عليه اكثر بما اعطاه** (ج) (دار قطنی، کتاب زکوۃ الفطر، ج ثانی ص ۱۲۸/۱۲۹ نمبر ۲۰۸۸، سنن للبیہقی، باب من قال بوجوبھا علی الغنی والفقیر ج رابع ص

حاشیہ : (الف) ان کے مالداروں سے زکوۃ لی جائے گی اور ان کے فقراء پر تقسیم کی جائے گی (ب) سعید بن جبیر نے فرمایا کہ زکوۃ دی جائے گی جس کو گھر ہو، خادم ہو اور گھوڑا ہو (ج) آپؐ نے فرمایا صدقۃ الفطر ادا کرو ایک صاع گیہوں سے چھوٹے، بڑے، آزاد ہو یا غلام، مذکر اور مؤنث کی جانب سے، بہر (باقی اگلے صفحہ پر)

عن مسکنہ و ثیابہ و اثاثہ و فرسہ و سلاحہ و عبیدہ للخدمۃ[۵۳۸] (۲) یخرج ذلک عن نفسہ و عن اولادہ الصغار و عبیدہ للخدمۃ[۵۳۹] (۳) و لا یودی عن زوجتہ و لا عن اولاد

۲۷۶،نمبر۶۹۵ ۷/ابوداؤد شریف، باب من روی نصف صاع من قمح ص ۲۳۵ نمبر۱۶۱۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فقیر پر بھی صدقۃ الفطر واجب ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے **فیرد اللہ علیہ اکثر مما اعطاہ** اس نے جتنا دیا ہے اس سے زیادہ اس پر واپس ہوگا۔

صدقۃ الفطر واجب ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابن عمر قال فرض رسول اللہ ﷺ زکوۃ الفطر صاعا من تمر او صاعا من شعیر علی العبد و الحر و الذکر و الانثی و الصغیر و الکبیر من المسلمین و امر بھا ان تودی قبل خروج الناس الی الصلوۃ** (الف) (بخاری شریف، باب فرض صدقۃ الفطر ص ۲۰۴ نمبر ۱۵۰۳/مسلم شریف، باب زکوۃ الفطر ص ۳۱۷ نمبر ۹۸۴) اس حدیث میں فرض کے لفظ سے حنفیہ صدقۃ الفطر دینا واجب قرار دیتے ہیں۔

لغت مسکن : رہنے کی جگہ، رہنے کا مکان۔ اثاثۃ : گھر کا سامان، گھر کا فرنیچر۔ سلاح : ہتھیار۔

[۵۳۸] (۲) صدقۃ الفطر نکالے گا اپنی ذات کی جانب سے اور اپنی چھوٹی اولاد کی جانب سے اور خدمت کے غلام کی جانب سے۔

تشریح آدمی اپنی ذات کی جانب سے صدقۃ الفطر نکالے گا اور جس کی کفالت کرتا ہے اور مکمل ذمہ دار ہے ان کی جانب سے صدقۃ الفطر نکالے گا۔ مثلا چھوٹی اولاد، خدمت کے غلام۔ آدمی ان لوگوں کی کفالت کرتا ہے اس لئے ان لوگوں کی جانب سے آدمی صدقۃ الفطر نکالے گا۔

وجہ (۱) اوپر مسئلہ نمبر ایک میں بخاری شریف کی حدیث گزر گئی جس میں علی العبد اور الصغیر کے الفاظ موجود ہیں (۲) حدیث میں ہے **عن ابن عمر قال امر رسول اللہ بصدقۃ الفطر عن الصغیر و الکبیر و الحر و العبد ممن تمونون** (ب) (دار قطنی، کتاب زکوۃ الفطر ج ثانی ص ۱۲۳ نمبر ۲۰۵۹/سنن للبیہقی، باب اخراج زکوۃ الفطر عن نفسہ وغیرہ، ج رابع، ص ۲۷۲، نمبر ۷۶۸۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی جس آدمی کی کفالت کرتا ہے اس کا صدقۃ الفطر بھی خود ادا کرے گا۔ تمونون کے معنی ہیں جس کی تم کفالت کرتے ہو۔

[۵۳۹] (۳) اپنی بیوی کی جانب سے اور بڑی اولاد کی جانب سے ادا نہیں کرے گا چاہے وہ اسی کی کفالت میں ہو۔

وجہ بیوی کا نان و نفقہ اگر چہ شوہر کے ذمہ ہوتا ہے لیکن یہ شوہر کے گھر میں احتباس کی وجہ سے شوہر پر نفقہ لازم ہے۔ کفالت کی وجہ سے نہیں ہے اسی لئے بیوی کی ملکیت الگ شمار کی جاتی ہے اور شوہر کی ملکیت الگ شمار کی جاتی ہے۔ اس لئے شوہر پر بیوی کا صدقۃ الفطر لازم نہیں ہے۔ اسی طرح بڑے لڑکے کی ملکیت باپ سے الگ ہو جاتی ہے اور وہ خود ذمہ دار ہو جاتا ہے۔ چاہے کسی محتاجگی کی وجہ سے لڑکے کا نفقہ باپ پر لازم ہو۔ اس لئے بڑے لڑکے کا صدقۃ الفطر باپ پر لازم نہیں۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) حال تمہارا مالدار تو اللہ اس کو پاک کرے گا۔ اور بہر حال تمہارا فقیر تو اللہ تعالی اس سے زیادہ اس پر لوٹائے گا جو اس نے دیا (الف) فرض کیا حضورؐ نے صدقۃ الفطر میں ایک صاع کھجور، یا ایک صاع جو، غلام پر اور آزاد پر، مذکر پر اور مؤنث پر، چھوٹے پر اور بڑے پر مسلمانوں میں سے، اور اس کا حکم دیا کرتے تھے کہ نکالے نماز کی طرف لوگوں کے نکلنے سے پہلے (ب) آپؐ نے حکم دیا صدقۃ الفطر نکالنے کا چھوٹے بڑے، آزاد اور غلام کی جانب سے جنکی کفالت کرتا ہو۔

الکبار وان کانوا فی عیاله[۵۴۰] (۴) ولا یخرج عن مکاتبه [۵۴۱](۵) ولا عن ممالیکه للتجارة[۵۴۲] (۶) والعبد بین الشریکین لا فطرة علی واحد منهما[۵۴۳] (۷) ویودی

نوٹ اگر باپ نے یا شوہر نے لڑکے اور بیوی کی طرف سے صدقۃ الفطر ادا کر دیا تو ادا ہو جائے گا۔ کیونکہ دونوں کے درمیان وسعت ہوتی ہے۔ بیوی اور بڑا لڑکا اگر صاحب نصاب ہیں تو خود ادا کریں گے۔

[۵۴۰] (۴) اپنے مکاتب غلام کی جانب سے صدقۃ الفطر نہیں نکالے گا۔

وجہ (۱) مولی مکاتب غلام کی کفالت نہیں کرتا بلکہ مکاتب خود کفیل ہوتا ہے اس لئے مکاتب مالدار ہو تو خود مکاتب پر صدقۃ الفطر نکالنا واجب ہوگا (۲) اثر میں ہے **عن ابن عمر انه کان یودی زکوة الفطر عن کل مملوک له فی ارضه و غیر ارضه وعن کل انسان یعوله من صغیرا و کبیر وعن رقیق امرأته وکان له مکاتب بالمدینة فکان لا یودی عنه** (الف) (سنن للبیہقی، باب من قال لا یودی عن مکاتبہ ج رابع ص ۲۷۲، نمبر ۷۶۸۶ / مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۰، ۷ ما قالوا فی المکاتب یعطی عنہ سیدہ ام لا ج ثانی ص ۴۰۰، نمبر ۱۰۳۸۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمر مکاتب کا صدقۃ الفطر خود ادا نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ وہ ان کی مؤنت میں نہیں تھا۔

[۵۴۱] (۵) نہ تجارت کے غلاموں کی جانب سے صدقۃ الفطر نکالے۔

وجہ تجارت کے غلام کی قیمت میں زکوۃ ہے اس لئے اس کے لئے صدقۃ الفطر دینے کی ضرورت نہیں، ورنہ دو مرتبہ اس کی زکوۃ نکالنی ہو جائے گی۔

[۵۴۲] (۶) اور جو غلام دو شریکوں کے درمیان میں ہو ان دونوں میں سے کسی پر صدقۃ الفطر نہیں ہے۔

وجہ (۱) دونوں شریکوں میں سے کوئی بھی پورا پورا مالک نہیں ہے اور نہ پوری پوری کفالت کر رہے ہیں بلکہ دونوں کی کفالت اور مؤنت آدھی آدھی ہے۔ اس لئے کسی شریک پر صدقۃ الفطر واجب نہیں ہوگا (۲) اثر میں ہے **عن ابی هریرة قال لیس فی المملوک زکوة الا مملوک تملکه** (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۱۸، فی المملوک یکون بین رجلین علیہ صدقۃ الفطر ج ثانی ص ۴۲۳، نمبر ۱۰۶۵۱) اس اثر میں **الا مملوک تملکه** کا مطلب یہی ہے کہ تم مملوک کے مکمل مالک ہو تو زکوۃ یعنی صدقۃ الطفر واجب ہے، اور مکمل مالک نہیں ہو بلکہ شرکت میں مملوک ہے تو صدقۃ الفطر واجب نہیں ہے۔

[۵۴۳] (۷) مسلمان مولا صدقۃ الفطر ادا کرے گا اپنے کافر غلام کی جانب سے۔

وجہ (۱) حنفیہ کے نزدیک غلام کا صدقہ مولی پر واجب ہوتا ہے اور مولی چونکہ مسلمان ہے اس لئے اس پر واجب ہوگا (۲) بخاری میں دوسری

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عمرؓ صدقۃ الفطر ادا کرتے تھے ہر مملوک کی جانب سے جو اس کی زمین میں ہو اور دوسری زمین میں ہو۔ اور ہر انسان کی جانب سے جن کی وہ کفالت کرتے تھے، چھوٹا ہو یا بڑا۔ اور اپنی بیوی کے غلام کی جانب سے۔ اور ان کا مکاتب غلام مدینہ طیبہ میں تھا تو ان کی جانب سے ادا نہیں کرتے تھے۔ (ب) حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا مملوک میں صدقہ نہیں ہے مگر وہ مملوک جس کے تم پورے مالک ہو۔

المسلم الفطرة عن عبده الكافر [۵۴۴](۸) والفطرة نصف صاع من بر او صاع من تمر او زبيب او شعير.

حدیث مطلق ہے اس میں من المسلمین کی قید نہیں ہے جس کا حاصل یہ ہوگا کہ مملوک مسلمان ہو یا کافر دونوں صورتوں میں اس کا صدقۃ الفطر نکالنا واجب ہوگا **عن ابن عمر قال فرض رسول الله ﷺ صدقة الفطر صاعا من شعير او صاعا من تمر على الصغير والكبير والحر والمملوك** (الف) (بخاری شریف، باب صدقۃ الفطر علی الصغیر والکبیر ص ۲۰۵ نمبر ۱۵۱۲) اس حدیث میں **والمملوک** مطلق ہے۔ یعنی کافر اور مسلمان دونوں قسم کے غلاموں پر صدقۃ الفطر واجب ہے (۳) **عن ابن عباس قال قال رسول الله صدقة الفطر عن كل صغير وكبير ذكر و انثى يهودى او نصرانى حر او مملوك نصف صاع من بر** (ب) (دار قطنی، کتاب زکوۃ الفطر ج ثانی ص ۱۳۱ نمبر ۲۱۰۰) اس حدیث میں ہے کہ یہودی ہو یا نصرانی ہو اس مملوک کا صدقۃ الفطر واجب ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک کافر غلام کا صدقۃ افطر اس کے مولی پر واجب نہیں ہے۔

وجہ ان کے یہاں خود غلام پر صدقۃ الفطر واجب ہوتا ہے اور غلام کافر ہے اور کافر صدقہ کا اہل نہیں ہے۔ کیونکہ صدقہ تو عبادت ہے اس لئے ان کے یہاں کافر غلام کا صدقۃ الفطر مولی پر واجب نہیں ہے (۲) پہلے مسئلہ میں بخاری شریف کی حدیث گزری جس میں **ذكر او انثى من المسلمين** کی قید ہے (بخاری شریف، باب صدقۃ الفطر علی العبد وغیرہ من المسلمین ص ۲۰۴ نمبر ۱۵۰۴) اس لئے مسلمان غلام کا واجب ہوگا غیر مسلم کا نہیں ہوگا۔

[۵۴۴] (۸) صدقۃ الفطر آدھا صاع ہے گیہوں سے یا ایک صاع ہے کھجور سے یا کشمش سے یا جو سے۔

تشریح صدقۃ الفطر گیہوں سے آدھا صاع دینا ہوگا، اور کھجور سے ایک صاع اور کشمش سے ایک صاع اور جو سے ایک صاع دینا ہوگا۔

وجہ (۱) **عن عبد الله بن عمر قال امر النبى ﷺ بزكوة الطفر صاعا من تمر او صاعا من شعير قال عبد الله فجعل الناس عدله مدين من حنطة** (ج) (بخاری شریف، باب صدقۃ الفطر صاع من تمر ص ۲۰۴ نمبر ۱۵۰۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ نے کھجور اور جو ایک صاع دینے کا حکم دیا اور لوگوں نے آدھا صاع گیہوں کو ایک صاع کھجور کے برابر قرار دیا۔ اور حضورؐ نے اس کو قبول کیا اس لئے آدھا صاع گیہوں دینا کافی ہے (۲) **عن ابى صعير قال قال رسول الله صاع من بر او قمح على كل اثنين صغير او كبير** (د) (ابوداؤد شریف، باب من روی نصف صاع من قمح ص ۲۳۵ نمبر ۱۶۱۹) اس حدیث سے اور اوپر بخاری شریف کی حدیث سے معلوم ہوا کہ آدھا صاع گیہوں صدقۃ الفطر میں دینا کافی ہے۔ کیونکہ ایک صاع دو آدمیوں کی جانب سے ہوا تو آدھا صاع ایک

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرض کیا صدقۃ الفطر ایک صاع جو میں سے یا ایک صاع کھجور میں سے چھوٹے پر اور بڑے پر، آزاد پر اور مملوک پر (ب) آپؐ نے فرمایا صدقۃ الفطر ہے ہر چھوٹے بڑے اور مذکر و مؤنث اور یہودی اور نصرانی اور آزاد اور مملوک کی جانب سے آدھا صاع گیہوں (ج) آپؐ نے صدقۃ الفطر کا حکم دیا ایک صاع کھجور، ایک صاع جو تو لوگوں نے دو مد گیہوں کو اس کے برابر قرار دیا۔ نوٹ دو مد آدھا صاع ہوتا ہے (د) آپؐ نے فرمایا ایک صاع گیہوں دو آدمیوں پر ہے چھوٹے ہو یا بڑے۔

[۵۴۵] (۹) والصاع عند ابی حنیفة و محمد ثمانیة ارطال بالعراقی و قال ابو یوسف

آدمی کی جانب سے ہوگا۔

[۵۴۵] (۹) اور صاع امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک آٹھ رطل کا ہے عراقی رطل کے ساتھ اور امام ابو یوسف نے فرمایا پانچ رطل اور ایک تہائی رطل۔

وجہ اس کی کچھ تفصیل کتاب الزکوۃ میں گزر چکی ہے۔ چار مد کا ایک صاع ہوتا ہے یہ بالاتفاق ہے۔ البتہ کتنے رطل کا ایک صاع ہوتا ہے اس میں اختلاف ہو گیا۔ امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک آٹھ رطل کا ایک صاع ہوتا ہے اور امام امام ابو یوسف اور امام شافعی کے نزدیک پانچ رطل اور تہائی رطل کا صاع ہوتا ہے (۲) آٹھ رطل کا صاع ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے **عن انس بن مالک ان النبی ﷺ کان یتوضأ برطلین ویغتسل بالصاع ثمانیة ارطال** (الف) (دار قطنی، کتاب زکوۃ الفطر ج ثانی ص ۱۳۴ نمبر ۲۱۱۹/۲۱۲۰ رسنن للبیھقی، باب ما دل علی ان صاع النبی کان عیارہ خمسۃ ارطال وثلث ج رابع ص ۲۸۷، نمبر ۷۷۲۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ صاع آٹھ رطل کا ہونا چاہئے **فائدہ** امام ابو یوسف اور دیگر ائمہ کی دلیل یہ حدیث ہے **حدثنی ابی عن امه انها ادت بهذا الصاع الی رسول الله قال مالک انا حرزت هذه فوجدتها خمسة ارطال و ثلث** (ب) (دار قطنی، کتاب زکوۃ الفطر ص ۱۳۲ نمبر ۲۱۰۵ رسنن للبیھقی، باب ما دل علی ان صاع النبی ﷺ کان عیارہ خمسۃ ارطال وثلث ص ۲۸۷، نمبر ۷۷۲۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور کا صاع پانچ رطل اور ایک تہائی رطل تھا۔ اسی پر جمہور ائمہ کا عمل ہے۔

نوٹ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اگرچہ آٹھ رطل کا صاع ہے لیکن ان کا رطل چھوٹا ہے اور صرف 20 استار کا صاع ہے جو 442.25 گرام کا ہوگا۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک پانچ رطل اور تہائی رطل کا صاع ہے لیکن ان کا رطل بڑا ہے۔ 30 استار کا صاع ہے جو 663.413 گرام کا ایک رطل ہوگا۔ اور دونوں کا صاع 160 استار کا ہوگا اور 3538 گرام ہوگا۔ دلیل یہ عبارت ہے۔ **فقال لطرفان ثمانیة ارطال بالعراقی، وقال الثانی خمسة ارطال وثلث وقیل لا خلاف لان الثانی قدره برطل المدینة لانه ثلاثون استارا والعراقی عشرون، واذا قابلت ثمانیة بالعراقی بخمسة وثلث بالمدینی وجدتهما سواء** (رد المحتار علی الدر المختار، باب صدقۃ الفطر، ج ثالث، ص ۳۷۴) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ دونوں رطلوں کا حاصل ایک ہی ہے یعنی 3538 گرام کا صاع ہے۔ اور آدھا صاع گیہوں 1.769 گرام صدقۃ الفطر ہوگا۔ یعنی ایک کیلو سات سو انہتر گرام، اور صاع کا برتن 2.94 لیٹر کا ہوگا۔

یہ حساب احسن الفتاوی، باب صدقۃ الفطر، ج رابع، ص ۴۱۶ سے لیا گیا ہے۔ البتہ در مختار کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ صاع کا وزن اس سے بھی چھوٹا ہے۔ کیونکہ اس میں ہے کہ ایک صاع کا وزن 1040 درہم ہے۔ اور ایک درہم کا وزن 3.061 گرام ہے۔ تو ایک صاع کا وزن 1040×3.061 گرام برابر 3183.44 گرام ہوگا۔

حاشیہ : (الف) انس بن مالک فرماتے ہیں کہ حضورؐ وضو فرماتے تھے دو رطل سے اور غسل کرتے تھے ایک صاع سے جو آٹھ رطل کا ہوتا ہے (ب) حضرت مالک نے اپنی ماں سے نقل کیا کہ انہوں نے اس صاع سے حضورؐ کو صدقہ ادا کیا۔ حضرت مالک نے فرمایا میں نے اس کو ناپا تو اس کو پانچ رطل اور تہائی رطل پایا۔

خمسة ارطال و ثلث رطل [۵۴۶](۱۰) ووجوب الفطرة يتعلق بطلوع الفجر الثانی من يوم الفطر [۵۴۷](۱۱) فمن مات قبل ذلک لم تجب فطرته[۵۴۸] (۱۲) ومن اسلم او ولد بعد طلوع الفجر لم تجب فطرته.

وجہ یہ عبارت ہے۔ الصاع المعتبر مایسع الفا واربعين درهما من ماش او عدس (ردالمحتار علی الدرالمختار، باب صدقۃ الفطر، ج ثالث، ص ۳۷۴) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ایک صاع 1040 درہم کے وزن کا ہے جس کا گرام 3183.44 ہوگا۔ اور آدھا صاع 1591.72 گرام کا ہوگا۔ احتیاط کے لئے 1.769 کا وزن لینا بہتر ہے۔ پوری تفصیل 'باب زکوۃ الزرع والثمار' مسئلہ نمبر ۳ پر دیکھیں۔

[۵۴۶] (۱۰) صدقۃ الفطر کا وجوب متعلق ہے عید الفطر کے دن صبح صادق کے طلوع ہونے سے۔

وجہ روزہ صبح صادق کے وقت سے شروع ہوتا ہے اور رمضان کے بعد یہ پہلا دن ہے جب کہ افطار کیا اور روزہ نہیں رکھا، اور صدقۃ الفطر کی نسبت افطار کی طرف ہے اس لئے جس وقت سے حقیقت میں افطار شروع ہوا یعنی صبح صادق کا وقت وہ وقت صدقۃ الفطر کے وجوب کا سبب بنے گا۔ اس لئے عید کے دن صبح صادق کا وقت صدقۃ الفطر کے وجوب کا سبب بنے گا۔ امام ابو حنیفہؒ کا استدلال اس حدیث کے اشارے سے ہے۔ عن ابن عمرؓ قال فرض رسول الله ﷺ زكوة الفطر صاعا من تمر ... وامر بها ان تؤدى قبل خروج الناس الى الصلوة (بخاری شریف، باب فرض صدقۃ الفطر، ص ۲۰۴، نمبر ۱۵۰۳) اس حدیث میں عید کی نماز سے پہلے صدقۃ الفطر نکالنے کا حکم دیا۔ جس سے اشارہ ہوتا ہے کہ اس سے قریب کا وقت یعنی صبح صادق اس کے نکالنے کا سبب ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک عید کے دن سے پہلے جو رات ہے اس کی مغرب کا وقت صدقۃ الفطر واجب ہونے کا سبب ہے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ اسی مغرب کے وقت ہی سے افطار شروع ہو گیا ہے اس لئے مغرب کا وقت ہی سبب بنے گا۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ مغرب کے وقت تو ہمیشہ ہی افطار کا تھا اس لئے صبح صادق کا وقت صدقۃ الفطر واجب ہونے کا سبب بنے گا۔

لغت الفجر الثانی : سے مراد صبح صادق ہے۔ کیونکہ الفجر الاول صبح کاذب ہے۔

[۵۴۷] (۱۱) جو آدمی صبح صادق سے پہلے مر گیا اس کا صدقۃ الفطر واجب نہیں ہوگا۔

وجہ صبح صادق صدقۃ الفطر واجب ہونے کا سبب تھا اور وہ سبب واقع ہونے سے پہلے مر گیا اس لئے صدقۃ الفطر واجب نہیں ہوگا۔

[۵۴۸] (۱۲) اور جو اسلام لایا، یا بچہ پیدا ہوا صبح صادق طلوع ہونے کے بعد تو اس کا صدقۃ الفطر واجب نہیں ہوگا۔

وجہ جو صبح صادق طلوع ہونے کے بعد مسلمان ہوا تو وہ صبح صادق کے وقت مسلمان ہی نہیں تھا۔ اس پر سبب واقع نہیں ہوا۔ اسی طرح صبح صادق کے بعد بچہ پیدا ہوا تو اس بچے پر سبب واقع نہیں ہوا اس لئے اس پر بھی صدقۃ الفطر واجب نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ سبب کے بعد یہ لوگ وجود میں آئے۔

اصول سبب نہ پایا جائے تو حکم لازم نہیں ہوگا۔

[۵۴۹] (۱۳) والمستحب ان یخرج الناس الفطرۃ یوم الفطر قبل الخروج الی المصلی فان قدموھا قبل یوم الفطر جاز [۵۵۰] (۱۴) وان اخروھا عن یوم الفطر لم تسقط وکان علیھم اخراجھا.

[۵۴۹] (۱۳) اور مستحب ہے کہ آدمی صدقۃ الفطر عید کے دن عیدگاہ کی طرف نکلنے سے پہلے نکالے۔ پس اگر عید الفطر کے دن سے پہلے نکالے تو جائز ہے۔

وجہ (۱) عن ابن عمر ان النبی ﷺ امر بزکوۃ الفطر قبل خروج الناس الی الصلوۃ (الف) (بخاری شریف، باب الصدقۃ قبل العید ص ۲۰۴ نمبر ۱۵۰۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عیدگاہ کی طرف نکلنے سے پہلے عید کے دن صدقۃ الفطر نکالے، اس سے بھی پہلے نکالے تو جائز ہے کیونکہ صدقۃ الفطر کا سبب اصلی مالداری ہے اور وہ موجود ہے اس لئے اگر صبح صادق سے پہلے ادا کر دیا تو ادائیگی ہو جائے گی۔ جیسے زکوۃ جلدی دے تو ادا ہو جاتی ہے۔ (۲) اثر میں ہے فکان ابن عمر یودیھا قبل ذلک بالیوم والیومین (ب) (ابوداؤد شریف، باب متی تودی ص ۲۳۴ نمبر ۱۶۱۰) اس اثر میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر صدقۃ الفطر عید کے ایک دن یا دو دن قبل ہی نکال دیتے تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ سبب تو عید الفطر کے صبح صادق کا وقت ہے لیکن اگر دو چار روز قبل ہی نکال دے تو ادائیگی ہو جائے گی۔

[۵۵۰] (۱۴) اور اگر صدقۃ الفطر کو عید الفطر کے دن سے مؤخر کیا تو وہ ساقط نہیں ہوگا اور ان پر اس کا نکالنا ضروری ہوگا۔

تشریح اگر عید الفطر کے دن تک صدقۃ الفطر نہیں نکالا تو واجب ہونے کے بعد ساقط نہیں ہوگا۔ جیسے نماز واجب ہونے کے بعد ساقط نہیں ہوتی ہے۔ اور بعد میں بھی اس کا نکالنا واجب ہوگا۔ اور چونکہ ایک صاع یا آدھا صاع گیہوں ہی دینا پڑے گا اس لئے بوجھ بھی کوئی زیادہ نہیں ہے۔

حاشیہ: (الف) آپ نے صدقۃ الفطر نکالنے کا حکم دیا نماز کی طرف لوگوں کے نکلنے سے پہلے (ب) ابن عمرؓ صدقۃ الفطر ادا کیا کرتے تھے عید الفطر سے ایک دن یا دو دن پہلے۔

﴿کتاب الصوم﴾

[۵۵۱](۱)الصوم ضربان واجب و نفل فالواجب ضربان ما يتعلق بزمان بعينه كصوم رمضان والنذر المعين[۵۵۲] (۲) فيجوز صومه بنية من اليل فان لم ينو حتى اصبح

﴿ کتاب الصوم ﴾

ضروری نوٹ صوم کے معنی رکنا ہے۔روزہ میں کھانے ، پینے اور جماع سے رکنا ہے اس لئے اس کو صوم کہتے ہیں۔روزہ فرض ہونے کی دلیل یہ آیت ہے **يا ايها الذين آمنوا كتب عليكم الصيام كما كتب على الذين من قبلكم لعلكم تتقون** (الف) (آیت ۱۸۳ سورۃ البقرۃ ۲)اورحدیث میں ہے **ان اعرابيا جاء الى رسول الله** ﷺ ... **فقال اخبرني ماذا فرض الله على من الصيام فقال شهر رمضان الا ان تطوع شيئا** (ب) (بخاری شریف، کتاب الصوم، باب وجوب صوم رمضان ص ۲۵۴ نمبر ۱۸۹۱)اس آیت اورحدیث سے معلوم ہوا کہ رمضان کے روزے فرض ہیں۔

[۵۵۱](۱)روزے کی دو قسمیں ہیں واجب اور نفل، پس واجب کی دو قسمیں ہیں،ان میں سے ایک جو تعلق رکھتی ہے متعین زمانے کے ساتھ جیسے رمضان کے روزے اور نذر معین۔

تشریح روزے کی چھ قسمیں ہیں(۱)رمضان کے روزے (۲) نذر معین کا روزہ (۳) قضاء رمضان (۴) نذر غیر معین (۵) کفارات کے روزے (۶) نفل روزے۔ان چھ قسموں میں سے پہلی دو قسمیں رمضان کے روزے اور نذر معین وقت متعین کے ساتھ ہیں اور باقی چار قسمیں وقت کے ساتھ متعین نہیں ہے۔کسی دن بھی رکھ سکتے ہیں۔

[۵۵۲](۲) وقت متعین کا روزہ رات کی نیت کے ساتھ جائز ہے، پس اگر نیت نہ کی ہو یہاں تک کہ صبح ہوگئی تو اس کو کافی ہوگی وہ نیت جو رات اور زوال کے درمیان کی گئی ہے۔

تشریح اگر رات کو نیت نہ کی ہو تو زوال سے پہلے نیت کر لی تو وہ نیت بھی رمضان کے روزے کے لئے اور نذر معین کے ادا ہونے کے لئے کافی ہے۔کیونکہ رمضان کا مہینہ ہونے کی وجہ سے یہ طے ہے کہ ایک مسلمان کو روزہ رکھنا ہے اور صبح سے زوال تک کھایا پیا بھی نہیں ہے اس لئے اکثر دن میں نیت کر لی تو روزہ ادا ہو جائے گا۔اور زوال سے پہلے نیت کر لی تو آدھا دن سے زیادہ نیت پائی گئی للا کثر حکم الکل کے قاعدہ کے اعتبار سے کافی ہو جائے گی۔یہی حال نذر معین کا ہے کہ پہلے سے روزہ رکھنے کے لئے دن متعین ہے اس لئے یہی گمان ہے کہ اپنے وعدے کے مطابق روزہ رکھے گا۔

نوٹ روزہ کا وقت صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اس لئے صبح صادق سے آدھا دن سے زیادہ کا اعتبار کرنا ہوگا۔

حاشیہ : (الف)اے ایمان والو تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا ہے،شاید کہ تم تقوی اختیار کرو(ب) دیہاتی نے کہا مجھ کو خبر دیجئے اللہ نے مجھ پر روزے میں کیا فرض کیا ہے۔آپؐ نے فرمایا رمضان کے روزے۔مگر یہ کہ تم نفلی روزے رکھنا چاہو۔

اجزأته النية ما بينه وبين الزوال [۵۵۳](۳) والضرب الثانى ما يثبت فى الذمة كقضاء رمضان والنذر المطلق والكفارات فلا يجوز صومه الا بنية من الليل وكذلك صوم الظهار.[۵۵۴] (۴) والنفل كله يجوز بنية قبل الزوال.

لغت النذر المعین : کوئی آدمی نذر مانے کہ مثلا جمعہ کے دن روزہ رکھوں گا تو چونکہ جمعہ کا دن روزہ رکھنے کے لئے متعین کیا اس لئے یہ نذر معین ہوئی، نذر واجب ہونے کی دلیل یہ آیت ہے **ثم ليقضوا تفثهم وليوفوا نذورهم** (الف) (آیت ۲۹ سورۃ الحج ۲۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ نذر مانی ہو تو اس کو پوری کرنا چاہئے۔ روزہ متعین ہے، دن کو بھی نیت کر لے تو جائز ہو جائے گا۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن حفصة زوج النبى ﷺ ان رسول الله قال من لم يجمع الصيام قبل الفجر فلا صيام له** (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی النیۃ فی الصوم ص ۳۴۰ نمبر ۲۴۵۴ رترمذی شریف، باب ماجاء لا صیام لمن لم یعزم من اللیل ص ۱۴۵ نمبر ۷۳۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رات سے روزے کی نیت کرنی چاہئے (۲) دوسری حدیث سے معلوم ہوا کہ متعین روزہ اور نفل روزہ کی نیت زوال سے پہلے بھی کرے گا تو روزہ درست ہو جائے گا **عن سلمة بن اكوع ان النبى ﷺ بعث رجلا ينادى فى الناس يوم عاشوراء ان من اكل فليتم او فليصم ومن لم يأكل فلا يأكل** (ج) (بخاری شریف، باب اذا نوی بالنھار صوما (۲۵۷ نمبر ۱۹۲۴ رابوداؤد شریف، باب فی الرخصۃ فیہ (ای فی النیۃ) ص ۳۴۰ نمبر ۲۴۵۵) اس حدیث میں جس نے دوپہر تک کھایا نہیں تھا اس کو نیت کر کے روزہ رکھنے کا حکم دیا جس سے معلوم ہوا کہ دوپہر سے پہلے روزہ کی نیت کر سکتا ہے۔ حدیث میں یہ حکم سنت روزے کا ہے لیکن متعین روزے کو بھی اسی پر قیاس کیا جائے گا۔

[۵۵۳] (۳) دوسری قسم وہ روزہ ہے جو ذمہ میں ثابت ہو جیسے رمضان کی قضا اور نذر مطلق اور کفارات کے روزے، پس جائز نہیں ہے اس کے روزے مگر رات کی نیت کے ساتھ، اور ایسے ہی کفارۂ ظہار کے روزے۔

تشریح وہ روزے جو وقت کے ساتھ متعین نہیں ہیں اور نفل بھی نہیں ہیں ان روزوں کی نیت رات سے ہی کرنی ہوگی، تب روزے درست ہونگے۔

وجہ چونکہ یہ روزے مطلق وقت کے ساتھ ہیں، کسی وقت کے ساتھ متعین نہیں ہے اس لئے رات ہی سے نیت کر کے واجب روزہ متعین کرنا ہوگا۔ اور رات ہی سے نیت کرنی ہوگی۔

وجہ اوپر ابوداؤد کی حدیث ہے۔ **ان رسول الله ﷺ قال من لم يجمع الصيام قبل الفجر فلا صيام له** (ابوداؤد شریف، نمبر ۲۴۵۴ رترمذی شریف، نمبر ۷۳۰)

[۵۵۴] (۴) اور نفل کل کے کل جائز ہے زوال کے پہلے کی نیت سے۔

حاشیہ : (الف) پھر اپنی پراگندگی کو دور کرو اور اپنی نذر پوری کرو (ب) آپ نے فرمایا جو آدمی فجر سے پہلے روزے کا پختہ ارادہ نہ کرے اس کا روزہ نہیں ہوا (ج) آپ نے ایک آدمی کو عاشورہ کے دن لوگوں میں اعلان کرنے کے لئے بھیجا کہ جس نے کھانا کھایا وہ روزہ پورا کرے یا روزہ رکھے۔ فرمایا اور جس نے کھانا نہیں کھایا تو اب نہ کھائے یعنی روزہ رکھے۔

[۵۵۵](۵) وینبغی للناس ان یلتمسوا الھلال فی الیوم التاسع والعشرین من شعبان فان راوہ صاموا وان غم علیھم اکملوا عدۃ شعبان ثلثین یوما ثم صاموا[۵۵۶] (۶) ومن رای

تشریح زوال سے پہلے پہلے نیت کرے تب بھی نفل روزہ جائز ہے۔

وجہ (۱) نفل روزہ چونکہ ذمے میں نہیں ہے۔اس لئے اگر صبح سے ابھی تک کھایا پیا نہ ہو اور زوال سے پہلے روزے کی نیت کر لے تو چونکہ آدھا دن سے زیادہ روزہ کی نیت ہوئی اس لئے روزہ درست ہو جائے گا (۲) عن عائشۃ رضی اللہ عنھا قالت کان النبی ﷺ اذا دخل علی قال ھل عندکم طعام فاذا قلنا لا قال انی صائم (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی الرخصہ فیہ ص ۳۴۰ نمبر ۲۴۵۵ر مسلم شریف ، باب جواز صوم النافلۃ بنیۃ من النہار قبل الزوال ص ۳۶۴ نمبر ۱۱۵۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دن میں کھانے کا انتظام نہیں ہوا تو آپؐ نے روزہ کی نیت کر لی جس سے معلوم ہوا کہ نفل روزے کی نیت زوال سے پہلے پہلے کر لینے سے روزہ درست ہو جاتا ہے۔

﴿ رویت ہلال کا مسئلہ ﴾

[۵۵۵](۵) انسان کے لئے مناسب ہے کہ چاند کو انتیسویں شعبان کو تلاش کرے، پس اگر چاند دیکھ لیا تو سب روزہ رکھیں اور اگر لوگوں پر پوشیدہ رہا تو شعبان کے تیس دن پورے کریں اور پھر روزہ رکھیں۔

تشریح شعبان کی انتیسویں تاریخ کو چاند تلاش کرنا چاہئے۔اگر نظر آ جائے تو روزہ رکھے اوت نظر نہ آئے تو شعبان کی تیس پوری کر کے روزہ رکھے۔

وجہ حدیث میں ہے عن عبد اللہ بن عمران رسول اللہ ﷺ قال الشھر تسع و عشرون لیلۃ فلا تصوموا حتی تروہ فان غم علیکم فاکملوا العدۃ ثلثین (ب) (بخاری شریف، باب قول النبی ﷺ اذا رایتم الھلال فصوموا واذا رایتموہ فافطروا، ص ۲۵۶، نمبر ۱۹۰۷ر مسلم شریف، باب وجوب صوم رمضان لرویۃ الہلال ص ۳۴۷ نمبر ۱۰۸۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھنا چاہئے اور انتیس کو چاند نظر نہ آئے تو تیس پورے کرے۔

نوٹ مراکش کو چھوڑ کر عرب کے تقریبا سارے ملک وجود قمر پر یعنی نیومون کے فورا بعد پر کیلنڈر بناتے ہیں جو چاند نظر آنے سے ایک دن مقدم ہوتا ہے۔اس پر نہ چاند نظر آئے گا اور نہ آ سکتا ہے۔اللہ تعالی ان کو ہدایت دے۔ برصغیر کے علماء محقق رویت بصری کرتے ہیں اور صحیح تاریخ پر ہمیشہ اعلان کرتے ہیں۔اللہ ان کو جزائے خیر سے نوازے۔

لغت غم علیکم : چاند چھپ جائے، چاند نظر نہ آئے۔

[۵۵۶](۶) کسی نے رمضان کا چاند اکیلے دیکھا تو روزہ رکھے اگر چہ امام نے اس کی گواہی قبول نہ کی ہو۔

تشریح ایک اکیلے آدمی نے رمضان کا چاند دیکھا اور قاضی نے کسی وجہ سے اس کی گواہی قبول نہیں کی تو وہ آدمی خود روزہ رکھ لے۔

حاشیہ : (الف) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب آپؐ ہمارے پاس تشریف لاتے تو پوچھتے کیا تمہارے پاس کھانا ہے؟ پس جب ہم کہتے نہیں تو فرماتے میں اب روزہ دار ہوں (ب) آپؐ نے فرمایا مہینہ انتیس راتوں کا ہوتا ہے تو مت روزہ رکھو جب تک چاند دیکھ نہ لو، پس اگر تم پر چاند چھپ جائے تو تیس دن پورے کرو۔

هلال رمضان وحده صام وان لم يقبل الامام شهادته[۵۵۷] (۷) واذا كان فی السماء علة قبل الامام شهادة الواحد العدل فی رؤية الهلال رجلا كان او امرأة، حرا كان او

وجہ چونکہ وہ آدمی چاند دیکھ چکا ہے اس لئے اس کے حق میں رمضان ہے اس لئے وہ خود رزہ رکھے۔ حدیث میں گزرا کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور اس نے چاند دیکھا ہے اس لئے اس کو روزہ رکھنا چاہئے۔

نوٹ اگر اس نے روزہ نہیں رکھا تو قضا لازم ہوگی کفارہ نہیں۔ کیونکہ قاضی کے انکار کرنے کی وجہ سے شبہ پیدا ہو گیا اور کفارہ شبہ سے ساقط ہو جاتا ہے۔

اصول خود کسی بات پر یقین کرتا ہو تو اس کو کرنا چاہئے لیکن دوسروں پر لازم نہیں کر سکتا جب تک کہ قضاء قاضی یا شہادت ملزمہ نہ ہو۔

[۵۵۷] (۷) اگر آسمان میں کوئی علت ہو تو چاند دیکھنے کے بارے میں امام ایک عادل آدمی کی گواہی قبول کریں گے۔ چاہے وہ مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام۔

تشریح آسمان میں علت کا مطلب یہ ہے کہ افق پر غبار ہو، کہر ہو یا بادل ہو تو ممکن ہے کہ کسی کو چاند نظر آجائے اور کسی کو نظر نہ آئے اس لئے ایک آدمی کی گواہی بھی قبول ہوگی۔

وجہ چاند دیکھنے کا معاملہ امر دینی ہے۔ معاملات نہیں ہے اس لئے ایک آدمی کی گواہی بھی قابل قبول ہے۔ اور تکمیل شہادت یعنی دو گواہی کی ضرورت نہیں (۲) حدیث میں ہے **عن ربعی بن حراش عن رجل من اصحاب النبی ﷺ قال اختلف الناس فی آخر یوم من رمضان فقدم اعرابیان فشهدا عند النبی ﷺ بالله لا هلا الهلال امس عشية فامر رسول الله ﷺ الناس ان يفطروا** (الف) (ابوداؤد شریف، باب شہادۃ رجلین علی رؤیۃ ہلال شوال ص ۳۲۶ نمبر ۲۳۳۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عید الفطر کے چاند کے لئے دو گواہ ضروری ہیں، دارقطنی میں ہے **قالا و كان رسول الله ﷺ لا يجيز شهادة الافطار الا بشهادة رجلين** (ب) (دارقطنی، کتاب الصوم ج ثانی ص ۱۳۷ نمبر ۲۱۲۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آسمان پر علت ہو تو عید کے لئے دو گواہوں سے عید کا فیصلہ کریں گے اس سے کم کا نہیں۔ کیوں کہ اس پر فرض روزہ چھوڑنے کا مدار ہے۔ اور لوگوں کا فائدہ ہے اس لئے یہ معاملات کی طرح ہو گیا اور معاملات میں دو آدمیوں کی گواہی کی ضرورت ہے۔ اس لئے عید اور بقرہ عید کے چاند کے لئے دو گواہوں کی ضرورت ہے۔ اور رمضان کا رزہ شروع کرنے کے لئے ایک گواہ کی ضرورت ہے کیوں کہ یہ امر دینی ہے اور امر دینی کے ثبوت کے لئے ایک گواہ کافی ہے (۲) حدیث میں ہے **عن ابن عباس قال جاء اعرابی الی النبی ﷺ فقال انی رایت الهلال قال الحسن فی حديثه يعنی رمضان فقال اتشهد ان لا اله الا الله؟ قال نعم قال اتشهد ان محمدا رسول الله قال نعم قال يا بلال اذن فی الناس فليصوموا غدا** (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی شہادۃ الواحد علی رؤیۃ ہلال رمضان ص ۳۲۷ نمبر ۲۳۴۰ رترمذی شریف، باب ما جاء فی الصوم بالشہادۃ ص ۱۴۸

حاشیہ : (الف) لوگوں نے رمضان کے آخری دن میں اختلاف کیا، پس دو دیہاتی آئے اور حضورؐ کے سامنے گواہی دی خدا کی قسم کل شام کو چاند دونوں نے دیکھا ہے۔ پس حضورؐ نے لوگوں کو حکم دیا کہ افطار کریں (ب) آپؐ افطار کی گواہی جائز نہیں قرار دیتے تھے مگر دو آدمی کی گواہی سے (ج) ایک دیہاتی (باقی اگلے صفحہ پر)

عبدا[۵۵۸](۸) فان لم یکن فی السماء علة لم تقبل الشهادة حتی یراہ جمع کثیر یقع العلم بخبرھم [۵۵۹](۹) ووقت الصوم من حین طلوع الفجر الثانی الی غروب

نمبر۶۹۱)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رمضان کے ثبوت کے لئے ایک آدمی کی گواہی کافی ہے۔

[۵۵۸](۸)اور اگر آسمان میں علت نہ ہو تو گواہی قبول نہیں کی جائے گی یہاں تک کہ ایک بڑی جماعت دیکھے جس کی خبر سے علم یقینی واقع ہو

وجہ اگر آسمان پر بادل، غبار، کہر، دھواں وغیرہ نہیں ہے اور چاند نظر آنے کے قابل ہو گیا ہے تو ہر ڈھونڈنے والے کو نظر آئے گا اور کافی آدمی اس کو دیکھیں گے۔لیکن اس کے باوجود ایک دو آدمیوں نے دیکھنے کا دعوی کیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔اور محال عادی ہے اس لئے ایک دو آدمیوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ بلکہ اتنے آدمی دیکھیں کہ اس کی خبر سے علم یقینی ہو اور جھوٹ پر محمول نہ کیا جا سکے۔ اثر میں ہے **قلت لعطاء ارایت لو ان رجلا رای ھلال رمضان قبل الناس بلیلة ایصوم قبلھم ویفطر قبلھم ؟ قال لا الا ان راہ الناس اخشی یکون شبه علیه** (الف)(مصنف عبد الرزاق، باب کم یجوز من الشھود علی رویۃ الھلال ج رابع ص ۱۶۷ نمبر ۷۳۴۸)اس اثر سے معلوم ہوا کہ رویت عامہ ہو تب قبول کیا جائے گا۔

تجربہ زمانے کا تجربہ یہ ہے کہ جب چاند دیکھنے کے قابل ہو جاتا ہے اور مطلع صاف ہو تو ہر آدمی کو نظر آتا ہے۔لیکن دکھنے کے قابل نہ ہو تو کسی کو نظر نہیں آتا۔ایسے موقع پر ایک دو گواہی گزرتی ہے اور وہ جھوٹی گواہی ہوتی ہے۔اس وقت چاند آسمان پر ہلال ہی بنا نہیں ہوتا۔چاند نیومون سے اٹھارہ گھنٹے کے بعد دیکھنے کے قابل ہوتا ہے۔جو لوگ اس سے قبل دیکھنے کا دعوی کرتے ہیں وہ جھوٹ بولتے ہیں۔

نوٹ عرب کے علماء نے ایک گواہی اور دو گواہی پر چاند ہونے کا فیصلہ دیا اور رویت عامہ کا اعتبار نہیں کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں کیلنڈر ایک دن مقدم اور ڈیڑھ دن مقدم تاریخ پر بنائی گئی۔اور اسی پر ایک دو گواہی لیکر رویت کا اعلان کرتے ہیں۔اور ساڑھے ستائیس پر یا اٹھائیس پر گواہی لیتے ہیں۔اور اعلان رویت کر لیتے ہیں ان کا کبھی بھی حقیقت میں انتیس اور تیس پورے نہیں ہوتے۔صرف مقدم کیلنڈر کا انتیس اور تیس پورا کرتے ہیں جو قطعا جائز نہیں ہے۔ اور ایک روز فرض روزہ ضائع کرتے ہیں۔العیاذ و الحفیظ!اس لئے مطلع صاف ہو تو رویت عامہ پر رویت کا فیصلہ کرنا چاہئے۔

[۵۵۹](۹)روزہ کا وقت صبح صادق طلوع ہونے کیوقت سے سورج غروب ہونے تک ہے۔

تشریح صبح صادق کے وقت سے لیکر غروب آفتاب تک روزہ کا وقت ہے۔

وجہ آیت میں ہے **وکلوا واشربوا حتی تیبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر ثم اتموا الصیام الی**

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے)حضورؐ کے پاس آیا اور کہا میں نے چاند دیکھا ہے۔حضرت اپنی حدیث میں کہتے ہیں یعنی رمضان کا چاند دیکھا ہے تو آپؐ نے پوچھا لا الہ الا اللہ کی گواہی دیتے ہو؟ کہا ہاں! آپؐ نے پوچھا محمد رسول اللہ کی گواہی دیتے ہو؟ کہا ہاں! آپؐ نے فرمایا اے بلال لوگوں میں اعلان کر دو کہ کل روزہ رکھیں (الف) میں نے حضرت عطا سے پوچھا اگر کوئی آدمی لوگوں سے ایک رات پہلے رمضان کا چاند دیکھے تو آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا اس کے پہلے روزہ رکھے اور اس کے پہلے افطار کرے؟ حضرت عطاء نے فرمایا نہیں، مگر یہ کہ لوگ دیکھیں۔ہو سکتا ہے کہ اس کو شبہ ہوا ہو۔

الشمس[۵۶۰] (۱۰) والصوم هو الامساک عن الاکل والشرب والجماع نهارا مع النية[۵۶۱] (۱۱) فان اکل الصائم او شرب او جامع ناسيا لم يفطر[۵۵۲] (۱۲) وان

الليل (الف) (آیت ۱۸۷ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ صبح صادق کے پہلے پہلے تک کھاتا رہے گا اور صبح صادق کے وقت سے روزہ شروع ہوگا اور غروب آفتاب تک رہے گا۔ خیط ابیض سے مراد صبح صادق ہے۔ حدیث میں ہے **سمرة بن جندب يقول سمعت محمدا ﷺ يقول لا يغرن احدكم نداء بلال من السحور ولا هذا البياض حتى يستطير** (ب) (مسلم شریف، باب ان الدخول فی الصوم تحصل بطلوع الفجر ص ۳۵۰ نمبر ۱۰۹۴ / بخاری شریف نمبر ۱۹۱۷ / ابوداؤد شریف، باب وقت السحور، ص ۳۴۱ نمبر ۲۳۴۶) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ صبح صادق سے روزہ شروع ہوگا۔ **عن عمر ابن خطاب قال قال رسول الله اذا اقبل الليل من ههنا وادبر النهار من ههنا وغربت الشمس فقد افطر الصائم** (ج) (بخاری شریف، باب متی تحل فطر الصائم ص ۲۶۲ نمبر ۱۹۵۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آفتاب غروب ہونے کے بعد روزہ افطار کرے۔

﴿ جن چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا ان کا بیان ﴾

[۵۶۰] (۱۰) روزہ وہ دن میں نیت کے ساتھ کھانے اور پینے اور جماع سے رکنا ہے۔

تشریح کھانے، پینے اور جماع سے دن میں روزے کی نیت سے رکا رہے تو اس کو روزہ کہتے ہیں۔ ہر جز کی تفصیل اور دلائل پہلے گزر چکے ہیں۔

[۵۶۱] (۱۱) پس اگر روزہ دار نے کھانا کھایا یا پیا یا جماع کیا بھول کر تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

وجہ بھول کر کھانے۔ پینے اور جماع کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ کیونکہ بھول کرنا وغیرہ معاف ہے۔ **عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال اذا فاكل او شرب فليتم صومه فانما اطعمه الله وسقاه** (د) (بخاری شریف، باب الصائم اذا اکل اوشرب ناسیا ص ۲۵۹ نمبر ۱۹۳۳ / ابوداؤد شریف، باب من اکل ناسیا ص ۳۴۳ نمبر ۲۳۹۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بھول سے کھایا یا پیا تو روزہ نہیں ٹوٹا اس کو پورا کرے (۲) **عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال من افطر فی شهر رمضان ناسيا فلا قضاء عليه ولا كفارة وليتم صومه** (ہ) (دار قطنی ۳ کتاب الصوم، ج ثانی ص ۱۵۸ نمبر ۲۲۲۳) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ بھول سے کھایا پیا تو روزہ نہیں ٹوٹا اور نہ اس کی قضا کرنے کی ضرورت ہے۔ اور نہ کفارہ دینے کی ضرورت ہے۔

[۵۶۲] (۱۲) اگر سو گیا اور احتلام ہوا (۲) یا عورت کی طرف دیکھا اور انزال ہوا (۳) یا تیل لگایا (۴) یا پچھنا لگایا (۵) یا سرمہ لگایا (۶) یا بوسہ

حاشیہ : (الف) کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ سفید دھاگا کالے دھاگے سے ظاہر ہو جائے فجر میں سے (یعنی صبح صادق ہو جائے) پھر روزے کو رات تک پورا کرو (ب) حضورؐ کو کہتے سنا تم لوگوں کو بلال کی اذان سحری کھانے سے دھوکا نہ دے اور نہ یہ سفیدی جب تک کہ یہ پھیل نہ جائے (ج) آپؐ نے فرمایا جب رات اس طرف سے آئے اور دن یہاں سے چلا جائے اور سورج غروب ہو جائے تو روزہ دار افطار کرے (د) آپؐ نے فرمایا جب بھول جائے اور کھالے یا پی لے تو اپنا روزہ پورا کرے اس لئے کہ اللہ نے اس کو کھلایا ہے اور اس کو پلایا ہے (ہ) آپ سے منقول ہے جس نے رمضان کے مہینہ میں بھول کر افطار کیا تو اس پر نہ (باقی اگلے صفحہ پر)

نام فاحتلم او نظر الی امرأته فانزل او ادهن او احتجم واکتحل او قبل لم یفطر[۵۶۳](۱۳) فان انزل بقبلة او لمس فعلیه القضاء ولا کفارة علیه.

لیا تو روزہ نہیں ٹوٹا۔

وجہ (۱) روزہ ٹوٹتا ہے کسی چیز کے پیٹ کے اندر یا دماغ کے اندر جانے سے یا جماع کرنے سے، اوپر کی صورتوں میں نہ جماع کرنا پایا گیا اور نہ پیٹ میں یا دماغ میں کوئی چیز گئی ہے اس لئے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ اثر میں ہے (۲) **قال ابن عباس و عکرمة الصوم مما دخل ولیس مما خرج** (الف) (بخاری شریف، باب الحجامۃ والقیئ للصائم ص ۲۶۰ نمبر ۱۹۳۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کوئی چیز داخل ہونے سے روزہ ٹوٹتا ہے کسی چیز کے نکلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ البتہ جماع میں منی نکلتی ہے پھر بھی اس لئے ٹوٹتا ہے کہ اس میں لذت کاملہ ہوتی ہے۔ جس کے ٹوٹنے کے بارے میں حدیث ہے (۳) احتلام ہونے سے نہ ٹوٹنے کے بارے میں یہ حدیث ہے **عن رجل من اصحاب النبی ﷺ قال قال رسول الله لا یفطر من قاء ولا من احتلم ولا من احتجم** (ب) (ابوداؤد شریف، فی الصائم یحتلم نہارا فی شہر رمضان ص ۳۳۰ نمبر ۲۳۷۶ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی الصائم یذرعہ القیئ ص ۱۵۲ نمبر ۷۱۹ / بخاری شریف، باب الحجامۃ والقیئ للصائم، نمبر ۱۹۳۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احتلام ہونے، خود سے قے ہونے اور پچھنا لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اور اسی پر دوسرے مسئلوں کو قیاس کر لیں (۴) سرمہ لگانے سے روزہ نہ ٹوٹنے کی یہ حدیث ہے **عن عائشة قالت ربما اکتحل النبی ﷺ وهو صائم** (ج) (سنن للبیہقی، باب الصائم یکتحل ج رابع ص ۴۳۷، نمبر ۸۲۵۹) **عن انس بن مالک انه کان یکتحل وهو صائم** (د) (ابوداؤد شریف، باب فی الکحل عند النوم، کتاب الصائم ص ۳۳۰ نمبر ۲۳۷۸ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی الکحل للصائم ص ۱۵۴ نمبر ۷۲۶) اس حدیث اور اثر سے معلوم ہوا کہ سرمہ لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ کیونکہ سرمہ لگانے سے دماغ کے اندر کوئی چیز نہیں جاتی ہے۔ بوسہ لینے سے اگر انزال نہیں ہوا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا اس کی یہ حدیث ہے **عن عائشة قالت ان کان رسول الله لیقبل بعض ازواجه وهو صائم ثم ضحکت** (ہ) (بخاری شریف، باب القبلۃ للصائم ص ۲۵۸ نمبر ۱۹۲۸ / ابوداؤد شریف، باب القبلۃ للصائم ص ۳۳۱ نمبر ۲۳۸۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صرف بوسہ لینے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

لغت ادہن : دہن سے مشتق ہے تیل لگایا، احتجم : حجامت سے مشتق ہے پچھنا لگوایا، اکتحل : کحل سے مشتق ہے سرمہ لگایا، قبل : باب تفعیل سے بوسہ لیا۔

[۵۶۳] (۱۳) پس اگر بوسہ لینے سے یا چھونے سے انزال ہو گیا تو اس پر قضا ہے۔ اس پر کفارہ نہیں ہے۔

حاشیہ (پچھلے صفحہ سے آگے) قضا ہے اور نہ کفارہ ہے۔ یعنی روزہ صحیح رہا۔ چاہئے کہ وہ اپنا روزہ پورا کرے (الف) روزہ داخل ہونے سے ٹوٹتا ہے نہ کہ کسی چیز کے نکلنے سے (ب) آپؐ نے فرمایا روزہ نہیں ٹوٹے گا جس نے قے کی، اور نہ جس نے احتلام کیا اور نہ جس نے پچھنا لگوایا (ج) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ کبھی آپؐ سرمہ لگاتے اس حال میں کہ آپؐ روزہ دار ہوتے (د) انس بن مالک سرمہ لگاتے اس حال میں کہ وہ روزہ دار ہوتے (ہ) آپؐ اپنی بعض بیوی کا بوسہ لیتے اس حال میں کہ وہ روزہ دار ہوتے۔ پھر وہ ہنس پڑی۔

[۵۶۴] (۱۴) ولا بأس بالقبلة اذا امن علی نفسه [۵۶۵] (۱۵) ویکرہ ان لم یامن [۵۶۶] (۱۶) وان ذرعه القیئ لم یفطر وان استقاء عامدا ملأ فمه فعلیه القضاء

وجہ چونکہ مکمل جماع صورۃ اور معنیٰ نہیں پایا گیا اس لئے کفارہ لازم نہیں ہوگا۔ کیونکہ کفارہ شبہات سے ساقط ہو جاتا ہے۔ لیکن جماع کی شکل پائی گئی اور منی نکالنے میں اس کو دخل ہے اس لئے قضا لازم ہوگی (۲) اثر میں ہے **عن الحسن فی الرجل یقبل نهارا فی رمضان ... وقال قتادة ان خرج منه الدافق فلیس علیه الا ان یصوم یوما** (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب الرفث واللمس وھو صائم ج رابع ص ۱۹۲ نمبر ۸۴۵۰) (۲) **عن میمونة مولاة النبی ﷺ ان النبی ﷺ سئل عن صائم قبل فقال افطر** (ب) (مصنف ابن ابی شیبة، ۶۰ من کرہ القبلة للصائم ولم یرخص فیھا ج ثانی ص ۳۱۷، نمبر ۹۴۲۶/ ۶۹ ما قالوا فی الصائم یفطر حین یمنی ص ۳۲۲، نمبر ۹۴۷۹)

ان اثر اور حدیث سے معلوم ہوا کہ بوسہ لینے سے انزال ہو جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ کفارہ لازم نہیں ہوگا۔

[۵۶۴] (۱۴) بوسہ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے اگر اپنی ذات پر قابو ہو۔

وجہ پہلے مسئلہ نمبر ۱۲ میں حدیث اور وجہ گزر گئی ہے۔

[۵۶۵] (۱۵) بوسہ لینا مکروہ ہے اگر نفس پر اعتماد نہ ہو۔

وجہ (۱) اگر جوان ہے اور نفس پر اعتماد نہیں ہے تو روزہ کی حالت میں بوسہ لینا مکروہ ہے۔ کیونکہ خطرہ ہے کہ کہیں جماع میں مبتلا نہ ہو جائے۔ اور کفارہ اور قضا نہ کرنا پڑے اس لئے نفس پر قابو نہ ہو تو اس کے لئے بوسہ لینا مکروہ ہے (۲) حدیث میں ہے **عن ابی ھریرۃ ان رجلا سال النبی ﷺ عن المباشرة للصائم فرخص له واتاه اخر فنهاه فاذا الذی رخص له شیخ والذی نهاه شاب** (ج) (ابو داؤد شریف، باب کراہیۃ للشاب ص ۳۳۱ نمبر ۲۳۸۷) حدیث میں جوان کو روکنے کی وجہ یہی تھی کہ اس کو نفس پر قابو نہیں ہے۔ اس لئے مکروہ ہوگا۔

[۵۶۶] (۱۶) اگر کسی کو خود بخود قے آ گئی تو روزہ نہیں ٹوٹا اور اگر قے جان بوجھ کر کی منہ بھر کر تو اس پر قضا ہے۔

وجہ حدیث میں ہے **عن ابی ھریرۃ ان النبی ﷺ قال من ذرعه القیئ فلیس علیه قضاء ومن استقاء عمدا فلیقض** (د) (ترمذی شریف، باب ما جاء فی من استقاء عمدا ص ۱۵۳ نمبر ۷۲۰/ ابو داؤد شریف، باب الصائم یستقی عامدا ص ۳۳۱ نمبر ۲۳۸۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خود بخود قے ہوئی تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ کیونکہ کوئی چیز نکلی ہے داخل نہیں ہوئی ہے۔ لیکن جان کر قے باہر نکالی اور کی تو چونکہ ان کو قے کرنے میں دخل ہے اس لئے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

حاشیہ: (الف) حسن سے آدمی کے بارے میں پوچھا جو رمضان میں دن میں بوسہ لیتا ہو... حضرت قتادہ نے فرمایا اگر اس سے کودنے والا پانی نکل گیا تو اس پر کچھ نہیں ہے مگر یہ کہ ایک دن روزہ رکھے (ب) آپ نے روزہ دار کے بارے میں پوچھا کہ وہ بوسہ لے لے تو فرمایا کہ روزہ ٹوٹ گیا (ج) ایک آدمی نے حضورؐ سے روزہ دار کے لئے مباشرت کے بارے میں سوال کیا تو آپؐ نے اس کو مباشرت کی اجازت دی، اور دوسرا اجازت کے لئے آیا تو آپؐ نے اس کو منع فرمایا۔ پس جس کو اجازت دی وہ بوڑھا تھا اور جس کو روکا وہ جوان تھا (د) آپؐ نے فرمایا جس کو قے آ گئی ہو اس پر قضا نہیں ہے اور جس نے قے کی جان کر تو وہ قضا کرے۔

[۵۶۷](۱۷) ومن ابتلع الحصاۃ او الحدید او النواۃ افطر وقضی[۵۶۸](۱۸) ومن جامع عامدا فی احد السبیلین او اکل او شرب ما یتغذی بہ او یتداوی بہ فعلیہ القضاء

فائدہ امام محمد فرماتے ہیں کہ حدیث میں مطلق قے کرنے سے روزہ ٹوٹنے کا حکم ہے اس لئے تھوڑی قے بھی ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

نوٹ کفارہ لازم اس لئے نہیں ہوگا کہ باضابطہ کھانا کھانا نہیں پایا گیا۔

[۵۶۷] (۱۷) کسی نے کنکری نگلی یا لوہا یا گٹھلی نگلی تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا کرے۔

وجہ اگرچہ یہ چیزیں کھانے کی نہیں ہیں لیکن صورۃً کھانا ہے اس لئے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ لیکن حقیقت میں یہ چیزیں کھانے کی نہیں ہے اس لئے مکمل کھانا نہیں پایا گیا اس لئے کفارہ لازم نہیں ہوگا (۲) اثر میں یہ الفاظ ہیں۔ **عن ابراھیم انہ رخص فی مضغ العلک للصائم مالم یدخلہ حلقہ** (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۱ من رخص فی مضغ العلک للصائم ج ثانی ص ۲۹۷، نمبر ۹۱۷۹) اس اثر میں ہے کہ علک چبائے اور حلق میں نہ جائے تو کوئی حرج نہیں ہے جس کا مفہوم مخالف یہ ہوگا کہ اگر حلق میں گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اور علک دانت صاف کرنے کے لئے چبانے کی چیز ہے۔ عام طور پر غذا یا دوا کے طور پر کھانے کی چیز نہیں ہے۔ اور اسی پر ان تمام چیزوں کو قیاس کیا جائے جو عام طور پر غذا یا دوا کے طور کھانے کی چیز نہیں ہے۔

لغت الحصاۃ : کنکری۔ النواۃ : گٹھلی۔

[۵۶۸] (۱۸) کسی نے جماع کیا جان بوجھ کر دو راستوں میں سے ایک میں یا کھایا یا پیا ایسی چیز جس سے غذا حاصل کی جاتی ہو یا اس سے دوا کی جاتی ہو تو اس پر قضا ہے اور کفارہ ہے۔

تشریح شرمگاہ میں یا پاخانہ کے راستہ میں روزے کی حالت میں جان بوجھ کر جماع کیا تو قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے۔

وجہ ان دونوں مقامات پر شہوت کاملہ ہوتی ہے۔ اس لئے روزہ بھی ٹوٹے گا اور کفارہ بھی لازم ہوگا (۲) حدیث میں ہے **ان ابا ھریرۃ قال بینما نحن جلوس عند النبی ﷺ اذ جاءہ رجل فقال یا رسول اللہ ھلکت قال مالک قال وقعت علی امرأتی وانا صائم فقال رسول اللہ ﷺ ھل تجد رقبۃ تعتقھا قال لا قال فھل تستطیع ان تصوم شھرین متتابعین قال لا قال فھل تجد اطعام ستین مسکینا قال لا قال فمکث الخ** (ب) (بخاری شریف، باب اذا جامع فی رمضان ولم یکن لہ شیء فتصدق علیہ فلیکفر ص ۲۵۹ نمبر ۱۹۳۶ / ابوداؤد شریف، کفارۃ من اتی اہلہ فی رمضان ص ۳۳۲ نمبر ۲۳۹۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رمضان کے روزے میں جماع کر کے روزہ توڑے تو اس پر کفارہ لازم ہے (۳) اور اسی پر کھانے پینے کو قیاس کیا جائے کیونکہ اس صورت میں بھی جان بوجھ کر روزہ

حاشیہ : (الف) ابراہیم سے منقول ہے کہ انہوں نے روزہ دار کو علک چبانے کے بارے میں رخصت دی جب تک کہ وہ حلق میں داخل نہ ہو جائے (ب) اس درمیان کے ہم حضورؐ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اچانک ایک آدمی آیا اور کہنے لگا اے اللہ کے رسول! میں ہلاک ہو گیا۔ آپؐ نے فرمایا کیا ہوا؟ کہا میں نے روزے کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع کر لیا۔ آپؐ نے فرمایا کیا تمہارے پاس غلام ہے جس کو آزاد کر سکو؟ انہوں نے کہا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم طاقت رکھتے ہو کہ دو ماہ مسلسل روزے رکھو؟ انہوں نے فرمایا کہ نہیں۔ آپؐ نے فرمایا کیا کھانا ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھلاؤ؟ انہوں نے کہا نہیں۔

والکفارۃ[۵۶۹] (۱۹)والکفارۃ مثل کفارۃ الظھار[۵۷۰] (۲۰)ومن جامع فیما دون

توڑنا پایا گیا(۴)اس بارے میں مطلق حدیث ہے کہ کسی بھی طرح افطار کرے تو کفارہ لازم ہے۔حدیث میں ہے **عن ابی ھریرۃ ان رجلا افطر فی رمضان فامرہ رسول اللہ ﷺ ان یعتق رقبۃ او یصوم شھرین متتابعین او یطعم ستین سکینا الخ** (الف) (ابو داؤد شریف، کفارۃ من اتی اھلہ فی رمضان ص۳۳۲ نمبر۲۳۹۲) دار قطنی ، باب القبلۃ للصائم ج ثانی ص ۱۷۰ نمبر۲۲۸۳/۲۲۸۴)اس حدیث میں ہے کہ کسی بھی طرح رمضان کا روزہ توڑا ہو چاہے کھا پی کر اس پر کفارہ لازم ہے۔دار قطنی کی حدیث نمبر۲۲۸۴ میں **ان رجلا اکل فی رمضان فامرہ النبی ﷺ ان یعتق رقبۃ الخ** کی عبارت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کھانے سے بھی کفارہ لازم ہوگا۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ صرف جماع سے توڑا ہو تو کفارہ لازم ہوگا۔اور کھا پی کر توڑا ہو تو کفارہ لازم نہیں ہوگا۔صرف قضا لازم ہوگی۔

وجہ پہلی حدیث میں جماع کر کے توڑنے پر کفارہ لازم کیا گیا ہے۔اور دوسری حدیث میں بھی اسی کا جز ہے اس لئے کھانے پینے سے توڑنے کو جماع پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔

فائدہ امام ابو حنیفہ کی ایک روایت یہ ہے کہ پاخانہ کے مقام میں جماع کرنے سے کفارہ لازم نہیں ہوگا کیونکہ اس میں اتنی شہوت پوری نہیں ہوتی جتنی شرمگاہ میں ہوتی ہے(۲)اور جس طرح اس میں جماع کرنے سے حد لازم نہیں ہوتی اسی طرح کفارہ بھی لازم نہیں ہوگا۔

[۵۶۹] (۱۹)اور روزہ توڑنے کا کفارہ ظہار کے کفارہ کی طرح ہے۔

تشریح کفارۂ ظہار غلام آزاد کرنا ہے، وہ نہ ہو تو ساٹھ روز مسلسل روزے رکھنا ہے،اور وہ نہ ہو سکے تو ساٹھ مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔رمضان کا روزہ توڑنے میں بھی یہی کفارہ لازم ہوگا۔

وجہ مسئلہ نمبر۱۸ میں بخاری شریف کی حدیث گزری جس میں کفارہ کی یہ تفصیل موجود تھی۔اسی سے کفارہ کی تفصیل لازم ہے۔اور کفارۂ ظہار کی تفصیل سورہ مجادلۃ ۵۸ آیت نمبر۳ اور۴ میں ہے۔

[۵۷۰] (۲۰) جس نے جماع کیا فرج کے علاوہ میں اور انزال ہوا تو اس پر قضا ہے کفارہ نہیں ہے۔

وجہ یہاں فرج سے مراد شرمگاہ اور پاخانہ کے راستے کے علاوہ ہے۔اس لئے ان دونوں کے علاوہ جگہ مثلا ران وغیرہ میں جماع کیا اور انزال ہوا تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا لازم ہوگی۔کفارہ لازم نہیں ہوگا۔کیونکہ ان مقامات پر شہوت کاملہ نہیں ہے۔حدیث میں ہے **عن میمونۃ مولاۃ النبی ﷺ ان النبی ﷺ سئل عن صائم قبل فقال افطر** (ب)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۶۰ من کرہ القبلۃ للصائم ولم یرخص فیھا ج ثانی ص ۳۱۷،نمبر ۹۴۲۶)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بوسہ لینے سے روزہ ٹوٹ جائے گا تو غیر فرج میں جماع کرے اور انزال ہو جائے تو بدرجۂ اولی روزہ ٹوٹے گا۔کیونکہ یہ تو اعلی درجہ کی حرکت ہوئی (۲) اثر میں ہے **ان ابن مسعود قال فی القبلۃ للصائم قولا**

حاشیہ : (الف) ایک آدمی نے رمضان کے مہینہ میں روزہ توڑا تو حضورؐ نے ان کو حکم دیا کہ غلام آزاد کرے، یا دو ماہ مسلسل روزے رکھے یا ساٹھ مسکین کو کھانا کھلائے۔(ب) آپؐ سے پوچھا گیا روزہ دار کے بارے میں کہ بوسہ لے لے تو کہا روزہ ٹوٹ گیا۔

الفرج فانزل علیه القضاء ولا کفارة علیه[۵۷۱](۲۱) ولیس فی افساد الصوم فی غیر رمضان کفارة [۵۷۲](۲۲) ومن احتقن او استعط او اقطر فی اذنه او داوی جائفة او آمة

شدیدا یعنی یصوم یوما مکانه و ھذا عندنا فیه اذا قبل فانزل (الف)(سنن للبیھقی، باب وجوب القضا علی من قبل فانزل ج رابع ص ۳۹۵، نمبر ۸۱۰۶)اس اثر سے معلوم ہوا کہ فرج کے علاوہ میں جماع کرنے سے منی نکل جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

[۵۷۱](۲۱)رمضان کے علاوہ کے روزے توڑنے میں کفارہ نہیں ہے۔

وجہ (۱) رمضان کا روزہ فرض ہے اس کے علاوہ کا روزہ فرض نہیں ہے۔اور نہ اس کی اتنی اہمیت ہے۔اس لئے رمضان کے علاوہ کا روزہ توڑ دے تو صرف قضا لازم ہوگی۔کفارہ لازم نہیں ہوگا (۲) حدیث میں جو کفارہ کا ذکر ہے وہ رمضان کے روزے توڑنے میں ہے دوسرے روزے میں نہیں۔اس لئے دوسرے روزے کو اس پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔اور کفارہ لازم نہیں ہوگا۔غیر رمضان میں روزہ توڑنے سے کفارہ لازم نہیں ہوگا صرف قضا لازم ہوگی اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن عائشة قالت ... فقال رسول الله ﷺ لا علیکما صوما مکانه یوما آخر** (ابوداؤد شریف، باب من رای علیہ القضاء ص ۳۴۰ نمبر ۲۴۵۷ر ترمذی شریف، باب ماجاء فی ایجاب القضاء علیہ، ص ۱۵۵، نمبر ۷۳۵)اس حدیث میں نفلی روزہ توڑنے پر صرف قضا لازم کی گئی ہے۔

[۵۷۲](۲۲) جس نے حقنہ لیا یا ناک میں دوا ڈالی یا کان میں قطرہ ٹپکایا یا پیٹ کے زخم کی دوا کی یا دماغ کے زخم کی تر دوا کی اور وہ پیٹ تک پہنچ گئی یا دماغ تک پہنچ گئی تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

وجہ کوئی بھی کھانے پینے کی چیز یا دوا کی چیز دماغ تک یا آنت تک پہنچ جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔اوپر کی صورتوں میں منفذ اور سوراخ کے ذریعہ دوا یا پانی آنت اور دماغ تک پہنچ رہے ہیں اس لئے روزہ ٹوٹ جائے گا (۲) اثر میں ہے **قال ابن عباس و عکرمة الصوم مما دخل ولیس مما خرج** (بخاری شریف، باب الحجامة والقیئ للصائم ص ۲۶۰ نمبر ۱۹۳۸ر سنن للبیھقی، باب الافطار بالطعام وبغیر الطعام اذا ازدردہ عامدا او بالسعوط والاحتقان وغیر ذلک مما یدخل جوفه باختیارہ ج رابع ص ۲۶۱)اس اثر سے معلوم ہوا کہ کوئی چیز داخل ہو جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا اور داخل ہونے کا مطلب پیٹ میں یا دماغ میں داخل ہونا ہے جو اصل ہیں۔حقنہ کے بارے میں اثر موجود ہے **عن الثوری قال یفطر الذی یحتقن بالخمر ولا یضرب الحد** (ب)(مصنف عبد الرزاق، باب الحقنة فی رمضان والرجل یصیب اہلہ ج رابع ص ۱۹۹ نمبر ۷۴۷۸)**عن عطاء کرہ ان یستدخل الانسان شیئا فی رمضان بالنھار فان فعل فلیبدل یوما ولا یفطر ذلک الیوم** (ج)(مصنف عبد الرزاق، باب الحقنة فی رمضان والرجل یصیب اہلہ ص ۱۹۹ نمبر ۷۴۷۷)اس

حاشیہ : (الف) حضرت عبد اللہ ابن مسعود نے روزہ دار کے لئے بوسہ لینے کے بارے میں سخت بات کہی۔یعنی اس کی جگہ ایک روزہ رکھے گا اور یہ ہمارے نزدیک اس وقت ہے جب بوسہ لے اور انزال ہو جائے (ب) حضرت ثوری سے منقول ہے کہ فرمایا روزہ ٹوٹ جائے گا اس کا جس نے شراب کے ذریعہ حقنہ لگوایا لیکن حد نہیں لگائی جائے گی (ج) حضرت عطاء سے منقول ہے کہ مکروہ ہے کہ انسان کوئی چیز رمضان کے دن میں داخل کرے۔پس اگر کیا تو ایک دن بدل لے یعنی دوسرے دن روزہ رکھے اور اس دن افطار نہ کرے۔

بدواء رطب فوصل الی جوفه او دماغه افطر [۵۷۳](۲۳) وان اقطر فی احلیله لم یفطر عند ابی حنفة و محمد وقال ابو یوسف یفطر [۵۷۴](۲۴) ومن ذاق شیئا بفمه لم یفطر ویکره له ذلک.

اثر سے معلوم ہوا کہ کوئی چیز بدن میں داخل کرنے سے دوسرے دن روزہ قضا رکھے۔البتہ اس دن بھی روزہ پورا کرے چھوڑے نہیں۔

لغت اختقن : پاخانہ کے راستے سے دوا پیٹ میں ڈالنا۔ آمۃ : دماغ کا گہرا زخم جو دماغ کے اندر تک پہنچ رہا ہو۔ رطب : تر۔تر دوا کی قید اس لئے لگائی کہ تر دوا زخم کی رطوبت کے ساتھ مل کر پیٹ یا دماغ تک پہنچ جاتی ہے۔جب کہ خشک دوا زخم کی رطوبت کو اور مزید خشک کر دیتی ہے اس لئے وہ آنت تک نہیں پہنچ پاتی۔اس لئے خشک کے لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

فائدہ صاحبین کے نزدیک تر دوا لگانے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا کیونکہ آنت تک پہنچنا اور دماغ تک پہنچنا کوئی یقینی نہیں ہے۔

اصول دوا یا غذا دماغ یا پیٹ تک پہنچ جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

[۵۷۳](۲۳) اگر پیشاب گاہ میں قطرہ ڈالا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اور امام ابو یوسف نے فرمایا روزہ ٹوٹ جائے گا۔

وجہ امام ابو حنیفہ کا نظریہ یہ ہے کہ پیشاب گاہ کے سوراخ کا منفذ آنت تک نہیں ہے۔بلکہ درمیان میں مثانہ حائل ہے اس سے مترشح ہو کر پیشاب آتا ہے۔اس لئے کوئی دوا یا پانی پیشاب گاہ کے سوراخ میں ڈالے تو وہ آنت تک نہیں پہنچے گی۔اس لئے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

فائدہ امام ابو یوسف کا نظریہ یہ ہے کہ پیشاب گاہ کا سوراخ برارہ راست آنت تک پہنچتا ہے۔اسی لئے آنت میں گیا ہوا پانی پیشاب کے راستہ سے نکلتا ہے۔اس لئے جو پانی یا دوا پیشاب گاہ کے سوراخ میں ڈالے گا وہ آنت تک پہنچ جائے گی۔اس لئے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

نوٹ اس مسئلہ کا دارو مدار ڈاکٹری تحقیق پر ہے اور ڈاکٹری تحقیق یہ ہے کہ پیشاب گاہ کا سوراخ برارہ راست آنت تک نہیں ہے اس لئے طرفین کے مسلک کے موافق روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

لغت احلیل : پیشاب گاہ کا سوراخ۔

[۵۷۴](۲۴) اگر کسی نے منہ سے کچھ چکھ لیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا لیکن یہ مکروہ ہے۔

وجہ صرف منہ سے چکھنے سے پیٹ میں کوئی چیز نہیں گئی اس لئے روزہ نہیں ٹوٹے گا لیکن ممکن ہے کہ کبھی کوئی چیز پیٹ میں چلی جائے اور روزہ ٹوٹ جائے اس لئے بغیر ضرورت کے ایسا کرنا مکروہ ہے (۲) اثر میں ہے **عن ابن عباس قال لا بأس ان یتطاعم الصائم بالشیء یعنی المرقة و نحوها** (الف) (سنن للبیھقی، باب الصائم یذوق شیئا ج رابع ص ۴۳۵، نمبر ۸۲۵۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ شوربہ وغیرہ چکھنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا بشرطیکہ پیٹ میں کوئی چیز نہ جائے۔

حاشیہ : (الف) حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ روزہ دار کوئی چیز چکھے یعنی شوربہ وغیرہ۔

[۵۷۵] (۲۵) ویکرہ للمرأۃ ان تمضغ لصبیھا الطعام اذا کان لھا منہ بد[۵۷۶] (۲۶) ومضغ العلک لا یفطر الصائم ویکرہ[۵۷۷](۲۷) ومن کان مریضا فی رمضان فخاف

[۵۷۵](۲۵)عورت کے لئے مکروہ ہے کہ اپنے بچے کے لئے کھانا چبائے جب کہ اس کے لئے کوئی راستہ موجود ہو۔

تشریح اگر بچے کے کھانے کو چبانے کی ضرورت نہیں ہے تو اس کو چبانا مکروہ ہے۔ اور اگر اشد ضرورت پڑ جائے تو چبا سکتی ہے بشرطیکہ پیٹ میں کھانا نہ جائے۔

وجہ اثر میں ہے **عن ابراھیم قال لا بأس ان تمضغ المرأۃ لصبیھا وھی صائمۃ مالم تدخل حلقھا** (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ، ۵۰ فی الصائمۃ تمضغ لصبیھا ج ثانی ص ۳۰۶، نمبر ۹۲۹۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ضرورت پڑے تو عورت اپنے بچے کے لئے کھانا چبا سکتی ہے۔ بشرطیکہ اس کے حلق میں کھانا نہ پہنچے۔

لغت مضغ : چبانا۔

[۵۷۶](۲۶)علک کے چبانے سے روزہ دار کا روزہ نہیں ٹوٹے گا لیکن مکروہ ہے۔

وجہ علک دانت صاف کرنے کے لئے عورتیں چباتی ہیں۔ اس لئے اگر صرف دانت صاف کرنے کے لئے چبا کر پھینک دیا اور حلق میں اس کا دانہ نہیں گیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ کیونکہ پیٹ میں کوئی چیز نہیں گئی لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے (۲) اثر میں ہے **عن ابراھیم انہ رخص فی مضغ العلک للصائم مالم یدخلہ حلقہ** (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ، ۳۱ من رخص فی مضغ العلک للصائم ، ج جلد ثانی ، ص ۲۹۷، نمبر ۹۱۷۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ علک چبانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا بشرطیکہ کوئی چیز حلق میں نہ جائے۔

لغت العلک : چبانے کا گوند۔

[۵۷۷](۲۷) جو رمضان میں بیمار ہو، پس خوف کرتا ہو کہ اگر وہ روزہ رکھے گا تو اس کا مرض بڑھ جائے گا تو افطار کرے اور قضا کرے،

تشریح بیمار کو روزہ رکھنے سے بیماری بڑھنے کا خطرہ ہو تو روزہ توڑ سکتا ہے اور بعد میں قضا کرے۔

وجہ یہ آیت ہے **فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ ومن کان مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر** (ج) (آیت ۱۸۵ سورۃ البقرۃ ۲) آیت سے معلوم ہوا کہ مرض ہو یا سفر ہو تو روزہ توڑے گا اور دوسرے دنوں میں اس کی قضا کرے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک جان جانے کا یا عضو جانے کا خطرہ ہو تب افطار کرنے کی اجازت ہوگی۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیم نے فرمایا کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ عورت اپنے بچے کے لئے چبائے اس حال میں کہ وہ روزہ دار ہو۔ جب تک کہ اس کے حلق میں کوئی چیز داخل نہ ہو جائے (ب) حضرت ابراہیم سے منقول ہے کہ روزہ دار کے لئے علک چبانے میں رخصت دی۔ بشرطیکہ اس کے حلق میں کچھ داخل نہ ہو جائے (ج) جس کو رمضان کا مہینہ ملے اس کو روزہ رکھنا چاہئے۔ اور جو بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دن گنیں۔ اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتے ہیں۔ اللہ تمہارے ساتھ تنگی نہیں چاہتے۔

ان صام ازداد مرضة افطر وقضى [۵۷۸](۲۸) وان كان مسافرا لا يستضر بالصوم فصومه افضل وان افطر و قضى جاز [۵۷۹](۲۹) وان مات المريض اوالمسافر وهما

[۵۷۸](۲۸) اگر مسافر ہے اور روزہ اس کو نقصان نہیں دیتا ہے تو اس کو روزہ رکھنا افضل ہے۔ اور اگر روزہ توڑ دیا اور قضا کیا تو بھی جائز ہے

وجہ (۱) حدیث میں ہے عن ابن عباس قال خرج رسول الله ﷺ من المدينة الى مكة فصام حتى بلغ عسفان ثم دعا بماء فرفعه الى يده ليره الناس فافطر حتى قدم مكة وذلک فی رمضان فكان ابن عباس يقول قد صام رسول الله وافطر ممن شاء صام ومن شاء افطر (الف) (بخاری شریف، باب من افطر فی السفر لیراہ الناس ص ۲۶۱ نمبر ۱۹۴۸ رمسلم شریف، باب جواز الصوم والافطار فی شہر رمضان للمسافر ص ۱۱۱۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشقت نہ بھی ہو تب بھی مسافر کے لئے گنجائش ہے کہ افطار کرے یا روزہ رکھے (۲) سفر میں عموما مشقت ہوتی ہے اس لئے سفر کو مشقت کے درجہ میں رکھ دیا اس لئے مسافر کو روزہ رکھنے میں مشقت نہ بھی ہو تب بھی افطار کر سکتا ہے۔ اور مشقت نہ ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے کیونکہ رمضان کی فضیلت بہت بڑی چیز ہے جو بعد میں نہیں ملے گی (۲) بعد میں تنہا روزہ قضا کرنے میں پریشانی ہوتی ہے اس لئے بہتر ہے کہ ابھی سب کے ساتھ ادا کر لے۔ حدیث میں ہے عن ابی درداء قال خرجنا مع رسول الله ﷺ فی شهر رمضان فی حر شديد حتى كان احدنا ليضع يده على رأسه من شدة الحر وما فينا صائم الا رسول الله ﷺ وعبد الله بن رواحة (ب) (مسلم شریف، باب جواز الصوم والفطر فی شہر رمضان للمسافر ص ۳۵۷ نمبر ۱۱۲۲ رابوداؤد شریف، باب فی اختیار الصیام ص ۳۳۴ نمبر ۲۴۰۹) اس حدیث میں سخت گرمی کے باوجود حضورؐ اور عبداللہ بن رواحہ نے روزہ رکھا۔ اسی لئے کہ رمضان میں مشقت شدیدہ نہ ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے۔

نوٹ مشقت شدیدہ ہو تو افطار کرنا بہتر ہے۔ حدیث میں ہے عن جابر بن عبد الله عن النبي ﷺ راى رجلا يظلل عليه والزحام عليه فقال ليس من البر الصيام فی السفر (ج) (ابوداؤد شریف، باب اختیار الفطر ص ۳۳۴ نمبر ۲۴۰۷ رمسلم شریف، باب جواز الصوم فی شہر رمضان للمسافر ص ۳۵۶ نمبر ۱۱۱۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشقت شدیدہ میں افطار کرنا افضل ہے۔

لغت یستضر : ضر سے مشتق ہے نقصان دینا۔

[۵۷۹](۲۹) اگر مریض اور مسافر مر گئے اور دونوں اپنی اپنی حالت پر تھے تو ان دونوں کو قضا لازم نہیں ہے۔

تشریح مریض کا مثلا دس روز رمضان کے روزے چھوٹے تھے اور ابھی مرض کی ہی حالت میں تھا، اس کو اس روزے کی قضا کرنے کا موقع

حاشیہ : (الف) آپؐ مدینہ سے مکہ کی طرف نکلے۔ پس روزہ رکھا یہاں تک کہ مقام عسفان پہنچے پھر پانی منگوایا اور اس کو اپنے ہاتھ کی طرف اٹھایا تا کہ لوگ دیکھ لیں اور آپؐ نے روزہ توڑا۔ یہاں تک کہ مکہ تشریف لائے اور یہ رمضان کے مہینہ میں تھا۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے سفر میں روزہ بھی رکھا اور افطار بھی کیا۔ پس جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے افطار کرے (ب) ہم حضورؐ کے ساتھ رمضان کے مہینہ میں سخت گرمی میں نکلے۔ یہاں تک کہ ہم میں سے ایک سخت گرمی کی وجہ سے اپنے ہاتھ کو اپنے سر پر رکھتا تھا۔ ہم میں سے کوئی روزہ دار نہیں تھا سوائے رسول اللہ ﷺ اور عبداللہ بن رواحہ کے (ج) آپؐ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس پر سایہ کیا جا رہا تھا اور اس پر بھیڑ تھی تو آپؐ نے فرمایا سفر میں روزہ رکھنا نیکی میں نہیں ہے (یعنی مشقت شدیدہ ہو تو)

وهما علی حالهما لم یلزمهما القضاء [۵۸۰](۳۰) وان صح المریض او اقام المسافر ثم ماتا لزمهما القضاء بقدر الصحة والاقامة[۵۸۱] (۳۱) وقضاء رمضان ان شاء فرقه وان

نہیں ملا اور انتقال ہوگیا تو اس دس روزے کا کفارہ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

وجہ کیونکہ رمضان میں اس کے لئے روزہ رکھنا معاف تھا۔اور بعد میں اس کو موقع ہی نہیں ملا کہ قضا کر سکے اس لئے اس دس روزے کی قضا کرنا لازم نہیں۔اور اب موت کے بعد قضا تو نہیں کر سکے گا تو اس کے بدلے ورثہ پر فدیہ دینا بھی لازم نہیں ہوگا۔یہی حال مسافر کا ہے کہ سفر میں کچھ روزے چھوٹے تھے اور ابھی سفر کی حالت میں تھا کہ انتقال ہوگیا تو چھوٹے ہوئے دنوں کا فدیہ ورثہ پر دینا لازم نہیں ہوگا۔

اصول قضا کا وقت نہ ملے تو قضا کرنا لازم نہیں ہے۔

[۵۸۰] (۳۰) اگر مریض تندرست ہو جائے یا مسافر مقیم ہو جائے پھر دونوں مر جائے تو دونوں کی صحت کی مقدار اور اقامت کی مقدار قضا لازم ہوگی۔

تشریح مثلا مرض کی حالت میں دس روز رمضان کے روزے چھوٹے تھے۔اب وہ پانچ روز صحت یاب ہوا اور روزہ قضا کر سکتا تھا لیکن قضا نہیں کیا اور انتقال ہوگیا تو پانچ روز کی قضا لازم ہے۔لیکن موت کے بعد قضا نہیں کر سکتا تو ورثہ پر ان پانچ روزوں کا فدیہ دینا لازم ہوگا۔یہی حال مسافر کا ہے۔

وجہ آیت میں ہے **ومن کان مریضا او علی سفر فعدة من ایام اخر** (الف) (آیت ۱۸۵ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ رمضان میں روزہ نہ رکھ سکے تو جب فرصت ہو تو روزہ رکھے۔اور اس کو فرصت ہو چکی تھی، تندرستی آچکی تھی اس لئے روزہ رکھنا چاہئے تھا۔اور نہیں رکھا تو قضا لازم ہوگی (۲) حدیث میں ہے **عن عبادة بن نسی قال قال النبی ﷺ من مرض فی رمضان فلم یزل مریضا حتی مات لم یطعم عنه وان صح فلم یقضه حتی مات اطعم منه** (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب المریض فی رمضان وقضاءٗ ج رابع ص ۲۳۷ نمبر ۷۶۳۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پہلے رمضان کی قضا کرنا چاہئے۔اور نہ کر سکا تو ورثہ اس کا فدیہ دیں گے۔کیونکہ قضا کا وقت ملا تھا۔

[۵۸۱] (۳۱) قضاء رمضان چاہے تو الگ الگ کر کے رکھے چاہے تو مسلسل رکھے۔

تشریح مثلا دس روز رمضان کے روزے قضا ہوئے تھے تو یہ بھی جائز ہے کہ مسلسل دس روز روزے رکھ کر پورے کرے اور یہ بھی جائز ہے کہ دو روز رکھے پھر کچھ دنوں کے بعد چار روزے رکھے اور تفریق کر کے دس روز پورے کرے۔

وجہ **عن ابن عمر ان النبی ﷺ قال فی قضاء رمضان ان شاء فرق وان شاء تابع** (ج) (دار قطنی، ۴ باب القبلۃ للصائم ص

حاشیہ : (الف) جو مریض ہو یا سفر میں ہو وہ دوسرے دنوں میں روزہ رکھ کر گنیں (ب) آپ ؐ نے فرمایا جو رمضان میں بیمار ہوا اور ہمیشہ بیمار ہی رہا یہاں تک کہ اس کا انتقال ہوگیا تو اس کی جانب سے کھانا نہیں کھلائے گا۔اور اگر تندرست ہوا اور ادا نہیں کیا یہاں تک کہ مر گیا تو اس کی جانب سے کھانا کھلائے گا (ج) آپ ؐ نے قضائے رمضان کے بارے میں فرمایا اگر چاہے تو الگ الگ قضا کرے اور چاہے تو مسلسل قضا کرے۔

شاء تابعه[۵۸۲] (۳۲)وان اخره حتی دخل رمضان آخر صام رمضان الثانی وقضی الاول بعده ولا فدیة علیه[۵۸۳] (۳۳) والحامل والمرضع اذا خافتا علی ولدیهما

۴ ۱۷نمبر ۲۳۰۵/۲۳۰۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تفریق کر کے اور مسلسل رکھ کر قضا کرنا دونوں کی گنجائش ہے۔البتہ مسلسل روزہ رکھ کر جلدی فرض سے سبکدوش ہونا زیادہ بہتر ہے۔

وجہ حدیث میں ہے **عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ من کان علیه صوم من رمضان فلیسرده ولا یقطعه** (الف) (دار قطنی ۴ باب القبلۃ للصائم ج ثانی ص ۱۷۱ نمبر ۲۲۸۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ منقطع نہ کرے بلکہ مسلسل روزہ رکھ کر جلدی اس کو پورا کرے۔

[۵۸۲] (۳۲) رمضان کی قضا کو مؤخر کرتا رہا یہاں تک کہ دوسرا رمضان آ گیا تو دوسرے رمضان کا روزہ رکھے گا اور پہلے رمضان کی قضا بعد میں کرے گا اور اس پر کوئی فدیہ نہیں ہے۔

تشریح ایک آدمی پر رمضان کے کچھ روزے قضا تھے لیکن سستی سے اس کو مؤخر کرتا رہا یہاں تک کہ دوسرے سال کا رمضان آ گیا تو دوسرے سال کے رمضان کے روزے ابھی ادا کرے گا اور پہلے سال کی قضا اس رمضان کے بعد کرے گا۔

وجہ (۱) پہلے سال کے روزے قضا ہو ہی گئے ہیں۔اب دوسرے سال کو مؤخر کرتے ہیں تو یہ بھی قضا ہو جائیں گے۔اس لئے دوسرے سال کے روزے کو اپنے وقت پر ادا کرے اور پہلے سال کے روزے کی قضا کو بعد میں قضا کرے (۲) اثر میں ہے **عن ابی هریرة قال ان انسانا مرض فی رمضان ثم صح فلم یقضه حتی ادرکه شهر رمضان اخر فلیصم الذی احدث ثم یقضی الآخر ویطعم مع کل یوم مسکینا** (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب المریض فی رمضان وقضاءہ ج رابع ص ۲۳۴ نمبر ۷۶۲۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ دوسرے رمضان کے روزے پہلے ادا کرے گا اور پہلے رمضان کے روزے بعد میں قضا کرے گا۔اور فدیہ اس لئے لازم نہیں ہوگا کہ قضا ہونے کے بعد کبھی بھی قضا کرے وہ قضا ہی ہے اس لئے اس پر کوئی فدیہ نہیں ہے۔اثر میں ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھلانے کا جو تذکرہ ہے بطور استحباب کے ہے۔بطور فدیہ اور وجوب کے نہیں ہے۔

[۵۸۳] (۳۳) حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت اگر اپنے بچوں پر خوف کرے تو افطار کرے اور قضا کرے اور ان دونوں پر فدیہ نہیں ہے

وجہ چونکہ یہ دونوں عورتیں بعد میں قضا کر سکتی ہیں اس لئے ان دونوں پر فدیہ نہیں ہے۔تاخیر کے ساتھ روزے قضا ہی کریں گی۔اور شیخ فانی کو اب تندرست ہونے کی امید نہیں ہے اس لئے وہ فدیہ دیں گے۔البتہ چونکہ بچہ ضائع ہو جانے کا خوف ہے اس لئے یہ عورتیں بیمار اور مسافر کے درجے میں ہوئیں اس لئے ابھی افطار کریں گی اور بعد میں قضا کریں گی (۲) حدیث میں ہے **عن انس بن مالک رجل من بنی**

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جس پر رمضان کے روزے ہوں تو اس کو مسلسل رکھے اور درمیان میں منقطع نہ کرے (ب) حضرت ابو ہریرہ سے منقول ہے کہ انسان رمضان میں بیمار ہو جائے پھر تندرست ہو۔پس قضا نہیں کیا یہاں تک کہ دوسرا رمضان آ گیا تو روزہ رکھے اس کا جو ابھی آیا پھر پہلے رمضان کا بعد میں قضا کرے۔اور ہر دن کے بدلے مسکین کو کھانا کھلائے۔

افطرتا وقضتا ولا فدية عليهما[۵۸۴] (۳۴) والشيخ الفانى الذى لا يقدر على الصيام

عبد الله بن كعب ... احدثک عن الصوم او الصيام ان الله وضع عن المسافر شطر الصلوة وعن الحامل او المرضع الصوم او الصيام قالها النبی ﷺ کلیهما او احدهما (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الرخصة فی الافطار للحبلی والمرضع ص۱۵۲ نمبر ۷۱۵/ابوداؤد شریف، باب من قال ھی مثبتة للشیخ والحبلی ص۳۲۴ نمبر ۲۳۱۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتوں پر روزہ نہیں ہے۔اور بعد میں قضا کرے گی اور فدیہ نہیں دے گی۔اس کی وجہ یہ اثر ہے عن ابن عباس قال تفطر الحامل والمرضع فی رمضان وتقضيان صياما ولا تطعمان (ب) (مصنف ابن عبدالرزاق، باب الحامل والمرضع ج رابع ص ۲۱۸ نمبر ۷۵۶۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ وہ فدیہ نہیں دیگی بلکہ قضا کرے گی (۲) چونکہ وہ بعد میں قضا کرنے کی طاقت رکھتی ہے اس لئے قضا ہی کرے گی۔فدیہ تو اس وقت ہوتا ہے جب زندگی بھر اس کو قضا نہ کر سکے۔جیسے شیخ فانی زندگی بھر روزہ کو قضا نہیں کر سکتا۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حاملہ اور مرضعہ فدیہ دیگی اور قضا نہیں کرے گی۔ان کی دلیل یہ اثر ہے عن سعيد بن جبير قال تفطر الحامل التى فى شهرها والمرضع التى تخاف على ولدها تفطران وتطعمان كل واحدة منهما كل يوم مسكينا ولا قضاء عليهما (ج) (مصنف عبدالرزاق، باب الحامل والمرضع ج رابع ص۲۱۶ نمبر ۷۵۵۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حاملہ اور مرضعہ عورت ہر دن کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلائے گی اور قضا نہیں کرے گی۔انکی دلیل یہ آیت بھی ہے وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين (د) (آیت ۱۸۴ سورۃ البقرۃ) آیت سے معلوم ہوا کہ جو طاقت نہ رکھتے ہوں وہ فدیہ دیں گے۔اس آیت میں شیخ فانی داخل ہیں۔لیکن ابن عباس کے قول کے مطابق حاملہ اور مرضعہ بھی داخل ہیں۔ عن ابن عباس وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين قال كانت رخصة للشيخ الكبير والمرأة الكبيرة وهما يطيقان الصيام ان يفطرا ويطعما مكان كل يوم مسكينا والحبلى والمرضع اذا خافتا (ہ) (ابوداؤد شریف، باب من قال ھی مثبتة للشیخ والحبلی ص۳۲۴ نمبر ۲۳۱۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حبلہ اور مرضعہ بھی ہر دن کے روزے کے بدلے فدیہ دیں گی۔

[۵۸۴] (۳۴) اور شیخ فانی جو رزے پر قدرت نہ رکھتا ہو افطار کرے گا۔اور ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائے گا جیسا کہ کفارات میں کھلاتے ہیں۔

حاشیہ : (الف) عبداللہ بن کعب فرماتے ہیں...میں تم سے حدیث بیان کرتا ہوں کہ آپؐ نے صوم فرمایا یا صیام فرمایا کہ اللہ نے مسافر سے نماز کا آدھا حصہ ساقط فرمایا اور حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت سے روزہ ساقط فرمایا۔حضورؐ نے صوم یا صیام دونوں کہا یا دونوں میں سے ایک کہا (ب) ابن عباس فرماتے ہیں کہ حاملہ اور مرضعہ رمضان میں افطار کرے گی اور روزے کی قضا کرے گی اور کھلائے گی نہیں (ج) سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ حاملہ جو رمضان کے مہینہ میں ہو اور دودھ پلانے والی جو اپنے بچے پر خوف کرتی ہو اور دونوں میں سے ہر ایک ہر دن کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلائے گی اور دونوں پر قضا نہیں ہے (د) جو لوگ روزہ کی طاقت نہیں رکھتے ہیں وہ ایک مسکین کے کھانے کا فدیہ دے (ہ) حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ آیت وعلی اللذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین، فرمایا بہت بوڑھے کے لئے اور بڑی عورت کے لئے رخصت تھی کہ وہ طاقت رکھتے ہوں روزے کی پھر بھی افطار کرے اور ہر دن کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔اور حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتیں بھی اگر خوف کرتی ہوں تو ان کا بھی یہ حال ہے۔

يفطر ويطعم لكل يوم مسكينا كما يطعم فى الكفارات [٥٨٥](٣٥) ومن مات وعليه قضاء رمضان فاوصى به اطعم عنه وليه لكل يوم مسكينا نصف صاع من بر او صاعا من تمر او شعير[٥٨٦](٣٦) ومن دخل فى صوم التطوع ثم افسده قضاه.

وجه (١)اوپر آیت گزر گئی جس میں تھا کہ جو طاقت نہ رکھتا ہو وہ ہر روز کے بدلے میں کفارہ ایک مسکین کا کھانا دے۔اثر میں ہے عن ابن عباس انه كان يقرأها وعلى الذين يطيقونه ويقول هو الشيخ الكبير الذى لا يستطيع الصيام فيفطر ويطعم عن كل يوم مسكينا نصف صاع من حنطة (الف)(مصنف عبد الرزاق، باب الشيخ الكبیر ج رابع ص ۲۲۱ نمبر ۷۵۷۴/بخاری شریف، باب قوله تعالى اياما معدودات فمن كان منكم مريضا الخ ج ثانی ص ٦٤٧ کتاب التفسیر، نمبر ۴۵۰۵)اس اثر سے معلوم ہوا کہ شیخ فانی قضا نہیں کرے گا۔اور ہر دن کے بدلے آدھا صاع گیہوں مسکین کو فدیہ دے گا۔

[٥٨٥](٣٥)جو مر گیا اور اس پر رمضان کی قضا ہو پس اس نے اس کی وصیت کی تو اس کی جانب سے اس کا ولی کھلائے گا ہر دن کے بدلے میں ایک مسکین کو آدھا صاع گیہوں یا ایک صاع کھجور یا جو،

تشریح کوئی مر گیا اور اس پر رمضان کا روزہ قضا تھا اور اس نے اس کی ادائیگی کی وصیت بھی کی تو ولی اس کی قضا میں ہر دن کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلائے جس کی مقدار آدھا صاع گیہوں ہوگی۔

وجه (١)عن ابن عمر عن النبى ﷺ قال من مات وعليه صيام شهر فليطعم عنه مكان كل يوم مسكينا (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الکفارة ص۱۵۲ نمبر ۷۱۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میت کی جانب سے ہر دن کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلائے گا

فائدہ امام احمد فرماتے ہیں کہ ولی اس کی جانب سے روزہ رکھ کر قضا کرے گا۔

وجه اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن عائشة ان النبى ﷺ قال من مات وعليه صيام صام عنه وليه (ب)(ابوداؤد شریف، باب فیمن مات وعلیہ صیام ص۳۳۲ نمبر ۲۴۰۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ولی میت کی جانب سے روزے رکھے گا۔

نوٹ اگر میت نے وصیت کی تب ولی پر فدیہ دینا واجب ہے۔اگر وصیت نہیں کی تو ولی پر فدیہ دینا واجب نہیں ہے۔

[٥٨٦](٣٦)جو نفلی روزے میں داخل ہوا پھر اس کو توڑ دیا تو قضا کرے گا۔

وجه (١)نفل شروع کرنے سے پہلے پہلے نفل رہتا ہے۔شروع کرنے کے بعد وہ نذر نفلی ہو جاتا ہے۔اور نذر کو پورا کرنا واجب ہے اس لئے وہ واجب ہو جاتا ہے(٢)حدیث میں ہے عن عائشة قالت اهدى لى ولحفصة طعام وكنا صائمتين فافطرنا ثم دخل رسول الله فقلنا له يا رسول الله انا اهديت لنا هدية فاشتهيناها فافطرنا فقال رسول الله لا عليكما صوما مكانه يوما آخر

حاشیہ : (الف)حضرت ابن عباسؓ 'وعلى الذين يطيقونه' آیت پڑھتے اور فرماتے کہ بہت بوڑھے جو روزے کی طاقت نہ رکھتے ہوں افطار کرے اور ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو آدھا صاع گیہوں کھانے دے(ب)آپؐ نے فرمایا جو مر جائے اور اس پر روزہ ہو تو اس کا ولی اس کی جانب سے روزہ رکھے۔

[۵۸۷](۳۷) و اذا بلغ الصبی او اسلم الکافر فی رمضان امسکا بقیة یومھما و صاما بعدہ

(الف) (ابوداؤد شریف، باب من رای علیہ القضاء، کتاب الصوم ص ۳۴۰ نمبر ۲۴۵۷ر ترمذی شریف، باب ماجاء فی ایجاب القضاء علیہ، کتاب الصوم ص ۱۵۵ نمبر ۷۳۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفلی روزہ توڑ دے تو اس کے بدلے میں روزہ رکھے کیونکہ گویا کہ نذر نفلی کو توڑا۔ حدیث میں بتایا گیا ہے کہ اس کی جگہ دوسرا روزہ رکھو۔

نوٹ اسی پر نفلی نماز کو بھی قیاس کیا جائے گا کہ وہ بھی توڑ دے تو قضا کرنا لازم ہوگا۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ نفلی روزہ یا نفلی عبادت توڑ دے تو اس کی قضا لازم نہیں ہے۔

وجہ (۱) یہ تبرع ہے اور تبرع میں لزوم نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے نفلی روزہ یا نفلی عبادت توڑ دے تو قضا لازم نہیں۔ البتہ قضا کرے تو بہتر ہے (۲) حدیث میں ہے عن ام ھانی قالت لما کان یوم الفتح ... فقالت یا رسول اللہ لقد افطرت و کنت صائمة فقال لھا اکنت تقضین شیئا قالت لا قال فلا یضرک ان کان تطوعا (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی الرخصة فیہ ای فی الصوم ص ۳۴۰ نمبر ۲۴۵٦ر ترمذی شریف، باب ماجاء فی افطار الصائم المتطوع ص ۱۵۵ نمبر ۷۳۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفلی روزہ ہو تو توڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے (۲) دار قطنی میں ہے۔ عن ام ھانی قالت قال رسول اللہ ﷺ ... ان کان قضاء من رمضان فصومی یوما مکانہ و ان کان تطوعا فان شئت فاقضیہ و ان شئت فلا تقضیہ (ج) (دار قطنی ۳ باب، ج ثانی، کتاب الصوم ص ۱۵۴ نمبر ۲۲۰٦ر سنن للبیھقی، باب التخییر فی القضاء ان کان صومہ تطوعا ج رابع ص ۴۷۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفلی روزہ توڑنے کے بعد چاہے تو قضا کرے چاہے تو نہ کرے۔

[۵۸۷] (۳۷) رمضان میں بچہ بالغ ہو جائے یا کافر مسلمان ہو جائے تو دن کا باقی حصہ رکے رہیں اور اس کے بعد والے دن کی قضا کریں اور جو دن گزر چکے ہیں اس کی قضا نہ کریں۔

تشریح جس دن بالغ ہوا یا جس دن مسلمان ہوا اس دن سے روزہ ان پر فرض ہوا اس لئے اس کے بعد والے دن کی قضا کریں گے۔ اور جس وقت بالغ یا مسلمان ہوا اس وقت سے لیکر دن کے باقی حصے میں کھانا نہ کھائے اور نہ پانی پیئے تاکہ رمضان کا احترام باقی رہے۔ اور اس دن سے پہلے جو دن گزر گئے اس کا روزہ ان پر فرض نہیں ہوا تھا کیونکہ وہ بالغ نہیں ہوا تھا یا مسلمان نہیں ہوا تھا۔ اس لئے گزرے ہوئے دنوں کی قضا ان پر لازم نہیں ہے۔

وجہ حدیث میں ہے عن سلمة بن اکوع قال امر النبی ﷺ رجلا من اسلم ان اذن فی الناس ان من کان اکل فلیصم

حاشیہ : (الف) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ مجھے اور حفصہ کو کھانا ہدیہ دیا گیا اور ہم روزہ دار تھے تو ہم نے افطار کر لیا۔ پھر حضورؐ داخل ہوئے تو ہم نے ان سے کہا کہ یا رسول اللہ ہم کو ہدیہ دیا گیا اور ہم کو خواہش ہوئی تو ہم نے افطار کر لیا۔ آپؐ نے فرمایا تم دونوں اس کی جگہ پر دوسرے دن روزہ رکھ لینا (ب) حضرت ام ہانی فرماتی ہیں کہ جب فتح مکہ کا دن ہوا ... فرمایا اے اللہ کے رسول میں نے افطار کر لیا اور میں روزہ دار تھی تو فرمایا کیا تم قضا کر رہی تھی؟ کہا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا تم کو کچھ نقصان نہیں اگر نفلی روزہ ہے (ج) آپؐ نے فرمایا... اگر رمضان کی قضا ہے تو اس کی جگہ ایک دن روزہ رکھو اور اگر نفلی روزہ ہے تو اگر چاہے تو تو اس کی قضا کریں اور اگر چاہے تو قضا نہ کریں۔

ولم يقضيا ما مضى [۵۸۸](۳۸) ومن اغمى عليه فى رمضان لم يقض اليوم الذى حدث فيه الاغماء وقضى ما بعده.

بقية يومه ومن لم يكن اكل فليصم فان اليوم يوم عاشوراء (الف)(بخاری شریف، باب صیام یوم عاشوراء ص ۲۶۹/۲۶۸ نمبر ۲۰۰۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو دن میں مسلمان ہوا اور روزے کا دن ہو تو اگر کھانا کھا چکا ہو تو روزے کے احترام میں دن کے باقی حصے میں کھانا نہیں کھانا چاہئے (۲) حدیث میں ہے **عطية بن ربيعة الثقفى قال قدم وفدنا من ثقيف على النبى ﷺ فضرب لهم قبة واسلموا فى النصف من رمضان فامرهم رسول الله فصاموا منه ما استقبلوا منه ولم يأمر هم بقضاء ما فاتهم** (ب)(سنن للبیھقی، باب الرجل یسلم فی خلال شھر رمضان ج رابع ص ۴۴۸، نمبر ۸۳۰۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آگے کی قضا کرے ما مضٰی کی نہیں۔ اور جس دن بالغ ہوا اس کے شروع دن میں بالغ نہیں تھا اس لئے اس دن کا روزہ اس پر فرض نہیں ہوا۔

لغت ولم یقضیا ما مضٰی : کا مطلب یہ ہے کہ بالغ ہونے یا مسلمان ہونے سے پہلے کے دن کی قضا نہ کرے۔

[۵۸۸](۳۸) اور جس پر رمضان میں بیہوشی طاری ہوئی تو اس دن کی قضا نہیں کرے گا جس دن بیہوشی پیدا ہوئی ہے اور اس دن کے بعد کی قضا کرے گا۔

وجہ ایک مسلمان سے یہی امید ہے کہ جس دن یا رات میں بیہوشی طاری ہوئی اس دن اس کے روزہ رکھنے کی نیت تھی اس لئے گویا کہ وہ روزہ کی نیت کے ساتھ کھانے پینے سے رکا رہا اس لئے اس دن کا روزہ ہو گیا۔ اور کئی دنوں تک بیہوش رہا تو باقی دنوں میں روزہ کی نیت نہیں پائی گئی اس لئے بغیر نیت کے کھانے پینے سے رکا رہا تو اس سے روزہ ادا نہیں ہوگا۔

نوٹ بیہوشی کے عالم میں لوگوں نے کچھ کھلایا پلایا تو مریض نے جان کر اپنے ارادہ سے نہیں کھایا ہے بلکہ گویا کہ بھول کر کھایا ہے اور بھول کر کھانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اس لئے بیہوشی کے عالم میں لوگوں کے کھلانے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ اس دن کا روزہ ادا ہو جائے گا۔ نیت کرنے کی حدیث **انما الاعمال بالنيات** پہلے گزر چکی ہے۔ (۲) اثر میں ہے **عن نافع قال كان ابن عمر يصوم تطوعا فيغشى عليه فلا يفطر، قال الشيخ هذا يدل على ان الاغماء خلال الصوم لايفسده** (ج)(سنن للبیھقی، باب من اغمی علیہ فی ایام من اشہر رمضان ج رابع ص ۳۹۶، نمبر ۸۱۱۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بیہوشی سے روزہ نہیں ٹوٹیگا۔ جیسے سونے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے۔ اور بعد کے دنوں کی قضا اس لئے کرنا ہوگی کہ اس کو عقل ہے البتہ عقل گویا کہ سو گئی ہے تو جیسے سونے والوں پر رمضان کا روزہ فرض رہتا ہے اسی طرح بیہوشی والے پر بھی روزہ فرض رہے گا۔ لیکن چونکہ بیہوشی کی وجہ سے باقی دنوں میں نیت نہیں کرے گا اس لئے اس کی قضا کرنی ہوگی۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے ایک آدمی کو حکم دیا جو قبیلہ اسلم کا تھا کہ لوگوں میں اعلان کردو کہ جس نے کھایا تو باقی دن روزہ رکھے اور جس نے نہیں کھایا ہے تو روزہ رکھے اس لئے کہ آج عاشورہ کا دن ہے (ب) میرا وفد قبیلہ ثقیف سے آپؐ کے پاس آیا۔ آپؐ نے ان کے لئے قبہ بنوایا۔ وہ لوگ نصف رمضان میں مسلمان ہوئے۔ آپؐ نے ان کو حکم دیا کہ جتنا رمضان آگے ہے اس کے روزے رکھو اور جو فوت ہو گیا اس کے قضا کرنے کا ان کو حکم نہیں دیا (الف) حضرت ابن عمر نفلی روزہ رکھتے۔ پس ان پر بیہوشی طاری ہوتی تو روزہ نہیں توڑتے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ یہ عمل اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ روزے کے درمیان بیہوشی روزے کو نہیں توڑتی ہے۔

[۵۸۹] (۳۹) واذا افاق المجنون فی بعض رمضان قضی ما مضی منه و صام ما بقی[۵۹۰] (۴۰) واذا حاضت المرأ ۃ او نفست افطرت وقضت اذا طهرت

[۵۸۹] (۳۹) اگر بعض رمضان میں مجنون کوافاقہ ہوا تو قضا کرے گا جو گزر گیا، اور جو باقی ہے اس کا روزہ رکھے گا۔

تشریح مثلا گیارہ رمضان کو جنونیت سے افاقہ ہوا اور عقل آ گئی تو بارہ رمضان سے روزے رکھے گا اور پچھلے گیارہ رمضان تک بعد میں قضا کرے گا۔

وجہ پورا رمضان روزے فرض ہونے کا سبب پایا گیا اس لئے پچھلے روزے بھی ادا کرے گا۔

نوٹ اگر پورا رمضان مجنون رہا تو اب کچھ بھی روزے قضا نہیں کرے گا۔ کیونکہ اس کے حق میں رمضان گویا کہ پایا ہی نہیں گیا اور سبب متحقق نہیں ہوا۔ اس لئے وہ کچھ بھی قضا نہیں کرے گا (۲) پورے رمضان کے قضا کروانے میں حرج ہے اس لئے کچھ لازم نہیں ہوگا۔ اور کچھ میں مجنون رہا اور کچھ میں افاقہ ہوا تو کچھ روزہ ہی قضا کرنے پڑیں گے اس لئے زیادہ حرج نہیں ہے۔ (۳) اس کے لئے ابوداؤد کی اگلی حدیث ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جتنے دن تک مجنون رہا اس کی قضا واجب نہیں ہوگی۔

وجہ (۱) کیونکہ جنونیت کی وجہ سے وہ مخاطب ہی نہیں رہا اس لئے ان دنوں میں وہ بچے کی طرح ہو گیا اس لئے اس پر جنونیت کے عالم کی قضا واجب نہیں (۲) اثر میں ہے **عن ابن عباس قال مر علی بمجنونة بنی فلان قد زنت وھی ترجم فقال علی لعمر یا امیر المؤمنین امرت برجم فلانة قال نعم قال اما تذکر قول رسول اللہ رفع القلم عن ثلاث عن النائم حتی یستیقظ وعن الصبی حتی یحتلم وعن المجنون حتی یفیق قال نعم فامر بھا فخلی عنھا** (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی المجنون یسرق او یصیب حداج ثانی ص ۲۵۶ نمبر ۴۴۰۱ سنن للبیہقی، باب الصبی لا یلزمہ فرض الصوم حتی یبلغ ولا المجنون حتی یفیق ج رابع ص ۴۴۸، نمبر ۸۳۰۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مجنون پر جنونیت کے زمانے کے روزے فرض نہیں ہے۔

[۵۹۰] (۴۰) اگر عورت حائضہ ہو جائے یا نفسہ ہو جائے تو روزہ توڑ دے گی اور جب پاک ہوگی تو قضا کرے گی۔

وجہ (۱) حیض اور نفاس کی حالت میں عورت روزے کے قابل نہیں رہتی ہے اس لئے روزہ رکھی ہوئی ہو تب بھی روزہ توڑ دے گی اور بعد میں قضا کرے گی۔ حدیث میں ہے **عن ابی سعید قال قال النبی ﷺ الیس اذا حاضت لم تصل ولم تصم؟ فذلک من نقصان دینھا** (ب) (بخاری شریف، باب الحائض تترک الصوم والصلوۃ ص ۲۶۱ نمبر ۱۹۵۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ عورت نہ

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ حضرت علیؓ کے سامنے بنی فلاں کی ایک مجنونہ گزری جس نے زنا کیا تھا۔ اس حال میں کہ اس پر رجم کا حکم لگا تھا۔ تو حضرت علی نے حضرت عمر سے فرمایا اے امیر المؤمنین آپ نے فلاں پر رجم کا حکم لگایا ہے؟ انہوں نے فرمایا ہاں! حضرت علی نے فرمایا حضور کا قول یاد نہیں ہے کہ تین آدمیوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے۔ سونے والے سے جب تک کہ بیدار نہ ہو جائے۔ اور بچے سے جب تک کہ بالغ نہ ہو جائے۔ اور مجنون سے جب تک کہ افاقہ نہ ہو جائے۔ حضرت عمر نے فرمایا ہاں! اور مجنونہ کو چھوڑ دینے کا حکم فرمایا۔ (ب) آپؐ نے فرمایا کیا حائضہ نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے یہ اس کے دین کا نقصان ہے۔

[۵۹۱](۴۱) واذا قدم المسافر او طهرت الحائض فی بعض النهار امسکا عن الطعام والشراب بقیة یومهما[۵۹۲] (۴۲)ومن تسحر وهو یظن ان الفجر لم یطلع او افطر وهو یری ان الشمس قد غربت ثم تبین ان الفجر کان قد طلع او ان الشمس لم تغرب قضی

روزہ رکھے گی اور نہ نماز پڑھے گی۔اور قضا کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے **عن عائشة قالت کنا نحیض عند رسول اللہ ﷺ ثم نطهر فیأمرنا بقضاء الصیام و لا یأمرنا بقضاء الصلوة** (ترمذی شریف، باب ماجاء فی قضاء الحائض الصیام دون الصلوۃ ص۱۶۳ نمبر ۷۸۷)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ روزہ قضا کرنے کا حکم دیا جائے گا اور نماز قضا کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

[۵۹۱](۴۱)مسافر گھر آئے یا حائضہ عورت پاک ہو دن کے بعض حصہ میں تو دونوں باقی دن کھانے پینے سے رک جائیں۔

تشریح مثلا حائضہ عورت دو پہر کو پاک ہوئی یا مسافر دو پہر کو گھر آیا تو اب دو پہر سے شام تک رمضان کے احترام میں کھانا پینا نہیں کھانا چاہئے۔تاکہ رمضان کا احترام باقی رہے۔چونکہ دن کے شروع حصے میں روزہ کا اہل نہیں ہے اس لئے روزہ تو نہیں رکھ سکتی البتہ جب حائضہ پاک ہو کر اہل ہوئی تو اس وقت سے کھانا پینا نہیں کھائے گی۔

وجہ **عن سلمة بن اکوع قال امر النبی ﷺ رجلا من اسلم ان اذن فی الناس ان من کان اکل فلیصم بقیة یومه و من لم یکن اکل فلیصم فان الیوم یوم عاشوراء** (الف)(بخاری شریف، باب صیام یوم عاشوراء ص۲۶۹ نمبر ۲۰۰۷)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسے لوگ جو درمیان دن میں روزے کے اہل ہوئے ہوں وہ روزے کے احترام میں باقی دن کھانا نہ کھائے۔

[۵۹۲](۴۲)جس نے سحری کی یہ گمان کرتے ہوئے کہ ابھی فجر طلوع نہیں ہوئی ہے یا افطار کر لیا اور یہ سمجھتے ہوئے کہ سورج غروب ہو چکا ہے۔پھر ظاہر ہوا کہ فجر طلوع ہو چکی تھی یا سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا تو اس دن کی قضا کرے گا۔اور اس پر کفارہ نہیں ہے۔

تشریح سحری کی یہ گمان کرتے ہوئے کہ ابھی صبح صادق نہیں ہے حالانکہ فجر طلوع ہو چکی تھی۔اسی طرح افطار کی یہ گمان کرتے ہوئے کہ آفتاب غروب ہو چکا ہے حالانکہ ابھی آفتاب غروب نہیں ہوا تھا تو چونکہ دن میں کھانا کھایا ہے اس لئے روزہ تو نہیں ہوا۔لیکن چونکہ بھول کر کھانا کھایا ہے اس لئے صرف قضا کرنا ہوگا کفارہ لازم نہیں ہوگا۔کیونکہ بھول سے کفارہ ساقط ہو جاتا ہے۔

وجہ **عن اسماء بنت ابی بکر قالت افطرنا علی عهد النبی ﷺ فی یوم غیم ثم طلعت الشمس قیل لهشام فامروا بالقضاء ؟قال بد من قضاء** (ب)(بخاری شریف، باب اذا افطر فی رمضان ثم طلعت الشمس ص۲۶۳ نمبر ۱۹۵۹/ابوداؤد شریف، الفطر قبل غروب الشمس ص ۳۲۹ نمبر ۲۳۵۹)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورج غروب ہونے سے پہلے افطار کر لیا تو اس دن کی قضا کرے گا۔البتہ بھول سے کیا ہے اس لئے کفارہ لازم نہیں ہوگا اور اسی پر صبح صادق طلوع ہونے کے بعد سحری کرنے کے مسئلہ کو قیاس کر لیں (۲)اثر

حاشیہ : (الف) آپؐ نے قبیلہ اسلم کے ایک آدمی کو حکم دیا کہ کہ لوگوں میں اعلان کر دو کہ جس نے کھانا کھایا وہ باقی دن روزہ رکھے۔اور جس نے کھانا نہیں کھایا وہ روزہ پورا کرے اس لئے کہ یہ دن عاشورہ کا دن ہے۔(ب) اسماء بنت ابی بکر فرماتی ہیں کہ ہم نے حضورؐ کے زمانے میں بادل کے دن افطار کر لیا پھر سورج نکل آیا تو ہشام سے پوچھا کیا ان سب کو قضا کرنے کا حکم دیا گیا؟

ذلک الیوم ولا کفارۃ علیہ[۵۹۳](۴۳) ومن رای ھلال الفطر وحدہ لم یفطر[۵۹۴] (۴۴) واذا کانت بالسماء علة لم یقبل الامام فی ھلال الفطر الا شھادة رجلین او رجل و

میں ہے **فقال عمر ... من کان افطر فان قضاء یوم یسیر** (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب الافطار فی یوم مغیم ج رابع ص ۱۷۸ نمبر ۷۳۹۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ایک دن کی قضا کرنا آسان ہے اور کفارہ لازم نہیں ہوگا۔

لغت تسحر : سحری کرلی۔

[۵۹۳] (۴۳) کسی نے تنہا عید الفطر کا چاند دیکھا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

تشریح ایک آدمی نے تنہا عید الفطر کا چاند دیکھا تو روزہ نہیں توڑے گا بلکہ روزہ رکھے گا اور بعد میں سب کے ساتھ عید کرے گا۔

وجہ (۱) یہاں روزہ توڑنے میں ایک روز کی عبادت کا نقصان ہے اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ روزہ رکھے اور سب کے ساتھ عید کرے (۲) ہوسکتا ہے کہ چاند دیکھنے کا وہم ہوا ہو اور قاضی نے اس کی گواہی نہ مانی تو یہ وہم اور مضبوط ہوگیا کہ شاید اس نے چاند نہیں دیکھا ہے اس لئے دیکھنے والے کو بھی روزہ رکھ لینا چاہئے (۳) حدیث میں ہے **عن ابی ھریرة ان النبی ﷺ قال الصوم یوم تصومون والفطر یوم تفطرون والاضحی یوم تضحون** (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء ان الفطر یوم تفطرون والاضحیٰ یوم تضحون ص ۱۵۰ نمبر ۶۹۷/ ترمذی شریف، باب ماجاء فی الفطر والاضحیٰ متی یکون ص ۱۶۵ نمبر ۸۰۲/ ابوداؤد شریف، باب اذا اخطأ القوم الہلال نمبر ۲۳۲۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سب کے ساتھ عید اور بقرہ عید کرنی چاہئے۔

اصول عید الفطر اور بقرہ عید میں اجتماعیت مطلوب ہے۔

نوٹ بشرطیکہ جان بوجھ کر ساڑھے ستائیس پر یا اٹھائیس پر گواہی نہ لیتے ہوں جو عرب ممالک کر رہے ہیں۔ مقدم کیلنڈر پر جھوٹی گواہی لیکر اعلان کرنے والوں کا ساتھ دینا صحیح نہیں ہے۔

[۵۹۴] (۴۴) اگر آسمان میں علت ہو تو امام عید الفطر کے چاند میں نہیں قبول کرے گا مگر دو مردوں کی گواہی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی

وجہ عید الفطر کے موقع پر جلدی اعلان کرتے ہیں تو ایک روزے کا توڑنا لازم آئے گا اور اس میں بندوں کا نفع ہے اس لئے یہ معاملات کی طرح ہوگیا اور معاملات میں دو مرد کی گواہی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی قابل قبول ہے۔ اسی طرح عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی رویت میں دو مرد یا دو عورتیں اور ایک مرد کی گواہی قابل قبول ہوگی (۲) اس کے لئے حدیث میں موجود ہے **عن ربعی بن حراش عن رجل من اصحاب النبی ﷺ قال اختلف الناس فی آخر یوم من رمضان فقدم اعرابیان فشھدا عند النبی ﷺ باللہ لا ھلا الھلال امس عشیة فامر رسول اللہ الناس ان یفطروا** (ج) (ابوداؤد شریف، باب شہادۃ رجلین علی رویۃ ہلال شوال ص ۳۲۷ نمبر

حاشیہ : (الف) حضرت عمرؓ نے فرمایا... جس نے افطار کیا تو ایک دن کی قضا کرنا آسان ہے (یعنی ایک دن کی قضا لازم ہوگی کفارہ نہیں) (ب) آپؐ نے فرمایا روزہ اس دن صحیح ہوگا جس دن تم سب رکھو اور عید الفطر اس دن ہوگی جس دن تم سب کرو اور قربانی اس دن صحیح ہوگی جس دن سب قربانی کرو (ج) رمضان کے آخری دنوں میں لوگوں نے اختلاف کیا۔ پس حضورؐ کے پاس دو دیہاتی آکر گواہی دی کہ انہوں نے کل شام چاند دیکھا ہے تو حضورؐ نے لوگوں کو حکم دیا کہ روزہ توڑ دیں۔

امرأتين [۵۹۵](۴۵) وان لم تكن بالسماء علة لم يقبل الا شهادة جماعة يقع العلم بخبرهم.

۲۳۳۹)اوردارقطنی میں ہے **قالا (ابن عمر و ابن عباس) وكان رسول الله لا يجيز شهادة الافطار الا بشهادة رجلين**(دار قطنی ، کتاب الصوم ج ثانی ص ۱۳۷ نمبر ۲۱۲۹) ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے لئے آسمان میں علت یعنی دھواں، کہر، غبار اور بادل وغیرہ ہو تو دو گواہوں کی گواہی قبول کی جائے گی۔اس سے کم کی نہیں۔

[۵۹۵](۴۵)اور اگر آسمان میں علت نہ ہو تو نہیں قبول کی جائے گی مگر ایک جماعت کی گواہی کہ ان کی خبر سے علم یقینی واقع ہو۔

وجہ آسمان صاف ہو اور چاند دیکھنے کے قابل ہو گیا ہو تو ہر دیکھنے والے کو چاند نظر آتا ہے اس کے باوجود ایک دو آدمی چاند دیکھنے کا دعوی کرتے ہیں تو غالب گمان یہ ہے کہ یہ جھوٹ بول رہے ہیں۔اس لئے ایک جماعت کی رویت قبول کی جائے گی۔جس کے دیکھنے سے علم یقینی حاصل ہو۔اور بڑی جماعت کی ایک تعریف یہ ہے کہ ہر محلے کے ایک دو آدمی چاند دیکھ لیں۔درمختار میں یہ عبارت ہے۔**عن ابی یوسف : خمسون رجلا كالقسامة قبل اكثر اهل المحلة وقيل من كل مسجد واحد او اثنان** (ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الصوم، مطلب ما قالہ السبکی من الاعتماد علی قول الحساب مردود، ج ثالث، ص ۴۱۰) اس سے معلوم ہوا کہ ہر محلے کے ایک دو آدمی دیکھ لے تو اس کو رویت عامہ کہتے ہیں۔تجربہ بھی یہی ہے کہ چاند نظر آنے کے قابل ہوتا ہے تو ہر آدمی کو نظر آتا ہے(۲) اثر میں اس کا اشارہ ہے۔ **قلت لعطاء ارأيت لو ان رجلا رأى هلال رمضان قبل الناس بليلة ايصوم قبلهم ويفطر قبلهم ؟ قال : لا الا ان اراه الناس ،اخشى ان يكون شبه عليه** (مصنف عبد الرزاق، باب کم یجوز الشھود علی رویۃ الھلال، ج رابع ،ص ۱۶۷،نمبر ۷۳۴۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ رویت عامہ ہو۔

﴿باب الاعتكاف﴾

[۵۹۶](۱) الاعتكاف مستحب وهو اللبث فی المسجد مع الصوم و نية الاعتكاف

﴿ باب الاعتکاف ﴾

ضروری نوٹ الاعتکاف : عکف سے مشتق ہے کسی جگہ ٹھہرنا اور لازم پکڑنا، اعتکاف سنت ہے اس کی دلیل آگے آرہی ہے۔

نوٹ اعتکا کی چار قسمیں ہیں (۱) سنت مؤکدہ کفایہ۔ اکیس رمضان سے تیس رمضان تک جو اعتکاف کرتے ہیں اس کو سنت مؤکدہ کفایہ کہتے ہیں (۲) نذر، کوئی آدمی اعتکاف کرنے کی نذر مانے تو وہ نذر کا اعتکاف ہے (۳) ایک دن رات کا نفلی اعتکاف کرنا (۴) چند منٹ یا چند گھنٹے کا اعتکاف کرنا۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے **ولا تباشروھن وانتم عاكفون فی المساجد تلک حدود الله فلا تقربوها** (الف) (آیت ۱۸۷ سورۃ البقرۃ ۲)

[۵۹۶](۱) اعتکاف سنت ہے، اور وہ مسجد میں ٹھہرنا ہے روزے کے ساتھ اور اعتکاف کی نیت کے ساتھ۔

تشریح مسجد میں ٹھہرنے کو اعتکاف کہتے ہیں۔ اس کے لئے تین شرطیں ہیں (۱) روزہ ہو (۲) اعتکاف کی نیت ہو (۳) اور مسجد میں ٹھہرنا ہو۔ تب اعتکاف ہوگا۔

وجہ اعتکاف سنت ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے **عن عائشة زوج النبی ﷺ ان النبی ﷺ كان يعتكف العشر الاواخر من رمضان حتی توفاه الله ثم اعتكف ازواجه من بعده** (ب) (بخاری شریف، باب الاعتکاف فی العشر الاواخر ص ۲۷۱ نمبر ۲۰۲۶ / مسلم شریف، کتاب الاعتکاف ص ۳۷۱ نمبر ۱۱۷۲ / ۲۷۸۴) مسلسل اعتکاف کرنا سنت ہونے کی دلیل ہے۔ اور کفایہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر کچھ لوگوں نے اعتکاف کر لیا تو محلّہ کے باقی لوگوں سے ساقط ہو جائے گا۔ اور تینوں شرطوں کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن عائشة انها قالت السنة على المعتكف ان لا يعود مريضا ولا يشهد جنازة ولا يمس امرأة ولا يباشرها ولا يخرج لحاجة الا لما لا بد منه ولا اعتكاف الا بصوم ولا اعتكاف الا فی مسجد جامع** (ج) (ابوداؤد شریف، المعتکف یعود المریض ص ۳۴۲ نمبر ۲۴۷۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اعتکاف کے لئے روزہ ضروری ہے اور اعتکاف کے لئے مسجد ہو (۲) دار قطنی میں ہے **عن عائشة ان النبی ﷺ قال لا اعتكاف الا بصيام** (د) دار قطنی، باب الاعتکاف ج ثانی ص ۱۷۹ نمبر ۲۳۳۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اعتکاف کے لئے روزہ ضروری ہے۔

حاشیہ : (الف) مسجد میں اعتکاف کی حالت میں اپنی بیویوں کے ساتھ مباشرت مت کرو۔ یہ اللہ کے حدود ہیں ان کے قریب بھی مت جاؤ (ب) آپؐ رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ نے وفات دیدی۔ پھر آپ کے بعد آپ کی بیویوں نے اعتکاف کیا (ج) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ معتکف پر سنت یہ ہے کہ (۱) مریض کی عیادت نہ کرے (۲) جنازے میں حاضر نہ ہو (۳) بیوی کو نہ چھوئے (۴) بیوی سے مباشرت نہ کرے (۵) ضرورت کے لئے نہ نکلے مگر جو ضروری ہے (۶) اور نہیں اعتکاف ہے مگر روزے کے ساتھ (۷) اور نہیں اعتکاف ہے مگر جامع مسجد میں۔ (د) آپؐ نے فرمایا نہیں اعتکاف ہے مگر روزے کے ساتھ۔

[۵۹۷](۲) ویحرم علی المعتکف الوطئ واللمس والقبلۃ [۵۹۸](۳) وان انزل بالقبلۃ او لمس فسد اعتکافہ وعلیہ القضاء.

فائدہ امام محمد نے فرمایا کہ چند منٹوں بھی نفلی اعتکاف ہوسکتا ہے۔اس اعتکاف کے لئے روزے کی شرط نہیں ہوگی۔اس اثر سے اس کا ثبوت ہے **عن یعلی بن امیۃ انہ کان یقول لصاحبہ انطلق بنا الی المسجد فنعتکف فیہ ساعۃ** (مصنف ابن ابی شیبۃ ۸۷ ما قالوا فی المعتکف یاتی اہلہ بالنھار ج ثانی ص ۳۳۶،نمبر ۹۶۵۲) اس اثر میں ایک گھنٹہ کے اعتکاف کے لئے کہا گیا ہے۔اور مسجد کے سلسلہ میں یہ حدیث ہے **عن حذیفۃ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول کل مسجد لہ مؤذن وامام فالاعتکاف فیہ یصلح** (الف) (دار قطنی ، باب الاعتکاف ج ثانی ص ۱۷۹ نمبر ۲۳۳۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسی مسجد میں جس میں پنج وقتہ نماز ہوتی ہو اس میں اعتکاف جائز ہے(۲) چونکہ جماعت کے ساتھ معتکف کو نماز پڑھنی ہوگی اس لئے جس مسجد میں پنج وقتہ نماز نہ ہوتی ہو وہاں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں دقت ہوگی۔اس لئے پنج وقتہ جماعت والی مسجد میں اعتکاف کرے۔البتہ اس مسجد میں جمعہ نہ ہوتا ہو تو معتکف جمعہ کے لئے جامع مسجد جا سکتا ہے۔اور نیت کی شرط اس لئے ہے کہ اعتکاف عبادت ہے اور عبادت بغیر نیت کے نہیں ہوتی۔چنانچہ اگر کوئی آدمی بغیر نیت کے مسجد میں ٹھہرا رہے تو اس کا اعتکاف نہیں ہوگا۔

[۵۹۷] (۲) اعتکاف کرنے والے پر وطی کرنا،عورت کو شہوت سے چھونا اور بوسہ لینا حرام ہے۔

وجہ مسئلہ نمبر ایک میں حضرت عائشہ کی حدیث گزری جس میں تھا **ولا یمس امرۃ ولا یباشرھا** (ب) (ابوداؤد شریف، المعتکف یعود المریض ص ۳۴۲ نمبر ۲۴۷۳ / دار قطنی ، باب الاعتکاف ج ثانی ص ۱۸۱ نمبر ۲۳۳۸/ ۲۳۳۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اعتکاف کی حالت میں دن یا رات میں عورت کو نہ شہوت سے چھوئے نہ بوسہ دے اور نہ وطی کرے(۳) آیت **ولا تباشروھن وانتم عاکفون فی المساجد** (ج) (آیت ۱۸۷ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ اعتکاف کی حالت میں عورت کو شہوت سے چھویا نہ جائے۔

[۵۹۸] (۳) اور اگر بوسہ لینے یا چھونے سے انزال ہو گیا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا اور اس پر قضا لازم ہوگی۔

وجہ بوسہ لینے یا چھونے سے انزال ہو گیا تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا اور بغیر روزہ کے اعتکاف نہیں ہوتا اس لئے اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔اور نفلی اعتکاف کر لینے کے بعد نذر نفلی ہو گیا۔اس لئے کم از کم ایک دن رات کا اعتکاف لازم ہوگا (۲) اثر میں ہے **عن ابن عباس قال اذا وقع المعتکف علی امرأتہ استأنف اعتکافہ** (د) (مصنف عبد الرزاق، باب وقوعہ علی امرأتہ ج رابع ص ۳۶۳ نمبر ۸۰۸۱/ مصنف ابن ابی شیبۃ ۹۲ ما قالوا فی المعتکف یجامع ما علیہ فی ذلک ج ثانی ص ۳۳۸،نمبر ۹۶۸۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ شہوت سے عورت کو چھونے سے اور انزال ہونے سے اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔اور فاسد ہوگا تو اس کی قضا لازم ہوگی۔اس حدیث سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔ **عن**

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا ہر وہ مسجد جس کے لئے مؤذن ہو اور امام ہو تو وہ اعتکاف کے قابل ہے (ب) معتکف عورت کو شہوت سے نہ چھوئے اور نہ اس سے مباشرت کرے (ج) عورت سے مباشرت نہ کرو جب کہ تم مسجد میں اعتکاف کئے ہوئے ہوں (د) ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب عورت سے جماع کیا تو شروع سے اعتکاف کرے۔

[۵۹۹] (۴) ولا یخرج المعتکف من المسجد الا لحاجة الانسان او للجمعة[۶۰۰] (۵) ولا بأس بان یبیع و یبتاع فی المسجد من غیر ان یحضر السلعة.

عائشة قالت کان رسول الله ﷺ ... ثم اخر الاعتکاف الی العشر الاول یعنی من شوال (الف) (ابوداؤد شریف، باب الاعتکاف ص ۳۴۱ نمبر ۲۴۶۴) آپؐ نے رمضان میں اعتکاف نہیں کیا تو اس کی قضا شوال میں کی۔ جس سے معلوم ہوا کہ اعتکاف کی قضا ہے۔ حدیث میں ہے کہ نفلی روزہ توڑ دے تو اس کی قضا لازم ہوگی اسی طرح نفلی اعتکاف پوڑ دے۔

[۵۹۹] (۴) اور معتکف مسجد سے نہیں نکلے گا مگر انسانی ضرورت کے لئے یا جمعہ کے لئے۔

تشریح ضرورت چاہے شرعی ہو یا طبعی دونوں کے لئے معتکف نکلے گا طبعی ضرورتوں میں کھانا، پینا، پیشاب، پاخانہ، جنابت کا غسل اور وضو کرنا وغیرہ ہے۔ اور شرعی ضرورت میں مثلا جمعہ کے لئے جامع مسجد کے لئے نکلنا ہے۔ ان ضرورتوں کے لئے بقدر ضرورت نکل سکتا ہے۔ اور ضرورت پوری ہونے کے بعد فورا مسجد واپس ہو جائے۔

وجہ **ان عائشة زوج النبی ﷺ قالت ... وکان لا یدخل البیت الا لحاجة اذا کان معتکفا (ب)** (بخاری شریف، باب المعتکف لا یدخل البیت الا لحاجة ص ۲۷۲ نمبر ۲۰۲۹ رترمذی شریف، باب المعتکف یخرج لحاجتہ ام لا ص ۱۶۵ نمبر ۸۰۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ معتکف ضرورت انسانی کے لئے نکل سکتا ہے۔ اس سے اعتکاف نہیں ٹوٹے گا۔

نوٹ امام ابو حنیفہ کی رائے ہے کہ بغیر ضرورت کے ایک گھنٹہ مسجد سے باہر رہے گا تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ آدھا دن سے زیادہ بغیر ضرورت کے باہر رہے تو اعتکاف ٹوٹے گا۔ کیونکہ اکثر کا کل حکم ہوتا ہے۔

[۶۰۰] (۵) کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ مسجد میں بیچے یا خریدے بغیر اس کے کہ سامان بیع حاضر کرے۔

تشریح خرید و فروخت کا سامان حاضر کئے بغیر معتکف کا بیچنا اور خریدنا جائز ہے۔ البتہ اچھا نہیں ہے۔

وجہ (۱) بعض مرتبہ معاشیت کے ٹھیک رکھنے کے لئے آدمی کو خرید و فروخت کرنے کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ اس لئے اس کی گنجائش ہے۔ البتہ مسجد میں سامان کا حاضر کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ اس سے توحش ہوگا (۲) **قلت لعطاء ... فاتی مجاورہ ایبتاع فیه ویبیع ؟قال لا بأس بذلک (ج)** (مصنف عبد الرزاق، باب المعتکف وابتیاعہ وطلب الدنیا ج رابع ص ۳۶۳ نمبر ۸۰۷۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ معتکف کے لئے خریدنے بیچنے کی گنجائش ہے۔ لیکن اچھا نہیں ہے۔ اس کی وجہ **عن عطاء قال لا یبیع المعتکف و لا یبتاع (د)** (مصنف عبد الرزاق، باب المعتکف وابتیاعہ وطلب الدنیا ج رابع ص ۳۶۱ نمبر ۸۰۶۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عام حالات میں خرید و فروخت کرنا اچھا نہیں ہے۔

لغت **یبتاع** : خریدے۔ **سلعة** : بیچنے کا سامان۔

حاشیہ : (الف) پھر اعتکاف کو عشرہ اول تک مؤخر کیا یعنی شوال کے عشرۂ اول تک مؤخر کیا (ب) حضرت عائشہ نے فرمایا... آپ گھر میں داخل نہیں ہوتے مگر ضرورت کی بنا پر جبکہ معتکف ہوتے (ج) میں نے عطا سے پوچھا... کیا معتکف مسجد میں خرید سکتا ہے؟ اور بیچ سکتا ہے؟ حضرت عطاء نے فرمایا اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے (د) حضرت عطا نے فرمایا معتکف نہ بیچے اور نہ خریدے۔

[۶۰۱] (۶) ولا یتکلم الا بخیر ویکره له الصمت[۶۰۲] (۷) فان جامع المعتکف لیلا او نهارا ، ناسیا او عامدا بطل اعتکافه[۶۰۳] (۸) ولو خرج من المسجد ساعة بغیر عذر فسد اعتکافه عند ابی حنیفة وقالا لا یفسد حتی یکون اکثر من نصف یوم.

---

[۶۰۱] (۶) اور معتکف نہ بات کرے مگر خیر کی اور مکروہ ہے اس کے لئے چپ رہنا۔

تشریح مستقل چپ رہنا اسلام میں عبادت نہیں ہے اس لئے عبادت کے طور پر چپ رہنا مکروہ ہے۔ خیر کی بات کرنی چاہئے۔

وجہ حدیث میں ہے **عن صفیة قالت کان رسول الله ﷺ معتکفا فاتیته ازوره لیلا فحدثته ثم قمت الخ** (الف) (ابو داؤد شریف، المعتکف یدخل البیت لحاجتہ ص ۳۴۱/۳۴۲ نمبر ۲۴۷۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ معتکف بات کر سکتا ہے۔ اس لئے خیر کی بات کرے۔

[۶۰۲] (۷) اگر معتکف نے رات یا دن کو بھول کر یا جان کر جماع کر لیا تو اس کا اعتکاف باطل ہو جائے گا۔

تشریح رات میں بھی معتکف ہے۔ اس لئے رات میں بھی جماع کرے گا تو اعتکاف باطل ہو جائے گا۔ اس لئے کہ اعتکاف یاد دلانے والی چیز ہے اس لئے اس حال میں بھول معاف نہیں ہے۔ اور بھول کر بھی اعتکاف میں جماع کرے گا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔

وجہ **ولا تباشروهن وانتم عاکفون فی المساجد** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اعتکاف کی حالت میں مباشرت کرنے سے اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ اثر میں ہے **عن ابن عباس قال اذا جامع المعتکف ابطل اعتکافه واستأنف** (ب) (مصنف ابن ابی شیبة ۹۲ ما قالوا فی المعتکف یجامع ما علیہ فی ذلک ج ثانی ص ۳۳۸، نمبر ۹۶۸۰) اس اثر میں بھول کر اور جان کر کا تذکرہ نہیں ہے اس لئے بھول کر بھی جماع کرے گا تو اعتکاف باطل ہو جائے گا۔

[۶۰۳] (۸) اگر معتکف مسجد سے ایک گھڑی بغیر عذر کے نکل جائے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کا اعتکاف باطل ہو جائے گا۔ اور صاحبین نے فرمایا نہیں فاسد ہوگا یہاں تک کہ آدھا دن سے زیادہ ہو جائے۔

وجہ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ معتکف کے لئے مسجد سے نکلنا خلاف قیاس ہے۔ البتہ مجبوری کے طور پر ضرورت سے نکلنے کی گنجائش دی گئی ہے۔ اس لئے ضرورت سے زیادہ ایک گھنٹہ بھی نکلے گا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ تھوڑی بہت دیر تو ہو ہی جاتی ہے۔ اس لئے اگر تھوڑی سی دیر ہونے پر یا تھوڑی دیر کے لئے نکلنے پر اعتکاف فاسد کریں تو بہت تنگی ہو جائے گی۔ البتہ آدھا دن کوئی نہیں نکلتا اس لئے آدھے دن کا معیار ٹھیک ہے کہ آدھا دن سے زیادہ نکلے تو اعتکاف فاسد ہوگا (۲) اوپر حدیث گزر چکی ہے **ولا یخرج لحاجته الا لما لا بد منه** (ج) (ابو داؤد شریف، المعتکف یعود المریض ص ۳۴۲ نمبر ۲۴۷۳) اس سے معلوم ہوا کہ بہت ضروری حاجت کے لئے نکلے۔

حاشیہ : (الف) حضور معتکف تھے تو رات میں آپ کی زیارت کرنے کے لئے میں آئی۔ میں آپ سے بات کرتی رہی پھر کھڑی ہوئی (ب) حضرت ابن عباس نے فرمایا معتکف جماع کرے تو اس کا اعتکاف باطل ہو جائے گا اور شروع سے اعتکاف کرے (ج) نہ نکلے مگر ایسی ضرورت کے لئے جس کا کوئی چارہ نہ ہو۔

[٦٠٤] (٩) ومن اوجب على نفسه اعتكاف ايام لزمه اعتكافها بلياليها وكانت متتابعة وان لم يشترط التتابع فيها.

اس لئے بغیرضرورت سے نکلنے سے اعتکاف فاسد ہوگا (٣) حدیث میں ہے **عن عائشة قال النفيلي قالت كان النبي ﷺ يمر بالمريض وهو معتكف فيمر كما هو ولا يعرج يسأل عنه** (الف) (ابوداؤد شریف، المعتکف یعود المریض ص ٣٤٢ نمبر ٢٤٧٢) اس حدیث میں حضور لوگوں کی عیادت کرتے جاتے اور چلتے جاتے، کہیں ٹھہرتے نہیں تھے۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ زیادہ دیر ٹھہرنا ٹھیک نہیں ہے۔اوراسی سے امام ابوحنیفہ نے استدلال کیا کہ بغیر ضرورت کے زیادہ ٹھہرنے سے اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔

[٦٠٤] (٩) کسی نے اپنی ذات پر چند دنوں کا اعتکاف لازم کیا تو اس پر ان کی راتوں کا اعتکاف بھی لازم ہوگا۔اور اعتکاف پے در پے کرنا ہوگا چاہے اس میں پے در پے کی شرط نہ لگائی ہو۔

تشریح مثلا چھ دنوں کا اعتکاف اپنے اوپر لازم کیا تو ان کی چھ راتوں کا اعتکاف بھی لازم ہوگا۔اور چھ کے چھ دن پے در پے اعتکاف کرنا ہوگا۔ چاہے پے در پے کی نیت نہ کی ہو۔

وجہ محاورے میں دن بولتا ہے تو اس میں رات بھی شامل ہوتی ہے۔اس لئے نیت کرنے والوں نے دن بولا تو اس کی رات بھی شامل ہوگی۔ اس لئے جتنے دنوں کی نیت کی ہے اس کی راتوں کا اعتکاف بھی لازم ہوگا (٢) روزہ متفرق طور پر ہوتا ہے۔کیونکہ روزہ صرف دن میں ہوتا ہے اس کے بعد رات آتی ہے جس میں روزہ نہیں ہے اور دونوں کے درمیان فاصل ہے۔اس لئے روزہ متفرق طور پر ہوگا۔لیکن اعتکاف رات اور دن دونوں میں ہوتا ہے اس لئے وہ مسلسل ہوتا ہے۔اس لئے اعتکاف میں مسلسل ہے۔چاہے مسلسل کی نیت نہ کی ہو (٣) اثر میں ہے **عن عطاء فی المعتكف يشترط ان يعتكف بالنهار ويأتي اهله بالليل قال ليس هذا باعتكاف** (ب) (مصنف ابن ابی شیبة ٨٧ ما قالوا فی المعتکف یأتی اہلہ بالنہار ج ثانی ص ٣٣٦، نمبر ٩٦٤٩) اس اثر سے معلوم ہوا کہ دن کے ساتھ رات بھی شامل ہوگی۔اور جب رات شامل ہوگی تو پے در پے بھی ہو جائے گی **نوٹ** چند گھنٹوں کا اعتکاف بغیر روزے کے بھی ہوگا۔اثر میں ہے **عن يعلى بن امية انه كان يقول لصاحبه انطلق بنا الى المسجد فنعتكف فيه ساعة** (ج) (مصنف ابن ابی شیبة ٨٧ ما قالوا فی المعتکف یأتی اہلہ بالنہار ص ٣٣٦، نمبر ٩٦٥٢)

حاشیہ : (الف) حضور مریض کے پاس سے گزرتے اس حال میں کہ آپ معتکف ہوتے تو گزرتے ہی چلے جاتے اور ٹھہرتے نہیں ان کا حال پوچھتے جاتے (ب) حضرت عطاء سے منقول ہے اس معتکف کے بارے میں کہ شرط لگائے کہ اعتکاف کرے دن میں اور رات میں اہل کے پاس آئے تو فرمایا یہ اعتکاف نہیں ہے (ج) یعلی بن امیہ اپنے ساتھی سے کہتے ہمارے ساتھ مسجد چلو ایک گھنٹہ کا اعتکاف کرلیں۔

﴿ كتاب الحج ﴾

[۶۰۵](۱) الحج واجب علی الاحرار المسلمین البالغین العقلاء الاصحاء اذا قدروا

﴿ کتاب الحج ﴾

ضروری نوٹ حج کے معنی ارادہ کرنے کے ہیں۔یہاں بیت اللہ کا ارادہ خاص انداز سے کرنے کا نام حج ہے۔حج کا ثبوت اس آیت سے ہے وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا (الف)(آیت ۹۷ سورۂ آل عمران ۳) آیت سے ثابت ہوا کہ جس کو بیت اللہ تک جانے کی طاقت ہو اس پر حج فرض ہے۔حج مالی اور بدنی دونوں عبادتوں کا مجموعہ ہے۔اسی لئے مجبوری کے وقت حج بدل جائز ہے۔بغیر مجبوری کے خود حج کرے۔

[۶۰۵](۱)حج واجب ہے آزاد،مسلمان،بالغ،عاقل،تندرست پر جب کہ توشے اور کجاوے پر قادر ہو۔گھر کی ضروریات اور واپس لوٹنے تک اہل وعیال کے نفقہ سے زیادہ ہو اور راستہ مامون ہو۔

تشریح حج فرض ہونے کے لئے یہاں دس شرطیں بیان کی گئی ہیں (۱) آزاد ہونا (۲) مسلمان ہونا (۳) بالغ ہونا (۴) عاقل ہونا (۵) تندرست ہونا (۶) توشے پر قدرت ہونا (۷) کجاوے اور سواری پر قدرت ہونا (۸) گھر کی ضروریات سے زیادہ ہونا (۹) واپس لوٹنے تک اہل وعیال جس کا نان ونفقہ حاجی کے ذمہ ہے اس سے زیادہ ہونا یا کم ازکم اس کا انتظام ہونا (۱۰) راستہ کا امن والا ہونا۔اور عورت کے لئے ایک شرط اور ہے۔اس کے ساتھ ذی رحم محرم کا ہونا۔یہ سب شرطیں پائی جائیں تو حج فرض ہوگا۔اور یہ شرطیں حاجی کے پاس نہیں ہیں تو اس پر حج فرض نہیں ہوگا۔البتہ جا کر کر لیا تو حج فرض کی ادائیگی ہو جائے گی۔

تمام شرطوں کے دلائل : آزاد،مسلمان،بالغ اور عاقل ہو تو عبادت فرض ہے ورنہ نہیں۔ان کے دلائل پہلے گزر چکے ہیں (۲) سنن بیہقی میں ہے **عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ ایما صبی حج ثم بلغ الحنث فعلیہ حجۃ اخری، وایما اعرابی حج ثم ہاجر فعلیہ حجۃ اخری، وایما عبد حج ثم اعتق فعلیہ حجۃ اخری** (ب)(سنن للبیہقی،باب اثبات فرض الحج ج رابع ص ۵۳۳،نمبر ۸۶۱۳) اس سے معلوم ہوا کہ بچے اور غلام پر حج فرض نہیں ہے۔تندرست ہو تو حج فرض ہوتا ہے ورنہ نہیں کیونکہ تندرست نہ ہو تو بیت اللہ تک کیسے جائے گا۔

وجہ (۱) آیت میں من استطاع فرمایا گیا ہے کہ جو بیت اللہ تک جا سکتا ہو۔اور مریض آدمی بیت اللہ تک جا نہیں سکتا اس لئے اس پر فرض نہیں ہے۔البتہ اگر پہلے تندرست تھا جس کی وجہ سے حج فرض ہوا بعد میں مریض ہوا تو اس پر حج بدل کرنے کی وصیت کرنا لازم ہے۔صحت ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن عبد اللہ ابن عباس قال کان الفضل بن عباس ردیف رسول اللہ فجائتہ امرأۃ من خثعم**

حاشیہ : (الف) اللہ کے لئے لوگوں پر بیت اللہ کا حج کرنا ہے جو اس کی طرف جانے کی طاقت رکھتا ہے (ب) آپ نے فرمایا جس بچے نے بھی حج کیا ہو پھر بالغ ہوا تو اس پر یہ ہے کہ دوسری مرتبہ حج کرے۔اور جو دیہاتی حج کر چکا ہو پھر ہجرت کی تو اس پر یہ ہے کہ دوسری مرتبہ حج کرے،اور جس غلام نے حج کیا ہو پھر آزاد کیا گیا تو اس پر دوسرا حج ہے **نوٹ** دیہاتی کو دوسری مرتبہ حج کرنے کا حکم اس وقت تھا جب ہجرت کے بغیر اسلام مقبول نہیں تھا،اب نہیں۔

علی الزاد والراحلة فاضلا عن المسکن ومالا بد منه وعن نفقة عیاله الی حین عوده وکان الطریق آمنا[۲۰۶] (۲) ویعتبر فی حق المرأة ان یکون لها محرم یحج بها او زوج ولا

... **فقالت یا رسول الله ان فریضة الله عزوجل علی عباده فی الحج ادرکت ابی شیخا کبیرا لا یستطیع ان یثبت علی الراحلة افاحج عنه قال نعم وذلک فی حجة الوداع** (الف)(ابوداؤدشریف، باب الرجل یحج عن غیرہ ص۲۵۹ نمبر ۱۸۰۹/ترمذی شریف، باب ماجاء فی الحج عن الشیخ الکبیر والمیت ص ۱۸۵ نمبر ۹۲۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تندرست ہو تو حج کرے گا ورنہ اس پر حج فرض نہیں ہے۔ البتہ فرض ہو گیا ہو بعد میں بیمار ہوا ہو تو اس کی جانب سے ولی حج بدل کرے۔ توشہ اور کجاوہ ہو تب حج فرض ہوتا ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابن عمر قال جاء رجل الی النبی ﷺ فقال یا رسول الله مایوجب الحج قال الزاد والراحلة** (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی ایجاب الحج بالزاد والراحلة ص ۱۶۸ نمبر ۸۱۳/دارقطنی، کتاب الحج ج ثانی ص۱۹۳ نمبر ۲۳۸۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سفر کا توشہ ہو اور سواری پر سوار ہونے کا خرچ ہو تب حج فرض ہوتا ہے۔ مکان سے اور مکان کی ضروری اشیاء سے فاضل ہو اور واپس لوٹنے تک اہل وعیال کے نفقہ سے زیادہ ہو۔

وجہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سب انسان کی حاجت اصلیہ ہیں اور حج کے لئے حاجت اصلیہ سے فارغ ہو۔ کیونکہ یہ حقوق العباد ہیں اور حج حقوق اللہ ہے اور حقوق العباد حقوق اللہ سے مقدم ہوتے ہیں۔ اس لئے ان سب ضروریات سے فارغ ہو تب حج واجب ہوگا۔ اور راستہ مامون ہو تب حج فرض ہوتا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ راستہ مامون نہیں ہوگا تو حج کرنے کیسے جائے گا۔ **من استطاع الیه سبیلا** میں یہ داخل ہے کہ راستہ مکہ مکرمہ تک مامون ہو تاکہ بیت اللہ تک جا سکے (۲) جب تک مکہ مکرمہ تک جانے کا راستہ مامون نہ ہوا اس وقت تک حضور حج کرنے تشریف نہیں لے گئے۔ حدیث میں ہے **عن ابی امامة عن النبی ﷺ قال من لم یحبسه مرض او حاجة ظاهرة او سلطان جائر ولم یحج فلیمت ان شاء یهودیا او نصرانیا** (سنن للبیہقی، باب امکان الحج ج رابع ص ۵۴۶، نمبر ۸۶۶۰) اس حدیث میں ہے کہ ظالم بادشاہ نہ روکے جس سے راستہ کے مامون ہونے پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔

لغت الزاد : توشہ۔ راحلة : کجاوہ، سواری۔ عود : لوٹنا، واپس ہونا۔

[۲۰۶] (۲) اور عورت کے حق میں اعتبار کیا جائے گا کہ اس کے لئے محرم ہو جو اس کو حج کرائے، یا شوہر ہو۔ اور نہیں جائز ہے عورت کے لئے کہ ان دونوں کے بغیر حج کرے جب کہ عورت کے درمیان اور مکہ مکرمہ کے درمیان تین دن کا سفر ہو یا زیادہ کا سفر ہو۔

تشریح عورت جس مقام سے حج کرنا چاہتی ہے وہاں سے مکہ مکرمہ تک تین دن یا اس سے زیادہ کا سفر ہو تو بغیر محرم کے حج فرض نہیں ہوگا۔ یا محرم ہو یا شوہر ہو جو اس کو حج کرا سکے تب حج فرض ہوگا۔ اگر کوئی محرم اپنے خرچ سے حج کے لئے تیار نہ ہو تو عورت کے پاس اتنا خرچ ہونا چاہئے

حاشیہ : (الف) حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ فضل بن عباس حضورؐ کے پیچھے بیٹھے تھے کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت آئی... کہنے لگی اے اللہ کے رسول حج کے بارے میں اللہ کا فرض بندوں پر نازل ہوا ہے، میرے باپ کو بوڑھا پا آ گیا ہے، کجاوے پر ٹھہر نہیں سکتا تو کیا میں ان کی جانب سے حج کروں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں! یہ معاملہ حجۃ الوداع کا تھا (ب) ایک آدمی حضورؐ کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ! حج کس چیز سے واجب ہوتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا توشہ اور کجاوہ کے مالک ہونے سے۔

یجوز لها ان یحج بغیرهما اذا کان بینها وبین مکة مسیرة ثلثة ایام فصاعدا[۶۰۷] (۳) والمواقیت التی لا یجوز ان یتجاوزها الانسان الا محرما لاهل المدینة ذو الحلیفة ولاهل

کہ محرم کو بھی خرچ دیکر حج کے لئے لے جاسکے۔

نوٹ بعض علماء نے فرمایا کہ محرم نہ ہو تو حج ہی فرض نہیں ہوگا۔ اور بعض فرماتے ہیں کہ حج فرض ہو جائے گا۔ لیکن حج میں جانا فرض نہیں ہوگا۔ وہ حج بدل کے لئے وصیت کرے۔

وجہ حدیث میں ہے **عن ابی سعید قال قال رسول الله ﷺ لا یحل لامرأة تومن بالله والیوم الآخر ان تسافر سفرا فوق ثلثة ایام فصاعدا الا و معها ابوها او اخوها او زوجها او ابنها او ذومحرم منها** (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی المرأة تحج بغیر محرم ص ۲۴۹ نمبر ۱۷۲۶ ر مسلم شریف، باب سفر المرأة مع محرم الی حج وغیرہ ص ۴۳۲ نمبر ۱۳۴۰) (۲) دار قطنی میں ہے **عن ابی امامة قال سمعت رسول الله ﷺ یقول لا تسافر امرأة سفرا ثلاثة ایام او تحج الا و معها زوجها** (ب) (دار قطنی، کتاب الحج ج ثانی ص ۱۹۹ نمبر ۲۴۱۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے ساتھ محرم ہو تب حج فرض ہوگا۔ کیونکہ بغیر محرم کے تین دن سے زیادہ کا سفر کرنا جائز نہیں ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس کے ساتھ معتمد عورت ہو تو حج میں عورت جا سکتی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ عورت کے ساتھ جانے سے خرافات کا خطرہ ہے اس لئے منع کیا جائے اور حدیث میں بھی منع فرمایا ہے۔

نوٹ تاہم اگر عورت نے بغیر محرم کے حج کر لیا تو حج فرض ادا ہو جائے گا، اگر چہ نا جائز کا ارتکاب کیا۔

[۶۰۷] (۳) اور وہ میقات جو نہیں جائز ہے کہ انسان ان سے آگے گزرے مگر احرام باندھ کر۔ اہل مدینہ کے لئے ذوالحلیفہ، اہل عراق کے لئے ذات عرق، اہل شام کے لئے جحفہ، اہل نجد کے لئے قرن اور اہل یمن کے لئے یلملم ہے۔

تشریح مکہ مکرمہ سے کافی دوری پر یہ مقامات ہیں۔ مکہ مکرمہ کی تعظیم کے لئے یہ ضروری ہے کہ جب ان میقات سے باہر سے لوگ مکہ مکرمہ آئیں تو ان مقامات پر حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر آئیں۔ اور حج یا عمرہ کریں۔ پھر اپنا کام کریں یہ بیت اللہ کی عظمت کا تقاضا ہے۔ اور اگر احرام باندھے بغیر آگئے تو اس کو دم لازم ہوگا۔ جس طرح کوئی مسجد میں آئے تو مسجد کی عظمت کا تقاضا ہے کہ پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے یا اور کوئی نماز پڑھے۔

وجہ (۱) ان مقامات کی تصریح حدیث میں ہے **عن ابن عباس قال وقت رسول الله ﷺ لاهل المدینة ذا الحلیفة، ولاهل الشام الجحفة، ولاهل نجد قرن المنازل، ولاهل الیمن یلملم هن لهن ولمن اتی علیهن من غیر هن ممن اراد**

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جو عورت اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو اس کے لئے حلال نہیں ہے کہ تین دن یا اس سے زیادہ کا سفر کرے مگر یہ کہ اس کے ساتھ اس کا باپ ہو یا اس کا بھائی ہو یا اس کا شوہر ہو یا اس کا بیٹا ہو یا اس کا ذی رحم محرم ہو (ب) آپؐ فرمایا کرتے تھے عورت نہ سفر کرے تین دن کا سفر یا حج نہ کرے مگر یہ کہ اس کے ساتھ اس کا شوہر ہو۔

العراق ذات عرق ولاھل الشام الجحفة ولاھل النجد قرن ولاھل الیمن یلملم[۲۰۸](۴) فان قدم الاحرام علی ھذہ المواقیت جاز[۲۰۹](۵) ومن کان منزلہ

الحج والعمرۃ ومن کان دون ذلک فمن حیث انشاء حتی اھل مکۃ من مکۃ (الف) (بخاری شریف، باب مھل اھل مکۃ للحج والعمرۃ ص۲۰۶ نمبر۱۵۲۴ ر مسلم شریف، باب مواقیت الحج ص۴۷۳ نمبر۱۱۸۱) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ یہ مقامات ان لوگوں کے لئے میقات ہیں۔ بغیر احرام کے ان سے آگے گزرنا جائز نہیں (۲) عن عائشۃ ان رسول اللہ ﷺ وقت لاھل العراق ذات عرق (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی المواقیت ص۲۵۰ نمبر۱۷۳۹ ر بخاری شریف، باب ذات عرق لاھل العراق ص۲۰۷ نمبر۱۵۳۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل عراق کے لئے میقات مقام ذات عرق ہے۔

﴿ میقات ﴾

ذوالحلیفہ	یہ مقام اہل مدینہ کی میقات ہے	مکہ مکرمہ سے 410 کیلومیٹر دور شمال کی جانب ہے
ذات عراق	یہ مقام اہل عراق کی میقات ہے	مکہ مکرمہ سے 90 کیلومیٹر دور مشرق کی جانب ہے
جحفہ	یہ مقام اہل شام کی میقات ہے	مکہ مکرمہ سے 187 کیلومیٹر دور شمال کی جانب ہے
قرن	یہ مقام اہل نجد کی میقات ہے	مکہ مکرمہ سے 80 کیلومیٹر دور جنوب کی جانب ہے
یلملم	یہ مقام اہل یمن کی میقات ہے	مکہ مکرمہ سے 130 کیلومیٹر دور جنوب کی جانب ہے

[۲۰۸](۴) پس اگر احرام ان مقامات سے پہلے باندھ لیا تو جائز ہے۔

تشریح اوپر جو پانچ جگہ میقات کی بیان کی گئی ہیں ان مقامات سے پہلے بھی احرام باندھ لیا تو جائز ہے، بلکہ صبر کر سکے تو افضل ہے۔

وجہ حدیث میں ہے عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قولہ عزوجل واتموا الحج والعمرۃ للہ، قال من تمام الحج ان تحرم من دویرۃ اھلک (ج) (سنن للبیہقی، باب من استحب الاحرام من دویرۃ اھلہ ج خامس ص۴۵، نمبر۸۹۲۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر گھر سے احرام باندھے تو زیادہ بہتر ہے۔

[۲۰۹](۵) جس کا گھر میقات کے بعد ہو تو اس کی میقات حل ہے۔

تشریح مقام میقات کے اندر اور بیت اللہ کے ارد گرد جو حرم کا حصہ ہے اس سے باہر کو حل کہتے ہیں۔ جو لوگ میقات کے اندر رہتے ہیں ان کے لئے حج اور عمرہ کا احرام باندھنے کے لئے جگہ حل ہے۔ وہ حل سے اپنا احرام باندھے۔ اس کو واپس میقات پر آنے کی ضرورت نہیں ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے میقات متعین کیا۔ مدینہ والوں کے لئے ذوالحلیفہ، شام والوں کے لئے جحفہ، نجد والوں کے لئے قرن المنازل، یمن والوں کے لئے یلملم۔ یہ میقات ان لوگوں کے لئے ہیں اور ان کے علاوہ جو ان میقات سے گزریں ان میں سے جو حج اور عمرہ کا ارادہ کرتے ہوں۔ اور جو ان میقات کے اندر ہوں تو جہاں سے شروع کر رہا ہو (وہ وجہ جگہ اس کی میقات ہے) یہاں تک کہ مکہ والوں کے لئے مکہ سے میقات ہے (ب) آپؐ نے میقات متعین کیا عراق والوں کے لئے ذات عرق (ج) حضورؐ سے مروی ہے کہ اللہ کا قول اتمو الحج للہ والعمرۃ للہ، آپؐ نے فرمایا کہ حج کے اتمام میں سے یہ ہے کہ اپنے اہل کے گھر سے احرام باندھے۔

بعد المواقیت فمیقاته الحل[۶۱۰] (۶) ومن كان بمكة فمیقاته فی الحج الحرم وفی

مسئلہ نمبر۳ میں حدیث بخاری شریف گزر چکی ہے جس کا حصہ تھا **ومن كان دون ذلك فمن حیث انشأ حتی اهل مكة من مكة** (بخاری شریف، نمبر۱۵۲۴ر مسلم شریف، نمبر۱۱۸۱) اور دوسری حدیث میں ہے **فمن كان دونهن فمهله من اهله وكذلك حتی اهل مكة یهلون منها** (الف) (بخاری شریف، باب مھل اھل الشام ص۲۰۶ر۲۰۷ نمبر۱۵۲۶ر مسلم شریف، باب مواقیت الحج ص۳۷۴ نمبر۱۱۸۱) اس حدیث میں ہے کہ جو میقات کے اندر ہو وہ حج اور عمرہ کا احرام وہیں سے باندھیں جہاں سے وہ چل رہے ہیں یعنی حل سے۔

لغت منزل : رہنے کی جگہ، گھر۔

[۶۱۰] (۶) جو مکہ مکرمہ میں ہو اس کی میقات حج کے لئے حرم ہے اور عمرہ کے لئے حل ہے۔

وجہ اہل مکہ کے لئے اور وہ لوگ جو مکہ میں آکر کچھ دنوں ٹھہر گئے ہیں ان کے لئے حج کے لئے میقات حرم ہے۔ اس کی دلیل اوپر حدیث میں گزری **فمن كان دونهن فمهله من اهله وكذالک حتی اهل مكة یهلون منها** (بخاری شریف، باب مھل اھل الشام ص۲۰۷ نمبر۱۵۲۶ر مسلم شریف نمبر۱۱۸۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل مکہ حج کا احرام مکہ ہی سے باندھیں گے۔ ان کو حل جانے کی ضرورت نہیں۔ لیکن عمرہ کا احرام حل سے باندھیں گے۔ کیونکہ حضرت عائشہ جو مکہ میں آکر مقیم ہوئیں اور گویا کہ مکی ہو گئیں لیکن عمرہ کا احرام باندھنے کے لئے ان کو تنعیم جانے کے لئے کہا جو حرم سے باہر حل میں ہے۔ اور آج کل وہاں مسجد عائشہ موجود ہے۔ حدیث میں ہے **حدثنی جابر بن عبد الله ان النبی ﷺ اهل واصحابه ... قالت یا رسول الله ا تنطلقون بحجة وعمرة وانطلق با لحج؟ فامر عبد الرحمان بن ابی بكر ان یخرج معها الی التنعیم فاعتمرت بعد الحج فی ذی الحجة** (ب) (بخاری شریف، باب عمرۃ التنعیم، کتاب العمرۃ ص۲۴۰ نمبر۱۷۸۵ر ابوداؤد شریف، باب المھلۃ بالعمرۃ تحیض ص۲۸۰ نمبر۱۹۹۵) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ نے عمرہ کے لئے تنعیم سے جاکر احرام باندھا جو حل میں ہے۔ اس لئے مکی عمرہ کے لئے حل سے احرام باندھیں گے۔

نوٹ میقات سے بغیر احرام کے گزرے گا تو دم لازم ہوگا۔

وجہ **رای ابن عباس یرد من جاوز المواقیت غیر محرم** (ج) (سنن للبیھقی، باب من مر بالمیقات یرید حجا او عمرۃ ج خامس ص۴۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ میقات سے گزر جائے اس کو میقات پر واپس کیا جائے۔ کیونکہ بغیر احرام کے آگے نہیں گزرنا چاہئے۔ دوسرے اثر میں ہے **عن عبد الله بن عباس انه قال من نسی من نسكه شیئا اوتركه فلیهرق دما** (د) (سنن للبیھقی، باب من مر بالمیقات

حاشیہ : (الف) اور جو میقات کے اندر ہو تو جہاں سے چلے گا وہاں سے احران باندھے۔ یہاں تک کہ اہل مکہ مکہ سے احرام باندھے۔ (ب) حضرت عائشہ فرمانے لگی اے اللہ کے رسول! آپؐ حضرات حج اور عمرہ کے ساتھ جائیں گے اور میں صرف حج کے ساتھ جاؤں گی۔ تو آپؐ نے عبد الرحمن بن ابوبکر کو حکم دیا کہ وہ حضرت عائشہ کے ساتھ تنعیم تک جائے تو میں نے حج کے بعد ذی الحجہ میں عمرہ کیا (ج) حضرت ابن عباس کی رائے ہے کہ بغیر احرام کے میقات سے آگے بڑھ جائے اس کو واپس کیا جائے (د) عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ جو حج کے نسک میں سے کچھ بھول جائے یا چھوڑ دے تو خون بہانا چاہئے یعنی دم دے۔

العمرة الحل [۱۱٦] (۷) واذا اراد الاحرام اغتسل او توضأ والغسل افضل ولبس ثوبین جدیدن او غسیلین ازارا و رداء ومس طیبا ان کان له وصلی رکعتین وقال اللهم انی ارید الحج فیسره لی وتقبله منی ثم یلبی عقیب صلوتهٗ.

یرید حجا او عمرۃ ج خامس ص۴۴، نمبر ۸۹۲۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اگر میقات پر احرام باندھے بغیر گزرا تو اس کو دم دینا ہوگا۔

[۶۱۱] (۷) جب احرام کا ارادہ کرے تو غسل کرے یا وضو کرے البتہ غسل افضل ہے۔اور دو نئے کپڑے پہنے یا دونوں دھوئے ہوئے ہو۔لنگی ہو اور چادر ہو۔اور خوشبو لگائے اگر اس کے پاس ہو اور دو رکعت نماز پڑھے۔اور اللھم انی ارید الحج فیسرہ لی وتقبلہ منی پڑھے، پھر نماز کے بعد تلبیہ پڑھے۔

تشریح احرام باندھتے وقت یہ چھ سنتیں ہیں۔(۱) وضو کرے یا غسل کرے۔البتہ غسل بہتر ہے (۲) دو نئے کپڑے پہنے (۳) خوشبو لگائے (۴) دو رکعت نماز پڑھے (۵) اور حج یا عمرہ کی نیت کرے (۶) نماز کے بعد تلبیہ پڑھے۔

وجہ حدیث میں ہے آپ نے احرام کے لئے غسل فرمایا **عن ابن عباس قال اغتسل رسول اللہ ثم لبس ثیابه فلما اتی ذالحلیفة صلی رکعتین ثم قعد علی بعیره فلما استوی به علی البیداء احرم بالحج** (الف) (دار قطنی، کتاب الحج ج ثانی ص ۱۹۷ نمبر ۲۴۰۸ رسنن للبیہقی، باب الغسل للاھلال ج خامس ص ۴۹، نمبر ۸۹۴۵ رترمذی شریف، باب ماجاء فی الاغتسال عند الاحرام ص ۱۷۱ نمبر ۸۳۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احرام کے لئے غسل کرے یہ بہتر ہے۔البتہ سہولت نہ ہونے پر وضو بھی کافی ہے۔اسی سے معلوم ہوا کہ احرام کے کپڑے پہنے (۲) حدیث میں ہے **عن عبد اللہ بن عباس قال انطلق النبی ﷺ من المدینة بعد ما ترجل وادهن ولبس ازاره ورداءه هو واصحابه فلم ینه عن شیء من الاردیة والازر** (ب) (بخاری شریف، باب مایلبس المحرم من الثیاب والاردیۃ والازار ص ۲۰۹ نمبر ۱۵۴۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کپڑے ازار اور چادر پہنے۔کنگی کرے اور تیل یعنی خوشبو لگائے **عن عائشة زوج النبی ﷺ قالت کنت اطیب رسول الله لاحرامه حین یحرم ولحله قبل ان یطوف بالبیت** (ج) (بخاری شریف، باب الطیب عند الاحرام ص ۲۰۸ نمبر ۱۵۳۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احرام سے پہلے خوشبو لگائے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایسی خوشبو نہ لگائے جس کا جرم احرام کے بعد رہے۔کیونکہ اگر خوشبو کا جرم احرام کے بعد باقی رہا تو احرام کے بعد خوشبو سے فائدہ اٹھانا لازم آئے گا جو صحیح نہیں ہے۔اس لئے ایسی خوشبو لگانا جائز نہیں جس کا جرم بعد میں باقی رہے۔ہم کہتے ہیں کہ حدیث میں ہے **عن عائشة قالت کانی انظر الی وبیض الطیب فی مفارق رسول اللہ ﷺ وهو محرم** (د) (بخاری شریف،

حاشیہ : (الف) آپؐ نے غسل کیا پھر کپڑے پہنے۔پس جب ذو الحلیفہ آئے تو دو رکعت نماز پڑھی پھر اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے۔پس جب مقام بیداء پر چڑھے تو حج کا احرام باندھا (ب) آپؐ مدینہ سے چلے اس کے بعد کہ کنگی کی، تیل لگایا اور ازار پہنی اور چادر پہنی، وہ اور اس کے ساتھی تو آپؐ نے ازار اور چادر سے نہیں روکا (ج) میں حضور کو احرام کے لئے خوشبو لگاتی جس وقت آپ احرام باندھتے اور اس سے حلال ہونے کے لئے بیت اللہ کا طواف کرنے سے پہلے (د) گویا کہ میں حضور کی مانگ میں خوشبو کی چمک دیکھ رہی ہوں اس حال میں کہ آپ محرم تھے۔

[٦١٢] (٨) فان كان مفردا بالحج نوى بتلبية الحج والتلبية ان يقول لبيك اللهم لبيك لبيك لا شريك لك لبيك ان الحمد والنعمة لك والملك لا شريك لك ولا ينبغى ان يخل بشيء من هذه الكلمات فان زاد فيها جاز[٦١٣] (٩) فاذا لبى

باب الطیب عند الاحرام ص ۲۰۸ نمبر ۱۵۳۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احرام کے بعد خوشبو کا جرم باقی رہ جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ دو رکعت نماز پڑھے اس کی دلیل پیچھے دارقطنی کی حدیث گزری **عن ابن عباس ان النبی ﷺ اهل فی دبر الصلوة** (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء متی احرم النبی ﷺ ص ۱۶۹ نمبر ۸۱۹/ابوداؤد شریف، باب فی وقت الاحرام ص ۲۵۳ نمبر ۱۷۷۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احرام باندھنے سے پہلے دو رکعت نفل پڑھنا سنت ہے۔ **اللهم انی ارید الحج فیسره لی الخ** یہ نیت ہے اور ہر عبادت کے لئے نیت ضروری ہے۔ اس لئے یہ نیت کرے اور آسانی اور قبولیت کے لئے دعا بھی کرے۔ اوپر کی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز کے بعد تلبیہ پڑھے۔

[٦١٢] (٨) پس اگر مفرد بالحج ہے تو تلبیہ پڑھ کر حج کی نیت کرے، اور تلبیہ یہ ہے کہ **لبیک اللهم لبیک الخ** (ترجمہ اے اللہ حاضر ہوں، حاضر ہوں، حاضر ہوں آپ کے لئے کوئی شریک نہیں ہے، حاضر ہوں۔ تمام تعریفیں اور نعمت آپ کے لئے ہے اور ملک آپ کے لئے ہے، آپ کا کوئی شریک نہیں) نہیں مناسب ہے کہ ان کلمات میں سے کچھ کم کرے، پس اگر زیادہ کرے تو جائز ہے۔

تشریح حج کی نیت کر کے تلبیہ پڑھیگا تو احرام باندھا چکا جائے گا۔

نوٹ اوپر جو تلبیہ ذکر کیا گیا ہے اس میں زیادتی بھی کر سکتے ہیں کیونکہ یہ ذکر ہے۔ اور ذکر میں زیادتی کرنا جائز ہے البتہ کمی کرنا ٹھیک نہیں۔

وجہ **عن عبد الله بن عمر ان رسول الله ﷺ کان اذا استوت به راحلته قائمة عند مسجد ذوالحلیفة اهل فقال لبیک اللهم لبیک لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمة لک والملک لا شریک لک. قالوا وکان عبد الله بن عمر یقول هذه تلبیة رسول الله ﷺ قال قال نافع کان عبد الله یزید مع هذا لبیک لبیک وسعدیک والخیر بیدیک لبیک والرغباء الیک والعمل** (ب) (مسلم شریف، باب التلبیۃ وصفتھا ووقتھا ص ۳۷۵ نمبر ۱۱۸۴/ بخاری شریف، باب التلبیۃ ص ۲۱۰ نمبر ۱۵۴۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تلبیہ کس طرح پڑھے۔ اور عبداللہ بن عمر کے عمل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور کی تلبیہ کے علاوہ کچھ کلمات کی زیادتی بھی کی جاسکتی ہے۔

[٦١٣] (٩) پس جب کہ تلبیہ پڑھا تو احرام باندھ لیا۔

تشریح احرام کے کپڑے پہن کر حج یا عمرہ کی نیت کر کے تلبیہ پڑھے گا تو احرام باندھا چلا جائے گا۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ احرام باندھتے نماز کے بعد (ب) حضورؐ جب سواری پر ٹھیک سوار ہو جاتے مسجد ذوالحلیفہ کے پاس تو احرام باندھتے اور کہتے لبیک الخ۔ عبد اللہ بن عمر کہتے ہیں کہ یہ حضور کا تلبیہ ہے۔ حضرت نافع فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر اس کے ساتھ لبیک سعدیک والخیر بیدیک لبیک والرغباء الیک والعمل زیادہ کرتے۔

فقد احرم[۶۱۴] (۱۰) فليتق ما نهى الله عنه من الرفث والفسوق والجدال [۶۱۵](۱۱) ولا يقتل صيدا ولا يشير اليه ولا يدل اليه.

وجہ تلبیہ پڑھنے کوہی احرام باندھنا کہتے ہیں۔حدیث میں ہے عن عائشة زوج النبى ﷺ قالت خرجنا مع النبى ﷺ فى حجة الوداع ... واهلى بالحج ودعى العمرة (الف)(بخاری شریف، باب کیف تھل الحائض والنفساء ص ۲۱۱ نمبر ۱۵۵۶)اس حدیث میں اهلى بالحج کا ترجمہ ہے کہ حج کا احرام باندھ لو اور یہ بھی ہے کہ حج کا تلبیہ پڑھو۔اس لئے احرام باندھنے کے لئے تلبیہ پڑھنا واجب ہے۔تفسیر طبری میں فمن فرض فيهن الحج قال من اهل بحج (ب)تفسیر طبری ج ثانی ص ۱۵۲)اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ تلبیہ پڑھنا ہی احرام باندھنا ہے۔اس لئے احرام کی نیت کر کے تلبیہ پڑھے گا تو احرام باندھا چلا جائے گا۔

[۶۱۴](۱۰) پس بچے ان چیزوں سے جس سے اللہ نے منع کیا ہے، مثلا جماع کی باتیں، فسق کی باتیں اور جھگڑے کی باتیں۔

تشریح اللہ نے محرم کو جماع، جھگڑے اور فسق کی باتیں کرنے سے منع کیا ہے۔محرم احرام کی حالت میں ان باتوں سے پرہیز کرے۔

وجہ فمن فرض فيهن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فى الحج (ج)(آیت ۱۹۷ سورۃ البقرۃ ۲)اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو احرام باندھے اس کو جماع کی باتیں، فسق کی باتیں اور جھگڑے کی باتوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔

لغت الرفث : جماع کی باتیں۔ الفسوق : فسق کی باتیں۔ الجدال : جھگڑے کی باتیں۔

[۶۱۵](۱۱) شکار کو نہ قتل کرے نہ اس کی طرف اشارہ کرے اور نہ اس پر رہنمائی کرے۔

تشریح شکار کا قتل کرنا، اس کی طرف اشارہ کرنا اور اس کی طرف رہنمائی کرنا سب محرم کے لئے حرام ہیں۔

وجہ احرام کی حالت میں شکار کرنا اس آیت سے حرام ہے احل لكم صيد البحر وطعامه متاعا لكم وللسيارة وحرم عليكم صيد البر مادمتم حرما (د)(آیت ۹۶ سورۃ المائدۃ ۵)اس آیت سے معلوم ہوا کہ سمندر کا شکار کرنا احرام کی حالت میں جائز ہے۔لیکن خشکی کا شکار کرنا جائز نہیں ہے۔اور شکار کی طرف اشارہ کرنا یا رہنمائی کرنا جائز نہیں اس کی دلیل ان احادیث میں ہے عبد الله بن ابى قتادة ان اباه اخبره ان رسول الله خرج حاجا فخرجوا معه ... فاكلنا من لحمها (لحم الصيد)ثم قلنا انأكل لحم صيد و نحن محرمون فحملنا ما بقى من لحمها قال امنكم احد امره ان يحمل عليها او اشار اليها؟ قالوا لا قال فكلوا ما بقى من لحمها (د)(بخاری شریف، باب لایشیر المحرم الی الصید لکی یصتادہ الحلال ص ۲۴۶ نمبر ۱۸۲۴)اور مسلم میں ہے هل منكم احد امره او

حاشیہ : (الف) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ہم حضور کے ساتھ حجۃ الوداع میں نکلے...آپؐ نے فرمایا حج کا احرام باندھو اور عمرہ چھوڑ دو(ب)تفسیر طبری میں ہے فمن فرض فیھن الحج میں فرمایا کہ جس نے حج کا احرام باندھا(ج) جس نے حج فرض کیا تو نہ جماع کی بات کرے نہ فسق کی بات کرے اور نہ حج میں جھگڑا کرے(د) تمہارے لئے سمندر کا شکار اور اس کا حلال کیا گیا ہے جو تمہارے لئے سامان ہے اور سفر کرنے والوں کے لئے۔اور تم پر خشکی کا شکار حرام کیا گیا ہے جب تک تم محرم رہو (د)حضورؐ حج کے لئے نکلے تو لوگ بھی ان کے ساتھ نکلے۔ہم نے شکار کا گوشت کھایا تو ہم نے کہا کہ ہم نے شکار کا گوشت کھایا حالانکہ ہم محرم ہیں۔تو جو گوشت باقی تھا اس کو لیکر حضور کے پاس گئے۔آپؐ نے فرمایا کیا تم میں سے کسی نے ابوقتادہ کو حکم دیا تھا کہ شکار پر حملہ کرے یا اس کی طرف اشارہ کیا تھا؟ صحابہ نے (باقی اگلے صفحہ پر)

[٦١٦](١٢) ولا یلبس قمیصا ولا سراویل ولا عمامة ولا قلنسوة ولا قباء ولا خفین الا ان لایجد نعلین فیقطعهما من اسفل الکعبین [٦١٧](١٣) ولا یغطی رأسه ولا وجهه.

اشار الیه بشیء قال قالوا لا قال فکلوا ما بقی من لحمها (الف)(مسلم شریف، باب تحریم الصید الماکول البری اوما اصله ذلک علی المحرم، کتاب الحج ص۳۸۱ نمبر۱۱۹۶/۲۸۵۵) احادیث سے معلوم ہوا کہ محرم کے لئے شکار کی طرف اشارہ کرنا یا رہنمائی کرنا بھی جائز نہیں ہے

۔

[٦١٦](١٢) محرم نہ پہنے قمیص، نہ پائجامہ، نہ عمامہ، نہ ٹوپی، نہ قبا، نہ موزے مگر یہ کہ نہ پائے چپل تو اس کو ٹخنے کے نیچے سے کاٹ دے۔

تشریح اصول یہ ہے کہ مرد محرم سلا ہوا کپڑا نہ پہنے۔ یہ سب سلے ہوئے کپڑے ہیں اس لئے ان کو نہ پہنے۔اس میں ہے کہ موزہ بھی نہ پہنے کیونکہ موزہ بھی سلا ہوا ہوتا ہے۔البتہ چپل نہ ہو تو موزہ کو ٹخنے سے نیچے کاٹ دے تاکہ چپل کی طرح ہو جائے پھر اس کو پہن سکتا ہے۔

وجہ اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن عبد الله بن عمر ان رجلا قال یا رسول الله مایلبس المحرم من الثیاب؟ قال رسول الله ﷺ لا یلبس القمیص ولاالعمائم ولا السراویلات ولا البرانس ولا الخفاف الا احد لایجد نعلین فلیلبس خفین ولیقطعهما اسفل من الکعبین ولا تلبسوا من الثیاب شیئا مسه زعفران او ورس (ب)(بخاری شریف، باب مالا یلبس المحرم من الثیاب ص۲۰۹ نمبر۱۵۴۲/ مسلم شریف، باب ما یباح للمحرم بحج اوعمرة لبسه ومالا یباح ص۳۷۲ نمبر۱۱۷۷/ ابو داؤد شریف، باب مایلبس المحرم نمبر۱۸۲۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قمیص، عمامہ، پائجامہ اور ٹوپی پہننا جائز نہیں ہے۔عمامہ اگرچہ سلا ہوا نہیں ہوتا لیکن اس سے سر ڈھنکا جاتا ہے اور مرد محرم کے لئے سر ڈھانکنا جائز نہیں ہے۔اس لئے پگڑی پہننا جائز نہیں۔اسی طرح زعفران اور ورس سے رنگا ہوا کپڑا پہننا جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں خوشبو ہوتی ہے اور محرم کے لئے خوشبو لگانا جائز نہیں۔البتہ اس کو دھو کر خوشبو ختم کر دی جائے تو پھر پہننا جائز ہوگا۔اسی طرح موزے پہننا جائز نہیں ہے البتہ اگر چپل نہ ملے تو اس کو کاٹ کر چپل کی طرح بنالے اور پہن لے۔

[٦١٧](١٣) محرم نہ سر ڈھانکے اور نہ چہرہ ڈھانکے

وجہ سر نہ ڈھانکنے کی حدیث مسئلہ نمبر۱۲ میں گزر چکی ہے ولا العمائم ولا البرانس کہ پگڑی نہ پہنے اور ٹوپی نہ پہنے۔کیونکہ ان سے سر ڈھنک جاتا ہے (۲) اور عورت کے چہرے پر کپڑا نہ آئے اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عمر عن النبی ﷺ المحرمة لا تنتقب ولا تلبس القفازین (ج)(ابو داؤد شریف، باب مایلبس المحرم ص۲۶۱ نمبر۱۸۲۶) اس حدیث میں ہے کہ محرمہ عورت نقاب نہ

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) فرمایا نہیں! آپؐ نے فرمایا جو اس کا گوشت باقی رہ گیا ہے اس کو کھاؤ (الف) کیا تم میں سے کسی نے ابوقتادہ کو حکم دیا تھا یا شکار کی طرف کچھ اشارہ کیا تھا؟ صحابہ نے فرمایا نہیں! آپؐ نے فرمایا جو گوشت باقی رہا ہے اس کو کھاؤ۔(ب) ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول! محرم کون سا کپڑا پہنے؟ آپؐ نے فرمایا قمیص نہ پہنے، نہ پگڑی باندھے، نہ پائجامہ پہنے، نہ ٹوپی پہنے، نہ موزہ پہنے مگر یہ کہ کوئی چپل نہ پائے تو دونوں موزے پہنے اور دونوں ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ دے۔اور کوئی بھی ایسا کپڑا نہ پہنے جس کو زعفران یا ورس لگا ہو (ج) حضرت عبداللہ بن عمر حضورؐ سے نقل کرتے ہیں کہ محرمہ عورت نہ نقاب ڈالے اور نہ دستانے پہنے۔

[۶۱۸](۱۴) ولا یمس طیبا [۶۱۹](۱۵) ولا یحلق رأسه ولا شعر بدنه ولا یقص من لحیته ولا من ظفره[۶۲۰](۱۶) ولا یلبس ثوبا مصبوغا بورس ولا بزعفران ولا بعصفر

کرے کیونکہ اس سے چہرہ ڈھنک جاتا ہے(۳) حدیث میں ہے عن عائشة قالت کان الرکبان یمرون بنا و نحن مع رسول الله ﷺ محرمات،فاذا حاذوا بناسدلت احدانا جلبابها من رأسها علی وجهها فاذا جاوزونا کشفناه (الف)(ابوداؤد شریف، باب فی المحرمة تغطی وجهها ص ۲۶۱ نمبر ۱۸۳۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محرمہ عورت کے سامنے اجنبی مرد آئے تو چہرہ پر اس طرح دور سے کپڑا ڈالے کہ چہرے پر کپڑا نہ لگے، پھر مرد کے جانے کے بعد چہرہ سے کپڑا ہٹالے۔

[۶۱۸](۱۴) اور محرم خوشبو نہ لگائے۔

وجہ اخبرنی صفوان بن یعلی عن ابیه قال کنا مع رسول الله فاتاه رجل علیه جبة بها اثر من خلوق فقال یا رسول الله ﷺ انی احرمت بعمرة فکیف افعل ... فقال انزع عنک جبتک واغسل اثر الخلوق الذی بک (ب)(مسلم شریف، باب ما یباح للمحرم و بیان تحریم الطیب علیه ص ۳۷۴ نمبر ۱۱۸۰ / بخاری شریف، باب غسل الخلوق ثلث مرات من الثیاب ص ۲۰۸ نمبر ۱۵۳۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محرم کے لئے خوشبو لگانا جائز نہیں ہے۔اوپر بھی ایک حدیث گزری جس میں تھا ولاتلبسوا من الثیاب شیئا مسه زعفران اوورس جس سے معلوم ہوا کہ زعفران اور ورس میں خوشبو ہوتی ہے۔اس لئے ایسا کپڑا پہننا جائز نہیں۔

[۶۱۹](۱۵) سر کو حلق نہ کرائے اور نہ بدن کے بال کو کاٹے اور نہ ڈاڑھی کو کتروائے اور نہ ناخن کتروائے۔

وجہ آیت میں ہے ولا تحلقوا رؤوسکم حتی یبلغ الهدی محله فمن کان منکم مریضا او به اذی من رأسه ففدیة من صیام او صدقة او نسک (ج)(آیت ۱۹۶ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ محرم کو سر کے بال یا بدن کے بال نہیں کٹوانا چاہئے۔اگر بال کٹوائے تو صدقہ دینا ہوگا یا روزے رکھنے ہونگے یا دم دینا ہوگا۔ناخن کے بارے میں یہ اثر ہے عن الحسن و عطاء قال اذا انکسر طفره قلمه من حیث انکسر ولیس علیه شیء فان قلمه من قبل ان انکسر فعلیه دم (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۲ فی المحرم یقص ظفرہ ج ثالث، ص ۱۳۰، نمبر ۱۲۷۵۶)

لغت یقص : کتروانا، کاٹنا۔

[۶۲۰](۱۶) اور نہ پہنے ورس سے رنگا ہوا کپڑا اور نہ زعفران سے اور نہ کسم سے رنگا ہوا مگر یہ کہ دھویا ہوا ہو چاہے رنگ نہ جھڑا ہو **تشریح** ان رنگوں میں خوشبو ہوتی ہے اور محرم کے لئے خوشبو لگانا جائز نہیں اس لئے ان رنگوں سے رنگا ہوا کپڑا نہ پہنے۔البتہ کپڑا دھو دیا گیا ہو تو جائز ہے

حاشیہ (الف) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ہمارے سامنے سے سوار گزرتے اور ہم محرمہ ہوتیں حضورؐ کے ساتھ، پس جب وہ ہمارے سامنے ہوتے تو ہم میں سے ہر ایک اپنی چادر لٹکا لیتی اپنے سر سے اپنے چہرے پر۔پس جب ہم سے گزر جاتے تو ہم چہرہ کھول لیتے (ب) آپؐ نے فرمایا اپنا جبہ کھول لو اور جو تمہارے اوپر خلوق کا اثر ہو اس کو دھولو (ج) اپنے سر کو حلق مت کراؤ یہاں تک کہ ہدی اپنی جگہ پر پہنچ جائے تو تم میں سے جو مریض ہو یا اس کو سر میں تکلیف ہو تو فدیہ دینا ہے روزے سے ،صدقہ سے یا دم سے۔

الا ان يكون غسيلا ولا ينفض الصبغ [۶۲۱](۱۷) ولا بأس بان يغتسل ويدخل الحمام[۶۲۲] (۱۸) ويستظل بالبيت والمحمل.

چاہے رنگ نہ گیا ہو لیکن خوشبو ختم ہوگئی ہو تو جائز ہو جائے گا۔ کیونکہ مقصود خوشبو کا ختم کرنا ہے رنگ کا جرم ختم کرنا نہیں ہے۔

وجہ (۱) **عن عبد الله بن عمر ان رجلا قال يا رسول الله ما يلبس المحرم من الثياب ... ولا تلبسوا من الثياب شيئا مسه زعفران او ورس** (الف) (بخاری شریف، باب مالا یلبس المحرم من الثیاب ص ۲۰۹ نمبر ۱۵۴۲ مسلم شریف، باب ما یباح للمحرم وبیان تحریم الطیب علیہ ص ۳۷۲ نمبر ۲۷۹۲ ۱۱۷۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ورس اور زعفران اور عصفر سے رنگا ہوا کپڑا نہ پہنے۔ البتہ خوشبو دھل گئی ہو تو پہننا جائز ہے۔ اس کی دلیل اس حدیث میں ہے (۲) **ان صفوان بن يعلى قال لعمر ارنى النبى ﷺ ... فقال اغسل الطيب الذى بك ثلث مرات وانزع عنك الجبة** (ب) (بخاری شریف، باب غسل الخلوف ثلث مرات من الثیاب ص ۲۰۸ نمبر ۱۵۳۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کپڑا دھولے جس سے خوشبو ختم ہو جائے تو پہن سکتا ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں عصفر سے رنگا ہوا کپڑا پہن سکتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ عصفر میں خوشبو نہیں ہوتی (۲) **ولبست عائشة الثياب المعصفرة وهى محرمة وقال جابر لا ارى المعصفر طيبا** (ج) (بخاری شریف، باب ما یلبس المحرم من الثیاب والاردیۃ ص ۲۰۹ نمبر ۱۵۴۵) اس اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ عصفر رنگ میں خوشبو نہیں ہوتی۔

[۶۲۱] (۱۷) کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ محرم غسل کرے اور غسلخانہ میں داخل ہو۔

وجہ **ان عبد الله بن عباس والمسور بن مخرمة اختلفا بالابواء فقال ابن عباس يغسل المحرم رأسه ... قال فصب على رأسه ثم حرك ابو ايوب رأسه بيديه فاقبل بهما وادبر ثم قال هكذا رأيته يفعل** (د) (ابوداؤد شریف، باب المحرم یغتسل ص ۲۶۲ نمبر ۱۸۴۰ مسلم شریف، باب جواز غسل المحرم بدنہ ورأسہ ص ۳۸۳ نمبر ۱۲۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محرم غسل کر سکتا ہے۔ اور غسل کر سکتا ہے تو غسلخانہ میں بھی داخل ہو سکتا ہے۔

[۶۲۲] (۱۸) گھر سے اور کجاوہ سے سایہ حاصل کر سکتا ہے۔

وجہ گھر سے یا کجاوہ سے سایہ حاصل کرنے میں سر پر کپڑا رکھنا نہیں ہے۔ خیمہ بھی ہوگا تو سر سے دور ہوگا اس لئے سایہ حاصل کرنا جائز ہے۔ نیز اس کی ضرورت بھی پڑتی ہے (۲) حدیث میں ہے **عن ام الحصين حدثته قالت حججنا مع النبى ﷺ حجة الوداع فرأيت اسامة وبلالا واحدهما اخذ بخطام ناقة النبى ﷺ والآخر رافع ثوبه يستره من الحر حتى رمى جمرة العقبة**

حاشیہ : (الف) ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول! محرم کون سا کپڑا پہنے ... مت پہنو ایسا کپڑا جس میں زعفران یا ورس رنگ لگا ہو (ب) آپ نے فرمایا اس خوشبو کو جو لگی ہے تین مرتبہ دھوؤ۔ اور اپنے سے جبہ کھول دو (ج) حضرت عائشہ نے عصفر لگا ہوا کپڑا پہنا حال یہ ہے کہ وہ محرمہ تھی، اور جابرؓ نے فرمایا عصفر میں خوشبو نہیں سمجھتا (د) حضرت عبد اللہ ابن عباس اور مسور بن مخرمہ نے مقام ابواء میں اختلاف کیا۔ عبد اللہ بن عباس نے فرمایا کہ محرم سر کو دھو سکتا ہے... حضرت ابو ایوب نے سر پر پانی بہایا پھر دونوں ہاتھوں سے اپنے سر پر حرکت دی پھر اس کو آگے پیچھے کیا پھر فرمایا اس طرح حضور کو کرتے ہوئے دیکھا۔

[٦٢٣](١٩) ويشد فى وسطه الهميان[٦٢٤] (٢٠) ولا يغسل رأسه ولا لحيته بالخطمى [٦٢٥](٢١) ويكثر من التلبية عقيب الصلوات كلما علا شرفا او هبط واديا

(الف)(ابوداؤد شریف، باب فی المحرم یظلل ص ۲۶۱/۲۶۲ نمبر ۱۸۳۴)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محرم سایہ حاصل کرسکتا ہے۔ کیونکہ حضورؐ نے کپڑے سے سایہ حاصل کیا۔

[٦٢٣](١٩)محرم کمر میں ہمیانی باندھ سکتا ہے۔

تشریح ہمیانی سلی ہوئی تھیلی ہوتی ہے جس میں محرم روپیہ رکھتا ہے۔ چونکہ روپیہ رکھنے کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے اس کی گنجائش ہے(۲) ہمیانی جسم میں پہنی نہیں جاتی صرف باندھی جاتی ہے۔اس لئے کوئی حرج نہیں ہے(۳)اثر میں ہے **سألت ابا جعفر وعطاء عن الهميان للمحرم فقال لا بأس به** (ب)(بخاری شریف، باب الطیب عند الاحرام ص ۲۰۸ نمبر ۱۵۳۷/مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۳۴ فی الھمیان للمحرم ج ثالث ص ۳۹۳، نمبر ۱۵۴۴۴)اس اثر سے معلوم ہوا کہ محرم ہمیانی باندھ سکتا ہے۔

[٦٢٤](٢٠)اپنے سر کو اور ڈاڑھی کو خطمی سے نہ دھوئے۔

وجہ خطمی سے صفائی بہت ہوتی ہے اور حاجی کو پراگندہ رہنا بہتر ہے اس لئے سر اور ڈاڑھی کو خطمی سے نہ دھوئے۔ نیز اس میں تھوڑی خوشبو بھی ہوتی ہے اس لئے بھی اس کو استعمال کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ پراگندہ رہنے کے لئے یہ حدیث ہے **عن ابن عمر قال قام رجل الى النبى ﷺ فقال يا رسول الله ما يوجب الحج؟ قال الزاد والراحلة قال يا رسول الله فما الحج قال الشعث التفل** (ج)(ابن ماجہ شریف، باب ما یوجب الحج ص ۴۱۹، نمبر ۲۸۹۶)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حاجی کو پراگندہ ہونا چاہئے۔

لغت الخطمی : ایک قسم کی چیز ہے جس کو اردو میں گل خیرو کہتے ہیں۔اس سے بال وغیرہ صاف کئے جاتے ہیں اور تھوڑی سے خوشبو بھی ہوتی ہے۔

[٦٢٥](٢١)نماز کے بعد کثرت سے تلبیہ پڑھے، جب کسی بلندی پر چڑھے، یا وادی میں اترے یا قافلہ والوں سے ملاقات ہو اور صبح کے وقت

تشریح دو رکعت نماز کے بعد جب احرام باندھے اس کے بعد کثرت سے ہر وقت تلبیہ پڑھتا رہے۔ بلندی پر چڑھتے وقت، وادی میں نیچے اترتے وقت، قافلوں سے ملاقات کے وقت اور سحری کے وقت خصوصی طور بار بار تلبیہ پڑھے۔

وجہ احرام میں تلبیہ نماز میں تکبیر کی طرح ہے۔جس طرح نماز میں اٹھتے اور بیٹھتے وقت تکبیر کہی جاتی ہے اسی طرح اٹھتے اور بیٹھتے وقت تلبیہ پڑھی جائے گی(۲)حدیث میں ہے **عن ابن عمر قال قام رجل الى النبى ﷺ فقال يا رسول الله ما يوجب الحج؟ قال**

حاشیہ : (الف)ام الحصین بیان کرتی ہیں کہ ہم نے حضور کے ساتھ حجۃ الوداع میں حج کیا تو اسامہ اور بلال اور ان میں سے ایک کو دیکھا کہ حضور کی اونٹنی کی لگام پکڑے ہوئے ہیں۔اور دوسرا کپڑا اٹھائے گرمی سے آپ کو پردہ کررہے ہیں۔ یہاں تک کہ جمرۃ العقبہ کیا (ب) حضرت ابوجعفر اور عطاء سے محرم کے لئے ہمیانی کے بارے میں پوچھا؟ تو فرمایا کہ اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے (ج)ایک آدمی حضور کے سامنے کھڑا ہوا اور پوچھا یا رسول اللہ حج کس چیز سے واجب ہوتا ہے؟ فرمایا توشہ اور کجاوہ کے مالک ہونے سے۔ پوچھا حج کیسا ہونا چاہئے؟ فرمایا پراگندہ اور بکھرے بالوں والا۔

او لقی رکبانا وبالاسحار [۶۲۶] (۲۲) فاذا دخل بمکة ابتدأ بالمسجد الحرام فاذا عاین البیت کبر وھلل ثم ابتدأ بالحجر الاسود فاستقبله وکبر وھلل.

الزاد والراحلة قال یا رسول الله فما الحج؟ قال الشعث التفل وقام آخر فقال یا رسول الله وما الحج قال العج والثج قال وکیع یعنی بالعج العجیج بالتلبیة والثج نحر البدن (الف) (ابن ماجہ شریف، باب مایوجب الحج ص ۴۱۹، نمبر ۲۸۹۶) اس حدیث میں ہے العج جس کا ترجمہ خود حضرت وکیع نے فرمایا بار بار تلبیہ پڑھنا۔ اس لئے بار بار تلبیہ پڑھنا بہتر ہے۔

لغت شرفا : بلند مقام۔ ھبط : نیچے اترا۔

[۶۲۶] (۲۲) پس جبکہ مکہ میں داخل ہو تو مسجد حرام سے شروع کرے، پس جبکہ بیت اللہ نظر آئے تو تکبیر کہے اور لا الہ الا اللہ پڑھے پھر حجر اسود سے شروع کرے اور اس کا استقبال کرے اور تکبیر کہے اور تہلیل کہے۔

تشریح مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلا کام طواف قدوم کی تیاری کرنا ہے۔ اس لئے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے بعد مسجد حرام جائے اور بیت اللہ نظر آئے تو اس کی تعظیم کے لئے تکبیر اور تہلیل کہے پھر حجر اسود کا استقبال کرے اور تکبیر و تہلیل کہتے ہوئے ہاتھ اٹھائے اور حجر اسود کو چومے۔

وجہ اخبرتنی عائشة ان اول شیء بدأ به حین قدم النبی ﷺ انه توضأ ثم طاف (ب) (بخاری شریف، باب من طاف بالبیت اذا قدم مکة قبل ان یرجع الی بیته ص ۲۱۹ نمبر ۱۶۱۴ رمسلم شریف، باب بیان ان المحرم بعمرة لا یتحلل بالطواف قبل السعی ص ۴۰۵ نمبر ۱۲۳۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مکہ مکرمہ آنے کے بعد سب سے پہلے طواف بیت اللہ کرے۔ بیت اللہ دیکھتے ہی تکبیر و تہلیل کہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن جریح ان النبی ﷺ کان اذا رای البیت رفع یدیه وقال اللھم زد ھذا البیت تشریفا و تعظیما الخ (ج) (سنن للبیہقی، باب القول عند رویة البیت ج خامس ص ۱۱۸، نمبر ۹۲۱۳ رترمذی شریف، باب ماجاء کراھیة رفع الید عند رویة البیت ص ۱۷۴ نمبر ۸۵۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیت اللہ دیکھتے وقت ہاتھ اٹھانا چاہئے۔

فائدہ دوسری حدیث میں ہے کہ بیت اللہ دیکھتے وقت ہاتھ نہیں اٹھانا چاہئے (ترمذی شریف، باب فی کراھیة رفع الید عند رویة البیت ص ۱۷۴ نمبر ۸۵۵ رسنن للبیہقی، نمبر ۹۲۱۱) (۲) دوسری حدیث میں ہے عن عمر بن خطاب قال قال رسول الله ﷺ یا عمر! انک رجل قوی لا تؤذ الضعیف اذا اردت استلام الحجر فان خلالک فاستلمه والا فاستقبله وکبر (د) (سنن للبیہقی، باب

حاشیہ : (الف) ایک آدمی حضور کے سامنے کھڑا ہوا اور پوچھا یا رسول اللہ! حج کس چیز سے واجب ہوتا ہے؟ فرمایا توشہ اور کجاوہ سے۔ پوچھا اے اللہ کے رسول حاجی کیسا ہونا چاہئے؟ فرمایا پراگندہ اور بکھرے بالوں والا۔ دوسرے صحابی کھڑے ہوئے اور پوچھا یا رسول اللہ! حج کیا ہے؟ فرمایا تلبیہ پڑھنا اور خون بہانا (ب حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضورؐ جب مکہ تشریف لائے تو سب سے پہلی چیز جو شروع کی یہ کہ وضو کیا اور بیت اللہ کا طواف کیا (ج) حضورؐ جب بیت اللہ دیکھتے تو ہاتھ اٹھاتے اور یہ دعا پڑھتے اللھم الخ (د) آپؐ نے فرمایا اے عمر! تم طاقتور آدمی ہو، کمزور کو تکلیف نہ دینا۔ جب تم پتھر کو چومنا چاہو پس اگر جگہ خالی ہو تو حجر اسود کو چوم لو ورنہ تو اس کا استقبال کرو اور تکبیر کہو۔

[٦٢٧](٢٣) و رفع يديه مع التكبير واستلمه وقبله ان استطاع من غير ان يؤذى مسلما[٦٢٨] (٢٤) ثم اخذ عن يمينه ما يلى الباب[٦٢٩] (٢٥) وقد اضطبع رداءه قبل ذلک.

الاستلام فی الزحام ج خامس ص١٣٠، نمبر٩٢٦١/ بخاری شریف، باب تقبیل الحجر، ص ٢١٩ نمبر ١٦١٠) اس سے معلوم ہوا کہ حجر اسود کا استقبال کرے اور تکبیر کہے اور موقع ہو تو حجر اسود کو چومے۔

[٦٢٧] (٢٣) تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھائے اور حجر اسود کو چومے اور اس کو بوسہ دے اگر کسی مسلمان کو تکلیف دیئے بغیر ممکن ہو۔

تشریح کسی مسلمان کو تکلیف دیئے بغیر حضر اسود کو چومنا ممکن ہو تو چومے اور اگر تکلیف دیئے بغیر ممکن نہ ہو تو نہ چومے صرف ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہے اور آگے بڑھ جائے۔

وجہ اوپر کی حدیث میں گزرا کہ حضرت عمر کو آپؐ نے فرمایا **یا عمر انک رجل قوی لا تؤذ الضعیف اذا اردت استلام الحجر فان خلالک فاستلمه والا فاستقبله و كبر** (الف) (سنن للبیہقی، باب الاستلام فی الزحام ج خامس ص١٣٠، نمبر٩٢٦١) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بھیڑ نہ ہو تو حجر اسود کو چومے اور اگر بھیڑ ہو اور لوگوں کو تکلیف ہونے کا خطرہ ہو تو ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہے اور آگے چلا جائے۔

[٦٢٨] (٢٤) پھر بیت اللہ کے دروازہ کے پاس سے دائیں جانب سے شروع کرے۔

وجہ **عن جابر قال لما قدم رسول الله مكة دخل المسجد فاستلم الحجر ثم مضى على يمينه فرمل ثلاثا ومشى اربعا** (ب) (نسائی شریف، باب کیف یطوف اول مایقدم وعلی ای شقیہ یأ خذ ج ثانی ص ٣٠ نمبر٢٩٤٢/ بخاری شریف، باب استلام الحجر الاسود حین یقدم ص ٢١٨ نمبر ١٦٠٣) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حجر اسود کی دائیں جانب سے طواف شروع کرے اور طواف قدوم میں تین پہلے میں رمل کرے اور باقی چار میں اپنی ہیئت پر چلے۔

[٦٢٩] (٢٥) اس سے پہلے اپنی چادر کا اضطباع کیا ہو۔

تشریح جب طواف قدوم کرے گا تو اپنی چادر کا اضطباع کرے گا۔ اضطباع کا مطلب یہ ہے کہ چادر دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈال دے۔

وجہ **عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ واصحابه اعتمروا من الجعرانة فرملوا بالبيت وجعلوا ارديتهم تحت اباطهم قد قذفوها على عواتقهم اليسرى** (ج) (ابوداؤد شریف، باب الاضطباع فی الطواف ص ٢٦٦ نمبر ١٨٨٤) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طواف شروع کرنے سے پہلے اپنی چادر کا اضطباع کرے۔

حاشیہ : (الف) اے عمر! تم طاقتور آدمی ہو، کمزور کو تکلیف نہ دینا۔ جب تم پتھر کو چومنا چاہو پس اگر جگہ خالی ہو تو حجر اسود کو چوم لو ورنہ تو اس کا استقبال کرو اور تکبیر کہو (ب) جب حضور مکہ آئے تو مسجد حرام میں داخل ہوئے اور حجر اسود کو چوما اور دائیں جانب سے گزرے۔ پس تین پہلے شوط میں رمل کیا اور چار میں اپنی ہیئت پر چلے (ج) حضورؐ اور ان کے ساتھیوں نے مقام جعرانیہ سے عمرہ کیا اور بیت اللہ کے طواف میں رمل کیا اور اپنی چادروں کو بغل کے نیچے کیا اور اس کو بائیں کندھے پر ڈال دیا

[۶۳۰] (۲۶)فیطوف بالبیت سبعة اشواط ویجعل طوافه من وراء الحطیم [۶۳۱](۲۷) ویرمل فی الاشواط الثلث الاول ویمشی فی ما بقی علی ہینته.

[۶۳۰](۲۶) بیت اللہ کا سات شوط طواف کرے اور اپنا طواف حطیم سے شروع کرے۔

وجہ سات شوط طواف کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابن عمر قال سعی النبی ﷺ ثلثة اشواط ومشی اربعة فی الحج والعمرة** (الف) (بخاری شریف، باب الرمل فی الحج والعمرۃ ص ۲۱۸ نمبر ۱۶۰۴/۱۶۰۳/ ابوداؤد شریف، باب فی الرمل ص ۲۶۶ نمبر ۱۸۸۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طواف میں سات مرتبہ بیت اللہ کے چاروں طرف چکر لگائے جس کو سات شوط کہتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ تین پہلے میں رمل کرے گا اور باقی چار میں اپنی ہیئت پر چلے گا۔ اور حطیم کے پیچھے سے طواف کرنے کی دلیل یہ ہے کہ حطیم بھی بیت اللہ کا حصہ ہے۔ قریش جب بیت اللہ تعمیر کر رہے تھے تو خرچ کی کمی کی وجہ سے اس حصے کو چھوڑ دیا اس لئے وہ بھی بیت اللہ کا حصہ ہے۔ اس لئے اس کے پیچھے سے طواف کرے گا (۲) **عن عائشة قالت کنت احب ان ادخل البیت فاصلی فیه فاخذ رسول الله ﷺ بیدی فادخلنی الحجر وقال صلی فی الحجر ان اردت دخول البیت فانما ھو قطعة من البیت ولکن قومک استقصروہ حین بنوا الکعبة فاخرجوہ من البیت** (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الصلوۃ فی الحجر ص ۱۷۷ نمبر ۸۷۶/ ابوداؤد شریف، باب الصلوۃ فی الحجر ص ۲۸۴ نمبر ۲۰۲۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حطیم جس کو حجر بھی کہتے ہیں بیت اللہ کا حصہ ہے۔ اس میں نماز پڑھنا گویا کہ بیت اللہ کے اندر نماز پڑھنا ہے۔ اس لئے حطیم کے پیچھے سے طواف کرنا چاہئے (۳) **عن عطاء فی رجل طاف فکان من طوافه دخولا فی الحجر قال لا یعتد بما کان من دخول الحجر** (مصنف ابن ابی شیبة ۱۸۹ فی الرجل یطوف بالبیت فیکون من طوافہ دخولا فی الحجر ج ثالث ص ۱۳۹۳۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حطیم میں داخل ہو کر طواف کیا جائے گا اس کا اعتبار نہیں اس لئے حطیم کے باہر سے طواف کرے۔

[۶۳۱](۲۷) تین پہلے شوط میں رمل کرے اور باقی میں اپنی ہیئت پر چلے۔

تشریح طواف قدوم کے پہلے تین چکروں میں اکڑ اکڑ کر چلے اور باقی چار چکر میں اپنی حالت پر چلے۔

وجہ رمل کرنے کی وجہ مسئلہ نمبر ۲۶ میں حدیث گزر چکی ہے۔ البتہ اکڑ اکڑ کر چلنے کی وجہ یہ تھی کہ جب صحابہ مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ عمرہ کرنے آئے تو کفار مکہ نے کہا کہ ان کو مدینہ کی آب و ہوا نے کمزور کر دیا ہے۔ آپؐ نے یہ سنا تو صحابہ کو حکم دیا کہ اکڑ اکڑ کر طواف کرو تو صحابہ کرام اکڑ اکڑ کر طواف کرنے لگے۔ تین طواف کے بعد کفار مکہ بھاگ گئے تو باقی چار طوافوں میں اپنی حالت پر چلنے کا حکم دیا (۲) حدیث میں ہے **عن ابن عباس قال قدم رسول الله واصحابه فقال المشرکون انه یقدم علیکم وفد وھنھم حمی یثرب فامرھم النبی**

حاشیہ : (الف) آپؐ نے سعی کی تین شوط میں اور چلے چار میں حج میں اور عمرہ میں (ب) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں چاہتی تھی کہ بیت اللہ میں داخل ہوں اور نماز پڑھوں تو حضورؐ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھ کو حطیم میں داخل کر دیا اور فرمایا حطیم میں نماز پڑھو۔ اگر تم بیت اللہ میں داخل ہونا چاہتی ہو اس لئے کہ وہ بھی بیت اللہ کا ٹکڑا ہے۔ لیکن تمہاری قوم کا خرچ کم ہو گیا جب اس کو بنایا تو انہوں نے بیت اللہ سے باہر نکال دیا۔

[۶۳۲] (۲۸) ویستلم الحجر کلما مر به ان استطاع[۶۳۳] (۲۹) ویختم بالاسلام الطواف [۶۳۴](۳۰) ثم یأتی المقام فیصلی عندہ رکعتین او حیث ما تیسر من

علیہ السلام ان یرملوا الاشواط الثلثة وان یمشوا ما بین الرکنین (الف)(بخاری شریف، باب کیف کان بدء الرمل ص ۲۱۸ نمبر ۱۶۰۲/ ابوداؤد شریف، باب فی الرمل ص ۲۶۶ نمبر ۱۸۸۶)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کس طرح رمل کی ابتدا ہوئی۔

لغت یرمل : اکڑ اکڑ کر چلنا۔ الاشواط : شوط کی جمع ہے طواف کے ایک چکر کو شوط کہتے ہیں۔ ھینة : اپنی حالت پر

[۶۳۲] (۲۸) حجر اسود کو چومے جب جب بھی اس کے پاس سے گزرے اگر ہو سکتا ہو۔

تشریح جب جب حجر اسود کے پاس سے گزرے تو اگر چوم سکے تو اس کو چومے اور نہ چوم سکے تو ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کرے اور تکبیر کہے **عن ابن عباس قال طاف النبی علیہ السلام بالبیت علی بعیر کلما اتی الرکن اشار الیہ بشیء عندہ وکبر** (ب)(بخاری شریف، باب من اشار الی الرکن اذا اتی الیہ ص ۲۱۹ نمبر ۱۶۱۳)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب جب حجر اسود سے گزرے تو اس کو چومے۔ اور چوم نہ سکتا ہو تو اس کی طرف اشارہ کر کے تکبیر کہے **عن ابن عمر قال کان رسول اللہ علیہ السلام لا یدع ان یستلم الرکن الیمانی والحجر فی کل طوافہ قال وکان عبد اللہ بن عمر یفعلہ** (ج)(ابوداؤد شریف، باب استلام الارکان ص ۲۶۵ نمبر ۱۸۷۶/ بخاری شریف نمبر ۱۶۱۱)

نوٹ رکن سے مراد یہاں حجر اسود ہے۔

[۶۳۳] (۲۹) اور طواف چوم کر ختم کرے۔

تشریح جب ساتوں طواف ختم ہو تو اخیر میں بھی حجر اسود کو چومے اور چومنے پر طواف ختم کرے۔

وجہ **عن عبد الرحمن بن صفوان ... فرایت النبی علیہ السلام قد خرج من الکعبة ہو واصحابہ قد استلموا البیت من الباب الی الحطیم وقد وضعوا خدودھم علی البیت ورسول اللہ علیہ السلام وسطھم** (د)(سنن للبیھقی، باب الملتزم ج خامس ص ۱۵۰، نمبر ۹۳۳۱)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آخر میں بھی بیت اللہ کو چومنا چاہئے۔

[۶۳۴] (۳۰) پھر مقام ابراہیم پر آئے اور اس کے پاس دو رکعت نماز پڑھے یا مسجد مین جہاں آسان ہو۔

تشریح طواف کے سات شوط پورا کرنے کے بعد مقام ابراہیم کے پاس آئے اور دو رکعت نماز پڑھے۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضورؐ اور ان کے ساتھی مکہ آئے تو مشرکین نے کہا تمہارے سامنے ایسا وفد آیا ہے جس کو مدینہ کے بخار نے کمزور کر دیا ہے۔ تو حضورؐ نے ان کو حکم دیا کہ تین پہلے شوط میں اکڑ کر چلیں اور رکن یمانی اور رکن شامی کے درمیان آہستہ چلیں (ب) آپؐ نے بیت اللہ کا طواف اونٹ پر سوار ہو کر کیا، جب جب حجر اسود کے پاس آتے تو اس کی طرف اشارہ کرتے اور تکبیر کہتے (ج) حضورؐ ہر طواف میں رکن یمانی اور حجر اسود کے استیلام کو نہ چھوڑتے اور فرمایا عبد اللہ بن عمر بھی ایسا ہی کرتے تھے (د) میں نے حضور کو دیکھا کہ وہ اور ان کے ساتھی بیت اللہ سے نکلے اور انہوں نے بیت اللہ کا کے دروازہ سے حطیم تک چوما اور اپنے گالوں کو بیت اللہ پر رکھا اور حضور صحابہ کے درمیان تھے۔

المسجد[۶۳۵] (۳۱) وھذا الطواف طواف القدوم وھو سنة ولیس بواجب ولیس علی اھل مکة طواف القدوم.

وجہ **سمعت ابن عمر یقول قدم النبی ﷺ فطاف بالبیت سبعا وصلی خلف المقام رکعتین ثم خرج الی الصفا** (الف) (بخاری شریف باب من صلی رکعتی الطّواف خلف المقام ص۲۲۰ نمبر ۱۶۲۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طواف کے سات شوط کے بعد مقام ابراہیم پر آئے اور دو رکعت طواف کی پڑھے۔ آیت میں ہے **واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی** (ب) (آیت ۱۲۵ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں حکم ہے کہ مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھی جائے۔ یہ دو رکعت واجب ہے۔ اس کی دلیل حضور کی مواظبت ہے۔ اثر میں ہے **قلت للزھری ان عطاء یقول تجزئه المکتوبة من رکعتی الطواف فقال السنة افضل لم یطف النبی ﷺ سبوعا قط الا صلی رکعتین** (ج) (بخاری شریف، باب طاف النبی ﷺ وصلی لسبوعہ رکعتین ص۲۲۰ نمبر ۱۶۲۳) اس حدیث میں ہے کہ جب جب آپ نے طواف کے سات شوط پورے کئے تو آپ نے دو رکعت طواف پڑھی۔ اس ہیشگی کی وجہ سے رکعت طواف حنفیہ کے نزدیک واجب ہے **فائدہ** امام شافعیؒ کے نزدیک اوپر کی حدیث کی وجہ سے رکعت طواف سنت ہے۔

نوٹ مقام ابراہیم کے پاس جگہ نہ ملے تو مسجد حرام کی کسی جگہ بھی رکعت طواف پڑھ سکتے ہیں۔

[۶۳۵] (۳۱) اس طواف کا نام طواف قدوم ہے یہ سنت ہے واجب نہیں ہے اور اہل مکہ پر طواف قدوم نہیں ہے۔

تشریح باہر سے آتے ہی جو طواف کرتے ہیں اس کو طواف قدوم آنے کا طواف کہتے ہیں۔ یہ آفاقی کے لئے سنت ہے۔

وجہ قدوم کے معنی باہر سے آنا، چونکہ آفاقی باہر سے آتے ہیں اس لئے اس کے لئے سنت ہے۔ مکی باہر سے نہیں آتے ہیں اس لئے اس کے لئے سنت نہیں ہے۔ البتہ کر لے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ یوں بھی ہر وقت طواف کرنا بہتر ہے (۲) حدیث میں ہے **عن وبرۃ قال کنت جالسا عند ابن عمر فجائه رجل فقال ایصلح لی ان اطوف بالبیت قبل ان اتی الموقف فقال نعم فقال فان ابن عباس یقول لا تطف بالبیت حتی تأتی الموقف فقال ابن عمر فقد حج رسول الله فطاف بالبیت قبل ان یاتی الموقف فبقول رسول الله احق ان تأخذ او بقول ابن عباس ان کنت صادقا** (د) (مسلم شریف، باب استحباب طواف القدوم للحاج والسعی بعدہ ص۴۰۵ نمبر ۱۲۳۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ نے حج کا احرام باندھا اس کے باوجود عرفہ جانے سے پہلے طواف

حاشیہ : (الف) حضور مکہ آئے اور سات شوط بیت اللہ کا طواف کیا اور مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز پڑھی پھر صفا پہاڑی کی طرف نکلے (ب) مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ (ج) میں نے زہری سے کہا کہ حضرت عطا فرماتے ہیں فرض نماز طواف کی دو رکعتوں کے لئے کافی ہے۔ حضرت زہری نے فرمایا سنت افضل ہے۔ حضور نے جب بھی سات شوط طواف کیا تو دو رکعت نماز پڑھی (د) حضرت وبرہ حضرت ابن عمر کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو اس کے پاس ایک آدمی آیا اور پوچھا کہ میرے لیے یہ صحیح ہے کہ میں بیت اللہ کا طواف کروں موقف یعنی عرفہ آنے سے پہلے؟ تو ابن عمر نے فرمایا ہاں! کہنے لگے کہ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ بیت اللہ کا طواف نہ کروں یہاں تک کہ عرفہ آجاؤ۔ پس ابن عمر نے فرمایا کہ حضورؐ نے حج کیا اور عرفہ آنے سے پہلے طواف کیا تو حضور کا قول زیادہ حقدار ہے کہ کیا جائے یا ابن عباس کا قول اگر تم سچے ہیں۔

[۶۳۶](۳۲) ثم خرج الی الصفا فیصعد علیه ویستقبل البیت ویکبر ویهلل ویصلی علی النبی صلی الله علیه وسلم ویدعو الله تعالی لحاجته [۶۳۷](۳۳) وینحط نحو المروة

قدوم کیا جو آفاقی کے لئے مستحب ہے۔

[۶۳۶](۳۲) پھر صفا پہاڑی کی طرف نکلے اور اس پر چڑھے اور بیت اللہ کا استقبال کرے اور تکبیر کہے اور تہلیل کہے اور حضورؐ پر درود بھیجے اور اللہ تعالی سے اپنی ضرورت کے لئے دعا کرے۔

تشریح طواف اور طواف رکعت سے فارغ ہونے کے بعد اب سعی کرنے کے لئے صفا پہاڑی کی طرف جائے اور وہاں چڑھ کر بیت اللہ کی طرف استقبال کرے، تکبیر کہے، تہلیل کہے، درود اور دعا پڑھے۔

وجہ **قال دخلنا علی جابر بن عبد الله ... ثم خرج من الباب الی الصفا فلما دنی من الصفا قرء ان الصفا والمروة من شعائر الله نبدأ بما بدء الله به فبدأ بالصفا فرقی علیه حتی رای البیت فاستقبل القبلة فوحد الله وکبره وقال لا اله الا الله وحده لا شریک له له الملک وله الحمد وهو علی کل شیء قدیر لا اله الا الله وحده انجز وعده ونصر عبده وهزم الاحزاب وحده ثم دعا بین ذلک قال مثل هذا ثلاث مرات ثم نزل الی المروة** (الف)(مسلم شریف، باب حجۃ النبی ﷺ ص ۳۹۵ نمبر ۱۲۱۸ / ابو داؤد شریف، باب صفۃ حجۃ النبی ﷺ ص ۲۶۹ نمبر ۱۹۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صفا پہاڑی پر آ کر تکبیر و تہلیل کرے اور دعائیں کرے (۳) اس کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے۔ **ان الصفا والمروة من شعائر الله فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح علیه ان یطوف بهما** (ب)(آیت ۱۵۸ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا چاہئے۔ چنانچہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی حنفیہ کے نزدیک واجب ہے، چھوڑنے سے دم لازم ہوگا۔ صفا پر اتنا چڑھے کہ بیت اللہ نظر آنے لگے، چنانچہ بیت اللہ کی طرف استقبال کر کے دعائیں پڑھے۔ حدیث میں ہے۔ **حدثنا جابر ان رسول الله رقی علی الصفا حتی اذا نظر الی البیت کبر** (ج)(نسائی شریف، باب موضع القیام علی الصفا ج ثانی ص ۴۰۹، نمبر ۲۹۷۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صفا پر اتنا چڑھے کہ بیت اللہ نظر آنے لگے پھر تکبیر وغیرہ کہے۔ اس کے لئے حدیث ہے (نسائی شریف، باب التکبیر علی الصفا ص ۳۲ نمبر ۲۹۷۵) اوپر بھی مسلم شریف کی حدیث گزری جس میں صفا پر تکبیر کہنے کا ذکر ہے۔

[۶۳۷](۳۳) اور نیچے مروہ کی طرف اترے گا اور چلے گا اپنی ہیئت پر۔ پس جب بطن وادی میں پہنچے تو میلین اخضرین کے درمیان زور سے

حاشیہ : (الف) پھر دروازہ سے صفا کی طرف گئے، پس جب صفا کے قریب ہوئے تو ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ آپ نے پڑھا۔ پھر فرمایا وہاں سے شروع کروں گا جہاں سے اللہ نے شروع کیا ہے۔ پس صفا سے سعی شروع کی اور صفا پر چڑھے یہاں تک کہ بیت اللہ دیکھا اور قبلے کا استقبال کیا پھر توحید بیان کی اور تکبیر کہی پھر لا الہ الا اللہ الخ پڑھا۔ پھر اس درمیان دعا کرتے رہے۔ پھر اس طرح تین مرتبہ دعا کی۔ پھر مروہ کی طرف اتر آئے (ب) صفا اور مروہ اللہ کے شعائر ہیں۔ تو جس نے بیت اللہ کا حج کیا یا عمرہ کیا تو اس پر کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ دونوں کا طواف کرے (ج) حضورؐ صفا پر چڑھے یہاں تک کہ جب بیت اللہ پر نظر پڑی تو تکبیر کہی۔

ويمشى على هينته فاذا بلغ الى بطن الوادى سعى بين الميلين الاخضرين سعيا حتى يأتى المروة فيصعد عليها ويفعل كما فعل على الصفا.

دوڑے یہاں تک کہ مروہ پہاڑی پر آجائے۔اور اس پر چڑھے۔اور اس پر ایسے ہی تکبیر وتہلیل اور دعائیں کرے جیسے صفا پر کیا۔

تشریح صفا اور مروہ کے درمیان پہلے نشیبی جگہ تھی جس کو میلین اخضرین کہتے ہیں۔اس وقت یہ جگہ بالکل برابر ہے۔البتہ ابتدا اور انتہا میں دوہری بتیاں لگی ہوئی ہیں۔وہاں پہنچے تو ذرا دوڑ کر چلے۔حضرت ہاجرہ علیہا السلام وہاں اپنے بیٹے اسمعیل کے لئے دوڑ کر چلی۔اس جگہ کو بطن وادی بھی کہتے ہیں۔

وجہ اوپر کی حدیث کے سلسلے میں یہ ہیں کہ **قال دخلنا على جابر بن عبد اله ... ثم نزل الى المروة حتى اذا انصبت قدماه رمل فى بطن الوادى حتى اذا صعد مشى حتى اتى المروة فصنع على المروة مثل ما صنع على الصفا** (الف)(ابو داؤد شریف، باب صفۃ حجۃ النبی ص ۲۷۰ نمبر ۱۹۰۵ / مسلم شریف، باب حضۃ النبی ﷺ ص ۳۹۶ نمبر ۱۲۱۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بطن وادی میں تیز قدم چلے اور باقی مقامات پر اپنی حالت پر چلے(۲)سعی واجب ہے اس کے لئے یہ حدیث ہے **عن برة بنت ابى تجراة قال رايت رسول الله حين انتهى الى المسعى قال اسعوا فان الله كتب عليكم السعى فرايته يسعى حتى بدت ركبتاه من انكشف ازاره** (ب) دارقطنی، کتاب الحج ج ثانی ص ۲۲۴ نمبر ۲۵۶۰ / ۲۵۵۹)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سعی واجب ہے۔ کیونکہ آیت میں **فلا جناح عليه ان يطوف بهما** ہے۔اس سے معلوم ہو کہ اس سعی کی اہمیت فرض کی طرح نہیں ہے۔آیت اور حدیث دونوں کو ملانے سے واجب کا اندازہ ہوتا ہے(۳)اس حدیث سے بھی وجوب کا پتا چلتا ہے **عن عروة عن عائشة قال قلت لها انى لاظن رجلا لو لم يطف بين الصفا والمروة ما ضره قالت لم؟قلت لان الله يقول ان الصفا والمروة من شعائر الله الخ فقالت ماا تم الله حج امرء ولا عمرته لم يطف بين الصفا والمروة ولو كان كما تقول لكان فلا جناح عليه ان لايطوف بهما** (ج)(مسلم شریف، باب بیان ان السعی بین الصفا والمروۃ رکن ص ۴۱۴ نمبر ۱۲۷۷ / ابو داؤد شریف، باب امر الصفا والمروۃ ص ۲۶۹ نمبر ۱۹۰۱)اس حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ سعی واجب ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ دارقطنی اور مسلم شریف کی اوپر کی حدیث کی وجہ سے سعی فرض کہتے ہیں۔

حاشیہ : (الف) پھر مروہ کی طرف اترے، یہاں تک کہ جب آپ کا قدم نیچے جما تو بطن وادی میں رمل کیا، جب اوپر چڑھے تو آہستہ چلنے لگے یہاں تک کہ مروہ پر آئے اور مروہ پر ایسا ہی کیا جیسا صفا پر کیا(ب)حضور کو دیکھا کہ جب سعی کرنے کی جگہ پر آئے تو فرمایا سعی کرو، اللہ نے تم پر سعی فرض کی ہے۔میں نے دیکھا کہ آپ سعی فرما رہے ہیں یہاں تک کہ ازار کھلنے کی وجہ سے آپ کے گھٹنے کھل گئے۔(ج)حضرت عروہ نے حضرت عائشہ سے کہا میں گمان کرتا ہوں کہ صفا اور مروہ کے درمیان طواف نہ کرے تو کچھ نقصان نہیں ہوگا۔حضرت عائشہ نے فرمایا کیوں نہیں؟ میں نے کہا اس لئے کہ اللہ تعالی نے فرمایا اگر صفا اور مروہ کا طواف نہ کرے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔تو حضرت عائشہ نے فرمایا کسی انسان کا حج اور عمرہ پورا نہیں ہوگا اگر اس نے صفا اور مروہ کا طواف نہیں کیا۔اگر ایسا ہی ہے جیسا کہ تم کہتے ہو تو آیت کی عبارت یوں ہونی چاہئے فلا جناح علیہ ان لا یطوف بھما۔

[٦٣٨](٣٤) وهذا شوط فيطوف سبعة اشواط يبتدى بالصفا ويختم بالمروة [٦٣٩] (٣٥) ثم يقيم بمكة محرما فيطوف بالبيت كلما بدا له.

نوٹ جس طرح صفا پر بیت اللہ کا استقبال کر کے تکبیر، تہلیل، درود اور دعا پڑھے گا اسی طرح مروہ پر بھی کرے گا۔ اوپر کی حدیث سے اس کا پتہ چلا۔

لغت بطن الوادی : صفا اور مروہ کے درمیان نشیبی جگہ کو بطن الوادی کہتے ہیں۔ ابھی اس پر ہری بتیاں ڈال دی گئی ہیں۔ یہاں لوگ دوڑ کر چلتے ہیں۔ ھیئتہ : اپنی ہیئت پر۔

[٦٣٨] (٣٤) یہ ایک شوط ہے۔ پس طواف کرے گا سات شوط، شروع کرے گا صفا سے اور ختم کرے گا مروہ پر۔

تشریح صفا سے سعی شروع کرے اور مروہ پر ختم کرے۔ اور صفا سے مروہ تک ایک شوط، اور مروہ سے صفا تک دوسرا شوط ہوگا۔ حنفیہ کے نزدیک یہ نہیں ہے کہ صفا سے مروہ اور مروہ سے صفا تک ایک شوط ہو۔ اس طرح تو حنفیہ کے نزدیک چودہ شوط ہو جائیں گے۔

وجہ **فقال ابن عمر قدم رسول الله فطاف بالبيت سبعا وصلى خلف المقام ركعتين وطاف بين الصفا والمروة سبعا وقد كان لكم فى رسول الله** ﷺ **اسوة حسنة** (الف) (سنن للبیہقی، باب وجوب الطّواف بين الصفا والمروة وان غيره لا يجزی عنہ ج خامس ص ١٥٨، نمبر ٩٣٦٣) ابوداؤد میں ہے **ثم اتى الصفا والمروة فسعى بينهما سبعا ثم حلق رأسه** (ب) (ابوداؤد شریف، باب امر الصفا والمروۃ ص ٢٦٨ نمبر ١٩٠٣) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صفا سے مروہ تک میں ایک شوط ہو جاتا ہے۔

فائدہ بعض ائمہ کے نزدیک صفا سے مروہ اور مروہ سے صفا تک میں ایک شوط ہوگا۔

وجہ ان کی دلیل اس اثر کا اشارہ ہے **عن عطاء قال سألت عطا عن رجل سعى بين الصفا والمروة اربعة عشرة مرة قال يجزيه** (مصنف ابن ابی شیبۃ ٤١٨ فی الرجل یسعی بین الصفا والمروۃ اربعۃ عشر مرۃ ج خامس ص ٥٠) ہماری دلیل اسی اثر کے ایک جز میں یعید کا لفظ ہے یعنی اس کو دوبارہ لوٹانا ہوگا۔ چودہ شوط کافی نہیں ہے۔

[٦٣٩] (٣٥) پھر مکہ مکرمہ میں احرام کے ساتھ ٹھہرا رہے اور جب جب خیال ہو بیت اللہ کا طواف کرتا رہے۔

تشریح حج کا احرام باندھا تھا تو طواف فرض کے بعد احرام کھلے گا اور یہ طواف قدوم تھا اس لئے اس طواف کے بعد محرم ہو کر مکہ مکرمہ میں ٹھہرا رہے۔ اور جب جب موقع ہو بیت اللہ کا خوب طواف کرتا رہے۔

وجہ طواف کی بہت فضیلت ہے اس لئے جب جب موقع ہو طواف کرے (٢) حدیث میں ہے **عن طاؤس عن رجل ادرك النبى** ﷺ **قال الطواف بالبيت صلوة فاقلوا من الكلام** (ج) (نسائی شریف، اباحۃ الکلام فی الطّواف، ص ٤٠٢، نمبر ٢٩٢٥) نماز طواف

حاشیہ : (الف) آپ مکہ تشریف لائے اور بیت اللہ کے سات طواف فرمائے اور مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھی۔ اور صفا مروہ کے درمیان سات طواف کئے۔ اور رسول اللہ ﷺ تمہارے لئے اسوۂ حسنہ ہے (ب) پھر آپ صفا مروہ پر آئے اور دونوں کے درمیان سات سعی کی، پھر سر کا حلق کرایا (ج) ایک آدمی جس نے حضور کو پایا ان سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا بیت اللہ کا طواف نماز کی طرح ہے اس لئے کلام کم کریں۔

[۶۴۰](۳۶) واذا کان قبل یوم الترویة بیوم خطب الامام خطبة یعلم الناس فیها الخروج الی منی والصلوة بعرفات والوقوف والافاضة.

کی طرح ہے اس لئے نفلی نماز کی طرح بار بار طواف کرتا رہے۔ عن ابن عباس قال قال رسول اللہ من طاف بالبیت خمسین مرة خرج من ذنوبه کیوم ولدته امه (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی فضل الطّواف ص ۱۷۵ نمبر ۸۶۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طواف کا ثواب بہت ہے اس لئے زیادہ سے زیادہ طواف کرتا رہے اور حج کے احرام باندھنے والے کو محرم ہو کر رہنے کی دلیل یہ حدیث ہے عن عائشة انها قالت خرجنا مع رسول اللہ عام حجة الوداع فمنا من اهل بعمرة ومنا من اهل بحج وعمرة ومنا من اهل بالحج واهل رسول اللہ ﷺ بالحج فاما من اهل بعمرة فحل واما من اهل بحج او جمع الحج والعمرة فلم یحلوا حتی کان یوم النحر (ب) (سنن للبیھقی، باب المفرد یقیم علی احرامه حتی یتحلل منه یوم النحر ج خامس ص ۱۷۸، نمبر ۹۴۲۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس نے حج کا احرام باندھا یا حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھ کر قران کیا وہ طواف قدوم کے بعد احرام نہیں کھولے گا۔ بلکہ مکہ مکرمہ میں محرم ہو کر ٹھہرے گا۔ البتہ جس نے عمرہ کا احرام باندھا اس کا عمرہ پورا ہو جائے گا۔ اس لئے وہ احرام کھول دے گا اور حلال ہو کر مکہ مکرمہ میں قیام کرے گا۔

[۶۴۰] (۳۶) اور جبکہ یوم ترویہ سے ایک دن پہلے ہو تو امام خطبہ دے گا ایسا خطبہ کہ لوگوں کو اس میں سکھلائیں گے منی کی طرف نکلنا اور عرفات میں نماز اور وقوف عرفہ اور افاضہ کے احکام۔

تشریح یوم ترویہ آٹھویں ذی الحجہ کو کہتے ہیں۔ اس سے ایک دن قبل ساتویں ذی الحجہ ہوگی۔ تو ساتویں ذی الحجہ کو امام خطبہ دے جس میں لوگوں کو منی کی طرف نکلنے کے احکام، عرفات میں نماز کے احکام سکھلائے۔ اسی طرح وقوف عرفہ کس طرح کریں، طواف وداع کس طرح کریں یہ سب احکام سکھلائیں۔

وجہ (۱) ان احکام کے سکھلانے کی ضروت ہے اس لئے یہ احکام سکھلائے (۲) حدیث میں ہے عن ابن عمر قال کان رسول اللہ ﷺ اذا کان قبل الترویة خطب الناس فاخبرهم بمناسکهم (ج) (سنن للبیھقی، باب الخطبة التی یستحب للامام ان یاتی بھا فی الحج اولھا یوم السابع ج خامس ص ۱۸۰، نمبر ۹۴۳۶ رنسائی شریف، الخطبة قبل یوم الترویة ج ثانی ص ۳۴ نمبر ۲۹۹۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذی الحجہ کی ساتویں تاریخ کو خطبہ دینا چاہئے اور اس میں مناسک حج کے تمام پہلو اجاگر کرنا چاہئے۔

لغت الافاضة : عرفات میں ٹھہرنے کو اور طواف فرض کو افاضة کہتے ہیں۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جس نے پچاس مرتبہ بیت اللہ کا طواف کیا گناہ سے اس طرح نکل جائے گا جیسے آج ہی اس کی ماں نے جنا ہو (ب) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ہم حضور کے ساتھ حجۃ الوداع کے دن نکلے تو ہم میں سے کچھ نے عمرہ کا احرام باندھا اور ہم میں سے کچھ نے حج اور عمرہ کا احرام باندھا۔ اور ہم میں سے کچھ نے حج کا احرام باندھا۔ اور حضورؐ نے حج کا احرام باندھا۔ پس جس نے عمرہ کا احرام باندھا وہ حلال ہو گیا۔ اور جس نے حج کا احرام باندھا یا حج اور عمرے کو جمع کیا تو وہ حلال نہیں ہوئے یہاں تک کہ دسویں تاریخ ہوگئی (ج) حضور نے آٹھویں تاریخ سے پہلے لوگوں کو خطبہ دیا اور ان کو ان کے مناسک حج کے بارے میں خبر دی۔

[۶۴۱] (۳۷) فاذا صلی الفجر یوم الترویة بمكة خرج الی منی واقام بها حتی یصلی الفجر یوم عرفة ثم یتوجه الی عرفات فیقیم بها [۶۴۲] (۳۸) فاذا زالت الشمس من یوم عرفة صلی الامام بالناس الظهر والعصر ثم یبتدی فیخطب خطبتین قبل الصلوة یعلم

[۶۴۱] (۳۷) پس جب آٹھویں ذی الحجہ کو مکہ میں فجر کی نماز پڑھے تو منی کی طرف نکلے اور وہاں ٹھہرے یہاں تک کہ نویں تاریخ کو فجر کی نماز پڑھے پھر عرفات کی طرف متوجہ ہو اور وہاں ٹھہرے۔

تشریح ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کو مکہ مکرمہ میں فجر کی نماز پڑھ کر منی کی طرف روانہ ہو جائے اور وہاں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نماز پڑھے۔ اور اس درمیان تکبیر، تہلیل اور تلبیہ پڑھتا رہے۔ اور نویں تاریخ کو فجر کی نماز پڑھ کر منی سے عرفات کے لئے روانہ ہو جائے اور عرفات میں جا کر ظہر اور عصر کی نماز اکٹھی پڑھے۔

وجہ حضور ﷺ کے حج کی جو لمبی حدیث مسلم شریف اور ابو داؤد شریف میں ہے اس میں اس کی تفصیل ہے۔ دخلنا علی جابر بن عبد الله فسال عن القوم حتی انتهی الی ... فلما كان یوما الترویة توجهوا الی منی فاهلوا بالحج وركب رسول الله فصلی بها الظهر والعصر والمغرب والعشاء والفجر ثم مكث قلیلا حتی طلعت الشمس وامر بقبة من شعر تضرب له بنمرة فسار رسول الله ولا تشك قریش الا انه واقف عند المشعر الحرام كما كانت قریش تصنع فی الجاهلیة فاجاز رسول الله حتی اتی عرفة فوجد القبة قد ضربت له بنمرة فنزل بها (الف) (مسلم شریف، باب حجۃ النبی ﷺ ص ۳۹۶ نمبر ۱۲۱۸/ ابو داؤد شریف، باب صفة حجۃ النبی ﷺ ص ۲۷۰ نمبر ۱۹۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آٹھویں ذی الحجہ کو منی آئے اور وہاں پانچ نمازیں پڑھے اور نویں ذی الحجہ کو فجر کی نماز کے بعد عرفہ آ جائے۔

[۶۴۲] (۳۸) پس جب کہ نویں تاریخ کو سورج ڈھل جائے تو امام لوگوں کو نماز پڑھائے ظہر اور عصر کی۔ پس نماز سے پہلے دو خطبے لوگوں کو دیں۔ ان دونوں میں نماز، وقوف عرفہ، وقوف مزدلفہ، رمی جمار، نحر، حلق اور طواف زیارت کے احکام سکھلائے۔

تشریح سورج ڈھل جانے کے بعد پہلے دو خطبے دے جن میں وقوف عرفہ کے احکام، مزدلفہ میں ٹھہرنے کے احکام، رمی جمار کے احکام، قربانی کیسے کریں گے اس کے احکام، حلق کیسے کریں گے اس کے احکام اور طواف زیارت کے احکام کو تفصیل سے بیان کرے۔ اور حاجیوں کو سمجھائے۔ کیوں کہ اس کی ضرورت ہے۔

وجہ حدیث میں ہے دخلنا عن جابر بن عبد الله سأل عن القوم حتی انتهی الی ... حتی اذا زاغت الشمس امر

حاشیہ : (الف) پس جب ترویہ کا دن ہوا (یعنی ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ) تو لوگ منی کی طرف متوجہ ہوئے اور حج کا احرام باندھا اور حضورؐ سوار ہوئے، پس منی میں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نماز پڑھی، پھر تھوڑی دیر ٹھہرے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو گیا اور بال کے خیمے کے بارے میں حکم دیا کہ اس کو مقام نمرہ میں (عرفات میں نمرہ ایک جگہ ہے) لگایا جائے۔ پس حضورؐ چلے، قریش کو یقین تھا کہ وہ مشعر حرام مزدلفہ میں ٹھہریں گے۔ جیسا کہ قریش زمانۂ جاہلیت میں کیا کرتے تھے۔ لیکن حضور آگے بڑھ گئے یہاں تک کہ عرفات آ گئے تو خیمہ کو پایا کہ مقام نمرہ میں لگایا گیا ہے۔ تو آپ وہاں اترے۔

الناس فیهما الصلوة والوقوف بعرفة والمزدلفة ورمی الجمار والنحر والحلق وطواف الزیارة[۶۴۳] (۳۹) ویصلی بهم الظهر والعصر فی وقت الظهر باذان واقامتین[۶۴۴] (۴۰) ومن صلی الظهر فی رحله وحده صلی کل واحدة منهما فی وقتها عند ابی حنیفة

بالقصواء فرحلت له فاتی بطن الوادی فخطب الناس وقال ان دمائکم واموالکم حرام علیکم الخ (الف) (مسلم شریف ، باب حجۃ النبی ﷺ ص ۳۹۷ نمبر ۱۲۱۸ / ابو داؤد شریف، باب صفۃ حجۃ النبی ﷺ ص ۲۷۰ نمبر ۱۹۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز سے پہلے خطبہ دے اور احکام حج تفصیل سے سمجھائے۔

فائدہ امام مالکؒ کے نزدیک نماز کے بعد خطبہ دیں گے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابن عمر ... حتی اذا کان عند صلوة الظهر راح رسول الله مهجرا فجمع بین الظهر والعصر ثم خطب الناس ثم راح فوقف** (ب) (ابو داؤد شریف، باب الخروج الی عرفۃ ص ۲۷۲ نمبر ۱۹۱۳) نماز کے بعد خطبہ کا ذکر ہے اس لئے نماز کے بعد عیدین کی طرح خطبہ دے۔

[۶۴۳] (۳۹) لوگوں کو ظہر اور عصر کی نماز ظہر کے وقت میں پڑھائے ایک اذان اور دو اقامت سے۔

تشریح حنفیہ کے نزدیک تین شرطیں ہوں تو جمع بین الصلوۃ کر سکتے ہیں (۱) عرفہ کا میدان ہو (۲) امام کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہو (۳) احرام باندھا ہوا ہو تو ظہر اور عصر کو جمع کر سکتا ہے۔ ورنہ نماز اپنے اپنے وقت پر پڑھی جائے گی۔

وجہ کیونکہ حدیث میں خلاف قیاس جمع بین الصلوۃ ثابت ہے (۲) حدیث میں ہے **قال دخلنا علی جابر بن عبد الله ... ثم اذن ثم اقام فصلی الظهر ثم اقام فصلی العصر ولم یصل بینهما شیئا ثم رکب رسول الله حتی اتی الموقف** (ج) (مسلم شریف، باب حجۃ النبی ص ۳۹۷ نمبر ۱۲۱۸ / ابو داؤد شریف، باب صفۃ حجۃ النبی ص ۲۷۰ / ۲۷ نمبر ۱۹۰۵) اس سے معلوم ہوا کہ ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ پڑھیں گے۔ اور پہلے حدیث سے معلوم ہوا کہ زوال کے فورا بعد ظہر کی نماز کے لئے آپ تشریف لائے۔ جس سے معلوم ہوا کہ عصر کو ظہر کے وقت میں پڑھیں گے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اذان ایک ہوگی اور اقامت دو ہوگی، ایک ظہر کے لئے اور ایک اقامت عصر کے لئے۔ اور دونوں کے درمیان کوئی سنت نہیں پڑھی جائے گی۔ کیونکہ جلدی وقوف عرفہ کی طرف متوجہ ہونا ہے۔

[۶۴۴] (۴۰) جس نے کجاوے میں تنہا نماز پڑھی تو ہر ایک نماز کو اپنے اپنے وقت میں پڑھے گا امام ابو حنیفہ کے نزدیک، اور صاحبین نے فرمایا منفرد بھی دونوں نمازوں کو جمع کرے گا۔

تشریح اوپر گزر چکا ہے کہ تین شرطیں ہوں تو میدان عرفات میں جمع بین الصلوتین کرے گا۔ یعنی ظہر اور عصر کو ایک ساتھ ظہر کے وقت میں

حاشیہ : (الف) یہاں تک کہ جب سورج ڈھل گیا تو حکم دیا کہ قصواء اونٹنی کو چلایا جائے تو بطن وادی آئے اور لوگوں کو خطبہ دیا ان دمائکم واموالکم آخر تک (ب) ابن عمر سے روایت ہے کہ... یہاں تک کہ جب ظہر کا وقت ہوا تو حضور اول وقت میں نکلے اور ظہر اور عصر کو جمع کیا پھر لوگوں کو خطبہ دیا پھر چلے اور وقوف عرفہ کیا (ج) پھر اذان دی پھر اقامت کہی اور ظہر کی نماز پڑھی پھر اقامت کہی اور عصر کی نماز پڑھی اور دونوں کے درمیان کوئی نماز نہیں پڑھی، پھر حضورؐ سوار ہوئے یہاں تک کہ موقف کے پاس آئے۔

رحمه الله تعالى وقال ابو يوسف و محمد يجمع بينهما المنفرد [۶۴۵](۴۱)ثم يتوجه

پڑھے گا ورنہ نہیں۔

وجہ اپنے اپنے وقت پر نماز پڑھنا آیت کی وجہ سے فرض ہے۔آیت میں ہے **ان الصلوة كانت على المومنين كتابا موقوتا** (الف) (آیت ۱۰۳ سورۃ النساء) آیت سے معلوم ہوا کہ ہر نماز اپنے اپنے وقت کے ساتھ متعین ہے اس لئے بغیر مظبوط دلیل کے نماز اپنے وقت سے مقدم و مؤخر نہیں ہوسکتی۔اور عرفات میں عصر مقدم ہوئی لیکن جن شرائط کے ساتھ مقدم ہوئی ہے انہیں شرائط کے ساتھ مقدم ہوگی ،اگر وہ شرطیں نہ پائی جائیں تو مقدم نہیں ہوگی۔اور امام کے ساتھ نماز پڑھنا شرط تھی اس لئے امام کے ساتھ نماز نہیں پڑھی اور تنہا اپنے کجاوے میں نماز پڑھی تو مقدم نہیں کرے گا بلکہ عصر کی نماز اپنے وقت میں پڑھے گا (۲) امام کے ساتھ نماز پڑھنے میں جمع اس لئے بھی کرے گا کہ عرفات کے میدان میں بکھرنے کے بعد دوبارہ جمع ہونا مشکل ہوگا اس لئے سہولت کے لئے جمع بین الصلوتین کیا۔اور تنہا نماز پڑھ رہا ہے تو اس سہولت کی ضرورت نہیں ہے اس لئے جمع بین الصلوتین کی ضرورت نہیں۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ حدیث میں عرفات میں جمع بین الصلوتین کا ذکر کثرت سے ہے اور بغیر کسی شرط کے ہے۔اس لئے جو لوگ امام سے الگ نماز پڑھیں گے وہ بھی جمع بین الصلوتین کریں گے۔انکی دلیل یہ اثر ہے **ان ابن عمر كان يجمع بينهما اذا فاته مع الامام يوم عرفة** (سنن للبیھقی ،باب الخطبۃ یوم عرفۃ والجمع بین الظھر والعصر) ج خامس ص ۱۸۶،نمبر ۹۴۵۶)

[۶۴۵] (۴۱) پھر موقف کی طرف متوجہ ہو اور جبل رحمت کے قریب ٹھہرے اور عرفات کل کا کل ٹھہرنے کی جگہ ہے۔

تشریح عرفات کے میدان کے چاروں طرف اشارے لگے ہوئے ہیں۔اس کے اندر کہیں بھی ٹھہرے گا تو حج ادا ہو جائے گا۔بہتر یہ ہے کہ جبل رحمت کے پاس ٹھہرے۔کیونکہ حضورؐ جبل رحمت کے پاس ٹھہرے تھے۔اور بطن عرنہ کے پاس نہ ٹھہرے کیونکہ یہاں پہلی قوموں کو عذاب ہوا ہے۔

وجہ عرفات کا پورا میدان ٹھہرنے کی جگہ ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن على ابن طالب قال وقف رسول الله بعرفة فقال هذه عرفة وهو الموقوف و عرفة كلها موقف ثم افاض حين غربت الشمس** (ب) (ترمذی شریف،باب ما جاء ان عرفۃ کلھا موقف ص ۱۷۷ نمبر ۸۸۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عرفات کا پورا میدان ٹھہرنے کی جگہ ہے۔اور بطن عرنہ میں نہ ٹھہرے اس کی وجہ یہ حدیث ہے **اخبرنى محمد بن منكدر ان النبى** ﷺ **قال عرفة كلها موقف وارتفعوا عن بطن عرنة والمزدلفة كلها موقف وارتفعوا عن محسر** (ج) (سنن للبیھقی ،باب حیث ما وقف من عرفۃ اجزأہ ص ۱۸۶،۹۴۵۹ رسنن ابن ماجہ شریف باب الموقف بعرفات ص ۲۲۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بطن عرنہ میں نہیں ٹھہرنا چاہئے۔اور جبل رحمت کے پاس ٹھہرنے کی وجہ یہ حدیث ہے **قال**

حاشیہ : (الف) یقیناً نماز مومنین پر فرض ہے وقت متعین کے ساتھ (ب) حضورؐ عرفہ میں ٹھہرے پس فرمایا یہ عرفہ ٹھہرنے کی جگہ ہے۔اور عرفہ پورا ٹھہرنے کی جگہ ہے۔پھر سورج غروب ہونے کے بعد چلے (ج) آپؐ نے فرمایا پورا عرفہ ٹھہرنے کی جگہ ہے۔البتہ بطن عرنہ سے دور رہو۔اور پورا مزدلفہ ٹھہرنے کی جگہ ہے البتہ محسر سے دور رہو۔

الی الموقف فیقف بقرب الجبل وعرفات کلها مواقف الا بطن عرنة[۶۴۶](۴۲) وینبغی للامام ان یقف بعرفة علی راحلته ویدعو ویعلم الناس المناسک [۶۴۷](۴۳) ویستحب

دخلنا علی جابر بن عبد اللہ ... ثم رکب رسول اللہ ﷺ حتی اتی الموقف فجعل بطن ناقته القصواء الی الصخرات وجعل حبل المشاة بین یدیه واستقبل القبلة فلم یزل واقفا حتی غربت الشمس وذھبت الصفرة قلیلا حتی غاب القرص (الف)(مسلم شریف، باب حجة النبی ص ۳۹۸ نمبر ۱۲۱۸/ابوداؤد شریف، باب صفة حجة النبی ص ۲۷۱ نمبر ۱۹۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جبل رحمت کے پاس ٹھہرنا زیادہ افضل ہے۔

[۶۴۶](۴۲) اور امام کے لئے مناسب ہے کہ عرفہ میں اپنی سواری پر ٹھہرے اور دعا کرتے رہیں اور لوگوں کو مناسک حج سکھاتے رہیں

تشریح امام کے لئے مناسب یہ ہے کہ اپنی سواری پر وقوف کرے۔

وجہ تا کہ لوگ آسانی سے امام کو دیکھ سکے اور ان کو دیکھ دیکھ کر عوام مناسک ادا کر سکیں (۲) حضورؐ عرفات میں قصواء اونٹنی پر سوار ہو کر وقوف عرفہ فرمایا تھا۔ اس لئے مستحب یہ ہے کہ امام اپنی سواری پر وقوف کرے۔ البتہ عوام نیچے رہے۔ **عن ام الفضل بنت الحارث ان اناسا اختلفوا عندھا یوم عرفة فی صوم النبی ﷺ فقال بعضھم ھو صائم وقال بعضھم لیس بصائم فارسلت الیه بقدح لبن وھو واقف علی بعیرہ فشربه** (ب)) (بخاری شریف، باب الوقوف علی الدابة بعرفة (۲۲۵ نمبر ۱۶۶۱/) اوپر کی حدیث مسلم شریف نمبر ۱۲۱۸ سے بھی معلوم ہوا کہ آپ قصواء اونٹنی پر سوار تھے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ نے سوار ہو کر وقوف عرفہ فرمایا تھا۔ اور دعا کرتے رہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے **عن عمر بن شعیب عن ابیه عن جدہ ان النبی ﷺ قال خیر الدعاء یوم عرفة** (ج)(ترمذی شریف، باب فی دعاء یوم عرفة ج ثانی ص ۱۹۵ نمبر ۳۵۸۵) اور دوسری حدیث میں ہے **عن ابن عباس قال رایت رسول اللہ یدعو بعرفة یداہ الی صدرہ کاستطعام المسکین** (د)(سنن للبیھقی، باب افضل الدعاء یوم عرفة ج خامس ص ۱۹۰، نمبر ۹۴۷۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میدان عرفات میں دعا میں مشغول رہنا چاہئے۔ یوں بھی جمع بین الصلوتین اس لئے کیا گیا ہے کہ جلدی موقف پر جا کر دعا کریں۔ تکبیر وتہلیل کریں۔

[۶۴۷](۴۳) مستحب ہے کہ وقوف عرفہ سے پہلے غسل کرے۔

وجہ غسل کرنا پاکی کی چیز ہے اس لئے وقوف فرفہ سے پہلے غسل کرنا مستحب ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ سوار ہوئے یہاں تک کہ موقف پر آئے اور اپنی قصواء اونٹنی کا پیٹ چٹان کی طرف کیا اور حبل المشاة کو سامنے رکھا اور قبلہ کا استقبال کیا اور سورج غروب ہونے تک ٹھہرے۔ اور تھوڑی زردی چلی گئی یہاں تک کہ ٹکیہ غائب ہوگئی (ب) ام الفضل سے روایت ہے کہ ان کے پاس یوم عرفہ میں حضور کے روزے کے بارے میں اختلاف کیا۔ تو بعض نے کہا کہ آپؐ روزہ دار ہیں اور بعض نے کہا کہ آپؐ روزہ دار نہیں ہے۔ پس آپ کے پاس دودھ کا پیالہ بھیجا اور آپؐ اونٹنی پر سوار تھے۔ اور آپؐ نے دودھ نوش فرمایا (ج) آپؐ نے فرمایا بہترین دعا عرفہ کے دن کی دعا ہے (د) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضور کو عرفہ میں دعا کرتے ہوئے دیکھا۔ آپ کے ہاتھ سینے تک تھے جیسے کوئی مسکین مانگ رہا ہو۔

ان يغتسل قبل الوقوف بعرفة [۶۴۸](۴۴) ويجتهد فى الدعاء[۶۴۹] (۴۵) فاذا غربت الشمس افاض الامام والناس معه على هينتهم حتى يأتو المزدلفة فينزلون بها [۶۵۰] (۴۶) والمستحب ان ينزلوا بقرب الجبل الذى عليه الميقدة يقال له قزح.

---

[۶۴۸](۴۴) اور دعا میں خوب کوشش کرے۔

وجہ اوپر کی حدیث میں گزرا کہ حضورؐ اس طرح دعا کرتے اور ہاتھ اٹھاتے جیسے مانگنے والے مسکین ہوں، اس لئے عرفہ میں خوب دعا کریں۔

[۶۴۹] (۴۵) پس جب سورج غروب ہو جائے تو امام عرفہ سے چلے اور لوگ بھی ان کے ساتھ چلے اپنی ہیئت پر یہاں تک کہ مزدلفہ آئے اور وہاں اترے۔

تشریح میدان عرفات میں شام تک رہے اور غروب آفتاب کے بعد وہاں سے چلے۔ پہلے امام چلے پھر عوام اس کے ساتھ چلے اور دوڑے نہیں۔ بلکہ اپنی ہیئت پر چلے۔

وجہ **قال دخلنا على جابر بن عبد الله ... فلم يزل واقفا حتى غربت الشمس وذهبت الصفرة قليلا حتى غاب القرص واردف اسامة خلفه ودفع رسول الله ﷺ وقد شنق للقصواء الزمام حتى ان رأسها ليصيب مورك رحله ويقول بيده اليمنى ايها الناس السكينة السكينة كلما اتى جبلا من الحبال ارخى لها قليلا حتى تصعد حتى اتى المزدلفة** (الف) (مسلم شریف، باب حجۃ النبی ص ۳۹۸ نمبر ۱۲۱۸/ ابو داؤد شریف، باب صفۃ حجۃ النبی ص ۲۷۱ نمبر ۱۹۰۵ و باب الدفعۃ من عرفۃ ص ۲۷۷ نمبر ۱۹۲۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مغرب کے بعد عرفہ سے چلے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اطمینان سے چلے تیزی نہ کرے۔

[۶۵۰] (۴۶) مستحب یہ ہے کہ اس پہاڑ کے قریب ٹھہرے جس پر میقدہ ہے جس کو قزح کہا جاتا ہے۔

تشریح مزدلفہ میں مستحب یہ ہے کہ جبل قزح کے قریب ٹھہرے۔ یوں تو وادی محسر کے علاوہ پورا مزدلفہ ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ لیکن جبل قزح کے قریب ٹھہرنا مستحب ہے۔

وجہ کیونکہ حضور وہیں ٹھہرے تھے۔ آیت میں ہے **فاذا افضتم من عرفات فاذكروا الله عند المشعر الحرام** (آیت ۱۹۸ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ عرفات سے چلو تو مشعر الحرام کے پاس اللہ کو خوب یاد کرو اور جبل قزح کو مشعر الحرام کہتے ہیں (۲) حدیث میں ہے **قال دخلنا على جابر بن عبد الله ... ثم ركب القصواء حتى اتى المشعر الحرام فاستقبل القبلة فدعاه وكبره وهلله ووحده فلم يزل واقفا حتى اسفر جدا فدفع قبل ان تطلع الشمس** (ب) (مسلم شریف، باب حجۃ النبی ص ۳۹۹ نمبر

حاشیہ : (الف) آپ ٹھہرے رہے یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا اور تھوڑی زردی چلی گئی یہاں تک کہ سورج کا ٹکیہ غائب ہو گیا۔ اور اسامہ کو پیچھے بٹھایا اور حضور چلے۔ قصواء اونٹنی کی لگام پیچھے کھینچتے رہے۔ یہاں تک کہ اس کا سر کجاوے کے اگلے حصے پر لگتا رہا۔ اور اپنے دائیں ہاتھ سے اشارہ کرتے کہ اے لوگو! سکون سے چلو سکون سے چلو۔ کہیں ٹیلہ آتا تو آپ قصواء کی لگام کو تھوڑی ڈھیلی کرتے تاکہ اس پر چڑھ جائے۔ یہاں تک کہ آپ مزدلفہ تشریف لائے (ب) پھر قصواء پر سوار ہوئے یہاں تک کہ مزدلفہ آئے۔ پھر قبلے کا استقبال کیا، پھر اللہ کی تعریف بیان کی، تکبیر کہی، تہلیل کہی اور توحید بیان کی۔ ہمیشہ ٹھہرے رہے یہاں تک (باقی اگلے صفحہ پر)

[۶۵۱] (۴۷) ويصلى الامام بالناس المغرب والعشاء فى وقت العشاء باذان واقامة

[۶۵۲] (۴۸) ومن صلى المغرب فى الطريق لم يجز عند ابى حنيفة و محمد رحمهما

۱۲۱۸/ابوداؤدشریف، باب صفة حجة النبی ص ۲۷۱ نمبر ۱۹۰۵) عن علی قال فلما اصبح یعنی النبی ﷺ و وقف علی قزح فقال هو قزح وهو الموقف و جمع کلها موقف (الف) (ابوداؤدشریف، باب الصلوۃ بجمع ص ۲۷۴ نمبر ۱۹۳۵) ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ جبل قزح کے پاس ٹھہرنا زیادہ بہتر ہے۔

لغت المقیدۃ : آگ جلنے کی جگہ، زمانۂ جاہلیت میں اس پہاڑ کے قریب آگ جلانے کی جگہ تھی جس کو مقیدہ کہتے ہیں۔

[۶۵۱] (۴۷) اور امام لوگوں کو نماز پڑھائیں گے مغرب اور عشاء کی عشاء کے وقت میں ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ۔

تشریح امام مزدلفہ میں بھی جمع بین الصلوتین کریں گے اور یہ جمع تاخیر کریں گے۔ اور عشا کے وقت میں مغرب کی نماز پڑھیں گے۔

وجہ حدیث میں ہے عن ابن عمر قال جمع رسول اللہ ﷺ بین المغرب والعشاء بجمع صلی المغرب ثلاثا والعشاء رکعتین باقامة واحدة (ب) (مسلم شریف، باب الافاضۃ من عرفات الی المزدلفۃ واستحباب صلوتی المغرب والعشاء جمیعا بالمزدلفۃ فی ھذہ اللیلۃ ص ۴۱۷ نمبر ۱۲۸۸/۳۱۱۴) اس حدیث میں ہے کہ ایک اذان اور اقامت سے دونوں نماز پڑھے (۲) چونکہ مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد تمام نمازی وہیں موجود ہیں اور نماز عشا اپنے وقت پر پڑھی جا رہی ہے اس لئے دوبارہ اقامت کہنے کی ضرورت نہیں۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مزدلفہ میں مغرب اور عشا کو جمع کر کے پڑھیں گے۔

نوٹ دوسری حدیث میں دو مرتبہ اقامت کہنے کا تذکرہ ہے (مسلم شریف نمبر ۱۲۱۸) حتی اتی المزدلفة، فصلی بها المغرب والعشاء باذان واحد واقامتين (مسلم شریف، نمبر ۱۲۱۸)

[۶۵۲] (۴۸) جس نے مغرب کی نماز مزدلفہ کے راستے میں پڑھی تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

تشریح عرفات سے چل کر مزدلفہ آرہا ہو اور مزدلفہ سے پہلے راستہ میں مغرب کی نماز پڑھ لی تو طرفین کے نزدیک نماز کو دوبارہ لوٹانا ہوگا۔

وجہ (۱) اس لئے کہ آج کے دن کی مغرب کی نماز کا وقت بدل گیا اور مزدلفہ جانے کے بعد اس کا وقت ہوگا۔ اس لئے وقت سے پہلے نماز پڑھی ہے (۲) حدیث میں ہے اس دن نماز کا وقت حاجیوں کا بدل گیا۔ عن اسامة بن زيد انه سمعه يقول دفع رسول الله من عرفة ... فقلت له الصلوة قال الصلوة امامک فجاء المزدلفة فتوضأ فاسبغ ثم اقيمت الصلوة فصلى المغرب (ج) (بخاری شریف، باب الجمع بین الصلوۃ بالمزدلفۃ ص ۲۲۷ نمبر ۱۶۷۲/ مسلم شریف، باب استحباب ادامۃ الحاج التلبیۃ ص ۴۱۶ نمبر ۱۲۸۰) اس حدیث سے

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) کہ بہت اسفار ہوگیا، پس سورج طلوع ہونے سے پہلے آپ چلے (الف) حضورؐ نے صبح کی تو جبل قزح کے پاس ٹھہرے اور وہی ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ اور مزدلفہ پورا ٹھہرنے کی جگہ ہے (ب) حضور نے مزدلفہ میں مغرب اور عشا کو جمع کیا، مغرب کی نماز پڑھی تین رکعت اور عشا کی دو رکعت ایک ہی اقامت کے ساتھ (ج) حضورؐ عرفہ سے چلے ... میں نے کہا نماز کا وقت ہوگیا۔ آپؐ نے فرمایا نماز کا وقت آگے ہے۔ پھر مزدلفہ آئے اور اچھی طرح وضو کیا پھر نماز کی اقامت کی اور مغرب کی نماز پڑھی۔

الله تعالیٰ[۲۵۳] (۴۹) فاذا طلع الفجر صلی الامام بالناس الفجر بغلس.

معلوم ہوا کہ نماز کا وقت آگے ہے یعنی مزدلفہ پہنچ کر ہے (۳) ایک اثر میں ہے **قال عبد الله بن مسعود هما صلوا تان تحولان عن وقتهما صلوة المغرب بعد ما يأتي الناس المزدلفة والفجر حين يبزغ الفجر قال رايت النبي ﷺ يفعله** (الف) (بخاری شریف، باب من اذن واقام لکل واحد منھما ص ۲۷۲ نمبر ۱۶۷۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ آج کے دن مغرب کی نماز کا وقت ہی بدل گیا ہے اس لئے وقت سے پہلے نماز پڑھے گا تو اس کو لوٹانا ہوگا۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مزدلفہ کے اندر نماز مغرب پڑھنا سنت ہے۔ اس لئے اگر مزدلفہ کے اندر نماز نہیں پڑھی تو لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ اس لئے سنت کے خلاف کیا۔ لیکن نماز ہو گئی۔ نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کی دلیل یہ اثر ہے **عن عبد الله بن زبير قال من سنة الحج ... ثم يفيض فيصلي بالمزدلفة او حيث قضى الله عزوجل ثم يقف بجمع** (ب) (سنن للبیہقی، باب من قال یصلیھما بالمزدلفۃ او حیث قضی اللہ عز وجل ج خامس ص ۱۹۹، نمبر ۹۵۰۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جہاں موقع ملے اور مغرب کا وقت ہو جائے تو نماز پڑھ سکتا ہے۔

[۲۵۳] (۴۹) پس جب فجر طلوع ہو تو امام لوگوں کو فجر کی نماز غلس میں پڑھائے۔

وجہ عام دنوں میں حنفیہ کے نزدیک نماز فجر اسفار میں پڑھنا سنت ہے لیکن اس دن وقوف مزدلفہ کی وجہ سے اور رمی جمار کی وجہ ہے غلس میں ہی نماز پڑھی جائے گی (۲) **عن عبد الرحمن بن يزيد قال خرجت مع عبد الله (بن مسعود) الى مكة ثم قد منا جمعا فصلى الصلوتين كل صلوة وحدها باذان واقامة والعشاء بينهما ثم صلى الفجر حين طلع الفجر قائل يقول طلع الفجر وقائل يقول لم يطلع الفجر ثم قال ان رسول الله قال ان هاتين الصلوتين حولتا عن وقتهما في هذا المكان المغرب والعشاء فلايقدم الناس جمعا حتى يقيموا وصلوة الفجر هذه الساعة** (ج) (بخاری شریف، متی یصلی الفجر بجمع ص ۲۲۸ نمبر ۱۶۸۳) مسلم شریف، باب استحباب زیادۃ التغلیس بصلوۃ الصبح یوم النحر بالمزدلفۃ ص ۴۱۷ نمبر ۱۲۸۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مزدلفہ میں صبح کی نماز غلس میں پڑھی جائے گی۔

نوٹ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس دن نماز فجر کا وقت بدل گیا ہے۔ اس لئے غلس میں نماز پڑھی تو عام دنوں میں اصلی وقت اسفار کے وقت ہے۔ جو حنفیہ کا فجر کی نماز کا سلسلے میں مسلک ہے۔

حاشیہ : (الف) عبداللہ بن مسعود نے فرمایا وہ دونوں نمازیں اپنے وقت سے بدل گئی ہیں۔ مغرب کی نماز لوگوں کے مزدلفہ آنے کے بعد اور فجر کی نماز جیسے ہی طلوع فجر ہو۔ حضور کو ایسا کرتے دیکھا (ج) پھر عرفہ سے چلے اور مزدلفہ میں نماز پڑھے یا اللہ تعالیٰ نے جہاں مقدر میں لکھا ہو وہاں نماز پڑھے۔ پھر مزدلفہ مین ٹھہرے (د) میں عبداللہ بن مسعود کے ساتھ مکہ مکرمہ گیا، پھر مزدلفہ آئے، پس دو نمازیں پڑھی، ہر نماز الگ الگ اذان اور اقامت کے ساتھ، اور عشا کا کھانا ان کے درمیان تھا، پھر فجر کی نماز طلوع فجر کے وقت پڑھی اتنی جلدی کہ کچھ کہتے تھے کہ صبح صادق ہو گئی اور کچھ کہتے تھے کہ ابھی صبح صادق نہیں ہوئی۔ پھر فرمایا کہ حضورؐ نے فرمایا کہ دونوں نمازیں اس مقام میں اپنے اپنے وقت سے بدل گئی ہے، مغرب اور عشا کی نمازیں۔

[۶۵۴](۵۰) ثم وقف الامام ووقف الناس معه فدعا [۶۵۵](۵۱) والمزدلفة کلها موقف الا بطن محسر[۶۵۶] (۵۲) ثم افاض الامام والناس معه قبل طلوع الشمس حتی

ترجمہ [۶۵۴](۵۰) پھر امام ٹھہرا رہے اور لوگ اس کے ساتھ ٹھہرے رہیں اور دعا کرتے رہیں۔

تشریح نماز فجر غلس میں پڑھ کر مزدلفہ ہی میں سب لوگ ٹھہرے رہیں اور اپنے لئے دعا کرتے رہیں۔ کیونکہ طلوع شمس سے پہلے یہاں سے نکلنا ہے تو اس وقت تک دعا اور استغفار کرتے رہے۔

وجہ پہلے حدیث گزر چکی ہے جس میں یہ تھا کہ حضورؐ اسفار تک تکبیر وتہلیل کرتے رہے۔ اور دعا کرتے رہے۔ **قال دخلنا علی جابر بن عبد اللہ ... ثم رکب القصواء حتی اتی المشعر الحرام فاستقبل القبلة فدعاه وکبره وهلله ووحده فلم یزل واقفا حتی اسفر جدا فدفع قبل ان تطلع الشمس** (الف) (مسلم شریف، باب حجة النبی ص ۳۹۹ نمبر ۱۲۱۸ / ابو داؤد شریف، باب صفة حجة النبی ص ۲۷۱ نمبر ۱۹۰۵) معلوم ہوا کہ اسفار تک ربکیر، تہلیل، توحید کرتا رہے اور دعائیں کرتا رہے، اور طلوع شمس سے قبل مزدلفہ سے منی کے لئے چلے۔

ترجمہ [۶۵۵](۵۱) اور مزدلفہ کل کی کل ٹھہرنے کی جگہ ہے مگر وادی محسر۔

وجہ وادی محسر میں اصحاب فیل والوں کو اللہ نے عذاب دیا تھا اس لئے وادی محسر میں نہ ٹھہرے، وادی محسر مزدلفہ میں ایک وادی کا نام ہے (۲) **عن جابر بن عبد اللہ قال قال رسول اللہ ﷺ کل عرفة موقف وارفعوا عن بطن عرنة و کل المزدلفة موقف وارفعوا عن بطن محسر وکل منی منحر الا ماوراء العقبة** (ب) (ابن ماجہ شریف، باب الموقف بفرفات ص ۴۳۶، نمبر ۳۰۱۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مزدلفہ میں بطن محسر ٹھہرنے کی جگہ نہیں ہے۔ باقی جگہ ٹھہر سکتا ہے۔ یوں بھی جب آپؐ وادی محسر سے گزرے تو اونٹنی کو تیز کر دیا تھا (نسائی شریف نمبر ۳۰۵۵)

ترجمہ [۶۵۶](۵۲) پھر امام اور لوگ ان کے ساتھ سورج طلوع ہونے سے پہلے چلے یہاں تک کہ منی آئے۔

تشریح سورج کے طلوع ہونے سے پہلے مزدلفہ سے منی کے لئے روانہ ہو جائے۔

وجہ (۱) مشرکین سورج کے طلوع ہونے کے بعد مزدلفہ سے چلا کرتے تھے۔ لیکن آپؐ نے ان کی مخالفت کی اور سورج طلوع ہونے سے پہلے وہاں سے منی کے چل پڑے (۲) **سمعت عمر بن میمون یقول شهدت عمر صلی بجمع الصبح ثم وقف فقال ان المشرکین کانوا لا یفیضون حتی تطلع الشمس ویقولون اشرق ثبیر وان النبی ﷺ خالفهم ثم افاض قبل ان تطلع الشمس** (ج) (بخاری شریف، باب متی یدفع من جمع ص ۲۲۸ نمبر ۱۶۸۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورج طلوع ہونے سے پہلے مزدلفہ

حاشیہ : (الف) پھر قصواء اونٹنی پر سوار ہوئے، یہاں تک کہ مشعر حرام کے پاس آئے، پس قبلہ کا استقبال کیا، دعا کی، تکبیر کہی، توحید بیان کی، ٹھہرے رہے یہاں تک کہ بہت اسفار ہو گیا پھر سورج طلوع ہونے سے پہلے چلے (ب) آپؐ نے فرمایا عرفہ ٹھہرنے کی جگہ ہے لیکن بطن عرنہ سے دور رہو، پورا مزدلفہ ٹھہرنے کی جگہ ہے لیکن بطن محسر سے دور رہو، پورا منی نحر کی جگہ ہے سوائے عقبہ گھاٹی کے پیچھے۔ (ج) عمر بن میمون فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر کو دیکھا کہ وہ مزدلفہ (باقی اگلے صفحہ پر)

یاتو منی[٦٥٧] (۵۳) فیبتدأ بجمرة العقبة فیرمیھا من بطن الوادی بسبع حصیات مثل حصاة الخذف[٦٥٨] (۵۴) ویکبر مع کل حصاة [٦٥٩](۵۵) ولا یقف عندھا

سے منی کے لئے روانہ ہو۔ مسئلہ نمبر ۵۰ میں بھی مسلم شریف کی حدیث (مسلم شریف نمبر ۱۲۱۸/ابوداؤد شریف نمبر ۱۹۰۵) گزری کہ سورج طلوع ہونے سے پہلے آپ منی کے لئے روانہ ہوئے۔

[٦٥٧](۵۳) پس جمرۂ عقبہ سے شروع کرے اور جمرۂ عقبہ کی رمی کرے بطن وادی سے سات کنکری کے ساتھ ٹھیکری کی کنکری کی طرح

تشریح تین جمرات ہیں۔اور اس وقت تینوں جگہ سمنٹ کے کھمبے کھڑے ہیں۔جمرہ اولی، جمرہ وسطی اور عقبہ، دسویں ذی الحجہ کو صرف جمرہ عقبہ کی رمی کرے گا اور بطن وادی سے سات کنکری مارے گا۔جس طرح ٹھیکرے پھینکتے ہیں اس طرح پھینک کر مارے۔کھمبے کو لگ جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ورنہ کم سے کم جو چاروں طرف تین تین فٹ کے حدود ہیں کنکری اس میں گرے تو کافی ہو جائے گا۔

وجہ **قال دخلنا علی جابر بن عبد اللہ ... ثم سلک الطریق الوسطی التی تخرج علی الجمرة الکبری حتی اتی الجمرة التی عند الشجرة فرماھا بسبع حصیات یکبر مع کل حصاة منھا مثل حصی الخذف رمی من بطن الوادی ثم انصرف الی المنحر** (الف) (مسلم شریف، باب حجۃ النبی ص ۳۹۹ نمبر ۱۲۱۸/ابوداؤد شریف، باب صفۃ حجۃ النبی ص ۲۷۱ نمبر ۱۹۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بطن وادی سے جمرہ عقبہ پر سات کنکریاں مارے۔

لغت العقبۃ : آخری، پیچھے، چونکہ یہ آخری جمرہ ہے اور دو جمروں کے پیچھے ہے اس لئے اس کو جمرہ عقبہ کہتے ہین۔ رمی : یرمی کنکری پھینکنا۔ بطن وادی : جمرہ عقبہ کے پاس جگہ کا نام ہے۔ حصیات : حصاۃ کی جمع ہے کنکری۔ الخذف : ٹھیکرا پھینکنا۔

[٦٥٨](۵۴) اور تکبیر کہے ہر کنکری کے ساتھ۔

تشریح رمی جمار کے وقت جب کنکری پھینکے تو ہر کنکری کے سارھ تکبیر کہے۔

وجہ اوپر حدیث میں گزرا یکبر مع کل حصاۃ منھا (مسلم شریف، ص ۳۹۹ نمبر ۱۲۱۸/ابوداؤد شریف نمبر ۱۹۰۵) باقی دلیل آگے آرہی ہے۔

[٦٥٩](۵۵) اور جمرۂ عقبہ کے پاس نہیں ٹھہرے گا۔

تشریح جمرہ اولی، جمرہ وسطی پر کنکری مارنے کے بعد ٹھہرے اور دعا کرے لیکن جمرہ عقبہ پر جب بھی کنکریں مارے تو ٹھہرے نہیں بلکہ آگے چلے جائے۔

وجہ تا کہ وہاں بھیڑ نہ ہو جائے (۲) حدیث میں ہے **عن ابن عمر انہ کان یرمی الجمرة الدنیا بسبع حصیات یکبر علی اثر**

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) میں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے۔ پھر وہاں ٹھہرے اور فرمایا کہ مشرکین مزدلفہ سے کوچ نہیں کرتے جب تک سورج طلوع نہ ہو جاتا اور کہتے ثبیر پہاڑ تو چمک اٹھا (تب کوچ کرتے) اور حضورؐ نے اس کی مخالفت کی اور سورج طلوع ہونے سے پہلے چلے (الف) پھر آپؐ درمیان کے راستے سے چلے جو جمرہ عقبہ پر نکلتا تھا۔ یہاں تک کہ اس جمرہ کے پاس آئے جو درخت کے پاس ہے یعنی جمرہ عقبہ تو اس کی رمی سات کنکریوں سے کی۔ ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے ٹھیکری کی طرح بطن وادی سے رمی کی پھر مذبح کی طرف واپس لوٹے۔

[۶۶۰](۵۶) ویقطع التلبیة مع اول حصاة [۶۶۱](۵۷) ثم یذبح ان احب.

کل حصاة ثم یتقدم حتی یسهل فیقوم مستقبل القبلة فیسهل فیقوم طویلا ویدعو ویرفع یدیه وثم یرمی الوسطی ثم یاخذ ذات الشمال فیستهل ویقوم مستقبل القبلة فیقوم طویلا ویدعوویرفع یدیه ویقوم طویلا ثم یرمی جمرة ذات العقبة من بطن الوادی ولایقف عندها ثن ینصرف ویقول هکذا رایت النبی ﷺ یفعله (الف)(بخاری شریف، باب اذا رمی الجمرتین یقوم مستقبل القبلة ویسهل ص ۲۳۶ نمبر ۱۷۵۱) اس حدیث میں ہے کہ جمرہ عقبہ کے پاس نہیں ٹھہرتے تھے۔ البتہ جمرہ اولی اور جمرہ وسطی کی کنکری مارنے کے بعد کنارے پر ہٹ کر دعا کرے تاکہ لوگوں کو تکلیف نہ ہو۔

نوٹ اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے تھے۔

[۶۶۰](۵۶) اور تلبیہ پہلی کنکری کے ساتھ منقطع کردے۔

وجہ حدیث میں ہے عن ابن عباس ان النبی ﷺ اردف الفضل فاخبر الفضل انه لم یزل یلبی حتی رمی الجمرة العقبة (ب)(بخاری شریف، باب التلبیة والتکبیر غداة النحر حین حتی یرمی الجمرة العقبة ص ۲۲۸ نمبر ۱۶۸۵) ابن ماجہ شریف میں یہ زیادتی ہے فلما رماها قطع التلبیة (ج)(ابن ماجہ شریف، باب متی یقطع الحاج التلبیة ص ۴۴۰، نمبر ۳۰۴۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمرہ عقبہ تک تلبیہ پڑھے گا اور پہلی کنکری مارتے ہی تلبیہ ختم کردے گا (۲) تلبیہ کا مطلب ہے کہ میں حاضر ہوں۔ اب شیطان کے پاس کہے کہ میں حاضر ہوں تو یہ الٹی بات ہوجائے گی۔ اس لئے شیطان کو مارتے وقت تلبیہ ختم کر کے اللہ کی بڑائی بیان کرے اور تکبیر کہے۔

[۶۶۱](۵۷) پھر ذبح کرے اگر پسند ہو تو۔

وجہ چونکہ کلام مفرد بالحج کے بارے میں چل رہا ہے اور مفرد پر ہدی واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے اس لئے اگر چاہے تو ہدی ذبح کرے اور چاہے تو نہیں کرے اس لئے مصنفؒ نے فرمایا اگر پسند ہو تو رمی کے بعد ذبح کرے۔ یوں حضورؐ نے ذبح کیا ہے۔ البتہ اگر متمتع یا قارن ہو تو ذبح کرنا واجب ہے (۲) حدیث میں ہے دخلنا علی جابر بن عبد الله ... ثم انصرف الی المنحر فنحر ثلاثا و ستین بیده ثم اعطی علیا فنحر ما غبر و واشرکه فی هدیه (د)(مسلم شریف، باب حجة النبی ص ۲۹۹ نمبر ۱۲۱۸؍ ابوداؤد شریف، باب صفة حجة النبی ص ۲۷۱ نمبر ۱۹۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رمی کے بعد مفرد کو ہو سکے تو ذبح کرنا چاہئے (۲) یہ ہدی حج کرنے کے شکریہ کے طور پر ہے۔ اس لئے اللہ کا شکریہ ادا کرنے کے لئے ہدی ذبح کرنا چاہئے۔

حاشیہ : (الف) عبداللہ بن عمر جمرہ اولی پر رمی فرماتے سات کنکریوں کے ساتھ اور ہر کنکری پر تکبیر کہتے پھر آگے بڑھتے یہاں تک کہ نرم زمین میں آتے پھر قبلہ کا استقبال کر کے کھڑے ہوتے اور دیر تک کھڑے رہتے اور دعا کرتے اور دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے پھر جمرہ وسطی کی رمی کرتے پھر بائیں طرف ہٹتے اور نرم زمین پر جاتے اور قبلہ رخ کھڑے ہوتے پھر دعا کرتے۔ اور ہاتھ اٹھاتے اور دیر تک کھڑے رہتے۔ پھر جمرہ عقبہ کی رمی کرتے بطن وادی سے اور اس کے پاس نہیں ٹھہرتے۔ پھر واپس لوٹتے اور فرماتے کہ اس طرح حضور کو کرتے دیکھا ہے (ب) حضورؐ نے فضل ابن عباس کو پیچھے بٹھایا تو انہوں نے خبر دی کہ آپؐ جمرہ عقبہ کی رمی تک ہمیشہ تکبیر کہتے رہے (ج) جب رمی کی تو تلبیہ پڑھنا چھوڑ دیا (د) پھر آپ مذبح کی طرف واپس لوٹے اور اپنے ہاتھ سے تریسٹھ اونٹ ذبح فرمائے۔ پھر حضرت علی کو دیا اور باقی انہوں نے نحر فرمائے۔ اور حضرت علی کو ہدی میں آپ نے شریک فرمایا۔

[۶۶۲] (۵۸) ثم یحلق او یقصر والحلق افضل[۶۶۳] (۵۹) وقد حل له کل شیء الا النساء[۶۶۴] (۶۰) ثم یاتی مکة من یومه ذلک او من الغد او من بعد الغد فیطوف

---

[۶۶۲] (۵۸) پھر حلق کرائے یا قصر کرائے اور حلق افضل ہے۔

تشریح رمی کے بعد حلق کرائے یا قصر کرائے۔

وجہ (۱) اب تک حج میں پراگندہ بال والا رہا ہے، اب بال صاف کر کے پراگندگی ختم کرے (۲) آیت میں ہے **لتدخلن المسجد الحرام ان شاء الله آمنین محلقین رء وسکم ومقصرین** (الف) (آیت ۲۷ سورۃ الفتح ۴۸) اس آیت میں اشارہ ہے کہ عمرہ یا حج کے بعد حلق کرائے یا قصر کرائے (۳) حدیث میں ہے **عبد الله قال حلق رسول الله و حلق طائفة من اصحابه وقصر بعضهم قال عبد الله ان رسول الله قال رحم الله المحلقين مرة او مرتين ثم قال والمقصرين** (ب) (مسلم شریف، باب تفضیل الحلق علی التقصیر وجواز التقصیر ص ۴۲۰ نمبر ۱۳۰۱ / ابو داؤد شریف، باب الحلق والتقصیر ص ۲۷۸ نمبر ۱۹۷۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رمی کے بعد حلق بہتر ہے اور قصر بھی جائز ہے۔ کیونکہ آپؐ نے حلق کرانے والے کو تین مرتبہ دعا دی اور قصر کرانے والے کو ایک مرتبہ دعا دی (۲) قصر میں کم پراندگی دور ہوگی اس لئے قصر کم بہتر ہے۔

نوٹ عورتوں کے لئے صرف قصر کرانا جائز ہے۔ کیونکہ حلق اس کی زینت کے خلاف ہے۔ حدیث میں ہے **ان ابن عباس قال قال رسول الله ليس على النساء حلق انما على النساء التقصير** (ابو داؤد شریف، باب الحلق والتقصیر ص ۲۷۹ نمبر ۱۹۸۵)

[۶۶۳] (۵۹) اور حلال ہوگئی ان کے لئے ہر چیز سوائے عورتوں کے۔

تشریح دسویں تاریخ کو رمی جمار کے بعد بیویوں کے علاوہ خوشبو، سلا ہوا کپڑا وغیرہ سب کچھ حلال ہو گئے۔

وجہ **عن ابن عباس قال اذا رميتم الجمرة فقد حل لكم كل شيء الا النساء فقال له رجل يا ابن عباس والطيب؟ فقال اما انا فقد رايت رسول الله ﷺ يضمخ رأسه بالمسك افطيب ذلك ام لا؟** (ج) (ابن ماجہ شریف، باب ما تحل للرجل اذا رمی جمرۃ العقبۃ ص ۴۲۴ / نسائی شریف، باب ما تحل للمحرم بعد رمی الجمار ج ثانی ص ۴۲ نمبر ۳۰۸۶ / ابو داؤد شریف، باب الافاضۃ فی الحج ص ۲۸۱ نمبر ۱۹۹۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے علاوہ تمام چیزیں حلال ہوگئیں جو احرام کی وجہ سے حرام ہوئی تھیں۔

[۶۶۴] (۶۰) پھر اسی دن مکہ مکرمہ آئے یا دوسرے دن یا تیسرے دن پھر بیت اللہ کا سات شوط طواف زیارت کرے۔

تشریح حاجی کو اختیار ہے کہ دسویں ذی الحجہ کو رمی، ذبح اور حلق کے بعد مکہ مکرمہ آکر طواف زیارت جو فرض ہے وہ کرے اور یہ بھی اختیار ہے کہ

حاشیہ : (الف) ان شاء اللہ مسجد میں داخل ہونگے امن کے ساتھ اپنے سر کو منڈاتے ہوئے یا قصر کراتے ہوئے (ب) آپؐ نے حلق کرایا اور آپ کے ساتھیوں نے حلق کرایا اور بعض نے قصر کرایا۔ حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے دعا دی اے اللہ! حلق کرانے والوں پر رحم فرما ایک مرتبی یا دو مرتبہ۔ پھر فرمایا قصر کرنے والوں پر رحم فرما۔ حاشیہ : (ج) آپ نے فرمایا جب تم جمرہ کی رمی کر و تو تمہارے لئے ہر چیز حلال ہوگئی سوائے بیوی کے، ایک آدمی نے کہا اے عبد اللہ بن عباس! کیا خوشبو بھی؟ فرمایا بہر حال میں نے حضور کو دیکھا مشک سے سر کو مل رہے تھے تو کیا یہ خوشبو نہیں ہے؟

بالبيت طواف الزيارة سبعة اشواط [۲۶۵](۶۱) فان كان سعى بين الصفا والمروة عقيب طواف القدوم لم يرمل فی هذا الطواف ولا سعى عليه وان لم يكن قدم السعى رمل فی هذا الطواف ويسعى بعده على ما قدمناه [۲۶۶] (۶۲) وقد حل له النساء .

گیارہویں یا بارہویں کو آئے۔البتہ دسویں کو آنا زیادہ بہتر ہے۔کیونکہ اس میں جلدی عبادت کو پورا کرنا ہے۔اور حضورؐ دسویں ہی کو مکہ تشریف لائے تھے اور طواف زیارت فرمایا تھا۔

وجہ دخلنا على جابر بن عبد الله...ثم ركب رسول الله فافاض الى البيت فصلى بمكة الظهر (الف) (مسلم شریف، باب حجۃ النبی ص ۴۰۰ نمبر ۱۲۱۸/ابوداؤد شریف، باب صفۃ حجۃ النبی ص ۲۷۱ نمبر ۱۹۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپؐ دسویں ذی الحجہ کو ظہر تک مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تھے۔اس لئے دسویں ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ آکر طواف زیارت کرنا زیادہ بہتر ہے (۲) عن ابن عمران النبی ﷺ افاض يوم النحر ثم صلى الظهر بمنى يعنى راجعا (ب) (ابوداؤد شریف، باب الافاضۃ فی الحج ص ۲۸۱ نمبر ۱۹۹۸) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ آپؐ نے طواف دسویں ذی الحجہ کو کیا ہے۔

[۲۶۵] (۶۱) پس اگر طواف قدوم کے بعد صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی ہو تو اس طواف زیارت میں رمل نہیں کرے گا اور نہ اس پر سعی ہے۔اور اگر پہلے سعی نہیں کی ہے تو اس طواف میں رمل کرے گا اور اس کے بعد سعی کرے گا جیسا کہ پہلے بیان کیا۔

تشریح حج یا عمرہ میں ایک مرتبہ سعی اور ایک ہی مرتبہ اکڑ کر چلنا ہے۔پس اگر حج کے طواف قدوم میں سعی اور رمل کر چکا ہے تو اس طواف زیارت میں سعی اور رمل نہیں ہے۔اور اگر پہلے سعی اور رمل نہیں کیا ہے تو طواف زیارت کے بعد سعی بین الصفا والمروۃ بھی کرے گا اور طواف میں اکڑ کر بھی چلے گا۔

وجہ سمع جابر بن عبد الله يقول لم يطف النبى ﷺ ولا اصحابه بين الصفا والمروة الا طوافا واحدا ... وقال الا طوافا واحدا طوافه الاول (ج) (مسلم شریف، بیان ان السعی لا یتکرر ص ۴۱۴ نمبر ۱۲۷۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حج میں یا عمرہ میں ایک ہی سعی کرے گا۔کیونکہ حضورؐ اور صحابہ نے ایک ہی سعی کی تھی اور انہوں نے پہلی مرتبہ سعی کی تھی۔

لغت عقیب : بعد میں۔ رمل : اکڑ کر چلنا، طواف کے پہلے تین شوط میں اکڑ کر چلتے ہیں اس کو رمل کہتے ہیں۔

[۲۶۶] (۶۲) اور حلال ہو گئیں اس کے لئے بیویاں اس طواف کے بعد۔

تشریح طواف زیارت سے پہلے بیوی حرام تھی لیکن طواف زیارت کیا تو اس طواف کی وجہ سے اب بیویاں حلال ہو گئیں۔

وجہ ان عبد الله بن عمر قال فذكر الحديث ... حتى قضى حجه و نحر هديه يوم النحر وافاض فطاف بالبيت ثم

حاشیہ : (الف) پھر حضورؐ سوار ہوئے اور بیت اللہ تشریف لے گئے اور ظہر کی نماز مکہ مکرمہ میں پڑھی (ب) حضورؐ دسویں ذی الحجہ کو چلے پھر واپس آکر منی میں ظہر کی نماز پڑھی یعنی طواف زیارت کر کے واپس آئے (ج) جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ اور آپ کے ساتھیوں نے صفا اور مروہ کے درمیان ایک ہی مرتبہ سعی کی ہے ... یہ بھی فرمایا کہ پہلی ہی مرتبہ سعی کی ہے۔

[۶۶۷](۶۳) وھذا الطواف ھو المفروض فی الحج [۶۶۸](۶۴) ویکرہ تاخیرہ عن ھذہ الایام فان اخرہ عنھا لزمہ دم عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی وقالا لا شیء علیہ[۶۶۹] (۶۵) ثم یعود الی منی فیقیم بھا.

حل من کل شیء حرم منہ (الف)(سنن للبیھقی، باب التحلل بالطواف اذا کان قد سعی عقیب طواف القدوم ج خامس ص ۲۳۷، نمبر ۹۶۴۷)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طواف زیارت کے بعد عورت بھی حلال ہو جائے گی۔اس سے پہلے خوشبو، سلا ہوا کپڑا اور شکار حلال ہوئے تھے،اب بیوی بھی حلال ہوگئی۔

[۶۶۷](۶۳)حج میں یہ طواف فرض ہے۔

وجہ یہ طواف فرض ہونے کی دلیل یہ آیت ہے ثم لیقضوا تفثھم ولیوفوا نذورھم ولیطوفوا بالبیت العتیق (ب)(آیت ۲۹ سورۃ الحج ۲۲)اس آیت میں امر کے صیغے کے ساتھ بیت عتیق یعنی بیت اللہ کے طواف کا حکم دیا گیا ہے۔اس لئے یہ طواف فرض ہے۔

[۶۶۸](۶۴)مکروہ ہے طواف زیارت کو مؤخر کرنا ان دنوں سے، پس اگر مؤخر کیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کو دم لازم ہوگا۔اور صاحبین فرماتے ہیں اس پر کچھ لازم نہیں ہے۔

وجہ امام ابوحنیفہ کی رائے ہے کہ طواف زیارت کو ایام نحر سے مؤخر کرے گا تو دم لازم ہوگا۔(۱) کیونکہ یہ چیزیں وقت کے ساتھ موقت ہیں اس لئے ان کو وقت سے مؤخر کرنے پر دم لازم ہوگا(۲)اثر میں ہے ان عبد اللہ بن عباس قال من نسی من نسکہ شیئا او ترکہ فلیھرق دما (ج)(سنن للبیھقی، باب من ترک شیئا من الرمی حتی یذھب ایام منی ج خامس ص ۲۴۸، نمبر ۹۶۸۸)اس اثر میں ہے کہ کچھ بھول جائے یا چھوڑ دے تو دم لازم ہوگا۔اور چونکہ اس نے وقت پر طواف زیارت کو چھوڑ دیا چاہے بعد میں ادا کیا اس لئے اس کو دم لازم ہوگا۔ایک اور اثر ہے۔عن عباس قال من قدم شیئا من حجہ او اخرہ فلیھرن لذلک دما (مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۵۴ فی الرجل یحلق قبل ان یذبح، ج ثالث، ص ۹۴۵، نمبر ۱۴۹۵۴)اس اثر سے معلوم ہوا کہ وقت سے مؤخر کیا تو دم لازم ہوگا۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ عمر میں کبھی بھی طواف کرے گا وہ ادا ہی ہوگا اس لئے تاخیر کرنے سے دم لازم نہیں ہوگا۔

[۶۶۹](۶۵)پھر منی کی طرف مڑے اور وہاں قیام کرے۔

تشریح دسویں ذی الحجہ کو طواف زیارت کر کے واپس منی آئے اور وہاں ٹھہرا رہے اور رمی جمار کرتا رہے۔

وجہ (۱)عن ابن عمر ان رسول اللہ افاض یوم النحر ثم رجع فصلی الظھر بمنی (د)(مسلم شریف، باب استحباب طواف الافاضۃ یوم النحر ص ۴۲۲ نمبر ۱۳۰۸)(۲)یسأل ابن عمر قال انا نبتاع باموال الناس فیأتی احدنا مکۃ فیبیت علی المال

حاشیہ : (الف)یہاں تک کہ آپ نے اپنا حج پورا کیا اور دسویں تاریخ کو اپنی ہدی کی نحر کی اور چلے۔پس بیت اللہ کا طواف کیا پھر وہ تمام چیزیں حلال ہوگئیں جو آپ سے حرام ہوئی تھیں(ب)پھر اپنی پراگندگی دور کرے اور اپنی نذر پوری کرے اور بیت اللہ کا طواف کرے(ج)عبد اللہ ابن عباس نے فرمایا جو ارکان حج میں سے کچھ بھول جائے یا اس کو چھوڑ دے تو خون بہانا چاہئے(د)آپ نے یوم نحر میں طواف زیارت کیا پھر واپس ہوئے اور ظہر کی نماز منی میں پڑھی۔

[۶۷۰](۶۶) فاذا زالت الشمس من الیوم الثانی من ایام النحر رمی الجمار الثلث یبتدئ بالتی تلی المسجد[۶۷۱] (۶۷)فیرمیھا بسبع حصیات یکبر مع کل حصاة ثم یقف

فقال اما رسول الله ﷺ فبات بمنی وظل (الف)(ابوداؤد شریف، باب بیت بمکۃ لیالی منی ص ۲۷۷ نمبر ۱۹۵۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دسویں، گیارہویں اور بارہویں ایام تشریق میں منی میں رات گزارنا سنت ہے۔

[۶۷۰](۶۶) گیارہویں تاریخ کو سورج ڈھل جائے تو تینوں جمرات کی رمی کرے، شروع کرے مسجد کے پاس سے۔

تشریح دسویں ذی الحجہ کو صرف جمرہ عقبہ کی رمی تھی لیکن گیارہویں ذی الحجہ (جو دسویں ذی الحجہ کا دوسرا دن ہے) کو تینوں جمرات کی رمی کرے اور زوال کے بعد رمی کرے، پہلے جمرہ سے شروع کرے جو مسجد خیف کے قریب ہے، وہاں سات کنکری مارے اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہے اور پہلے اور دوسرے جمرے کے پاس کھڑا ہو کر دعا کرے اور تیسرے جمرے کے بعد کھڑا نہ رہے اور دعا نہ کرے تاکہ وہاں بھیڑ نہ ہو۔

وجہ سألت ابن عمر متی ارمی الجمار؟ قال اذا رمی امامک فارمه فاعددت علیه المسئلة قال کنا نتحین فاذا زالت الشمس رمینا (ب)(بخاری شریف، باب رمی الجمار ص ۲۳۵ نمبر ۱۷۴۶)اس اثر سے معلوم ہوا کہ زوال کے بعد رمی کرے (۲) ابوداؤد شریف کی حدیث میں ہے عن عائشة قالت افاض رسول الله ﷺ من آخر یومه حین صلی الظهر ثم رجع الی منی فمکث بها لیالی ایام التشریق یرمی الجمرة اذا زالت الشمس کل جمرة بسبع حصیات یکبر مع کل حصاة ویقف عند الاولی والثانیة فیطیل القیام ویتضرع ویرمی الثالثة ولا یقف عندها (ج)(ابوداؤد شریف، باب فی رمی الجمار ص ۴۲۰ نمبر ۱۹۷۳)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوسرے اور تیسرے اور چوتھے دن کی رمی زوال کے بعد کرے۔ اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہے اور پہلے اور دوسرے جمرے کے پاس کھڑے رہ کر دعا کرے اور تیسرے جمرے کے پاس کھڑا نہ رہے۔

لغت الیوم الثانی من ایام النحر : یوم نحر کا دسرا دن گیارہویں ذی الحجہ ہوتا ہے۔ المسجد : اس مسجد سے مسجف خیف مراد ہے جو جمرہ اولی سے کافی پیچھے کی جانب تھوڑی اونچائی پر ہے۔ اس وقت یہ بہت بڑی مسجد بنا دی گئی ہے۔

[۶۷۱](۶۷) پس ان کی رمی کرے سات سات کنکریوں کے ساتھ، تکبیر کہے ہر کنکری کے ساتھ پھر ٹھہرے جمرہ اولی کے پاس اور دعا کرے پھر رمی کرے جو اس کے بعد جمرہ ہے اسی طرح اور اس کے پاس ٹھہرے پھر رمی کرے جمرہ عقبہ کے پاس ایسے ہی اور اس کے پاس نہ ٹھہرے

حاشیہ : (الف) حضرت عبد اللہ ابن عمر سے پوچھا کہ ہم لوگوں کے مال بیچتے ہیں تو ہم میں بعض مکہ آتے ہیں اور وہاں مال کے لئے رات گزارتے ہیں؟ تو حضرت ابن عمر نے فرمایا بہر حال حضور تو منی میں رات گزارتے اور وہیں ٹھہرتے۔ (ب) میں نے ابن عمر سے پوچھا کہ کب رمی جمار کریں؟ فرمایا جب تمہارا امام رمی کرے تو تم اس کی رمی کرو۔ میں نے دوبارہ سوال کیا، حضرت ابن عمر فرمانے لگے ہم انتظار کرتے، پس جب سورج ڈھل جاتا تو ہم رمی کرتے (ج) حضورؐ نے اس دن کے آخر میں طواف زیارت کیا جس وقت ظہر کی نماز پڑھی۔ پھر منی کی طرف واپس لوٹے، پس وہاں ایام تشریق کی رات میں ٹھہرے، جب سورج ڈھل جاتا تو جمرات کی رمی کرتے ہر جمرے پر سات کنکریوں کے ساتھ، ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے۔ اور پہلے جمرے کے پاس اور دوسرے جمرے کے پاس ٹھہرتے، اور لمبا قیام کرتے اور گڑگڑاتے اور تیسرے جمرے پر رمی کرتے تو اس کے پاس نہیں ٹھہرتے۔

عـنـدها فيدعو ثم يرمى التى تليها مثل ذلك ويقف عندها ثم يرمى جمرة العقبة كذلك ولا يـقف عـنـدهـا [۶۷۲](۶۸) فاذا كان من الغد رمى الجمار الثلث بعد زوال الشمس كـذلك[۶۷۳] (۶۹) واذا اراد ان يتـعـجـل الـنـفـر نـفر الى مكة وان اراد ان يقيم رمى

تشریح اس مسئلہ کی تفصیل اور وجہ سب اوپر گزر گئی ہے (ابوداؤد شریف نمبر۱۹۷۳)(۲) عـن ابـن عـمـر انه كان يرمى الجمرة الدنيا بسبع حصيات يكبر على اثر كل حصاة ثم يتقدم حتى يسهل فيقوم مستقبل القبلة فيقوم طويلا ويدعو و يرفع يديه ثـم يرمى الوسطى ثم ياخذ ذات الشمال فيستهل ويقوم مستقبل القبلة فيقوم طويلا ويدعو ويرفع يديه ويقوم طويلا ثـم يرمى جمرة ذات العقبة من بطن الوادى ولا يقف عندها ثم ينصرف ويقول هكذا رايت النبى ﷺ يفعله (الف) (بخاری شریف، باب اذا رمی الجمر تين يقوم مستقبل القبلة ويسهل ص۲۳۶ نمبر۱۷۵۱)

[۶۷۲](۶۸) پس جب کہ اگلا دن ہو تو تینوں جمرات کی زوال کے بعد رمی کرے اسی طرح۔

تشریح اگلے دن سے مراد بارہویں ذی الحجہ ہے۔ یعنی بارہویں ذی الحجہ کو بھی گیارہویں ذی الحجہ کی طرح تینوں جمرات کی رمی کرے، اور زوال شمس کے بعد کرے اور جمرہ اولی اور جمرہ وسطی پر ٹھہرے اور دعا کرے اور جمرہ عقبہ کے پاس نہ ٹھہرے۔

وجہ اس کی دلیل مسئلہ مبر ۶۶ میں گزر چکی۔

[۶۷۳](۶۹) اگر جلدی کوچ کرنے کا ارداہ کرے تو کوچ کر جائے مکہ مکرمہ کی طرف اور اگر ٹھہرنا چاہے تو چوتھے دن رمی جمار کرے زوال کے بعد۔

تشریح اگر تین دین تک یعنی بارہویں تاریخ تک رمی جمار کر کے منی سے مکہ مکرمہ جانا چاہے تو جا سکتا ہے اور اگر بارہویں تاریخ کی شام تک منی میں ٹھہر گیا تو تیرہویں تاریخ کو زوال کے بعد تینوں جمرات کی رمی کرے پھر واپس مکہ مکرمہ واپس آئے۔

وجہ آیت میں ہے واذکروا اللہ فی ایام معدودات فمن تعجل فی یومین فلا اثم علیہ ومن تأخر فلا اثم علیہ لمن اتقی (آیت ۲۰۳ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ دو دن یعنی بارہویں تاریخ کو مکہ مکرمہ آئے تب بھی کوئی بات نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے عـن عـبـد الـرحـمـن يـعـمـر الـديـلى قال اتيت النبى ﷺ هو بعرفة ... ايام منى ثلثة فمن تعجل فى يومين فلا اثم عليه ومن تأخر فلا اثم عليه (ب) (ابوداؤد شریف، باب من لم یدرک عرفۃ ص۱۹۴۹) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ منی میں ٹھہرنے کے تین دن ہیں۔ لیکن دو دن

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عمرؓ جمرہ اولی کی رمی سات کنکریوں کے ساتھ کرتے۔ ہر کنکری پر تکبیر کہتے، پھر آگے بڑھ کر نرم زمین پر جاتے اور قبلے کی طرف استقبال کر کے دیر تک کھڑے رہتے اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے۔ پھر جمرۂ وسطی کی رمی کرتے، پھر بائی طرف نرم زمین پر کھڑے ہوتے اور قبلہ کی طرف استقبال کر کے ہاتھ اٹھاتے اور دیر تک دعا کرتے رہتے۔ پھر بطن وادی سے جمرۂ عقبی کی رمی کرتے اور اس کے پاس نہ ٹھہرتے پھر واپس لوٹ جاتے اور فرماتے کہ حضورؐ کو ایسے ہی کرتے دیکھا (ب) آپؐ نے فرمایا... منی میں ٹھہرنے کے تین دن ہیں۔ پس جس نے دو دنوں میں جلدی کی تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اور جس نے مؤخر کیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

الجمار الثلث فی الیوم الرابع بعد زوال الشمس کذلک[۶۷۴] (۷۰) فان قدم الرمی فی ھذا الیوم قبل الزوال بعد طلوع الفجر جاز عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی وقالا لا

میں بھی یعنی گیارہوں اور بارہویں دن رمی جمار کر کے واپس آ سکتا ہے (۳) اثر میں ہے **عن ابن عمر کان یقول من غربت علیه الشمس وھو بمنی اوسط ایام التشریق فلا ینفرن حتی یرمی الجمار من الغد** (الف) (۴) **عن ابن عباس قال اذا انفتح النھار من یوم النفر الآخر فقد حل الرمی والصدر** (ب) (سنن للبیھقی، باب من غربت له الشمس یوم النفر الاول بمنی حتی یرمی الجمار یوم الثالث بعد الزوال ج خامس ص ۲۴۸، نمبر ۹۶۸۶/۹۶۸۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بارہویں کی شام ہو جائے تو منی سے کوچ نہ کرے بلکہ تیرہویں تاریخ کو زوال کے بعد رمی کر کے واپس آئے۔

[۶۷۴] (۷۰) پس اگر اس دن (تیرہویں) کو زوال سے پہلے رمی مقدم کی طلوع فجر کے بعد تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے اور صاحبین نے فرمایا جائز نہیں۔

تشریح تیرہویں ذی الحجہ کو زوال سے پہلے اور طلوع آفتاب کے بعد رمی کرنا چاہے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک جائز نہیں۔

وجہ (۱) جب اس بات کی گنجائش ہے کہ تیرہویں تاریخ کو رمی کرے ہی نہیں تو اس بات کی بھی گنجائش ہوگی کہ زوال سے پہلے رمی کر لے (۲) اثر میں اوپر گزرا **عن ابن عباس قال اذا انفتح النھار من یوم النفر الآخر فقد حل الرمی والصدر** (سنن للبیھقی، باب من غربت الشمس یوم النفر الاول بمنی الخ ج خامس ص ۲۴۸، نمبر ۹۶۸۷) اس حدیث میں ہے کہ دن پھوٹ پڑے تو رمی کرنا حلال ہے۔ اور دن پھوٹ پڑنے سے مراد آفتاب کا طلوع ہونا ہے۔ اس طلوع آفتاب کے بعد رمی کرنا چاہے تو تیرہویں تاریخ کو کر سکتا ہے۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ تیرہویں تاریخ کو بھی زوال کے بعد ہی رمی کرے کیونکہ حدیث میں ہے کہ دسویں تاریخ کو طلوع آفتاب کے بعد آپؐ نے رمی کی اور باقی دنوں میں زوال کے بعد رمی کی ہے۔ حدیث میں ہے **سمعت جابر بن عبد الله یقول رایت رسول الله ﷺ یرمی علی راحلته یوم النحر ضحی فاما بعد ذلک فبعد زوال الشمس** (ج) (ابو داؤد شریف، باب فی رمی الجمار ص ۲۷۸ نمبر ۱۹۷۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دسویں ذی الحجہ کو طلوع آفتاب کے بعد رمی کرے اور اس کے بعد باقی دنوں میں زوال کے بعد آپ رمی کرتے تھے۔ جس کا مطلب یہ نکلا کہ تیرہویں ذی الحجہ کو بھی زوال کے بعد ہی رمی کرے گا۔

نوٹ حضرت عبد اللہ بن عباس کے قول کی وجہ سے امام ابو حنیفہ طلوع آفتاب کے بعد رمی کرنے کے قائل ہوئے ہیں۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عمر نے فرمایا ایام تشریق کے درمیان (یعنی بارہویں ذی الحجہ کو) جس پر منی میں سورج غروب ہو جائے تو وہ کوچ نہ کریں یہاں تک کہ اگلے دن یعنی تیرہویں ذی الحجہ کو رمی کر لیں (ب) حضرت ابن عباس نے فرمایا جب تیرہویں ذی الحجہ کو دن پھوٹ پڑے تو رمی کرنا بھی حلال اور واپس جانا بھی حلال ہے نوٹ : یوم النفر الآخر تیرہویں ذی الحجہ کو کہتے ہیں (ج) حضور کو دیکھا کہ دسویں تاریخ کو چاشت کے وقت اپنی سواری پر رمی کر رہے تھے۔ اور دسویں ذی الحجہ کے بعد تو زوال شمس کے بعد رمی کرتے۔

يجوز [۶۷۵](۷۱) ويكره ان يقدم الانسان ثقله الى مكة ويقيم بها حتى يرمى [۶۷۶](۷۲) فاذا نفر الى مكة نزل بالمحصب[۶۷۷] (۷۳) ثم طاف بالبيت سبعة اشواط لا يرمل فيها وهذا طواف الصدر.

[۶۷۵](۷۱) مکروہ ہے کہ انسان اپنے سامان کو مکہ مکرمہ منتقل کرے اور خود منی میں ٹھہرا رہے تا کہ رمی کرے۔

تشریح خود منی میں ٹھہر کر رمی کرے اور اپنا سامان مکہ مکرمہ منتقل کر دے ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔

وجہ (۱) اثر میں ہے **قال عمر من تقدم ثقله ليلة ينفر فلا حج له** (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۲۲ من کرہ ان یقدم ثقلہ من منی، ج ثالث، ص ۳۸۷، نمبر ۱۵۳۸۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اپنا سامان مکہ مکرمہ منتقل کرنا مکروہ ہے تا ہم اگر کر لیا تو دم لازم نہیں ہوگا۔ پچھلے زمانے میں آدمی اپنا سامان ساتھ رکھتے تھے۔ ہوٹل وغیرہ میں نہیں رکھتے تھے اس لئے سامان مکہ مکرمہ بھیج دے اور خود منی میں ٹھہرنے سے آدمی کا دل سامان پر لگا رہے گا اس لئے بھی مکروہ ہے۔ لیکن آج کل کی طرح پہلے سے سارا سامان مکہ مکرمہ کے ہوٹل میں ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

[۶۷۶](۷۲) پس جب مکہ مکرمہ کی طرف کوچ کرے تو مقام محصب پر اترے۔

تشریح حضور نے منی سے واپسی پر مکہ کے قریب مقام محصب پر پڑاؤ ڈالا تھا۔

وجہ (۱) آپؐ نے فرمایا کہ اس مقام پر کافروں نے مل کر فیصلہ کیا تھا کہ اسلام مٹا دیں گے اس لئے اس مقام پر پڑاؤ ڈال کر بتلائیں گے کہ اسلام پھل پھول کر مکہ میں واپس آ گیا، اسی شکرانہ میں آپؐ اور صحابہ مقام محصب میں قیام پذیر ہوئے (۲) **ان انس بن مالك حدثه عن النبى ﷺ انه صلى الظهر والعصر والمغرب والعشاء ورقد رقدة بالمحصب ثم ركب الى البيت فطاف به** (ب) (بخاری شریف، باب من صلی العصر یوم النفر بالابطح ص ۲۳۷ نمبر ۱۷۶۴ مسلم شریف، باب استحباب نزول المحصب یوم النفر وصلوۃ الظہر وما بعدھا بہ ص ۴۲۲ نمبر ۱۳۰۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ منی سے نکلنے کے بعد مقام محصب میں ٹھہرنا چاہئے۔

لغت المحصب : مکہ مکرمہ کے قریب ایک مقام کا نام ہے۔

[۶۷۷](۷۳) پھر بیت اللہ کا طواف کرے سات شوط، اس میں رمل نہ کرے اور یہ طواف صدر ہے۔

تشریح یوں تو مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے جتنے طواف کرے بہتر ہے، البتہ مکہ مکرمہ سے واپس ہوتے وقت آخری طواف کرے جس کو طواف صدر اور طواف وداع کہتے ہیں۔ اس طواف میں رمل نہ کرے۔

وجہ اب مکہ مکرمہ اور بیت اللہ کو الوداع کہہ رہا ہے اس لئے وداعی طواف کرے اور اس میں رمل اس لئے نہیں کرے گا کہ رمل اور سعی ہر حج اور عمرہ میں ایک ہی مرتبہ سنت ہے دوبارہ نہیں۔ اور طواف قدوم یا طواف زیارت میں ایک مرتبہ رمل اور سعی کر چکا ہے اس لئے اب دوبارہ نہیں کرے گا (۲) اس طواف کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابن عباس قال امر الناس ان يكون آخر عهدهم بالبيت الا انه خفف**

حاشیہ : (الف) حضرت عمر نے فرمایا جس نے اپنا سامان بارہویں ذی الحجہ کی رات کو مکہ مکرمہ منتقل کر دیا تو گویا کہ اس کا حج ہی نہیں ہے (ب) آپؐ نے ظہر، عصر، مغرب اور عشا کی نماز محصب میں پڑھی اور تھوڑی دیر سوئے پھر بیت اللہ کے لئے سوار ہوئے اور اس کا طواف کیا۔

[۶۷۸] (۷۴) وهو واجب الا علی اهل مكة ثم يعود الى اهله[۶۷۹] (۷۵) فان لم يدخل المحرم مكة وتوجه الى عرفات ووقف بها على ما قدمناه سقط عنه طواف القدوم ولا

عن الحائض (الف) (بخاری شریف، باب طواف الوداع ص ۲۳۶ نمبر ۱۷۵۵ رمسلم شریف، باب وجوب طواف الوداع وسقوطہ عن الحائض ص ۴۲۷ نمبر ۱۳۲۷) اس حیث سے معلوم ہوا کہ آفاقی پر طواف وداع واجب ہے۔

[۶۷۸] (۷۴) یہ طواف وداع واجب ہے مگر اہل مکہ پر واجب نہیں ہے۔ پھر اپنے گھر کی طرف لوٹ آئے۔

تشریح طواف وداع کا مطلب ہے بیت اللہ چھوڑنے کا طواف۔ لیکن اہل مکہ چونکہ مکہ ہی میں ہیں اس لئے وہ بیت اللہ نہیں چھوڑیں گے۔ اس لئے ان کے لئے طواف وداع واجب نہیں ہے۔ وہ تو جب جب موقع ملے طواف کرتے رہیں گے۔

وجہ واجب ہونے کی دلیل اوپر کی حدیث ہے (۲) عن ابن عباس قال كان الناس ينصرفون فی كل وجه فقال رسول الله لا ينفرن احد حتى يكون آخر عهده بالبيت (ب) (مسلم شریف، باب وجوب طواف الوداع وسقوطہ عن الحائض ص ۴۲۷ نمبر ۱۳۲۷ رابوداؤد شریف، باب طواف الوداع، ص ۲۸۱، نمبر ۲۰۰۵) اس حدیث میں امر کا صیغہ ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے بھی طواف وداع آفاقی کے لئے واجب ہوگا۔

[۶۷۹] (۷۵) اگر محرم مکہ میں داخل نہ ہوا اور عرفات کی طرف متوجہ ہو جائے اور وہاں اس طرح وقوف عرفہ کر لے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا تو اس سے طواف قدوم ساقط ہو جائے گا اور طواف قدوم کے چھوڑنے سے اس پر کچھ لازم نہیں ہوگا۔

تشریح کوئی محرم مکہ نہ آیا اور احرام باندھ کر سیدھا عرفات چلا گیا تو اس کا حج ہو گیا۔ اب اس پر طواف قدوم کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور طواف قدوم کے چھوڑنے سے دم بھی لازم نہیں ہوگا۔

وجہ (۱) طواف قدوم مکہ آنے پر ہوتا ہے اور وہ مکہ آیا ہی نہیں اس لئے اس پر طواف قدوم نہیں ہے جیسے کوئی مسجد میں داخل ہو ہی نہیں تو اس پر تحیۃ المسجد لازم نہیں ہوگی۔ اور چونکہ طواف قدوم سنت ہے اس لئے سنت چھوڑنے پر دم لازم نہیں ہوگا (۲) اخبرنی عروة بن مضرس الطائی قال اتيت رسول الله بالموقف يعنی بجمع قلت جئت يا رسول الله من جبلی طی اكللت مطبتی واتعبت نفسی والله ماتركت من حبل الا وقفت عليه فهل لی من حج فقال رسول الله من ادرک معنا هذه الصلوة واتی عرفات قبل ذلک ليلا او نهارا فقد تم حجه و قضی تفثه (ج) (ابوداؤد شریف، باب من لم یدرک عرفۃ ص ۲۷۶ نمبر ۱۹۵۰ر

حاشیہ : (الف) آپؐ نے لوگوں کو حکم دیا کہ اس کا آخری عہد یعنی وقت بیت اللہ کے ساتھ ہو۔ مگر یہ کہ حائضہ عورت کے لئے تخفیف کر دی (ب) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ لوگ ادھر ادھر جا رہے تھے تو حضورؐ نے فرمایا تم میں سے کوئی ادھر ادھر نہ جائے یہاں تک کہ اس کا آخری وقت بیت اللہ کے طواف میں ہو (ج) عروہ بن مضرس طائی فرماتے ہیں کہ میں حضور کے پاس مزدلفہ میں آیا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ طی پہاڑ سے میں آیا ہوں اور اپنی سواری اور اپنے آپ کو تھکا چکا ہوں۔ اور کسی ٹیلے کو نہیں چھوڑا ہے مگر میں نے اس پر وقوف کیا ہے تو کیا میرا حج ہو گیا؟ آپؐ نے فرمایا جس نے ہمارے ساتھ یہ نماز پائی اور اس سے پہلے رات میں یا دن میں عرفہ آیا تو اس کا حج پورا ہو گیا اور اپنی پراگندگی دور کرے۔

شیء علیه لترکه[۶۸۰] (۷۶) ومن ادرک الوقوف بعرفة ما بین زوال الشمس من یوم عرفة الی طلوع الفجر من یوم النحر فقد ادرک الحج[۶۸۱] (۷۷) ومن اجتاز بعرفة

ترمذی شریف، باب ماجاء من ادرک الامام بجمع فقد ادرک الحج ص ۱۷۹ نمبر ۸۹۱) اس حدیث میں صحابی نے طواف قدوم نہیں کیا بلکہ براہ راست عرفہ چلے گئے اور مزدلفہ میں آکر حضور سے ملے پھر بھی آپؐ نے فرمایا کہ عرفات میں نویں ذی الحجہ کو ٹھہر گیا تو حج ہو گیا۔ نیز آپؐ نے طواف قدوم چھوڑنے پر دم لازم نہیں کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ جو سیدھا عرفہ چلا گیا اس پر طواف قدوم لازم نہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ طواف قدوم سنت ہے۔ اس کو چھوڑنے سے دم لازم نہیں ہوگا۔

[۶۸۰] (۷۶) جس نے وقوف عرفہ پایا نویں ذی الحجہ کے سورج کے زوال کے بعد سے دسویں تاریخ کے طلوع فجر سے پہلے تک تو اس نے حج پالیا۔

تشریح وقوف عرفہ فرض ہے اور اس کا وقت نویں ذی الحجہ کے سورج کے ڈھلنے کے بعد سے دسویں ذی الحجہ کے طلوع فجر سے پہلے پہلے تک ہے۔ اس لئے اس دوران جس نے احرام کے ساتھ ایک منٹ کے لئے بھی وقوف عرفہ کر لیا اس کا حج ہو گیا۔ اب فرض میں سے طواف زیارت باقی ہے جو کبھی بھی کرے گا تو فرض ادا ہو جائے گا اگر چہ بے وقت کرنے سے دم لازم ہوگا۔

وجہ (۱) ایک حدیث تو اوپر مسئلہ نمبر ۷۵ میں گزری جس میں تھا یہ تھا کہ دسویں ذی الحجہ سے پہلے دن یا رات میں وقوف عرفہ کر لیا تو اس کا حج ہو گیا (۲) **عن عبد الرحمن بن یعمر الدیلی قال اتیت النبی ﷺ ص هو بعرفة فجاء ناس او نفر من اهل نجد فامروا رجلا فنادی رسول الله کیف الحج فامر رجلا فنادی الحج الحج یوم عرفة ومن جاء قبل صلوة الصبح من لیلة جمع فتم حجه** (الف) (ابوداؤد شریف، باب من لم یدرک عرفة ص ۲۷۶ نمبر ۱۹۴۹ / ترمذی شریف، باب ماجاء من ادرک الامام بجمع فقد ادرک الحج ص ۱۷۸ نمبر ۸۸۹) اس حدیث میں لیلۃ جمع سے مراد عرفات کے بعد کی رات ہے۔ اس لئے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نویں ذی الحجہ کا دن اور دسویں ذی الحجہ کی رات میں طلوع فجر سے پہلے ایک منٹ کے لئے وقوف عرفہ کر لیا تو حج پالیا۔

لغت لیلۃ جمع : مزدلفہ کی رات۔

[۶۸۱] (۷۷) جو عرفہ سے گزر گیا اس حال میں کہ وہ سویا ہوا ہے یا اس پر بیہوشی طاری ہے یا وہ نہیں جانتا ہے کہ یہ عرفہ ہے تو یہ گزرنا وقوف عرفہ کے لئے کافی ہو جائے گا۔

تشریح احرام کے ساتھ عرفات کے اوقات میں عرفات سے گزر گیا لیکن اس کو پتہ نہیں چلا کہ یہ میدان عرفات ہے۔ مثلا وہ سواری پر سویا ہوا تھا یا اس پر بیہوشی طاری تھی یا اس کو معلوم ہی نہیں تھا کہ یہ میدان عرفات ہے پھر بھی چونکہ احرام کے ساتھ اوقات عرفہ میں گزرا ہے اس لئے

حاشیہ : (الف) حضرت عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کے پاس آیا اس حال میں کہ آپؐ عرفہ میں تھے۔ پس اہل نجد کے کچھ لوگ یا افراد آئے، انہوں نے ایک آدمی سے کہا اس نے حضور کو آواز دے کر پوچھا کہ حج کیسے کہتے ہیں؟ پس آپؐ نے ایک آدمی کو حکم دیا، اس نے اعلان کیا کہ حج عرفہ کے دن کا نام ہے۔ جو مزدلفہ کی رات کے صبح سے پہلے عرفہ آیا اس کا حج پورا ہو گیا۔

وهو نائم او مغمى عليه او لم يعلم انها عرفة اجزأه ذلك عن الوقوف[٦٨٢] (٨٧) والمرأة فى جميع ذلك كالرجل غير انها لا تكشف رأسها وتكشف وجهها.

وقوف عرفہ ہو گیا اور اس نے حج پالیا۔

وجہ (۱) مسئلہ نمبر ۸۵ میں عروۃ بن مضرس الطائی کی حدیث گزری جس میں ہے کہ میں نے کتنے پہاڑوں کو چھان مارا تو کیا میرا حج اور وقوف عرفہ ہو گیا، عبارت یہ ہے **واللہ ما ترکت من جبل الا وقفت علیہ فہل لی من حج** (الف) (ابوداؤد شریف، باب من لم یدرک عرفۃ ص ۲۷۶ نمبر ۱۹۵۰) اور آپ نے فرمایا کہ اس دوران میدان عرفات سے گزر گیا تو حج ہو جائے گا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ بغیر جانے کہ یہ میدان عرفات ہے وہاں سے گزر گیا تو حج ہو جائے گا (۲) اصل وقوف ہے چاہے میدان کا علم ہو یا نہ ہو (۳) **عن عبد اللہ بن عمر قال اذا وقف الرجل بعرفۃ بلیل قد تم حجہ وان لم یدرک الناس بجمع** (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۵۱ من قال اذا وقف بعرفۃ قبل ان یطلع الفجر فقد ادرک، ج ثالث، ص ۲۱۸، نمبر ۱۳۶۷۳) اس اثر میں ہے کہ عرفہ میں لوگوں کو نہ پایا اور وہاں سے گزر گیا تو حج پورا ہو گیا نوٹ بیہوشی کے عالم میں یا سونے کے عالم میں محرم ہونا چاہئے۔ یا کم از کم ساتھی دوست ان کی جانب سے احرام باندھ لے تو حج ہوگا۔ اور اگر ساتھی دوست نے بھی ان کی جانب سے احرام نہیں باندھا اور خود بھی احرام نہیں باندھ پایا تھا تو وقوف عرفہ کرنے سے حج نہیں ہوگا۔

لغت : مغمی علیہ : بیہوشی طاری ہوگئی اس پے، اغماء سے مشتق ہے۔ اجتاز : تجاوز سے مشتق ہے گزر گیا، تجاوز کر گیا۔

[۶۸۲] (۸۷) عورت ان تمام مسائل میں مرد کی طرح ہے علاوہ یہ کہ وہ اپنا سر نہیں کھولے گی اور اپنا چہرہ کھولے گی۔

تشریح جس طرح احکام مردوں پر لازم ہیں اسی طرح عورتوں پر بھی لازم ہیں۔ البتہ جہاں ان کے ستر یا نسوانیت کے خلاف ہے وہاں عورتوں کا مسئلہ مردوں سے الگ ہے۔ اسی میں یہ چند مسائل ہیں جو ذکر کئے جا رہے ہیں کہ مرد احرام کی حالت میں سر کھولے گا لیکن عورت سر ڈھانکے گی۔ کیونکہ سر کھولنا ستر کے خلاف ہے۔ البتہ چہرہ کھولے گی۔ لیکن مرد سامنے آجائے تو چہرہ پھرا لیگی۔ تاکہ اجنبی مرد اس کے چہرے کو نہ دیکھے۔ یا چہرہ سے دور ہٹا کر اس طرح کپڑا لٹکائے گی کہ چہرے کے ساتھ مس نہ کرے البتہ مردوں سے پردہ بھی ہو جائے۔

حکمت اس کی حکمت یہ ہے کہ باندی کے لئے چہرے پر کپڑا ڈالنا ضروری نہیں ہے۔ اس لئے شریف اور آزاد عورت بھی اللہ کے دربار میں چہرہ کھول کر جائے تاکہ باندی اور آزاد دونوں اللہ کے حضور میں برابر ہو جائیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آزاد عورتیں ہر جگہ اپنا چہرہ کھولے پھریں اور ستر کے خلاف کام کریں۔

وجہ **عن عائشۃ قالت کان الرکبان یمرون بنا ونحن مع رسول اللہ ﷺ فاذا محرمات حاذوا بنا سدلت احدینا جلبابہا من رأسہا علی وجہہا فاذا جاوزونا کشفناہ** (ج) (ابوداؤد، باب فی المحرمۃ تغطی وجہہا ص ۲۶۱ نمبر ۱۸۳۳) اس حدیث

حاشیہ : (الف) خدا کی قسم کوئی ٹیلہ نہیں چھوڑا جس پر وقوف نہیں کیا ہو تو کیا میرا حج ہو گیا؟ (ب) حضرت ابن عمر نے فرمایا اگر آدمی رات میں عرفہ میں ٹھہرے تو اس کا حج پورا ہو گیا چاہے عرفہ میں لوگوں کو نہ پایا ہو (دوسرا ترجمہ ہے چاہے مزدلفہ میں لوگوں کو نہ پا سکے) (ج) حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ قافلے والے ہمارے سامنے سے گزرتے تھے اس حال میں کہ ہم حضور کے ساتھ محرم تھے۔ پس جب مرد ہمارے سامنے آتے تو ہم میں سے ہر ایک سر سے اپنا نقاب چہرے (باقی اگلے صفحہ پر)

[۶۸۳] (۷۹) ولا ترفع صوتها بالتلبية[۶۸۴] (۸۰) ولا ترمل فی الطواف ولا تسعی بین المیلین الاخضرین[۶۸۵] (۸۱) ولا تحلق ولکن تقصر.

سے معلوم ہوا کہ محرمہ عورت چہرہ کھلا رکھے اور کوئی اجنبی مرد سامنے آئے تو چہرہ سے دور کر کے چادر وغیرہ چہرہ پر لٹکا دے اس طرح سے کہ کپڑا چہرے سے مس نہ ہو (۲) عن ابن عمر ان النبی ﷺ قال لیس علی المرأة احرام الا فی وجهها (الف) (دار قطنی، کتاب الحج ج ثانی ص ۲۵۷ نمبر ۲۷۳۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کا احرام اس کے چہرے میں ہے اس لئے وہ کپڑا چہرے سے دور رکھے گی۔

[۶۸۳] (۷۹) اور تلبیہ میں اپنی آواز بلند نہ کرے۔

وجہ عورت کی آواز میں مرد کے لئے کشش ہوتی ہے اس لئے وہ زور سے تلبیہ پڑھے گی تو اجنبی مرد اس کی طرف متوجہ ہونگے۔ اس لئے عورت زور سے تلبیہ نہ پڑھے وہ آہستہ آہستہ پڑھے (۲) عن ابن عمر قال لا تصعد المرأة فوق الصفا والمروة ولا ترفع صوتها بالتلبية (ب) (دار قطنی، کتاب الحج ج ثانی ص ۲۵۹ نمبر ۲۷۴۱ رسنن للبیهقی، باب المرأة لا ترفع صوتها بالتلبیة ج خامس ص ۷۲، نمبر ۹۰۳۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عورت تلبیہ میں آواز بلند نہیں کرے گی۔

[۶۸۴] (۸۰) طواف میں اکڑ کر نہیں چلے گی اور نہ میلین اخضرین کے درمیان دوڑے گی۔

تشریح مرد طواف قدوم میں پہلے تین شوط میں رمل کرتے ہیں اور اکڑ کر چلتے ہیں لیکن اکڑ کر چلنا عورت کے ستر کے خلاف ہے اس لئے وہ رمل نہیں کرے گی۔ اسی طرح صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے وقت میلین اخضرین میں عورت نہیں دوڑے گی کیونکہ یہ اس کے ستر کے خلاف ہے۔

وجہ (۱) عن ابن عمر قال لیس علی النساء رمل بالبیت ولا بین الصفا والمروة (ج) (دار قطنی، کتاب الحج ج ثانی ص ۲۵۸ نمبر ۲۷۴۰ رباب نمبر ۲۹۴ رسنن للبیهقی، باب المرأة تطوف وتسعی لیلا اذا کانت مشهورة بالجمال ولا رمل علیها ج خامس ص ۷۷، نمبر ۹۰۵۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عورت نہ رمل کرے گی اور نہ صفا اور مروہ کے درمیان دوڑے گی۔

لغت میلین اخضرین : صفا اور مروہ کے درمیان دو ہری بتیاں لگی ہوئی ہیں جہاں سعی کرنے والے تیز چلتے ہیں۔

[۶۸۵] (۸۱) اور عورت سر کا حلق نہ کرائے گی۔

تشریح حج میں رمی یا ذبح کے بعد محرم سر منڈاتے ہیں یا عمرے میں سعی کے بعد سر منڈواتے ہیں لیکن عورت اس وقت سر نہیں منڈوائے گی بلکہ صرف ایک انگلی کے برابر اپنے بال کاٹ کر احرام کھولیگی **وجہ** (۱) بال منڈوانے سے عورت گنجی ہو جائے گی جو اس کی زینت کے خلاف ہے اس لئے صرف قصر کرے گی (۲) ان ابن عباس قال قال رسول الله لیس علی النساء حلق انما علی النساء التقصیر (د) ابو

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) پر ڈال لیتے، پس جب وہ گزر جاتے تو ہم چہرہ کھول لیتے (الف) آپ نے فرمایا عورت پر احرام نہیں ہے مگر اس کے چہرے میں یعنی چہرے پر کپڑا نہ ڈالے (ب) حضرت ابن عمر نے فرمایا عورت صفا اور مروہ پر نہ چڑھے اور نہ تلبیہ میں اپنی آواز بلند کرے (ج) حضرت عمر نے فرمایا عورت پر بیت اللہ کے طواف میں رمل نہیں ہے اور نہ صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنا ہے (د) آپ نے فرمایا عورت پر حلق نہیں ہے عورت پر صرف قصر ہے۔

داؤد باب الحلق والتقصیر ص ۲۷۹ نمبر ۱۹۸۴ ر ترمذی شریف باب ماجاء فی کراہیۃ الحلق للنساء ص ۱۸۲ نمبر ۹۱۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت حلق نہ کرائے وہ صرف تقصیر کرائے اور پورے بھر بال کٹوا کر حلال ہو جائے۔

 حلق : سر کو منڈوانا۔ قصر : کچھ بال رکھنا کچھ کو کٹوانا۔

﴿ باب القران ﴾

[٦٨٦](١)القران افضل عندنا من التمتع والافراد.

﴿ باب القران ﴾

ضروری نوٹ حج اور عمرہ دونوں کو ایک ہی سفر میں جمع کرے اور حج کے ساتھ عمرے کا احرام باندھ لے اس کو قران کہتے ہیں۔قران کے معنی ہیں ملانا، چونکہ حج اور عمرہ کو ایک ساتھ ملایا اس لئے اس کو قران کہتے ہیں۔

[٦٨٦](١) قران ہمارے نزدیک تمتع اور افراد سے افضل ہے۔

تشریح صرف حج کا احرام باندھے تو اس کو حج افراد کہتے ہیں۔ پہلے عمرے کا احرام باندھے اس کو پورا کر کے احرام کھول دے اور میقات کے حدود میں ٹھہرا رہے پھر اشہر حج میں حج کا احرام باندھے اور حج پورا کرے تو اس کو حج تمتع کہتے ہیں۔تمتع کے معنی ہیں فائدہ اٹھانا، چونکہ اس نے عمرہ کے بعد احرام کھولنے کا فائدہ اٹھایا اس لئے اس حج کو حج تمتع کہتے ہیں۔اور قران کے معنی اوپر گزر رے، ہمارے نزدیک قران افضل ہونے کی۔

وجہ (١) یہ ہے کہ اس میں مشقت زیادہ ہے اور زیادہ مشقت میں ثواب زیادہ ہوتا ہے اس لئے حج قران افضل ہے (٢) **سمع عمر یقول سمعت النبی ﷺ بوادی العقیق یقول اتانی اللیلة آتٍ من ربی فقال صل فی ھذا الوادی المبارک وقل عمرة فی حجة** (الف) (بخاری شریف، باب قول النبی ﷺ العقیق واد مبارک ص ۲۰۷ نمبر ۱۵۳۴/ ابوداؤد شریف، باب فی الاقران ص ۲۵۷ نمبر ۱۸۰۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ کو باضابطہ عمرہ کو حج کے ساتھ ملانے کا حکم دیا اس لئے قران افضل ہوگا (٣) **عن انس بن مالک انهم سمعوه یقول سمعت رسول الله ﷺ یلبی بالحج والعمرة جمیعا یقول لبیک عمرة و حجا لبیک عمرة و حجا** (ب) (ابوداؤد شریف، باب الاقران ص ۲۵۷ نمبر ۱۷۹۵/ ترمذی شریف، باب ماجاء فی الجمع بین الحج والعمرة ص ۱۶۹ نمبر ۸۲۱/ مسلم شریف، باب فی الافراد والقران ص ۴۰۴ نمبر ۱۲۳۲) اس حدیث میں ہے کہ حضور نے حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا جس سے معلوم ہوا کہ قران افضل ہے (۴) **فدخلت علی ام سلمة ... سمعت رسول الله ﷺ یقول اهلوا یا آل محمد بعمرة فی حج** (ج) (سنن للبیہقی، باب العمرة قبل الحج والحج قبل العمرة ج رابع ص ۵۷۹، نمبر ۸۷۸۶) اس حدیث میں بھی قران کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔اس لئے حنفیہ کے نزدیک قران افضل ہے۔

فائدہ امام شافعی کے نزدیک افراد افضل ہے۔

وجہ ان کی دلیل یہ احادیث ہیں۔**عن عائشة انها قالت خرجنا مع رسول الله عام حجة الوداع فمنا من اهل بعمرة ومنا**

حاشیہ : (الف) میں نے حضور سے وادی عقیق میں سنا فرماتے تھے، میرے پاس آج میرے رب کی جانب سے آنے والے آئے اور فرمایا اس مبارک وادی میں نماز پڑھئے اور کہو عمرہ حج کے اندر ہے (ب) میں نے حضور سے سنا حج اور عمرہ دونوں کا ساتھ تلبیہ پڑھتے تھے، فرماتے تھے لبیک عمرہ اور حج، لبیک عمرہ اور حج (ج) میں حضور سے کہتے ہوئے سنا اے آل محمد عمرہ کو حج میں داخل کر کے احرام باندھو۔

[۶۸۷] (۲) وصفة القران ان یھل بالعمرة والحج معا من المیقات ویقول عقیب الصلوة اللھم انی ارید الحج والعمرة فیسھما لی وتقبلھما[۶۸۸] (۳) فاذا دخل مکة ابتدأ

من اھل بحج و عمرة ومنا من اھل بالحج واھل رسول اللہ بالحج فاما من اھل بالحج او جمع الحج والعمرة لم یحل حتی کان یوم النحر (الف) (بخاری شریف، باب التمتع والاقران والافراد بالحج ص ۲۱۲ نمبر ۱۵۶۲/ابوداؤد شریف، باب فی افراد الحج ص ۲۵۴ نمبر ۱۷۷۹/۱۷۷۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور حجۃ الوداع میں مفرد تھے اس لئے مفرد زیادہ بہتر ہوگا۔امام مالکؒ کے نزدیک تمتع زیادہ افضل ہے۔ان کی دلیل ہے کہ قرآن میں تمتع کا ذکر ہے۔آیت میں ہے **فاذا امنتم فمن تمتع بالعمرة الی الحج فما استیسر من الھدی** (ب) (آیت ۱۹۶ سورة البقرة ۲) اس آیت میں تمتع کی طرف اشارہ ہے اس لئے تمتع افضل ہے (۲) حضورؐ نے ان صحابہ کو جو ہدی ساتھ نہیں لے گئے عمرہ کر کے حلال ہونے کے لئے فرمایا ارشاد ہے **عن جابر قال قدم رسول اللہ و اصحابہ لا ربع لیال خلون ... قال رسول اللہ اجعلوھا عمرة الا من کان معہ الھدی** (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی افراد الحج ص ۲۵۶ نمبر ۱۷۸۸) (۳) **عن عائشة قالت خرجنا مع النبی ﷺ ولا نری الا انہ الحج فلما قدمنا تطوفنا بالبیت فامر النبی ﷺ من لم یکن ساق الھدی ان یحل فحل من لم یکن ساق الھدی** (د) (بخاری شریف، باب التمتع والاقران والافراد بالحج ص ۲۱۲ نمبر ۱۵۶۱) اس حدیث میں حضورؐ نے صحابہ کو عمرہ کر کے حلال ہونے کا حکم دیا اس لئے بھی تمتع افضل ہے۔یہ بھی حضرت امام مالکؒ کی دلیل ہے کہ تمتع افضل ہے۔یہ اختلاف صرف افضلیت کا ہے۔

[۶۸۷] (۲) اور قران کی شکل یہ ہے کہ میقات سے عمرہ اور حج کا ایک ساتھ احرام باندھے اور نماز کے بعد کہے اے اللہ! میں نے حج اور عمرہ کا ارادہ کیا ہے اس لئے ان دونوں کو آسان کر دے اور مجھ سے دونوں قبول کر۔

تشریح قران کی صورت یہ ہے کہ عمرہ اور حج کا احرام ایک ساتھ باندھے اور دسویں ذی الحجہ کو دونوں احراموں سے ایک ساتھ ذبح کرنے کے بعد حلال ہو۔چونکہ حج اور عمرہ دونوں کو ملایا اس لئے یہ قران ہوا۔اور دونوں کو جمع کیا ہے اس لئے دونوں کی آسانی کے لئے دعا کرے۔

[۶۸۸] (۳) پس جبکہ مکہ میں داخل ہو تو طواف سے شروع کرے، پس بیت اللہ کا طواف کرے سات شوط، تین پہلے میں رمل کرے اور باقی میں اپنی حالت پر چلے اور اس کے بعد صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرے اور یہ عمرہ کے افعال ہیں۔

تشریح عمرہ میں تین کام ہوتے ہیں (۱) احرام باندھنا (۲) سات شوط طواف کرنا (۳) صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا۔چونکہ یہ تینوں اعمال

حاشیہ : (الف) ہم حضور کے ساتھ حجۃ الوداع میں نکلے تو ہم میں سے کچھ عمرہ کا احرام باندھے ہوئے تھے، اور ہم میں سے کچھ حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھے ہوئے تھے، اور ہم میں سے کچھ صرف حج کا احرام باندھے ہوئے تھے، اور حضور نے حج کا احرام باندھا۔بہر حال جس نے حج کا احرام باندھا یا حج اور عمرہ کو جمع کیا تو نہیں حلال ہوئے مگر یوم نحر میں (ب) پس جب بے خوف ہو جاؤ تو جس نے عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر تمتع کیا تو جو ہدی میں سے آسان ہو وہ دے (ج) آپؐ اپنے صحابہ کے ساتھ چار ذی الحجہ کو مکہ تشریف لائے...آپؐ نے فرمایا حج کو عمرہ بنا دو مگر جس کے ساتھ ہدی ہو (د) ہم حضور کے ساتھ نکلے، ہماری نیت نہیں تھی مگر حج ہی کی، پس جب ہم آئے اور بیت اللہ کا طواف کیا تو جس نے ہدی نہیں ہانکی تھی ان کو حضورؐ نے حکم دیا کہ حلال ہو جائیں۔تو جس نے ہدی نہیں ہانکی تھی وہ حلال ہو گئے۔

بالطواف فطاف بالبيت سبعة اشواط يرمل في الثلثة الاول منها و يمشي في ما بقي على هينته ويسعى بعدها بين الصفا والمروة وهذه افعال العمرة[۶۸۹] (۴) ثم يطوف بعد السعي طواف القدوم ويسعى بين الصفا والمروة للحج كما بيناه في حق المفرد .

عمرہ کے ہیں اور عمرہ کا احرام باندھا ہے اس لئے یہ تینوں اعمال پہلے کریں گے اور عمرہ پورا کریں گے۔

نوٹ پہلے گزر چکا ہے کہ ہر عمرہ اور ہر حج میں پہلے طواف کے پہلے تین شوط میں رمل کرتے ہیں اور باقی چار شوط میں اپنی حالت پر چلتے ہیں

وجہ **عن جابر قال قدم رسول الله واصحابه لا ربع ليال خلون من ذى الحجة فلما طافوا بالبيت وبالصفا والمروة قال رسول الله ﷺ اجعلوها عمرة** (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی افراد الحج ص ۲۵۶ نمبر ۱۷۸۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عمرہ کے لئے طواف اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرے اور احرام باندھنے کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے کہ احرام بغیر عمرہ ہی نہیں ہوگا۔

[۶۸۹] (۴) پھر طواف کرے گا سعی کے بعد طواف قدوم اور سعی کرے گا صفا اور مروہ کے درمیان حج کے لئے جیسا کہ میں نے بیان کیا مفرد کے حق میں۔

تشریح عمرہ پورا کرنے کے بعد اب حج کے اعمال شروع کرے، اور حج کے اعمال میں سے طواف قدوم ہے اس لئے پہلے طواف قدوم کرے۔ اور چونکہ یہ طواف حج کے لئے پہلا طواف ہے اس لئے اس کے بعد صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرے۔

نوٹ حنفیہ کے نزدیک عمرہ کے لئے الگ طواف اور سعی ہے اور حج کے لئے الگ طواف اور سعی ہے۔ اس لئے قارن دو مرتبہ طواف کرے گا اور دو مرتبہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرے گا۔

وجہ (۱) چونکہ دو الگ الگ عبادتیں ہیں اس لئے دونوں کے لئے الگ الگ سعی کی جائیگی (۲) **عن علي ان النبي ﷺ كان قارنا فطاف طوافين و سعى سعيين** (ب) (دار قطنی، کتاب الحج ج ثانی ص ۲۳۲ نمبر ۲۶۰۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قارن دو طواف اور دو سعی کرے گا۔

فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ قارن عمرہ اور حج کے لئے ایک طواف اور ایک ہی سعی کرے گا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ جب عمرہ حج میں داخل ہو گیا تو عمرہ کے اعمال بھی حج کے عمل میں داخل ہو گئے اس لئے ایک طواف اور ایک سعی دونوں کے لئے کافی ہوں گے (۲) حدیث میں ہے **عن عائشة قالت خرجنا مع رسول الله في حجة الوداع ... واما الذين جمعوا بين الحج والعمرة فانما طافوا طوافا واحدا** (ج) (بخاری شریف، باب طواف القارن ص ۲۲۱ نمبر ۱۶۳۸ / مسلم شریف، جواز التحلل بالا حصار و جواز القران واقتصار القارن علی طواف واحد وسعی واحد ص ۴۰۴ نمبر ۱۲۳۰ / ۲۹۹۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قارن ایک ہی طواف اور ایک ہی سعی کرے گا۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ اپنے صحابہ کے ساتھ چار ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ تشریف لائے، پس جب بیت اللہ اور صفا مروہ کا طواف کیا تو آپؐ نے فرمایا اس کو عمرہ بنادو (ب) آپؐ قارن تھے پس آپؐ نے دو طواف کئے اور دو سعی کی (ج) ہم حضور کے ساتھ حجۃ الوداع میں نکلے ... بہر حال جنہوں نے حج اور عمرہ کو جمع کیا تو انہوں نے صرف ایک طواف کیا۔

[۶۹۰](۵) فاذا رمی الجمرة یوم النحر ذبح شاة او بقرة او بدنة او سبع بدنة او سبع بقرة فهذا دم القران [۶۹۱](۶) فان لم یکن له ما یذبح صام ثلثة ایام فی الحج آخرها یوم

[۶۹۰](۵) پس جب دسویں ذی الحجہ کو جمرہ عقبہ کی رمی کرے تو ایک بکری ذبح کرے یا ایک گائے یا ایک اونٹ یا اونٹ کا ساتواں حصہ یا گائے کا ساتوں حصہ، پس یہ قران کا دم ہے۔

تشریح قارن اور متمتع پر ہدی لازم ہے۔اور ہدی کی صورت یہ ہے کہ ایک بکری ہو یا ایک گائے ہو یا ایک اونٹ ہو یا گائے کا ساتواں حصہ یا اونٹ کا ساتواں حصہ ہو۔

وجہ قارن اور متمتع پر ہدی لازم ہونے کی وجہ یہ آیت ہے **فمن تمتع بالعمرة الی الحج فما استیسر من الهدی فمن لم یجد فصیام ثلثة ایام فی الحج وسبعة اذا رجعتم تلک عشرة کاملة ذلک لمن لم یکن اهله حاضری المسجد الحرام** (الف) (آیت ۱۹۶ سورة البقرة ۲) اس آیت میں ہے کہ جس نے عمرہ کو حج کے ساتھ ملایا چاہے تمتع کر کے ملایا ہو چاہے قران کر کے ملایا ہو اس پر ہدی لازم ہے۔اور ہدی نہ دے سکے تو تین دن حج سے پہلے روزے رکھے اور سات دن حج کے بعد روزے رکھے، کل ملا کر دس دن روزے رکھے (۲) حدیث میں ہے **عن ابن عباس انه سئل عن متعه الحج فقال ... ثم امرنا عشیة الترویة ان نهل بالحج فاذا فرغنا من المناسک جئنا فطفنا بالبیت وبالصفا والمروة فقد تم حجنا وعلینا الهدی کما قال الله عز وجل فما استیسر من الهدی** (ب) (بخاری شریف، باب قول اللہ عز وجل ذلک لمن لم یکن اهلہ حاضری المسجد الحرام ص ۲۱۳ نمبر ۱۵۷۲) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا متمتع اور قارن پر ہدی لازم ہے۔اور گائے یا اونٹ کے ساتویں حصے کی دلیل یہ حدیث ہے۔**عن جابر بن عبد الله انه قال نحرنا مع رسول الله ﷺ بالحدیبیة البدنة عن سبعة والبقرة عن سبعة** (ج) (ابوداؤد شریف، باب البقرة والجزور عن کم تجزئ ج ثانی ص ۳۲ نمبر ۲۸۰۹ رمسلم شریف، باب جواز الاشتراک فی الهدی واجزاء البدنة والبقرة کل واحد منهما عن سبعة نمبر ۱۳۱۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گائے اور اونٹ سات آدمیوں کی جانب سے کافی ہے۔

[۶۹۱](۶) پس اگر اس کے پاس ہدی نہ ہو جو ذبح کر سکے تو روزے رکھے، تین دن حج میں اور اس کا آخری دن نویں ذی الحجہ ہو۔

تشریح قارن اور متمتع پر ہدی واجب ہے لیکن اگر ہدی ذبح نہ کر سکے روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے یا جانور نہ ملنے کی وجہ سے تو حج سے پہلے تین روزے رکھے اور باقی سات روزے حج کے بعد رکھے۔

حاشیہ : (الف) جس نے عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر تمتع کیا تو ہدی میں سے جو آسان ہو۔اور جو ہدی نہ پائے تو تین روزے رکھے حج کے زمانے میں اور سات جب لوٹے، یہ دس روزے کامل ہو گئے۔یہ تمتع اس کے لئے ہے جو مسجد حرام کے پاس نہ ہو (ب) حضرت عبداللہ بن عباس سے حج تمتع کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا...ہم کو آٹھویں کی شام کو حکم دیا کہ ہم حج کا احرام باندھیں، پس جب ہم مناسک حج سے فارغ ہوئے تو ہم آئے اور بیت اللہ کا اور صفا مروہ کا طواف کیا اور ہمارا حج پورا ہو گیا اور ہم پر ہدی ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا فما استیسر من الهدی (ج) حضرت جابرؓ نے فرمایا ہم نے رسول اللہؐ کے ساتھ حدیبیہ میں ایک اونٹ سات کی طرف سے ذبح کیا اور ایک گائے سات کی طرف سے۔

عرفة [۶۹۲](۷) فان فاته الصوم حتی یدخل یوم النحر لم یجزه الا الدم.

وجہ پہلے آیت گزر گئی کہ ہدی نہ ہو تو روزے رکھے، **فمن تمتع بالعمرة الی الحج فما استیسر من الهدی فمن لم یجد فصیام ثلثة ایام فی الحج و سبعة اذا رجعتم تلک عشرة کاملة** (آیت ۱۹۶ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ ہدی نہ دے سکو تو روزے رکھو۔ تین روزے حج سے پہلے اور سات روزے حج سے فارغ ہونے کے بعد۔ آخری دن یوم عرفہ ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس سے پہلے ہدی پر قدرت ہو جائے جو اصل ہے اس لئے روزہ جو فرع ہے اس کی تاخیر کرے۔ اور یوم النحر یعنی عید کے دن اور ایام تشریق یعنی گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں ذی الحجہ کو روزہ اس لئے نہیں رکھے کہ یہ دن کھانے پینے کے ہیں۔ اور روزہ ان دنوں میں ممنوع ہے۔ حدیث میں ہے **عن عقبة بن عامر قال قال رسول الله یوم عرفة ویوم النحر وایام التشریق عیدنا اهل الاسلام وهی ایام اکل و شرب** (الف) (ابوداؤد شریف، باب صیام ایام التشریق ص ۳۳۵ نمبر ۲۴۱۹ / مسلم شریف، باب تحریم صوم ایام التشریق ص ۳۶۰ نمبر ۱۱۴۱) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ یوم عرفہ اور ایام تشریق سے پہلے پہلے تین روزے رکھ لے (۲) **قال ان رسول الله ﷺ نهی عن صیام هذین الیومین اما یوم الاضحی فتأکلون من لحم نسککم واما یوم الفطر ففطرکم من صیامکم** (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی صوم العیدین ص ۳۳۵ نمبر ۲۴۱۶ / مسلم شریف، باب تحریم صوم یومی العیدین ص ۳۶۰ نمبر ۱۱۳۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عید الاضحیٰ اور عید الفطر میں روزہ رکھنا منع ہے۔ اس لئے دسویں ذی الحجہ میں روزہ نہیں رکھے گا۔

[۶۹۲](۷) پس اگر اس سے روزہ فوت ہو گیا یہاں تک کہ دسویں ذی الحجہ داخل ہو گیا تو نہیں کافی ہوگا مگر ہدی دینا۔

تشریح قارن یا متمتع کو ہدی دینا تھا لیکن ہدی نہیں دے سکا اور دسویں ذی الحجہ تک روزہ بھی تین دن تک نہیں رکھ سکا تو اب دم ہی دینا ہوگا۔ روزے رکھنا کافی نہیں۔

وجہ (۱) کیونکہ آیت میں صیام ثلثۃ فی الحج ہے اور اس کا وقت دسویں ذی الحجہ سے پہلے پہلے ہے اور وہ فوت ہو گیا اس لئے اب اصل ہی لازم ہوگا یعنی ہدی لازم ہوگی (۲) اثر میں ہے **عن ابن عباس قال اذا لم یصم المتمتع فعلیه الدم ... وعن ابراهیم قال لا بد من دم ولو یبیع ثوبه** (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۳ فی المتمتع اذا فاتہ الصوم ج ثالث، ص ۱۵۰، نمبر ۱۲۹۸۳ / ۱۲۹۸۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ دسویں ذی الحجہ تک روزے نہ رکھ سکا تو اس پر اب دم ہی لازم ہے۔

فائدہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں ذی الحجہ کو روزہ رکھ لے گا، کیونکہ اگرچہ اس دن کے روزے مکروہ ہیں لیکن ان کے لئے گنجائش ہے کیونکہ کہ یہ مجبور ہے (۲) اثر میں ہے **عن ابن عمر قال الصیام لمن تمتع بالعمرة الی الحج الی یوم عرفة**

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا عرفہ کا دن، اور دسویں ذی الحجہ اور ایام تشریق یعنی گیارہواں، بارہویں اور تیرہویں تاریخ ہمارے اہل اسلام کی عید ہے اور وہ کھانے پینے کے دن ہے (ب) حضورؐ نے ان دونوں دنوں میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا، بہرحال عید الاضحیٰ کے دن تو اپنی قربانی کا گوشت کھاؤ، بہرحال عید الفطر کے دن تو تمہارے روزے سے افطار کا دن ہے (ج) ابن عباس فرماتے ہیں کہ اگر تمتع کرنے والا روزہ نہ رکھ سکے تو اس پر دم لازم ہے... اور ابراہیم نے فرمایا کہ دم ضروری ہے اگرچہ کپڑے ہی بیچنا پڑے۔

[۶۹۳] (۸) ثم يصوم سبعة ايام اذا رجع الى اهله فان صامها بمكة بعد فراغه من الحج جاز[۶۹۴] (۹) فان لم يدخل القارن بمكة وتوجه الى عرفات فقد صار رافضا لعمرته

فان لم يجد هديا ولم يصم صام ايام منى (الف) (بخاری شریف، باب صیام ایام التشریق ص ۲۶۸ نمبر ۱۹۹۹ر مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۴ من رخص فی الصوم ولم یر علیہ ھد یا ج ثالث، ص ۱۵۱، نمبر ۱۲۹۹۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اگر ہدی نہ پائے اور روزے بھی نہ رکھ سکے تو ایام تشریق میں روزے رکھ لے، اور باقی سات روزے حج کے بعد رکھے۔

[۶۹۳] (۸) پھر سات روزے رکھے جب اپنے گھر واپس آئے، پس اگر مکہ مکرمہ میں روزے رکھے حج سے فارغ ہونے کے بعد تو بھی جائز ہے۔

تشریح جو ہدی نہ پائے اور حج کے بعد سات روزے رکھنا ہو تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ سات روزے گھر آکر بھی رکھ سکتا ہے اور مکہ مکرمہ میں رکھنا چاہے تو وہاں بھی رکھ سکتا ہے۔ آیت میں **وسبعة اذا رجعتم** کا مطلب ہے **اذا رجعتم من الحج** کہ جب حج سے فارغ ہو جاؤ تو روزہ رکھو چاہے مکہ مکرمہ میں چاہے گھر واپس آنے کے بعد چاہے راستہ میں رکھ لو۔

وجہ **عن عطاء قال وسبعة اذا رجعتم (الآية) قال ان شاء صامها فى الطريق وان شاء بمكة** (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۵ فی قضاء السبعۃ الفرق او الوصل ج ثالث، ص ۱۵۱، نمبر ۱۲۹۹۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مکہ مکرمہ میں بھی روزہ رکھ سکتا ہے اور راستے میں رکھ سکتا ہے۔

فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ گھر واپس آکر ہی روزے رکھے۔

وجہ ان کا استدلال ہے کہ آیت میں **وسبعة اذا رجعتم** ہے، یعنی جب واپس آجاؤ گھر کو۔ اس لئے گھر واپس آنے کے بعد ہی روزے رکھے (۲) اثر میں ہے **عن سعيد بن المسيب قال ... فمن لم يجد فصيام ثلثة ايام وسبعة اذا رجع الى اهله** (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۶ من قال یصوم اذا رجع الی اھلہ ج ثالث، ص ۱۵۲، نمبر ۱۳۰۰۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ گھر واپس آنے کے بعد روزے رکھے۔

[۶۹۴] (۹) پس اگر قارن مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہوا اور عرفات کی طرف متوجہ ہو گیا، پس وقوف عرفہ کی وجہ سے عمرہ چھوڑنیوالا ہو گیا اور اس سے دم قران ساقط ہو جائے گا، اور اس پر عمرہ کے چھوڑنے کا دم لازم ہوگا اور اس پر عمرہ کی قضا لازم ہو گی۔

تشریح قارن بننے کے لئے ضروری ہے کہ حج سے پہلے عمرہ کیا ہو، اگر حج کے بعد عمرہ کیا تو وہ قارن نہیں بنے گا اور نہ اس پر دم قران لازم ہوگا۔ کیونکہ وہ قارن ہی نہیں بنا۔ اب جو آدمی مکہ مکرمہ ہی نہیں آیا سیدھا عرفات چلا گیا تو یقینی بات ہے کہ وہ حج سے پہلے عمرہ نہ کر سکا اس کا عمرہ

حاشیہ : (الف) ابن عمر نے فرمایا روزہ اس آدمی کے لئے ہے جو عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر تمتع کرے عرفہ کے دن تک، پس اگر ہدی نہ پائے اور روزہ نہ رکھ سکے تو منی کے دنوں میں روزے رکھے (یعنی ایام تشریق میں روزے رکھے) (ب) عطاء اس آیت وسبعۃ اذا رجعتم کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اگر چاہے تو راستے میں روزے رکھے اور اگر چاہے تو مکہ میں روزے رکھے (ج) سعید بن مسیّب سے روایت ہے کہ جو ہدی نہ پائے تو وہ تین دن روزے رکھے اور سات دن جب گھر واپس آئے۔

بالوقوف وسقط عنه دم القران وعليه دم لرفض العمرة وعليه قضاؤها.

چھوٹ گیا اس لئے وہ قارن نہیں بنا۔ البتہ عمرہ چھوڑنے کی وجہ سے عمرہ کی قضا لازم ہوگی اور احرام باندھنے کے بعد عمرہ چھوڑنے کی وجہ سے دم رفض لازم ہوگا۔

وجہ **اخبرتني عائشة قالت خرجنا مع رسول الله ﷺ موا فين لهلال ذى الحجة ...ارسل معى عبد الرحمان الى التنعيم فارد فها فاهللت بعمرة مكان عمرتهافقضى الله حجها وعمرتها ولم يكن فى شىء من ذلك هدى ولا صدقة ولا صوم** (الف) (بخاری شریف، باب الاعتمار بعد الحج بغیر ہدی ص ۲۴۰ نمبر ۱۷۸۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عمرہ چھوڑنے کے بدلے عمرہ کرنا ہوگا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حج کے بعد عمرہ کرنے کی وجہ سے دم قران لازم نہیں ہوگا البتہ عمرہ چھوڑنے سے عمرہ چھوڑنے کا دم لازم ہوگا۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن جابر قال ذبح رسول الله ﷺ عن عائشة بقرة يوم النحر** (ب) (مسلم شریف، باب جواز الاشتراک فی الھدی الخ ص ۴۲۴ نمبر ۱۳۱۹) اس حدیث میں حضرت عائشہ کی جانب سے حضورؐ نے گائے ذبح کی، اور حضرت عائشہ قارن تو تھی نہیں کیونکہ حیض آنے کی وجہ سے وہ عمرہ چھوڑ چکی تھیں، پھر بھی آپؐ نے ان کی جانب سے ایک گائے ذبح کی۔ اس کا مطلب یہ کہ یہ عمرہ چھوڑنے کی وجہ سے دم تھا، اس لئے عمرہ چھوڑنے کی وجہ سے دم لازم ہوگا (۲) اثر میں ہے۔ **عن طاؤس فى الحرم لعمرة اعترض له قال يبعث بهدى ثم يحسب كم يسير ثم يحتاط بايام ثم يحل** (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۵۷ فی الرجل اذا اھل بعمرۃ فاحصر، ج ثالث، ص ۱۵۹، نمبر ۱۳۰۷۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عمرہ نہ کر سکے تو اس کی ہدی بھیجے۔

حاشیہ : (الف) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ہم حضور کے ساتھ ذی الحجہ کے چاند کے وقت نکلے...میرے ساتھ عبد الرحمان کو تنعیم تک بھیجا، پس انہوں نے حضرت عائشہ کو پیچھے بٹھایا، پس عمرہ کی جگہ انہوں نے عمرہ کا احرام باندھا، پس اللہ نے ان کے حج اور عمرہ کو پورا کیا اور اس کی وجہ سے ہدی، صدقہ اور روزے بھی لازم نہیں ہوئے (ب) حضورؐ نے عائشہ کے لئے دسویں ذی الحجہ کو گائے ذبح کی۔

﴿باب التمتع﴾

[۶۹۵](۱) التمتع افضل من الافراد عندنا[۶۹۶](۲)والمتمتع على وجهين متمتع يسوق الهدى ومتمتع لا يسوق الهدى [۶۹۷](۳) وصفة التمتع ان يبتدأ من الميقات فيحرم بالعمرة ويدخل مكة فيطوف لها ويسعى ويحلق او يقصر وقد حل من عمرته

﴿ باب التمتع ﴾

ضروری نوٹ حج کے مہینے شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کی دس تاریخ میں عمرے کا احرام باندھے پھر عمرہ کر کے حلال ہو جائے اور حج کے زمانے میں حج کا احرام باندھ کر حج پورا کرے اس کو تمتع کہتے ہیں۔اس کی دلیل یہ آیت ہے۔فمن تمتع بالعمرة الى الحج فما استيسر من الهدى (الف)(آیت ۱۹۶سورۃ البقرۃ ۲)اس آیت سے تمتع ثابت ہوتا ہے(۲) حجۃ الوداع میں وہ احادیث ہیں جن میں آپ نے صحابہ کو عمرہ کر کے احرام کھلوایا۔

[۶۹۵](۱)ہمارے نزدیک تمتع افراد سے افضل ہے۔

وجہ تمتع میں دو عبادتیں ایک سفر میں ادا کی جاتی ہیں عمرہ اور حج اس لئے یہ افضل ہوگا(۲) صحابہ کو حجۃ الوداع میں عمرہ کر کے حلال ہونے کے لئے آپؐ نے فرمایا عن عائشة قالت خرجنا مع النبی ﷺ ... فامر النبی ﷺ من لم يكن ساق الهدى ان يحل فحل من لم يكن ساق الهدى (ب)(بخاری شریف، باب التمتع والاقران والافراد بالحج ص ۲۱۲ نمبر ۱۵۶۱)اس حدیث میں آپؐ نے صحابہ کو عمرہ کر کے حلال ہونے کا حکم دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمتع افضل ہے۔

فائدہ امام ابوحنیفہ کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ افراد افضل ہے۔کیونکہ اس میں صرف حج کے لئے سفر ہوتا ہے اور حج کے لئے تلبیہ اور تکبیر کی کثرت ہوتی ہے۔

[۶۹۶](۲) متمتع کی دو قسمیں ہیں(۱) متمتع جو ہدی ہانکے اور دوسرا متمتع جو ہدی نہ ہانکے۔

تشریح قریب کے لوگ میقات سے ہی ہدی لیکر جاتے ہیں تو وہ ہدی ہانکنے والا متمتع ہوا اور جو لوگ ہدی ساتھ نہ لے جائے بلکہ بعد میں ہدی خرید کر ذبح کرے وہ متمتع ہے جو ہدی ساتھ نہ لے جائے۔حضور حجۃ الوداع میں ہدی ساتھ لیکر تشریف لے گئے تھے۔

[۶۹۷](۳) تمتع کا طریقہ یہ ہے کہ میقات سے عمرے کا احرام شروع کرے اور مکہ میں داخل ہو۔پس عمرے کا طواف کرے، سعی کرے اور حلق یا قصر کرائے اور اپنے عمرے سے حلال ہو جائے۔

تشریح اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

حاشیہ : (الف) جس نے عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر تمتع کیا تو جو کچھ ہدی میں سے آسان ہو وہ لازم ہے(ب) حضورؐ نے ان کو حکم دیا جس نے ہدی نہ ہانکی ہو یہ کہ حلال ہو جائے۔تو جس نے ہدی نہ ہانکی تھی وہ حلال ہو گئے۔

[۶۹۸] (۴) يقطع التلبية اذا ابتدأ بالطواف[۶۹۹] (۵) ويقيم بمكة حلال.[۷۰۰] (۶) فاذا كان يوم التروية احرم بالحج من المسجد الحرام وفعل ما يفعله الحاج المفرد وعليه دم التمتع.

---

[۶۹۸] (۴) اورتلبیہ ختم کر دیگا جب طواف شروع کرے۔

تشریح جب عمرے کا طواف شروع کرے تو اب تلبیہ پڑھنا ختم کر دے۔

وجہ لبیک کے معنی ہیں میں حاضر ہوں۔اور وہ حاضر ہو گیا تو اب دوبارہ میں حاضر ہوں کہنا اچھا نہیں ہے۔اس لئے اب تلبیہ پڑھنا چھوڑ دے

وجہ **عن ابن عباس عن النبی و قال یلبی المعتمر حتی یستلم الحجر** (الف) (ابوداؤد شریف، باب متی یقطع المعتمر التلبیۃ ص ۲۵۹ نمبر ۱۸۱۷ر ترمذی شریف، باب ماجاء متی یقطع التلبیۃ فی العمرۃ ص ۱۸۵ نمبر ۹۱۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حجر اسود کا بوسہ دے اور طواف شروع کرے تو تلبیہ پڑھنا چھوڑ دے۔

[۶۹۹] (۵) اور مکہ مکرمہ میں حلال ہو کر مقیم رہے۔

وجہ (۱) چونکہ یہ عمرہ سے حلال ہو چکے ہیں اس لئے اب مکہ مکرمہ میں حلال ہو کر ٹھہرے رہیں (۲) حدیث میں ہے **حدثنی جابر بن عبد الله انه حج مع رسول الله ﷺ یوم ساق البدن معه وقد اهلوا بالحج مفردا فقال لهم اهلوا من احرامکم بطواف البیت وبین الصفا والمروة وقصروا ثم اقیموا حلالا حتی اذا کان یوم الترویة فاهلوا بالحج واجعلوا التی قدمتم بها متعة** (ب) (بخاری شریف، باب التمتع والقران والافراد بالحج، ص ۲۱۲، نمبر ۱۵۶۸) اس حدیث میں عمرہ سے حلال ہونے کے بعد ٹھہرنے کے لئے کہا ہے۔

[۷۰۰] (۶) پس جبکہ ساتویں تاریخ ہو تو مسجد حرام سے حج کا احرام باندھے اور وہی اعمال کرے جو حج افراد والے کرتے ہیں۔اور اس پر دم تمتع ہے۔

تشریح چونکہ یہ مکی کی طرح ہو گئے اور مکی حج کا احرام حرم سے باندھتے ہیں اس لئے یہ بھی ساتویں تاریخ کو حج کا احرام حرم سے باندھیں گے۔ اور مفرد بالحج جو اعمال کرتے ہیں مثلا عرفات جاتے ہیں، مزدلفہ میں ٹھہرتے ہیں، رمی جمار کرتے ہیں اور طواف زیارت کرتے ہیں وہی اعمال یہ آدمی بھی کرے گا۔کیونکہ یہ بھی مفرد بالحج کی طرح ہو گیا ہے۔اور چونکہ یہ متمتع ہوا اس لئے اس پر دم تمتع لازم ہوگا۔

وجہ مسجد حرام سے یا حرم سے احرام باندھنے کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابن عباس قال وقت رسول الله ﷺ لاهل المدینة ذا الحلیفة ولاهل الشام الجحفة ولاهل نجد قرن المنازل ولاهل الیمن یلملم فهن لهن ولمن اتی علیهن من غیر**

حاشیہ : (الف) آپؐ سے روایت ہے کہ عمرہ کرنے والا حجر اسود کے چومنے تک تلبیہ پڑھے (ب) حضرت جابر فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضورؐ کے ساتھ اس وقت حج کیا جب وہ ہدی لے کر چل رہے تھے۔لوگوں نے مفرد بالحج کا احرام باندھا۔آپؐ نے فرمایا طواف بیت اللہ اور سعی بین الصفا والمروۃ کے بعد حلال ہو جاؤ اور بال کا قصر کرو، پھر حلال ہو کر ٹھہرے رہو۔یہاں تک کہ جب آٹھویں تاریخ ہو تو حج کا احرام باندھو اور جو پہلے عمرہ کیا اس کو متعہ بناؤ۔

[۷۰۱] (۷) فان لم یجد ما یذبح صام ثلثة ایام فی الحج وسبعة اذا رجع الی اهله[۷۰۲](۸) وان اراد المتمتع ان یسوق الهدی احرم وساق هدیه

اھلھن لمن کان یرید الحج والعمرة فمن کان دونھن فمھله من اھله وکذلک حتی اھل مکة یھلون منھا (الف) (بخاری شریف، باب مھل اہل الشام ص۲۰۶ نمبر ۱۵۲۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل مکہ مکہ سے احرام باندھیں گے اور متمتع احرام کھولنے کے بعد مکی کی طرح ہوگئے اس لئے وہ بھی مکہ سے احرام باندھیں گے (۲) مسلم شریف میں ہے **عن جابر بن عبد الله قال امرنا النبی ﷺ لما احللنا ان نحرم اذا توجھنا الی منی قال فاھللنا من الابطح** (ب) (مسلم شریف، باب بیان وجوہ الاحرام وانہ یجوز افراد الحج والتمتع والقران الخ ص۳۹۲ نمبر ۱۲۱۴) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام نے حجۃ الوداع میں ابطح جو مکہ مکرمہ میں ایک جگہ ہے وہاں سے حج کا احرام باندھا۔ اور متمتع پر دم تمتع ہے اس کی دلیل پہلے گزر چکی ہے تاہم یہ آیت نص ہے **فمن تمتع بالعمرة الی الحج فما استیسر من الھدی فمن لم یجد فصیام ثلثة ایام فی الحج و سبعة اذا رجعتم تلک عشرة کاملة ذلک لمن لم یکن اھله حاضری المسجد الحرام** (ج) (آیت ۱۹۶ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ جس نے تمتع کیا اس پر ہدی لازم ہے اور ہدی نہ دے سکا تو تین روزے حج سے پہلے رکھے اور سات روزے حج سے فارغ ہونے کے بعد رکھے۔

[۷۰۱] (۷) پس اگر نہ پائے ایسا جانور جو ذبح کر سکے تو تین دن روزے رکھے حج میں اور سات دن جب اپنے گھر لوٹے۔

تشریح اس کی پوری تفصیل اور دلیل باب القران میں گزر چکی ہے۔

[۷۰۲] (۸) اگر تمتع کرنے والا ہدی ہانکنے کا ارادہ کرے تو اپنے ساتھ ہدی لے جائے۔

تشریح پہلے گزر چکا ہے کہ تمتع کرنے والے کے لئے افضل یہ ہے کہ گھر سے ساتھ ہدی لے جائے۔ اس لئے اگر ہدی ساتھ لے جائے تو یہ بہتر ہے۔

وجہ حضورؐ حجۃ الوداع میں ہدی ساتھ لیکر تشریف لے گئے تھے۔ **ان ابن عمر قال تمتع رسول الله ﷺ فی حجة الوداع بالعمرة الی الحج واھدی فساق معه الھدی من ذی الحلیفة وبدا رسول الله ﷺ فاھل بالعمرة ثم اھل بالحج فتمتع الناس مع النبی ﷺ بالعمرة الی الحج** (د) (بخاری شریف، باب من ساق البدن معہ ص۲۲۹ نمبر ۱۶۹۱ر مسلم شریف، باب وجوب الدم علی

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ حضورؐ نے میقات متعین کیا، اہل مدینہ کے لئے ذوالحلیفہ، اہل شام کے لئے جحفہ، اہل نجد کے لئے قرن المنازل، اہل یمن کے لیے یلملم، پس یہ مقامات ان لوگوں کے لئے اور ان پر جو آئے، اس کے علاوہ اور جو ان میقات کے اندر ہو تو اس کے لئے میقات اس کے اہل میں سے ہے اور ایسا ہی یہاں تک کہ اہل مکہ احرام باندھے گا مکہ سے (ب) جب ہم عمرہ سے حلال ہوئے تو حضورؐ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم احرام باندھ لیں جب ہم منی کی طرف جانے لگے، فرمایا کہ ہم نے مقام ابطح سے احرام باندھا (ج) جس نے عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر تمتع کیا تو جو آسان ہدی میں سے، پس جو ہدی نہ پائے تو وہ تین دن روزے رکھے حج میں اور سات دن جب تم واپس لوٹو۔ یہ دس دن ہوئے۔ یہ تمتع اس کے لئے ہے جو مسجد حرام کے پاس نہ ہو (د) حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ حضورؐ حجۃ الوداع میں عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر تمتع کیا۔ اور ہدی ذوالحلیفہ سے ساتھ لے گئے۔ اور حضورؐ نے شروع کیا پس عمرے کا احرام (باقی اگلے صفحہ پر)

[۷۰۳](۹) فان کانت بدنة قلدها بمزادة او نعل واشعر البدنة عند ابی یوسف و محمد رحمهما الله تعالی وهو ان یشق سنامها من الجانب الایمن ولا یشعر عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی [۷۰۴](۱۰)فاذا دخل مکة طاف وسعی ولم یتحلل حتی یحرم بالحج

المتمتع الخ ص۴۰۳نمبر۱۲۲۷)اس حدیث میں ہے کہ آپؐ حجۃ الوداع میں متمتع تھے اور آپؐ نے ہدی ساتھ لی تھی۔

[۷۰۳](۹) پس اگر اونٹ ہو تو اس کو پرانے چمڑے یا جوتے کا ہار پہنائیں گے اور صاحبین کے نزدیک اونٹ کو شعار کریں گے۔ اور وہ یہ ہے کہ اونٹ کی کوہان کو دائیں جانب سے پھاڑ دے۔ اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک شعار نہیں ہے۔

تشریح ہدی لے چلے تو اس پر ہدی کی علامت لگائے، اونٹ کے لئے ہدی کی علامت دو ہیں۔ کوہان کو پھاڑ کر اس کے خون کو کوہان پر مل دینا (۲) پرانا چمڑا یا جوتا گردن میں لٹکا دینا تا کہ لوگ دیکھ کر اس کا احترام کریں اور چور ڈاکو ہدی کو نہ چھیڑیں۔ حضورؐ نے ہدی کے لئے دونوں کام کئے ہیں۔ **عن عائشة قالت فتلت قلائد هدی النبی ﷺ ثم اشعرها وقلدها او قلدتها ثم بعث بها الی البیت** (الف)(بخاری شریف، باب اشعار البدن ص۲۳۰نمبر۱۶۹۹)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اونٹ کی گردن میں قلادہ ڈالنا بھی سنت ہے اور شعار کرنا بھی (۲) **کان ابن عمر اذاا هدی زمن الحدیبیةقلده و اشعره بذی الحلیفة یطعن فی شق سنامه الایمن بالشفرة ووجهها قبل القبلة بارکة** (ب)(بخاری شریف، باب من اشعر وقلد بذی الحلیفة ثم احرم ص۲۲۹نمبر۱۶۹۵)اس اثر سے معلوم ہوا کہ اونٹ کی دائیں کوہان میں چھری مار کر خون نکالے۔ صاحبین کے نزدیک یہی سنت ہے۔ کیونکہ حدیث سے ثابت ہے۔ اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک اشعار ضروری نہیں ہے کیونکہ اس میں تعذیب حیوان ہے اور قلادہ ڈالنے کا طریقہ بھی ہے اس لئے اشعار کرنا ضروری نہیں۔ ان کی دلیل یہ اثر ہے **عن ابن عباس قال ان شئت فاشعر الهدی و ان شئت فلا تشعر** (ج)(مصنف ابن ابی شیبة ۵۷ فی الاشعار واجب هو ام لا ج ثالث، ص۱۷۲، نمبر۱۳۲۰۹)اس اثر سے معلوم ہوا کہ اشعار ضروری نہیں ہے۔

نوٹ امام صاحب کے اہل علاقہ بہت گہرائی کے ساتھ اشعار کرتے تھے جس سے حیوان کو زیادہ تکلیف ہوتی تھی اس لئے اپنے اہل زمانہ کے اشعار کا انکار کیا ہے۔ اصل اشعار کا انکار نہیں ہے۔

لغت مزادة : پرانا چمڑا۔ اشعر : چھری مار کر کوہان پھاڑنا۔

[۷۰۴](۱۰) پس جب کہ مکہ مکرمہ داخل ہو تو طواف کرے اور سعی کرے اور حلال نہ ہو یہاں تک کہ آٹھویں تاریخ کو حج کا احرام باندھے

تشریح چونکہ اس متمتع نے اپنے ساتھ ہدی ہانکی ہے اس لئے عمرہ کرنے کے بعد بال نہیں منڈوائے گا اور نہ سلا ہوا کپڑا پہنے گا اور نہ خوشبو لگائے

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) باندھا پھر حج کا احرام باندھا۔ پس لوگوں نے بھی عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر تمتع کیا (الف) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں حضور کی ہدی کا قلادہ بانٹتی تھی پھر آپ ہدی کا اشعار کرتے اور قلادہ ڈالتے یا صرف قلادہ ڈالتے پھر اس کو بیت اللہ بھیجتے (ب) حضرت ابن عمر جب مدینہ طیبہ سے ہدی بھیجتے تو اس کو قلادہ ڈالتے اور ذوالحلیفہ میں اس کا اشعار کرتے اس طرح کہ اس کے دائیں کوہان کو نیزہ مار کر پھاڑتے اور جانور کو بٹھا کر قبلہ کی طرف متوجہ کرتے (ج) عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں اگر چاہے تو ہدی کا اشعار کرے اور چاہے تو نہ شعار کرے۔

يوم التروية [۷۰۵](۱۱) فان قدم الاحرام قبله جاز وعليه دم التمتع[۷۰۶] (۱۲) فاذا حلق يوم النحر فقد حل من الاحرامين[۷۰۷] (۱۳) وليس لاهل مكة تمتع وولا قران

گا بلکہ احرام ہی کی حالت میں رہے گا اور دوبارہ آٹھویں ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھے گا۔

وجہ حضورؐ اپنے ساتھ ہدی لے گئے تھے تو درمیان میں حلال نہیں ہوئے تھے۔ **عن ابن عمر قال قال تمتع رسول الله فی حجة الوداع بالعمرة الی الحج واهدی فساق معه الهدی من ذی الحلیفة وبدأ رسول الله فاهل بالعمرة ثم اهل بالحج فتمتع الناس مع النبی ﷺ بالعمرة الی الحج فکان من الناس من اهدی فساق الهدی ومنهم من لم یهد فلما قدم النبی ﷺ مکة قال للناس، من کان منکم اهدی فانه لا یحل من شیء حرم منه حتی یقضی حجه** (الف)(بخاری شریف، باب من ساق البدن معہ ص ۲۲۹ نمبر ۱۶۹۱) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ان لوگوں کو حکم دیا جو ہدی ساتھ لے گئے تھے کہ عمرہ اور حج کے احرام سے اکٹھے دسویں تاریخ کو حلال ہوں۔

[۷۰۵](۱۱) پس اگر آٹھ تاریخ سے پہلے حج کا احرام باندھ لے تو جائز ہے اور اس پر تمتع کا دم لازم ہوگا۔

تشریح اوپر یہ گزرا کہ آٹھویں ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھے لیکن اگر آٹھ تاریخ سے پہلے حج کا احرام باندھے تو جائز ہے بلکہ افضل ہے کیونکہ عبادت کی طرف جلدی کر رہا ہے۔

[۷۰۶](۱۲) پس جب دسویں ذی الحجہ کو حلق کرائے تو دونوں احراموں سے حلال ہو جائے گا۔

تشریح چونکہ عمرے کا احرام نہیں کھولا تھا اور حج کا احرام باندھ لیا تھا اس لئے دسویں تاریخ کو دونوں احراموں سے حلال ہوگا۔

وجہ اس کی دلیل مسئلہ نمبر ۱۰ میں گزر گئی ہے۔ **ثم لم یحلل من شیء حرم منه حتی یقضی حجه نحر هدیة یوم النحر** (بخاری شریف نمبر ۱۶۹۱)

[۷۰۷](۱۳) اہل مکہ کے لئے نہ تمتع ہے اور نہ قران ہے صرف ان کے لئے حج افراد ہے۔

وجہ (۱) آیت میں ہے **ذلک لمن لم یکن اهله حاضری المسجد الحرام** (ب)(آیت ۱۹۶ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ذلک کا اشارہ تمتع اور اس کے تحت میں قران ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ تمتع اور قران اس کے لئے ہے جو مسجد حرام کے قریب نہ ہو یعنی مکی نہ ہو۔ اس لئے حنفیہ کے نزدیک مکی اور میقات کے اندر والوں کے لئے تمتع اور قران نہیں ہے (۲) ایک سفر میں حج اور عمرہ کر کے فائدہ اٹھانے کو تمتع کرنا کہتے ہیں۔ لیکن سفر ہی نہ ہو تو فائدہ اٹھانا کیا ہوگا۔ اس لئے اہل مکہ کے لئے تمتع اور قران نہیں ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس کی یہی

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے حجۃ الوداع میں عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر تمتع کیا اور ہدی ہانکی اور ذی الحلیفہ سے ہدی ہانکی۔ اور حضورؐ نے شروع کیا پس عمرے کا احرام باندھا پھر حج کا احرام باندھا اور لوگوں نے حضور کے ساتھ عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر تمتع کیا۔ پس لوگوں میں سے کچھ نے ہدی کو ہانکا، اور ان میں سے کچھ نے ہدی نہیں ہانکا۔ پس جب حضور مکہ آئے تو لوگوں سے کہا کہ تم میں سے جس نے ہدی ہانکا اس سے کوئی چیز حلال نہیں ہوگی جو حرام ہوئی ہے جب تک کہ حج پورا نہ ہو جائے (ب) تمتع اس کے لئے ہے جو مسجد حرام کے قریب نہ ہو۔

انما لهم الافراد خاصة [۷۰۸](۱۴) واذا عاد المتمتع الى بلده بعد فراغه من العمرة ولم يكن ساق الهدى بطل تمتعه[۷۰۹] (۱۵) ومن احرم بالعمرة قبل اشهر الحج فطاف لها اقل من اربعة اشواط ثم دخلت اشهر الحج فتممها واحرم بالحج كان متمتعا فان طاف

تفسیر ہے کہ اہل مکہ کے علاوہ کے لئے تمتع اور قران ہے۔ عن ابن عباس انه سئل عن متعة الحج ... وابا حه للناس غير اهل مكة قال الله تعالى ذلک لمن لم يكن اهله حاضرى المسجد الحرام (بخاری شریف، باب قول اللہ تعالی ذلک لمن لم یکن اهله حاضری المسجد الحرام ص۲۱۴ نمبر۱۵۷۲رمصنف ابن ابی شیبۃ ۴۸۱ من کان لا یری علی اہل مکۃ متعۃ، ج ثالث، ص ۴۱۶، نمبر۱۵۶۹۰)

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک آیت میں ذلک کا اشارہ تمتع نہیں ہے بلکہ ہدی ہے اس لئے ان کے نزدیک مکی تمتع اور قران تو کر سکتا ہے البتہ اس پر ہدی لازم نہیں ہے۔

وجہ قال يحيى سئل مالك عن رجل ... وانما الهدى او الصيام على من لم يكن من اهل مكة (الف) (موطا امام مالک ماجاء فی التمتع ص۳۵۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مکی پر ہدی اور روزہ نہیں ہے۔

[۷۰۸] (۱۴) اگر تمتع کرنے والا عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد اپنے شہر آجائے اور ہدی نہ ہانکی ہو تو اس کا تمتع باطل ہو جائے گا۔

وجہ (۱) ہدی نہ ہانکی ہو تو اپنے اہل وعیال کے ساتھ ملنے اور اپنے شہر جانے سے پہلا سفر باطل ہو گیا۔ شہر کے ساتھ المام صحیح ہو گیا۔ اور ایک سفر میں عمرہ اور حج ادا نہ کیا تو تمتع اور قران نہ ہوئے اس لئے تمتع باطل ہو گیا (۲) اثر میں ہے .عن عطاء قال من اعتمر فى شهر الحج ثم رجع الى بلده ثم حج من عامه فليس بمتمتع، انما المتمتع من اقام ولم يرجع (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۷ فی الرجل یعتمر فی اشہر الحج ثم یرجع ثم یحج، ج ثالث، ص۵۲، نمبر ۱۳۰۰۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عمرہ کر کے گھر چلا گیا تو تمتع فاسد ہو گیا۔

نوٹ اگر ہدی ساتھ لایا تھا اور پھر عمرہ کر کے گھر چلا گیا تو ہدی کی وجہ سے مکہ مکرمہ میں واپس آنا ضروری ہے اس لئے پہلا سفر باطل نہیں ہوا اور گھر کے ساتھ المام صحیح نہیں ہوا اس لئے تمتع باطل نہیں ہوگا۔

[۷۰۹] (۱۵) جس نے حج کے مہینے سے پہلے عمرے کا احرام باندھا اور چار شوط سے کم طواف کیا پھر حج کا مہینہ داخل ہوا اور عمرہ کو پورا کیا اور حج کا احرام باندھا تو تمتع کرنے والا ہوگا۔ اور اگر حج کے مہینے سے پہلے عمرے کا طواف چار شوط کیا یا اس سے زیادہ کیا پھر اسی سال حج کیا تو یہ تمتع کرنے والا نہیں ہوگا۔

تشریح تمتع ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں، ایک یہ کہ حج سے پہلے عمرہ کیا ہو، اور دوسری شرط یہ ہے کہ عمرہ حج کے مہینے میں ادا کیا ہو۔ حج کا مہینہ پہلی شوال سے دس ذی الحجہ تک ہے۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ اکثر شوط کا اعتبار ہے تو سات میں اکثر شوط چار ہیں اور اقل شوط تین ہیں۔ پس اگر

حاشیہ : (الف) حضرت یحیی سے ایک آدمی کے بارے میں پوچھا گیا... فرمایا ہدی یا روزہ اس پر ہے جو اہل مکہ میں سے نہ ہو، یعنی میقات کے اندر میں سے نہ ہو (ب) حضرت امام عطاؒ نے فرمایا جس نے شوال، ذی قعدہ یا ذی الحجہ میں عمرہ کیا پھر اپنے اہل کی طرف لوٹا پھر اسی سال حج کیا تو اس پر ہدی نہیں ہے۔ ہدی اس پر ہے جس نے اشہر حج میں عمرہ کیا پھر مکہ میں حج تک ٹھہرا رہا پھر حج کیا۔

لعمرته قبل اشهر الحج اربعة اشواط فصاعدا ثم حج من عامه ذلک لم یکن متمتعا [۱۰۷](۱۶)واشهر الحج شوال و ذوالقعدة وعشر من ذی الحجة[۱۱۷] (۱۷) فان

اکثر شوط یعنی عمرے کے چار شوط شوال سے پہلے ادا کر لئے تو تمتع نہیں ہوگا۔ کیونکہ عمرہ اشہر حج سے پہلے ادا ہو گیا۔اور عمرہ حج کے مہینے سے پہلے ادا ہو تو تمتع نہیں ہوتا۔اور اگر اکثر شوط یعنی چار شوط شوال میں ادا کئے تو چونکہ عمرہ حج کے مہینے میں ادا کیا اس لئے تمتع ہوگا۔

وجہ عن عبد الله بن عمر انه کان یقول من اعتمر فی اشهر الحج فی شوال او ذی القعدةاو ذی الحجة قبل الحج ثم اقام بمکة حتی یدرکه الحج فهو متمتع ان حج و علیه ما استیسر من الهدی (الف)(موطا امام مالک، باب ماجاء فی التمتع ص۳۵۵ رمصنف ابن ابی شیبۃ ،نمبر ۱۳۰۰۰)عن ابن عباس انه سئل عن متعة الحج فقال ... اشهر الحج التی ذکر الله تعالی فی کتابه شوال و ذوالقعدة وذوالحجة فمن تمتع فی هذه الاشهر فعلیه دم (ب)(بخاری شریف، باب قول اللہ عز وجل ذلک لمن لم یکن اہلہ حاضری المسجد الحرام ص۲۱۴ نمبر ۱۵۷۲)اس دونوں اثر سے شرطوں کا پتہ چلا، ایک یہ کہ حج کے مہینہ میں عمرہ کیا ہو اور دوسرا یہ کہ حج سے پہلے کیا ہو تب تمتع ہوگا۔اور اگر حج کے بعد عمرہ کیا تو تمتع نہیں ہوگا اور نہ اس پر دم تمتع لازم ہوگا۔

لغت شوط : بیت اللہ کے گرد ایک چکر لگا کر ایک طواف کرنے کو ایک شوط کہتے ہیں۔

[۱۰۷] (۱۶) حج کا مہینہ شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ تک ہے۔

وجہ اس کی وجہ مسئلہ نمبر ۱۵ میں حدیث گزر گئی (۲) آیت میں ہے الحج اشهر معلومات فمن فرض فیهن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج (ج)(آیت ۱۹۶ سورۃ البقرۃ) اس آیت میں ہے کہ حج کے کچھ مہینے معلوم ہیں جس میں حج کا احرام باندھے۔اور عبداللہ بن عباس کی تفسیر یہ ہے کہ وہ مہینے شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ ہیں۔جیسا کہ مسئلہ نمبر ۱۵ میں گزرا (بخاری شریف، باب قول اللہ عز وجل ذلک لمن لم یکن اہلہ حاضری المسجد الحرام ص۲۱۴ نمبر ۱۵۷۲ رسنن للبیہقی ، باب بیان اشہر الحج ج رابع ص ۵۵۹، نمبر ۸۱۷۱) اس سے معلوم ہو کہ حج کے مہینے شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کی دس تاریخ تک ہیں۔سنن بیہقی میں دس ذی الحجہ تک کی تصریح موجود ہے۔

[۱۱۷] (۱۷) پس اگر حج کا احرام ان مہینوں سے پہلے باندھا تو اس کا حج منعقد ہو جائے گا۔

تشریح حج کے مہینے سے پہلے یعنی شوال سے پہلے رمضان ہی میں حج کا احرام باندھ لیا تو احرام منعقد ہو جائے گا اور حج کرنا صحیح ہوگا۔

وجہ (۱) احرام حج کے لئے شرط کے درجہ میں ہے اور شرط مقدم ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔جیسے وضو نماز کے وقت سے پہلے کر سکتا ہے اسی طرح حج کا احرام حج کے مہینے سے پہلے باندھے تو باندھ سکتا ہے۔البتہ اتنا پہلے احرام باندھنا مکروہ ہے (۲) عن ابن عباس فی الرجل

حاشیہ : (الف) ابن عمر فرماتے ہیں کہ جس نے اشہر حج شوال، ذی قعدہ یا ذی الحجہ میں عمرہ کیا حج سے پہلے پھر مکہ مکرمہ میں ٹھہرا رہا یہاں تک کہ اس کو حج نے پالیا تو وہ تمتع کرنے والا ہے۔اگر حج کیا اور اس پر جو آسان ہو وہ ہدی لازم ہے (ب) تمتع کے بارے میں حضرت ابن عباس سے پوچھا...اشہر حج وہ ہیں جن کو اللہ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ تو جس نے ان مہینوں میں تمتع کیا تو اس پر دم ہے (ج) حج کے مہینے معلوم ہیں۔پس جس نے ان میں حج فرض کیا تو جماع کی اور فسق کی باتیں نہ کریں اور نہ حج میں جھگڑا ہے۔

قدم الاحرام بالحج علیها جاز احرامه وانعقد حجه [۷۱۲](۱۸) واذا حاضت المرأة عند الاحرام اغتسلت واحرمت وصنعت کما یصنع الحاج غیر انها لا تطوف بالبیت حتی تطهر[۷۱۳](۱۹) واذا حاضت بعد الوقوف بعرفة و بعد طواف الزیارة انصرفت

یحرم بالحج فی غیر اشهر الحج قال لیس ذلک من السنة (الف) (سنن للبیہقی، باب لا یھل بالحج فی غیر اشہر الحج ج رابع ص ۵۶۱، نمبر ۸۷۲۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اشہر حج سے پہلے حج کا احرام باندھے تو وہ سنت کے خلاف ہے یعنی مکروہ ہے۔ تاہم حج کا احرام ہو جائے گا۔

فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اشہر حج سے پہلے احرام باندھا تو حج نہیں ہوگا وہ عمرہ کے احرام میں تبدیل ہو جائے گا۔ ان کی دلیل یہ اثر ہے **عن عطاء قال من احرم بالحج فی غیر اشهر الحج جعلها عمرة** (ب) (سنن للبیہقی، باب لا یھل بالحج فی غیر اشہر الحج ج رابع ص ۵۶۱، نمبر ۸۷۲۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اشہر حج کے علاوہ میں حج کا احرام باندھے تو اس کو عمرہ بنا دے (۲) اوپر کا عبداللہ بن عباس کا اثر بھی امام شافعیؒ کی دلیل ہے۔

[۷۱۲](۱۸) اگر عورت احرام کے وقت حائضہ ہو جائے تو غسل کرے اور احرام باندھے اور وہی اعمال کرے جو حاجی کرتے ہیں، علاوہ یہ کہ بیت اللہ کا طواف نہ کرے جب تک کہ پاک نہ ہو جائے۔

وجہ طواف کے علاوہ حج کے تمام کام صحرا میں ہوتے ہیں اس لئے حائضہ عورت وہ کر سکتی ہے البتہ طواف مسجد حرام میں ہوتا ہے اور حائضہ مسجد میں داخل نہیں ہو سکتی اس لئے طواف نہیں کرے گی۔ اور باقی حج کے تمام کام کرے گی (۲) حدیث میں بھی اس کا ثبوت ہے **عن عائشة قالت خرجنا مع النبی ﷺ ... فقال انفست یعنی الحیضة قالت قلت نعم قال ان هذه شیء کتبه الله علی بنات آدم فاقضی ما یقضی الحج غیر ان لا تطوفی بالبیت حتی تغتسلی قالت و ضحی رسول الله نسائه بالبقرة** (ج) (مسلم شریف، باب بیان وجوه الاحرام وانہ یجوز افراد الحج والتمتع والقران ص ۳۸۸ نمبر ۲۹۱۸/۱۲۱۱ / بخاری شریف، باب کیف تھل الحائض والنفساء ص ۲۱۱ نمبر ۱۵۵۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ اور نفساء عورت حج کا احرام باندھے گی البتہ طواف نہیں کرے گی۔

[۷۱۳](۱۹) اگر وقوف عرفہ اور طواف زیارت کے بعد حائضہ ہوگئی تو مکہ مکرمہ سے واپس ہو جائے گی اور طواف وداع چھوڑنے پر اس پر کچھ لازم نہیں ہے۔

تشریح طواف زیارت کرنے کے بعد عورت کو حیض آ گیا تو چونکہ فرض کی ادائیگی ہوگئی اور اب صرف طواف وداع واجب باقی ہے اس لئے اس

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ وہ آدمی جو اشہر حج کے علاوہ میں احرام باندھے، فرمایا یہ سنت میں سے نہیں ہے (ب) حضرت عطا فرماتے ہیں کہ جس نے اشہر حج کے علاوہ میں حج کا احرام باندھا تو اس کو عمرہ بنا دے (ج) حضرت عائشہ نے فرمایا ہم حضور کے ساتھ نکلے ... حضورؐ نے فرمایا کیا تم حائضہ ہوگئی ہو۔ میں نے کہا ہاں! آپؐ نے فرمایا یہ چیز اللہ نے بنات آدم پر فرض کی ہے۔ پس حاجی جیسا ادا کرتے ہیں تم بھی ادا کرو البتہ بیت اللہ کا طواف نہ کرنا جب تک کہ پاک ہو کر غسل نہ کر لو، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے اپنی بیویوں کے لئے گائے ذبح کی۔

من مكة ولا شيء عليها لترک طواف الصدر.

کو چھوڑ دے اور مکہ مکرمہ سے گھر واپس چلی جائے۔ چونکہ طواف وداع واجب ہے اس لئے اس کو چھوڑنے پر دم لازم نہیں ہوگا۔

وجہ **عن عائشة قالت خرجنا مع النبی ﷺ ولا نری الا الحج ... وحاضت صفية بنت حيي فقال النبی ﷺ عقری حلقٰی انک لحابستنا اما كنت طفت يوم النحر؟ قالت بلی قال فلا بأس انفری** (الف) (بخاری شریف، باب اذا حاضت المرأة بعد ما افاضت ص ۲۳۷ نمبر ۱۷۶۲/ مسلم شریف، باب وجوب طواف الوداع وسقوطه عن الحائض ص ۴۲۷ نمبر ۱۷۶۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طواف زیارت کے بعد حیض آ جائے اور طواف وداع کا موقع نہ ہو تو طواف وداع حائضہ سے ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر طواف زیارت نہیں کی کہ حیض آ گیا تو چونکہ وقوف عرفہ کر چکی ہے اس لئے حج تو ہو گیا۔ البتہ طواف زیارت جو فرض ہے وہ رہ گیا۔ اس لئے طواف زیارت کے لئے رکے۔ یا جب موقع ہو طواف کرے اور دم دے۔ اور اس کا بھی موقع نہ مل سکے تو اس کے بدلے میں کسی سے طواف زیارت کروائے۔

وجہ اوپر حدیث میں حضرت صفیہ کے بارے میں پتا چلا کہ حائضہ ہوگئی تو آپؐ نے افسوس کا اظہار کیا کہ اگر طواف زیارت نہیں کیا تو ہمیں رکنا پڑے گا۔ لیکن جب پتا چلا کہ طواف زیارت کر چکی ہے تو فرمایا اب کوئی بات نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ طواف زیارت کے لئے رکنا پڑیگا کیونکہ وہ فرض ہے۔ اور طواف زیارت رہ جائے تو اس کا بدل کروانا پڑے گا اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن الحسن فی الرجل یحج فیموت قبل ان یقضی نسکه قال یقضی عنه مابقی من نسکه (مصنف ابن ابی شیبة، ۲۱۶ فی الرجل یموت وقد بقی علیه من نسکه شیء، ج ثالث، ص ۲۶۱، نمبر ۱۴۱۱۷)

حاشیہ : (الف) حضرت صفیہؓ حائضہ ہوئیں تو آپؐ نے فرمایا تیرا بھلا ہو تو نے مجھے روک لیا۔ کیا تم نے طواف زیارت کر لیا؟ حضرت صفیہؓ نے فرمایا ہاں! آپؐ نے فرمایا پھر تو کوئی حرج نہیں ہے، واپس چلو۔

﴿باب الجنايات﴾

[۱۴۷۱](۱)اذا تطيب المحرم فعليه الكفارة فان طيب عضوا كاملا فمازاد فعليه دم.

﴿باب الجنایات﴾

ضروری نوٹ جنایات جنایة کی جمع ہے۔حج میں جوغلطیاں کی جاتی ہیں ان کوجنایت کہتے ہیں۔

[۱۴۷۱](۱)محرم خوشبولگائے تواس پرکفارہ ہے۔پس اگرپوراعضوخوشبولگائی یااس سے زیادہ تواس پرایک دم لازم ہے۔

تشریح احرام کی حالت میں خوشبولگانا جائزنہیں ہے۔اس لئے اگرایک پورے عضوپرخوشبولگائی مثلاپورے سریاپورے ہاتھ پرخوشبولگائی تو اس پردم لازم ہوگا۔اوراگرایک عضوسے زیادہ پرخوشبولگائی تو یہ ایک عضومیں تداخل ہوجائے گا۔کیونکہ ایک ہی قسم کی جنایت ہے اس لئے دونوں ملاکرایک ہی دم لازم ہوگا۔

وجہ **عن جابر قال اذا شم المحرم ريحانا او مس طيبا اهرق لذلك دما** (الف)مصنف ابن ابی شیبة ۲۹۶ ما قالوافیہ اذاشم الریحان ج ثالث،ص ۳۰۸،نمبر۱۴۶۰۷)(۲)**عن عطاء قال اذا وضع المحرم على شيء منه دهنا فيه طيب فعليه الكفارة** (ب)(مصنف ابن ابی شیبة ۲۹۶ ما قالوافیہ اذاشم الریحان ج ثالث،ص ۳۰۸،نمبر۱۴۶۱۰)اس اثرسے معلوم ہواکہ خوشبولگالے تو دم لازم ہوگا۔محرم کے لئے خوشبولگانے کی ممانعت اس حدیث میں ہے **عن يعلى ان رجلا اتى النبي ﷺ وهو بالجعرانة وعليه جبة و عليه اثر الخلوق او قال صفرة فقال كيف تأمرني ان اصنع في عمرتي ... قال اين السائل عن العمرة؟ اخلع عنك الجبة واغسل اثر الخلوق عنك وانق الصفرة واصنع في عمرتك كما تصنع في حجك** (ج)(بخاری شریف،باب یفعل بالعمرة مایفعل بالحج ص ۲۴۱ نمبر۱۷۸۹،ابواب العمرة رمسلم شریف،باب ما یباح للمحرم...وبیان تحریم الطیب علیہ ص ۳۷۳ نمبر۱۱۸۰) اس حدیث سے معلوم ہواکہ محرم کوخوشبونہیں لگاناچاہئے۔ایک دوسری حدیث میں ہے **عن عبد الله بن عمر قال قال رجل فقال يا رسول الله ﷺ ماذا تأمرنا ان نلبس من الثياب في الاحرام؟ فقال رسول الله ... ولا تلبسوا شيئا مسه زعفران ولا الورس** (د)(بخاری شریف،باب ماینھی من الطیب للمحرم والمحرمۃ ص ۲۴۸ نمبر۱۸۳۸،ابواب العمرة)اس حدیث سے بھی معلوم ہواکہ خوشبو نہیں لگاناچاہئے۔

حاشیہ : (الف)حضرت جابرفرماتے ہیں جب محرم خوشبوسونگھے یاخوشبوملےتواس کی وجہ سے دم ہے(ب)حضرت عطافرماتے ہیں جب محرم کسی تیل پرہاتھ رکھے جس میں خوشبوہوتواس پرکفارہ لازم ہے(ج)ایک آدمی حضورکے پاس آیااس حال میں کہ آپؐ مقام جعرانہ میں تھے،اس آدمی پرجبہ تھااس میں خلوق کااثرتھایافرمایا صفرہ تھا،انہوں نے پوچھامجھے میرے اعمال میں کیاکرنے کاحکم دیتے ہیں...آپؐ نے فرمایاعمرہ کے بارے میں سوال کرنے والاکہاں ہے؟جبہ جسم سے کھول دو،اور اپنے سے خلوق کااثردھودو،اورصفرہ صاف کردواورعمرہ میں ایساہی کروجیساحج میں کرتے ہو(د)آپؐ نے فرمایاایساکپڑامت پہنوجس کوزعفران نے چھویاہویاورس نے چھویاہو۔

[۱۵۷](۲) ان طيب اقل من عضو فعليه صدقة [۱۶۷](۳) وان لبس ثوبا مخيطا او اغطى رأسه يوما كاملا فعليه دم [۱۷۷](۴) وان كان اقل من ذلك فعليه صدقة.

[۱۵۷](۲) اور ایک عضو سے کم خوشبو لگائی تو اس پر صدقہ ہے۔

وجہ ایک عضو خوشبو لگانا ارتفاق کامل ہے اس لئے دم لازم ہوا اور اس سے کم لگانے میں ارتفاق کامل نہیں ہے تاہم اچھا نہیں ہے۔ اس لئے آدھا صاع گیہوں صدقہ کرے۔ مطلق صدقہ سے آدھا صاع گیہوں مراد ہے۔

[۱۶۷](۳) اگر سلا ہوا کپڑا پہنا یا اپنے سر کو پورا ڈھانکا تو اس پر دم لازم ہوگا۔

وجہ محرم کو سلا ہوا کپڑا پہننا ممنوع ہے اسی طرح مرد کے کے لئے سر ڈھانکنا ممنوع ہے۔ اس لئے اگر پورا دن سلا ہوا کپڑا پہنا یا پورا دن سر ڈھانکا تو اس پر دم لازم ہوگا۔ سلا ہوا کپڑا پہننے اور سر ڈھانکنے کی ممانعت اس حدیث میں ہے **عن عبد الله بن عمر قال قام رجل فقال يا رسول الله ماذا تأمرنا ان نلبس من الثياب فى الاحرام؟ فقال النبى ﷺ لا تلبسوا القميص ولا السراويلات ولا العمائم ولا البرانس الا ان يكون احد ليست له نعلان فليلبس الخفين وليقطع اسفل من الكعبين ولاتلبسوا شيئا مسه زعفران ولا الورس ولا تنقب المرأة المحرمة ولا تلبس القفازين** (الف) (بخاری شریف، باب ما ینہی من الطیب للمحرم والمحرمۃ ص ۲۴۸ نمبر ۱۸۳۸/ مسلم شریف، باب ما یباح للمحرم بحج اوعمرۃ لبسہ ص ۳۷۲ نمبر ۱۱۷۷) اس حدیث میں جتنے کپڑے پہننا ممنوع قرار دیا ہے وہ سب سلے ہوئے ہیں اس لئے سلے ہوئے کپڑے پہننا ممنوع ہے۔ اور عمامہ نہ پہنو اور برنس ٹوپی نہ پہنو اس سے معلوم ہوا کہ سر ڈھانکنا ممنوع ہے (۲) ایک دوسری حدیث سے بھی سر ڈھانکنا ممنوع معلوم ہوتا ہے وہ حدیث یہ ہے **عن ابن عباس قال بينما رجل واقف مع النبى ﷺ بعرفة اذ وقع عن راحلته فوقصته او قال فاوقصته فقال النبى ﷺ اغسلوه بماء وسدر وكفنوه فى ثوبين ولا تمسوه طيبا ولا تخمروا رأسه ولا تحنطوه فان الله يبعثه يوم القيامة ملبيا** (ب) (بخاری شریف، باب المحرم یموت بعرفۃ ص ۲۴۹ نمبر ۱۸۵۰) اس حدیث میں ہے کہ محرم کے لئے سر ڈھانکنا ممنوع ہے۔

نوٹ جب یہ دونوں کام ممنوع ہیں تو ان کو کرنے سے دم لازم ہوگا، کیونکہ حج کی جنایت کا کفارہ دم ہے۔

[۱۷۷](۴) اگر ایک دن سے کم سلا ہوا کپڑا پہنا تو اس پر صدقہ ہے۔

وجہ ارتفاق کامل اس وقت ہوگا جب کہ ایک دن پہنا ہو، کیونکہ تھوڑی دیر کے لئے پہننا سردی گرمی سے بچنے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ صرف جسم پر

حاشیہ : (الف) ایک آدمی کھڑا ہوا اور پوچھا یا رسول اللہ کہ ہم کو کیا حکم دیتے ہیں کہ احرام کی حالت میں کپڑا پہنیں؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ قمیص نہ پہنو، نہ پائجامہ پہنو، نہ پگڑی پہنو، نہ ٹوپی پہنو، مگر یہ کہ کسی کے پاس چپل نہ ہو تو دونوں موزے پہنے اور ٹخنے سے نیچے کاٹ لے۔ اور ایسی کوئی چیز نہ پہنو جس میں زعفران لگا ہو۔ نہ ورس لگا ہو۔ محرمہ عورت نقاب نہ ڈالے اور نہ دستانے پہنے (ب) حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ایک آدمی عرفات میں حضور کے ساتھ ٹھہرے ہوئے تھے اچانک کجاوے سے گر گئے اور اس کی گردن ٹوٹ گئی۔ تو آپؐ نے فرمایا اس کو پانی اور بیری کی پتی سے غسل دو اور دو کپڑوں میں کفن دو اور اس کو خوشبو نہ لگاؤ اور اس کے سر کو نہ ڈھانکو اور نہ اس کو حنوط لگاؤ اس لئے کہ اللہ اس کو قیامت کے دن تلبیہ پڑھتے اٹھائے گا۔

[۱۸ ۷] (۵) و ان حلق ربع رأسه فصاعدا فعليه دم و ان حلق اقل من الربع فعليه صدقة.

رکھنا مقصود ہوتا ہے اس لئے اس سے ارتفاق کامل نہیں ہوا اس لئے دم نہیں لازم ہوگا۔اسی طرح ایک دن سر کو نہیں ڈھانکا تو ارتفاق کامل نہیں ہوا اس لئے دم لازم نہیں ہوگا۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اکثر کل کے حکم میں ہے۔اس قاعدہ کو مد نظر رکھتے ہوئے دن کا اکثر حصہ سلا ہوا کپڑا پہنا تو دم لازم ہوگا۔

[۷۱۸] (۵) اگر چوتھائی سر یا اس سے زیادہ منڈوایا تو اس پر دم لازم ہوگا،اور اگر چوتھائی سر سے کم کا حلق کرایا تو اس پر صدقہ ہے۔

تشریح چوتھائی سر کل سر کے حکم میں ہے کیونکہ لوگ چوتھائی سر منڈواتے ہیں،اس لئے چوتھائی سر منڈوایا تو گویا کہ کل سر منڈوایا اس لئے چوتھائی سر منڈوانے میں دم لازم ہوگا۔

وجہ آیت میں ہے **فمن كان منكم مريضا او به اذى من رأسه ففدية من صيام او صدقة او نسک** (الف) (آیت ۱۹۶ سورۃ البقرۃ ۲) آیت میں ہے کہ سر میں تکلیف ہو اور سر منڈوانے کی ضرورت پڑے تو سر منڈوالے اور روزہ یا صدقہ یا ہدی میں سے کچھ ادا کرے۔لیکن یہ اس وقت ہے جبکہ مجبوری ہو۔لیکن اگر مجبوری نہ ہو اور سر منڈوالیا تو ہدی ہی دینا ہوگا۔اس کا اشارہ اس حدیث میں ہے **عن عبد الله بن معقل قال جلست الى كعب بن عجرة فسألته عن الفدية فقال نزلت فى خاصة وهى لكم عامة حملت الى رسول الله ﷺ والقمل يتناثر على وجهى فقال ما كنت ارى لو جع بلغ بک ما ارى او ما كنت ارى الجهد بلغ ما ارى تجد شاة؟ فقلت لا قال فصم ثلثة ايام او اطعام ستة مساكين لكل مسكين نصف صاع** (ب) (بخاری شریف، باب الاطعام فی الفدیۃ نصف صاع ص ۲۴۴ نمبر ۱۸۱۶ر مسلم شریف، باب جواز حلق الرأس للمحرم اذا کان بہ اذی ص ۳۸۲ نمبر ۲۸۸۳/۱۲۰۱) اس حدیث میں ہے کہ آپ نے پہلے پوچھا کہ تمہارے پاس بکری ہے؟ تو کعب بن عجرہ نے فرمایا نہیں۔تب آپ نے فرمایا کہ تین روز روزہ رکھو۔یا چھ مسکین کو کھانا دو اور ہر مسکین کو آدھا صاع دو۔اس سے معلوم ہوا کہ پہلے ہدی بکری لازم ہوگی وہ نہ ہو تو روزہ اور صدقہ لازم ہے۔اور یہ جب ہے کہ مجبوری ہو،اور مجبوری نہ ہو تو بکری ہی لازم ہوگی۔

نوٹ ہدی کو حرم میں ذبح کرنا ضروری ہوگا۔کیونکہ آیت میں ہے **هديا بالغ الكعبة** (ج) (آیت ۹۵ سورۃ المائدۃ ۵) اس لئے ان ہدی کو حدود حرم میں ہی ذبح کرنا ہوگا۔

فائدہ امام مالکؒ کے نزدیک یہ ہے کہ پورا سر منڈوائے تب دم لازم ہوگا۔

وجہ آیت میں سر مطلق ہے اور مطلق سے پورا مراد ہوتا ہے اس لئے پورا سر منڈوائے گا تب دم لازم ہوگا۔امام شافعیؒ کے نزدیک تین چار بال

حاشیہ : (الف) تم میں سے کوئی بیمار ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو تو فدیہ دینا ہے روزے کا یا صدقہ دینا ہے یا قربانی دینا ہے (ب) میں نے کعب بن عجرہ کو فدیہ کے بارے میں پوچھا،فرمایا میرے بارے میں خاص نازل ہوا ہے اور تم لوگوں کے بارے میں عام ہے،فرمایا مجھے حضور کے پاس اٹھا کر لے جایا گیا۔حال یہ کہ میرے چہرے پر جوئیں رینگ رہی تھی۔آپؐ نے فرمایا میں دیکھ رہا ہوں جو مشقت تم کو پہنچتی ہے،کیا تم بکری رکھتے ہو؟ میں نے کہا نہیں۔آپؐ نے فرمایا تین دن روزہ رکھو یا چھ مسکین کو کھانا کھلاؤ،ہر مسکین کو آدھا صاع (ج) ہدی جو کعبہ تک پہنچنے والی ہو۔

[۷۱۹](۶) وان حلق مواضع المحاجم من الرقبة فعلیه دم عند ابی حنیفة وقال ابو یوسف و محمد علیه صدقة[۷۲۰] (۷) وان قص اظافیر یدیه ورجلیه فعلیه دم.

منڈوائے تو دم لازم ہوگا ان کی دلیل یہ اثر ہے **عن الحسن وعطاء انهما قالا فی ثلث شعرات دم ،الناسی والمعتمد سواء** (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۱۳۸ فی المحرم ثلث شعرات علیہ فیہ شیء ام لا ج ثالث ،ص ۲۱۰، نمبر ۱۳۵۸۷) س اثر سے معلوم ہوا کہ تین بال بھی مندوادے تو دم لازم ہوگا اور بھول کر یا جان کر منڈائے دونوں برابر ہیں۔اس اثر کی وجہ سے حنفیہ کے مسلک کی بھی تائید ہوتی ہے کہ چوتھائی سر منڈوایا تو دم لازم ہوگا،اور بھول کر بھی منڈوائے گا تو دم لازم ہوگا۔کیونکہ احرام یاد دلانے والا ہے۔

[۷۱۹] (۶) اور اگر گردن کی جگہ پچھنے کے لئے حلق کرائے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر دم ہے اور صاحبین کے نزدیک اس پر صدقہ ہے

تشریح گردن پر بال ہوتے ہیں اس پر پچھنا لگوانے کے لئے بال صاف کیا تو چونکہ محرم کے بال کٹے اس لئے اس پر دم لازم ہوگا۔

وجہ اوپر کی حدیث میں مجبوری کی وجہ سے سر منڈوایا تھا تو بکری لازم ہوئی تھی اسی طرح یہاں بھی بکری لازم ہوگی (۲) گردن مستقل عضو ہے اس لئے اس کے بال کاٹنے سے دم لازم ہوگا۔اثر میں ہے **قال مالک ومن نتف شعرا من انفه او ابطه او طلی جسده بنورة او یحلن عن شجة فی رأسه بضرورة او یحلق قفاه لموضع المحاجم وهو محرم ناسیا او جاهلا ان من فعل شیئا من ذلک فعلیه فی ذلک کله فدیة ولا یبقی له ان یحلق موضع المحاجم** (ب) (موطا امام مالک، باب فدیۃ من حلق قبل ان ینحر ص ۴۵۰)

وجہ صاحبین : صاحبین کے نزدیک گردن کے منڈنے سے صدقہ لازم ہے دم لازم نہیں ہے۔

وجہ (۱) اصل مقصود پچھنا لگوانا ہے بال منڈوانا مقصود نہیں،اور پچھنا لگوانے سے دم لازم نہیں ہوتا اس لئے غیر مقصود بال کٹوانے سے بھی دم لازم نہیں ہوگا۔اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابن بحینة قال احتجم النبی ﷺ وهو محرم** (ج) (بخاری شریف، باب الحجامۃ للمحرم ص ۲۴۷ نمبر ۱۸۳۵ر مسلم شریف، باب جواز الحجامۃ للمحرم ص ۳۸۳ نمبر ۱۲۰۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احرام کی حالت میں پچھنا لگوانا جائز ہے۔اور جب پچھنا لگوانا جائز ہے تو جو غیر مقصود ہے یعنی گردن کے بال کٹوانا اس پر صدقہ لازم ہوگا۔

[۷۲۰] (۷) اگر دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں کے ناخن کاٹے تو اس پر ایک دم ہے۔

تشریح ایک ہاتھ میں پانچ انگلیاں ہوتی ہیں۔اس لئے اگر ایک ہاتھ کے پانچوں انگلیوں کے ناخن کاٹے تو ایک دم لازم ہوگا لیکن اگر دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کے بیسوں انگلیوں کے ناخن کاٹے تب بھی ایک ہی دم لازم ہوگا اور تداخل ہو جائے گا۔

وجہ کیونکہ ایک ہی قسم کے گناہ ہیں اس لئے ایک میں تداخل ہو جائیں گے (۲) ناخن کاٹنے سے دم اس لئے لازم ہوگا کہ وہ ارتفاق کامل ہے

حاشیہ : (الف) حسن اور عطاء نے فرمایا تین بال میں دم ہے،اور بھول کر اور جان کر برابر ہے (ب) حضرت مالکؒ نے فرمایا کسی نے ناک کا بال یا بغل کا بال اکھیڑا یا جسم پر بال صاف کرنے کے لئے چونا لگایا یا ضرورت کی بنا پر سر میں زخم لگوایا یا گردن کا حلق کروایا پچھنے کی جگہ حال یہ ہے کہ وہ محرم تھا جان کر یا بھول کر یہ کام کئے تو ان تمام کاموں میں فدیہ ہے۔اس کو پچھنے کی جگہ حلق کی اجازت نہیں دی جائے گی (ج) ابن بحینہ فرماتے ہیں کہ حضور نے احرام کی حالت میں پچھنا لگوایا۔

[۷۲۱] (۸) وان قص يدا او رجلا فعليه دم[۷۲۲] (۹) وان قص اقل من خمسة اظافير فعليه صدقة[۷۲۳] (۱۰) وان قص من خمسة اظافير متفرقة من يديه ورجليه فعليه صدقة عند ابی حنيفة وابی يوسف رحمهما الله وقال محمد رحمه الله تعالى عليه دم

---

(۳) حج میں پراگندہ ہونا چاہئے اور ناخن کاٹنا پراگندگی کے خلاف ہے اس لئے ناخن کاٹنے سے دم لازم ہوگا (۴) اثر میں ہے قال مالک لا يصلح للمحرم ان ينتنف من شعره شيئا ولا يحلقه ولا يقصره حتى يحل الا ان يصيبه اذى فی رأسه فعليه فدية كما امره الله تعالى ولا يصلح له ان يقلم اظفاره ولا يقتل قمله (موطا امام مالک، باب فدیۃ من حلق قبل ان ینحر ص ۴۵۰)

[۷۲۱] (۸) اگر ایک ہاتھ کے ناخن کاٹے یا ایک پاؤں کے ناخن کاٹے تو اس پر دم ہے۔

تشریح دونوں ہاتھ، دونوں پیر چاروں کے ایک ساتھ ناخن نہیں کاٹے بلکہ صرف ایک ہاتھ کے ناخن کاٹے یا صرف ایک پاؤں کے کے ناخن کاٹے تب بھی ایک دم لازم ہے۔

وجہ کیونکہ یہ بیس انگلیوں کی چوتھائی ہے (۲) عن الحسن وعطاء قال اذا انكسر ظفره قلمه من حيث انكسر وليس عليه شیء فان قلمه من قبل ان انكسر فعليه دم (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۲ فی المحرم یقص ظفرہ وینبط الجرح ج، ثالث، ص ۱۳۰، نمبر ۱۲۷۵۶) اس اثر میں ہے کہ ناخن کاٹے تو دم لازم ہوگا۔

اصول اس مسئلہ میں چوتھائی کو کل کے قائم مقام کیا گیا ہے۔

[۷۲۲] (۹) اور اگر پانچ انگلیوں سے کم کے ناخن کاٹے تو اس پر صدقہ ہے۔

وجہ ایک ہاتھ کے پانچ انگلیوں سے کم کے ناخن کاٹے تو اس پر اس لئے صدقہ ہے کہ بیس انگلیوں کی چوتھائی نہیں ہے۔ بلکہ اس سے کم ہے اس لئے صدقہ لازم ہوگا۔ یعنی ایک صاع جو یا آدھا صاع گیہوں۔

[۷۲۳] (۱۰) اور اگر مختلف ہاتھ اور مختلف پیر کے پانچ ناخن کاٹے تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس پر صدقہ ہے اور امام محمد نے فرمایا اس پر دم لازم ہے۔

تشریح ایک ہاتھ کے پانچ ناخن نہیں کاٹے بلکہ مختلف ہاتھ اور پاؤں کے پانچ ناخن کاٹے تو شیخین کے نزدیک اس پر صدقہ لازم ہوگا۔ اور امام محمد کے نزدیک اس پر دم لازم ہوگا۔

وجہ شیخین فرماتے ہیں کہ مختلف ہاتھ، پیر سے ناخن کاٹنا زینت نہیں ہے بلکہ بدنمائی ہے اور شریعت میں احرام کے موقع پر زینت جائز نہیں ہے اور یہ بدنمائی ہوگئی اس لئے اس کو پورے بیس ناخنوں کی چوتھائی قرار نہیں دیا جا سکتا اس لئے صدقہ لازم ہوگا۔

(ب) حضرت حسن اور عطا نے فرمایا اگر ناخن ٹوٹ جائے تو کاٹ دے جہاں سے ٹوٹا ہے تو اس پر کچھ نہیں ہے۔ پس اگر ناخن ٹوٹنے سے پہلے اس کو کاٹ دے تو اس پر دم لازم ہے۔

[۷۲۴](۱۱) وان تطیب او حلق او لبس من عذر فهو مخیر ان شاء ذبح شاة وان شاء تصدق علی ستة مساکین بثلثة اصوع من الطعام وان شاء صام ثلثة ایام[۷۲۵] (۱۲) وان قبل او لمس بشهوة فعلیه دم انزل او لم ینزل[۷۲۶] (۱۳) ومن جامع فی احد السبیلین

وجہ امام محمد فرماتے ہیں کہ مختلف ہاتھ پاؤں کے پانچ ناخن ہوں یا ایک ہاتھ کے، ہے یہ پورے ناخنوں کی چوتھائی اس لئے چوتھائی کو کل کے حکم کے قائم مقام کرتے ہوئے ایک دم لازم ہوگا (۲) جس طرح سر کے بال مختلف جگہ سے چوتھائی سر کاٹے تو ایک دم لازم ہوتا ہے۔

[۷۲۴] (۱۱) اگر عذر کی وجہ سے خوشبو لگائی یا حلق کرایا یا سلا ہوا کپڑا پہنا تو اس کو اختیار ہے چاہے بکری ذبح کرے اور چاہے تو چھ مسکین پر تین صاع کھانا صدقہ کرے اور چاہے تو تین روزے رکھے۔

وجہ آیت میں موجود ہے کہ عذر کی وجہ سے سر منڈوایا تو ان تینوں میں سے ایک کام کرنے کا اختیار ہے یا بکری ذبح کرے یا تین صاع گیہوں چھ مسکین پر صدقہ کرے یا تین روزے رکھے (۲) آیت یہ ہے **فمن کان منکم مریضا او به اذی من رأسه ففدیة من صیام او صدقة او نسک** (الف) (آیت ۱۹۶ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ذکر ہے کہ سر میں تکلیف ہو تو سر منڈوا دے اور تینوں کاموں سے ایک کرے (۳) حدیث میں ہے **ان کعب بن عجرة حدثه قال وقف علی رسول الله بالحدیبیة ورأسی یتهافت قملا فقال یوذیک هو امک؟قلت نعم قال فاحلق رأسک او احلق قال فی نزلت هذه الآیة فمن کان منکم مریضا الخ فقال النبی** ﷺ **صم ثلثة ایام او تصدق بفرق بین ستة او نسک مما تیسر** (ب) (بخاری شریف، باب قول اللہ او صدقۃ وھی ستۃ مساکین ص ۲۴۴ نمبر ۱۸۱۵ مسلم شریف، باب جواز حلق الرأس للمحرم اذا کان بہ اذی ص ۳۸۲ نمبر ۱۲۰۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عذر ہو اور خلاف احرام کام کیا تو صدقہ، روزہ یا ہدی میں سے کوئی ایک کرنے کا اختیار ہے۔

[۷۲۵] (۱۲) اگر بیوی کو بوسہ لے لیا یا شہوت سے چھو لیا تو اس پر دم لازم ہے انزال ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔

وجہ اثر میں ہے **عن ابی جعفر عن علی قال من قبل امرأته وهو محرم فلیهرق دما** (ج) (سنن للبیہقی، باب المحرم یصیب امرأتہ مادون الجماع ج خامس ص ۲۷۵، نمبر ۹۷۹۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عورت کو بوسہ لے لے تو دم لازم ہوگا (۲) امام محمد کے کتاب الآثار ص ۵۳ پر بھی ابن عباس کا اثر ہے کہ دم لازم ہوگا۔

[۷۲۶] (۱۳) وقوف عرفہ سے قبل جس نے دونوں راستوں میں سے ایک میں جماع کیا تو اس کا حج فاسد ہو گیا اور اس پر بکری لازم ہے۔ اور

حاشیہ : (الف) پس تم میں سے جو بیمار ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو تو فدیہ دینا ہے روزہ سے یا صدقہ دینے سے یا ذبح کرنے سے (ب) کعب بن عجرۃ بیان کرتے ہیں کہ حدیبیہ میں حضور میرے سامنے آئے اور میرے سر پر جوئیں رینگ رہی تھی۔ تو آپ نے فرمایا کیا جوئیں تم کو تکلیف دے رہی ہے؟ میں نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا اپنے سر کا حلق کرالو یا یوں فرمایا حلق کرالو۔ حضرت کعب فرماتے ہیں کہ میرے بارے میں فمن کان منکم مریضا نازل ہوئی ہے۔ حضور نے فرمایا تین روز روزے رکھو یا ایک فرق چھ مسکین میں تقسیم کر دیا جو آسان ہو اس کو ذبح کرو (ج) حضرت علی سے روایت ہے فرمایا جس نے احرام کی حالت میں بیوی کو بوسہ دیا تو خون بہائے یعنی دم دے۔

قبل الوقوف بعرفة فسد حجه و عليه شاة ويمضى فى الحج كما يمضى من لم يفسد حجه وعليه القضائط.

وہ حج میں گزرتا رہے جیسے وہ گزرتا ہے جس نے حج فاسد نہیں کیا اور اس پر قضا ہے۔

تشریح کسی نے حج کا احرام باندھا پھر آگے یا پیچھے کے مقام میں جماع کیا تو حج فاسد ہو جائے گا۔ البتہ وہ اسی احرام کے ساتھ عمرہ کر کے حلال ہو جائے اور جو جو کام حاجی کرتے ہیں وہی کام یہ کرتا رہے اور آئندہ سال حج کی قضا کرے۔ اور حج کے توڑنے کی وجہ سے بکری لازم ہوگی۔ بکری اس لئے لازم ہوگی کہ حج کی قضا لازم ہوگی تو جنایت اتنی شدید نہیں رہی بلکہ ہلکی ہوگئی، اور وقوف عرفہ کے بعد جماع کیا تو حج مکمل ہو گیا اس لئے اس کی قضا نہیں ہے اس لئے جنایت شدید نہیں رہی اس لئے اونٹ لازم ہوگا **وجہ** حدیث میں ہے **اخبرنی يزيد بن نعيم ان رجلا من جذام جامع امرأته وهما محرمان فسأل الرجل رسول الله ﷺ فقال لهما اقضيا نسككما و اهديا هديا ثم ارجعا حتى اذا جئتما المكان الذى اصبتما فيه ما اصبتما فتفرقا ولا يرى واحد منكما صاحبه و عليكما حجة اخرى فتقبلان حتى اذا كنتما بالمكان الذى اصبتما فيه ما اصبتما فاحرما واتما نسككما و اهديا** (الف) (سنن للبیہقی، باب ما یفسد الحج ج خامس ص ۲۷۲، نمبر ۹۷۷۸) (۲) **عن ابن عباس فى رجل وقع على امرأته وهو محرم قال اقضيا نسككما وارجعا الى بلدكما فاذا كان عام قابل فاخرجا حاجين فاذا احرمتما فتفرقا ولا تلقيا حتى تقضيا نسككما واهديا هديا** (سنن للبیہقی، باب ما یفسد الحج ج خامس ص ۲۷۳، نمبر ۹۷۸۲) اس حدیث اور اثر سے معلوم ہوا کہ وقوف عرفہ سے پہلے جماع کر کے حج فاسد کر دیا تو اگلے سال قضا کرنا ہوگا اور ہدی دینا ہوگا۔ حج فاسد ہونے کی دلیل یہ حدیث بھی ہے **عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ من ادرک عرفات فوقف بها والمزدلفة فقدتم حجه ومن فاته عرفات فقد فاته الحج فليحل بعمرة وعليه الحج من قابل** (دار قطنی، کتاب الحج نمبر ۲۴۹۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وقوف عرفہ سے پہلے حج فاسد ہو جائے تو عمرہ کر کے حلال ہو اور آئندہ سال حج کرے۔ اور چونکہ ہدی مطلق ہے اس لئے بکری سے کام چل جائے گا (۳) حج فاسد ہونے کا اشارہ آیت سے بھی ملتا ہے فمن فرض فیھن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج (آیت ۱۹۷ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ جماع کی بات بھی نہ کرے اور اس نے جماع کر لیا اس لئے حج فاسد ہو جائے گا۔ مطلق ہدی سے بکری مراد ہوتی ہے حدیث میں ہے **عن كعب بن عجرة ان رسول الله راٰه وانه يسقط على وجهه ... او يهدى شاة او يصوم ثلثة ايام** (ب) بخاری شریف، باب النسک شاۃ ص ۲۴۴ کتاب العمرۃ نمبر ۱۸۱۷) اس حدیث میں بکری کو ہدی کہا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ مطلقا ہدی کہا جائے تو اس سے بکری مراد ہوتی ہے۔

حاشیہ : (الف) قبیلہ جذام کے ایک آدمی نے اپنی بیوی سے جماع کیا اور وہ دونوں محرم تھے۔ اس آدمی نے حضورؐ سے پوچھا تو آپؐ نے دونوں سے فرمایا، دونوں حج کی قضا کریں، اور دونوں ہدی دیں، پھر گھر لوٹ جائیں، یہاں تک کہ جب اس مکان پر آئیں جس میں یہ حرکتیں کی ہیں تو دونوں الگ الگ ہو جائیں اور دونوں میں سے کوئی دوسرے کو نہ دیکھے اور تم دونوں پر دوسرا حج ہے۔ پس دونوں آؤ یہاں تک کہ جب اس مکان پر آؤ جہاں یہ مصیبت پہنچی ہے تو دونوں احرام باندھو اور دونوں حج پورا کرو (ب) آپؐ نے کعب بن عجرہ کو دیکھا کہ اس کے چہرے پر جوئیں گر رہی ہیں، آپ نے فرمایا ایک بکری ہدی دیں یا تین دن روزے رکھیں۔

[۷۲۷](۱۴) ولیس علیه ان یفارق امرأته اذا حج بها فی القضاء عندنا[۷۲۸] (۱۵) ومن جامع بعد الوقوف بعرفة لم یفسد حجه وعلیه بدنة[۷۲۹] (۱۶) ومن جامع بعد

فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اونٹ لازم ہوگا۔ جس طرح وقوف عرفہ کے بعد جماع کرے تو اونٹ لازم ہوتا ہے۔

[۷۲۷](۱۴) اور اس پر لازم نہیں ہے کہ بیوی کو جدا کرے جبکہ بیوی کے ساتھ قضاء حج کر رہا ہو امام ابو حنیفہ کے نزدیک۔

تشریح جس وقت فاسد شدہ حج کی قضا کر رہا ہو تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس حج میں بیوی کو جدا کرنا ضروری نہیں ہے۔ ساتھ رکھے گا تب بھی حج ادا ہو جائے گا۔

وجہ اوپر کی حدیث میں احرام باندھنے سے لیکر طواف زیارت تک بیوی کو جدا رکھنے کا حکم ہے وہ احتیاط کے لئے ہے تاکہ دوبارہ بیوی کے ساتھ جماع نہ کر بیٹھے۔ یہ احتیاط کر لے تو بہتر ہے۔ لیکن اگر بیوی کو ساتھ رکھے تو حج پر کچھ اثر نہیں پڑے گا۔ اثر میں ہے۔عن مجاهد وعطاء قالا وعلیهما الحج من قابل ولا یتفرقان (مصنف ابن ابی شیبة، ۵۸ فی الرجل یواقع اهله وهو محرم، ج ثالث، ص ۱۶۰، نمبر ۱۳۰۸۵)

فائدہ امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک یہ ہے کہ احرام باندھنے کے بعد سے طواف زیارت تک بیوی کو جدا رکھے۔

وجہ ان کی دلیل اوپر کی حدیث ہے جس میں حکم ہے کہ بیوی کو حج کی قضا کرتے وقت علیحدہ رکھے۔

[۷۲۸](۱۵) جس نے وقوف عرفہ کے بعد جماع کیا تو اس کا حج فاسد نہیں ہوگا اور اس پر اونٹ لازم ہے۔

تشریح وقوف عرفہ کے بعد اور حلق سے پہلے بیوی سے جماع کیا تو حج تو ہو گیا کیونکہ وقوف عرفہ تو کر لیا ہے لیکن حلق سے پہلے بیوی حلال نہین تھی اور نہ سلا ہوا کپڑا اور خوشبو حلال تھے اس لئے اس وقت جماع کیا تو جنایت سنگین ہے اس لئے اونٹ ذبح کرنا ہوگا۔

وجہ (۱) عن ابن عباس ان رجلا اصاب من اهله قبل ان یطوف بالبیت یوم النحر فقال ینحران جزورا بینهما ولیس علیهما الحج من قابل (الف) (سنن للبیهقی، باب الرجل یصیب امرأته بعد التحلل الاول وقبل الثانی ج خامس ص ۲۷۹، نمبر ۹۸۰۱ / موطا امام مالک باب هدی من اصاب اهله قبل ان یفیض ص ۴۰۶ / مصنف ابن ابی شیبة، ۵۹ کم علیهما هدیا واحدا او اثنین؟، ج ثالث، ص ۱۶۱، نمبر ۱۳۰۸۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ وقوف عرفہ کے بعد اور حلق سے پہلے جماع کرلے تو بدنہ یعنی اونٹ لازم ہوگا اور حج مکمل ہو جائے گا۔ اس کی قضا لازم نہیں ہے (۲) وقوف عرفہ کے بعد جماع کرنے سے حج فاسد نہیں ہوگا اس کی دلیل مسئلہ نمبر ۱۳ کی دار قطنی کی حدیث بھی ہے مـــن ادرک عرفات فوقف بها والمزدلفة فقد تم حجه (دار قطنی نمبر ۲۴۹۷ / ترمذی شریف نمبر ۸۸۹)

[۷۲۹](۱۶) جس نے حلق کرانے کے بعد جماع کیا اس پر بکری لازم ہے۔

تشریح حج میں حلق کرا چکا تھا لیکن ابھی طواف زیارت نہیں کیا تھا اور جماع کر لیا تو چونکہ ابھی عورت حلال نہیں ہوئی تھی اس لئے دم لازم ہوگا۔ لیکن خوشبو اور سلا ہوا کپڑا حلال ہو چکے تھے اس لئے جنایت میں تخفیف ہو گئی۔ اس لئے اونٹ کی بجائے بکری لازم ہوگی۔

حاشیہ : (الف) ابن عباس نے فرمایا کوئی آدمی دسویں ذی الحجہ کو بیت اللہ کے طواف سے پہلے جماع کر لے تو فرمایا کہ دونوں اونٹ ذبح کرے اور دونوں پر اگلے سال حج کرنا ضروری نہیں ہے۔

الحلق فعليه شاة [۷۳۰](۱۷) ومن جامع فی العمرة قبل ان يطوف اربعة اشواط افسدها ومضى فيها وقضاها وعليه شاة[۷۳۱] (۱۸) وان وطئ بعد ما طاف اربعة اشواط فعليه

وجہ حضرت عبداللہ بن عباس کے اثر میں اس کا اشارہ ملتا ہے **عن ابن عباس انه قال فی الذی يصيب اهله قبل ان يفيض يعتمر ويهدی** (الف) (سنن للبیہقی، باب الرجل یصیب امرأتہ بعد التحلل الاول وقبل الثانی ج خامس ص ۲۷۹، نمبر ۹۸۰۲) اس اثر میں ہدی مطلق ہے اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ حلق کے بعد اور طواف زیارت سے پہلے جماع کیا تو مطلق ہدی سے بکری مراد ہے۔

[۷۳۰] (۱۷) جس نے چار شوط طواف کرنے سے پہلے عمرہ میں جماع کیا تو اس نے عمرہ فاسد کر دیا اس لئے وہ عمرہ میں گزرتا رہے گا اور اس کو قضا کرے گا اور اس پر ایک بکری لازم ہے۔

تشریح چار شوط طواف کر لے تو سات طواف میں سے اکثر ہو گیا تو گویا کہ فرض کی ادائیگی ہو گئی۔ لیکن اگر چار شوط سے کم طواف کیا تو گویا کہ طواف کیا ہی نہیں اور فرض کی ادائیگی نہیں ہوئی اس لئے اگر چار شوط سے پہلے جماع کر لیا تو عمرہ فاسد ہو جائے گا۔ کیونکہ سات شوط طواف عمرہ میں فرض ہیں اس لئے اس کی قضا لازم ہوگی۔ اور عمرہ چھوڑنے کی وجہ سے بکری لازم ہوگی۔ بکری لازم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عمرہ حج سے کم درجہ کا ہے اس لئے کم درجہ کا دم لازم ہوگا۔

وجہ **عن سعيد بن جبير ان رجلا اهل هو وامرأته جميعا بعمرة فقضت مناسكها الا التقصير فغشيها قبل ان تقصر فسئل ابن عباس عن ذلک فقال انها لشبقه ... وقال لها اهريقی دماقالت ماذا قال انحری ناقة او بقرة او شاة قالت ای ذلک افضل قال ناقة** (ب) (سنن للبیہقی، باب المعتمر لایقرب امرأتہ ج خامس ص ۲۸۰، نمبر ۹۸۰۶) اس اثر میں ہے کہ حلق سے پہلے جماع کیا تو دم لازم ہوگا۔ اسی طرح طواف کرنے سے پہلے جماع کیا تو عمرہ فاسد ہوگا۔ اور اس کی قضا کرنی ہوگی اور دم بھی لازم ہوگا۔ کیونکہ جب حلق سے پہلے جماع کرنے سے دم لازم ہوا تو طواف کرنے سے پہلے بدرجۂ اولی دم لازم ہوگا۔ اور جس طرح وقوف عرفہ سے پہلے جماع کرنے سے حج فاسد ہو جاتا ہے اسی طرح عمرہ میں طواف کرنے سے پہلے جماع کرنے سے عمرہ فاسد ہو جائے گا۔

فائدہ امام شافعی کے نزدیک عمرہ فاسد ہونے میں بھی اونٹ لازم ہوگا۔ جس طرح حج فاسد ہونے میں اونٹ لازم ہوتا ہے۔ کیونکہ اوپر کے اثر میں اونٹ کا تذکرہ ہے۔

[۷۳۱] (۱۸) اور اگر عمرہ میں چار شوط طواف کرنے کے بعد جماع کیا تو اس پر بکری لازم ہے اور اس کا عمرہ فاسد نہیں ہوگا اور نہ اس کی قضا لازم ہوگی۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس نے اس آدمی کے بارے میں فرمایا جو طواف زیارت سے پہلے جماع کر لے وہ عمرہ کرے گا اور ہدی دے گا (ب) سعید بن جبیر فرماتے ہیں ایک آدمی اور اس کی بیوی دونوں نے عمرہ کا احرام باندھا پھر سارے مناسک ادا کیا سوائے تقصیر کرانے کے، پس تقصیر سے پہلے اس سے جماع کر لیا پس ابن عباس سے اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا اس نے جماع جلدی کیا...ابن عباس نے عورت سے فرمایا خون بہاؤ۔ عورت پوچھنے لگی کیا ذبح کروں؟ فرمایا اونٹ یا گائے یا بکری۔ پوچھا کیا افضل ہے؟ فرمایا اونٹ۔

شاة ولا تفسد عمرته ولا يلزمه قضاؤها[۷۳۲] (۱۹) ومن جامع ناسيا كمن جامع عمدا في الحكم[۷۳۳] (۲۰) ومن طاف طواف القدوم محدثا فعليه صدقة .

تشریح عمرہ میں سات شوط طواف کرنا فرض ہے۔البتہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا حنفیہ کے نزدیک فرض نہیں ہے واجب ہے۔اس لئے چار شوط جو سات کے آدھے کا اکثر ہے کر لیا تو گویا کہ عمرہ کا رکن طواف کر لیا اس لئے عمرہ فاسد نہیں ہوگا۔لیکن سعی کرنا اور حلق کرنا باقی ہے اور جماع کر لیا اس لئے اس پر دم لازم ہوگا۔

وجہ اوپر کی حدیث میں اس کا ثبوت موجود ہے۔

فائدہ امام شافعی کے نزدیک چار شوط طواف کے بعد جماع کیا تب بھی عمرہ فاسد ہو جائے گا۔

وجہ ان کی دلیل یہ اثر ہے **سألنا جابر بن عبد الله فقال لا يقربنها حتى يطوف بين الصفا والمروة** (الف) بخاری شریف، باب متی یحل المعتمر ص ۲۴۱ نمبر ۱۷۹۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ صفا اور مروہ کی سعی سے قبل جماع نہ کرے اور کر لیا تو گویا کہ فرض چھوڑا اس لئے عمرہ فاسد ہوگا۔

[۷۳۲] (۱۹) جس نے بھول کر جماع کیا تو اس کا حکم ایسا ہے جیسے جان کر جماع کیا۔

تشریح جان کر جماع کرنے سے جو جنایت لازم ہوتی ہے حج اور عمرہ میں بھول کر جماع کرنے سے بھی وہی جنایت لازم ہوگی۔یعنی حج اور عمرہ میں بھول کر اور جان کر جنایت کرنے کا حکم ایک ہے۔

وجہ (۱) نصوص عام ہیں ان میں جان کر اور بھول کر کرنے میں فرق نہیں کیا گیا ہے اس لئے دونوں کے احکام ایک ہوں گے۔صرف روزے میں بھول کر کرنے سے کفارہ لازم نہیں ہوگا۔وہاں اس کی تصریح کر دی گئی ہے (۲) حج اور عمرہ کی حالت یاد دلانے والی ہے اس لئے ان میں بھول کا اعتبار نہیں ہے (۳) ان میں جنایت کا مدار ارتفاق اور فائدہ حاصل کرنے پر ہے،اور فائدہ حاصل کیا ہے چاہے بھول کر کیا ہو اس لئے دم لازم ہوگا۔(۴) بھول کر اور جان کر دونوں کا حکم ایک ہے اس کے لئے یہ اثر ہے **قال مالک ... او يحلق قفاه لموضع المحاجم وهو محرم ناسيا او جاهلا ان من فعل شيئا من ذلک فعليه فی ذلک كله الفدية** موطا امام مالک باب فدية من حلق قبل ان ينحر (ص ۴۵۰) **عن الحسن وعطاء انهما قالا فی ثلاث شعرات دم الناسی والمعتمد فيها سواء** (سنن للبیہقی، باب المحرم لا یحلق شعرہ ج خامس ص ۹۸، نمبر ۹۱۲۴ / دار قطنی، نمبر ۲۵۱۲) ان اثر میں بھول اور جان کر جنایت کرنے کو برابر قرار دیا گیا ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک بھول کر کرنے سے جنایت لازم نہیں ہوگی۔ان کے نزدیک بھول سے کچھ لازم نہیں ہوتا کیونکہ امت سے خطا اور نسیان معاف کر دیا گیا ہے۔اس کی دلیل اوپر گزر چکی ہے۔

[۷۳۳] (۲۰) جس نے طواف قدوم محدث ہو کر کیا تو اس پر صدقہ ہے۔

حاشیہ : (الف) میں نے جابر بن عبد اللہ سے پوچھا تو فرمایا کہ عورت کے قریب نہ جائے جب تک کہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی نہ کر لے۔

[۴۳۴] (۲۱) وان کان جنبا فعلیه شاة [۴۳۵] (۲۲) وان طاف طواف الزیارة محدثا فعلیه

تشریح طواف قدوم وضو کی حالت میں کرنا چاہئے لیکن کسی نے حدث کی حالت میں طواف قدوم کرلیا تو اس پر صدقہ لازم ہوگا۔

وجہ حدیث میں ہے کہ طواف نماز کی طرح ہے اور نماز میں وضو ضروری ہے اس لئے طواف میں بھی وضو ضروری ہوگا۔ اس لئے اگر بغیر وضو کے طواف قدوم کیا تو صدقہ لازم ہوگا۔ حدیث میں ہے **عن ابن عباس ان النبی ﷺ قال الطواف حول البیت مثل الصلوة الا انکم تتکلمون فیه فمن تکلم فیه فلا یتکلم الا بخیر** (الف) (ترمذی شریف، باب ما جاء فی الکلام فی الطّواف ص ۱۹۰ حدیث نمبر ۹۶۰ رنسائی شریف، باب اباحۃ الکلام فی الطّواف ج ثانی ص ۲۸ نمبر ۲۹۲۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طواف نماز کی طرح ہے اس لئے طواف میں بھی وضو شرط ہے (۲) دوسری حدیث میں ہے **عن عائشة انها قالت قدمت مكة وانا حائض ولم اطف بالبیت ولا بین الصفا والمروة قالت فشکوت ذلک الی رسول الله فقال افعلی کما یفعل الحاج غیر ان لا تطوفی بالبیت حتی تطهری** (ب) (بخاری شریف، باب تقضی الحائض المناسک کلھا الا الطّواف بالبیت ص ۲۲۳ نمبر ۱۶۵۰) اس حدیث سے بھی پتہ چلا کہ طہارت کے بغیر طواف نہ کرے۔

نوٹ تاہم طواف کی ادائیگی ہو جائے گی۔ کیونکہ قرآن نے جو طواف کا تذکرہ کیا ہے اس میں طہارت کی شرط نہیں لگائی ہے اس لئے بغیر وضو کے طواف کیا تو طواف ادا ہو جائے گا۔ آیت ہے **ولیطوفوا بالبیت العتیق** (آیت ۲۹ سورۃ الحج ۲۲) اس آیت میں طواف کرنے کا حکم دیا لیکن طہارت کی شرط نہیں لگائی اس لئے بغیر طہارت کے بھی طواف ہو جائے گا البتہ صدقہ یا دم لازم ہوگا۔

نوٹ صدقہ سے مراد صدقۃ الفطر کی مقدار آدھا صاع ہے۔ کیونکہ مطلق صدقہ سے صدقۃ الفطر کی مقدار مراد ہوتی ہے۔

[۴۳۴] (۲۱) اور اگر طواف قدوم جنبی ہو کر کرلیا تو اس پر بکری لازم ہے۔

وجہ جنابت کی حالت میں طواف قدوم کیا تو طواف میں حدث کی بنسبت زیادہ نقص ہوا اس لئے بکری لازم ہوگی۔ باقی وجہ مسئلہ نمبر ۲۰ میں گزر چکی (۲) دم لازم ہونے کی دلیل یہ اثر ہے **ان عبد الله بن عباس قال من نسی من نسکه شیئا او ترکه فلیهرق دما** (الف) (موطا امام مالک، باب ما یفعل من نسی من نسکہ شیئا ص ۴۵۰ رسنن للبیہقی، باب من ترک شیئا من الرمی حتی یذھب ایام منی، ج خامس، ص ۱۵۲ ردار قطنی ج ثانی ص ۲۱۵ نمبر ۲۵۱۲ / ۲۵۱۴) اس اثر میں ہے کہ کچھ چھوٹ جائے تو دم لازم ہوگا۔ اور جنابت کی حالت میں طواف کرنا سے گویا کہ طواف چھوٹ گیا اس لئے دم لازم ہوگا۔

[۴۳۵] (۲۲) اور اگر طواف زیارت محدث ہو کر کیا تو اس پر بکری لازم ہے۔

وجہ چونکہ طواف زیارت اہم ہے اور فرض ہے اور اس کو محدث ہو کر کرلیا تو کمی رہی اس لئے اس کمی کو بکری ذبح کر کے پوری کرے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا بیت اللہ کے ارد گرد طواف نماز کی طرح ہے۔ مگر یہ کہ تم طواف میں بات کرتے ہو تو جو طواف کے دوران بات کرے وہ خیر ہی کی بات کرے (ب) حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ میں مکہ آئی اس حال میں کہ میں حائضہ تھی، نہ بیت اللہ کا طواف کر پائی اور نہ صفا مروہ کا۔ میں نے حضور کو اس کی شکایت کی تو آپؐ نے فرمایا جیسا حاجی کرتے ہیں ویسا ہی کرو علاوہ یہ کہ بیت اللہ کا طواف نہ کرو جب تک کہ پاک نہ ہو جاؤ۔

شاة[۷۳۶](۲۳) وان کان جنبا فعلیه بدنة والافضل ان یعید الطواف مادام بمکة ولا ذبح علیه[۷۳۷] (۲۴) ومن طاف طواف الصدر محدثا فعلیه صدقة وان کان جنبا فعلیه شاة [۷۳۸](۲۵) وان ترک طواف الزیارة ثلثة اشواط فمادونها فعلیه شاة[۷۳۹] (۲۶) وان ترک اربعة اشواط بقی محرما ابدا حتی یطوفها.

---

[۷۳۶](۲۳)اوراگرطواف زیارت جنبی ہوکر کرلیا تو اس پر اونٹ لازم ہے۔اور افضل یہ ہے کہ طواف کو لوٹا لے جب تک مکہ میں رہے۔ پھر اس پر ذبح نہیں ہے۔

تشریح اگر طواف لوٹا یا تو دم لازم نہیں ہوگا۔ کیونکہ جس میں نقص تھا اس کو پورا کرلیا اس لئے دم لازم نہیں ہوگا۔ اور افضل یہی ہے کہ ایسے نقص والے طواف کو دوبارہ کرلے۔

نوٹ طواف زیارت کو جنبی ہوکر کیا تو یہ بڑی جنایت ہے اس لئے اس میں دم بھی بڑا یعنی اونٹ لازم ہوگا۔

[۷۳۷](۲۴) جس نے طواف وداع حدث کی حالت میں کیا اس پر صدقہ ہے اور اگر جنابت کی حالت میں کیا تو اس پر بکری ہے۔

وجہ طواف وداع طواف زیارت سے کم درجہ ہے اس لئے اس کا حکم طواف قدوم کی طرح ہوگا۔ یعنی حدث کی حالت میں کیا تو صدقہ لازم ہوگا اور جنابت کی حالت میں کیا تو بکری لازم ہوگی۔ کیونکہ جنابت کی حالت میں جنایت زیادہ ہے۔

لغت طواف صدر : طواف وداع جو آخری وقت میں کیا جاتا ہے، اس کو طواف صدر بھی کہتے ہیں۔

[۷۳۸](۲۵) اگر طواف زیارت میں سے تین شوط یا اس سے کم چھوڑ دیئے تو اس پر بکری ہے۔

تشریح طواف زیارت فرض ہے۔ پس اگر زیادہ شوط یعنی چار شوط طواف کیا اور اس سے کم چھوڑے تو اس پر بکری لازم ہوگی۔

وجہ اثر میں ہے **ان عبد الله بن عباس قال من نسی من نسکه شیئا او ترکه فلیهرق دما** (الف)(موطا امام مالک، باب ما یفعل من نسی من نسکه شیئا ص ۴۵۰ / سنن للبیهقی ، باب من ترک شیئا من الرمی حتی یذهب ایام منی، ج خامس ص ۲۴۸، نمبر ۹۶۸۸ / سنن دار قطنی ، کتاب الحج ج ثانی ص ۲۱۵ نمبر ۲۵۱۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ نسک میں سے کچھ چھوٹ جائے تو دم لازم ہوگا۔ اور یہاں فرض طواف میں سے چھوٹا ہے اس لئے دم لازم ہوگا۔

[۷۳۹](۲۶) اگر طواف زیارت میں سے چار شوط چھوڑ دیئے تو ہمیشہ محرم باقی رہے گا یہاں تک کہ طواف کرے۔

تشریح طواف زیارت میں سے چار شوط نہیں کیا تو اکثر طواف نہیں کیا تو گویا کہ طواف کیا ہی نہیں اس لئے جب تک طواف فرض نہ کرے بیوی کے بارے میں محرم ہی باقی رہے گا کیونکہ جب تک طواف زیارت نہ کرے آدمی کے لئے بیوی حلال نہیں ہوتی۔

وجہ اثر میں ہے۔ **حدثنا ابی الزناد عن الفقهاء الذین ینتهی الی قومهم من اهل المدینة کانوا یقولون من نسی ان یفیض**

حاشیہ : (الف) حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا جو حج کی عبادت میں سے کچھ بھول جائے یا اس کو چھوڑ دے تو اس کو خون بہانا چاہئے۔

[۷۴۰] (۲۷) ومن ترک ثلثة اشواط من طواف الصدر فعلیه صدقة[۷۴۱](۲۸) وان ترک طواف الصدر او اربعة اشواط منه فعلیه دم[۷۴۲] (۲۹) ومن ترک السعی بین الصفا والمروة فعلیه شاة وحجه تام [۷۴۳](۳۰) ومن افاض من عرفات قبل الامام فعلیه

حتی رجع الی بلاده فهو حرام حین یذکر حتی یرجع الی البیت فیطوف به،فان اصاب النساء اھدی بدنة (سنن للبیہقی، باب التحلل بالطّواف اذا کان قد سعی عقیب طواف القدوم، ج خامس،ص ۲۳۸،نمبر ۹۶۵۰)اس اثر سے معلوم ہوا کہ طواف زیارت نہ کیا ہو تو ہمیشہ باقی رہے گا اور اس درمیان بیوی سے صحبت کی تو اونٹ کا دم دینا ہوگا۔

[۷۴۰] (۲۷) کسی نے طواف وداع کے تین شوط چھوڑے تو اس پر صدقہ ہے۔

وجہ طواف وداع واجب ہے اور تین شوط یا اس سے کم چھوڑا ہے تو گویا کہ طواف وداع ادا کر دیا اس لئے تین شوط چھوڑنے میں صدقہ لازم ہوگا۔

[۷۴۱] (۲۸) اگر طواف صدر چھوڑ دیا یا اس کے چار شوط چھوڑ دیئے تو اس پر بکری لازم ہے۔

تشریح چار شوط چھوڑے تو گویا کہ پورا طواف صدر چھوڑ دیا۔اور طواف صدر واجب ہے اس لئے اس کے چھوڑنے سے بکری لازم ہوگی۔

وجہ بکری لازم ہونے کی وجہ عبد اللہ بن عباس کا قول ہے جو اوپر گزر چکا ہے (دار قطنی نمبر ۲۵۱۲)

[۷۴۲] (۲۹) کسی نے صفا اور مروہ کی سعی چھوڑ دی تو اس پر بکری لازم ہے اور اس کا حج مکمل ہو گیا۔

وجہ سعی واجب ہے۔اس لئے اس کے چھوڑنے سے دم واجب ہوگا۔ پہلے عبد اللہ بن عباس کا قول گزر چکا ہے (دار قطنی نمبر ۲۵۱۴/۲۵۱۲) کہ نسک چھوڑنے سے دم لازم آتا ہے۔اور حج اس لئے مکمل ہو جائے گا کہ تمام فرائض ادا ہو گئے اور سعی ہمارے نزدیک واجب ہے اس لئے حج مکمل ہو جائے گا۔اثر میں ہے عن الحسن فی الرجل یترک الصفا والمروة قال علیه دم (مصنف ابن ابی شیبة ۲۳۴ فی الرجل یترک الصفا والمروة ما علیه، ج ثالث،ص ۲۶۹،نمبر ۱۴۲۰۰)

[۷۴۳] (۳۰) جو عرفات سے امام سے پہلے نکل جائے اس پر دم ہے۔

تشریح امام ٹھیک غروب آفتاب کے بعد نکلیں، پس اگر کوئی آدمی امام سے پہلے نکلا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ غروب آفتاب سے پہلے نکلا۔اس لئے غروب آفتاب سے پہلے عرفات سے نکلا تو اس پر دم لازم ہوگا۔

وجہ حدیث میں ہے کہ حضور غروب آفتاب کے بعد عرفات سے نکلے تھے قال دخلنا علی جابر بن عبد اللہ ... فلم یزل واقفا حتی غربت الشمس وذھبت الصفرة قلیلا حتی غاب القرص (الف) (مسلم شریف، باب حجة النبی ﷺ ص ۳۹۸ نمبر ۱۲۱۸/ ترمذی شریف، باب ماجاء ان عرفة کلھا موقف ص ۱۷۷ نمبر ۸۸۵)اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور مغرب کے بعد عرفات سے چلے تھے اور

حاشیہ : (الف) آپؐ سورج غروب تک وقوف عرفہ کرتے رہے اور تھوڑی زردی چلی گئی یہاں تک کہ سورج کی ٹکیہ غائب ہوگئی۔

دم[۷۴۴] (۳۱) ومن ترک الوقوف بمزدلفة فعلیه دم [۷۴۵](۳۲) ومن ترک رمی

مغرب سے پہلے کوئی عرفات سے نکلا تو گویا کہ نسک کی تقدیم کی تو نسک کی تقدیم کی وجہ سے دم لازم ہوگا۔ **عن ابن عباس قال من قدم شیئا من حجه او اخره فلیهرق لذلک دما** (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۳۵۳ فی الرجل یحلق قبل ان یذبح، ج ثالث، ص ۳۴۵، نمبر ۱۴۹۵۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ نسک مقدم مؤخر کرنے سے دم لازم ہوگا۔ اور یہاں نکلنے کو مقدم کیا اس لئے دم لازم ہوگا۔

نوٹ غروب آفتاب سے پہلے عرفات سے باہر نکلا گیا پھر غروب سے پہلے عرفات میں آ گیا تو دم ساقط ہو جائے گا۔

[۷۴۴] (۳۱) جس نے مزدلفہ کا وقوف چھوڑا اس پر دم لازم ہے۔

وجہ مزدلفہ کا وقوف واجب ہے اور پہلے گزر چکا ہے کہ واجب چھوڑنے سے دم لازم ہوتا ہے۔ اس لئے مزدلفہ کا وقوف چھوڑنے سے دم لازم آئے گا۔ مزدلفہ میں وقوف واجب ہے اس کی دلیل یہ آیت ہے **فاذا افضتم من عرفات فاذکروا اللہ عند المشعر الحرام** (ب) (آیت ۱۹۸ سورۃ البقرۃ ۲) (اس آیت میں امر کا صیغہ ہے کہ مشعر حرام کے پاس اللہ کا ذکر کرو اور مشعر حرام مزدلفہ میں ہے اس لئے مزدلفہ کا وقوف واجب ہے (۲) حدیث میں ہے۔ **عن عروۃ بن مضرس قال اتیت رسول اللہ بالمزدلفة ... فقال رسول اللہ من شهد صلوتنا هذه ووقف معنا حتی یدفع وقدوقف بعرفة قبل ذلک لیلا او نهارا فقدتم حجه وقضی تفثه** (ج) (ترمذی شریف، باب ماجاء من ادرک الامام بجمع فقد ادرک الحج ص ۱۷۹ نمبر ۸۹۱) اس حدیث میں ہے کہ جو مزدلفہ کی نماز مین حاضر ہوا اور وہاں کا وقوف کیا اور اس سے پہلے عرفہ کا وقوف کیا تو حج مکمل ہو گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ وقوف مزدلفہ واجب ہے۔ اور حضرت ابن عباس کا قول پہلے گزر چکا ہے کہ واجب چھوڑنے سے دم لازم ہوگا (دار قطنی ج ثانی ص ۲۱۵ نمبر ۲۵۱۲/۲۵۱۴)

[۷۴۵] (۳۲) کسی نے تمام دنوں کی رمی جمار چھوڑ دی تو اس پر دم ہے۔ اور اگر ایک دن کی تمام رمی چھوڑ دی تب بھی اس پر دم ہے۔

وجہ ہر دن کی الگ الگ رمی جمار واجب ہے اس لئے اگر ایک دن کی تمام رمی چھوڑ دی تو دم لازم ہوگا۔ لیکن اگر تینوں دنوں کی تمام رمی چھوڑ دی تو ایک دوسرے میں تداخل ہو جائے گا۔ کیونکہ ایک ہی قسم کی جنایت ہے اس لئے تمام رمی کو چھوڑنے پر ایک ہی دم لازم ہوگا۔ رمی جمار واجب ہے اس لئے اس کے چھوڑنے پر دم لازم ہوگا۔ اثر میں ہے **عن الزهری عن ابان ابن عثمان قال واللہ ان الصلوۃ لتقضی فکیف لا تقضی رمی الجمار** (د) (مصنف ابن ابی شیبة ۴۰۵ فی الرجل ینسی ان یرمی الجمار یقضیه او یهرق دما، ج ثالث ص ۳۷۹، نمبر ۱۵۳۰۲) اس اثر سے رمی جمار کی اہمیت معلوم ہوتی ہے (۲) **عن عطاء بن ابی رباح انه قال من نسی جمرۃ واحدۃ او الجمار کلها حتی یذهب ایام التشریق فدم واحد یجزیه** (ہ) (سنن للبیہقی، باب من ترک شیئا من الرمی حتی یذهب ایام منی ص ۲۴۸،

حاشیہ: (الف) عبد اللہ بن عباس نے فرمایا کسی نے حج میں سے کچھ مقدم کیا یا مؤخر کیا تو اس کی وجہ سے خون بہائے (ب) جب تم عرفات سے چلو تو مشعر حرام کے پاس اللہ کا ذکر کرو (ج) آپ نے فرمایا جو اس نماز میں حاضر ہوا اور ہمارے ساتھ یہاں سے چلنے تک ٹھہرا ہے اور اس سے پہلے رات مین یا دن میں عرفہ مین ٹھہرے تو اس کا حج پورا ہو گیا اور اس کی پراگندگی دور کرنی چاہئے (د) ابان بن عثمان نے فرمایا خدا کی قسم نماز قضا کرتے ہیں تو رمی جمار کیوں نہ قضا کی جائے (ہ) عطاء بن ابی رباح نے فرمایا جو ایک جمرہ بھول جائے یا تمام جمرات بھول جائے یہاں تک کہ ایام تشریق ختم ہو جائیں تو ایک دم سب کو کافی ہے۔

الجمار فی الایام کلها فعلیه دم [۷۴۶](۳۳) وان ترک رمی احدی الجمار الثلث فعلیه صدقة[۷۴۷] (۳۴) وان ترک رمی جمرة العقبة فی یوم النحر فعلیه دم[۷۴۸] (۳۵) ومن اخر الحلق حتی مضت ایام النحر فعلیه دم عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی.

نمبر ۹۶۸۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ رمی چھوڑ دے تو دم لازم ہوگا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ تمام رمی چھوٹ جائے تو تداخل ہو جائیں گے اور ایک ہی دم لازم ہوگا۔

[۷۴۶](۳۳) اور اگر تین رمی جمار میں سے ایک چھوڑ دیا تو اس پر صدقہ ہے۔

وجہ گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں کو تینوں کھمبوں کی رمی کی جاتی ہے۔ پس اگر تینوں میں سے ایک کھمبے کی رمی چھوڑ دی تو صدقہ لازم ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تین کھمبوں کے چھوڑنے پر دم ہے اور ایک کھمبا اس کا آدھا بھی نہیں ہے اس لئے صدقہ لازم ہوگا۔

[۷۴۷](۳۴) اگر دسویں تاریخ کو جمرہ عقبہ کی رمی چھوڑ دی تو اس پر دم ہے۔

وجہ دسویں ذی الحجہ کو صرف جمرہ عقبہ یعنی آخری کھمبے کی رمی کرتے ہین اس لئے اگر دسویں کو جمرہ عقبہ کی رمی چھوڑ دی تو گویا کہ پورے ایک دن کی رمی چھوڑ دی اور پورے دن کی رمی چھوڑنے پر دم لازم ہوگا۔ اس کی دلیل مسئلہ نمبر ۳۲ میں حضرت عطاء کا قول گزر گیا ہے (۲) کسی نسک کے چھوڑنے پر دم لازم ہوگا اس کی دلیل دار قطنی نمبر ۲۵۱۲ میں گزر گئی)

[۷۴۸](۳۵) جس نے حلق کو مؤخر کیا یہاں تک کہ ایام نحر گزر گئے تو اس پر امام ابو حنیفہ کے نزدیک دم ہے۔

تشریح کسی نے حلق نہیں کرایا تھا یہاں تک کہ بارہویں تاریخ گزر گئی تو چونکہ وقت سے مؤخر کیا اس لئے دم لازم ہوگا۔

وجہ **عن ابن عباس قال من قدم شیئا من حجه او اخره فلیهرق لذلک دما** (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۵۳ فی الرجل یحلق قبل ان یذبح، ج ثالث، ص ۳۴۵، نمبر ۱۴۹۵۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کوئی نسک وقت سے مؤخر کر دے تو اس پر دم لازم ہوگا۔ اور اس شخص نے حلق کو اپنے وقت سے مؤخر کیا اس لئے اس پر دم لازم ہوگا۔ حلق کے لئے ایام نحر متعین ہے۔ کیونکہ کوئی چیز وقت کے ساتھ عبادت ہوتی ہے وقت کے بعد نہیں۔ اس لئے وقت سے حلق مؤخر کرے گا تو دم لازم ہوگا۔ اثر میں ہے۔ **عن عامر فی امرأة نسیت تقصر حتی خرجت ،فقال عبد الرحمن بن الاسود وعامر تقصر وتهرق دما** (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۵۶، نمبر فی الرجل والمرأۃ نسیا ان تقصرا (ج ثالث، ص ۴۰۱، نمبر ۱۵۵۳۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ یوم نحر سے مؤخر کرنے سے دم لازم ہوگا۔ ترتیب واجب ہونے کی دلیل یہ حدیث بھی ہے **عن انس بن مالک ان رسول الله اتی منی فاتی الجمرة فرماها ثم اتی منزله بمنی ونحر ثم قال للحلاق خذ واشار الی جانبه الایمن** (ب) (مسلم شریف، بیان ان السنۃ یوم النحر یرمی ثم ینحر ثم یحلق ص ۴۲۱ نمبر ۱۳۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ترتیب سے کرنا چاہئے۔

حاشیہ : (الف) عبد اللہ ابن عباس نے فرمایا حج میں سے کسی نے کوئی چیز مقدم کی یا اس کو مؤخر کی تو اس کی وجہ سے خون بہائے (ب) حضور منی آئے۔ پس جمرہ کے پاس آئے اور اس کی رمی کی پھر منی میں اپنی جگہ پر آئے اور قربانی کی پھر سر منڈنے والے سے کہا کہ لو اور دائیں جانب اشارہ فرمایا۔

[۷۴۹] (۳۶) وكذلك ان اخر طواف الزيارة عند ابى حنيفة رحمه الله تعالى.

فائدہ امام صاحبین کے نزدیک مقدم مؤخر کرنے سے دم لازم نہیں ہوگا۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عباس قال قال رجل للنبی ﷺ زرت قبل ان ارمی قال لا حرج قال حلقت قبل ان اذبح قال لا حرج قال ذبحت قبل ان ارمی قال لا حرج (الف) (بخاری شریف، باب الذبح قبل الحلق ص ۲۳۲ نمبر ۱۷۲۲ رمسلم شریف، باب جواز تقدیم الذبح علی الرمی والحلق علی الذبح ص ۴۲۱ نمبر ۱۳۰۶) مسلم کی حدیث میں یہ زیادتی بھی ہے قال فما سئل رسول الله ﷺ عن شیء قدم ولا اخر الا قال افعل ولا حرج (نمبر ۱۳۰۶) اس حدیث میں ہے کہ کوئی عمل مقدم ومؤخر کرنے سے دم لازم نہیں ہوگا۔اس لئے حلق کو ایام نحر سے مؤخر کرنے سے دم لازم نہیں ہوگا۔

[۷۴۹] (۳۶) ایسے ہی اگر طواف زیارت ایام نحر سے مؤخر کر دیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک دم لازم ہوگا۔

وجہ اوپر حضرت عبداللہ بن عباس کا قول گزر چکا ہے۔اس اثر میں بھی اس کا اشارہ ہے۔عن ابی الزناد عن الفقهاء الذين ينتهى الى قولهم من اهل المدينة كانوا يقولون من نسى ان يفيض حتى رجع الى بلاده فهو حرام حين يذكر حتى يرجع الى البيت فيطوف به فان اصاب النساء اهدى بدنة (سنن للبیہقی، باب التحلل بالطواف اذا کان قد سعی عقیب طواف القدوم، ج خامس، ص ۲۳۸، نمبر ۹۶۵۰) اس میں ہے کہ بھول کر بھی طواف زیارت نہیں کیا اور بیوی سے مل لیا تو اونٹ لازم ہوگا۔اور صاحبینؒ کا مسلک یہ ہے کہ دم لازم نہیں ہوگا۔ان کی دلیل مسئلہ نمبر ۳۵ میں حدیث گزر چکی ہے (بخاری شریف، نمبر ۱۷۲۲ رمسلم شریف نمبر ۱۳۰۶)

﴿ شکار کا بیان ﴾

ضروری نوٹ احرام کی حالت میں خشکی کا شکار کرنا حرام ہے، البتہ سمندری شکار کرنا جائز ہے۔اور اگر کوئی محرم شکار کرے تو اس کو شکار کا بدلہ ادا کرنا ہوگا۔اس کی دلیل یہ آیت ہے یا ایها الذین آمنوا لا تقتلوا الصید وانتم حرم ومن قتله منکم متعمدا فجزاء مثل ما قتل من النعم یحکم به ذوا عدل منکم هدیا بالغ الکعبة او کفارة طعام مساکین او عدل ذلک صیاما (آیت ۹۴ سورۃ المائدۃ ۵) آیت میں ہے احل لکم صید البحر و طعامه متاعا لکم وللسیارة وحرم علیکم صید البر ما دمتم حرما (ب) (آیت ۹۶ سورۃ المائدۃ ۵) ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ محرم کے لئے خشکی کا شکار کرنا حرام ہے اور سمندری جائز ہے۔یہ بھی معلوم ہوا کہ شکار کرے گا تو اس کی جزا دینی ہوگی۔یا اس کے کفارہ کے طور پر مساکین کو کھلانا ہوگا یا اس کی قیمت لگا کر جو گیہوں ہو ہر آدھے ساع گیہوں کے بدلے میں ایک روزہ رکھے (۲) اس کے لئے حدیث یہ ہے عن عائشة ان رسول الله ﷺ قال خمس من الدواب کلهن فاسق یقتلهن فی الحرم الغراب والحدأة والعقرب والفارة والکلب العقور (الف) (بخاری شریف، باب

حاشیہ : (الف) ایک آدمی نے حضور سے کہا میں نے رمی سے پہلے طواف زیارت کر لیا۔آپ نے فرمایا کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔کہا ذبح کرنے سے پہلے حلق کرا لیا۔آپؐ نے فرمایا کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔کہا رمی کرنے سے پہلے ذبح کر لیا۔آپؐ نے فرمایا کچھ حرج نہیں ہے (ب) تمہارے لئے سمندری شکار حلال کیا گیا ہے اور اس کا کھانا تمہارے لئے اور مسافروں کے لئے سامان ہے۔اور خشکی کا شکار حرام کیا گیا ہے جب تک تم محرم ہو (الف) آپؐ نے فرمایا (باقی اگلے صفحہ پر)

[۷۵۰](۳۷) واذا قتل المحرم صیدا او دل علیه من قتله فعلیه الجزاء وسواء فی ذلک العامد والناسی والمبتدی والعائد.

ما یقتل المحرم من الدواب ص ۲۴۶ نمبر ۱۸۲۹/مسلم شریف، باب ما یندب للمحرم وغیرہ قتلہ من الداب فی الحل والحرم ص ۳۸۱ نمبر ۲۸۶۳/۱۱۹۸)اس حدیث میں ان پانچ جانوروں کو احرام کی حالت میں مارنا جائز ہے تو معلوم ہوا کہ باقی شکاری جانور کو مارنا جائز نہیں ہے۔

[۷۵۰](۳۷)اگر محرم نے شکار کو قتل کر دیا یا ایسے آدمی کو بتایا جو اس کو قتل کرے تو اس پر شکار کا بدلہ ہے، اور اس بارے میں جان کر اور بھول کر، شروع میں یا آخر میں قتل کرنے والے برابر ہیں۔

تشریح محرم شکار کو خود قتل کرے تب بھی شکار کا بدلہ اس کو لازم ہوگا۔ اور دوسرے کو بتلائے کہ شکار وہاں ہے اور اس نے شکار کو قتل کر دیا تب بھی بتلانے والے محرم پر بدلہ لازم ہے۔ اسی طرح بھول کر قتل کر دیا یا جان کر قتل کر دیا تب بھی بدلہ لازم ہے۔ اور شروع میں قتل کر دیا یا کسی نے شکار کو زخمی کیا تھا اور محرم نے اس کو قتل کر دیا تب بھی بدلہ لازم ہے۔

وجہ شکاری کو بتلا کر شکار کی محافظت کو برباد کیا اس لئے بتلانے والے پر بھی بدلہ لازم ہوگا (۲) اس حدیث میں اس کا اشارہ موجود ہے **اخبرنی عبد اللہ بن ابی قتادۃ ثم ... قلنا انا کل لحم صید و نحن محرمون؟ فحملنا ما بقی من لحمها قال امنکم احد امرہ ان یحمل علیها او اشار الیها؟ قالوا لا قال فکلوا ما بقی من لحمها** (الف)(بخاری شریف، باب لا یشیر المحرم الی الصید لکی یصطادہ الحلال ص ۲۴۶ نمبر ۱۸۲۴/مسلم شریف، باب تحریم الصید الماکول البری و ما اصلہ ذلک علی المحرم ص ۳۸۰ نمبر ۱۱۹۶/۲۸۵۵) اس حدیث میں ہے کہ کیا تم نے شکار کرنے کا اشارہ کیا ہے؟ جس سے معلوم ہوا کہ دوسرے آدمی کو شکار کرنے کا اشارہ بھی خود شکار کرنے کی طرح ہے۔ اس لئے شکار کرنے کا اشارہ کرنے سے بھی بدلہ لازم ہو جائے گا۔ اثر میں ہے **عن الحسن والعطاء فی المحرم اشار الی صید فاصابہ محرم قالا علیہ الجزاء** (ب)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۵۴ فی المشیر الی الصید قال علیہ الجزاء، ج ثالث، ص ۴۰۰، نمبر ۱۵۵۱۳)اس اثر میں ہے کہ اشارہ کرنے والے پر شکار کا بدلہ لازم ہے۔ اور بھول کر اور جان کر برابر ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے **عن ابی عبیدۃ بن عبد اللہ بن مسعود ان محرما القی جوالق فاصاب یربوعا فقتله فقضی فیه ابن مسعود بجفر او جفرۃ** (ج)(سنن للبیہقی، باب قتل المحرم الصید عمدا او خطاء ج خامس ص ۲۹۴، نمبر ۹۸۵۸)اس اثر میں غلطی سے یربوع پر جل گر گیا اور مر گیا تب بھی اس پر بکری کا بچہ لازم کیا گیا۔ اسی قسم کا فیصلہ حضرت عمر نے بھی کیا ہے **قال مالک ... او یحلق قفاہ لموضع المحاجم وھو**

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) فرمایا پانچ جانور کل کے کل فاسق ہیں۔ حرم میں بھی قتل کئے جائیں گے۔ کوا، چیل، بچھو، چوہا اور باولا کتا (الف) عبد اللہ بن ابی قتادہ سے مروی ہے ... ہم نے پوچھا کیا شکار کا گوشت کھا سکتے ہیں جبکہ ہم محرم ہیں؟ پس گوشت کا باقی حصہ ہم لے کر گئے۔ آپ نے پوچھا کیا تم میں سے کسی نے اس کو حکم دیا تھا کہ شکار پر حملہ کرے یا اس کی رہنمائی کی تھی؟ لوگوں نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا جو باقی گوشت ہے اس کو کھاؤ (ب) حضرت حسن اور عطا سے محرم کے بارے میں منقول ہے، اس نے شکار کی طرف رہنمائی کی اور دوسرے محرم نے اس کو مار دیا۔ دونوں نے فرمایا اس پر بدلہ لازم ہے (ج) عبد اللہ بن مسعود کے بیٹے نے فرمایا کہ ایک محرم کا جل گر گیا اور یربوع کو لگا اور وہ مر گیا تو عبد اللہ بن مسعود نے اس میں بکری کے بچے کا فیصلہ کیا۔

[۷۵۱] (۳۸) والجزاء عند ابی حنیفة وابی یوسف رحمهما الله ان یقوم الصید فی

محرم ناسیا او جاھلا ان من فعل شیئا من ذلک فعلیه فی ذلک کله الفدیة (موطا امام مالک، باب فدیۃ من حلق قبل ان ینحر ص۴۵۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بھول سے بھی کوئی کام کرے گا تو اس پر جان کر کرنے کی طرح فدیہ لازم ہوگا۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بتلانے والے پر فدیہ لازم نہیں ہے۔ کیونکہ اس نے خود شکار کو ہلاک نہیں کیا ہے۔ اوپر کی آیت میں و من قتله منکم متعمدا ہے یعنی جان کر قتل کیا ہو بھول کر نہیں تب ہی بدلہ لازم ہے۔

[۷۵۱] (۳۸) شکار کا بدلہ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ ہے کہ شکار کی قیمت اس جگہ لگائی جائے جہاں اس کو قتل کیا ہے۔ یا اس جگہ کے قریب کی جگہ کی اگر اس کو صحرا میں قتل کیا ہو تو اس کی قیمت لگائیں گے دو انصاف ور آدمی۔

تشریح جس جگہ شکار قتل ہوا ہے اس جگہ میں اس شکار کی جو قیمت ہوگی وہ لگائی جائے گی۔ اور اگر شکار صحرا میں قتل ہوا ہے تو اس صحرا سے قریب میں جو آبادی ہے وہاں اس شکار کی جو قیمت ہو سکتی ہے وہ قیمت لگائی جائے گی۔

وجہ آیت میں ہے یا ایھا الذین آمنوا لا تقتلوا الصید وانتم حرم ومن قتله منکم متعمدا فجزاء مثل ما قتل من النعم یحکم به ذوا عدل منکم (الف) (آیت ۹۵ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں ہے کہ دو انصاف ور آدمی شکار کے بدلے کا فیصلہ کریں گے۔ اب بدلے کے فیصلے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ جس قسم کا شکار ہے اس کی جسمانی ساخت کو دیکھ کر اس کے مناسب اونٹ، گائے، بکری یا بکری کے بچے کا فیصلہ کرے۔ مثلا ہرن کی جسمانی ساخت کے برابر بکری ہے اس لئے ہرن کے بدلے میں بکری لازم کرے اور اس سے بڑے جانور کے بدلے گائے لازم کرے اور یہ مسلک امام محمد اور امام شافعی کا ہے۔ اور شیخین کے نزدیک یہ ہے کہ شکار کی قیمت لگائی جائے گی پھر اس قیمت سے یا ہدی خریدے اور اس کو حرم میں ذبح کرے کیونکہ آیت میں ھدیا بالغ الکعبة کی قید ہے۔ یا اس قیمت سے گیہوں خریدے اور ہر مسکین کو آدھا آدھا صاع گیہوں دے۔ یا جتنے صاع گیہوں اس قیمت سے آسکتے ہیں اس کے ہر آدھے صاع کے بدلے ایک روزہ رکھے مثلا دس صاع گیہوں شکار کی قیمت سے خریدا جا سکتا ہے تو بیس دن روزے رکھے، شکار کی قیمت لگانے کے بعد شکار کرنے والے کو یہ تینوں اختیار ہیں جیسا کہ آیت میں اس کو اختیار دیا گیا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک یحکم ذوا عدل کا مطلب یہی ہے کیونکہ جب آپ شکار کی قیمت سے کھانا خریدیں گے یا روزے رکھیں گے تو آخر شکار کی قیمت لگانی ہی ہوگی۔ اس لئے پہلے ہی سے شکار کی قیمت لگائی جائے اور اس قیمت سے ہدی خریدی جائے اور آیت میں مثل سے مراد مثل معنوی لی جائے (۲) ذوا عدل کی ضرورت بھی اسی وقت زیادہ پڑے گی جب شکار کی قیمت لگانے کی ضرورت ہو۔ اور قرآن نے ذوا عدل کی قید لگا کر اس طرف اشارہ کیا ہے (۳) اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن کعب بن عجرہ ان النبی ﷺ قضی فی بیض نعام اصابه محرم بقدر ثمنه (ب) (دار قطنی، کتاب الحج ج ثانی ص ۲۱۸ نمبر ۲۵۲۸ رسنن للبیھقی، باب بیض النعام یصیبھا المحرم ج خامس ص ۳۴۰، نمبر ۱۰۰۲۱) اس حدیث میں حضورؐ نے شتر مرغ کے انڈے کی

حاشیہ : (الف) اے ایمان والو شکار کو احرام کی حالت میں قتل نہ کرو۔ تم مین سے جو جان کر قتل کرے گا تو جیسا شکار قتل کرے گا چوپایوں میں سے ویسا ہی بدلہ دینا ہوگا۔ تم میں سے دو انصاف ور اس کا فیصلہ کریں گے (ب) آپؐ نے شتر مرغ کے انڈے جس کو محرم نے توڑا ہو اس کی قیمت کی مقدار کا فیصلہ کیا ہے۔

المكان الذى قتله فيه او فى اقرب المواضع منه ان كان فى برية يقومه ذوا عدل [۷۵۲](۳۹) ثم هو مخير فى القيمة ان شاء ابتاع بها هديا فذبحه ان بلغت قيمته هديا وان شاء اشترى بها طعاما فتصدق به على كل مسكين نصف صاع من بر او صاعا من تمر او صاعا من شعير وان شاء صام عن كل نصف صاع من بر يوما وعن كل صاع من شعير يوما[۷۵۳] (۴۰) فان فضل من الطعام اقل من نصف صاع وهو مخير ان شاء

قیمت لگائی ہے جس سے معلوم ہوا کہ شکار کی قیمت لگائی جائے گی۔

نوٹ اگر قیمت سے جانور خریدا تو اس کو حرم کی حدود میں ذبح کرنا ہوگا۔ کیونکہ آیت میں هديا بالغ الكعبة کی قید ہے۔ اس لئے اگر حرم سے باہر جانور ذبح کیا تو کافی نہیں ہے۔

لغت برية : خشکی، صحرا۔ ذوا عدل : انصاف کرنے والا آدمی، ماہر اور تجربہ کار آدمی۔

[۷۵۲](۳۹) پھر شکار کرنے والے کو قیمت میں اختیار ہے چاہے اس سے ہدی خریدے اور اس کو ذبح کرے اگر اس کی قیمت ہدی کی حد تک پہنچ جائے۔ اور چاہے تو اس کی قیمت سے کھانا خریدے اور ہر مسکین پر آدھا صاع گیہوں یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو صدقہ کرے۔ اور چاہے تو ہر آدھے صاع گیہوں کے بدلے ایک دن روزہ رکھے اور ہر ایک صاع جو کے بدلے ایک دن روزہ رکھے۔

تشریح شکار کی قیمت لگنے کے بعد شکار کرنے والے کو تین اختیار ہیں۔ جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

وجہ تینوں اختیار کی وجہ آیت ہے جو اوپر گزر چکی ہے۔ اور اس کی تفسیر حضرت ابن عباس سے اس طرح ہے۔ **عن ابن عباس فى قوله آيت فجزاء مثل ما قتل من النعم ،قال اذا اصاب المحرم الصيد يحكم عليه جزاءه فان كان عنده جزاءه ذبحه وتصدق بلحمه فان لم يكن عنده جزاءه قوم جزاءه دراهم ثم قومت الدراهم طعاما فصام مكان كل نصف صاع يوما وانما اريد بالطعام الصيام انه اذا وجد الطعام وجد جزاءه** (الف) (سنن للبیہقی، باب من عدل صیام یوم بمدین ج خامس ص ۳۰۴، نمبر ۹۸۹۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ قیمت لگانے کے بعد یا ہدی خریدے یا کھانا خرید کر آدھا آدھا صاع گیہوں مساکین پر تقسیم کرے یا ہر آدھا صاع گیہوں یا ایک صاع جو کے بدلے ایک دن روزہ رکھے۔

[۷۵۳](۴۰) پس اگر گیہوں میں سے آدھے صاع سے کم بچ گیا تو جنایت کرنے والے کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس کو صدقہ کر دے اور چاہے تو اس کے بدلے ایک دن مکمل روزہ رکھے۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس سے روایت ہے فجزاء مثل ما قتل من النعم کے بارے میں اگر مثل نہ پائی جائے تو اس کی مثل قیمت ہے۔ جتنی اس کی قیمت ہے اس کے قیمت کے بدلے میں کھانا متعین کیا جائے۔ پھر ہر آدھا صاع کے بدلے میں ایک دن روزہ ہے یا مسکین کے کھانے سے کفارہ یا اس کے بدلے میں روزہ، پھر کھانا روزے کے بدلے میں ہے۔ پس جب کھانا پایا جائے تو اس کا بدلہ پایا گیا۔

تـصـدق بـی وان شاء صام عنه یوما کاملا [۷۵۴](۴۱) وقال محمد رحمه الله یجب فی الـصیـد النظیر فیما له نظیر ففی الظبی شاة وفی الضبع شاة وفی الارنب عناق وفی النعامة بـدنة وفـی الیـربوع جفرة[۷۵۵] (۴۲) ومن جرح صید او نتف شعره او قطع عضوا منه

تشریح آدھا صاع سے کم گیہوں بچ گیا اس لئے یا تو اس کو صدقہ کر دے اور اگر روزہ رکھنا چاہے تو ایک دن سے کم کا روزہ نہیں ہوتا ہے اس لئے پورے ایک دن کا روزہ رکھے۔

[۷۵۴](۴۱) امام محمد نے فرمایا شکار میں جسمانی مثل واجب ہے جس کی مثل ہو۔ اس لئے ہرن کے بدلے بکری، اور گوہ میں بکری، اور خرگوش میں بکری کا بڑا بچہ، اور شتر مرغ میں اونٹ اور چوہے میں بکری کا چھوٹا بچہ۔

تشریح امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک شکار کی جسمانی مثل کا اعتبار ہے۔ یعنی جو پالتو جانور جس شکار کے برابر ہے وہی پالتو جانور بدلے میں لازم ہوگا۔ مثلا ہرن کے برابر بکری ہے اس لئے ہرن شکار کیا تو اس کے بدلے میں بکری لازم ہوگی۔ خرگوش کے برابر بکری کا بچہ ہے اس لئے خرگوش شکار کیا تو بکری کا بچہ لازم ہوگا۔

وجہ (۱) ان کی دلیل یہ ہے کہ آیت میں **فجزاء مثل ما قتل من النعم** کہا ہے۔ اس لئے نعم کا لفظ اس طرف اشارہ ہے کہ جانور سے مثل کا اعتبار کیا جائے گا (۲) حدیث میں ہے **عن جابر قال قضی رسول الله ﷺ فی الظبی شاة و فی الضبع کبشا و فی الارنب عناقا وفی الیربوع جفرة فقلت لابن الزبیر وما الجفرة قال التی قد فطمت ورعت** (الف) (سنن دار قطنی، کتاب الحج ج ثانی ص ۲۱۷ نمبر ۲۵۲۷ رسنن للبیھقی، باب فدیۃ الضبع ج خامس ص ۲۹۹، نمبر ۹۸۷۹) اس حدیث میں حضورؐ نے ہرن میں بکری لازم کی جس سے معلوم ہوا کہ شکار کی جسمانی برابری کا اعتبار ہے۔ اسی طرح دوسرے شکاری جانور کا بھی جسمانی مثل کا ہی اعتبار کر کے اس حدیث میں فیصلہ کیا گیا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ کس شکار میں کونسا پالتو جانور لازم ہوگا۔

لغت الظبی : ہرن، الضبع : بجو، الارنب : خرگوش، عناق : بکری کا بڑا بچہ، النعامۃ : شتر مرغ، بدنۃ : اونٹ، الیربوع : چوہے کی طرح چھوٹا سا جانور، جفرۃ : بکری کا چھوٹا بچہ۔

[۷۵۵](۴۲) کسی نے شکار کو زخمی کیا یا اس کا بال اکھیڑا یا اس کا عضو کاٹا تو اس کی قیمت میں جتنی کمی ہوئی ہے اس کا ضامن ہوگا۔

وجہ شکار کو مارنا ناجائز تھا اس لئے اگر اس کو مارا نہیں لیکن زخمی کر کے یا بال اکھیڑ کر اس کو نقصان پہنچایا تو جتنا نقصان ہوا اس کی قیمت لازم ہوگی۔ مثلا شکار کی قیمت پچاس پونڈ تھی اور زخمی ہونے کے بعد چالیس پونڈ رہ گئی تو دس پونڈ کی کمی واقع ہوئی اس لئے کمی واقع کرنے والے پر دس پونڈ لازم ہوں گے (۲) اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن عائشة ان رسول الله قال فی بیضة نعام کسره رجل محرم صیام**

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے ہرن کے بارے میں بکری کا فیصلہ کیا اور بجو کے بارے میں مینڈھے کا اور خرگوش کے بارے میں بکری کے بڑے بچے کا اور چوہے کے بدلے بکری کے چھوٹے بچے کا۔ میں نے ابن زبیر سے کہا جفرۃ کیا ہے؟ فرمایا بکری کا جو بچہ دودھ چھوڑ چکا ہو اور چرنے لگا ہو۔

ضــمــن مــا نقص من قيمته [۷۵۶](۴۳) وان نتف ريش طائر او قطع قوائم صيد فخرج به مـن حيـز الامتـنـاع فـعيـلـه قيـمته كاملة [۷۵۷](۴۴) ومن كسر بيض صيد فعليه قيمته [۷۵۸](۴۵) فان خرج من البيضة فرخ ميت فعليه قيمته حيا.

يـوم فـي كل بيضة (الف) (دار قطنی، کتاب الحج ج ثانی ص۲۱۹ نمبر۲۵۳۷) اس حدیث میں شتر مرغ کے انڈے کو توڑنے پر ایک روزہ لازم کیا گیا۔ معلوم ہوا کہ کسی شکار کو نقصان کرنے پر نقصان کی مناہی دینی ہوگی۔

[۷۵۶] (۴۳) اگر پرندے کا پر اکھیڑا یا اس کا پاؤں کاٹا جس کی وجہ سے وہ حفاظت کے دائرے سے نکل گیا تو ایسا کرنے والے پر جانور کی پوری قیمت لازم ہوگی۔

تشریح محرم نے کسی شکار کا پر اتنا اکھیڑ دیا کہ وہ انسانوں اور جانوروں سے اڑ کر اپنی حفاظت نہیں کر سکتا یا جانور کا پاؤں توڑ دیا جس کی وجہ سے اب اپنی حفاظت نہیں کر سکتا ہے تو ایسا کرنے والے پر پورے پرندے اور پورے جانور کی قیمت دینی ہوگی۔

وجہ پر اکھیڑنے یا پاؤں کاٹنے کی وجہ سے گویا کہ ہلاکت تک پہنچا دیا تو گویا کہ محرم نے شکار کو ہلاک کیا یا اس کا سبب بنا اس لئے پوری قیمت لازم ہوگی (۲) **عن طـارق ان اربـد اوطـأ ضبا ففزر ظهره فاتي عمر فسأله فقال عمر ما ترى فقال جديا قد جمع الماء والشـجر فقال عمر فذلك فيه** (ب) (سنن للبیہقی، باب فدیۃ الضب ج خامس ص۳۰۱، نمبر ۹۸۹۰) اس اثر میں ہے کہ گوہ کی پیٹھ توڑ دی تو بکری کا بچہ لازم کیا جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر اس انداز کا نقصان ہوا کہ وہ اب لوگوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا تو پوری قیمت لازم ہوگی

لغت نتف : پر اکھیڑنا، ریش : پر، حیز الامتناع : محفوظ رہنے کی جگہ سے نکلا گیا، یعنی خود محفوظ نہ رہ سکا۔

[۷۵۷] (۴۴) کسی نے شکار کے انڈے کو توڑ دیا تو اس پر اس کی قیمت لازم ہے۔

وجہ شکار کا انڈا شکار کے درجے میں ہے۔ تو جس طرح شکار کے ہلاک کرنے سے قیمت لازم ہوگی اس کے انڈے توڑنے سے بھی قیمت لازم ہوگی (۲) **عن كعب بن عجرة ان النبى ﷺ قضى فى بيض نعام اصابه محرم بقدر ثمنه** (ج) (دار قطنی، کتاب الحج ج ثانی ص ۲۱۸ نمبر ۲۵۲۸، سنن للبیہقی، باب بیض النعامۃ یصیبھا المحرم، ج خامس ص۳۴۰، نمبر ۱۰۰۲۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ انڈا توڑنے سے اس کی قیمت لازم ہوگی۔

[۷۵۸] (۴۵) پس اگر انڈے سے مردہ بچہ نکلا تو اس پر زندہ بچے کی قیمت لازم ہوگی۔

وجہ انڈا سے مردہ بچہ نکلا تو گمان یہی ہے کہ انڈا توڑنے والے کی حرکت سے بچہ مردہ ہوا ہے۔ کیونکہ انڈے کے اندر عموما بچہ زندہ رہتا ہے۔ اس لئے انڈا توڑنے والے پر زندہ بچہ کی قیمت لازم ہوگی۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے شتر مرغ کے انڈے کے بارے میں فرمایا جس کو کسی محرم آدمی نے توڑ دیا ہو ہر انڈے کے بدلے میں ایک دن کا روزہ ہے (ب) حضرت اربد نے گوہ کو روند دیا اور اس کی پیٹھ توڑ دی پھر حضرت عمر کے پاس آئے اور ان کو پوچھا تو حضرت عمر نے فرمایا آپ کی کیا رائے ہے؟ کہا بکری کا بچہ کہ پانی اور گھاس کھاتا ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا ٹھیک ہے (ج) آپؐ نے شتر مرغ کے انڈے میں فیصلہ کیا جو محرم نے توڑا تھا اس کی قیمت کے مقدار۔

[۷۵۹] (۴۶) ولیس فی قتل الغراب والحدأة والذئب والحیة والعقرب والفارة والکلب والعقور جزاء[۷۶۰] (۴۷) ولیس فی قتل البعوض والبراغیث والقراد شیء[۷۶۱] (۴۸) ومن قتل قملة تصدق بما شاء.

---

[۷۵۹] (۴۶) کوا کے قتل کرنے اور چیل اور بھیڑیا اور سانپ اور بچھو اور چوہا اور باولا کتا کے قتل کرنے میں بدلا لازم نہیں ہے۔

وجہ (۱) یہ جانور فطری طور پر دوسروں پر حملہ کرنے والے ہیں اور تکلیف دینے والے ہیں۔ تو چونکہ فطرۃً موذی ہیں اس لئے اس کے قتل کرنے سے بدلا لازم نہیں ہوگا (۲) حدیث میں ہے عن عائشة ان رسول الله قال خمس من الدواب کلهن فاسق یقتلن فی الحرم الغراب والحدأة والعقرب والفارة والکلب العقور (الف) (بخاری شریف، باب ما یقتل المحرم من الدواب ص ۲۴۶ نمبر ۱۸۲۹ رمسلم شریف، باب ما یندب للمحرم وغیرہ قتلہ من الدواب فی الحل والحرم ص ۳۸۱ نمبر ۱۱۹۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان جانوروں کو محرم قتل کر سکتا ہے۔ کیونکہ یہ فطری طور پر موذی ہیں۔

نوٹ الکلب العقور سے جنگلی کتا مراد ہے۔ کیونکہ پالتو کتا تو شکار نہیں ہے اس لئے اس کے قتل کرنے سے بدلہ لازم نہیں ہوگا۔ کتے میں تمام درندے شامل ہیں۔ کیونکہ وہ بھی فطری طور پر موذی ہیں اس لئے ان کے قتل سے بھی بدلہ لازم نہیں ہے۔ قال مالک الکلب العقور الذی امر المحرم بقتله ان کل ما عقر الناس و عدا علیهم واخافهم مثل الاسد والنمر والفهد والذئب فهو الکلب العقور (سنن للبیہقی، باب ما للمحرم قتلہ من دواب البر فی الحل والحرم ج خامس ص ۳۴۶، نمبر ۱۰۰۵۱)

[۷۶۰] (۴۷) مچھر، پسو اور چچڑی کے مارنے میں کچھ لازم نہیں ہے۔

وجہ (۱) یہ سب شکار نہیں ہیں (۲) یہ سب عادی اور فطری موذی ہیں اس لئے ان کے قتل کرنے اور مارنے سے کچھ لازم نہیں ہوگا۔ اثر میں ہے۔ عن عائشة قالت یقتل المحرم الهوام کلها الا القملة فانها منه (مصنف عبد الرزاق، باب القمل، ج رابع ص ۴۱۳، نمبر ۸۲۵۹ رص ۳۵۰، نمبر ۱۰۰۶۷) اس اثر میں ہے کہ جوئیں کے علاوہ مچھر، پسو کو مارے تو کچھ لازم نہیں ہے۔

لغت البعوض : مچھر، البراغیث : پسو، القراد : چچڑی یہ کھٹمل کی طرح ہوتا ہے اور جانوروں کے جسم سے چپکا ہوتا ہے۔

[۷۶۱] (۴۸) کسی نے جوں ماری تو صدقہ کرے جتنا چاہے۔

وجہ (۱) جوئیں جسم کے میل سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور احرام کی حالت میں میل صاف کرنا جائز نہیں اس لئے اس سے پیدا شدہ جوئیں کو مارنا بھی جائز نہیں۔ اور مارے گا تو اس کے بدلے میں صدقہ دے۔ کیونکہ بہت چھوٹا جانور ہے (۲) اثر میں ہے قال مالک ... ولا یقتل قملة ولا یطرحها من رأسه الی الارض ولا من جلده ولا من ثوبه فان طرحها المحرم من جلده او من ثوبه فلیطعم حفنة

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا پانچ جانور سب کے سب فاسق ہیں حرم میں بھی وہ قتل کئے جائیں گے۔ کوا، چیل، بچھو، چوہا اور باولا کتا۔

[۷۶۲](۴۹) ومن قتل جرادة تصدق بما شاء و تمرة خیر من جرادة [۷۶۳](۵۰) ومن قتل ما لا یؤکل لحمه من السباع ونحوها فعلیه الجزاء ولا یتجاوز بقیمتها شاہ.

من الطعام (الف) موطا امام مالک، باب فدیۃ من حلق قبل ان ینحر ص ۴۵۰، سنن للبیھقی، باب قتل القمل ج خامس ص ۳۵۰، نمبر ۱۰۰۶۷) فیہ قول عبداللہ بن عمر۔ اس اثر سے معلوم ہوا کہ جوئیں مارنے سے کچھ کھانا صدقہ کرے۔ ایک ایک مٹھی کھانا صدقہ کرے۔

[۷۶۲](۴۹) کسی نے ٹڈی قتل کردی تو جتنا چاہے صدقہ کرے اور ایک کھجور ٹڈی سے بہتر ہے۔

وجہ اثر میں ہے عن زید بن اسلم ان رجلا جاء الی عمر بن الخطاب فقال یا امیر المؤمنین انی اصبت جرادات بسوطی وانا محرم فقال له عمر اطعم قبضة من طعام اور دوسرے اثر میں ہے فقال عمر انک لتجد دراهم لتمرة خیر من جرادة (ب) (موطا امام مالک، باب فدیۃ من اصاب شیئا من الجراد وھو محرم ص ۴۴۸، سنن للبیھقی، باب ماورد فی جزاء مادون الحمام ج خامس، ص ۳۳۸، نمبر ۱۰۰۱۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کچھ کھانا صدقہ کرے۔ اور ایک کھجور ٹڈی سے کے بدلے بہتر ہے۔ اس لئے ٹڈی کے بدلے کھجور بھی دیدے تو کافی ہے۔

[۷۶۳](۵۰) کسی نے ایسے جانور کو قتل کیا جس کا گوشت نہ کھایا جاتا ہو یا پھاڑ کھانے والے جانور کے مانند جانور کو قتل کیا تو قتل کرنے والے محرم پر بدلہ ہے۔ لیکن اس کی قیمت بکری سے آگے نہ بڑھے۔

تشریح پھاڑ کھانے والے جانور کو قتل کیا جس کا گوشت نہ کھایا جاتا ہو یا پھاڑ کھانے والا جانور تو نہیں ہے لیکن اس کا گوشت کھانا حلال نہیں ہے اس کو قتل کیا تو چونکہ وہ شکار کا جانور ہے اس لئے اس کا بدلہ لازم ہوگا۔ البتہ چونکہ اس کا گوشت نہیں کھایا جاتا ہے اس لئے اس کی قیمت بکری سے زیادہ نہ لگائی جائے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ غیر ماکول شکار کی قیمت بکری سے کم لگائی گئی ہے۔ عن جابر عن النبی ﷺ قال فی الضبع اذا اصابه المحرم کبش وفی الظبی شاة و فی الارنب عناق وفی الیربوع جفرة (ج) (دار قطنی، کتاب الحج ج ثانی ص ۲۱۷ نمبر ۲۵۲۴) اس حدیث میں یربوع جو چوہے کی قسم کا جانور ہے اور اس کا گوشت نہیں کھایا جاتا ہے اس کی قیمت بکری کا بچہ لگائی گئی ہے۔ اسی طرح گوہ کا گوشت نہیں کھایا جاتا ہے اور اس کا بدلہ مینڈھا لگایا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ غیر ماکول اللحم شکار کا بدلہ لازم ہوگا۔ اور اس کی قیمت بکری سے زیادہ نہ بڑھے۔

حاشیہ : (الف) حضرت امام مالکؒ نے فرمایا... جوئیں قتل نہ کی جائیں۔ اور نہ اس کو سر سے زمین پر ڈالے اور نہ اپنے جسم سے اور نہ کپڑے سے، پس اگر محرم نے اپنے جسم یا کپڑے سے ڈالا تو ایک لپا کھانا کھلانا چاہئے (ب) زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ ایک آدمی عمر بن خطاب کے پاس آیا اور کہا اے امیر المؤمنین میں نے احرام کی حالت میں کوڑے سے کچھ ٹڈیاں ماری ہیں۔ تو حضرت عمر نے فرمایا ایک مٹھی کھانا کھلاؤ۔ دوسری اثر میں ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا تم لوگ بہت درہم رکھتے ہو۔ ایک کھجور ٹڈی سے بہتر ہے (ج) آپؐ نے بجو کے بارے میں فرمایا جبکہ محرم اس کو مارے تو مینڈھا لازم ہے، اور ہرن میں بکری اور خرگوش میں بکری کا بچہ اور چوہے میں بکری کا چھوٹا بچہ۔

[۷۶۴] (۵۱) وان صال السبع علی محرم فقتله فلا شیء علیه [۷۶۵](۵۲) وان اضطر المحرم الی اکل لحم الصید فقتله فعلیه الجزاء[۷۶۶] (۵۳) ولا بأس بان یذبح المحرم

[۷۶۴](۵۱)اگر پھاڑ کھانے والا جانور محرم پر حملہ آور ہو گیا اور محرم نے اس کو قتل کر دیا تو محرم پر کچھ بھی لازم نہیں ہے۔

وجہ (۱)اوپر بخاری شریف کی حدیث گزری **عن عائشة ان رسول الله ﷺ قال خمس من الدواب کلهن فاسق یقتلهن فی الحرم** (الف)(بخاری شریف، باب ما یقتل المحرم من الدواب ص ۲۴۶ نمبر ۱۸۲۹ رمسلم شریف نمبر ۱۱۹۸)اس حدیث میں ہے کہ یہ پانچ جانور فطری طور پر موذی ہیں۔اس لئے ان کو قتل کر سکتے ہیں۔پس اگر صرف حملہ کرنے کے وہم پر قتل کر سکتے ہیں تو جو جانور باضابطہ محرم پر حملہ کر چکا ہو اس کو بدرجہ اولی قتل کر سکتا ہے۔اور قتل کرنے والے پر کچھ لازم نہیں ہوگا(۲)اثر میں ہے **عن عطاء قال کل عدو عدا علیک فاقتله وانت محرم** (ب)(مصنف ابن ابی شیبة ۳۳۹ ما یقتل المحرم ج ثالث،ص ۳۳۳،نمبر ۱۴۸۲۵)اس اثر میں ہے کہ اگر جانور آپ پر حملہ کر دے تو آپ اس کو قتل کر سکتے ہیں۔

لغت صال : حملہ کیا۔

[۷۶۵](۵۲)اگر محرم شکار کا گوشت کھانے کی طرف مجبور ہوا اس لئے شکار کو قتل کیا تو محرم پر اس کا بدلہ ہے۔

تشریح محرم کو شکار کے گوشت کھانے کی مجبوری تھی۔جس کی وجہ سے اس نے شکار کو قتل کیا۔پھر بھی چونکہ شکار کو قتل کیا ہے اس لئے اس کا بدلہ لازم ہوگا۔

وجہ اوپر گزر چکا ہے کہ بھول کر کرے یا جان کر کرے تب بھی جنایت کا بدلہ لازم ہے(۲) **فمن کان منکم مریضا او به اذی من رأسه ففدیة من صیام او صدقة او نسک** (ج)(آیت ۱۹۶ سورة البقرة ۲)اس آیت میں ہے کہ مرض یا سر کی تکلیف کی وجہ سے بھی سر منڈوایا تو فدیہ لازم ہوگا۔جس سے معلوم ہوا کہ مجبوری کی وجہ سے شکار کو قتل کیا تب بھی اس کا بدلہ لازم ہوگا۔

[۷۶۶](۵۳)کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ محرم بکری، گائے، اونٹ، مرغی اور کسکری بطخ کو ذبح کرے۔

وجہ اس لئے کہ شکار کو قتل کرنا آیت کی وجہ سے ممنوع ہے اور یہ جانور شکار نہیں ہیں بلکہ پالتو ہیں اس لئے احرام کی حالت میں ان کو ذبح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔اثر میں ہے **ولم یر ابن عباس وانس بالذبح باسا وهو غیر الصید نحو الابل والغنم والبقر والدجاج والخیل** (د)(بخاری شریف، باب اذا اصاد الحلال فاهدی للمحرم الصید ص ۲۴۵،نمبر ۱۸۲۱)

لغت الکسکری : کسکر ایک گاؤں کا نام ہے جس کی طرف بطخ کی نسبت کی گئی ہے اور کسکری بطخ کہا گیا ہے۔

نوٹ جنگلی بطخ شکار ہے اس لئے اس کو ذبح کرنے سے دم لازم ہوگا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا پانچ جانور سب کے سب فاسق ہیں ان کو حرم میں بھی قتل کئے جائیں (ب) عطاء نے فرمایا ہر دشمن جو تم پر حملہ کرے اس کو قتل کر دو چاہے تم محرم ہو(ج)تم میں سے جو مریض ہوں یا اس کے سر میں تکلیف ہو تو روزے کا فدیہ دینا ہے، یا صدقہ دینا ہے یا قربانی دینا ہے(د) حضرت ابن عباس اور حضرت انس ذبح کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے جبکہ وہ جانور شکار کے علاوہ ہو جیسے اونٹ، بکری، گائے، مرغی اور گھوڑا۔

الشاۃ والبعیر والدجاج والبط الکسکری[۲۶۷] (۵۴) وان قتل حماما مسرولا او ظبیا مستانسا فعلیہ الجزاء [۲۶۸] (۵۵) وان ذبح المحرم صیدا فذبیحتہ میتۃ لا یحل اکلھا[۲۶۹] (۵۶) ولا بأس بان یأکل المحرم لحم صید اصطادہ حلال وذبحہ اذا لم

---

[۲۶۷] (۵۴) اگر قتل کر دیا موزے والے کبوتر کو، یا مانوس ہرن کو تو اس پر بدلہ ہے۔

تشریح وہ کبوتر جس کے پاؤں میں بھی پر نکلے ہوتے ہیں اور اڑنے مین سست ہوتا ہے اس کو محرم نے مار دیا تو اس کا بدلہ لازم ہوگا۔ اسی طرح ہرن شکار ہے لیکن مانوس کر لیا گیا اور گھر میں رہنے لگا تب بھی محرم نے اس کو مارا تو بدلہ لازم ہوگا۔

وجہ یہ دنوں جانور اصل خلقت کے اعتبار سے متوحش ہیں اور شکار ہیں۔ لیکن کبوتر سست اڑنے کی وجہ سے مانوس جیسا لگتا ہے اسی طرح ہرن کو مانوس کر لینے کی وجہ سے پالتو کی طرح لگتا ہے۔ لیکن اصل خلقت میں شکار ہین اس لئے ان کو مارنے سے بدلہ لازم ہوگا۔ اثر میں ہے۔ **عن ابن عباسؓ قال فی الحمامۃ شاۃ** (مصنف عبد الرزاق، باب فی الحمام وغیرہ، ج رابع، ص ۴۱۵، نمبر ۸۲۷۰) اور ہرن کے بارے میں یہ اثر ہے۔ **عن عکرمۃ ان رجلا اصاب ظبیا وھو محرم فاتی علیاؓ فسألہ فقال اھد کبشا من الغنم** (مصنف عبد الرزاق، باب ابو بر والظبی، ج رابع، ص ۴۰۶، ۸۲۳۸) اس اثر میں ہے کہ ہرن کے بدلے بکری دے۔

لغت حمام مسرول : سرول سراویل سے مشتق ہے، پاجامہ پہنا ہوا یعنی وہ کبوتر جس کے پاؤں میں پر نکلا ہوا ہو۔ یہ کبوتر اڑنے میں سست ہوتا ہے اور گھر میں زیادہ تر رہتا ہے۔ لیکن متوحش ہے اور شکار ہے۔ ظبی : ہرن

[۲۶۸] (۵۵) اگر محرم نے شکار کو ذبح کیا تو اس کا ذبیحہ مردہ ہے۔ اس کا کھانا کسی کے لئے جائز نہیں۔

تشریح احرام کی وجہ سے محرم شکار کو ذبح کرنے کے قابل ہی نہیں رہا اس لئے اگر اس نے ذبح کیا تو گویا کہ مجوسی نے ذبح کیا اس لئے اس ذبیحہ کا کھانا نہ محرم کے لئے جائز ہے اور نہ حلال کے لئے جائز ہے۔

وجہ اثر میں ہے۔ **عن عطاء انہ قال لا یحل اکلہ لاحد** (مصنف عبد الرزاق، باب الصید وذبحہ، ج رابع، ص ۴۳۹، نمبر ۸۳۶۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ محرم شکار ذبح کرے تو کسی کے لئے حلال نہیں ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ محرم شکار کو ذبح کر دے تو کسی محرم کے لئے تو جائز نہیں لیکن حلال کے لئے جائز ہے۔

وجہ محرم مسلمان ہے اس لئے شکار کو ذبح کر سکتا ہے اس لئے اس کا ذبیحہ غیر محرم کی طرح حلال ہے۔ البتہ آیت کی وجہ سے کسی محرم کے لئے کھانا جائز نہیں ہے۔ اس لئے غیر محرم کے لئے جائز ہوگا۔

[۲۶۹] (۵۶) کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ محرم اس شکار کا گوشت کھائے جس کو حلال نے شکار کیا ہو اور اس کو حلال ہی نے ذبح کیا ہو۔ جبکہ محرم نے ذبح نہ کیا ہو اور نہ اس کے شکار کرنے کا حکم دیا ہو۔

تشریح محرم اس شکار کا گوشت کھا سکتا ہے جس کو کسی حلال نے شکار کیا ہو اور حلال ہی نے ذبح کیا ہو بشرطیکہ محرم نے نہ اس کو ذبح کیا ہو اور نہ

یدل علیه المحرم ولا امرہ بصیدہ [۷۷۰] (۵۷) و فی صید الحرم اذا ذبحه الحلال الجزاء [۷۷۱](۵۸) وان قطع حشیش الحرم او شجرۃ الذی لیس بمملوک ولا ھو مما

محرم نے اس کو شکار کرنے کا حکم دیا ہو اور نہ شکار کرنے کا اشارہ کیا ہو۔

وجہ شکار ذبح ہونے کے بعد اب شکار نہیں رہا بلکہ گوشت ہو گیا۔ اور محرم کے لئے گوشت کھانا جائز ہے اس لئے شکار کا گوشت کھا سکتا ہے (۲) ابو قتادہ والی حدیث میں ہے کہ انہوں نے ذبح کر کے حضور کی خدمت میں گوشت پیش کیا اور آپؐ نے اور صحابہ نے اس کو کھایا۔ حدیث میں ہے **عن عبد اللہ بن ابی قتادۃ قال انطلق ابی عام الحدیبیۃ ... قلت یا رسول اللہ اصبت حمار وحش وعندی منه فاضلۃ فقال للقوم کلوا وھم محرمون** (الف) (بخاری شریف، باب واذا اصاد الحلال فاھدی للمحرم الصید اکلہ ص ۲۴۵ نمبر ۱۸۲۱ر مسلم شریف، باب تحریم الصید الماکول البری الخ نمبر ۱۱۹۶ر ۲۸۵۴) اس حدیث میں حلال نے شکار کیا تھا اور اسی نے ذبح کیا تھا اور گوشت محرم کو دیا اور آپؐ نے اس کے کھانے کو حلال قرار دیا۔

[۷۷۰] (۵۷) حرم کے شکار میں جبکہ اس کو حلال آدمی ذبح کرے تو بدلہ ہے۔

تشریح حرم کے اندر شکار محفوظ ہو جاتا ہے اس کو نہ محرم چھیڑ سکتا ہے اور نہ حلال آدمی چھیڑ سکتا ہے۔ اس لئے اگر حلال آدمی نے حرم کے شکار کو قتل کر دیا تو حلال آدمی پر اس کا بدلہ لازم ہوگا۔

وجہ حدیث میں ہے **عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال لا یعضد عضاھا ولا ینفر صیدھا ولا تحل لقطتھا الا لمنشد ولا یختلی خلاھا فقال عباس یا رسول اللہ الا الاذخر فقال الا الاذخر** (ب) (بخاری شریف، کیف تعرف لقطۃ اہل مکۃ ص ۳۲۸ نمبر کتاب اللقطۃ نمبر ۲۴۳۳ر مسلم شریف، باب تحریم مکۃ وتحریم صیدھا ص ۴۳۷ نمبر ۱۳۵۳) اس حدیث میں ہے کہ مکہ مکرمہ کے شکار کو بھگایا نہ جائے۔ اس لئے اس کے شکار کو ذبح کیا تو اس کا بدلہ لازم ہوگا (۲) **عن عطاء ان رجلا اغلق بابه علی حمامۃ وفرخیھا ثم انطلق الی عرفات ومنی فرجع وقد موتت فاتی ابن عمر فذکر له ذلک فجعل علیه ثلاثا من الغنم وحکم معه رجل** (ج) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی جزاء الحمام وما فی معناہ ج خامس ص ۳۳۷، نمبر ۱۰۰۰۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مکہ مکرمہ کے شکار کو قتل کرنے سے بدلہ لازم ہوگا۔

[۷۷۱] (۵۸) اگر حرم کے گھاس کو کاٹا یا اس کے درخت کو کاٹا جو مملوک نہیں ہے اور نہ ایسا ہے جس کو لوگ اگاتے ہوں تو اس پر اس کی قیمت

حاشیہ : (الف) میں نے کہا یا رسول اللہ! میں نے وحشی گدھا شکار کیا ہے اور میرے پاس کچھ بچا ہوا ہے۔ آپؐ نے قوم سے فرمایا کھاؤ حالانکہ وہ محرم تھے (ب) آپؐ نے فرمایا حرم کے کانٹوں کو نہ کاٹے۔ اس کے شکار کو نہ بھگائے، اس کے لقطے کو نہ اٹھائے مگر اعلان کرنے کے لئے نہ اس کا گھاس اکھیڑے۔ حضرت عباس نے کہا یا رسول اللہ! مگر اذخر گھاس تو آپؐ نے فرمایا مگر اذخر گھاس اکھاڑ سکتے ہو (ج) حضرت عطاء نے فرمایا ایک آدمی نے کبوتر اور اس کے دو بچے پر دروازہ بند کر دیا پھر عرفات اور منی چلا گیا پھر واپس آیا تو کبوتر مر چکے تھے۔ پس حضرت عبد اللہ بن عمر کے پاس آئے اور اس کا تذکرہ کیا تو حضرت ابن عمر نے اس پر تین بکریاں لازم کی اور ان کے ساتھ ایک آدمی نے بھی فیصلہ کیا۔

ینبته الناس فعلیه قیمته [۲۷۷](۵۹) وکل شیء فعله القارن مما ذکرنا ان فیه علی

لازم ہے۔

وجہ مسئلہ نمبر ۷۵ میں حدیث گزری (بخاری شریف نمبر ۲۴۳۳ رمسلم شریف نمبر ۱۳۵۳) جس میں تھا **ولا یختلی خلاها** یعنی حرم کی گھاس کو نہ اکھاڑا جائے۔اس لئے کہ اس کے درخت اور گھاس بھی محترم ہیں۔اس لئے اس کا گھاس اکھیڑا یا درخت کاٹا تو اس کی قیمت لازم ہوگی (۲) دوسری حدیث میں ہے **فلا یحل لامرء یومن بالله والیوم الآخر ان یسفک بها دما ولا یعضد بها شجرة** (الف) (مسلم شریف، باب تحریم مکة وتحریم صیدها وخلاها وشجرها ص ۴۳۸ نمبر ۱۳۵۴) اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ مکہ کے درخت اور گھاس نہ کاٹے جائیں (۳) **قال الشافعی من قطع من شجر الحرم شیئاجزاه حلالا کان او محرما فی الشجرة الصغیرة شاة وفی الکبیر بقرة.وعن عطاء فی الرجل یقطع من شجر الحرم قال فی القضیب درهم وفی الدوحة بقرة** یروی ھذا عن ابن الزبیر وعطاء (ب) (سنن للبیھقی، باب لاینفر صید الحرم ولا یعضد شجرة ولا یختلی خلاھا الا الاذخر ج خامس ص ۳۲۰، نمبر ۹۹۵۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حرم کے بڑے درخت کو کاٹا جائے تو گائے لازم ہوگی اور چھڑی وغیری کاٹی جائے تو ایک درہم لازم ہوگا۔

نوٹ ایسا درخت یا ایسی زراعت جو کسی کی مملوک ہو تو اس کو کاٹنے سے کچھ لازم نہیں ہوگا۔کیونکہ یہ بندے کی ملکیت ہوگئی۔اسی طرح امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ حرم کی گھاس چرا سکتا ہے۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن علی فی قصة حرم المدینة عن النبی ﷺ ... ولا یصلح لرجل ان یقطع منها شجرة الا ان یعلف رجل بعیره** (ج) (سنن للبیھقی، باب جواز الرعی فی الحرم ج خامس ص ۳۳۰، نمبر ۹۹۸۳) اس حدیث میں ہے کہ جانور کو چارہ کھلانے کے لئے گھاس کاٹا جا سکتا ہے۔

[۲۷۷](۵۹) ہر وہ کام جو قارن کرے جن کا میں نے ذکر کیا ان میں مفرد پر ایک دم ہے تو قارن پر دو دم ہیں۔ایک دم اس کے حج کے لئے اور ایک دم اس کے عمرہ کے لئے۔

تشریح جن کاموں میں مفرد بالحج پر ایک دم لازم ہوتا ہے ان جنایات میں قارن کو دو دم لازم ہوں گے۔

وجہ قارن بیک وقت دو احرام باندھے ہوئے ہیں۔ایک حج کا اور ایک عمرے کا۔اس لئے وہ بیک وقت گویا کہ دو احرام کی بے احترامی کرتے ہیں اس لئے اس پر دو دم لازم ہوں گے۔ایک حج کے احرام کے لئے اور دوسرا عمرہ کے احرام کے لئے۔

وجہ اثر میں ہے۔**قال مالک ومن قرن الحج والعمرة ثم فاته الحج فعلیه ان یحج قابلا ویقرن بین الحج والعمرة ویهدی هدیین هدیا لقرانه الحج مع العمرة وهدیا لمافاته من الحج** (موطا امام مالک ھدی من فاتہ الحج، ص ۴۰۶) اور مصنف

حاشیہ : (الف) جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لئے حلال نہیں ہے کہ حرم میں خون بہائے اور نہ وہاں کے درخت کاٹے (ب) امام شافعیؒ نے فرمایا جس نے حرم کے درخت کو کاٹا اس پر اس کا بدلہ ہے چاہے حلال ہو یا محرم، چھوٹے درخت میں بکری اور بڑے درخت میں گائے۔اور حضرت عطا سے روایت ہے جو حرم کے درخت کو کاٹے تو چھڑی میں ایک درہم ہے اور بڑے درخت میں گائے (ج) مدینہ کے حرم ہونے کے سلسلہ میں حضرت علی سے روایت ہے کہ آپ ؐ سے مروی ہے کہ...کسی آدمی کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کے درخت کاٹے مگر یہ کہ آدمی اپنے اونٹ کو چرا سکتا ہے۔

المفرد دما فعلیه دمان دم لحجته ودم لعمرته[۷۷۳] (۶۰) الا ان یتجاوز المیقات من غیر احرام ثم یحرم بالعمرہ والحج فیلزمہ دم واحد[۷۷۴] (۶۱) واذا اشترک محرمان فی قتل صید الحرم فعلی کل واحد منہما الجزاء کاملا[۷۷۵] (۶۲) واذا اشترک حلالان فی قتل صید الحرم فعلیہما جزاء واحد [۷۷۶](۶۳) واذا باع المحرم صیدا او

ابن ابی شیبۃ میں ہے۔عن ابراھیم قال ھدیان (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۱۸ ما یجب علیہ من الھدی اذا جمع بینھما فاحصر، ج ثالث ،ص ۱۳۳، نمبر ۱۲۷۹۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ قارن پر دو ہدی ہے۔

[۷۷۳] (۶۰) مگر یہ کہ میقات سے بغیر احرام کے گزر جائے پھر عمرہ اور حج کا احرام باندھے تو اس کو ایک ہی دم لازم ہوگا۔

وجہ اس صورت میں ایک ہی دم اس لئے لازم ہے کہ میقات سے گزرتے وقت وہ قارن نہیں تھا۔قارن تو بعد میں بنا ہے اور بعد میں حج اور عمرہ کا احرام باندھا ہے اس لئے میقات سے بغیر احرام کے گزرنے کا ایک دم لازم ہوگا۔

[۷۷۴] (۶۱) اگر دو محرم ایک شکار کے قتل میں شریک ہو جائے تو ان دونوں میں سے ہر ایک پر پورا پورا بدلہ لازم ہوگا۔

وجہ (۱) یہاں احرام کے احترام کی وجہ سے شکار کا بدلہ لازم ہوتا ہے اور دونوں کا احرام ہے اور دونوں نے اپنے اپنے احرام کی بے احترامی کی ہے اس لئے دونوں پر الگ الگ پورا پورا دم لازم ہوگا۔ چاہے شکار ایک ہی ہو(۲) مسئلہ نمبر ۳۷ میں حدیث گزری کہ اگر شکار کے لئے اشارہ بھی کیا اور دوسرے حلال نے اس کو قتل کیا تو محرم پر بدلہ لازم ہے۔ یہاں تو اشارہ سے بڑھ کر شکار کے قتل کرنے میں شریک ہوا اس لئے بدرجۂ اولی شکار کا بدلہ لازم ہوگا(۳) اثر میں ہے قال مالک فی القوم یصیبون الصید جمیعا وھم محرمون او فی الحرم قال اری ان کل انسان منھم جزاء ان حکم علیھم بالھدی فعلی کل انسان منھم ھدی (الف)(موطا امام مالک، باب جامع الفدیۃ ص ۲۵۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ہر ایک محرم پر الگ الگ شکار کا بدلہ لازم ہوگا۔

[۷۷۵] (۶۲) اگر دو حلال حرم کے شکار کے قتل میں شریک ہوئے تو دونوں پر ایک ہی بدلہ ہے۔

وجہ یہاں دونوں حلال ہیں اس لئے احرام کی وجہ سے بدلہ نہیں ہے بلکہ حرم کے احترام میں شکار کا بدلہ لازم ہے۔اس لئے محل ایک ہے اس لئے دونوں حلال پر ایک شکار کا بدلہ لازم ہوگا اور دونوں پر آدھا آدھا بدلہ ہوگا۔

اصول محل ایک ہو تو ایک بدلہ لازم ہوتا ہے۔

[۷۷۶] (۶۳) اگر محرم نے شکار بیچا یا خریدا تو بیع باطل ہے۔

وجہ احرام کی وجہ سے محرم شکار کا مالک ہی نہیں بنا اور نہ بن سکے گا اس لئے اس کا خریدنا یا بیچنا باطل ہے(۲) حدیث میں اس کا اشارہ موجود ہے

حاشیہ : (الف) حضرت امام مالکؒ نے فرمایا تمام ہی قوم نے شکار پر حملہ کیا اور وہ محرم تھے یا شکار حرم میں تھا تو فرمایا میں سمجھتا ہوں ہر ایک پر بدلہ لازم ہے۔اگر ان پر ہدی کا فیصلہ کیا جائے تو ہر ایک پر ہدی لازم ہوگی۔

ابتاعه فالبيع باطل.

عن الصعب بن جثامة الليثى انه اهدى لرسول الله ﷺ حمارا وحشيا وهو بالابواء اوبودان فرده عليه فلما راى ما فى وجهه قال انا لم نرده عليك الا انا حرم (ب)(بخاری شریف، باب اذا اهدی للمحرم حمراوحشیالم یقبل ص۲۴۶نمبر۱۸۲۵)اس حدیث میں ہے کہ آپ کو وحشی گدھا زندہ ہدیہ دیا گیا تو آپؐ نے صرف اس وجہ سے اس کو قبول نہیں کیا کہ آپ محرم تھے۔اس سے اشارہ ملتا ہے کہ محرم شکار کا مالک نہیں ہوتا۔اس لئے یہ نہ بیع کر سکتا ہے اور نہ اس کو خرید سکتا ہے(۲) ہدیہ میں لیکر بھی مالک بنتا ہے اور خریدنے سے بھی مالک بنتا ہے اس لئے جب ہدیہ میں قبول کر کے مالک نہیں بنا تو خرید کر کے بھی مالک نہیں بن سکتا۔

حاشیہ : (الف) صعب بن جثامہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور کو وحشی گدھا مقام ابواء یا مقام ودان میں ہدیہ دیا تو آپؐ نے اس کو واپس کر دیا۔پس جب اس کے چہرے پر غمگینی کے اثرات دیکھے تو آپؐ نے فرمایا کہ اس کو آپ پر واپس نہیں کیا مگر یہ کہ میں محرم ہوں۔

﴿ باب الاحصار ﴾

[۷۷۷](۱)اذا احصر المحرم بعدو او اصابه مرض یمنعه من المضی جاز له التحلل

﴿ باب الاحصار ﴾

ضروری نوٹ احصار حج یا عمرہ سے روک دیئے جانے کو کہتے ہیں۔اس کی دلیل یہ آیت ہے **واتموا الحج والعمرة لله فان احصرتم فما استیسر من الهدی ولا تحلقوا رؤوسکم حتی یبلغ الهدی لمحله** (الف)(آیت ۱۹۶ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ احصار ہو جائے تو ہدی بیت اللہ بھیجے اور حلال ہو جائے (۲) حدیث احصار کی دلیل یہ ہے **فقال ابن عباس قد احصر رسول الله فحلق رأسه وجامع نسائه ونحر هدیه حتی اعتمر عاما قابلا** (ب)(بخاری شریف، باب اذا احصر المعتمر ص ۲۴۳ نمبر ۱۸۰۹) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عمرہ میں احصار ہو سکتا ہے۔کیونکہ حضور کو صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار قریش نے روکا تھا اور عمرہ سے احصار کیا تھا۔

[۷۷۷](۱) جب محرم دشمن کی وجہ سے محصر ہو جائے یا اس کو مرض لاحق ہو جائے جو اس کو آگے بڑھنے سے روک دے تو جائز ہے اس کو حلال ہونا۔اور اس کو کہا جائے گا کہ بکری بھیجو جو حرم میں ذبح کی جائے۔

تشریح احصار دشمن کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے اور مرض کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے۔بہر حال کسی وجہ سے بھی اعمال حج یا عمرہ ادا نہ کر سکتا ہو تو احصار ہوگا۔اب اس کے لئے یہ ہے کہ بکری حرم بھیجے جو وہاں ذبح کی جائے۔یا کسی جانے والے کو بکری دیدے اور متعین دن میں ذبح کرنے کا وعدہ کروالے اور اس دن محصر حلال ہو جائے۔

وجہ جس طرح دشمن سے احصار ہوتا ہے اسی طرح مرض سے بھی احصار ہوتا ہے۔اس کی دلیل یہ حدیث ہے **سمعت الحجاج ابن عمرو الانصاری قال قال رسول الله ﷺ من کسر او عرج فقد حل وعلیه الحج من قابل قال عکرمة فسألت ابن عباس وابا هریرة عن ذلک فقالا صدق وفی روایة آخر او مرض** (ج)(ابو داؤد شریف، باب الاحصار ص ۲۶۴ نمبر ۱۸۶۲/ ترمذی شریف، باب ماجاء فی الذی یھل بالحج فیکسر او یعرج ص ۱۸۷ نمبر ۹۴۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صرف دشمن ہی کی وجہ سے نہیں بلکہ مرض اور پاؤں ٹوٹنے کی وجہ سے بھی احصار ہو سکتا ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک صرف دشمن کی وجہ سے احصار ہوتا ہے۔ان کی دلیل عمرہ اور صلح حدیبیہ کا واقعہ ہے جس میں صرف دشمن کفار مکہ کی وجہ سے احصار ہوا ہے (۲) **عن ابن عباس قال لا حصر الا حصر العدو** (د)(سنن للبیھقی، باب من لم یر الا حلال بالا حصار بالمرض ج

حاشیہ : (الف) حج اور عمرہ کو پورا کرو۔پس اگر تم روک دیئے گئے تو جو ہدی آسان ہو۔اور سر کا حلق مت کراؤ یہاں تک کہ ہدی اپنی جگہ تک پہنچ جائے (ب) ابن عباس نے فرمایا حضور کو احصار کیا تو آپؐ نے اپنا سر حلق کرایا۔اور اپنی بیوی سے جماع کیا اور ہدی کا نحر کیا یہاں تک کہ اگلے سال عمرہ کیا۔(ج) آپؐ نے فرمایا جس کا کچھ ٹوٹ گیا یا لنگڑا ہو گیا تو حلال ہو جائے اور اس پر اگلے سال حج ہے۔حضرت عکرمہ نے فرمایا میں نے ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ کو اس بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ سچ فرمایا (د) ابن عباس نے فرمایا حصر نہیں ہے مگر دشمن کی جانب سے حصر ہو سکتا ہے۔

وقیل له ابعث شاة تذبح فی الحرم.

خامس ص۲۱۹)اس اثر سے معلوم ہوا کہ صرف دشمن سے حصر ہوتا ہے۔ بکری حرم میں ذبح ہو تب احرام کھولے اس کی دلیل یہ آیت ہے **فان احصرتم فما استیسر من الهدی ولا تحلقوا رؤوسکم حتی تبلغ الهدی محله** (آیت ۱۹۶ سورۃ البقرۃ ۲)اس آیت میں کہا گیا ہے کہ جب تک ہدی اپنی جگہ یعنی حرم میں نہ پہنچ جائے اپنا سر نہ منڈاواؤ۔ ہدی کی جگہ حرم ہے اس کی دلیل یہ آیت ہے **ومن قتله منکم متعمدا فجزاء مثل ماقتل من النعم یحکم به ذوا عدل منکم هدیا بالغ الکعبة** (الف)(آیت ۹۵ سورۃ المائدۃ ۵)اس آیت سے پتہ چلا کہ ہدی کعبہ تک پہنچے اور وہیں ذبح ہو۔ اس لئے احصار کی ہدی بھی حرم میں ذبح ہو تب حلال ہوگا (۲) حدیث میں ہے **یحدث ابی میمون بن مهران قال خرجت معتمرا ... فاتیت ابن عباس فسألته فقال ابدل الهدی فان رسول الله ﷺ امر اصحابه ان یبدلوا الهدی الذی نحروا عام الحدیبیة فی عمرة القضاء** (ب)(ابوداؤد شریف، باب الاحصار ص ۲۶۴ نمبر ۱۸۶۴)اس حدیث میں ہے کہ صحابہ نے صلح حدیبیہ میں جو قربانیاں حدیبیہ میں ذبح کی تھی اس کو دوبارہ ذبح کرنے کا حکم دیا۔ کیونکہ وہ قربانی ادا نہیں ہوئی۔ اس لئے حنفیہ کے نزدیک احصار کی ہدی حرم ہی میں ذبح کرنا ہوگا (۳) **عن ابن مسعود فی الذی لدغ وهو محرم بالعمرة فاحصر فقال عبد الله ابعثوا بالهدی واجعلوا بینکم وبینه یوم امار فاذا ذبح الهدی بمکة حل هذا قال ابو عبید قال الکسائی الامار العلامة** (ج)(سنن للبیھقی، باب من رای الاحلال بالاحصار بالمرض ج خامس ص ۳۶۱، نمبر ۱۰۱۰۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مکہ جانے والے کو ہدی دیدے اور کسی خاص دن کا وعدہ لے لے اور اس دن حلال ہو جائے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ ہے کہ جس جگہ محصر ہوا ہے اسی جگہ ہدی ذبح کردے، حرم بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے **وقال مالک وغیره ینحر هدیه ویحلق فی ای موضع کان ولا قضاء علیه لان النبی ﷺ واصحابه بالحدیبیة نحروا وحلقوا وحلوا من کل شیء قبل الطواف وقبل ان یصل الهدی الی البیت ثم لم یذکر ان النبی ﷺ امر احدا ان یقضی شیئا ولا یعودوا له والحدیبیة خارج من الحرم** (د)(بخاری شریف، باب من قال لیس علی المحصر بدل ص ۲۴۴ نمبر ۱۸۱۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جہاں احصار ہوا ہے وہیں ہدی ذبح کرے گا۔ کیونکہ صحابہ اور حضورؐ نے حدیبیہ میں ہدی ذبح کی اور حدیبیہ حرم میں نہیں

حاشیہ : (الف) اور جو تم میں سے جان کر شکار کو قتل کرے تو اس کا بدلہ اس کے مثل ہے جو قتل کیا جانور میں سے اس کا فیصلہ کرے دو انصاف ور آدمی ہدی جو کعبہ تک پہنچنے والی ہو (ب) ابی میمون بن مہران بیان فرماتے ہیں کہ میں عمرہ کے لئے نکلا... پس ابن عباس کے پاس آیا اور ان کو پوچھا، انہوں نے فرمایا ہدی کو بدلو اس لئے کہ حضورؐ نے اپنے صحابہ کو حکم دیا تھا کہ وہ ہدی بدل دیں جو نحر فرمایا تھا حدیبیہ کے سال عمرۃ القضا میں۔ یعنی دوبارہ ہدی ذبح کیا (ج) عبد الرحمٰن بن یزید نے فرمایا ہمارے ساتھ ایک آدمی نے عمرہ کا احرام باندھا۔ پس اس کو بچھو نے کاٹ لیا۔ پس کچھ سوار ظاہر ہوئے ان میں عبد اللہ بن مسعود تھے ان سے لوگوں نے پوچھا تو انہوں نے فرمایا۔ ہدی بھیجو اور تمہارے اور ان کے درمیان ایک دن متعین کرلو۔ پس جب وہ دن گزر جائے تو حلال ہو جائے (د) امام مالک اور ان کے علاوہ نے فرمایا ہدی نحر کرے اور جس جگہ چاہے حلق کرائے اور اس محصر پر قضا نہیں ہے۔ کیونکہ حضورؐ اور ان کے اصحاب نے حدیبیہ میں نحر کیا اور ہر چیز سے حلال ہوئے طواف سے پہلے۔ اور بیت اللہ تک ہدی پہنچنے سے پہلے۔ پھر کسی نے ذکر نہیں کیا کہ حضور نے کسی کو کچھ قضا کرنے کا حکم دیا ہو۔ اور نہ اس کی قضا کے لئے واپس ہوئے ہوں۔ اور حدیبیہ حرم سے باہر ہے۔

[۷۷۸](۲) وواعد من یحملها یوما بعینه یذبحها فیه ثم تحلل [۷۷۹](۳) فان کان قارنا بعث دمین[۷۸۰] (۴) ولا یجوز ذبح دم الاحصار الا فی الحرم[۷۸۱] (۵) ویجوز ذبحه قبل یوم النحر عند ابی حنیفة وقالا لا یجوز الذبح للمحصر الا فی یوم النحر

ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ حرم کے علاوہ میں احصار کی ہدی ذبح کی جا سکتی ہے۔

[۷۷۸] (۲) یا وعدہ کرائے اس آدمی کو جو بکری لے جائے ایک متعین دن کا جس میں بکری ذبح کرے پھر محصر حلال ہو جائے۔

تشریح محصر کسی آدمی کے ساتھ بکری حرم تک بھیجے اور اس سے وعدہ لے لے کہ کس دن اس بکری کو حرم میں ذبح کرے گا اس دن وہ حلال ہو جائے۔کیونکہ بکری ذبح ہونے سے پہلے حلال ہونا حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

وجہ کیونکہ آیت میں ہے **ولا تحلقوا رؤوسکم حتی یبلغ الھدی محلہ** (آیت ۱۹۶ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ جب تک ہدی ذبح نہ ہو سر مت منڈاؤ (۲) حدیث میں ہے کہ آپؐ نے پہلے ہدی نحر کی پھر حلق کروایا **عن المسور ان رسول اللہ ﷺ نحر قبل ان یحلق وامر اصحابہ بذلک** (الف) (بخاری شریف، باب النحر قبل الحلق فی الحصر ص ۲۴۳ نمبر ۱۸۱۱) اس حدیث میں آپ نے فرمایا پہلے ہدی کا نحر کرو پھر سر منڈواؤ۔اس لئے حنفیہ کے نزدیک پہلے نحر کرے پھر حلق کرائے (۳) اوپر عبد اللہ بن مسعود کا اثر گزرا جس میں ہے کہ جس کے ساتھ ہدی بھیجے اس سے متعین دن کا وعدہ لے لے، اور اس دن محصر حلال ہو جائے (سنن للبیہقی، نمبر ۱۰۱۰۱)

[۷۷۹] (۳) پس اگر محصر قارن ہو تو دو دم بھیجے۔

وجہ قارن دو احرام باندھے ہوئے ہے۔ایک احرام حج کا اور ایک احرام عمرے کا اس لئے دو احرام سے حلال ہونے کے لئے دو دم بھیجنا پڑے گا۔**قال مالک ومن قرن الحج والعمرة ثم فاته الحج فعلیه ان یحج قابلا ویقرن بین الحج والعمرة ویھدی ھدین ھدیا لقرانه الحج مع العمرة وھدیا لما فاته من الحج** (موطا امام مالک، باب ہدی من فاتہ ص ۴۰۶) (۲) دوسرے اثر میں ہے **عن ابراھیم قال ھدیان** (ب) مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۸ ما یجب علیہ من الھدی اذا جمع بینھما فاحصر، باب الاحصار ص ۵۹، ج ثالث، ص ۱۳۳، نمبر ۱۲۷۹۶) اس اثر میں ہے کہ قارن محصر ہو جائے تو دو ہدی لازم ہوگی۔

[۷۸۰] (۴) اور نہیں جائز ہے احصار کے دم کا ذبح کرنا مگر حرم میں۔

تشریح احصار کا دم حرم میں ذبح کرے، اس کے علاوہ میں ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوگا۔

وجہ اوپر گزر چکی ہے آیت بھی اور حدیث بھی۔**ولا تحلقوا رؤوسکم حتی یبلغ الھدی محلہ** (آیت ۹۶، سورۃ البقرۃ ۲)

[۷۸۱] (۵) اور جائز ہے احصار کی ہدی کا ذبح کرنا یوم النحر سے پہلے ابو حنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا حج کے محصر کی ہدی کو ذبح کرنا جائز نہیں ہے مگر دسویں ذی الحجہ کو۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے حلق کرنے سے پہلے نحر فرمایا اور صحابہ کو بھی اس کا حکم فرمایا (ب) حضرت ابراہیم نے فرمایا قارن پر دو ہدی ہیں۔

[۷۸۲](۶) ویجوز للمحصر بالعمرة ان یذبح متی شاء [۷۸۳](۷) والمحصر بالحج

تشریح حج کے احرام میں محصر ہوا تو دسویں ذی الحجہ سے پہلے بھی ہدی ذبح کرسکتا ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین فرماتے ہیں کہ حج کے احرام میں محصر ہوا تو دسویں ذی الحجہ سے پہلے ہدی ذبح نہیں کرسکتا ہے۔

وجہ ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ ایک قسم کا دم کفارہ ہے۔ اسی وجہ سے اس کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے۔ اور دم کفارہ حرم کے ساتھ تو خاص ہے، کسی متعین دن کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ اس لئے دسویں ذی الحجہ کے ساتھ خاص نہیں ہوگا۔ اور صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح دم قران اور دم تمتع دسویں ذی الحجہ کے ساتھ خاص ہے کہ اس سے پہلے ان کا ذبح کرنا جائز نہیں اسی طرح حج کا دم احصار بھی دسویں ذی الحجہ کے ساتھ خاص ہوگا کہ اس سے پہلے اس کا ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔

[۷۸۲](۶) اور عمرہ کے محصر کے لئے جائز ہے کہ ہدی ذبح کرے جب چاہے۔

وجہ عمرہ کسی زمانے میں ہوسکتا ہے اس لئے اس کا احصار ہوا تو اس کی ہدی جب چاہے ذبح کرسکتا ہے۔ دسویں ذی الحجہ کے ساتھ خاص نہیں ہے (۲) حضورؐ اور صحابہ صلح حدیبیہ کے موقع پر محصر ہوئے تو اسی وقت ہدی ذبح کردیا جبکہ یہ احصار ذی قعدہ میں تھا (بخاری شریف نمبر ۱۷۷۸) **کم اعتمر النبی ﷺ ؟ قال اربع : عمرة الحدیبیة فی ذی القعدة حیث صده المشرکون** (بخاری شریف، باب کم اعتمر النبیؐ، نمبر ۱۷۷۸)

[۷۸۳](۷) حج کا محصر اگر حلال ہوجائے تو اس پر حج ہے اور عمرہ ہے۔

تشریح حج کا احرام باندھا تھا اور احصار ہوگیا تو حج کے احصار کے بعد عمرہ کرے اور عمرہ نہ کرسکا تو آئندہ عمرہ کرے اور حج کے بدلے حج کی قضا کرے۔ تو گویا کہ حج کا محصر حج بھی کرے گا اور عمرہ بھی کرے گا۔

وجہ **قال مالک وقد امر بن الخطاب ابا ایوب الانصاری وھبار بن الاسود حین فاتھما الحج واتیا یوم النحر ان یحلا بعمرة ثم یرجعان حلالا ثم یحجان عاما قابلا ویھدیان فمن لم یجد فصیام ثلثة ایام فی الحج و سبعة اذا رجع الی اھله** (موطا امام مالک، باب ماجاء فیمن احصر بغیر عدو ص ۳۷۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حج فوت ہوجائے اور محصر مکہ مکرمہ میں ہو اور عمرہ کرسکتا ہو تو عمرہ کرکے حلال ہوجائے اور آئندہ سال حج قضا کرے۔ عمرہ کی قضا کی دلیل یہ حدیث ہے **عن عائشة قالت خرجنا مع النبی ﷺ ... ارسلنی النبی مع عبد الرحمن بن ابی بکر الی التنعیم فاعتمرت فقال ھذه مکان عمرتک** (الف) (بخاری شریف، باب کیف تفعل الحائض والنفساء ص ۲۱۱ نمبر ۱۵۵۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عمرہ چھوٹ جائے تو قضا کرنا ہوگا (۳) حدیث میں ہے **عن ابن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال من وقف بعرفات بلیل فقد ادرک الحج ومن فاته عرفات بلیل فقد فاته الحج فلیحل بعمرة وعلیه الحج من قابل** (ب) (دار قطنی، کتاب الحج ج ثانی ص ۲۱۲ نمبر ۲۴۹۶ رسنن للبیھقی، باب ما

حاشیہ : (الف) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں حضور کے ساتھ نکلی... مجھ کو حضورؐ نے عبد الرحمٰن کے ساتھ تنعیم بھیجا، پس میں نے عمرہ کیا۔ پس آپؐ نے فرمایا یہ تیرے عمرہ کی جگہ پر ہے (ب) آپؐ نے فرمایا جو عرفات میں رات میں ٹھہرا ہو تو حج پالیا۔ اور جس سے رات تک میں عرفات فوت ہوگیا تو اس سے حج (باقی اگلے صفحہ پر)

اذا تحلل علیه حجة و عمرة[۷۸۴] (۸) وعلی المحصر بالعمرة القضاء.

یفعل من فاتہ الحج خامس ص ۲۸۴، نمبر ۹۸۲۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حج فوت ہو جائے تو عمرہ کر کے حلال ہو جائے اور آئندہ سال حج کرے۔

فائدہ امام مالکؒ کے نزدیک حج فرض ہو تو اس کی قضا ہے ورنہ نہیں۔ ان کی دلیل یہ اثر ہے **عن ابن عباس انما البدل علی من نقض حجه بالتلذذ فاما من حبسه عذر او غیر ذلک فانه یحل ولا یرجع واذا کان معه هدی وهو محصر نحره ان کان لا یستطیع ان یبعث به، وان استطاع ان یبعث به لم یحل حتی یبلغ الهدی محله، وقال مالک وغیره ینحره هدیه ویحلق فی ای موضع کان ولا قضاء علیه لان النبی ﷺ واصحابه بالحدیبیة نحروا وحلقوا وحلوا من شیء قبل الطواف وقبل ان یصل الهدی الی البیت ثم لم یذکر ان النبی ﷺ امر احدا ان یقضوا شیئا ولا یعودوا له والحدیبیة خارج من الحرم** (الف) (بخاری شریف، باب من قال لیس علی المحصر بدل ص ۲۴۳ نمبر ۱۸۱۳) اس اثر میں ہے کہ حضورؐ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر عمرہ چھوڑا اور بعد میں کسی کو قضا کرنے کا حکم نہیں دیا۔ اور کئی صحابہ ایسے تھے جو اگلے سال عمرہ کے لئے نہیں آ سکے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ قضا واجب نہیں تھی۔ اس لئے انہوں نے قضا نہیں کی۔

نوٹ حج فرض میں احصار ہو جائے تو بالاتفاق اس کی قضا لازم ہے۔

[۷۸۴] (۸) اور عمرہ کے محصر پر قضا لازم ہے۔

وجہ مسئلہ نمبر ۷ میں حضرت عائشہ کی حدیث گزری جس میں تھا **عن عائشة زوج النبی ﷺ قالت خرجنا مع النبی ﷺ فی حجة الوداع ... ارسلنی النبی ﷺ مع عبد الرحمن بن ابی بکر الی التنعیم فاعتمرت فقال هذه مکان عمرتک** (ب) (بخاری شریف، باب کیف تفعل الحائض والنفساء ص ۲۱۱ نمبر ۱۵۵۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عمرہ چھوٹ جائے تو عمرہ چاہے نفل ہے لیکن احرام باندھنے کے بعد واجب ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی قضا کرنی ہوگی۔ کیونکہ حضرت عائشہ نے عمرہ چھوڑا تھا تو آپؐ نے عمرہ کروایا اور فرمایا یہ اس عمرے کے بدلے میں ہے۔

فائدہ امام مالکؒ کا مسلک اور اس کے دلائل اوپر مسئلہ نمبر ۷ میں گزر گئے کہ حج فرض کے علاوہ کی قضا نہیں ہے۔ (بخاری شریف نمبر ۱۸۱۳)

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) فوت ہو گیا۔ اس لئے عمرہ کر کے حلال ہو جائے اور اس پر اگلے سال حج ہے (الف) حضرت ابن عباس نے فرمایا بدل اس پر ہے جس نے لذت اٹھانے کے لئے حج توڑا بہر حال جس کو عذر نے روک لیا یا اس کے علاوہ ہو وہ حلال ہو جائے اور واپس نہ لوٹے۔ اور اگر اس کے ساتھ ہدی ہو اور محصر ہو جائے تو اس کو نحر کر دے اگر اس کو حرم تک نہ بھیج سکتا ہو۔ اور اگر بھیج سکتا ہو تو نہ حلال ہو یہاں تک کہ ہدی اپنے محل تک پہنچ جائے۔ اور حضرت مالک اور ان کے علاوہ نے فرمایا ہدی کو نحر کرے اور جہاں چاہے حلق کرائے اور اس پر قضا نہیں ہے۔ اس لئے کہ حضورؐ اور ان کے صحابہ نے حدیبیہ میں نحر کیا اور حلق کرایا اور طواف سے پہلے ہر چیز سے حلال ہو گئے۔ اور بیت اللہ تک ہدی پہنچنے سے پہلے حلال ہو گئے۔ پھر کسی نے ذکر نہیں کیا کہ حضورؐ نے کسی کو کچھ قضا کرنے کا حکم دیا ہو اور نہ قضا کے لئے واپس لوٹے۔ اور حدیبیہ حرم سے باہر ہے (الف) مجھے حضورؐ نے عبد الرحمٰن کے ساتھ تنعیم تک بھیجا۔ پس میں نے عمرہ کیا، پس آپؐ نے فرمایا یہ تیرے عمرہ کی جگہ پر ہے۔

[۷۸۵] (۹) وعلی القارن حجة و عمرتان[۷۸۶] (۱۰) واذا بعث المحصر هدیا وواعد هم ان یذبحوه فی یوم بعینه ثم زال الاحصار فان قدر علی ادراک الهدی والحج لم یجز له التحلل ولزمه المضی[۷۸۷](۱۱) وان قدر علی ادراک الهدی دون الحج تحلل [۷۸۸](۱۲) وان قدر علی ادراک الحج دون الهدی جاز له التحلل استحسانا

---

[۷۸۵] (۹) اور قارن پر حج اور دو عمرے ہیں۔

تشریح قارن نے حج اور عمرے کا احرام ایک ساتھ باندھا ہے اس لئے جب وہ محصر ہوئے تو ایک عمرہ احصار کی وجہ سے لازم ہوگا اور ایک حج اور ایک عمرہ قران کی وجہ سے لازم تھے۔ اس لئے ایک حج اور دو عمرے لازم ہوئے۔

نوٹ حج فوت ہو جائے تو عمرہ کر کے حلال ہو اس کی دلیل مسئلہ نمبر ے میں گزر گئی (دار قطنی نمبر ۲۴۹۶ / بیہقی ج خامس ص ۲۸۴، نمبر ۹۸۲۰) **عن حماد فی رجل اهل بعمرة وحجة فاحصر قال یبعث بالهدی فاذا بلغ الهدی محله احل و علیه حجة و عمرتان وقال الحکم علیه حجة و ثلاث عمر** (مصنف ابی ابن شیبہ ۷ افی الرجل تجمع بین الحج والعمرۃ فیحصر ماعلیہ فی قابل ج ثالث، ص ۱۳۳، نمبر ۱۲۷۹۵)

[۷۸۶] (۱۰) اگر محصر نے ہدی بھیجی اور لوگوں سے وعدہ کروایا کہ اس کو متعین دن میں ذبح کرے گا پھر احصار زائل ہو گیا۔ پس اگر ہدی پانے پر اور حج پانے پر قدرت ہو تو اس کے لئے حلال ہونا جائز نہیں، اور اس کو آگے بڑھنا لازم ہے۔

تشریح محصر ہدی بھیج چکا ہے لیکن اس درمیان احصار زائل ہو گیا۔ اور حج اور ہدی دونوں پانے پر قادر ہے تو حلال نہ ہو بلکہ آگے بڑھے اور حج کرے اور ہدی بعد میں خود سے ذبح کرے۔

وجہ چونکہ اصل پر قادر ہو گیا اس لئے اب فرع پر عمل نہیں کرے گا۔

اصول اصل پر قادر ہو تو فرع پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

[۷۸۷] (۱۱) اور اگر ہدی پانے پر قدرت ہو لیکن حج پانے پر قدرت نہ ہو تو حلال ہو جائے۔

وجہ حج اصل ہے اور اصل پر قدرت نہیں ہوئی تو جا کر کیا کرے گا اس لئے اس کے لئے حلال ہونا جائز ہے۔

[۷۸۸] (۱۲) اور اگر حج کے پانے پر قدرت ہو نہ کہ ہدی پانے پر تو اس کے لئے حلال ہونا جائز ہے استحسانا۔

تشریح محصر کا احصار زائل ہو گیا اور حج تو پا سکتا ہے لیکن ہدی نہیں پا سکتا ہو تو اس کے لئے حلال ہونا جائز ہے۔ اگر چہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو حلال نہیں ہونا چاہئے اور جا کر حج کرنا چاہئے۔

وجہ کیونکہ اصل پر قادر ہے اور ہدی ایک فروعی چیز ہے جس پر قادر نہیں ہے اس لئے قیاس کا تقاضا ہے کہ اس کو حلال نہیں ہونا چاہئے بلکہ جا کر حج کر لینا چاہئے۔ لیکن ہدی یعنی مال کی بھی ایک حیثیت ہے اس لئے وہ ضائع نہ ہو اس لئے اس کے حلال ہونے کی گنجائش ہے، تاہم حلال نہ

[۷۸۹](۱۳) ومن احصر بمکة وھو ممنوع عن الحج والوقوف والطواف کان محصرا

[۷۹۰](۱۴) وان قدر علی ادراک احدھما فلیس محصر.

ہواور جا کر حج کرے تو بہتر ہے تا کہ احرام باندھ کر جس کام کا عہد کیا تھا وہ پورا کرے، اسی لئے مصنف نے فرمایا کہ استحسانا ایسا کرنا جائز ہے۔ قیاس کا تقاضا یہ نہیں ہے۔

[۷۸۹](۱۳) جو مکہ مکرمہ میں محصور ہو گیا اور وہ حج کرنے سے اور وقوف عرفہ کرنے سے اور طواف کرنے سے روک دیا گیا تو وہ محصر ہے

تشریح وقوف عرفہ کرنا اور طواف زیارت کرنا حج کے یہ دو ارکان اصل ہیں اور ان دونوں سے روک دیئے گئے تو مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے بھی محصر ہو جائے گا۔

وجہ (۱) کیونکہ وقوف عرفہ نہیں کیا تو حج نہیں ہوا اور طواف نہ کر سکا تو عمرہ کر کے بھی حلال نہیں ہو سکے گا تو گویا کہ وہ لوگ جو حل میں محصر ہوتے ہیں ان کی طرح محصر ہو گئے (۲) **سئل مالک عن من اھل من اھل مکة بالحج ثم اصابه کسر او بطن متخرق او امرأة تطلق قال من اصابه ھذا منھم فھو محصر یکون علیه مثل ما یکون علی اھل الآفاق اذا ھم احصروا** (الف) موطا امام مالک، باب ماجاء فیمن احصر بغیر عدو ص ۳۸۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اہل مکہ حج کرنے سے اور طواف کرنے سے روک دیئے گئے تو وہ بھی آفاقی کی طرح محصر ہوں گے۔

[۷۹۰](۱۴) اور اگر وقوف عرفہ یا طواف بیت اللہ کے پانے پر قدرت ہو تو محصر نہیں ہے۔

تشریح وقوف عرفہ کر سکتا ہو تو حج ہو گیا، اب طواف زیارت باقی ہے تو وہ کبھی بھی کر سکتا ہے، اس لئے گویا کہ وہ محصر نہیں ہے۔ اور اگر طواف بیت اللہ کر سکتا ہے اور وقوف عرفہ نہیں کر سکتا تو حج تو فوت ہو جائے گا لیکن عمرہ کا طواف اور سعی کر کے حلال ہو سکتا ہے۔ اس لئے اب اس کو احصار کی ہدی لازم نہیں ہوگی تو گویا کہ محصر نہیں ہوا۔ یہی مطلب ہے **فلیس بمحصر** کا کہ اس کو احصار کی ہدی لازم نہیں ہوگی۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کا حج ہو گیا اور وہ واقعی محصر نہیں ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک وقوف عرفہ، یا طواف دونوں میں سے ایک سے روک دیا جائے تو محصر ہوگا۔ ان کی دلیل مسئلہ نمبر ۱۳ میں اثر امام مالکؒ ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت مالکؒ سے پوچھا گیا جس نے اہل مکہ میں حج کا احرام باندھا پھر اس کا پاؤں ٹوٹ گیا یا پیچش ہو گئی یا عورت کو طلاق دیدی گئی؟ فرمایا ان میں جن کو یہ عوارض لاحق ہوں وہ محصر ہیں۔ ان پر ایسے ہی ہے جیسے آفاقی پر ہے جب آفاقی محصر ہو جائیں۔

﴿ باب الفوات ﴾

[۷۹۱](۱) ومن احرم بالحج ففاته الوقوف بعرفة حتى طلع الفجر من يوم النحر فقد فاته الحج[۷۹۲] (۲) وعليه ان يطوف ويسعى ويتحلل ويقضى الحج من قابل ولا دم عليه

﴿ باب الفوات ﴾

ضروری نوٹ حج کے فوت ہونے کو فوات کہتے ہیں۔

[۷۹۱](۱) جس نے حج کا احرام باندھا اور اس کا وقوف عرفہ فوت ہو گیا یہاں تک کہ دسویں ذی الحجہ کی فجر طلوع ہو گئی پس اس کا حج فوت ہو گیا

تشریح دسویں ذی الحجہ کی فجر طلوع ہونے سے پہلے پہلے وقوف عرفہ کر لینا چاہئے اس سے حج ہو جائیگا۔ اب وہ وہ طلوع فجر سے پہلے فوت ہو گیا تو اس کا حج فوت ہو گیا، وقوف عرفہ فرض ہونے کی دلیل یہ آیت ہے ثم افيضوا من حيث افاض الناس (آیت ۱۹۹ سورۃ البقرۃ ۲) حدیث میں ہے عن عروة بن مضرس ... فقال رسول الله من شهد صلوتنا هذه ووقف معنا حتى يدفع وقد وقف بعرفة قبل ذلك ليلا او نهارا فقد تم حجه (ترمذی شریف، باب ما جاء فی من ادرک الامام بجمع فقد ادرک الحج ص ۱۷۸ نمبر ۸۹۱/ ابو داؤد شریف، باب من لم یدرک عرفۃ، ص ۲۷۶، نمبر ۱۹۴۹)

[۷۹۲](۲) اور اس پر لازم ہے کہ طواف کرے اور سعی کرے اور حلال ہو جائے اور اگلے سال حج کرے اور اس پر حج چھوڑنے کا دم نہیں ہے

تشریح قاعدہ یہ ہے کہ جس سے حج فوت ہو جائے تو اگر وہ اعمال عمرہ یعنی طواف اور سعی کر سکتا ہو تو وہ کر کے حلال ہو جائے اور اگلے سال حج کرے۔ اور چونکہ عمرہ کر لیا تو اب اس پر ہدی ذبح کرنا لازم نہیں ہے۔ البتہ اگر عمرہ نہ کر پاتا تو ہدی لازم ہوتی۔

وجہ ان دونوں مسئلوں کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عمر ان رسول الله ﷺ قال من وقف بعرفات بليل فقد ادرک الحج ومن فاته عرفات بليل فقد فاته الحج فليحل بعمرة وعليه الحج من قابل (الف) (دار قطنی، کتاب الحج ج ثانی ص ۲۱۲ نمبر ۲۴۹۶) اور دوسری حدیث میں یہ عبارت ہے من ادرک عرفة قبل طلوع الفجر فی یوم النحر فقد تم حجه (ب) (دار قطنی، کتاب الحج، ج ثانی، ص ۲۱۲ نمبر ۲۴۹۴ / سنن للبیہقی، باب ادرک الحج بادراک عرفۃ قبل طلوع الفجر من یوم النحر ج خامس ص ۲۸۲، نمبر ۹۸۱۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کا وقوف عرفہ چھوٹ گیا تو حج فوت ہو گیا اب اس کو اعمال عمرہ کر کے حلال ہونا چاہئے۔ اس صورت میں اس پر ہدی لازم نہیں ہوگی۔ اور عمرہ کرنے پر ہدی لازم نہیں ہوگی کیونکہ مذکورہ حدیث میں ہدی کا تذکرہ نہیں ہے (۲) عمر ابن خطاب کے فیصلے میں یہ الفاظ ہیں ان هبار بن الاسود جاء يوم النحر وعمر ينحر ...ثم انحر هديا ان كان معك ثم احلقوا او قصروا وارجعوا (ج) (سنن للبیہقی، باب ما یفعل من فاتہ الحج، ج خامس، ص ۲۸۴، نمبر ۹۸۲۲) اس اثر میں ہے کہ اگر ہدی ہو تو ذبح کرو

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا جو عرفات میں رات میں ٹھہرے تو اس نے حج پالیا، اور جس سے رات میں عرفات فوت ہو گیا تو اس سے حج فوت ہو گیا۔ پس عمرہ کر کے حلال ہونا چاہئے۔ اور اس پر اگلے سال حج ہے (ب) جس نے دسویں تاریخ کی فجر طلوع ہونے سے پہلے عرفہ پالیا تو اس کا حج پورا ہو گیا (ج) ہبار بن اسود دسویں ذی الحجہ کو حضرت عمر کے پاس آئے اس حال میں کہ وہ اونٹ نحر کر رہے تھے... پھر ہدی نحر کرو اگر تمہارے پاس ہو، پھر حلق کراؤ یا قصر کراؤ اور واپس ہو جاؤ۔

[۷۹۳](۳) والعمرۃ لا تفوت [۷۹۴](۴)وھی جائزۃ جی جمیع السنۃ الا خمسۃ ایام یکرہ فعلھا فیھا یوم عرفۃ و یوم النحر وایام التشریق[۷۹۵] (۵) والعمرۃ سنۃ

اور نہ ہوتو ذبح نہ کرو جس کا مطلب یہ ہے کہ اعمال عمرہ کرے تو حج فوت کرنے والے پر ہدی لازم نہیں ہے۔

[۷۹۳](۳)عمرہ فوت نہیں ہوتا ہے۔

تشریح حج کا معاملہ یہ ہے کہ نویں ذی الحجہ کو عرفات کا وقوف کرے گا تو حج ہوگا اور اس وقت عرفات کا وقوف نہ کرسکا تو اب حج نہیں ہوگا۔ اب آئندہ سال حج کا احرام باندھ کر پھر نویں ذی الحجہ میں وقوف کرے تو حج ہوگا۔ لیکن عمرہ کا معاملہ کسی دن کے ساتھ خاص نہیں ہے، وہ کسی دن میں بھی کرسکتا ہے۔ اس لئے عمرہ میں احصار تو ہوگا لیکن فوت نہیں ہوگا، وہ جب بھی ادا کرے گا ادا ہی ہوگا۔

[۷۹۴](۴)عمرہ جائز ہے پورے سال میں مگر پانچ دنوں میں کہ ان میں اس کا کرنا مکروہ ہے۔ عرفہ کا دن دسویں ذی الحجہ اور ایام تشریق کے تین دن۔

تشریح عمرہ پورے سال میں جائز ہے لیکن نویں ذی الحجہ، دسویں ذی الحجہ، گیارہویں ذی الحجہ، بارہویں ذی الحجہ اور تیرہویں ذی الحجہ کو گویا کہ پانچ دنوں میں عمرہ کرنا مکروہ ہے۔

وجہ (۱) اثر میں ہے **عن عائشۃ قالت حلت العمرۃ الدھر الا ثلاثۃ ایام یوم النحر ویومین من ایام التشریق** اور دوسرے اثر میں ہے **عن العمرۃ قال اذا مضت ایام التشریق فاعتمر متی شئت الی قابل** (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۸ فی العمرۃ من قال فی کل شھر ومن قال متی ماشئت ج ثالث، ص ۱۲۶، نمبر ۱۲۷۲۱/۱۲۷۲۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ایام تشریق میں عمرہ مکروہ ہے۔ اور اس کے بعد سارے سال میں جب چاہے عمرہ کرسکتا ہے۔

[۷۹۵](۵)عمرہ سنت ہے۔

وجہ عمرہ سنت ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے **عن جابر عن النبی ﷺ سئل عن العمرۃ اواجبۃ ھی قال لا وان یعتمروا ھو افضل** (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی العمرۃ اواجبۃ ھی ام لا ص ۱۸۶ نمبر ۹۳۱/ دار قطنی، کتاب الحج ج ثانی ص ۲۵۱ نمبر ۲۷۰۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عمرہ سنت ہے واجب نہیں ہے۔

فائدہ بعض اصحاب ظواہر اس کو واجب کہتے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن زید بن ثابت قال قال رسول اللہ ﷺ ان الحج والعمرۃ فریضتان لا یضرک بایھما بدأت** (ج) (دار قطنی، کتاب الحج ج ثانی ص ۲۵۰ نمبر ۲۶۹۲) (۲) **ان ابن عباس قال**

حاشیہ : (الف) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ پورے زمانے میں عمرہ حلال ہے مگر تین دن میں، دسویں ذی الحجہ اور ایام تشریق کے دو دن۔ دوسرے اثر میں ہے حضرت عمر فرماتے ہیں کہ جب ایام تشریق گزر جائیں تو اگلے سال تک جب چاہیں عمرہ کرتے رہیں (ب) آپؐ سے عمرہ کے بارے میں پوچھا گیا، کیا وہ واجب ہے؟ فرمایا نہیں، اور اگر عمرہ کرو تو زیادہ افضل ہے (ج) آپؐ نے فرمایا حج اور عمرہ دونوں فرض ہیں، کوئی حرج کی بات نہیں کس کو پہلے کریں حج کو یا عمرہ کو۔

[۷۹۶](۶) وھی الاحرام والطواف والسعی.

العمرة واجبة کوجوب الحج من الستطاع الیه سبیلا (الف)(دار قطنی، کتاب الحج ج ثانی ص ۲۵۰ نمبر ۲۶۹۴)اس حدیث اور اثر سے معلوم ہوا کہ عمرہ واجب ہے۔

نوٹ لیکن دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عمرہ سنت ہے اور پورے سال میں جائز ہے۔

[۷۹۶](۶)عمرہ کا احرام باندھنا، طواف کرنا اور سعی کرنا ہے۔

تشریح تین ارکان کے مجموعے کا نام عمرہ ہے (۱) احرام باندھے (۲) بیت اللہ کا سات شوط طواف کرے (۳) صفا اور مروہ کے درمیان سات مرتبہ سعی کرے۔ اسی تین چیز کے مجموعے کا نام عمرہ ہے۔

وجہ حدیث میں ہے عن عائشة زوج النبی ﷺ قالت خرجنا مع النبی فی حجة الوداع ... قالت فطاف الذین کانوا اھلوا بالعمرة بالبیت وبین الصفا والمروة ثم حلوا (ب)(بخاری شریف، باب کیف تھل الحائض والنفساء ص ۲۱۱ نمبر ۱۵۵۶)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عمرہ میں احرام باندھے اور طواف بیت اللہ کرے اور صفا اور مروہ کی سعی کرے۔ دوسری حدیث میں ہے حدثنا ابو نعیم حدثنا ابو شھاب ... فقال لھم احلوا من احرامکم بطواف البیت وبین الصفا والمروة و قصروا ثم اقیموا حلالا (ج)(بخاری شریف، باب التمتع والاقران والافراد بالحج ص ۲۱۳ نمبر ۱۵۶۸)اس حدیث میں بھی ہے کہ عمرہ میں طواف اور سعی کر کے حلال ہو جائے یہی اعمال عمرہ ہیں۔

حاشیہ : (الف) حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا عمرہ حج کی طرح واجب ہے جو اس کی طاقت رکھتا ہو (ب) حضرت عائشہ فرماتی ہیں ہم حضور کے ساتھ حجۃ الوداع میں نکلے ...فرمایا ان لوگوں نے بیت اللہ کا طواف کیا جنہوں نے عمرے کا احرام باندھا، اور صفا مروہ کی سعی کی، پھر حلال ہو گئے (ج) ابو شہاب نے حدیث بیان کی ...لوگوں سے کہا تمہارے عمرے کے احرام سے حلال ہو جاؤ۔ بیت اللہ کا طواف کر کے اور صفا مروہ کے درمیان سعی کر کے اور سر کا قصر کرا لو پھر حلال ہو کر ٹھہرے رہو۔

﴿ باب الهدی ﴾

[۷۹۷](۱) الهدی ادناه شاة وهو من ثلثة انواع من الابل والبقر والغنم [۷۹۸](۲) یجزئ فی ذلک کله الثنی فصاعدا الا من الضأن فان الجذع منه یجزئ فیه.

﴿ باب الہدی ﴾

ضروری نوٹ ہدی، جو جانور ذبح ہونے کے لئے حرم بھیجا جائے اس کو ہدی کہتے ہیں۔اس کا ثبوت اس آیت میں ہے **فاذا امنتم فمن تمتع بالعمرة الی الحج فما استیسر من الهدی** (الف) (آیت ۱۹۶ سورۂ بقرۃ ۲) اس آیت سے ہدی کا ثبوت ہوا۔

[۷۹۷](۱) ہدی کا ادنی بکری ہے اور وہ تین قسم پر ہے۔اونٹ، گائے اور بکری۔

وجہ چونکہ کسی حدیث میں بکری سے کم ہدی دینے کا ثبوت نہیں ہے اس لئے بکری ادنی ہے (۲) **اخبرنا ابو جمرة قال سألت ابن عباس عن المتعة فامرنی بها وسألته عن الهدی فقال فیها جزور او بقرة او شاة او شرک فی دم** (ب) (بخاری شریف، باب فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج فما استیسر من الهدی ص ۲۲۸ نمبر ۱۶۸۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اونٹ، گائے اور بکری ہدی ہیں۔یا اونٹ اور گائے کا ساتواں حصہ ہو۔

[۷۹۸](۲) ان تمام میں ثنی یا اس سے زیادہ عمر کا جانور کافی ہے مگر بھیڑ میں کہ اس کا جذع بھی ہدی میں کافی ہے۔

تشریح جانور کو جوانی کے دو دانت آنے کے بعد اس کو ثنی کہا جاتا ہے۔اور بھیڑ چھ ماہ کا ہو تو اس کو جذع کہتے ہیں۔ہدی اور قربانی میں تمام جانور کا ثنی ذبح کیا جائے گا لیکن بھیڑ میں اس کی گنجائش ہے کہ موٹا تگڑا ہو تو جذع یعنی دانت سے پہلے کا جانور بھی کافی ہوگا۔کیونکہ حدیث میں اس کی خصوصیت وارد ہوئی ہے۔

وجہ حدیث میں ہے **عن جابر قال قال رسول الله لاتذبحوا الامسنة الا ان یعسر علیکم فتذبحوا جذعة من الضأن** (ج) (ابو داؤد شریف، باب ما یجوز فی الضحایا من السن ج ثانی ص ۳۰ کتاب الضحایا نمبر ۲۷۹۷ رترمذی شریف، باب فی الجذع من الضأن فی الاضاحی، ص ۲۷۶ ابواب الاضاحی نمبر ۱۴۹۹ رمسلم شریف، باب سن الاضحیۃ نمبر ۵۰۸۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اور جانوروں میں ثنی ضروری ہے۔اور بھیڑ میں چھ ماہ کا بچہ جس کو جذع کہتے ہیں وہ بھی کافی ہوگا بشرطیکہ موٹا تگڑا ہو۔

لغت الثنی : نیا دانت آیا ہو، بکری دوسرے سال میں قدم رکھے تو ثنی ہوتی ہے۔گائے۔بھینس دو سال کے بعد تیسرے میں قدم رکھے تو ثنی ہوتی ہیں۔اونٹ چار سال پورے کر کے پانچویں سال میں قدم رکھے تو نیا دانت آتا ہے اور ثنی ہوتا ہے۔

حاشیہ : (الف) پس جب تم امن میں ہو جاؤ تو جس نے عمرے کو حج کے ساتھ ملا کر فائدہ حاصل کیا۔پس ہدی میں سے جو آسان ہو وہ دو (ب) میں حضرت ابن عباس سے تمتع کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے مجھے اس کا حکم دیا۔اور ان کو ہدی کے بارے میں پوچھا تو فرمایا اس میں اونٹ ہے یا گائے ہے یا بکری ہے یا جانور میں شرکت ہے (ج) آپؐ نے فرمایا مت ذبح کرو مگر مسنہ مگر تم پر تنگ دستی ہو تو بھیڑ کا جذع ذبح کرو۔

[۷۹۹](۳) ولا یجوز فی الھدی مقطوع الاذن ولا اکثر ھا ولا مقطوع الذنب ولا مقطوع الید ولا الرجل ولا ذاھبة العین ولا العفجاء ولا العرجاء التی لا تمشی الی

[۷۹۹](۳) نہیں جائز ہے ہدی میں کان مکمل کٹا ہوا اور نہ اس کا اکثر کٹا ہوا اور نہ دم کٹی ہوئی اور نہ ہاتھ کٹا ہوا اور نہ پاؤں کٹا ہوا اور نہ آنکھ گئی ہوئی اور نہ دبلا اور نہ لنگڑا جو مذبح تک نہ جا سکتا ہو۔

وجہ (۱) ہدی اللہ کے بارگاہ میں پیش ہوتی ہے اس لئے اچھا جانور ہو، عیب دار جانور انسان بھی پسند نہیں کرتا تو اللہ کی بارگاہ میں کیسے پیش کیا جائے؟ (۲) حدیث میں ہے **سألت براء بن عازب مالا یجوز فی الاضاحی فقال قام فینا رسول الله ... فقال اربع لاتجوز فی الاضاحی العوراء بین عورھا والمریضة بین مرضھا والعرجاء بین ظلعھا والکسیرة التی لا تنقی** (الف) (ابو داؤد شریف، باب ما یکرہ من الضحایا ج ثانی ص ۳۱ کتاب الضحایا نمبر ۲۸۰۲ / ترمذی شریف، باب مالا یجوز من الاضاحی ص ۳۶۴ نمبر ۱۴۹۷) دوسری حدیث میں ہے **قال اتیت عتبة بن عبد سلمی ... انما نھی رسول الله عن المصفرة والمستأصلة والبخقاء والمشیعة والکسراء، فالمصفرة التی تستاصل اذنھا حتی یبدو سماخھا ،والمستأصلة التی استؤصل قرنھا من اصله ، والبخقاء التی تبخق عینھا المشیعة التی لا تتبع الغنم عجفا و ضعفا والکسراء الکسیرة** (ب) (نمبر ۲۸۰۳) (۳) تیسری حدیث میں ہے **عن علی قال امرنا رسول الله ان نستشرف العین والاذن ولا نضحی بعوراء ولا مقابلة ولا مدابرة ولا خرقاء ولا شرقاء قال زھیر فقلت لابی اسحاق اذکر عضباء وقال لا قلت فما المقابلة ؟ قال یقطع طرف الاذن فقلت فما المدابرة ؟ قال یقطع من مؤخر الاذن قلت فما الشرقاء ؟ قال تشق الاذن قلت فما الخرقاء ؟ قال تخرق اذنھا للسمة** (ج) (ابو داؤد شریف، باب ما یکرہ من الضحایا ج ثانی ص ۳۱ / ۳۲ کتاب الضحایا نمبر ۲۸۰۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کان کٹا ہوا، دم کٹی ہوئی، ہاتھ کٹا ہوا۔ پاؤں کٹا ہوا، نابینا لنگڑا اور عضو کٹا ہوا یا خراب ہو تو قربانی اور ہدی میں نہیں چلے گا۔ اور تہائی سے کم ہو تو وہ چل جائے گا۔

نوٹ حدیث کے ترجمہ میں عیب کا ترجمہ بھی آ گیا ہے۔

حاشیہ : (الف) ہمارے درمیان حضور کھڑے ہوئے.. فرمایا چار جانور قربانی میں جائز نہیں (۱) کانا جس کا کانا پن ظاہر ہو (۲) بیمار جس کا مرض ظاہر ہو (۳) لنگڑا جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو (۴) اور اتنا بوڑھا کہ ہڈی ظاہر ہوتی ہو (ب) حضورؐ نے بالکل کان کٹے ہوئے جانور کی قربانی کرنے سے منع فرمایا (۲) اور جڑ سے سینگ نکلا ہوا (۳) اندھا (۴) دبلا (۵) کوئی عضو ٹوٹا ہوا جانور قربانی سے منع فرمایا، مصفرہ وہ ہے جس کا کان جڑ سے نکلا ہوا ہو یہاں تک کہ دماغ نظر آتا ہو، اور مستاصلہ وہ ہے جسکا سینگ جڑ سے نکلا ہوا ہو، اور بخقاء وہ ہے جس کی آنکھ اندھی ہو، اور مشیعہ وہ ہے جو دبلے پن کی وجہ سے بکریوں کے پیچھے نہ جا سکتا ہو، اور کسراء وہ ہے جس کا کوئی عضو ٹوٹا ہوا ہو (ج) ہم کو حضورؐ نے حکم دیا کہ آنکھ کو اور کان کو جھانک کر دیکھ لیں اور کانا جانور ذبح نہ کریں۔ اور نہ کنارے پر کٹے ہوئے کان والے کو، اور نہ پیچھے کٹے ہوئے کان والے کو، اور نہ پھاڑے ہوئے کان والے کو، اور نہ علامت کے لئے شگاف ڈالے ہوئے کان والے کو۔ زہیر نے ابو اسحاق سے پوچھا کیا عضباء کا ذکر کیا ہے؟ فرمایا نہیں۔ میں نے کہا مقابلہ کیا ہے؟ فرمایا کان کا کنارہ کٹا ہوا۔ میں نے کہا مدابرہ کیا ہے؟ فرمایا کان کا پچھلا حصہ کٹا ہوا۔ میں نے پوچھا شرقاء کیا ہے؟ فرمایا کان پھٹا ہوا ہو۔ میں نے کہا خرقاء کیا ہے؟ فرمایا علامت کے لئے کان پھاڑا ہو۔

المنسک[۸۰۰] (۴) والشاۃ جائزۃ فی کل شیء الا فی موضعین من طاف طواف الزیارۃ جنبا ومن جامع بعد الوقف بعرفۃ فانہ لا یجوز فیھما الا بدنۃ.

لغت العجفاء : جو بہت دبلا پتلا جانور ہو۔ العرجا : لنگڑا۔ المنسک : نسک سے مشتق ہے جہاں جانور ذبح کیا جاتا ہے۔

[۸۰۰] (۴) بکری ہر چیز میں جائز ہے مگر دو جگہوں میں (۱) جس نے طواف زیارت جنبی ہو کر کیا (۲) اور جس نے وقوف عرفہ کے بعد جماع کیا۔ پس ان دونوں میں اونٹ کے علاوہ جائز نہیں ہے۔

تشریح یہ دونوں مسئلے اوپر گزر چکے ہیں۔ جن کی تفصیل یہ ہے کہ طواف میں وضو اور طہارت شرط ہے لیکن اس کے برخلاف طواف زیارت جو فرض ہے اس کو جنابت کی حالت میں کیا اس لئے طواف تو ہو جائے گا لیکن اغلظ جنابت ہے اس لئے بکری کی بجائے اونٹ لازم ہوگا، اور بہتر یہ ہے کہ اس طواف کو دوبارہ لوٹا لے تو کچھ لازم نہیں ہوگا۔

وجہ طہارت کے بغیر طواف زیارت کیا ہو تو گویا کہ طواف کیا ہی نہیں اس لئے طواف زیارت جو اہم ہے اس میں اہم جانور اونٹ لازم ہوگا۔ طہارت کی وجہ یہ حدیث ہے۔ **عن ابن عباس ان النبی ﷺ قال الطواف حول البیت مثل الصلوۃ الا انکم تتکلمون فیہ فمن تکلم فیہ فلا یتکلم الا بخیر** (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الکلام فی الطّواف ص ۱۹۰ نمبر ۹۶۰ رنسائی شریف، باب اباحۃ الکلام فی الطّواف ج ثانی ص ۲۸ نمبر ۲۹۲۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طواف نماز کی طرح ہے۔ اور نماز بغیر طہارت کے نہیں ہوتی اس لئے طواف بھی بغیر طہارت کے نہیں ہوگا۔ اور کر لیا تو دم دینا ہوگا (۲) دوسری حدیث میں ہے **عن عائشۃ انھا قالت قدمت مکۃ وانا حائض ولم اطف بالبیت ولا بین الصفا والمروۃ قالت فشکوت ذلک الی رسول اللہ ﷺ فقال افعلی کما یفعل الحاج غیر ان لا تطوفی بالبیت حتی تطھری** (ب) (بخاری شریف، باب تقضی الحائض المناسک کلھا الا الطّواف بالبیت ص ۲۲۳ نمبر ۱۶۵۰) اس حدیث سے بھی پتہ چلا کہ بغیر طہارت کے طواف نہ کرے اور کیا تو دم یا صدقہ لازم ہوگا۔ البتہ چونکہ طواف کا درجہ نماز سے کم ہے اس لئے طواف کی ادائیگی ہو جائے گی۔ تاہم جب تک مکہ مکرمہ میں ہو تو اس طواف کو دوبارہ لوٹا لینا چاہئے پھر دم یا صدقہ لازم نہیں ہوگا۔ اور وقوف عرفہ کے بعد اور طواف زیارت سے پہلے جماع کرنے پر اونٹ لازم ہوگا۔ اس کی دلیل یہ اثر ہے **عن ابن عباس اتاہ رجل فقال وطئت امرأتی قبل ان اطوف بالبیت قال عندک شیء؟ قال نعم انی موسر قال فانحر ناقۃ سمینۃ فاطعمھا المساکین** (ج) (سنن للبیہقی، باب الرجل یصیب امرأتہ بعد التحلل الاول وقبل الثانی ج خامس ص ۲۷۹، نمبر ۹۷۹۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ طواف زیارت سے پہلے جماع کر لیا تو ایک اونٹ دینا ہوگا۔ اسی طرح دوسرے اثر میں ہے **عن ابن عباس انہ سئل عن رجل**

(الف) آپ نے فرمایا بیت اللہ کے گرد طواف نماز کی طرح ہے۔ مگر اس میں بات کرتے ہو۔ اس لئے جو بات کرے وہ خیر ہی کی بات کرے (ب) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں مکہ مکرمہ آئی اور حائضہ تھی۔ اور بیت اللہ کا طواف نہیں کیا تھا اور نہ صفا مروہ کے درمیان، فرمایا میں نے حضور سے اس کی شکایت کی تو فرمایا جیسا حاجی کرتے ہیں ویسا ہی کرو مگر یہ کہ بیت اللہ کا طواف نہ کرو جب تک پاک نہ ہو جاؤ (ج) حضرت ابن عباس کے پاس ایک آدمی آیا۔ کہا میں نے اپنی بیوی سے بیت اللہ کے طواف سے پہلے وطی کی۔ ابن عباس نے پوچھا تمہارے پاس کچھ ہے؟ کہا ہاں! میں مالدار ہوں۔ کہا موٹی اونٹنی ذبح کرو اور مسکین کو کھلاؤ۔

[۸۰۱](۵) والبدنة والبقرة یجزئ کل واحد منهما عن سبعة انفس اذا کان کل واحد من الشرکاء یرید القربة فاذا اراد احدھم بنصیبه اللحم لم یجز للباقین عن القربة

[۸۰۲](۲)و یجوز الاکل من ھدی التطوع والمتعة والقران

وقع علی اھله وھو محرم وھو بمنی قبل ان یفیض فامرہ ان ینحر بدنة قال الشافعی وبھذانا خذ قال مالک علیه عمرة وبدنة وحجة تامة (الف) (سنن للبیھقی، باب الرجل یصیب امرأته بعد التحلل الاول وقبل الثانی ج خامس ص ۲۸۰، نمبر ۹۸۰۳/ موطا امام مالک، باب ھدی من اصاب اھله قبل ان یفیض ص ۴۰۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ طواف زیارت سے پہلے جماع کر لیا تو اونٹ لازم ہوگا۔

[۸۰۱](۵) اونٹ اور گائے ان دونوں میں سے ہر ایک کافی ہے سات آدمیوں کی جانب سے جبکہ ہر ایک شریک قربت کا ارادہ رکھتا ہو۔ پس جبکہ ان میں سے ایک اپنے حصے سے گوشت کا ارادہ کیا ہو تو باقی کا بھی قربت سے کافی نہیں ہوگا۔

تشریح اونٹ اور گائے سات سات آدمیوں کی جانب سے کافی ہیں۔ اس سے زیادہ کی جانب سے نہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ تمام شرکاء نے قربت کی نیت کی ہو۔ مثلا ہدی یا قربانی یا عقیقہ ادا کرنا چاہتے ہوں، اگر ان میں سے ایک نے بھی گوشت کھانے کی نیت کی تو ایک کے فساد کی وجہ سے باقی شرکاء کا بھی فساد لازم آئے گا اور کسی کی بھی قربت یعنی ہدی یا قربانی یا عقیقہ ادا نہیں ہوگا۔

وجہ جانور ایک ہے اس لئے ایک حصہ دار کی خامی سے پورے جانور میں خامی آئے گی اور ایک حصہ کے قربت کی ادائیگی نہ ہونے سے کسی کی بھی قربت کی ادائیگی نہیں ہوگی۔ جیسے نماز کے ایک رکن کی کمی سے پوری نماز فاسد ہوتی ہے۔ ایک اونٹ میں سات آدمی اور ایک گائے میں سات آدمی شریک ہونے کی حدیث یہ ہے **عن جابر بن عبد اللہ قال نحرنا مع رسول اللہ ﷺ عام الحدیبیة البدنة عن سبعة والبقرة عن سبعة** (ب) (مسلم شریف، باب جواز الاشتراک فی الھدی واجزاء البدنة والبقرة کل واحدة منھما عن سبعة، کتاب الحج ص ۴۲۴ نمبر ۱۳۱۸/ ابو داؤد شریف، باب البقر والجزور عن کم تجزی ج ثانی ص ۳۲ نمبر ۲۸۰۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اونٹ اور گائے اور بھینس سات حصہ داروں کی جانب سے کافی ہو سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ کے نہیں۔

لغت نصیب : حصہ

[۸۰۲](۲) جائز ہے کھانا نفلی ہدی سے اور تمتع کی ہدی اور قران کی ہدی سے۔

تشریح نفلی ہدی، تمتع کی ہدی اور قران کی ہدی جرمانے کے طور پر نہیں ہیں بلکہ انعام اور خوشی کے طور پر ہین اس لئے ان کا گوشت خود ہدی کرنے والا کھا سکتا ہے۔ اور غرباء و مساکین کو بھی کھلا سکتا ہے۔

حاشیہ : (الف) ابن عباس سے ایک آدمی کے بارے میں پوچھا جس نے اپنی بیوی سے جماع کیا اس حال میں کہ وہ محرم تھا اور وہ منی میں تھا طواف زیارت سے پہلے تو اس کو حکم دیا کہ اونٹ نحر کرے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا ہم اسی کو لیتے ہیں۔ اور امام مالکؒ نے فرمایا اس پر عمرہ ہے اور اونٹ ہے اور حج مکمل ہو گیا (ب) جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور کے ساتھ حدیبیہ کے سال اونٹ کو سات آدمیوں کی جانب سے اور گائے کو سات آدمیوں کی جانب سے ذبح کیا۔

[۸۰۳](۷) ولا یجوز الاکل من بقیة الھدایا.

وجہ (۱) جیسے قربانی کا گوشت انعام کے طور پر ہے۔اس لئے اس کو خود کھا سکتا ہے اور غرباء و مساکین کو بھی کھلا سکتا ہے (۲) حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ہدی کے گوشت میں سے کھایا قال دخلنا علی جابر بن عبد اللہ فسأل عن القوم ... ثم انصرف الی المنحر فنحر ثلثا وستین بیدہ ثم اعطی علیا فنحر ما غبر و اشرکہ فی ھدیہ ثم ام من کل بدنة ببضعة فجعلت فی قدر فطبخت فاکلا من لحمھما و شربا من مرقھا (الف) (مسلم شریف، باب حجۃ النبی ص ۳۹۹ نمبر ۱۲۱۸/ابوداؤد شریف، باب صفۃ حجۃ النبی، ص ۲۷۱، نمبر ۱۹۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ نے ہدی کا گوشت کھایا اس لئے نفلی ہدی، قران اور تمتع کی ہدی کا گوشت کھانا جائز ہے۔اور جنایات اور شکار کے بدلے کا گوشت خود جنایت دینے والے کو کھانا جائز نہیں ہے۔اس کے لئے یہ اثر ہے عن ابن عمر لا یوکل من جزاء الصید و النذر ویوکل مما سوی ذلک وقال عطاء یأکل ویطعم من المتعة (ب) (بخاری شریف، باب اذ ابوانا لابراہیم مکان البیت ان لاتشرک بی شیئا ص ۲۳۲ نمبر ۱۷۱۹) (۳) عن ابن عباس انہ قال فی الحمامة شاة لایوکل منھا یتصدق بھا، روینا عنہ فی الذی یطأ امرأتہ قبل الطواف انحر ناقة سمینة فاطعمھا المساکین وروینا عن طاؤس وسعید بن جبیر انھما قالا لا یأکل من جزاء الصید ولا من الفدیة (ج) (سنن للبیہقی، باب لایأکل من کل ہدی کان اصلہ واجبا علیہ الخ ج خامس ص ۳۹۶، نمبر ۱۰۲۴۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جنایت کا بدلے کا گوشت خود نہ کھائے بلکہ مساکین کو کھلا دے۔

[۸۰۳] (۷) باقی ہدی کو کھانا جائز نہیں ہے۔

تشریح جنایت کا بدلہ، شکار کا بدلہ ان قسم کی ہدی کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے۔

وجہ یہ جرم ہیں دم انعام نہیں ہے اس لئے خود نہ کھائے ذبح کر کے غرباء و مساکین کو کھانے کے لئے چھوڑ دے۔دلیل مسئلہ نمبر ۶ میں گزر چکی ہے (بخاری شریف نمبر ۱۷۱۹) (۲) یہ حدیث بھی اسکی دلیل ہے حدثنی موسی بن سلمة الھذلی ... فقال یا رسول اللہ ﷺ کیف اصنع بما ابدع علی منھا قال انحر ھا ثم اصبغ نعلیھا فی دمھا ثم اجعلھا علی صفحتھا فلا تأکل منھا انت ولا احد من اھل رفقتک (د) (ابوداؤد شریف، باب فی الہدی اذا اعطب قبل ان یبلغ ص ۲۵۲ نمبر ۱۷۶۳/ترمذی شریف، باب ماجاء اذا عطب الھدی مایصنع بہ ص ۱۸۱ نمبر ۹۱۰/موطا امام مالک، باب فی الھدی اذا اعطب اوضل ص ۴۰۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنایات کی

حاشیہ : (الف) پھر حضور نحر کرنے کی جگہ کی طرف واپس لوٹے اور تریسٹھ اونٹ اپنے ہاتھ سے نحر فرمائے، پھر حضرت علی کو دیا پس انہوں نے باقی اونٹ نحر کئے، اور ہدی میں ان کو شریک کیا، پھر حکم دیا کہ ہر اونٹ کے گوشت کے ٹکڑے کو ہانڈی میں کیا جائے پھر سب کو پکایا گیا پھر دونوں نے اس کے گوشت کو کھایا اور اس کے شوربہ سے پیا (ب) ابن عمر سے منقول ہے کہ نہ کھایا جائے شکار کے بدلے کا گوشت اور نذر کی ہدی کا گوشت اور ان کے علاوہ کھایا جائے، اور حضرت عطا نے فرمایا تمتع کا گوشت کھائے اور دوسروں کو کھلائے (ج) حضرت ابن عباس نے فرمایا کبوتر کے بدلے میں ایک بکری ہے۔اس کو کھایا نہ جائے، اس کو صدقہ کر دیا جائے۔انہیں سے روایت ہے اس شخص کے بارے میں جو طواف سے پہلے وطی کرلے نحر کرے موٹا اونٹ اور اس کو مسکین کو کھلائے۔طاؤس اور سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ شکار کا بدلہ نہ کھائے اور نہ فدیہ کا بدلہ کھائے (د) پوچھا یا رسول اللہ! کیسے کروں اگر ہدی میں سے کچھ عیب دار ہو جائے؟ آپؐ نے فرمایا اس کو نحر کر دو پھر اس کے کھر کو اس کے خون میں رنگ دو، پھر کھر کو اس کی ایک جانب پر رکھ دو۔پھر تم اور تمہارے ساتھی میں سے کوئی اس کو نہ کھائے۔

[۸۰۴] (۸) ولا یجوز ذبح هدی التطوع والمتعۃ والقران الا فی یوم النحر[۸۰۵] (۹) ویجوز ذبح بقیۃ الھدایا فی ای وقت شاء [۸۰۶](۱۰) ولا یجوز ذبح الھدایا الا فی

ہدی ذبح کرکے چھوڑ دے اور خود نہ کھائے اور نہ اس کے ساتھی کھائے بلکہ غرباء کے لئے چھوڑ دے۔ کیونکہ پھاڑ کھانے والے جانوروں کے لئے چھوڑ نا اچھا نہیں ہے۔

[۸۰۴] (۸) نہیں جائز ہے نفلی، تمتع اور قران کی ہدی کا ذبح کرنا مگر دسویں ذی الحجہ کو۔

وجہ چونکہ رمی جمار کے بعد ہی نفلی ہدی، تمتع کی ہدی اور قران کی ہدی ذبح کرے گا اور وہ دسویں ذی الحجہ کو ہوگا اس لئے ان ہدی کو بھی دسویں ذی الحجہ ہی کو ذبح کرے گا (۲) آیت میں اس کا اشارہ موجود ہے **فکلوا منھا واطعموا البائس الفقیر ο ثم لیقضوا تفثھم ولیوفوا نذورھم ولیطوفوا بالبیت العتیق** (الف) (آیت ۲۹ سورۃ الحج ۲۲) اس آیت میں ہے کہ ہدی کا گوشت غرباء کو کھلاؤ پھر سر منڈواؤ اور بیت اللہ کا طواف کرو۔ تو سر منڈوانا دسویں ذی الحجہ کو ہوتا ہے اس لئے ہدی کو ذبح کرنا بھی دسویں ذی الحجہ کو ہوگا۔

[۸۰۵] (۹) اور باقی ہدی کو جب چاہے ذبح کرو۔

تشریح نفلی ہدی، تمتع کی ہدی اور قران کی ہدی کے علاوہ جو ہدی ہوں گی وہ جنایات کی ہدی، احصار کی ہدی اور شکار کے بدلہ کی ہدی ہوں گی۔ چونکہ یہ ہدی کسی دن کے ساتھ خاص نہیں ہے اس لئے کسی دن بھی ان کو ذبح کی جا سکتی ہیں۔ دسویں ذی الحجہ کے ساتھ خاص نہیں ہیں

وجہ حضور صلح حدیبیہ کے عمرہ کے موقع پر محصر ہوئے اور ہدی ذبح کی حالانکہ وہ دسویں ذی الحجہ کا دن نہیں تھا بلکہ ذی قعدہ کا دن تھا اس لئے معلوم ہوا کہ باقی ہدی کو کسی دن ذبح کر سکتا ہے۔

[۸۰۶] (۱۰) نہیں جائز ہے کسی ہدی کو ذبح کرنا مگر حرم میں۔

تشریح نفلی ہدی، تمتع کی ہدی، قران کی ہدی، شکار کا بدلہ ہدی، جنایات کی ہدی اور احصار کی ہدی ان سب کو حنفیہ کے نزدیک حرم ہی میں ذبح کرنا ضروری ہے۔

وجہ آیت میں ہے **ولا تحلقوا رؤوسکم حتی یبلغ الھدی محلہ** (ب) (آیت ۱۹۶ سورۃ البقرۃ) دوسری آیت میں ہے **یحکم بہ ذوا عدل منکم ھدیا بالغ الکعبۃ** (ج) (آیت ۹۵ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت سے پتہ چلا کہ ہدی کعبہ تک پہنچے اور وہاں ذبح ہو (۳) اثر میں ہے **قال مالک والذی یحکم علیہ بالھدی فی قتل الصید او یجب علیہ الھدی فی غیر ذلک فان ھدیہ لا یکون الا بمکۃ کما قال اللہ تعالی ھدیا بالغ الکعبۃ** (د) (موطا امام مالک، باب جامع الہدی ص ۴۰۹) اس اثر میں ہے کہ شکار

حاشیہ : (الف) ہدی سے کھاؤ اور فقیروں کو کھلاؤ اور گندگی کو ختم کرو اور اپنی نذر پوری کرو اور پرانے گھر کا طواف کرو (ب) سر مت منڈواؤ جب تک ہدی مقام تک نہ پہنچ جائے یعنی حرم نہ پہنچ جائے (ج) شکار کے بدلہ کا فیصلہ کریں گے دو انصاف ور آدمی ہدی کا جو کعبہ تک پہنچنے والی ہو (د) حضرت امام مالکؒ نے فرمایا جو ہدی کا فیصلہ کیا جائے شکار کے قتل میں یا اس پر ہدی واجب ہو اس کے علاوہ میں تو اس کی ہدی نہ ذبح ہو مگر مکہ مکرمہ میں، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہدی جو مکہ مکرمہ تک پہنچنے والی ہو۔

الحرم[۸۰۷] (۱۱) ویجوز ان یتصدق بھا علی مساکین الحرم وغیرھم [۸۰۸](۱۲) ولا یجب التعریف بالھدایا [۸۰۹] (۱۳) والافضل فی البدن النحر وفی البقرۃ والغنم

کا بدلہ یا اور جو ہدی واجب ہو وہ مکہ مکرمہ میں ذبح کی جائیں (۴) جانور کا ذبح کرنا اس وقت قربت ہوگا جبکہ وقت کے ساتھ خاص ہو جیسے قربانی کا جانور یا مکان کے ساتھ خاص ہو۔ یہاں زمانے کے ساتھ خاص نہیں ہے تو مکان یعنی حرم کے ساتھ خاص ہونا چاہئے۔

فائدہ امام مالکؒ کا مسلک پہلے گزر چکا ہے کہ احصار کی ہدی جہاں احصار ہوا ہو وہیں ذبح کردی جائے۔

وجہ کیونکہ صلح حدیبیہ کے موقع پر آپؐ نے اور صحابہ نے حدیبیہ میں ہدی ذبح کی اور حدیبیہ حرم سے باہر ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ احصار کی ہدی حرم سے باہر ذبح کرسکتا ہے۔ تفصیل مسئلہ نمبر ایک باب الاحصار میں گزر چکی ہے۔

[۸۰۷] (۱۱) اور جائز ہے حرم کے مسکینوں پر گوشت کو صدقہ کردے اور اس کے علاوہ کے مسکینوں پر بھی۔

تشریح کسی قسم کی ہدی کے گوشت کو حرم کے مسکینوں پر بھی صدقہ کرسکتے ہیں اور حرم کے علاوہ کے مسکینوں پر بھی صدقہ کرسکتے ہیں۔

وجہ آیت میں ہدی کے گوشت کو کھانے کے لئے عام رکھا ہے صرف حرم کے مساکین کی تخصیص نہیں کی ہے اس لئے دونوں قسم کے مساکین اس کے گوشت کھاسکتے ہیں۔ آیت ہے **فکلوا منھا واطعموا البائس الفقیر** (الف) (آیت ۲۹ سورۃ الحج ۲۲) اس آیت میں ہے کہ ہدی کا گوشت البائس اور فقیر کو کھلاؤ چاہے جہاں کا ہو (۲) فقیر کو کھلانا قابل ثواب ہے اس لئے مطلق فقیر داخل ہوگا۔

نوٹ حرم کے فقیر زیادہ محتاج ہوں تو ان کو کھلانا زیادہ افضل ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک حرم کے فقیروں کو کھلانا ہوگا۔

[۸۰۸] (۱۲) ہدی کو عرفات لے جانا واجب نہیں۔

وجہ جنایات، احصار اور شکار کے بدل کی ہدی تو کسی دن بھی ذبح کی جاسکتی ہے اس لئے ان کو عرفہ کے دن عرفات کیسے لے جاسکیں گے۔ البتہ نفلی ہدی، تمتع کی ہدی اور قران کی ہدی دسویں ذی الحجہ کو ذبح کی جائے گی اس لئے ان کو عرفات لے جانا ممکن ہے۔ بلکہ نعمت کی چیز ہے اس لئے ان کی تشہیر کی جاسکتی ہے۔ لیکن عرفات ساتھ لے جانا واجب نہیں ہے۔ کیونکہ ساتھ لے جانے میں مشکلات کا سامنا ہوسکتا ہے۔ البتہ اگر ان کو سنبھالنے والا نہ ہو تو ساتھ لے جائے۔

لغت التعریف : عرفات لے جانا

[۸۰۹] (۱۳) اونٹ میں افضل نحر کرنا ہے اور گائے اور بکری میں ذبح کرنا۔

تشریح آیت میں ہے **فصل لربک وانحر** (ب) (آیت ۲ سورۃ الکوثر ۱۰۸) اس میں حکم ہے کہ اونٹ کا نحر کرو (۲) حدیث میں ہے **عن انس قال صلی النبی ﷺ الظھر بالمدینۃ اربعا ... ونحر النبی ﷺ بیدہ سبعۃ بدن قیاما وضحی بالمدینۃ کبشین املحین اقرنین** (ج) (بخاری شریف، باب نحر البدن قائمۃ ص ۲۳۱ نمبر ۱۷۱۴) ابوداؤد شریف، باب کیف تنحر البدن ص ۲۵۳ نمبر

حاشیہ : (الف) اس ہدی سے کھاؤ اور مسکین کو کھلاؤ (ب) اپنے رب کے لئے نماز پڑھو اور نحر کرو (ج) آپؐ نے ظہر کی نماز مدینہ میں چار رکعت (باقی اگلے صفحہ پر)

الذبح[۸۱۰] (۱۴) والاولی ان یتولی الانسان ذبحها بنفسه اذا کان یحسن ذلک [۸۱۱](۱۵) ویتصدق بجلالها وخطامها ولا یعطی اجرۃ الجزار منها.

۱۷۶۷)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اونٹ کو کھڑا کر کے نحر کرنا افضل ہے۔اور اگر ذبح کر دیا تب بھی کافی ہے (۲) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بکرے کو ذبح کرے (۲) گائے کو ذبح کرے۔اس سلسلے میں یہ حدیث ہے **عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ ذبح عمن اعتمر من نسائه بقرة بیھن** (الف) (ابو داؤد شریف، باب فی ہدی البقر ص۲۵۱ نمبر ۱۷۵۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گائے کو ذبح کرے نحر نہ کرے۔

لغت النحر : اونٹ کے پاؤں کو الٹا باندھ دے اور اس کو کھڑا کرے اور اس کی گردن میں چھری مار کر کھانے کی نالی کو پھاڑ دے اس کو نحر کرنا کہتے ہیں۔

[۸۱۰] (۱۴) زیادہ بہتر یہ ہے کہ انسان خود ہدی ذبح کرے اگر یہ اچھا کر سکتا ہو تو۔

تشریح اگر اچھی طرح ذبح کر سکتا ہو تو زیادہ بہتر یہ ہے کہ آدمی خود اپنی ہدی اور قربانی ذبح کرے۔

وجہ اس میں عبادت کو احسن طریقہ سے ادا کر سکتا ہے (۲) حضورؐ نے خود ذبح کیا ہے **عن انس قال ضحی النبی ﷺ بکبشین املحین فرأته واضعا قدمه علی صفاحهما یسمی ویکبر فذبحهما بیده** (ب) (بخاری شریف، باب من ذبح الاضاحی بیدہ ص۸۳۴ کتاب الاضاحی نمبر ۵۵۵۸ رمسلم شریف باب استحسان الاضحیۃ وذبحھا مباشرۃ بلا توکیل ج ثانی ص ۱۵۵، کتاب الاضاحی نمبر ۱۹۶۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر خود اچھی طرح ذبح کر سکتا ہو تو خود جانور ذبح کرے۔اور کوئی مجبوری ہو تو دوسرے کو ذبح کرنے کا وکیل بنا سکتا ہے۔حضرت جابر کی لمبی حدیث میں اس کا تذکرہ ہے **دخلنا علی جابر بن عبد اللہ ... فنحر ثلاثا وستین بیدہ ثم اعطی علیا فنحر ما غبر واشرکه فی هدیه** (ج) (مسلم شریف، باب حجۃ النبی ص۳۹۹ نمبر ۱۲۱۸ رابو داؤد شریف، باب صفۃ حجۃ النبی ۲ص ۲۷۱ نمبر ۱۹۰۵) اس حدیث میں ہے کہ تریسٹھ اونٹ کے بعد باقی اونٹ حضرت علی کو نحر کرنے دیا اور ان کو نحر کرنے کا وکیل بنایا۔

[۸۱۱] (۱۵) اور ہدی کے جھول کو اور اس کی لگام کو صدقہ کرے اور قصائی کی اجرت ہدی سے نہ دے۔

تشریح قصائی کی اجرت ہدی کے گوشت یا اس کی کھال سے نہ دے۔

وجہ (۱) ہدی کا جانور صدقہ ہو گیا اس لئے اس میں سے کسی چیز کو اجرت میں نہ دے بلکہ صدقہ کر دے (۲) حدیث میں ہے **ان علیا اخبرہ ان النبی ﷺ امرہ ان یقوم علی بدنه وان یقسم بدنه کلها لحومها وجلودها وجلالها ولا یعطی فی جزارتها شیئا**

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) پڑھی... حضورؐ نے اپنے ہاتھ سے سات اونٹ ذبح کئے کھڑے کھڑے۔اور مدینہ میں دو چتکبرے، سینگ والے مینڈھے ذبح کئے (الف) آپؐ نے عمرہ کرنے والی بیویوں کی جانب سے گائے ذبح کی (ب) آپؐ نے دو چتکبرے مینڈھے ذبح کئے تو میں نے دیکھا کہ اپنے قدم کو ان کے پہلو پر رکھے ہوئے تھے۔پس بسم اللہ پڑھے اور تکبیر کہی۔اور دونوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح کئے (ج) آپؐ نے تریسٹھ اونٹ اپنے ہاتھ سے نحر کئے پھر حضرت علی کو دیا اور باقی ماندہ انہوں نے نحر کئے۔اور ان کو ہدی میں آپ نے شریک کیا۔

[۸۱۲] (۱۶) ومن ساق بدنة فاضطر الی رکوبها رکبها وان استغنی عن ذلک لم یرکبها
[۸۱۳] (۱۷) وان کان لها لبن لم یحلبها ولکن ینضح ضرعها بالماء البارد حتی ینقطع اللبن.

(الف) (بخاری شریف، باب یتصدق بجلو د الهدی ص ۲۳۲ نمبر ۱۷۱۷ مسلم شریف، باب الصدقة بلحوم الهدایا وجلودھا وجلالھا ص ۴۲۳ نمبر ۱۳۱۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہدی کا گوشت تقسیم کر دے اور اس کی کھال، جھول صدقہ کر دے اور قصائی کو ہدی میں سے اجرت نہ دے

لغت جلال : جھول۔ خطام : لگام۔ الجزار : قصائی۔

[۸۱۲] (۱۶) کسی نے اونٹ ہانکا پس اس پر سوار ہونے کے لئے مجبور ہوا تو اس پر سوار ہو جائے۔ اور اگر سوار ہونے سے بے نیاز ہو تو سوار نہ ہو

تشریح پس اگر اس پر سوار ہونے کی مجبوری نہ ہو تو اس پر سوار نہ ہو اور اگر مجبوری ہو جائے تو سوار ہو سکتا ہے۔

وجہ حدیث میں ہے **سمعت جابر بن عبد اللہ سئل عن رکوب الهدی؟ فقال سمعت النبی ﷺ یقول ارکبها بالمعروف اذا الجئت الیها حتی تجد ظهرا** (ب) (مسلم شریف، باب جواز رکوب البدنۃ المھداۃ لمن احتاج الیھا ص ۴۲۶ نمبر ۱۳۲۴ ابو داؤد شریف، باب فی رکوب البدن ص ۲۵۲ نمبر ۱۷۶۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مجبوری ہو تو دوسری سواری پانے تک مناسب انداز میں سوار ہو سکتا ہے۔ البتہ سوار ہونے کی ضرورت نہ ہو تو چونکہ وہ صدقہ کی چیز ہے اس لئے حتی الوسع اس سے فائدہ نہ اٹھائے۔

[۸۱۳] (۱۷) اور اگر ہدی کو دودھ ہو تو اس کو نہ دوہے۔ لیکن اس کے تھن پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے دے یہاں تک کہ دودھ منقطع ہو جائے

تشریح اگر ہدی دودھ دینے والی ہو اور دن ذبح کرنے کے قریب ہو تو اس کے تھن پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارے اس سے دودھ تھن میں سکڑ جائے گا۔ اور آہستہ آہستہ دودھ ختم ہو جائے گا۔ اور اگر ذبح کرنے میں بہت دن باقی ہو تو دودھ دوہ کر اس کو صدقہ کر دے۔ کیونکہ یہ صدقہ کا جانور ہے۔ اس لئے اس کی ہر چیز صدقہ میں جائے۔ اور اگر اس دودھ کو خود استعمال کیا تو اس کی قیمت صدقہ کرے۔

وجہ مسئلہ نمبر ۱۵ میں حدیث گزری ہے (بخاری شریف نمبر ۱۷۱۷ مسلم شریف نمبر ۱۳۱۷) کہ ہدی کی جھول، لگام وغیرہ صدقہ کرے۔ جب ہدی سے خارج چیز صدقہ کرے تو ہدی کا جزو بدرجہ اولی صدقہ کرے اور دودھ ہدی کا جزو ہے اس لئے اس کو صدقہ کرے (۲) اس کی تائید میں ایک اثر بھی ہے۔ **سمع رجلا من همدان سأل علیا عن رجل اشتری بقرة لیضحی بها فنتجت فقال لا تشرب لبنها الا فضلا** (ج) (سنن للبیہقی۔ باب لبن البدن لا یشرب ج خامس ص ۳۸۸، نمبر ۱۰۲۱۰) اس اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ دودھ صدقہ کر کے بچ جائے تو پیئے۔ تاہم اس کو استعمال نہ کرے صدقہ کر دے۔

حاشیہ : (الف) حضرت علی نے خبر دی کہ حضورؐ نے ان کو حکم دیا تھا کہ اونٹ کی نگرانی کرے اور تمام اونٹ کو تقسیم کرے ان کے گوشت کو، ان کی کھال کو اور ان کے جھول کو تقسیم کرے۔ اور ان کی گوشت بنائی میں کچھ نہ دے (ب) جابر بن عبد اللہ کو ہدی پر سوار ہونے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا میں نے حضورؐ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے مناسب انداز میں اس پر سوار ہو اگر آپ کو مجبوری ہو تو جب تک سواری نہ ملے (ج) ہمدان کے ایک آدمی نے حضرت علی کو پوچھا، ایک آدمی نے قربانی کرنے کے لئے گائے خریدی پس اس نے بچہ جن دیا؟ حضرت علی نے فرمایا اس کے دودھ کو مت پیو مگر جو باقی رہ جائے۔

[۸۱۴] (۱۸) ومن ساق هديا فعطب فان كان تطوعا فليس عليه غيره[۸۱۵] (۱۹) وان كان عن واجب فعليه ان يقيم غيره مقامه [۸۱۶](۲۰) وان اصابه عيب كثير اقام غيره مقامه وصنع بالمعيب ما شاء[۸۱۷](۲۱) واذا عطبت البدنة فى الطريق فان كان تطوعا نحرها وصبغ نعلها بدمها وضرب بها صفحتها ولم يأكل منها هو ولا غيره من

---

[۸۱۴] (۱۸) کسی نے ہدی ہانکی پس وہ ہلاک ہوگئی، پس اگر نفلی ہدی ہے تو اس پر اس کے علاوہ نہیں ہے۔

تشریح اگر نفلی ہدی ہو تو اس کے ہلاک ہونے پر اس کے بدلے میں دوسری لازم نہیں ہے۔

وجہ نفلی ہدی کا دینا پہلے بھی واجب نہیں تھا اس لئے ہلاک ہونے کے بعد بھی واجب نہیں رہے گا (۲) حدیث میں ہے عن ابن عمر قال قال رسول الله من اهدى بدنة تطوعا فعطبت فليس عليه بدل وان كان نذرا فعليه البدل (الف) (سنن للبیہقی، باب ما یکون علیہ البدل من الھد ایا اذا اعطب اوضل ج خامس ص ۳۹۹، نمبر ۱۰۲۵۷ رموطا امام مالک، باب فی الھدی اذا اعطب اوضل ص ۴۰۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفلی ہدی ہو تو ہلاک ہونے پر دوسری دینا لازم نہیں اور نذر اور بدل کی ہدی ہو یا واجب ہدی ہو تو اس کے بدلے میں دینا واجب ہے۔

[۸۱۵] (۱۹) اور اگر واجب ہدی ہو تو اس پر لازم ہے کہ دوسری ہدی اس کی جگہ لازم کرے۔

تشریح اگر واجب ہدی ہو اور ہلاک ہو جائے تو اس کی جگہ دوسری ہدی دینا لازم ہے۔

وجہ ہدی اس کے ذمہ واجب ہے اور ادائیگی نہیں ہوئی اس لئے ادائیگی کرنی ہوگی (۲) حدیث مسئلہ نمبر ۱۸ میں گزر گئی۔ وان كان نذرا فعليه البدل (سنن للبیہقی ج خامس ص ۳۹۹، نمبر ۱۰۲۵۷)

[۸۱۶] (۲۰) اور اگر ہدی میں عیب آ گیا ہو تو اس کی جگہ دوسری ہدی قائم کرے اور عیب دار کو جو چاہے کرے۔

وجہ ہدی میں اتنا عیب آ گیا ہو کہ اس عیب کی وجہ سے ہدی قربانی نہیں کی جا سکتی ہو اور ہدی واجب ہو تو اس کی جگہ دوسری ہدی دینا ضروری ہے۔ اور عیب دار ہدی اس کی ہوگئی اس لئے اس کو جو چاہے کرے۔

[۸۱۷] (۲۱) اگر اونٹ راستے میں تھک جائے پس اگر نفلی ہو تو اس کو نحر کر دے اور اس کے کھروں کو اسی کے خون سے رنگ دے اور اس کے شانے پر مار دے اور اس کو خود نہ کھائے اور نہ اس کے علاوہ مالدار لوگوں میں سے کھائے۔

تشریح ہدی کا اونٹ راستے میں ہلاک ہونے کے قریب ہو جائے۔ پس اگر وہ اونٹ نفلی ہدی تھا تو اس کو وہیں ذبح کر دے اور نشان کے لئے کہ یہ اونٹ نفلی ہدی کا ہے اور صرف غرباء کے لئے حلال ہے یہ کرے کہ اس کے کھروں کو اس کے خون سے رنگ دے۔ یا مطلب یہ ہے کہ اس کی گردن میں جو قلادہ ہے اس کو خون سے رنگ دے اور اس کو ہدی کی ایک جانب ڈال دے تا کہ لوگ سمجھ جائے کہ یہ نفلی ہدی ہے جو راستے میں

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا کسی نے نفلی اونٹ ہدی بھیجا، وہ تھک گیا تو اس پر بدل نہیں ہے۔ اور اگر نذر کی ہو تو اس پر بدل ہے۔

الاغنیاء[۸۱۸] (۲۲) وان کانت واجبة اقام غیرھا مقامھا وصنع بھا ماشاء[۸۱۹] (۲۳)

ہلاک ہونے کے قریب ہوگئی تھی۔ جس کی وجہ سے اس کو ذبح کر دیا اور اب صرف غرباء کے لئے حلال ہے۔

وجہ یہ ہدی نفلی تھی اس لئے اگر حرم میں پہنچ کر ذبح ہوتی تو خود ذبح کرنے والا کھا سکتا تھا لیکن حرم میں پہنچنے سے پہلے ذبح ہوئی تو ایک قسم کی جنایت ہوگئی اس لئے اس کو صرف غرباء کھائیں گے (۲) حدیث میں ہے **عن ابن عباس قال بعث رسول اللہ ﷺ فلانا الاسلمی وبعث معه بثمان عشرة بدنة فقال ارایت ان ازحف علی منھا شیء قال تنحرھا ثم تصبغ نعلھا فی دمھا ثم اضربھا علی صفحتھا ولا تأکل منھا انت ولا احد من اصحابک او قال من اھل رفقتک** (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی الھدی اذا اعطب قبل ان یبلغ ص ۲۵۲ نمبر ۱۷۶۳ر ترمذی شریف، باب ماجاء اذا اعطب الھدی ما یصنع بہ ص ۱۸۱ نمبر ۹۱۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خود اور ساتھی اس کو نہ کھائیں بلکہ اس کی کھر کو رنگ کر غرباء کے لئے چھوڑ دے۔

نوٹ کیونکہ یہ ہدی نفلی ہے اس لئے اس کے بدلے دوسری ہدی دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

لغت عطب : جانور کا تھک جانا اور ہلاکت کے قریب پہنچ جانا۔ نعل : کھر، قلادہ کا جوتا۔ صفحة : ایک جانب، ایک کنارہ۔

[۸۱۸] (۲۲) اور اگر ہدی واجب ہے تو اس کی جگہ دوسری ہدی قائم مقام کرے اور پہلی ہدی کو جو چاہے کرے۔

تشریح اگر واجب ہدی ہے تو اس کو حرم میں ذبح کرنا چاہئے اور وہاں ذبح نہ کر سکا، اور ہلاک ہوگئی یا ہلاکت کے قریب ہوگئی تو واجب اس کے ذمہ رہ گیا اس لئے اس کی جگہ دوسری ہدی دے اور یہ خراب ہدی اس کا مال ہو گیا اس لئے اس کو جو چاہے کرے۔

وجہ حدیث گزر چکی ہے۔ **عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ ﷺ من اھدی بدنة تطوعا فعطبت فلیس علیه بدل وان کان نذرا فعلیه البدل** (سنن للبیہقی، باب ما یکون علیہ البدل من الھدایا اذا اعطب او ضل، ج خامس، ص ۳۹۹، نمبر ۱۰۲۵۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ واجب ہدی ہو تو اس کا بدل دینا ضروری ہے۔

[۸۱۹] (۲۳) نفلی، تمتع اور قران کی ہدی کو قلادہ ڈالے اور احصار کے دم کو قلادہ نہ ڈالے اور نہ جنایات کی ہدی کو۔

وجہ نفلی ہدی، تمتع کی ہدی اور قران کی ہدی نعمت ہیں اس لئے اس کا اظہار کر سکتا ہے۔ اور قلادہ ڈالنے سے اس کا اظہار ہوگا کہ یہ نعمت کی ہدی ہے۔ اور احصار کی ہدی اور جنایت کی ہدی جرم کی ہدی ہیں ان کا اظہار کرنا معیوب ہے۔ اور قلادہ ڈالنے سے اس کا اظہار ہوگا اس لئے ان ہدی کی گردن میں قلادہ نہ ڈالے (۲) حدیث میں ہے **فقالت عائشة لیس کما قال ابن عباس انا فتلت قلائد ھدی رسول اللہ بیدی ثم قلدھا رسول اللہ بیدیه ثم بعث بھا مع ابی** (الف) (بخاری شریف، باب من قلد القلائد بیدہ ص ۲۳۰ نمبر ۱۷۰۰ر مسلم

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ناجیہ اسلمی کو بھیجا اور ان کے ساتھ اٹھارہ اونٹ بھیجے۔ انہوں نے کہا اگر اونٹ ہلاک ہو جائے تو کیا کریں؟ آپؐ نے فرمایا اس کو نحر کرو پھر اس کے کھر کو خون میں رنگ دو۔ پھر اس کو اس کے کنارے پر مار دو۔ اور ان میں سے تم اور تمہارے ساتھی نہ کھائیں یا فرمایا تمہارے دوست نہ کھائیں (ب) حضرت عائشہ نے فرمایا ایسی بات نہیں ہے جیسا کہ ابن عباس نے کہا۔ میں حضور کی ہدی کا ہار بانٹا کرتی تھی اپنے ہاتھ سے پھر حضور ہدی کو اپنے ہاتھ سے قلادہ ڈالتے، پھر اس کو میرے باپ ابو بکر کے ساتھ روانہ کرتے۔

ویقلد هدی التطوع والمتعة والقران ولا یقلد دم الاحصار ولا دم الجنایات.

شریف باب استحباب بعث الهدی الی الحرم لمن لا یرید الذهاب بنفسہ واستحباب تقلیدہ ص ۴۲۵ نمبر ۱۳۲۱/۳۲۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفلی ہدی کی گردن میں جوتے کا ہار ڈالے تاکہ ڈاکو یا لوگ اس ہدی کا احترام کرے اور اس کو نقصان نہ پہنچائے۔

لغت یقلد : جوتے یا چمڑے کا ہار بنا کر ہدی کی گردن میں ڈالنا۔

نوٹ بکری کی گردن میں قلادہ ڈالنا اچھا نہیں ہے۔ کیونکہ چلنا مشکل ہو جائے گا۔ البتہ بکری کو قلادہ دالنے کا ثبوت ہے (بخاری شریف نمبر ۱۷۰۲) **عن عائشةؓ قالت کنت افتل القلائد للنبی ﷺ فیقلد الغنم ویقیم فی اهله حلالا** (بخاری شریف، باب تقلید الغنم، ص ۲۳۰، نمبر ۱۷۰۲)